

www.KitaboSunnat.com

جھوٹے نبی

— طلوعِ اسلام کے بعد سے عہدِ حاضر تک گمراہی کے
سیرے پھیلانے والے جھوٹے نبیوں اور مہدیوں کا عبرت ناک انجام

ابوالقاسم رفیق دلاوی



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

1FN
11632

جھوٹے نبی

طاووع اسلام کے بعد سے عہد حاضر تک گمراہی کے اندھیرے
پھیلانے والے جھوٹے نبیوں اور مہدیوں کا عبرت ناک انجام

22178

ابوالقاسم رفیق دلاوری

www.KitaboSunnat.com

نگارشات

24- مزنگ روڈ لاہور فون: 0092-42-7322892

E-mail: nigarshat@wol.net.pk - nigarshat@yahoo.com

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	جھوٹے نبی
مصنف	ابوالقاسم رفیق دلاوری
ناشر	آصف جاوید
	برائے نگارشات پبلشرز
	میاں چیمبرز 3- ٹیمپل روڈ لاہور
مطبع	المطبعة العربیہ لاہور
سال اشاعت	2002ء
قیمت	350/- روپے

22178

جھوٹے نبی

طلوع اسلام کے بعد سے عہد حاضر تک گمراہی کے اندھیرے پھیلانے والے جھوٹے نبیوں اور مہدیوں کا عبرت ناک انجام

22178

فہرست

9	صاف ابن صیاد مدنی	باب: 1
19	اسود غسی	باب: 2
28	طلیحہ اسدی	باب: 3
43	مسئلہ کذاب	باب: 4
65	سجاح بنت حارث تمیمیہ	باب: 5
72	مختار بن ابوعبید ثقفی	باب: 6
128	حارث کذاب دمشقی	باب: 7
137	مغیرہ بن سعید عجل	باب: 8
140	بیان بن سمعان تمیمی	باب: 9
143	ابو منصور عجل	باب: 10
145	صالح بن طریف برغواطی	باب: 11
149	بہا فریدی زوزانی نیشاپوری	باب: 12
151	اسحاق اخرس مغربی	باب: 13
156	استادیس خراسانی	باب: 14
158	ابو یحییٰ اسحاق اصفہانی	باب: 15
159	حکیم متقع خراسانی	باب: 16
165	عبداللہ بن میمون اہوازی	باب: 17
170	بابک بن عبداللہ خری	باب: 18
182	احمد بن کیاں بلخی	باب: 19
189	علی بن محمد خارجی	باب: 20
205	حمدان بن اشعث	باب: 21

211	ابوسعید حسن بن بہرام جتابی قرمطی	باب: 22
215	زکرویہ بن ماہر	باب: 23
221	یحییٰ بن زکرویہ قرمطی	باب: 24
222	عبید اللہ مہدی	باب: 25
239	علی بن فضل یمنی	باب: 26
241	ابوطاہر قرمطی	باب: 27
250	حامیم بن من اللہ	باب: 28
251	محمد بن علی ہلغانی	باب: 29
257	عبد العزیز یاسندی	باب: 30
259	ابوالطیب احمد بن حسین	باب: 31
262	ابو علی منصور	باب: 32
275	نوید کامرانی	باب: 33
277	بانی رفض و شیعیت	باب: 34
282	اصغر بن ابوالحسن	باب: 35
284	ابو عبد اللہ ابن شباس	باب: 36
286	حسن ابن صبار حمیری	باب: 37
326	رشید الدین ابوالحشر	باب: 38
328	محمد بن عبد اللہ بن تومرت	باب: 39
351	ابن ابی زکریا	باب: 40
352	حسین بن حمدان	باب: 41
354	ابوالقاسم احمد بن قس	باب: 42
355	علی بن حسن شمیم	باب: 43
356	محمود واحد گیلانی	باب: 44
360	عبد الحق بن سبعین	باب: 45
362	احمد بن عبد اللہ مٹھم	باب: 46
363	عبد اللہ راعی شامی	باب: 47
364	عبد العزیز طرابلسی	باب: 48

365	اولیس رومی	باب: 49
367	احمد بن ہلال	باب: 50
368	سید محمد جوہدوری	باب: 51
391	حاجی محمد فرعی	باب: 52
393	جلال الدین اکبر بادشاہ	باب: 53
429	سید محمود نور بخش جوہدوری	باب: 54
430	بایزید طحید	باب: 55
436	احمد بن عبداللہ سلجماسی	باب: 56
439	احمد بن علی میرٹھی	باب: 57
440	محمد مہدی ازگی	باب: 58
441	نسبانی سیوی	باب: 59
449	محمد بن عبداللہ نگر	باب: 60
450	میر محمد حسین مشہدی	باب: 61
459	مرزا علی محمد باب شیرازی	باب: 62
489	ملا محمد علی بار فروشی	باب: 63
491	زرین تاج	باب: 64
498	شیخ بھیک اور شیخ محمد خراسانی	باب: 65
500	مومن خاں	باب: 66
505	مرزا یحییٰ نوری	باب: 67
510	بہاء اللہ نوری	باب: 68
524	محمد احمد مہدی سوڈانی	باب: 69
550	مرزا غلام احمد قادیانی	باب: 70

باب نمبر ۱

صاف ابن صیاد مدنی

عہد جاہلیت میں کمانت کا شیوع :-

حضرت بشیر و نذیر ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پیشتر عرب میں عام دستور تھا کہ لوگ غیب کی خبریں اور مستقبل کے حالات معلوم کرنے کیلئے کابھوں کی طرف رجوع کرتے تھے اور خصوصیات کا معاملہ بھی زیادہ تر انہی کی مرضی اور صواب دید پر موقوف رہتا تھا چونکہ یہ مدعیان غیب دانی مرجع امام اور قبلہ حاجات سے ہوئے تھے۔ انبیاء کرام کی روحانی تعلیمات بھی اسی طائفہ کی دکان آرائیوں میں کم ہو رہی تھیں لیکن جب مرغان حرم نے توحید کی نغمہ سرائی کی اور حضرت خلاصہ موجودات سید العرب و انجم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر کشور انسانیت کی از سر نو تعمیر و تاسیس کا کام شروع ہوا تو کابھوں کی بساط مقتدائی یکسر الٹ گئی اور کوئی شخص ان کا پرسان حال نہ رہا۔ جس طرح نیر اعظم کی ضیائیشیوں میں کرک شب تاب قعر گمائی میں مستور ہو جاتا ہے اسی طرح بحر و کمانت کی ہمہ گیر تاریکیں بھی آفتاب رسالت کے طلوع ہوتے ہی نابود ہو گئیں اور ظلمت سحر و کمانت کی جگہ آسمانی تعلیمات کا نور بین افق عالم پر لہٹا اٹھن ہوا۔ کمانت و نجوم کے ان دکانداروں میں صاف نام ایک یہودی بھی تھا۔ جو ہاموس الہی کے آخری ایام سعادت میں مدینہ منورہ میں ظاہر ہوا اور اسلامی حلقوں میں ابن صیاد کی کنیت سے مشہور ہے۔

کیا ابن صیاد مسلمان تھا؟ :-

ابن صیاد سحر و کمانت میں یدِ طولی رکھتا تھا۔ گو نبوت کا مدعی تھا لیکن کسی روایت سے یہ امر پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا کہ وہ کسی دن دوسرے عالم سلاخیوں کی طرح باقاعدہ بے ہمتائی و یکنائی کی مسند غرور پر بیٹھا ہو اور کسی نے اس کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کر کے اس کی متابعت کی ہو۔ ابن صیاد بعد میں بظاہر مسلمان ہو گیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اسلام شاید نفاق سے پاک نہ تھا جس کے بہت سے دلائل و شواہد پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں کہ وہ جناب

جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دعویٰ نبوت کر کے دائرہ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ اس کے علاوہ حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن صیاد کے سامنے دجال کا ذکر آیا۔ میں نے اس سے ازراہ مذاق کہا ”تیرا ابو کیا تو دجال ہونا پسند کرتا ہے“ کہنے لگا کہ اگر وہ تمام قدرت جو دجال کو دی جائے گی۔ مجھے عطا کی جائے تو میں دجال بنانا پسند نہ کروں“ (صحیح مسلم) لکن صیاد کا یہ جواب اس کے دلی خیالات و عقائد کا صحیح آئینہ ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے دل پر شیخی اسلام و ایمان کے نقش کہاں تک مرسم تھے؟

لکن صیاد قتل و استہلاک سے کیوں بچا رہا؟ :-

ایک مرتبہ امیر المومنین عمرؓ کی رگ غیرت اس کے دعویٰ نبوت پر جنبش میں آگئی انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں اس کی گردن بار دوں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر لکن صیاد وہی دجال الفطر ہے تو تم اس پر کسی طرح قابو نہ پاسکو گے (کیونکہ وہ لامحالہ قرب قیامت تک زندہ رہ کر بھیسی لکن مریم علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہوگا) اور اگر لکن صیاد دجال معبود نہیں تو اس کے قتل کرنے سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا (ظاہری و مسلم) ظاہر ہے کہ حضور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد ہر وہ شخص جو نبی اور مہبط وحی ہونے کا دعویٰ ہو کافر اور واجب القتل ہے لیکن لکن صیاد بلا وجود اوعائے نبوت قتل سے اس لئے محفوظ رہا کہ انہیں خداوندی نے لڑکوں کے قتل کی اجازت نہیں دی۔ اگر وہ بالغ ہوتا تو پھر دعویٰ نبوت کے ساتھ کسی آمرزش و رعایت کا مستحق نہ تھا۔ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ جو شخص حکومت و قدرت کے خلاف غداری کرتا ہے یا اس پر کسی سازش یا جنگجوئی کا الزام عائد ہوتا ہے، وہ کشتی و گردن ذوقی قرار پاتا ہے۔ اسے جس دوام و عبور دریائے شور کی سزا دی جاتی ہے یا وہ نشانہ بدوق بنایا جاتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص شہنشاہ اراض و سماء کی روحانی مملکت میں غدر و فساد کرے اور دین الہی میں رخنہ اندازی کا مجرم ہو وہ کس درجہ قابل مواخذہ نہ ہوگا؟

مع قتل کی دوسری وجہ یہ تھی کہ یہود ان دنوں ذمی تھے اور ان سے اس شرط پر صلح ہوئی تھی کہ ان سے کسی حال میں تعرض نہ کیا جائے گا چنانچہ ”شرح البیت“ کی روایت میں صاف یہ الفاظ موجود ہیں کہ ”اگر لکن صیاد دجال موعود نہیں تو تمہیں کسی طرح مناسب نہیں کہ ایک ذمی کو قتل کرو“ (مشکوٰۃ)

لکن صیاد سے سرورِ عالم کا دلچسپ مکالمہ :-

روایات صحیحہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابلیسی طاقتیں خورد سالی سے ہی اس کے باطن میں اپنی

طاغوتی کذب آفرینیاں القا کر رہی تھیں اور وہ حد بلوغ سے قبل ہی اظہار نبوت کر رہا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ابن صیاد کی طرف تشریف لے گئے۔ امیر المومنین عمر فاروقؓ بھی ساتھ تھے۔ ابن صیاد عالم طفلی میں قلعہ بنی مغالہ کے اندر جو یہود کا ایک قبیلہ تھا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی طرف راجع کر کے فرمایا کیا تو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ میں اللہ کا فریستادہ ہوں؟ ابن صیاد نے کہا میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ امیوں کے (یعنی عرب والوں کے جو اکثر باخواندہ تھے) نبی ہیں پھر ابن صیاد نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ”کیا آپ بھی مجھے رسول مانتے ہیں؟“ آپ نے فرمایا کہ ”میں تو اللہ جل و علا اور اس کے تمام (سچے) نبیوں پر ایمان رکھتا ہوں لیکن یہ تو بتا کہ توجو نبوت کا دعویٰ دار ہے تجھے کیا دکھائی دیتا ہے؟“ اس نے جواب دیا کہ ”میرے پاس ایک صادق آتا ہے اور ایک کاذب“ غالباً اس کا فشاء یہ تھا کہ اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور ایک شیطان یہ دونوں اس کے دل پر امور غیبیہ القا کر جاتے ہوں گے۔ ابن صیاد کے خود اپنے بیان سے اس کے دعویٰ نبوت کا بطلان ظاہر ہو گیا کیونکہ انبیاء کرام کی خبریں ایسی کاذب سے قطعاً ہر اہوتی ہیں۔ خلاف کا ہنوں کے کہ ان کی بعض اطلاعیں سچی ہوتی ہیں اور بعض جھوٹی۔ یہ سن کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تجھ پر صدق اور کذب مختلط ہو گیا ہے“ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ پر اس کا بطلان ظاہر کرنے کیلئے علیؓ روئے الاشاد اس کا امتحان کرنا چاہا چنانچہ فرمایا ”اچھا میں ایک کلمہ اپنے دل میں سوچتا ہوں بتاؤ کہ وہ کون سا کلمہ ہے؟“ جناب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیت جس کے پانچ کلمے ہیں اپنے ذہن میں طحوظ رکھی یَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ (جس دن کہ آسمان پر بین دھواں ظاہر ہوگا) ابن صیاد نے کہا وہ دھواں ہے۔ ابن صیاد پانچ الفاظ کے کلام میں سے صرف ایک لفظ بتا سکا۔ جب حضور نے دیکھا کہ اس کا حال عام کا ہنوں کا سا ہے جو القائے شیطانی کی بدولت بعض امور غیبیہ معلوم کر لیتے ہیں تو فرمایا کہ ”تو اپنی بساط سے بڑھ کر قدم نہیں مار سکتا اور نہ اس درجے سے تجاوز کر سکتا ہے جو کا ہنوں کو حاصل ہے اور جب تو دوسروں کے دلی خطرات کو پوری طرح نہیں بتا سکتا تو نبوت کا دعویٰ چھوٹا منہ بڑی بات ہے“ رب قدیر انبیاء کو لوگوں کے دلی ارادوں اور راز ہائے پنهانی پر علیؓ وجہ الکمال مطلع فرما دیتا تھا۔ خلاف منجموں اور کاہنوں کے کہ جنود ابلیس ان پر کلمات قدسیہ میں سے کوئی ایک کلمہ القا کر دیتا ہے۔

جس دن خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد سے اپنے معبود ذہنی کے متعلق سوال کیا اس نے بعد آپ والہ صیاد کے مزید حالات معلوم کرنے کا اشتیاق ہوا چنانچہ آپ دوسرے دن حضرت ابی بن کعب انصاریؓ کو ساتھ لیکر اس نخلستان کو تشریف لے گئے جہاں ابن صیاد

مقیم تھا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ ایک چادر تانے بسٹر پر دراز ہے اور چادر میں سے غن غن کی آواز آرہی ہے۔ آپ اس حقیقت کے پیش نظر کہ جب کسی کے منہ کا خوف ہو تو انشاء راز اور اظہار حقیقت جائز ہے، درخت خرما کی شاخوں کی آڑ میں ہو لئے تاکہ اس کے یہ جاننے سے پیشتر کہ آنحضرت تشریف فرما ہیں۔ اس کی گنگناہٹ کا مضموم اور مفاد سمجھ سکیں جو مخفی اور ناقابل فہم تھا۔ ان صیاد کی ماں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پکار اٹھی۔ ”دیکھو صاف! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے ہیں“ ان صیاد حضور کی تشریف آوری سے مطلع ہو کر خاموش ہو گیا۔ اگر اس کی ماں خاموش رہتی تو اس کی باتوں سے اس کی حقیقت حال پر مزید روشنی پڑ سکتی۔ اس کے بعد جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور دجال کے متعلق ایک نصیحت فصیح و بلیغ خطیبہ دیا اور واپس تشریف لے آئے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ اسی طرح ایک اور مرتبہ جناب خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخینؓ مدینہ طیبہ کے ایک کوچہ میں لنن صیاد سے ملے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے پوچھا کہ ”کیا تو میری رسالت کا قائل ہے؟ کہنے لگا کیا آپ بھی مجھے رسول اللہ مانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اَمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلِيْكِهِ وَرُسُلِهِ اور چونکہ تو کذاب ہے اس لئے تجھ پر ایمان نہیں لاسکتا“ اس کے بعد حضور نے دریافت فرمایا کہ تجھ پر کیا بھارتیں آتی ہیں؟ اس نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ عرش پانی پر کھڑا ہے۔ فرمایا ”تو عرش ابلیس کو سطح آب پر دیکھتا ہوگا“ بعض احادیث نبویہ میں دسواں کے متعلق مذکور ہے کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بٹھا کر اپنی ذریعہ کوفوں سازیوں اور فتنہ انگیزیوں کیلئے لوگوں کے پاس بھیجتا ہے۔ لنن صیاد اسی ابلیسی تخت کو پانی پر دیکھ کر گمان کرتا تھا کہ یہ عرش الہی ہے۔ اس کے بعد آں سرور علیہ التحیۃ والسلام نے دریافت فرمایا ”کبھی کچھ اور بھی دیکھا ہے؟“ جواب دیا ”میں دو صادق اور ایک کاذب (یادو کاذب اور ایک صادق) کو دیکھا کرتا ہوں“ آپ نے فرمایا ”اس شخص پر اپنا معاملہ مختل ہو گیا ہے اور اسے اپنی نسبت بھی یقین نہیں کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا“ (مسلم)

لنن صیاد بارگاہ نبویؐ میں :-

حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ لنن صیاد نے جناب نبی الرحمتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جنت کی مٹی کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ ”وہ سفیدی میں میدے کی مانند ہے اور اس کی بو خالص کستوری کے مشابہ ہے“ (صحیح مسلم) اس روایت کے پتہ چلتا ہے کہ لنن صیاد کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا لیکن کسی روایت سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ لنن صیاد نے کس سال بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر بیعت اسلام کی

اور کشتی مرتبہ آستانہ نبوت میں حاضر ہوا؟ لیکن یہ امر تعجب خیز ہے کہ ابن صیاد جیسا کابھن مدعی نبوت و عہد رسالت میں خاص مدعیہ الرسول کے اندر موجود ہو۔ یوم حرہ کے واقعات ہاں تک جو یزید بے دولت کے عہد ظلمت میں ظہور پذیر ہوئے۔ ہزار ہا صحابہ کو اس سے وقتاً فوقتاً ملنے کا اتفاق ہوا ہو اور پھر اس کی اغواء کو شیعوں کے حالات اور سوانح حیات شرح و بسط کے ساتھ نہ مل سکیں لیکن اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نے دوسرے صحیوں اور خانہ ساز مسکوں کی طرح اپنے تقدس کی دکان جمائے اور لوگوں کیلئے باقاعدہ دام تزیں بچھانے کا قصد ہی نہ کیا بلکہ کچھ تو اپنے غلبہ حال اور دجالی حرکات کے باعث لوگوں سے بہت کچھ الگ تھلگ رہتا تھا اور کچھ صحابہ کرام سے بوجہ اپنے کذب آفرین دعادی کے چھپتا تھا۔ اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ وہ اپنے اوقات حیات کو گوشہ عزلت میں زیادہ گزارتا ہو گا اور یہی اس کے سوانح حیات بخت نہ پائے جانے کی علت ہے۔

کیا ابن صیاد ہی دجال اکبر ہے؟ :-

بعض علماء نے ابن صیاد کو وہی دجال اکبر سمجھا ہے جسے مسیح علیہ السلام قرب قیامت کو قتل کریں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دجال اکبر تو نہیں تھا البتہ ان دجالوں میں سے ایک ضرور تھا جو جھوٹے دعویٰ کے ساتھ خلق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ جن حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ ابن صیاد ہی دجال اکبر ہے اور یہ کہ وہی نمایت مسن اور طویل العمر ہو کر اخیر زمانے میں ظاہر ہو گا۔ اور روئے زمین پر فساد برپا کرے گا۔ ان کے دلائل یہ ہیں :-

محمد بن مہر کہتے ہیں کہ میں نے جامعین عبد اللہ کو اس بات پر حلف اٹھاتے دیکھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ میں نے کہا تعجب کی بات ہے کہ آپ اس بارے میں اللہ کی قسم کھاتے ہیں؟ جامع نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین نے میری موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے اس بات پر قسم کھائی تھی اور حضور نے اس پر انکار یا اعتراض نہیں کیا۔ (بخاری و مسلم)

اس روایت کے متعلق بعض علماء کا خیال ہے کہ امیر المؤمنین عمرؓ نے ابن صیاد میں بعض دجالی علامتیں دیکھ کر اسے ہی دجالی یقین کر لیا تھا۔ اور ان کے حلف کا اصل منبہ یہ تھا کہ ابن صیاد ان دجالوں یعنی عیاروں میں سے ہے جو دعویٰ نبوت کے ساتھ فتنہ انگیزی کریں گے ان کی سوگند کا ہر گز یہ منشاء نہ تھا کہ وہ دجال اکبر ہے۔ اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سکوت کی وجہ یہ تھی کہ آپ اس وقت تک آسانی اطلاع نہ پانے کے باعث خود متردد تھے کہ ابن صیاد جس میں دجالی علامتیں پائی جاتی ہیں، دجال موعود ہے یا نہیں؟ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے حمیم داری کی زبان سے عرب کے ایک جزیرہ میں دجال کے قید ہو نیکاً واقعہ سنا تو اس وقت آپ پر دجال کی

شخصیت متحقق و متعین ہو گئی۔

دو صحابیوں کی ان صیاد کے والدین سے گفتگو :-

ان صیاد کو دجال اکبر سمجھنے والے علماء کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ابو بکرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ دجال کے والدین کے یہاں تیس سال تک کوئی اولاد پیدا نہ ہوگی۔ اس کے بعد ان کے گھر ایک کانا لڑکا متولد ہوگا۔ جس کے بڑے بڑے دانت ہوں گے اور دنیاوی لحاظ سے نہایت حقیر اور کریمہ النظر ہوگا۔ نیند کے وقت اس کی آنکھیں تو سوئیں گی لیکن دل (بوجہ ہجوم و وساوس و خیالات فاسدہ کے جو شیطان القا کرے گا اسی طرح) بیدار رہے گا (جس طرح سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک کثرت افکار صالحہ اور وحی والہامات کے پے در پے وارد ہونے کی وجہ سے نہ سوتا تھا) اس کی ناک پر ندے کی چونچ کی مانند گول ہو گی۔ اس کی ماں بہت فربہ اندام اور نحیم و نحیم ہوگی۔ اور اس کے ہاتھ بہت لمبے ہوں گے۔ حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں ہم نے مدینہ کے ایک یہودی کے گھر میں ایک کانا لڑکا پیدا ہونیکا حال سنا۔ میں اور زبیرؓ بن عوام اس کے والدین سے ملے اور انہیں ان تمام صفات سے متصف پایا جو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے ماں باپ کے متعلق بیان فرمائے تھے۔ ہم نے پوچھا تمہارا کوئی فرزند بھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ تیس سال تک تو ہمارے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ لیکن اب ایک کانا اور بڑے بڑے دانتوں والا حقیر سا لڑکا متولد ہوا ہے اس کی آنکھیں تو سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔ ہم وہاں سے چلے تو ہم نے لڑکا بھی قریب ہی دھوپ میں پڑا پایا۔ یہ لڑکا جو پست آواز سے گنگنا رہا تھا سر کھول کر بولا تم نے کیا کہا؟ ہم نے کہا کیا تو نے ہماری بات سنی؟ کہنے لگا بے شک؟ گو میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا قلب بیدار رہتا ہے۔ (ترمذی)

لیکن علماء کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کے رواۃ میں ایک شخص علی بن زید بن جعدان منفرد ہے۔ اور وہ قوی نہیں۔ علاوہ بریں یہ روایت ابولہیٰ شیخ ابن حجر عسقلانی درایت بھی ناقابل اعتماد ہے کیونکہ ابو بکرؓ ۸ھ میں ایمان لائے۔ اور یحییٰ بن یحییٰ میں ہے کہ جب وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوئے تو وہ قریب البلوغ تھے اور انہوں نے وصال نبوی سے صرف دو ہی سال پیشتر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ پس ظاہر ہے کہ ابو بکرؓ نے ان صیاد کو اس کے زمانہ ولادت میں مدینہ طیبہ میں ہرگز نہیں دیکھا۔ اس کے علاوہ ان صیاد اور اس کے والدین کا دجالی صفات و علامات سے موصوف ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ ان صیاد ہی دجال اکبر تھا کیونکہ دو صفتوں کا اتحاد دو موصوفوں کے اتحاد کو مستلزم نہیں۔

لنن صیاد سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ملاقات :-

لنن صیاد پر دجال ہونے کا شبہ اس بنا پر بھی کیا جاتا تھا کہ وہ شکل و شبہت اور شامل میں دجال اکبر سے بہت بڑی مماثلت رکھتا تھا۔ چنانچہ جس طرح دجال کی ایک آنکھ دانہ انگور کی مانند پھولی ہوگی اسی طرح لنن صیاد کی ایک آنکھ بھی انھری ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں لنن صیاد سے ملا تو دیکھا کہ اس کی ایک آنکھ پھولی ہوئی اور لو پر کو اٹھی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ تمہاری آنکھ میں کب سے یہ خرابی پیدا ہوئی؟ بولا میں نہیں جانتا۔ میں نے کہا مدہ خدا خود تیری آنکھ تیرے سر میں ہے اور تجھے اس کی خرابی کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ لنن صیاد کہنے لگا کہ اگر خدائے قادر و توانا چاہے تو تمہارے ہاتھ کی اس چھڑی میں بھی ایسی ہی آنکھ پیدا کر دے۔ لنن صیاد کے اس جواب کا منشاء یہ تھا کہ حق تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جمادات میں بھی آنکھ پیدا کر دے اور جس طرح اس جماد کو اپنی آنکھ کا شعور اور آشوب چشم کا احساس نہیں ہوگا اسی طرح ممکن ہے کہ انسان بھی کثرت اشغال و ہجوم افکار کی وجہ سے مانع اور اک اشیاء کو اسی طرح مد رک نہ کر سکے۔ جس طرح لوگ فرط غم اور وفور مسرت کے وقت بھوک کا مطلق احساس نہیں کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد لنن صیاد گدھے کی سی آواز کے ساتھ پیچھے لگا۔ یہ گواز ایسی کرسمہ اور بھیاک تھی کہ میں نے کسی گدھے کی بھی ایسی مکررہ آواز نہیں سنی تھی۔ میرے احباب کا خیال تھا کہ میں نے لنن صیاد کو اپنی لائٹھی سے اتار بیٹھا تھا کہ لائٹھی ٹوٹ گئی۔ حالانکہ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیا پیش آیا اور وہ کیوں چیخا؟ اسی طرح لنن صیاد کے ایک یودی رفیق نے یہ گمان کیا تھا کہ میں نے اس کے گھونسا رسید کیا حالانکہ یہ خیال بھی سراپا غلط تھا۔ (صحیح مسلم)

حدیث جسامہ سے جو عنقریب سپرد قلم ہوگی۔ اس بات کا قطعی علم ہو گیا تھا کہ لنن صیاد دجال اکبر نہیں ہے۔ لیکن مسلمانان مدینہ لنن صیاد کی دجالی صفات اور اس بیت کذا کی کا لحاظ کرتے ہوئے بہت دن تک اس شبہ میں پڑے رہے۔ کہ شاید یہی شخص قرب قیامت کو دجال کی حیثیت سے ظاہر ہو۔ اور یہی وجہ تھی کہ لنن صیاد اہل مدینہ کے لئے سامان خندہ زنی بنا ہوا تھا اور لوگ اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے۔ نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی کسی سڑک پر لنن صیاد سے ملاقات ہوئی۔ حضرت لنن عمرؓ نے اس سے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے وہ برا غضب ناک ہوا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمرؓ اپنی خواہر محترمہ ام المومنین حضرت حصہؓ کے پاس آئے ام المومنین اس سے پیشتر سن چکی تھیں کہ ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ لنن صیاد سے کوئی بات کہہ کر اس کی اشتعال انگیزی کا باعث ہوئے تھے۔ ام المومنین نے

فرمایا: خدا تم پر رحم کرے۔ تم نے لکن صیاد کو کیوں مشتعل کیا؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال کئی بات پر غضبناک ہو گا اور پھر یہی غیظ و غضب اس کے خروج کا باعث بن جائے گا۔ اور چونکہ یہ احتمال ہے کہ یہی شخص دجال اکبر ہو اس لئے یہ بات کسی طرح مناسب نہیں اسے برا بھلا کرنے کے باب فتن کھولا جائے۔ (صحیح مسلم)

لکن صیاد کا استدلال اپنے دجال ہونے کی نفی پر
احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ دجال مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور تعجب ہے کہ جن حضرات نے لکن صیاد کو دجال اکبر یقین کیا۔ ان کا ذہن ان روایات صحیحہ کی طرف کیوں متوجہ نہ ہوا؟ ایک روایت میں خود لکن صیاد نے بھی اسی ارشاد نبوی سے استدلال کر کے اپنے دجال ہونے کی نفی کی تھی۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ سے مکہ مکرمہ کو جاتے ہوئے میں ابن صیاد کا رفیق سفر تھا۔ اثناء گفتگو میں وہ مجھ سے کہنے لگا کہ میں نے لوگوں سے اتنا دکھ اٹھایا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ رسا درخت سے باندھ کر اس کا پھندا گلے میں ڈال لوں اور پھانسی لے لوں۔ میں نے پوچھا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کہنے لگا وجہ یہ ہے کہ لوگ مجھے دجال سمجھتے ہیں۔ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ دجال لادلف ہو گا اور میں صاحب لولاء ہوں؟ کیا پیغمبر علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ دجال کافر ہو گا۔ اور میں مسلمان ہوں؟ اور کیا سر دار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہ فرمایا تھا کہ دجال کے اور مدینے میں داخل نہ ہو گا۔ لیکن میں مدینے میں پیدا ہوا اور وہیں سے اگر مکہ معظمہ جا رہا ہوں؟ (مسلم) حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ابن صیاد واقعہ حرہ میں جبکہ یزید کا لشکر اہل مدینہ پر غالب آیا مغرور ہو گیا۔ بظاہر یہ روایت اس بیان کے منافی ہے جس پر مذکور ہے کہ وہ مدینے میں مراور اس پر نماز پڑھی گئی۔ اگر اس روایت کا مضمون عام اور موت کو بھی شامل ہے تو کچھ منافات نہیں کیونکہ دونوں کا حاصل یہ ہو سکتا ہے کہ وہ واقعہ حرہ میں مراور اس کی نماز جنازہ پڑھائی گئی۔
دجال اکبر ایک جزیرہ میں قید ہے :-

قیم داری کے بیان سے جو دجال کی شخصیت کے بارہ میں نص ہے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ لکن صیاد دجال منظر نہیں کیونکہ جن دنوں لکن صیاد چوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی گلیوں میں کھیل رہا تھا۔ انہی ایام میں یا شاید اس سے بھی پیشتر قیم داری نے دجال کو عرب کے ایک جزیرہ میں پایہ زنجیر دیکھا۔ اب قیم داری کے دلچسپ مشاہدات کی روایت جو علماء میں ”حدیث جسامہ“ کے نام سے شہرت رکھتی ہے۔ ملاحظہ ہو :- ”فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ کہتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجد نبوی میں گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضور

نماز سے فارغ ہو کر منبر پر بیٹھے اور آپ نے حسب عادت مسکرا کر فرمایا کہ سب آدمی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔ اس کے بعد فرمایا کیا جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا؟ معلومہ عرض گزار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول اعظم ہیں۔ ارشاد ہوا میں نے کسی ترغیب یا ترہیب کے لئے تمہاری اجتماع کی خواہش نہیں کی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تمہیں داری ایک عیسائی تھے جو طلعت اسلام سے سرفراز ہوئے۔ اب انہوں نے دجال کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا ہے جو ان ربانی تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے جو میں دجال کے متعلق تمہارے سامنے پیش کرتا رہا ہوں۔ چونکہ یہ ماجرا تمہیں کے معنی مشاہدہ پر مبنی تھا اس لئے حضور نے لوگوں کے اذیاد یقین کے لئے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ تمہیں داری کا بیان ہے کہ میں نے جہاز میں سوار ہو کر سمندر کا سفر اختیار کیا۔ قبیلہ تم اور جذام کے بھی تمہیں آدمی میرے رفیق سفر تھے اتنے میں سمندر میں ایسا طوفان آیا کہ جہاز سمندر کے طول و عرض میں حالت تباہ چکر کاٹ رہا لیکن ساحل بحر تک نہ پہنچ سکا۔ آخر موجوں کے خوفناک تھپیڑے کھاتا ہوا ایک مہینہ کے بعد بصد خرابی کنارے لگا۔ ہم ایک جزیرہ میں اترے۔ اٹابے رات میں ایک عجیب قماش کی عورت ملی جس کے بہت لمبے لمبے بال تھے۔ ہم نے اس سے دریافت کیا کہ تو کون ہے؟ کہنے لگی میں جسامہ یعنی حجرہ ہوں جو دجال کو خبریں پہنچاتی ہوں۔ تم لوگ سامنے والے دیر میں جاؤ وہاں دجال کو دیکھو گے۔ ہم نے دیر کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر ایک اتابو اقویٰ نیکل مرد دیکھا کہ اس سے پوچھا اس قدر قامت کا انسان کبھی نظر سے نہ گزرا تھا۔ یہ شخص سلاسل و اغلال میں جکڑا ہوا تھا اس کے ہاتھ گھٹنوں اور ٹخنوں کے پچ میں سے نکل کر گردن سے بندھے تھے۔ ہم اس کو دیکر انسان کو دیکھ کر حیرت رہ گئے۔ ہم نے پوچھا تو کون ہے؟

وہ :- چونکہ تم نے مجھے اس حال میں دیکھ لیا اس لئے میں اپنے تئیں تم سے مخفی نہ رکھوں گا۔ لیکن پہلے تم یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کس طرح آنا ہوا؟

ہم :- ہم عرب کے رہنے والے ہیں۔ ہم نے بحری سفر اختیار کیا تھا لیکن ہمارا جہاز طوفان میں گھر کر مہینہ بھر سرگردان رہا۔ آخر ہم حالت تباہ اس جزیرہ میں آپہنچے۔ ایک عجوبہ روزگار جسامہ ہم سے کہنے لگی کہ تم لوگ اس شخص کی طرف جاؤ جو دیر میں ہے۔ پس ہم لوگ جگت سے تیرے پاس پہنچے۔

وہ :- اچھا یہ تو بتاؤ کہ نخل بیسان ہنوز بار آور ہوا یا نہیں؟

ہم :- بیسان کے نخلستان میں درہم پھل آرہا ہے۔

وہ :- لیکن یاد رکھو کہ وہ وقت بھی آنے والا جب کہ بیسان میں کھجوروں کے درخت ثمر آور نہ ہوں گے اس کے بعد سوال کیا کہ کیا حیرہ طبریہ میں ابھی پانی موجود ہے یا خشک ہو چکا

﴿18﴾

ہے؟

ہم :- اس میں تو پانی بافرط موجود ہے۔

وہ :- وہ وقت دور نہیں جب کہ (قرب قیامت کو) اس کا پانی خشک ہو جائے گا۔ اس کے بعد دریافت کرنے کا کیا چشمہ زغر میں پانی آ رہا ہے؟ اور وہاں کے لوگ اس پانی سے زراعت کر رہے

ہیں؟

ہم :- اس میں تو پانی کی بہتات ہے۔ اور لوگ اس سے اپنی زمینوں کو خوب سیراب کر رہے

ہیں۔

وہ :- اچھا یہ تو بتاؤ کہ امیوں کے نبی نے ظاہر ہو کر کیا کچھ کیا ہے؟

ہم :- وہ اپنی قوم پر غالب آئے اور لوگوں نے ان کی اطاعت کر لی ہے۔

وہ :- ہاں ان کے لئے اطاعت و سرافکندگی ہی بہتر تھی۔ اس کے بعد کہنے لگا اب میں اپنی نسبت

بھی بتا دوں کہ میں مسیح (و جال) ہوں۔ اور مجھے عنقریب یہاں سے نکلنے کی اجازت ملے

گی۔ میں روئے زمین میں ہر جگہ دورہ کروں گا۔ اور دنیا میں کوئی آبادی ایسی نہ ہوگی جہاں

چالیس دن کی مدت میں پہنچ نہ جاؤں باستثناء مکہ اور طیبہ کے کیونکہ ان دو شہروں میں مجھے

داخلہ کی اجازت نہیں ہے۔ جب میں مکہ یا طیبہ میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا تو

محتاج رہنے فرشتہ موجود ہو کر میرے اقدام میں حرام ہونے لگے گا۔

یہ واقعہ بیان کر کے جناب سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عصا منبر پر رکھ کر

تین مرتبہ فرمایا یہی طیبہ ہے۔ یہی طیبہ ہے۔ یہی طیبہ (مدینہ منورہ) ہے۔ (مسلم و اب داؤد

بالفاظ مختلفہ)

باب نمبر 2

أسود عَنَسِي

جب حضرت سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے مراجعت فرماتے مدینہ منورہ آئے تو آپ کی صحت مزاج اعتدال سے منحرف ہو گئی اور گو طبیعت جلد سنبھل گئی لیکن منافقوں کی طرف سے ناسازی طبع کی خبر کچھ ایسے بڑے عنوان سے پھیلائی گئی تھی کہ استبداد و خود سری کے مادے مختلف رنگوں میں ظہور کرنے لگے اور بہت سے منافقوں کو اپنا کفر عالم آشکار کرنے کا حوصلہ ہو گیا۔ نفس لارہ کے جن پجاریوں نے علالت نبوی کی خبر پاتے ہی اپنے ایمان و اسلام کو خیر باد کہہ دیا اسود عَنَسِي ان میں سب سے پیش پیش تھا اس نے نہ صرف نعمت ایمان سے جبر و حرمان قبول کیا بلکہ اس کی بوالہوسی نے خود ساختہ نبوت کا تاج بھی اسکے سر پر رکھ دیا۔

حضرت خیر البشر کی دشمنی گوئی :-

رنجوری لول کے چند ماہ بعد حضرت سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ دنیا سے رخصتی و گزشتگی کو الوداع کہہ کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے ہیں۔ بروز شنبہ 10 ربیع الاول 11ھ کو خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حالت مرض میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے مکان پر تشریف لائے اور یحییٰ کے دن مرض نے شدت اختیار کر لی۔ آپ نے انہی ایام مرض میں فرمایا کہ میں نے (خواب میں) اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے۔ مجھے ان سے نفرت ہوئی تو ان پر پھونک دیا۔ معادوں کنگن معدوم ہو گئے ان دو کنگنوں کی تعبیر یہی دو جھوٹے دجال ہیں کہ میں جن کے درمیان ہوں۔ ایک میسلہ یمامہ والا۔ دوسرا اسود یعنی۔ آپ نے انہی ایام مرض میں وحی الہی سے اطلاع پا کر یہ بھی فرمایا کہ ”اسود فلاں روز اور فلاں مقام پر قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ ویسای ظہور میں آیا۔“

ابتدائی حالات اور دعوائے نبوت :-

اسود کا اصل نام مہملہ بن کعب بن عوف عَنَسِي تھا۔ لیکن سیاہ فام ہونے کی وجہ سے اسود کے نام سے مشہور ہو گیا تھا عَنَسِي قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھی علاقہ یمن کے ایک موضع میں جس کا نام کف خار ہے پیدا ہوا اور وہیں نشوونما پایا۔ شعبہ گری اور کمانت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اور اس زمانہ میں یہی دو چیزیں باکمال ہونے کی بہت بڑی دلیل سمجھی جاتی تھیں۔ اسود کی ذات

میں شیریں کلائی اور قمل و دم دہری کا جو ہر بدرجہ اتم و دیعت قبل اس لئے عامۃ الناس جلد اس کی کند خدح میں پھنس جاتے تھے۔ اس کے لقب میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے ذوالنحر یعنی لوڑھنی والا لکھا ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت چادر لوڑھے اور عمامہ باندھے رہتا تھا اور بعض نے اس کا لقب ذوالنحر بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے پاس ایک سدھا ہوا گدھا تھا جب اس کی طرف مخاطب ہو کر کہتا کہ اپنے خدا کو سجدہ کر تو وہ فوراً سر بسجود ہو جاتا جب بیٹھنے کو کہتا تو جھٹ بیٹھ جاتا اور جب کھڑا ہونے کا حکم دیتا تو وہ نیم قد اور بعض اشاروں پر سر و قد کھڑا ہو جاتا تھا جب اہل نجران نے اسود کے ادعائے نبوت کی خبر سنی تو اسے بغرض امتحان اپنے ہاں مدعو کیا یہ لوگ اس کی چکنی چڑی باتوں پر فریفتہ ہو گئے اور جب اس نے گدھے کی نشست و مدخاست سے اپنا ”اعجازی کرشمہ“ بھی دکھا دیا تو انہوں نے نقد ایمان نذر کر کے اس کی بیرونی اختیار کر لی اسی طرح قبیلہ مذحج نے بھی اسود کی نئی تحریک کو سمعاً و طاعت قبول کر لیا۔

حضرت سرور عالم حکومت یمن کو مختلف افراد میں تقسیم فرماتے ہیں :-

جس وقت باذان اور اہل یمن حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اس وقت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی ساری حکومت باذان کی رحلت کے بعد آپ نے یمن کی حکومت تقسیم کر کے گیارہ افراد کے دست اختیار میں دے دی نجران پر عمرو بن حزم کو حاکم مقرر فرمایا نجران اور نعیہ کا درمیانی علاقہ خالد بن سعید کو تفویض فرمایا ہمدان عامر بن شمر کو دیا گیا صنعا کی حکومت شمر بن باذان کو عطا ہوئی۔ طاہر بن ابوالہ نغہ اور اشعریوں کے والی بنائے گئے ابو موسیٰ کو ماربہ کی اور فروہ بن مسیک کو مرہو کی امارت پر سرفراز فرمایا گیا۔ جند کی سرداری سلیمان امیہ کے زیر فرمان دی گئی حضر موت کی حکومت زیاد بن لبید انصاری کو مفوض ہوئی۔ اور سکاسک اور سکون پر عکاشہ بن ثور کو اور ہو معاویہ کندیہ پر ماجر کو عامل مقرر فرمایا گیا مگر موخر الذکر کے تقرر کے بعد ہی حضور سید کون و مکان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت سخت علیل ہو گئی اس لئے ان کا جانا ملتوی رہ گیا۔ آخر حضور کے وصال کے بعد امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کی حکومت پر روانہ فرمادیا۔

اسود کی ملک گیری اور اس کا فوری عروج و اقبال :-

اسود نے دعوائے نبوت کے بعد تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے سب سے پہلے اہل نجران کو گانٹھ کر نجران پر چڑھ دوڑا اور عمرو بن حزم اور خالد بن سعید بن عاص کو وہاں کی حکومت سے بے دخل کر دیا اسی طرح اسود کا وزیر قیس بن عبد یغوث مرادی بھی جس کے

ہاتھ میں اسودی لشکر کی قیادت تھی فردہ بن مسیک پر چڑھ کیا جو مراد پر عامل تھے اور انہیں منہزم کر کے وہاں پر قابض ہو گیا۔ نجران سے فارغ ہو کر اسود نے صنعا کا رخ کیا یہاں شہر بن باذان نے اس کا مقابلہ کیا لیکن مغلوب ہو کر جرحہ شہادت پئی لیا حضرت معاذ بن جبلؓ اپنی بے سرو سامانی کا لحاظ کرتے ہوئے صنعا سے روٹنے ہوئے اور مارب میں ابو موسیٰ کی طرف ہو کر گزرے ابو موسیٰ نے دیکھا کہ حفظہ و دفاع کا کوئی سامان نہیں تھا چارہ بھی حضرت معاذ بن جبلؓ کے ہمراہ چل کھڑے ہوئے حضرت معاذؓ تو سکون میں ٹھہرے اور ابو موسیٰ کا سک کو چلے گئے اسی طرح طاہر بن ابوالہ جبل صنعا میں جا پہنچا گزین ہوئے اور وہ لوگ جو قبیلہ مذحج میں سے اسلام پر قائم رہے انہوں نے فردہ کے پاس جا پہنچی۔ اس وقت اسودی اقبال کا یہ عالم تھا کہ فتح و ظفر ہر وقت حکم کی خاطر تھی غرض یمن کا سارا ملک اسود کے جیٹہ اقتدار میں چلا گیا اور وہ شرقاً و غرباً صحرائے حضر موت سے طائف تک اور شمال میں بحرین سے احسا تک اور جنوب میں عدن تک کا مالک ہو گیا اسود کی حکومت ملک کے طول و عرض میں اس سرعت سے پھیلی جس طرح آگ گھاس پھوس کے مکان کے ایک سرے میں لگ کر آنا فانا دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہے جب پہلی مرتبہ شہر بن باذان سے اس کی ٹڈ بھڑ ہوئی ہے تو اس کے پاس صرف سات گھڑ چڑھوں اور کچھ ساڑنی سواروں کی جمعیت تھی لیکن اب اس کی سلطنت کو بڑا استحکام نصیب ہوا ان واقعات سے اکثر اہل یمن اسلام کے صراطِ صدق و صواب سے منحرف ہو کر اسود کی نبوت پر ایمان لے آئے اب عمرو بن حزم اور خالد بن سعید مدینہ منورہ پہنچے اور تمام دل خراش واقعات حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مع مبارک تک پہنچائے۔

جب یمن کے سارے علاقے اسود کے سایہ میں آچکے تو اس نے عمرو بن معد کرب کو اپنا نائب مقرر کیا یہ وہی شخص ہے جو پہلے خالد بن سعید بن عامر کی مجلس شوریٰ کا رکن تھا لیکن پھر مرتد ہو کر اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور خالد بن سعید کے مقابلہ سے بھاگ کر اسود کے ظلِ عاطفت میں جا پہنچا تھا۔ اب حضر موت کے مسلمانوں کو یہ خوف و امن گیر ہوا کہ کہیں اسود ان پر بھی فوج کشی نہ کرے یا حضر موت میں بھی اسود کی طرح کوئی نیا و جاہل کذاب نہ اٹھ کھڑا ہو۔ اس لئے حضرت معاذ بن جبلؓ نے بڑی دانشمندی اور معاملہ فہمی سے کام لیکر استمالِ قلوب کیلئے قبیلہ سکون میں نکاح کر لیا۔ جس سے قبیلہ کے لوگ ان سے عطف اور محبت کا رونا دھرنہ تھے۔

اسود کے خلاف نفرت و عناد کا جذبہ :-

اب اسود یمن کا بلا شرکتِ غیرے مالک بن کر کوس آنا و لا غیر ی جارہا تھا لیکن حکومت پر

فائز ہونے کے بعد اس میں وہ پہلی سی تواضع و منکسر المزاجی باقی نہ رہی تھی۔ غرور و انایت نے علم و خاکساری کی جگہ لے لی تھی اور ہر وقت فرعونیت کا تاج پہنے یکتائی اور بے ہمتائی کے نشہ میں سرشار تھا۔ گو قیس بن عبد یغوث سپہ سالار نہایت صبر و سکون کے ساتھ اسود کے تمام نرم و گرم حکام کی قبیل کرتا تھا لیکن اسود کی نخوت اور فرعون مزاجی نے اس کو سخت کبیدہ خاطر اور تنگ کر دیا تھا۔ اسود نے شمر بن ذوالظہر کی چاہن ستانی کے بعد ان کی بیوی آزاد کو جبراً اپنے گھر میں ڈال لیا تھا اور نژاد کا عم زلو ہمالی فیروز دہلی جو شاہ حبشہ کا بھانجا تھا آگڑو کو اس کے بیچہ پیدا دے نجات دلانے اور اس کا قرار واقعی انتقام لینے کیلئے بری طرح دانستہ پیش رہا تھا۔ اتنے میں دربن یخندس ازدی کے ہاتھ سکون اور عجم کے مسلمانوں کے نام حضرت عفر کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان آیا جس میں اسود کی سرکشی کا حکم تھا۔ ادبیب ایہی اس فرمان سے نہایت قوی دل ہوئے اور اسود کو نچاد کھانے کا عزم مصمم کر لیا۔ اتنے میں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ قیس بن عبد یغوث پر اسود کا کچھ عتاب نازل ہوا ہے اور قیس اسود سے سخت کشیدہ خاطر ہے۔ اس لئے قیس کو بھی اپنا رازدار اور شریک کار بنالیا۔

قتل کے مقصود سے :-

منجاء کے بعض مسلمان اسود کی فوج گراں کے مقابلہ میں اپنے حریف ضعیف کو بخوبی محسوس کر رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے جائے عسکری اجتماع کے رازدارانہ سرگرمیوں سے کام لینا چاہا۔ یہاں کے مسلمانوں نے قرب و جوار کے لوگوں سے نامہ و پیام کر کے اسود کے خلاف ہراسی کا ایک چال پھیلا دیا۔ اس اثنا میں اسود کو اس کے موکل نے بتا دیا کہ تمہارے قتل کی پخت و پز ہو رہی ہے۔ اسود قیس کو بلا کر کہنے لگا ”مجھے میرے موکل نے غم دیا ہے کہ میں قیس کو چاہ بلاکت میں ڈال دوں کیونکہ وہ اعداء سے مل گیا ہے“ قیس ہر طرف خطرہ کی آندھیلوں کو محسوس پا کر ہلور دفع الوقعی قسم کھا کر کہنے لگا حضور کے تقدس اور عظمت کا سکھ میرے لوح دل پر اس درجہ منقوش ہے کہ اس قسم کے کافرانہ دوسے میرے دل میں کبھی بد نہیں پاسکتے۔ یہ سن کر اسود قیس کے خون سے درگزر۔ اس کے بعد قیس موقع پا کر مسلمانوں کے پاس آیا اور اسود سے جو باتیں ہوئی تھی وہ سب بالتفصیل بیان کیں۔ اب اسود نے فیروز دہلی اور حقیص دہلی کو جو مسلمانوں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے بلا کر دھکیا مگر انہوں نے دفع الوقعی سے کام لیکر اپنا پیچھا چھڑا لیا۔ اسود مسلمانوں کی طرف سے ہنوز کھکا ہوا تھا اور ادبیب ایمان بھی اس کی طرف سے مطمئن نہ تھے کہ اس اثنا میں عامر بن شمر، ذی زود و الکناح اور ذی ظلم کی طرف سے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ ہم شہیدی جان و نصرت کیلئے ہر طرح سے حاضر ہیں۔ بات یہ تھی کہ

سید خلق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس اس مضمون کے فرمان بھیجے تھے کہ وہ اسود کے خلاف حرب آزما ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے صنعاء کے مسلمانوں کو جہاد کی تحریک کی تھی۔ اسی طرح فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو بھی شریک جہاد ہونے کو لکھا تھا اور نجران والوں نے تعمیل ارشاد کا تہیہ کر کے صنعاء والوں کو اپنے عزم کی اطلاع دیدی تھی۔ جب اسود کو ان سب باتوں کی اطلاع ہوئی تو اسے اپنی ہلاکت کا کامل یقین ہو گیا۔

اسود کی جان ستانی میں آزلو کے شریک کار ہونے کی درخواست :-

اب حشش دہلی فیروز دہلی کی عم زاد بہن آزاد کو گماننے کیلئے اسود کے محل سرانے میں گیا۔ جس پر اسود نے اس کے شوہر شہر بنی باذان کے واقعہ شہادت کے بعد جبراً قبضہ کر رکھا تھا اور کہا تم جانتی ہو کہ یہ لعین تمہارے والد اور شوہر کا قاتل ہے اور اس نے تمہیں جبراً و قہراً گھر میں ڈال رکھا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کی جان ستانی میں ہماری معاون اور شریک راز ہو۔ آزاد کہنے لگی ”واللہ میرے لئے اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے اس نابھار سے بڑھ کر مکروہ اور قابل نفرت چیز کوئی نہیں۔ یہ کم خف نبوت کا مدعی ہے مگر حالت یہ کہ نہ تو حقوق اللہ ادا کرتا ہے اور نہ اسے محرمات ہی سے پرہیز ہے۔ تمہارا جو کچھ ارادہ ہو اس کی مجھے برابر اطلاع دیتے رہو۔ میں اس کار خیر میں جان و دل سے تمہاری مدد کروں گی“ اس اثناء میں اسود نے ایک قاصد بھیج کر قیس کو بارادہ قتل اپنے پاس بلایا۔ قیس مذبح اور ہمدان کے دس مسلح جوان لکھڑ اسود کے پاس گیا۔ اسود کو دس محافظوں کی موجودگی میں یہ جرات نہ ہوئی کہ قیس کو قتل کرے۔ کہنے لگا : قیس! میں نے تجھ سے سچ نہیں کہہ دیا کہ تو میرے قتل کی سازش میں شریک ہے؟ مگر تو ہر مرتبہ جھوٹ بول کر دفع الوقتی کر رہا ہے چنانچہ میرے مؤکل نے مجھے یہ مشورہ دیا ہے کہ ”میں قیس کے ہاتھ قطع کر دوں ورنہ وہ ضرور میری گردن مار دے گا“ قیس نے کہا یہ قطعاً غلط ہے۔ میں آپ کو رسول اللہ مانتا ہوں اور حضور کے مؤکل کو بھی سچا پیامبر یقین کرتا ہوں لیکن وحی میں غلطی کا بھی امکان ہوتا ہے اس لئے ساز باز کا الزام بالکل بے جیاد ہے۔ آپ بدگمانی کو پاس نہ پھٹکنے دیجئے۔ میں ہر طرح سے حضور کا غلام اور چاکر ہوں اور حضور کے ہر حکم کی تعمیل کو باعث سعادت یقین کرتا ہوں اور اگر آپ میری طرف نظر ترحم سے نہ دیکھیں گے تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالوں گا“ یہ باتیں سن کر اسود کا خیال بدل گیا اور قیس کو جانے کی اجازت دی۔ قیس وہاں سے نکل کر اپنے مسلمان دوستوں سے ملا اور یہ کہہ کر چلا آیا کہ بس اب اپنا کام پورا کر دو۔ اسود محل سرانے سے اٹھ کر باہر آیا۔ تمام لوگ اس کی تعظیم کیلئے سرود اٹھ کھڑے ہوئے۔ قصر کے باہر فریادیں اٹھیں اور اونٹ بندھے تھے ان کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ وہاں تینوں مسلمان بھی

موجود تھے۔ فیروز کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ فیروز! کیا وہ بات جو تیری نسبت مجھے بتائی گئی ہے غلط ہے؟ اور پھر تلواری دکھا کر کہنے لگا کہ میرا ارادہ ہے کہ تجھے ذبح کر ڈالوں۔ فیروز نے کہا حضور والا! آپ کو شاید معلوم نہیں کہ حضور کی حرم محترم میری عم زاد بہن ہے اور ہم اس بات پر بڑے نازاں ہیں کہ حضور نے ہمیں سرسالی قرابت سے مشرف فرمایا۔ اگر حضرت اعلیٰ منصب نبوت پر فائز نہ ہوتے تو ہم کسی بڑی سے بڑی قیمت پر بھی اپنی قسمت حضور کے ہاتھ میں فروخت نہیں کرتے۔ حضور کی اطاعت میں ہمیں ہر طرح دین و دنیا کی فلاح نصیب ہے۔ اتنے میں ایک شخص نے اسود کے سامنے فیروز کی چٹلی کھائی اور کہنے لگا کہ سرکار! ”میں سب کچھ جانتا ہوں اس لئے عزم مصمم کر چکا ہوں کہ کل کے روز فیروز اور اس کے رفقا کو ضرور موت کے گھاٹ اتروادوں گا“

نقب لگا کر محل میں گھس جانے کا مشورہ :-

اب یہ لوگ وہاں سے چلے آئے اور قیس کو بلا کر باہم مشورہ کرنے لگے۔ حشش نے یہ رائے دی کہ میں آزاد کے پاس جا کر اس کی رائے معلوم کرتا ہوں۔ اگر وہ اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹائے تو بس اسے ٹھکانے لگا دیں۔ حشش نے آزاد کے پاس جا کر اپنا خیال ظاہر کیا۔ آزاد کہنے لگی ”اسود آج کل نہایت چوکنا اور ہوشیار ہو گیا ہے۔ اس حصہ، مکان کے سوا محل میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں پہرہ کی چوکی نہ ہو البتہ اس مکان کے عقب سے نقب زنی کا موقع ہے اگر تم لوگ سرشام اس طرف جا کر نقب لگاؤ تو وہاں تمہیں کوئی آدمی نہ دیکھ سکے گا۔ اس وقت جو چاہو کر سکتے ہو۔ وہاں اسود کو کوئی معاون بھی نہ مل سکے گا۔ تمہیں اس جگہ شہدائے روشن ملے گا اور اسلحہ بھی موجود ہوں گے“ اتنے میں اسود بھی دیوان خانہ سے نکل کر حرم سرا میں آیا اور حشش کو اپنی بیوی سے باتیں کرتے پایا۔ اسود نے سخت غضبناک ہو کر پوچھا تو یہاں کیوں آیا؟ یہ کہہ کر ایک گھونسا حشش کے اس زور سے رسید کیا کہ وہ نیچے گر پڑا۔ یہ دیکھ کر آزاد نے ایسی بری طرح چیخا چلانا اور شور مچانا شروع کیا کہ اسود مبسوت رہ گیا۔ آزاد ناک بھونچڑھا کر اور اسود کو ڈانٹتا کہہ کرنے لگی ”یہ میرا دودھ شریک بھائی مجھ سے ملنے کو آیا ہے اور تو سخت بے حیائی کے ساتھ اس سے ایسا وحشیانہ سلوک کرتا ہے“ یہ کہہ کر آزاد اسود کو سخت ست کہنے لگی۔ اسود حشش کو چھوڑ کر آزاد سے معذرت کرنے لگا اور اس سے بعد مشکل اپنا قصور معاف کر لیا وہاں سے اٹھ کر حشش اپنے دوستوں کے پاس آیا اور اپنی سرگزشت بیان کی۔ یہ لوگ کہنے لگے اب ہم اسود کے شر سے مامون نہیں ہیں فوراً ہمارے کانٹنظام کرنا چاہئے۔ ان لوگوں پر بدحواسی طاری تھی اور عالم اضطراب میں کہیں چپت ہو جانے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اتنے میں آزاد کا غلام حشش کے پاس آیا اور پیغام دیا

کہ جو بات میرے اور تمہارے درمیان قرار پائی ہے اس میں تغافل نہ کرنا“ شخص نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہماری طرف سے ان شاء اللہ اس کام میں ہرگز سستی نہ ہوگی اور غلام کو ہر طرح تشفی دیکر روانہ کیا۔ ان لوگوں نے فیروز سے کہا کہ تم بھی آزاد کے پاس جاؤ اور اس سے بالمشافہ گفتگو کر کے اس بات کو پکا کر لو چنانچہ فیروز نے جا کر بات چیت کی۔ آزاد نے فیروز سے بھی وہی باتیں کہیں جو اس سے پیشتر شخص سے کہ چکی تھی۔ فیروز نے کہا ہم ان اندرونی کمروں میں نقب لگائیں گے۔ فیروز یہی باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں اسود بھی وہاں پہنچ گیا اور اجنبی مرد کو اپنی ہم نشین کے پاس بٹھے دیکھ کر اس کی رگ غیرت جنبش میں آگئی۔ اس پر آزاد کہنے لگی۔ ”تم نے شاید اسے پہچانا نہیں یہ میرا عم زاد اور دودھ شریک بھائی ہے اور میرا قریب کا رشتہ دار اور محرم ہے“ اسود نے آزاد کے خوف سے اور تو کچھ نہیں کیا البتہ فیروز کو وہاں سے نکال دیا۔

اسود کی جان ستانی :-

جب شام کی سیاہ چادر فضاے عالم پر محیط ہو گئی تو ان لوگوں نے جا کر اپنا کام شروع کر دیا اور نقب لگا کر اندر گھس گئے۔ وہاں شہد ان روشن تھا۔ ان میں سے ہر شخص کو فیروز ہی کی قوت بازو پر زیادہ بھر وسا تھا کیونکہ وہ سب میں شہ زور اور قوی بیکل تھا۔ ان لوگوں نے فیروز کو آگے کیا اور خود ایسے موقع پر ٹھہرے رہے جو پہرے داروں اور فیروز کے بیچ میں تھا۔ ان لوگوں کا یہ قیام اس پیش بندی پر مبنی تھا کہ اگر بالفرض پہرہ دار فیروز پر حملہ آور ہوں تو یہ لوگ اس کے آڑے آئیں۔ جب فیروز دروازہ کے قریب پہنچا تو اس نے بڑے زور سے خراٹوں کی آواز سنی اور دیکھا کہ آزاد پاس بیٹھی ہوئی ہے اور بوالعجبی دیکھو کہ جیسے ہی فیروز دروازہ میں جا کر کھڑا ہوا اس کے موکل نے اسود کو اٹھا کر بٹھادیا۔ اب اسود اپنے شیطان کی طرف سے یوں گویا ہوا کہ فیروز! تجھے مجھ سے کیا سروکار ہے جو یہاں آیا ہے؟ فیروز کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اس وقت لوٹا اور موقع کو ہاتھ سے دیتا ہوں تو وہ اور اس کے ساتھی بھی مارے جائیں گے اور آزاد بھی زندہ نہ بچے گی اس لئے پھرتی کر کے اسود سے لپٹ گیا۔ فیروز بلند وبالا اور قوی الجھ جو ان تھا۔ اس نے اسود کی منڈی پکڑ کر اس طرح زور سے مروڑی جس طرح دھولی کپڑے کو نچوڑتے وقت بل دیتا ہے اور معاً اس کی گردن توڑ ڈالی۔ جب فیروز نے اسود کو ہلاک کر کے باہر جانے کا قصد کیا تو آزاد نے لپک کر اس کا دامن پکڑ لیا اور کان میں کہنے لگی کہ اسے زندہ کیوں چھوڑے جاتا ہے۔

لگا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی

رکے نہ ہاتھ ابھی ہے رگ گلو باقی

آزاد یہ سمجھ رہی تھی کہ اسود بنور زندہ سلامت ہے۔ فیروز نے کہا اطمینان رکھو میں نے

اسے ہلاک کر کے تمہیں اس کے بچے جوہر سے نجات دلادی۔ مرنے کے بعد اسود کے منہ سے اس طرح خرخر کی آواز آرہی تھی جیسے کوئی میل ڈکارتا ہو۔ یہ عجیب و غریب آواز سن کر محل کے پیرہ دار دوڑے اور دریافت کرنا شروع کیا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ آزاد نے آگے بڑھ کر انہیں اندر آنے سے روک دیا اور کہنے لگی خاموش رہو۔ ہمارے پیغمبر پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ وہ خاموش ہو کر چلے گئے۔ فیروز باہر نکل کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں نے اسود کا کام تمام کر دیا۔ اس پر فیروز کے رفیق اندر کو دوڑے اور دیکھا کہ اسود کے منہ سے بدستور خرخر کی آواز آرہی ہے۔ حشش نے بڑھ کر پیش قبض سے اس کا سرتن سے الگ کر دیا۔ اب قاتلوں نے باہم مشورہ کیا کہ اپنے دوسرے ہم مشربوں کو اس سانحہ سے کیونکر مطلع کریں۔ آخر یہ تجویز قرار پائی کہ علی الصبح اس کی عام منادی کر دی جائے۔ جب صبح ہوئی تو اسود کے مارے جانے کی باقاعدہ منادی کی گئی۔ اس خبر کی اشاعت پر صنعا کے مسلمان اور کافروں دونوں متوحش ہوئے اور شہر میں ہلچل مچ گئی۔ اب حشش دیلی نے اذان کنی شروع کی جس میں اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰہ کے بعد یہ الفاظ بھی تھے۔ اَشْهَدُ اَنْ عِیْہَلہ کَذَّاب اس ندا کے بعد مسلمانوں نے اسود کا سر کفار کی طرف پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر اسود کے پیروؤں اور محافظوں نے مسلمانوں کے گھروں کو لوٹا اور مسلمان چوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے اس کے جواب میں ستر اسودی کافروں کو پکڑ کر بند کر دیا۔ آخر اعداء مرعوب ہو گئے۔ اطفال فتنہ کے بعد کفار نے اپنے آدمیوں کا جائزہ لیا تو ستر آدمی مقتود پائے چنانچہ مسلمانوں سے درخواست کی کہ ان کے آدمی رہا کر دیئے جائیں۔ مسلمانوں نے کہا تم ہمارا لوٹا ہوا مال واپس کرو اور ہمارے چوں کو لاؤ ہم تمہارے آدمی چھوڑ دیں گے چنانچہ باہم مبادلہ کر لیا گیا۔

فضائے یمن پر اسلامی پرچم :-

اس کے بعد جب وہاں مسلمانوں کا قرار واقعی تسلط ہو گیا تو اسودی لوگ صنعا اور نجران کے درمیان صحراوردی اور باد یہ پٹائی کی نذر ہوئے۔ اس طرح صنعا و نجران اہل ارتداد کے خار و جد سے پاک ہو گیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال اپنے اپنے علاقوں میں خال کئے گئے صنعا کی امارت کے متعلق تھوڑی دیر تک کچھ مناقشہ جاری رہا لیکن آخر کار سب نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی حکومت پر اتفاق کر لیا اور ان کے پیچھے نماز پڑھی۔

اس قضیہ سے فارغ ہو کر ایک قاصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اس وقت تک آفتاب رسالت سائے ہدایت پر برابر لمحہ افگن تھا اور حضور کو یہ تمام واقعہ بذریعہ وحی معلوم ہو چکا تھا۔ مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الصبح صحابہؓ سے فرمایا کہ آج رات اسود

بار اگیا۔ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا؟ فرمایا ایک مسلمان کے ہاتھ سے جو ایک بدعت خاندان سے تعلق رکھتا ہے صحابہؓ نے عرض کیا اس کا نام کیا ہے؟ ”فرمایا فیروز“ چند روز کے بعد جب قاصد اسود کے مارے جانے کی خبر لیکر مدینہ الرسول میں پہنچا تو سردار کون و مکان علیہ التحیۃ والسلام اس وقت رحمت الہی کے آغوش میں استراحت فرما چکے تھے اور امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ نے مسند خلافت کو اپنے مبارک قدموں سے زینت بخشی تھی چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کو اپنے عہد حکومت میں سب سے پہلی جو بھارت ملی وہ اسود ہی کے قتل کا مرثدہ جانفزا تھا۔ امیر المؤمنین نے اس نامہ کے جواب میں اہل یمن کو ایک مکتوب لکھا جس میں اسود کی ہلاکت پر بہت کچھ اظہار خوشنودی فرمایا تھا۔

فیروز کہتے ہیں کہ جب ہم اسود کو قعر عدم میں پہنچا چکے تو اسلامی عملداری حسب سابق عود کر آئی۔ صنعا میں مسلمانوں کے امیر حضرت معاذ بن جبلؓ تھے۔ ان ایام میں تمام مسلمان بڑی خوشیاں منا رہے تھے اور دنیا جہاں میں کوئی چیز ایسی دکھائی نہ دیتی تھی جو ہمارے آئینہ دل کو ٹھیس لگا سکتی۔ البتہ مضافات میں اسود کے تھوڑے سے سوار شراٹگریزی کرتے دکھائی دیتے تھے مگر ہمیں اطمینان تھا کہ ہماری ادنیٰ سی توجہ انہیں ٹھکانے لگا دے گی لیکن چشم فلک کو ہماری یہ خوشی ایک آنکھ نہ بھائی اور اچانک یہ خبر آئی کہ حضرت سید العرب والجم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سرارے فانی کو الوداع کہہ دیا۔ اس خبر کے پہنچنے ہی سارا معاملہ درہم برہم ہو گیا اور قبائل مرتدین نے تمام عرب کے اندر ہلچل مچا دی۔ (لکن اشیر ولکن غلدون)

باب نمبر 3

طلیحہ اسدی

طلیحہ بن خویلد اسدی قبیلہ بنو اسد کی طرف منسوب ہے جو نواح خیبر میں آباد تھا۔ اس شخص نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد سعادت میں مرتد ہو کر کبیرا میں اقامت اختیار کی اور وہیں دعویٰ نبوت کر کے انوائے خلق میں مصروف ہوا۔ تھوڑے ہی دن میں ہزار ہالوگ اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔

طلیحہ کی شریعت :-

طلیحہ نے چند اکاذیب اپنی طرف سے جوڑ جاڑ کر ان کو مسجع کیا اور اپنی نئی شریعت لوگوں کے سامنے اس شکل میں پیش کی کہ نماز میں صرف قیام کو ضروری قرار دیا۔ رکوع و سجود کو حذف کر دیا۔ رکوع و سجود کے متعلق کہا کرتا تھا کہ خدائے بے نیاز مونہوں کے خاک پر رگڑنے سے مستغنی ہے اور وہ تمہاری پشت کی خیدگی سے بھی بے نیاز ہے۔ معبود برحق کو کھڑے ہو کر یاد کر لینا کافی ہے دوسرے احکام اور عبادات کے متعلق بھی بہت سی باتیں اختراع کی تھیں۔ کہا کرتا تھا کہ جبریل امین ہر وقت میری مصاحبت میں رہتے ہیں اور وزیر کی حیثیت سے تمام امور مہمہ میں مشورے دیتے ہیں۔

حضرت سید المرسلین کو (معاذ اللہ) طلیحی نبوت پر ”ایمان“ لانے کی دعوت :-

اب طلیحہ نے اپنے عم زاد بھائی یابر اور زادہ کو جس کا نام حیال یا حبال تھا دنیا کے ہادی اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنی نبوت کی دعوت کیلئے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ حیال بارگاہ نبوی میں پہنچا اور صورتحال بیان کر کے حضرت سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) طلیحی نبوت پر ”ایمان“ لانے کی دعوت دی۔ حیال نے اپنے اثبات و دعویٰ میں کہا کہ طلیحہ کے پاس ذوالنون (روح الامین) آتا ہے۔ آپ نے فرمایا ”تم لوگوں نے محض ذوالنون کا نام کہیں سے سن لیا ہے“ حیال اس کے جواب میں نہایت مغرورانہ لہجہ میں کہنے لگا ”واہ صاحب! آپ کیا کہتے ہیں کیا وہ شخص جھوٹا ہو سکتا ہے جس کو لاکھوں مخلوق اپنا ہادی اور نجات دہندہ یقین کرتی ہے؟“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گستاخی پر ناخوش ہوئے اور فرمایا ”خدا تمہیں ہلاک کرے اور تمہارا خاتمہ ظہر نہ ہو“ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حیال حالت ارتداد نبی میں قتل ہو کر واصل جہنم ہوا اور دنیا سے نامراد گیا۔

طلیحہ کی پہلی جنگ اور اس کی ہزیمت و فرار :-

حیال کی مراجعت کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضرار بن ازورہ کو اپنے ان اعمال اور قبائل کے پاس تحریک جہاد کی غرض سے روانہ فرمایا۔ انہوں نے اس ارشاد کو بلیک کمال اور حضرت ضراٹھ کے ماتحت مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت کو جہاد کی غرض سے بھیج دیا۔ لشکر اسلام واردات کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ ادھر کفار نے بھی لاؤ لشکر جمع کیا اور دونوں طرف سے صف آرائی شروع ہوئی۔ دل داوگان توحید جان نثاران رسالت شیر غران کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑے اور جو سامنے آیا گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر گرا دیا۔ پیروان طلیحہ نے جانوں پر کھیل کر مسلمانوں کے نزعہ کو روکنے کی بہتری کو شش کی لیکن شجاعان اسلام کے مقابلہ میں کسی طرح عمدہ ہوا نہ ہو سکے اور سخت بدحواسی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لشکر اسلام مظفر و منصور واپس آیا لیکن ضراٹھ بنو زمدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے کہ حضرت مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی سرائے فانی سے رخصت ہو کر عالم عقبی کے دارالخلد کو تشریف لے گئے۔

حضرت اسامہؓ کے لشکر کی روانگی میں التوا :-

معلوم ہو گا کہ حضرت زید بن حارثہؓ نے جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد غلام اور متبنی تھے۔ ملک شام میں موتہ کے مقام پر نصاریٰ کے ہاتھ سے شربت شہادت نوش فرمایا تھا۔ اس بنا پر محرم 11ھ میں حضرت خیر الوری صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف لشکر بھیجنے کا عزم فرمایا تھا۔ آپ نے اس مہم کی قیادت حضرت زید شہیدؓ کے فرزند گرامی حضرت اسامہؓ کو تفویض فرماتے ہوئے حکم دیا تھا کہ وہ شام جا کر بلقا اور داروم کی سرحد تک ترکتاز کریں اور اعدائے اسلام کو اپنے شہید باپ کے قتل کی قرار واقعی سزا دیں لیکن منافقوں نے ارباب ایمان کو بد دل کرنے کیلئے یہ بحث کھڑی کر دی تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین و انصار پر ایک غلام کو امیر و سردار بنادیا "اہل نفاق کی شر انگیزی کا حال حضور کے سب مہاجرین و انصار پر ایک غلام فرمایا کہ ان لوگوں نے اس سے پیشتر اسامہؓ کے باپ زید بن حارثہؓ کی المارت پر بھی طعن کیا تھا حالانکہ زیدؓ کی طرح اسامہؓ میں بھی المارت کی صلاحیت موجود ہے۔ حضورؐ کے اس ارشاد کا منشاء یہ تھا کہ اسلام اپنے تمام پیروؤں کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ غلام ہو یا آزاد ذاتی قابلیت و صلاحیت شرط ہے۔ اکثر اکابر صحابہ جن میں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے جلیل القدر مجاہد بھی داخل تھے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ہمراہ ہوئے۔ یہ لشکر ابھی چلنے ہی کو تھا کہ حضور سید الاکرامؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مرض سے دوچار ہونا پڑا جس میں آپ نے اس سرائے فانی کو الوداع کہا

تھا اور چونکہ حضور کا مرض روز بروز شدید ہو چکا تھا اور اس قسم کی متوحش خبریں پیہم آنے لگیں کہ یمن میں اسود عسی نے، یمامہ بن مسیلہ نے اور بنی اسد کے اندر طلحہ نے خروج کیا ہے جیش اسلامہ کی روانگی میں مزید التوا ہو گیا۔

قبائل عرب کا ارتداد :-

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ قبائل کے ارتداد سے پہلے علام الغیوب کے علم محیط میں یہ بات قرار پا چکی تھی کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن سعادت میں اور نیز خلفائے راشدین کے عہد بے کت میں کچھ لوگ اسلام لانے کے بعد سعادت ایمانی سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے پیشین گوئی کے طور پر اس آیت میں پہلے سے ان کے ارتداد کی اطلاع دیدی :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (۵۵:۵)
مسلمانو! یاد رکھو کہ تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا خدائے قادر و توانا (مرتد کی جگہ) جلد ایسے لوگوں کو پیدا کر دے گا جو خدائے برتر کے محبوب ہوں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو گی وہ اہل ایمان کے حق میں متواضع اور مہربان اور منکروں کے مقاصد میں تیز اور درشت طبع ہوں گے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور امور خیر کے اجراء اور حسنات و مہرات پر عمل کرنے میں کسی کی ملامت (اور خندہ زنی) کی پروا نہیں کریں گے۔

چنانچہ اس آیت کی تزیل کے کچھ عرصہ بعد اس پیشگوئی کا اس طرح ظہور ہوا کہ عرب کے گیارہ فراتے مرتد ہو گئے تین فراتے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام سعادت میں بدیں تفصیل مرتد ہوئے کہ قبیلہ مذحج اسود عسی کے ساتھ ایمان سے دست بردار ہوا دوسرا مرتد فرقہ بنی حنیفہ تھا جسے مسیلہ کذاب کی رفاقت نے اسلام سے منحرف کیا تیسرا قبیلہ بنی اسد تھا جو طلحہ کی پیروی کر کے سعادت ایمان سے محروم ہوا اور انجام کار حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ سے شکست کھا کر از سر نو مشرف باسلام ہوا ان قبائل کے علاوہ سات اور فراتے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں زکوٰۃ کے منکر ہو کر فائدہ الایمان ہوئے اسی طرح قبیلہ اعدان نے امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں دین حق سے مفارقت اختیار کی۔ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اور اس کے دردناک نتائج و عواقب :-

جب آفتاب رسالت رحمت الہی کے شفق میں غروب ہوا تو اسلامیوں پر رنج و الم کے

پہاڑ ٹوٹ پڑے کوئی مومن قانت ایسا نہ تھا جس کی آنکھیں اس واقعہ ہائلہ کے ماتم میں خونبارہ
 فشانہ نہ کر رہی ہوں اس وقت نہ صرف عالم ارضی نیر ہدایت کی ضیاء عشیوں سے محروم رہ گیا
 بلکہ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کا قومی نظام اور سیاسی اقتدار بھی زیر و زبر ہونے لگا یہ وقت صحابہ
 کرامؓ کیلئے ابتداء آزمائش کا ایک نیا دور تھا جو نبی وصال نبویؐ کی خبر اکتاف ملک میں پھیلی اکثر
 قبائل عرب کا زور قی ایمان متلاطم ہوا اور منافقوں کو اپنا کفر عالم آشکار کرنے کی جرات ہوئی گویا
 حضور کا وصال لوگوں کیلئے ایک متیاس الایمان تھا جو ان کے کفر و ایمان کی صحیح کیفیت بتا رہا تھا
 اس وقت نہ صرف منافقوں کو اپنا کفر برملا ظاہر کرنے کا حوصلہ ہو گیا بلکہ عرب کے اکثر قبائل
 مرتد ہو گئے اس پر مستزاد یہ کہ یہود و نصاریٰ بھی ہر طرح فساد و سرکشی پر آمادہ نظر آئے نبی صلی
 اللہ علیہ وسلم کے ظل عافیت کا فقہ ان مسلمانوں کی قلت تعدا اور اعداء کی کثرت وغیرہ وہ
 اسباب تھے جنہوں نے بقول ابن اثیر مسلمانوں کا وہی حال کر دیا جو بارش کی شب غلام میں
 بکریوں کا ہو جاتا ہے۔

مدینہ منورہ میں صحابہ کرامؓ کی کشتی خاطر اس عام شورش اور ہمہ گیر بغاوت کو دیکھ کر
 گرداب تفکر میں ڈگمگادی تھی اور ہر مومن قانت کا دل اس حادثہ فاجعہ سے داغ داغ ہو رہا تھا
 ایسے نازک وقت میں جناب ابو بکر صدیقؓ کا دل گردہ تھا جس نے سفینہ ملی کو گرداب فنا سے چالیا
 ورنہ ناموس ملت بیچارہ ایک ناقابل طاقی چر کا کٹنے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔

حضرت صدیق اکبرؓ کو جیش اسامہؓ کی روانگی پر اصرار :-

جب مسلمانوں نے دیکھا کہ امیر المومنین ابو بکرؓ ایسے نازک اور پر آشوب دور میں بھی
 بدستور جیش اسامہؓ کی روانگی پر مصر ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ ”اے خلیفہ رسول اللہ! اس
 وقت یہی لوگ یعنی اسامہؓ کا لشکر ہی اسلامی جمعیت کی کل کائنات ہے اور عرب کی جو حالت ہو
 رہی ہے اس نے دلوں میں قلزم غم کی طغیانی برپا کر رکھی ہے اس لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں
 کہ موجودہ حالت میں مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کر کے مدینہ منورہ کو اعداء کے حملوں کا آگاہ
 بنایا جائے۔ امیر المومنین نے فرمایا ”واللہ اگر مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ لشکر اسامہؓ کی روانگی
 کے باعث مجھ پر آسمان ٹوٹ پڑے گا یا مجھے زمین نکل جائے گی تو بھی اسے ضرور روانہ کروں گا۔ اور
 رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا اسے بہر حال پورا کر کے رہوں گا۔ امیر المومنین نے
 ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں مسلمانوں اور شریک غزاہو نے کی تحریص فرمائی اور کہا کہ اسامہؓ
 کے لشکر والے اپنے لشکر گاہ کی طرف چلے جائیں۔ سب لوگ حسب فرمان لشکر میں شامل ہو
 گئے اور اس طرح مسلمان مدینہ منورہ میں خال خال رہ گئے۔

اب حضرت اسامہؓ نے جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جوان کی فوج میں داخل تھے امیر المومنین ابو بکرؓ کی خدمت میں اس پیغام کیساتھ بھیجا کہ اگر حکم ہو تو میں لشکر کو آپ کے پاس واپس لے آؤں کیونکہ اسلام کی ساری جمعیت اور قوم کے تمام اکابر میرے لشکر میں شریک ہیں۔ اس لئے مجھے خلیفہ رسالت حرم رسول اللہ اور مسلمانانِ مدینہ کی طرف سے بڑا کھٹکا ہے کہ مہاراد شرک حملہ آور ہو کر انہیں تباہ و برباد کر جائیں۔ اس کے علاوہ بعض انصار نے حضرت عمرؓ سے یہ بھی کہا کہ آپ جا کر خلیفہ رسول اللہ کی خدمت میں ہماری طرف سے عرض کر دیجئے کہ گو اسامہؓ غلام اور غلام زادہ ہیں، فاروق اعظمؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے کسی دینی یا دنیاوی فضیلت میں برابری نہیں کر سکتے۔ اور عمر میں بھی چھوٹے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سر آنکھوں پر ہے تاہم اتنی مہربانی فرمائی جائے کہ کسی ایسے شخص کو سرِ عسکر مقرر فرمایا جائے جو اسامہؓ سے عمر میں بڑا ہو۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ عمرؓ کی کیا مجال ہے کہ جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا سردار تجویز فرمایا ہو اس کے حکم اور طاعت سے ذرا بھی سرتابی کرے۔ اور اسکی جگہ کسی اور شخص کا امیر بنایا جانا گوارا کرے۔

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب اسامہؓ کے حکم سے امیر المومنین کے پاس گئے اور ان کا پیغام پہنچادیا۔ خلیفہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر مجھے اس بات کا بھی خوف ہو کہ جیش اسامہؓ کی روانگی کے باعث مجھے بھیڑیے اور شیر پھاڑ کر کھا جائیں گے تب بھی میں اسامہؓ کو ضرور روانہ کر دوں گا۔ اور گو میرے پاس یہاں ایک آدمی بھی نہ رہ جائے مگر سردار دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلہ کو کبھی مسترد نہ کر دوں گا۔ پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ انصار کی یہ خواہش ہے کہ آپ کسی ایسے شخص کو امیر لشکر مقرر فرمائیں جو اسامہؓ سے عمر میں بڑا ہو۔ یہ لشکر امیر المومنین ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اسامہؓ کو لشکر کا سردار بنایا تھا مگر انفسوس تم لوگ چاہتے ہو کہ میں انہیں معزول کر دوں۔ خدا یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ تھا امیر المومنین صدیق اکبرؓ کا بے نظیر استقلال اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و شفیقتی کا جذبہ کہ سارا عرب دشمن ہے اور ہر وقت دار الخلافہ پر حملوں اور یورشوں کا کھٹکا ہے مگر آپ کی جبین استقلال پر شکن تک نہیں پڑی اور آپ کو اس بات پر برابر اصرار ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک کا بغیر حال احترام کیا جائے۔ یہی وہ صفات تھے جن کی بدولت آپ صدیق اکبرؓ اور افضل البشر بعد الانبیاء کہلائے۔

جیش اسامہؓ کی روانگی :-

اب امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ مدینہ سے نکل کر لشکر گاہ تشریف لے گئے اور اسامہؓ کی

مشایت فرمائی۔ اس وقت حالت یہ تھی خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پیدل جا رہے تھے اور اسامہؓ سوار تھے۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا اے خلیفہ رسول اللہ! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیے ورنہ مجھے اجازت دیجئے کہ گھوڑے سے اتر پڑوں۔ فرمایا اس کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں تو میرا سرفرازی ہے کہ ایک ساعت کے لئے اپنے قدموں کی فی سبیل اللہ گرد آلود کر لوں۔ جب امیر المومنین لوٹنے لگے تو اسامہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہارے نزدیک نامناسب نہ ہو تو میری رفاقت و اعانت کے لئے میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ اسامہؓ نے انہی خوشی اجازت دی۔ امیر المومنینؓ نے رخصت کے وقت حضرت اسامہؓ کو وصیت کی کہ کسی معاملہ میں کسی شخص سے خیانت نہ کرنا۔ کسی سے غدر و فریب سے پیش نہ آنا۔ افراط و تفریط سے چمکا۔ کسی کے ناک کان نہ کاٹنا۔ چوں بوڑھوں مر یضوں اور عورتوں پر رحم کرنا کسی درخت کو نہ کاٹنا۔ بحری، گائے اور اونٹوں کی بلا ضرورت اکل ذبح کرنا۔ اور فرمایا عنقریب تمہارا گزر ایسے لوگوں پر ہوگا جو صوامع و معابد میں عزت گزریں ہیں ان سے اور ان کے مال و اسباب سے تعرض نہ کرنا اور ان سب باتوں کے علاوہ ان جملہ ہدایات کو اپنے لئے چراغ راہ بنانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تلقین فرمائی تھیں۔

حیال کا قاصد مدینہ منورہ میں :-

قبیلہ بنی اسد کی آبادی جنہوں نے طلحہ کا نیا دین قبول کیا تھا اتنی بڑھ گئی تھی کہ سیرا میں ان کی گنجائش نہ رہی اس لئے ان لوگوں کو دو فریق میں منقسم ہونا پڑا۔ ایک فریق ہرق میں اقامت گزریں ہو اور دوسرا ترک وطن کر کے ذی القصد کو چلا آیا۔ موخر الذکر فریق کی طلحہ نے امداد کی اور اپنے بھائی حیاں کو ان لوگوں پر امیر بنا کر بھیج دیا۔ حیاں ان لوگوں کا بھی حاکم تجویز ہوا جو قبائل دکل، لیث اور مدح سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت اسامہؓ کی روانگی کے بعد جب اشرا مرتدین کو معلوم ہوا کہ مدینہ میں خلیفہ کے پاس کوئی جمعیت حفظ و دفاع کے لئے باقی نہیں رہی تو ان کی رگ شرف و فساد جنبش میں آئی۔ اور غطفان کا ایک وفد اور حیاں کا قاصد دار الخلافہ مدینہ کو آئے۔ اس سفارت سے حقیقی مقصد دو تھے ایک تو امیر المومنین کا آئندہ طرز عمل معلوم کرنا۔ دوسرے برای العین یہ دیکھنا کہ دار الخلافہ میں مسلمانوں کی جمعیت کس قدر ہے۔

زکوٰۃ دینے سے انکار :-

ان لوگوں نے آتے ہی معافی زکوٰۃ کی سلسلہ جنابی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہمارے قبائل حسب سابق نماز تو پڑھیں گے مگر آئندہ بیت المال میں زکوٰۃ بھیجنے سے انہیں معاف رکھا

جائے۔ جناب صدیق اکبرؓ نے اس درخواست کو مسترد فرمادیا اور سمجھایا کہ احکام الہی میں کمی بیشی اور ترمیم و تنسیخ ناممکن ہے امیر المومنین نے چند موعظہ کی بہتری تمہیدیں پلائیں مگر انہوں نے اپنی ضد نہ چھوڑی۔ آخر امیر المومنین نے فرمایا۔ واللہ اگر وہ لوگ زکوٰۃ کے اونٹ کی ادنیٰ رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد و قتال کروں گا کیونکہ زکوٰۃ بھی اسلام کے فرائض پنجگانہ میں داخل ہے۔

یاد رہے کہ اسلام کے دور حکومت میں اس کفر زار ہندوستان کے موجودہ انگریزی عہد کی طرح نہ تو مزارعین کے سے مظلوک الحال طبقہ کو مال گزاری کی اتنی گراں بار رقیں ادا کرنی پڑتی تھیں اور نہ لوگوں سے آجکل کے نام نہاد مہذب زمانہ کی طرح اس قدر گراں ٹیکس اور مبالغہ (سپر ٹیکس) وصول کئے جاتے تھے۔ موجودہ زر لگان کے جائے بارانی زمینوں کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ مقرر تھا۔ اور جن اراضی کی آب رسانی کا شکاروں کی ذاتی محنت و مشقت پر موقوف تھی ان کا لگان پیدائش کا پچاسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ ارباب زر اور اہل نصاب ہر قسم کے ٹیکس سے آزاد تھے۔ البتہ قیموں اور عیواذوں کی کفالت، مذہبی و تمدنی ضروریات، مصالح ملکی اور مہام سلطنت کے انعام کے لئے ان سے ہر سال مال کا چالیسواں حصہ یعنی ایک سال گزر جانے کے بعد ڈھائی روپے سیکڑہ زر زکوٰۃ وصول کر کے خزانہ بیت المال میں داخل کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے عہد حاضر کی طرح کوئی شخص از خود جہلیا بھار زکوٰۃ خرچ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ بلکہ عشر کی طرح زکوٰۃ کا مال بھی سرکاری خزانہ میں جس کو بیت المال کہتے تھے جمع کیا جاتا تھا۔ اور جس طرح غیر مسلم حکومتوں میں ٹیکس اور مال گزاری کے محکمے روپیہ وصول کرتے ہیں اس طرح اسلامی عملداری میں سرکاری عمال زکوٰۃ عشر وصول کرتے تھے۔

امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ کا بے نظیر استقلال :-

جب قبائل کا وفد ناخوش ہو کر مدینہ منورہ سے واپس جانے لگا تو ایک جلیل القدر صحابی نے امیر المومنین ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ قبائل عرب بے سرد پاؤشی ہیں۔ عرب کے مختلف حصوں میں طوفان معاندت اٹھ رہے ہیں خانہ ساز نبی اپنی اپنی جگہ پر شورش برپا کر رہے ہیں۔ یہود نصاریٰ فتنہ انگیزی کے لئے الگ گھات میں بیٹھے ہیں۔ مصلحت وقت یہ ہے کہ بالفصل لوگوں کی تالیف قلوب کی جائے۔ اور جب تک اساس خلافت مستحکم نہ ہو جائے ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ یہ سن کر مدافروختہ ہوئے اور فرمایا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ نبوت منقطع ہو گئی۔ وحی الہی کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ سارا عرب دشمنی پر آمادہ ہے۔ اور میں اپنی حرلی کمزوری کا بھی بخوبی احساس رکھتا

ہوں۔ لیکن بایں ہمہ خدا کی قسم! جس قدر زکوٰۃ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بھیجتے تھے اگر اس میں سے ایک حبہ بھی کم کریں گے تو میں ان کے خلاف رزم خواہ ہوں گا۔ اور اگر بالفرض تم لوگوں میں سے کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے گا تو میں ان سے تنہا مقابلہ کر کے جاں سپاری کا فرض ادا کروں گا۔ لیکن یہ کبھی ممکن نہیں کہ اسلام کا کوئی رکن توڑا جائے۔ شعائرِ الہیہ کی توہین ہو۔ ملتِ معطوفیٰ کے چراغِ ہدایت کو کفر کی آندھیاں گل کرنے میں ساعی ہوں۔ اور میں اسے گوارا کر لوں۔ کیا حاصل وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد اسلام یتیم ہو کر کس سپر ہی کی حالت میں مبتلا ہو جائے گا؟ کیا فریضہ الہی کی بے کسی دیکھ کر ہم غاشیہ بردار ان ملت کی رگ حیات میں جنبشِ ہند پیدا ہوگی؟ صحابی مذکورہ نے عرض کیا۔ امیر المومنین! آپ جا فرماتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کفار سے اسی وقت تک مقابلہ کرو جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں۔ مگر موجودہ صورت میں جب کہ وہ اقرارِ توحید و رسالت میں ہمارے شریک حال ہیں آپ ان کے خلاف کیونکر ہتھیار اٹھا سکتے ہیں۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ میں ایسے لوگوں پر جو کلمہ شہادت اور نماز و زکوٰۃ میں تفریق کرتے ہیں ضرور لشکر کشی کروں گا۔ صحابی یہ سن کر لا جواب ہو گئے اور سمعوا و اطعوا کہہ کر جھکا دیا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خدائے قدوس نے امیر المومنین ابو بکرؓ کا انشراح صدر فرمادیا تھا اور آپ کے دل میں نورِ صداقت کا ایک روزن کل گیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ رب العزۃ قیام حق کے لئے جن نفوسِ قدسیہ کا شرح صدر فرما دیتا ہے دنیا کی کوئی غیر اللہ طاقت ان کے قلعہ استقامت کی مضبوط دیواروں کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ امیر المومنین کا عزم و ثبات دیکھ کر دوسرے صحابہؓ کے بھی حوصلے بڑھ گئے تھے ہوئی طبیعتوں میں ولولہ پیدا ہوا۔ اور ہمت و جرات نے گویا سنبھالا لیا۔ اب ایٹچی بے نیل مرام مدینہ طیبہ سے رخصت ہوئے اور امیر المومنین کا جواب قبائل کو جاسٹایا اور بیان کیا کہ اس وقت مدینہ میں بہت تھوڑے مسلمان موجود ہیں۔ امیر المومنین نے ان کی مراجعت کے بعد حضرت علی مرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور جناب عبداللہ بن مسعودؓ کو انصارِ مدینہ کا افسر مقرر فرمایا اور چونکہ آپ کو یقین تھا کہ اعدائے اسلام بہت جلد مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوں گے۔ مسلمانانِ مدینہ کو حکم دیا کہ وہ ہر وقت مسجد نبویؐ میں حاضر رہا کریں۔

مرکزِ خلافت پر خیال کا حملہ :-

وفد کو واپس گئے ابھی تین ہی دن گزرے تھے کہ خیال سرشام مدینہ منورہ پر آچھا۔ غنیم کے سپاہی رات کے وقت انقباطِ مدینہ پر چڑھ آئے۔ وہاں مسلمان مجاہد موجود تھے انہوں نے مزاحمت کی۔ جب امیر المومنین کو اس حملہ کی اطلاع ہوئی تو آپ اہل مسجد کو آب کش اونٹوں پر

سوار کر کے غنیم کے مقابلہ پر آئے اور منہزم کر کے ذی حسنی کے مقام تک ان کا تعاقب کیا۔ خیال اپنی کچھ فوج ذی حسنی میں اس غرض سے چھوڑ آیا تھا کہ بوقت ضرورت اس سے مدد لے گا۔ ذی حسنی میں خیال کی وہ محفوظ فوج امیر المومنین کے مقابلہ میں نکل پڑی۔ ان لوگوں نے برآمد ہوتے ہی مسلمانوں کے سامنے خالی مشکیں کہ جن میں ہوا بھر کر ان کے منہ رسیوں سے مضبوط باندھ رکھے تھے۔ زمین پر لڑکا دیں۔ اس سے وہ اونٹ جن پر مسلمان مجاہد سوار تھے بھڑک گئے اور وہ اپنے اپنے سواروں کو لئے ایسے بے اوسان ہو کر بھاگے کہ مدینہ ہی میں آدم لیا۔ اس واقعہ سے کسی مسلمان کو تو چشم زخم نہ پہنچا مگر اعداء کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی ہوا بھری ہوئی ہے۔

امیر المومنین ابو بکرؓ کی پہلی فتح :-

اب امیر المومنین وقت سحر تک مسلمانوں کو لڑائی کیلئے آراستہ کرتے رہے اور صبح صادق سے پہلے پیادہ پادشمن کے سر پر جا پہنچے۔ حریف کو مجاہدین اسلام کے پہنچنے کی اس وقت خبر ہوئی جب مسلمان اس ٹیلے پر پہنچ گئے جہاں مرتدین نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگا کر کفار کو یہ تیغ کرنا شروع کیا۔ اس اچانک تاخت سے اعداء بدحواس ہو گئے۔ مجاہدین ملت نے کفار کو اپنی شمشیر زنی کا خوب تختہ مشق بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بقیۃ السیف دشمن طلوع سے قبل ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے مال غنیمت سمیٹ کر دشمن کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ ذی القعدة سے بھی آگے تک بھاگ کر ایک مقام پر قیام کیا۔ اب امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ نعمان بن مقرن کو کچھ آدمی دیکر خود وہاں سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ یہ کامیابی حضرت خلافت مآبؓ کی سب سے پہلی فتح تھی اور اصل یہ ہے کہ امیر المومنین کی شجاعت، پاک نفسی اور قوت ربانی کے جذبے نے آشوب لایم کو فتح سے بدل و یادہ نہ مسلمانوں کی جمعیت اتنی قلیل تھی کہ وہ اعداء کے مقابلہ میں کسی طرح عمدہ برآئے ہو سکتے تھے اور یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ قدوسیوں کی ایک ایسی جاں سپار جماعت تھی جس نے وطن کی فانی الفتون اور خون کے رشتوں کو ایمان اور اخوت اسلامی کے پاک رشتہ پر قربان کر دیا تھا۔ اس لئے ان سے پیش پانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

امیر المومنین صدیق اکبرؓ کی فاتحانہ یلغار :-

اس وقت ہمدان طلحہ اپنی ہزیمت پر مار دم بریدہ کی طرح بیچ و تاب کھا رہے تھے مگر کوئی بس نہ چلا تھا آخر اپنے جوش انتقام کو تسکین دینے کیلئے بنی عیسٰی اور ذہبان نے اپنے اپنے قبائل

کے مسلمانوں کو پکڑ کر شہید کر ڈالا۔ جب اس سانحہ جانگزا کی اطلاع مدینہ منورہ پہنچی تو امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ ”جتنے مشرکوں نے مسلمانوں کو یہ تیغ کیا ہے میں بھی اتنے بائیسہ ان سے بھی زیادہ کافروں کو خاک و خون میں ترپائے بغیر چین نہ لوں گا“ دو مہینے اور تین روز کے بعد حضرت اسامہ بن زیدؓ بھی مظفر و منصور شام سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ امیر المومنین نے انہیں مدینہ منورہ میں اپنا نائب و خلیفہ مقرر کیا اور جو لشکر حضرت اسامہؓ کے ہمراہ گیا تھا اسے بھی دار الخلافہ میں چھوڑا تاکہ مجاہدین خود اور ان کی سواریاں چند روز تک سستالیں اور خود اپنی قلیل سی جمیعت کو لیکر کوچ کیا۔ اس وقت مسلمانوں نے بہتری منتیں کیں اور قسمیں دیں کہ آپ خود مشقت جہاد گوارا نہ فرمائیں مگر آپ نے ایک نہ سنی اور فرمایا کہ میں اس مہم کو یہ نفس نفیس اس لئے انجام دینا چاہتا ہوں کہ مجھے دیکھ کر تمہارے اندر جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ موجزن ہو۔

امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ اب اعداء کی سرکوبی کیلئے ذی حسنی اور ذی القصد کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے منزل بہ منزل جا کر مقام بدرؓ میں ڈیرے ڈالے اور حرب و قتال کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔ محمدیوں کو دیکھ کر اعداء پر عالم مدہوشی طاری ہو گیا۔ امیر المومنین نے میدان کارزار میں اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے اور جیش موحدین نے دھواے کر کے سر زمین ارتداد میں بھونچال ڈال دیئے۔ اس رزم و پیکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر المومنین اور بنی بکر نے میدان جان ستاں سے بھاگ کر اور نہایت غلٹ کے ساتھ اہل و عیال کو ساتھ لے کر طلحہ کے پاس جا پناہ لی اور ان کی چراگاہوں میں مسلمانوں کے جانور چرنے لگے۔ اس شاندار فتح کے بعد بعض صحابہ نے عرض کیا کہ امیر المومنین اب آپ جلد مستقر خلافت کی طرف رجوع فرمائیں کیونکہ خوف ہے کہ مبادا منافق لوگ دار الخلافہ میں کوئی تازہ فتنہ کھڑا کر دیں۔ اس لئے آپ نے مدینہ منورہ کو عود فرمایا۔

جیش اسلامی کی تقسیم گیارہ دستوں میں :-

جب حضرت اسامہؓ کے مراجعت فرما لشکر نے تھوڑے دن تک آرام کر لیا۔ تو اتنے میں زکوٰۃ کے پہنچنے سے بیت المال میں مال و زر کی اتنی فراوانی ہو گئی کہ تمام احتیاج و ضروریات پوری ہونے کے بعد بہت ساز و نقد فاضل چ رہا۔ اب امیر المومنین نے تمام فوج کو گیارہ دستوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک دستہ کیلئے الگ الگ لوہیاری کرائے پہلا جھنڈا حضرت خالد بن ولیدؓ کو دیا اور انہیں طلحہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا اور حکم دیا کہ طلحہ کی مہم سے فارغ ہو کر مالک بن نویرہ کے طرز عمل کا مطالعہ کرو اگر وہ سرکشی پر آمادہ نظر آئے تو بطاح جا کر اس کو گوشمال کرو۔ دوسرا

ابو حضرت عکرمہ بن ابوجہل کو دیکر مسیلہ کذاب کی طرف روانہ فرمایا جب قبیلہ غطفان اور بنو اسد نے طلبہ کی بیروی اختیار کی تھی تو ان کی دیکھا دیکھی حاتم طائی کے خاندان بنی طے نے بھی اپنی قسمت طلبہ سے وابستہ کر دی تھی چونکہ قبیلہ طے کی گوشلی بھی لابہ تھی اس لئے امیر المومنین نے حضرت عدی بن حاتم طائی کو جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے ان کے قبیلہ طے کی جانب روانہ فرمایا۔ غرض ہر ایک دستہ، فوج پر ایک ایک والی مقرر رہا۔ جب سب لشکر مرتب ہو گیا تو سب گیارہ امیر اپنی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔

امیر المومنین نے ہر ایک امیر کو چند نصائح کر کے ہر ایک سے ان پر عملدرآمد کرنے کا عہد لیا اور تمام مرتدین کے نام خواہ وہ کسی قبیلہ اور ملک سے تعلق رکھتے تھے ایک ہی فرمان تحریر فرمایا جس میں اس بات کی تحریک تھی کہ وہ توبہ کر کے پھر اسلام کی طرف رجوع کریں ورنہ انجام ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

طلبہ سے ہو طے کی علیحدگی اور قبول اسلام :-

امیر المومنین ابو بکر صدیق نے حضرت عدی بن حاتم طائی کو حضرت خالد بن ولیدؓ کی رواگلی سے پیشتر ہی ان کے قبیلہ طے کی جانب روانہ فرمادیا تھا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو طلبہ کے مقابلہ میں عدی بن حاتم کے پیچھے بھیج کر حکم دیا تھا کہ وہ جنگی کارروائی بنی طے سے شروع کریں۔ ان سے فراغت حاصل کر کے براۓ کی جانب جو طلبہ کا لشکر تھا ترکاڑ کر دیں۔ اس مقام پر جتلا دینا بھی ضرور ہے کہ جب عس اور ذبیان نے تاب مقاومت نہ لاکر امیر المومنین کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کی تھی تو اس وقت وہ براۓ کے مقام پر طلبہ کے پاس چلے گئے جو سمیرا سے نکل کر براۓ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس وقت طلبہ نے بنی طے کے بھلون جزیلہ اور غوث کے پاس آدمی بھیجے کہ وہ اگر اس سے ملحق ہو جائیں چنانچہ وہ لوگ اس کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ جب حضرت عدی بن حاتم طائی اپنے قبیلہ طے میں پہنچے تو انہیں اسلام کی دعوت دی اور انہیں انحراف ورزی و سرکشی کے عواقب سے متنبہ کیا اتنے میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا لشکر بھی بنی طے کے سر پہ پہنچ چکا تھا طے نے سرانقیاد جھکا دیا اور حضرت عدیؓ نے استدعا کی کہ آپ خالد بن ولیدؓ کے پاس جا کر انہیں یہاں سے پیچھے ہٹنے کو کہیں تاکہ ہم طلبہ کے لشکر کی فوج سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیں گے تو طلبہ ہمیں زندہ چھوڑے گا۔ عدیؓ حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور ان سے قبیلہ طے کی خواہش کا اظہار کیا حضرت خالدؓ نے اپنا لشکر دور پیچھے ہٹا لیا۔ اب ہو طے نے اپنے ان بھائی مدوں کے پاس آدمی بھیجے جو طلبہ کی فوج میں شامل تھے اور انہیں اپنے پاس واپس بلا لیا۔ پھر بنی طے مسلمان ہو کر حضرت خالدؓ کے پاس چلے آئے۔

بنی طے کے قبول اسلام کے بعد حضرت خالدؓ نے قبیلہ جذیلہ پر لشکر کشی کا عزم فرمایا۔ حضرت عدیؓ نے کہا ذرا ٹھہریئے۔ ایک دفعہ جا کر افہام و تفہیم کا فرض دوبارہ ادا کر لوں۔ عدیؓ ان کے پاس پہنچے اور اسلام کے محاسن اور کفر کے معایب بیان کر کے انہیں دعوت اسلام دی۔ انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور سب مسلمان ہو گئے۔ عدیؓ نے وہاں سے آکر حضرت خالدؓ کو یہ مرثہ سنایا۔ جذیلہ والوں کے قبول حق کی استعداد کی دلدہائی چاہئے کہ وہ نہ صرف اسلام لاکر سعادت دارین کے سرمایہ دار بنے۔ بلکہ ان کے ایک ہزار سوار بھی جہاد کی نیت سے لشکر اسلام میں آداخل ہوئے۔

طلحہ سے معرکہ اور خیال کی ہلاکت :-

اب حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے عکاشہ بن محسن اور ثابت بن ارقم کو کچھ فوج دیکر طلحہ کے طور پر طلحہ کی طرف روانہ فرمایا۔ طلحہ نے ان کے مقابلہ میں اپنے بھائی خیال کو بھیجا۔ ایک جھڑپ ہوئی جس میں عکاشہ نے خیال کے نقش وجود کو صفہ ہستی سے محو کر دیا۔ جب خیال کے مارے جانے کی خبر طلحہ کو پہنچی تو وہ خود فوج کو حرکت دیکر عکاشہ کے مقابلہ کو نکلا اور اپنے بھائی سلمہ کو بھی ساتھ لیا۔ اس معرکہ میں طلحہ نے عکاشہ کو کھڑا سہلہ نے ثابت کو شہید کر دیا اور پھر دونوں اپنے اپنے مستقر کو لوٹ گئے۔ جب حضرت خالد بن ولیدؓ اپنی فوج کو لئے آگے بڑھے تو یہ متوحش خبر ملی کہ عکاشہ اور ثابت دونوں میدان جان ستان کی نذر ہوئے۔ مسلمانوں کو ان دونوں حضرات کے قتل کا بڑا قلق ہوا۔

قبیلہ بنی طے کی فوجی امداد :-

چونکہ اس حادثہ سے لشکر اسلام میں کسی حد تک بد دلی پھیل گئی تھی۔ حضرت خالدؓ نے فوراً نبرد آزما ہونا خلاف مصلحت سمجھا بلکہ وہیں ٹھہر کر اپنے لشکر کی جبینہ و ترتیب میں مصروف رہے۔ اسی سلسلہ میں قبیلہ بنی طے سے جو مسلمان ہو چکے تھے مکہ بھی طلب کی۔ بنی طے نے جو عدی بن حاتم طائی کے ہم قوم تھے جواب دیا کہ بنی قیس کے مقابل کیلئے تو ہم کافی ہیں اور ان سے ضرور معرکہ آراء ہوں گے مگر بنی اسد جو طلحہ کے ساتھ ہیں وہ ہمارے حلیف ہیں ہم ان سے کسی طرح جنگ آزما نہیں ہو سکتے۔ حضرت خالدؓ نے کہا بھڑے تم جس فریق سے جا ہو مقابلہ کر لو۔ میں تمہیں تمہاری مرضی و اختیار پر چھوڑتا ہوں لیکن حضرت عدیؓ نے اپنی قوم کا یہ عذر قبول نہ کیا اور کہنے لگے کہ اگر یہ لشکر ان لوگوں کے مقابلہ پر جائے جو قریب کے رشتہ دار ہیں تو میں اپنے قریب ہی کے رشتہ داروں پر جہاد کروں گا اور میں تمہارے حلف و معاہدہ کی بناء پر بنی

اسد کے جماد سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا لیکن حضرت خالدؓ نے جو ہر بات کی تہہ کہ پہنچے تھے اور سپہ سالار ہونے کے ساتھ ہی انتہا درجہ کے مدبر اور عالی حوصلہ بھی تھے حضرت عدیؓ سے فرمایا کہ کسی فریق سے بھی لڑو۔ جہاد دونوں قبیلوں پر ہو گا۔ اس لئے یہ بات کسی طرح قرین صواب نہیں کہ اپنی قوم سے اختلاف رائے کر کے انہیں پریشانی اور آزمائش میں ڈالو۔ وہ جس فریق سے بھی مبارزہ خواہ ہوں اسی سے مقابلہ کرو۔ اب خالدؓ نے طلحہ کے خلاف جنگ آزما ہونے کی تیاریاں کر کے اس کے لشکر گاہ کا رخ کیا۔ براۓ کے مقام پر فریقین میں ٹڈبھڑ ہوئی۔ اس وقت بنی عامر وہیں قریب بیٹھے اس بات کے غلط تھے کہ کس فریق کو فتح ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے یہ قرار دیا تھا کہ جس فریق کا پہلہ بھاری ہو گا اپنی قسمت اسی کے دامن دولت سے وابستہ کر دیں گے۔ اس وقت بنی غزارہ کا سردار عینہ بن حصن اپنی قوم کے ساتھ سو آدمی لئے طلحہ کا حق رفاقت ادا کر رہا تھا۔

آتشکدہ حرب کی شعلہ زنی اور طلحہ کا انتظارِ وحی :-

جب طلحہ کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی قیامت خیز آتش حرب پوری طرح شعلہ زن ہوئی تو طلحہ اپنے شیطانی القا کے انتظار میں میدان کارزار کی ایک طرف چادر لوٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا اب مجھ پر وحی نازل ہوگی۔ حضرت خالدؓ نے اس شدت سے حملے کئے کہ غنیم کے منہ پھیر دیئے۔ جب عینہ کو اپنی شکست کا خطرہ محسوس ہوا تو وہ طلحہ کے پاس گیا اور دریافت کرنے لگا کہ جبریلؑ نے کوئی مرؤہ فتح سنلایا نہیں؟ طلحہ نے کہا جبریلؑ ہنوز تشریف نہیں لائے۔ عینہ کہنے لگا جبریلؑ کب آئیں گے؟ اور بولا: واللہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہماری طاقت جواب دے رہی ہے اور بری طرح کمزور نکل رہا ہے۔ عینہ لوٹ گیا اور میدان جنگ میں کمال شجاعت اور جان بازی سے لڑنے لگا پھر دوسری اور تیسری مرتبہ طلحہ سے جا کر دریافت کرنے لگا کہ کہنے جبریلؑ تشریف لائے یا نہیں؟ طلحہ نے کہا ہاں جبریلؑ آئے تھے۔ عینہ نے دریافت کیا۔ پھر وہ کیا کہہ کر گئے؟ طلحہ نے کہا جبریلؑ رب جلجل کا یہ پیغام پہنچائے ہیں۔

ان لک رحی کر حاء و حدیثا لا تحساء :-

تیرے لئے بھی شدت جنگ ایسی ہی ہوگی جیسی خالدؓ کیلئے ہے اور ایک معاملہ ایسا گزرے گا کہ تو اسے کبھی فراموش نہ کرے گا۔

لشکر اعداء کی ہزیمت و پسپائی :-

عینہ کو یہ سن کر اس بات کا یقین کامل ہو گیا کہ یہ شخص کاذب اور خانہ ساز نبی ہے آخر

میدان جنگ میں آکر اپنے آدمیوں سے کہنے لگا کہ طلحہ پروتی نازل ہوئی ہے کہ طلحہ اور اس کے پیروؤں پر ایک ایسا حادثہ گزرے گا جو کبھی فراموش نہ ہوگا یعنی ہم لوگ ذلت آفرین شکست کھائیں گے۔ اس لئے اے بنی فزارہ مفت میں اپنی جانیں برباد نہ کرو اور اپنے گھروں کو لوٹ چلو کیونکہ طلحہ بواد جال کذاب ہے۔ وہ لوگ سنتے ہی میدان جان ستاں سے منہ موڑ کر اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔ طلحہ کے دوسرے پیروؤں نے بھی فرار کو رزم پیکار پر ترجیح دی۔ غرض طلحہ کو فیصلہ کن ہزیمت ہوئی۔ اس ہزیمت کے ساتھ طلحہ کی تمام ترامیدیں اور آرزوئیں خاک میں مل گئیں اور اس کی بساط نبوت ہمیشہ کیلئے الٹ گئی۔ طلحہ نے ایک گھوڑا اپنے لئے اور ایک اونٹنی اپنی بیوی نوآر کے واسطے پہلے سے تیار کر رکھی تھی۔ جب مسلمان سوار طلحہ کو گرفتار کرنے کے قصد سے بڑھے تو وہ جھٹ گھوڑے پر سوار ہو اور بیوی کو ساتھ لے بڑی تیزی سے بھاگا اور مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ گیا۔ بھاگتے وقت بنی فزارہ سے کہہ گیا کہ جس کسی سے ممکن ہو وہ بھی اسی طرح اپنی جلیں کو لیکر اڑ جائے۔ یہاں سے وہ شام کی طرف گیا اور قبیلہ کلب میں جا کر رہنے لگا۔

طلحہ کی ہزیمت و فرار کے بعد عینہ بن حصن گرفتار ہو گیا۔ وہ امیر المومنین ابو بکر صدیق کے پاس پکڑ آیا۔ جب مدینہ کے چوں نے اسے دیکھا کہ مشکیں بندھی ہوئی ہیں اور مرتد ہونے سے قبل وہ اس کی بڑی عزت و اکرام دیکھ چکے تھے تو کہنے لگے کہ اے دشمن خدا! تو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ یہ کیا غضب کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں مسلمان کب ہوا تھا جو بعد کو مرتد ہوا؟ امیر المومنین نے اس کی جان بخشی فرمادی۔ مرتد کی سزا قتل ہے لیکن چونکہ اس نے یقین دہایا کہ وہ شروع ہی سے مسلمان نہیں تھا اس لئے چھوڑ دیا۔

طلحہ کا کلام وحی :-

طلحہ کا ایک اور رفیق کار بھی گرفتار ہوا تھا۔ جو طلحہ کا محرم راز تھا حضرت خالدؓ نے اس سے پوچھا کہ طلحہ اپنی نبوت کی کیا کیا باتیں کرتا تھا؟ اس نے کہا اس کے کلام وحی میں سے یہ بھی تھا :-
والحمام والبعار والصر والصدوم قد ضمن قبلکم بالحوام لیلغن ملکنا العراق والشام
قسم ہے اہلی پرندوں، جنگلی پرندوں اور ترمتی کی جو خشک زمین میں رہتی ہے کہ زمانہ ماضی میں سالہا سال سے یہ قرار پا چکا ہے کہ ہمارا ملک عراق اور شام تک وسعت پذیر ہوگا

اس جنگ میں غنیم کا کوئی آدمی قید نہ ہوا کیونکہ انہوں نے پہلے ہی اپنے حریم کی حفاظت کر لی تھی چونکہ باقی سب کے سب مسلمان ہو گئے اس لئے ہر قسم کے آفات سے محفوظ رہے۔ گو مسلمانوں کو اس معرکہ میں دشمن کے زیر ہو جانے کی وجہ سے کوئی مال غنیمت نہ ملا لیکن ان کے

قبول اسلام کی کامیابی ہزار غصوں سے بھر تھی۔
طلیحہ کا قبول اسلام :-

اس کے بعد بنی اسد اور خلفانِ خلافت اسلام سے مشرف ہوئے تو طلیحہ بھی مسلمان ہو کر امیر المومنین عمرؓ کے عہد حکومت میں شام سے حج کو آیا اور مدینہ پہنچ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امیر المومنین عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ تم نے ان من گھڑت الفاظ کو وحی الہی سے تعبیر کر کے خدا پر افترا کیا کہ ”خدا نے تمہارے نمونوں کے خاک پر رگڑنے سے مستغنی ہے اور وہ تمہاری پشت کی خمیدگی سے بھی بے نیاز ہے اور جھاگ دودھ کے لو پر ہی رہتا ہے۔“ طلیحہ نے کہا ”امیر المومنین یہ بھی کفر کے قتلوں میں سے ایک فتنہ تھا جسے اسلام نے بالکلیہ معدوم کر دیا۔ پس اب مجھ پر ان باتوں کا کوئی الزام نہیں“ یہ سن کر امیر المومنین عمرؓ خاموش ہو گئے۔

باب نمبر 4

مسئلہ کذاب

فصل 1- مسئلہ کی خانہ ساز نبوت

اسلام کے قرن اول میں جن گم کردگان راہ نے خانہ ساز نبوت کا لباس فریب پہن کر خلق خدا کو خسران لہدی کی لعنت میں گرفتار کیا ان میں مسئلہ بن کبیر بن حبیب سب سے زیادہ کامیاب اور سربرآوردہ متنبی تھا۔ یہ شخص کذاب یمامہ کے قلب سے بھی مشہور ہے۔ ابو ثمامہ اور ابو ہارون اس کی کئی تہیں تھیں۔ مسئلہ نے حضور سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رحمت میں ایسے وقت میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا جبکہ اس کا سن سو سال سے بھی متجاوز تھا۔ وہ عمر میں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم حضرت عبداللہ سے بھی بڑا تھا۔ جناب عبداللہ کی ولادت سے پہلے یہ شخص عام طور پر رحمان یمامہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر قرآن نازل ہوا اور قریش نے حضور کی نبائی سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سی تو قریش کا ایک آدمی بے ساختہ بول اٹھا کہ اس میں رحمان یمامہ کا ذکر ہے۔

مسئلہ دربار نبوی میں :-

جب فخر بنی آدم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا غفلتہ اقصائے عالم میں بلند ہوا اور اہل آفاق سرچشمہ نبوت سے سیراب ہونے کیلئے اکثاف ملک سے امنڈ آئے تو مسئلہ نے بھی وفد بنی حنیفہ کی معیت میں آستانہ نبوی میں حاضر ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی مگر ساتھ ہی یہ درخواست بھی پیش کر دی کہ حضور اسے اپنا جانشین مقرر فرمادیں۔ یہ عرضداشت لغویت میں کچھ ایسی خفیف نہ تھی کہ مزاج اقدس پر گراں نہ گزرتی اور آپ اس کو نظر انداز فرمادیتے۔ اس وقت آپ کے سامنے سکھور کی ایک شئی رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا ”اے مسئلہ! اگر تم امر خلافت میں مجھ سے یہ شاخ خر کا بھی طلب کرو تو میں دینے کو تیار نہیں“ مگر بعض صحیح تر روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے حضور سے بیعت نہ کی تھی بلکہ بیعت کو مشروط ٹھہرایا تھا اور کہا تھا کہ ”اگر مجھے اپنا جانشین متعین فرمائیں یا اپنی نبوت میں شریک کریں۔ تو میں بھی حضور سے بیعت کرتا ہوں“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ منصب نبوت کو عطائے الہی کے بجائے ایک دنیوی اعزاز سمجھتا تھا اور شاید اسی زعم فاسد کی بنا پر وہ متنبی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اسے نبوت میں شریک و نفیم بنالیں لیکن حضور کے اس حق پر وہ نہ جواب نے اس کے نخل آرزو کو بالکل خشک کر دیا۔

دعویٰ نبوت کا محرک اور اس کا آغاز :-

جب مسیلہ ادھر سے مایوس ہوا تو اس کے دل و دماغ میں از خود نبوت کی دکان کھول دینے کے خیالات موجزن ہوئے۔ وہ ذاتی وجاہت اور قابلیت کے لحاظ سے اہل وطن میں ممتاز اور طلاقت لسانی اور فصاحت و انشاء پر دازی میں اقران و الماثل میں ضرب المثل تھا اور یہی وہ چیز تھی کہ اسے ہر آن انجام مقصد کا یقین دلارہی تھی۔ مدینہ منورہ سے وہ انہی خیالات کی پخت و پز کرتے ہوئے یمامہ گیا۔ وہاں پہنچ کر دعویٰ نبوت کی ٹھان لی اور اہل یمامہ کو یقین دلایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی نبوت میں شریک کر لیا ہے۔ اب اس نے اپنی من گھڑت وحی والہام کے افسانے سنانا کر اپنی قوم (بنو حنیفہ) کو راہ حق سے منحرف کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض ”خوش اعتقاد“ لوگ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ساتھ اس کی نبوت کے بھی قائل ہو گئے۔ جب مسیلہ اغواء کو شیوں کی اطلاع آستانہ نبوت میں پہنچی تو حضور خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو حنیفہ کے ایک ممتاز رکن زحاح بن عقیفہ نام کو جو نہار کے نام سے بھی مشہور تھا اور چند روز پیشتر یمامہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آیا تھا اس غرض سے یمامہ روانہ فرمایا کہ مسیلہ کو سمجھا دیا کہ راہ راست پر لائے مگر یہ شخص بنی حنیفہ کیلئے خیر مایہ فساد ثابت ہوا اس نے یمامہ پہنچ کر الٹا مسیلہ کا اثر قبول کر لیا اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسیلہ کی نبوت کا بھی اقرار کیا اور اپنی قوم سے میان کیا کہ خود جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ”مسیلہ نبوت میں میرا شریک ہے“ بنو حنیفہ نے اس کی شہادت پر وثوق کر کے مسیلہ کی نبوت مان لی اور ساری قوم اس کے دام ارادت میں پھنس کر مرتد ہو گئی۔ اب مسیلہ نے اپنی دکان خدع کو پوری سرگرمی سے چلانا شروع کیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ دجالی ارواح ہر طرف سے ہجوم کر کے مسیلہ کے دل و دماغ پر مسلط ہونے لگے اور اس کے باطن میں القائے شیطانی کا سرچشمہ موہیں مارنے لگا۔ مسیلت کی ترقی و اشاعت میں نہار (زحاح بن عقیفہ) کا ہاتھ بہت کام کر رہا تھا اور اس جدید مسلک کے نشر و ترویج میں اس کی وہی حیثیت تھی جو حکیم نور الدین صاحب بھیروی کو مرزا بیت کی ترقی میں حاصل تھی۔ نہار نے مسیلہ کی ہمار ”نبوت“ کو انجام کار ایسے اوج رفعت پر جانچھلایا کہ کسی دوسرے جنابی کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ یہی وجہ تھی کہ مسیلہ اس کی حد سے زیادہ خاطر مدارات کرتا تھا۔ بعض لوگ مسیلہ کو کذاب یقین کرنے کے باوجود محض قوی عصیت کی بنا پر اس کے پیرو

ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ طلحہ نمری یمامہ گیا اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ مسیلہ کہاں رہتا ہے؟ وہ لوگ جگو کر کہنے لگے ”خبردار!“ آئندہ سرکار عالم کا نام کبھی زبان پر نہ لانا بلکہ رسول اللہ کہہ کر پکارنا“ طلحہ نے کہا ”میں اسے دیکھے اور اس سے کلام کئے بغیر رسول اللہ نہیں مان سکتا۔ آخر مسیلہ کے پاس گیا اور دریافت کرنے لگا کیا تم ہی مسیلہ ہو؟ اس نے کہا ہاں“ پوچھا ”تمہارے پاس کون آتا ہے؟“ کہنے لگا ”رحمان“۔ طلحہ نے پوچھا ”روشنی کے وقت آتا ہے یا تاریکی میں؟“ ”تاریکی میں“ طلحہ بولا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تو کذاب ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انبیاء سلف کی طرح دن کی روشنی میں وحی نازل ہوتی ہے۔ تاہم میرے لئے رعبہ کا جھوٹا نبی قبیلہ مضر کے بچے نبی سے بہر حال عزیز و محبوب ہے۔ یہ طلحہ مسیلہ کے ساتھ جنگ عقرباء میں حالت کفر ہلاک ہوا۔

تیس میں سے ایک دجال :-

اس کے تھوڑے دن بعد ہو ضیفہ کا ایک اور وفد مدینہ منورہ آیا۔ ان لوگوں کو مسیلہ کی تعریف و تقدیس میں بواغلو تھا۔ یہ لوگ اس کے اقوال کے لوگوں کے سامنے وحی آسمانی کی حیثیت سے پیش کر رہے تھے۔ جب حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو وفد کی اس ماذوف ذہنیت کا حال معلوم ہوا اور آپ نے یہ بھی سنا کہ ہو ضیفہ نے اسلام سے منحرف ہو کر مسیلہ کا نیا طریقہ اختیار کر لیا ہے تو حضور نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ کیا جس میں حمد و ثنائے الہی کے بعد فرمایا کہ مسیلہ ان تیس مشہور کذابوں میں سے ایک کذاب ہے۔ جو دجال اعور سے پہلے ظاہر ہونے والے ہیں، اس دن سے مسلمان مسیلہ کذاب کے نام سے یاد کرنے لگے۔

مسیلہ کا مکتوب حضرت سید المرسلینؐ کے نام اور اس کا جواب :-

کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ ”دروغ گور حافظہ نداشت“ اور علم النفس کا یہ ایک مسلم اصول ہے کہ جو شخص بیوش جھوٹ بولتا رہے وہ آخر کار اپنے تئیں سچا سمجھنے لگتا ہے اور یہ بات اس کے ذہن میں اتر جاتی ہے کہ یہ محض اس کا دماغی اختراع تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی اصول کے ماتحت مسیلہ بھی اپنے آپ کو رسول برحق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شریک سمجھنے لگا تھا چنانچہ ایک دفعہ اس نے کمال جسارت دے باکی کے ساتھ فخر انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے۔

مسیلہ رسول کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام۔ معلوم ہوا کہ میں امر نبوت میں آپ کا شریک کار ہوں (عرب کی) سر زمین نصف ہماری اور نصف قریش کی ہے لیکن قریش کی قوم

زیادتی اور بے انصافی کر رہی ہے“

اور یہ خط اپنی قوم کے دو شخصوں کے ہاتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے ان سے فرمایا ”مسیلمہ کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟“ انہوں نے جواب دیا ”ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر کا ارشاد ہے“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اگر قاصد کا قتل کرنا جائز ہوتا تو میں دونوں کی گردن مار دیتا“ اس دن سے دنیا میں یہ اصول مسلم اور زبان زد خاص و عام ہو گیا کہ قاصد کا قتل جائز نہیں۔ مسیلمہ کے خط کے جواب میں حضرت صادق مصدوق علیہ التحیہ والسلام نے لکھوا بھیجا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ منجانب محمد رسول اللہ۔ مام مسیلمہ کذاب۔ سلام اس شخص پر ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنادیتا ہے اور عاقبت کی کامرانی متقیوں کیلئے ہے“

مسیلمہ کے اخلاق و عادات :-

مسیلمہ نہایت متواضع اور متحمل مزاج تھا۔ لوگوں کی زشت خوئی اور بد سگلی پر صبر کرتا۔ اپنے مخالفوں سے بھی درگزر کرتا۔ اگر کوئی شخص اس کے خلاف ستیزہ جوئی سے کام لیتا تو انتقام لینے کے بجائے اسے نرمی سے سمجھاتا اور یہ وہ صفات ہیں جو کسی مدعی کاذب کو اس کے بام مقصد تک پہنچانے میں بہت کچھ معین ثابت ہوتے ہیں۔ مسیلمہ کے مؤذن کا نام عبداللہ بن نواحہ تھا اور جو شخص اس کی اقامت کرتا تھا اس کو حجر بن عمیر کہتے تھے۔ حجر کہا کرتا تھا (میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ مسیلمہ رسول اللہ ہونے کا مدعی ہے) ایک دن مسیلمہ اس سے کہنے لگا (حجر بات صاف صاف کہو کیونکہ بات کے اول بدل کرنے میں کوئی خوبی نہیں)

مسلمی عقاید :-

مرزا غلام احمد کے اصول و عقاید کی طرح جتنی یمامہ کے بھی بہت سے عقاید و احکام اسلام سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں شخصوں نے اسلام ہی کے بہت سے اصول لیکر ان میں الحاد و زندہ کی آمیزش کر لی اور اپنے اپنے پتہ بنا لئے۔ جن مسائل میں مسلمی یا بقول ان کے ”صادقی“ اسلام سے مختلف ہیں ان میں سے بعض ہدیہ قارئین کرام ہیں۔ کہتے ہیں کہ عامۃ المسلمین کا خیال ہے کہ ”رب کردگار نے ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا مگر اس نے انکار کیا اور وہ رائدہ درگاہ ہو گیا“ یہ مقولہ کفر ہے کیونکہ حق تعالیٰ سجدہ غیر کا حکم نہیں فرماتا چنانچہ ”فاروق ثانی“ میں لکھا ہے کہ ”ابلیس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ رب قدیر نے آدم علیہ السلام کو عمل نیک و بد

کا پورا اختیار دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بندوں کے نیک و بد اعمال کا محاسبہ فرمائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ”مجدوتی الحقیقت رب کردگار تھا لیکن آدم علیہ السلام محض جنت قبلہ کا حکم رکھتے تھے یعنی جس طرح کعبہ معلیٰ کی طرف منہ کر کے رب جلیل کو سجدہ کیا جاتا ہے اسی طرح ملائکہ نے آدم علیہ السلام کی طرف رخ کر کے معبود برحق کو سجدہ کیا تھا“ مسکلی کہتے ہیں کہ یوں نہ کہو کہ خدا کا جسم نہیں۔ ممکن ہے کہ جسم ہو اور اجسام مخلوق سے مماثلت نہ رکھتا ہو اور کہتے ہیں کہ یہ، پھر اور مسیح کے الفاظ جو محمد علیہ السلام پر قرآن میں نازل ہوئے اور کچھ کہ مسلمانہ رسول کی کتاب ”فاروق اول“ میں وارد ہوا ہے سب حق ہے لیکن رب قدیر کا ہاتھ کان اکھ مخلوق کے ہاتھ پاؤں چشم و گوش کی مانند نہیں کسی اور وضع و ہیئت کے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ لقادرویت باری تعالیٰ پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ ہر چیز جو موجود ہے سر کی آنکھوں سے دنیا میں دیکھی جاسکتی ہے اور رویت ہر یارویت بلا ہر کی قید لگانا فضول ہے کہتے ہیں کہ عالم کے قدم و حدود اور اس کی لبدیت و عدم کی بحث میں نہیں پڑنا چاہئے اور کہتے ہیں کہ یہ خدائے واہب کی نوازش اور مہربت کبریٰ ہے کہ مسلمانہ رسول کو ہم نشین (سجاح مد عید نبوت) بھی مرسلہ ہی عطا ہوئی حالانکہ کسی دوسرے نبی کی بیوی بیٹے نہیں ہوئی اور کہتے ہیں کہ چونکہ مسلمانہ نبی کو ابو بکر صدیق کے حکم سے شہید کیا گیا اور عمرؓ، علیؓ بھی ان کے اس فعل کے محرک و موید تھے اس لئے خدائے شدید العتاب نے غضبناک ہو کر خلفائے اربعہ کو لعن خلافت میں اسی طرح جتلا کر دیا۔ جس طرح یہود کو قتل مسیح علیہ السلام کی وجہ سے ذلت و خواری میں جتلا کیا۔ دیکھ لو کہ شیعہ لوگ کس طرح ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کو گالیاں دے رہے ہیں اور خارجیوں اور ناموسیوں نے حضرت علیؓ کے خلاف دشنام گوئی کا طوفان برپا کر رکھا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرات خلفائے اربعہ کے خلاف روافض یا خوارج نے اس بناء پر دشنام گوئی اور سب و فتنہ کا پناک شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ مسلمانہ کے قتل کے ذمہ دار یا موید تھے تو پھر جناب مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (معاذ اللہ) کون سا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں یہود انہیں دو ہزار سال سے گالیاں دیتے چلے آ رہے ہیں؟ اگر اس کا جواب لینی میں ہے اور یقیناً لینی میں ہے تو مسکلی بیان بھی سخت لغو اور ناقابل التفات ہے اور کہتے ہیں کہ محمد علیہ السلام کے وقت میں جنت قبلہ معین نہ تھی کبھی آپ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے کبھی استقبال کعبہ کرتے تھے اور کبھی کسی تیسری جانب توجہ فرماتے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جنت معین یعنی ہمیشہ کعبہ کی طرف منہ کرنا (معاذ اللہ) اصحاب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاری کردہ بدعت ہے اور کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مسلمانہ رسول کو حکم ہوا کہ محراب کی طرف منہ کرنا اور جنت معین کی طرف متوجہ ہونا کفر اور شرک کی علامت ہے کیونکہ ایسی حالت میں کہ پیکر

انسانی اور جانور وغیرہ قبلہ بنائے جانے کے قابل نہیں ہیں کسی گھر کو قبلہ بنانا کہاں تک روا ہے؟ پس نماز کے وقت جدھر چاہیں منہ کر لیا کریں اور نیت کریں کہ میں بے جہت نماز ادا کرتا ہوں اور متعدد گیات قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ حضرت مسیلہ کو مخبر صادق اور خدا کا برگزیدہ پیغمبر یقین کرے۔ ورنہ اس کا اسلام مسلم نہ ہوگا اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیلہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں اسی طرح شریک تھے جس طرح ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں ان کے ساجھی تھے اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک ہی پیغمبر ہادی و رہنما ہے لیکن ہمارے دو پیغمبر ہیں۔ ایک محمد رسول اللہ اور دوسرے مسیلہ رسول اللہ اور ہر امت کے کم از کم دو پیغمبر چاہئیں کیونکہ پیغمبر قیامت کے دن شاہد ہوں گے اور دو شاہدوں سے کم کی شہادت معتبر نہیں۔ بلکہ دو سے جس قدر زیادہ ہوں گے اسی قدر بھتر ہوگا۔ پھر ان مسیلہ اپنے تئیں رحمانیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ مسیلہ کو رحمان کے لقب سے یاد کرتے ہیں ان کا گمان ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور بسم اللہ کے یہ معنی ہیں کہ خدائے مسیلہ رحیم ہے اور کہتے ہیں کہ فرقان محمدی حضرت مسیلہ ہی کا معجزہ ہے۔ قرآن نے فصحاء عرب کی زبان مد کردی تھی۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے مسیلہ پر ایک صحیفہ نازل فرمایا جو ”فاروق“ اول کے نام سے موسوم ہے اس نے بھی فصحاء کا نطق مد کر دیا تھا اور ان دونوں صحیفوں یعنی قرآن اور فاروق اول کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیلہ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان دونوں آسمانی کتابوں کی قرآن دنیا اور آخرت میں سود مند ہے لیکن ان کی تفسیر کرنا ذنب عظیم ہے اور کہتے ہیں کہ ایزتعالیٰ نے حضرت مسیلہ کو ایک اور واجب التعظیم کتاب بھی عطا فرمائی تھی جس کا نام ”فاروق ثانی“ ہے اور کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیلہ کی تعلیمات میں کوئی خلاف و تضاد نہیں اور اگر کہیں مسیلہ کا کلام اور ان کی آسمانی کتاب اقوال محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے خلاف ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تک زندہ رہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بعض احکام قرآن فرمان ایزدی سے اسی طرح منسوخ ہو گئے جس طرح خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عین حیات میں بعض آیتیں دوسری آیات کی ناسخ ہوئیں۔

مسلمی شریعت کے احکام :-

مسیلہ جیسے کاراگاہ فرزند روزگار مدعی سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ استمالت قلوب کیلئے شریعت محمدی (علی صا جہا لہیہ والسلام) کے مقابلہ میں کوئی ایسا بیزیر العمل آئین پیش کرتا جو شرعی تکلیفات اور پابندی احکام کی ”تخلع کامیوں“ سے آزاد ہوتا ہے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک

ایسے عامیانہ اور رندانہ مذہب و مسلک کی بنیاد ڈالی جو شرمناک قسم کی خواہشات نفسانی کے جس و احتراز سے اصلا بے نیاز تھا۔ سب سے پہلے اس نے حرمت خمر سے انکار کر کے عہد جاہلیت کی رسم کھن کا اعادہ کیا۔ اس کے بعد یہ حیا سوز نغمہ چھیڑ دیا کہ چارپاؤں کی طرح انسان بھی تولد و تناسل میں فطرتاً آزاد ہے۔ ازدواجی تعلقات محض انتظام خانہ داری کیلئے ہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ مرد و زن عقد مناکحت کے دائرہ میں محصور و مجبور ہیں چنانچہ اس کی کتاب ”فاروق ثانی“ میں زنا کو مباح لکھا ہے کیونکہ میلہ کے نزدیک وہ بھی ایک لذت ہے۔ اس مطلق العنانی کا یہ اثر ہوا کہ ہر طرف فواحش کے شرارے بلند ہوئے اور فساق اور ہواد ہوس کے پرستار جوق در جوق اس کے حلقہ ارادت و نیاز مندی میں داخل ہونے لگے۔ مسکلی شریعت کے ماتحت لباخت پسند طبائع کو ہوس رانیوں اور نشاط فرمایوں کا اچھا خاصہ جیلہ مل گیا۔ شراب خواری تو تحلیل زنا سے پہلے ہی حلال کر دی گئی تھی۔ ان فواحش نے ملک کو فسق و فجور کا گوارہ بنادیا اور لطف یہ ہے کہ باوجود ان فاسقانہ تعلیمات کے ”خوش عقیدہ“ لوگ اسے نبی اور رسول برحق ہی یقین کرتے تھے۔ اوائل میں تحلیل زنا کے ساتھ شادی پر کوئی قیود عائد نہ کئے لیکن اس کے بعد زنا کو تو علیٰ حالہ جائز رکھا البتہ شادی پر بہت سے قیود عائد کر دیئے لیکن ان قیود کا غشا شاید یہی تھا کہ زنا و حرام کاری میں سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ مطلق العنانی کے پہلے دور کے بعد اس نے حکم دیا کہ جس شخص کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو جائے وہ بیوی سے اس وقت تک قرمت نہ کرے جب تک یہ لڑکا زندہ ہو ہاں اگر مر جائے تو دوسرا لڑکا متولد ہونے تک اس سے مباشرت کرے۔ امت میلہ کے نزدیک نکاح میں گواہوں کے روبرو ایجاب و قبول کی حاجت نہیں۔ بلکہ زن و مرد کا خلوت میں ایجاب و قبول کر لینا کافی ہے۔ ہنود کی طرح مسلیوں کے نزدیک بھی اقرباء میں شادی کرنا مذموم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ جیسے اقارب کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز تھا لیکن آپ کی رحلت کے بعد بقول ان کے حرام ہو گیا۔ اس حرمت کی مثال وہی ہے جس طرح کہ ایام سلف میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز تھا جناب محمد علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہو گیا چنانچہ حضرت میلہ کے پاس فرمان ایزدی پہنچا کہ عقد ہمیشہ اس شخص کی دختر سے کیا جائے جس کے ساتھ پہلے کوئی قرابت نہ ہو۔ مسکلی لوگ نصاریٰ کی طرح تعدد ازواج کو جائز سمجھتے۔ اگر تعدد کی خواہش ہو تو شیعوں کی طرح ان کے نزدیک متعہ کے طریق پر تعدد ازواج جائز ہے اور کہتے ہیں کہ ختنہ کرنا حرام ہے کیونکہ اس میں یہودی کی مشابہت ہے مگر عقل کے اندھوں نے یہ نہ خیال کیا کہ اگر ختنہ کرنے میں یہودی کی مشابہت ہے تو ترک ختنہ میں نصاریٰ و مشرکین کی۔

مسکلی صوم و صلوة :-

مسکلی لوگ ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھتے بلکہ اس کی ممانعت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روزہ کی جگہ شبہ رکھنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ غروب سے لیکر طلوع آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کریں۔ مسلمان نے تین نمازیں ظہر، عصر، مغرب مقرر کی تھیں اور حکم دیا تھا کہ تینوں نمازیں مختلف جہات میں ادا کی جائیں۔ مثلاً نماز ظہر مشرق کی طرف منہ کر کے ادا کی ہے تو عصر کے وقت مغرب کا رخ کرے۔ وہ چکڑالویوں اور شیعوں کی طرح نماز سنت ادا نہیں کرتے کیونکہ ان کے زعم میں نماز تو وہی ہو سکتی ہے جس کیلئے معبود حق نے حکم دیا ہو۔ نہ یہ کہ پیغمبر خود ہی اپنی مرضی سے ادا کرنے لگے ہاں اگر فرض نماز کے بعد چاہیں تو کلام الہی قرآن یا فاروق اول پڑھیں اور اذکار و اوراد میں مصروف رہیں۔ چکڑالویوں کی طرح ان کے نزدیک نماز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا بلکہ آپ کا نام ہی نہ لینا چاہئے کیونکہ ان کے زعم باطل میں اس طرح عبادت الہی کے اندر مخلوق کی عبادت شامل ہو جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت مسلمان پر بھی نمازیں تو شروع میں پانچ ہی فرض ہوئی تھیں لیکن اوقات پنجگانہ میں صبح اور عشاء کی دو نمازیں حضرت مسلمان نے حکم الہی اپنی منکوہ سجا کے مہر میں جو وہ بھی ایک مرسلہ تھیں خش دی۔

مسکلی لوگ نماز میں قرآن نہیں پڑھتے بلکہ اس کی جگہ کتاب ”فاروق اول“ کے کچھ انبث شاپ فقرے یا اشعار پڑھ لیتے ہیں۔ اصمعی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اعرابی کے پاس قیام کیا۔ وہ مغرب کی نماز پڑھنے کیلئے کھڑا ہوا۔ پہلی رکعت میں اس نے پڑھا (اس شخص نے فلاح پائی جس نے اپنی نماز پست آواز میں پڑھی اور اپنے تھیلے میں سے مسکین کو کھانا کھلایا اور اپنے اونٹوں اور بکریوں کو منزل گاہ پر لے آیا) پھر رکوع اور سجدہ کر کے دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہوا اور اس میں قرآۃ کی جگہ پڑھا (ہمارے بیٹے، ہمارے پوتے، ہماری بیٹیاں، ہمارے نواسے اور ہمارے دور کے قرلمت دار مردوں کی اولاد) پھر رکوع و سجود کر کے تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہوا اور اس میں یہ شعر پڑھا۔ (جب سوکن کے بیٹے یوسف کے قریب ہوئے تو یوسف پانی والے کنوئیں کی تہ میں پہنچ گئے) جب وہ تینوں رکعتیں پڑھ کر فارغ ہوا تو میں نے کہا کہ تم نے قرآۃ کی جگہ یہ سب کیا پڑھا ہے؟ اس کو تو قرآن پاک سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کہنے لگا ”اصمعی! میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آج سے چالیس سال پیشتر میری پھوپھی نے اس کو مسلمان رسول اللہ سے سیکھا تھا“ (الدمۃ ص 93)

مسئلہ کا کلام وحی :-

نقدس کے دکاندار اور خانہ سازی نے اپنے سلسلہ تزویر میں کلام الہی کو بھی نفس و شیطان کا بازیچہ لہو لعب بنانا چاہتے ہیں اور کلام خداوندی جو دنیا میں قیام صداقت کیلئے نازل ہوا تھا اس کے نام سے مکرو فریب کا کاروبار جاری کرتے ہوئے ذرا بھی خدا سے نہیں شرماتے۔ مسئلہ نے قرآن پاک کے مقابلہ میں بعض مسجع عبارتیں لکھ کر ان کو کلام الہی کی حیثیت سے پیش کیا تھا مگر اہل علم اور اصحاب بصیرت کے نزدیک سامان خندہ زنی کے سوا ان کی کوئی حیثیت نہیں چہ جائیکہ ایسے کلام تراغات التیام کو (معاذ اللہ) کلام الہی کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکے۔ مسئلہ ”کلام وحی“ ایسا مضحکہ خیز ہے کہ ارباب ذوق تسلیم کی محفلیں مارے ہنسی کے لوٹ جاتی ہیں اس نے سورۃ العادیات کے مقابلہ میں لکھا تھا۔

قسم ہے کہیتی کرنے والوں کی اور قسم ہے کھیتی کاٹنے والوں کی اور قسم ہے بھوسہ صاف کرنے کیلئے گیہوں کو ہوا میں اڑانے والوں کی اور قسم ہے آٹا پیسنے والوں کی اور قسم ہے روٹی پکانے والوں کی اور قسم ہے سالن پکانے والوں کی اور قسم ہے تیل اور گھی کے لقمے کھانے والوں کی کہ تم کو صوف والے (بادیہ نشین) عربوں پر فضیلت دی گئی ہے اور مٹی سے مکان بنانے والے شہری عرب بھی تم سے بڑھ کر نہیں ہیں تم اپنی روکھی سوکھی روٹی کی حفاظت کرو۔ عاجز و درماندہ کو پناہ دو اور طلب اور مانگنے والے کو اپنے پاس ٹھہراؤ۔

سورۃ فیل کے جواب میں لکھا تھا :-

ہاتھی! اور وہ ہاتھی کیا ہے؟ اس کی بد فہم اور لمبی سوند ہے۔ یہ ہمارے رب جلیل کی مخلوق ہے۔

ان الفاظ کو بھی وحی الہی کی طرف منسوب کیا تھا :-

اے مینڈکی۔ مینڈکی کی جی! اے صاف کر جسے تو صاف کرتی ہے تیرا بالائی حصہ تو پانی میں ہے اور نچلا حصہ مٹی میں ہے۔ نہ تو تو پانی پینے والے کو روکتی ہے اور نہ پانی کو گدلا کرتی ہے۔ م رسالہ ”الہ عامۃ“ میں جو جھوٹے مدعیوں کے حالات میں مصرعے شائع ہوا ہے مسئلہ کذاب کا یہ ”کلام وحی“ بھی درج ہے۔

سبح اسم ربك الاعلى الذی یسر علی الحبلى فاخرج منها نعمته تسعی من بین اضلاع وحشی فمهم من یموت ویلد فی الثرى و منهم من یعیش و یبقی الی الحبل و منتهی واللہ یعلم السر و اخفی ولا تخفی علیہ الاخرة والاولی۔ اذکرو انعمت اللہ علیکم واشکروہا اذ جعل الشمس سراجاً والغیث نجاحاً وجعل لکھ کبائاً ونعاجاً و فضة

وزجاجاً وذهبا وبياجاً من نعمته عليكم ان اخرج لكم من الارض رُمَانًا وعبا وريحاناً .
حنطةً و زوانا۔ واللبل الداسس والنائب الهمامس ما قطعت اسيد من رطب ولا يابس۔
واللبل الاسحم والديبا لادلهم والجدع الازلم ما انتهكت اسيد من محرم۔ و كان يقصب
بذلك نصرة اسيد على خصومة لهم۔ والشاء والوانها واجيها السودو البانها والشاة اسودا۔
اللبن الابيض يعجب محض۔ انا عصيناك الجواهر فصل لربك وهاجران مبغضك لفاجر۔
والمبليات زرعاً والحاصدات حصداً والدارسات قمحاً والطاحنات ملحناً والخابرات
خبزاً والثارات ثرداً واللاقمات لقماً لحماً سمناً لقد فضلتكم على اهل لوبر واسبغكم
اهلا المدر فيكم فامنوه والمعتزاً ووه والباغي فنا وثوه۔ والشمس وضحاها في ضوئها
ومجلاها والليل اذا ازدعادهم بظلمها ليغشاها ادر كها حتى اتاها واطلقاً نور هانحها۔ وقد
حرم المذق نقاله مالك لاتجمعون“

علامہ خیر الدین آفندی الوسی سائق وزیر طونس نے کتاب ”الجواب الفصح“ میں عبدالمج
نصرانی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے مسیلہ کا پورا مصحف پڑھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
اس نے ایک ضخیم کتاب ہی تیار کر ڈالی تھی اور دعویٰ یہ تھا کہ وہ ”الہامی“ کتاب ہے
مسیلہ کے ”معجزات باہرہ“ :-

مسکلی خصائص نبوت میں سے ایک نہایت دلچسپ اور مہتمم بالشان یہ امر تھا کہ اعجاز فرمائی
کے طور پر وہ جو کچھ کہتا ہے اور جس بات کا بھی ارادہ کرتا اس کے برعکس اور خلاف مدعی ظاہر
ہوتا تھا اور یہ بات اس زمانہ کے عجائبات قدرت میں شمار کی جاتی تھی اور سنت اللہ اس طرح
جاری ہے کہ جھوٹے مدعیوں کو دنیاوی حیثیت سے جس درجہ وقار بھی کیوں نہ حاصل ہو جائے وہ
دینی عزت اور عظمت کے لحاظ سے کبھی سرفراز و کامگار نہیں ہو سکتے۔ ان کی غرض مندانہ تعلقی
اور دروغ بانی ان کی دعاؤں کو شرف استجاب و قبول سے محروم رکھتی ہے اور غیر خداوندی ان کی
خود غرضانہ گویوں کے پورا ہونے میں ہمیشہ مزاحم رہتی ہے۔ خصوصاً مسیلہ کے بارے میں تو
یہ کلمہ کچھ ایسی غیر متعارف قوت و سرعت کے ساتھ نمایاں ہوتا تھا کہ ان واقعات کو جناب
سالار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اعجازی..... کار فرمائی کے سوا اور کچھ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ایک
عورت مسیلہ کے پاس آئی اور کہنے لگی ہمارا نخلستان سرسبزی سے محروم ہے اور کنوئیں بھی خشک
ہو گئے ہیں۔ آپ حضرت مجیب الدعوات سے ہمارے لئے پانی اور نخلستان کی شادابی کی اسی طرح
دعا کیجئے جس طرح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساکنان ہزمان کیلئے دعا فرمائی
تھی۔ مسیلہ نے نہار سے پوچھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہزمان کے واسطے کس طرح دعا

کی تھی؟ ہمارے کما جناب خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کنوؤں کا پانی لیا اور اس سے غرہ کر کے انہی کنوؤں میں ڈال دیا۔ اس سے کنوئیں کا پانی متلاطم ہو کر چشمہ کی طرح ابل پڑا تھا۔ اسی طرح آنحضرت کی دعا سے خرما کے درختوں میں شاخیں پھوٹ آئیں اور تمام چھوٹے چمچے پودوں میں کلیاں نکل پڑیں۔ میسلہ نے بھی اسوۂ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کر کے اپنا لعاب دہن کنوؤں میں ڈلوادیا لیکن قدرت الہی نے اس کا الٹا اثر یہ دکھایا کہ کنوؤں کا پانی اب بھی نیچے اتر گیا۔ خرما کے درخت پہلے سے زیادہ سوکھ گئے اور دعا کرانے والے مدت العمر میسلہ کی جان کو روٹے رہے۔

ایک دفعہ ہمارے میسلہ سے ذکر کیا کہ حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے پرہیزگار کے ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ میسلہ نے بھی معجزہ نمائی کے طور پر بنی حنیفہ کے چند اطفال کے سروں اور ان کی ٹھوڑیوں پر ہاتھ پھیرا مگر اس کا یہ معکوس اثر ظاہر ہوا کہ تمام لڑکے گہبے ہو گئے اور ستانے لگے۔

ایک مرتبہ میسلہ نے سنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے آشوب چشم اچھا ہو گیا۔ میسلہ نے بھی کسی مریض کی آنکھ پر لعاب دہن لگا دیا مگر وہ بے چارہ ہمیشہ کیلئے بصارت سے محروم ہو گیا۔ ایک دفعہ کسی شیردار بھری کے تھن پر افزودنی شیر کی غرض سے ہاتھ پھیرا اور برکت کی وعادی تو معاس کا سارا دودھ خشک ہو گیا۔ ایک مسکلی بیوہ نے درخواست کی کہ میرے بہت سے فرزند ان عزیز و حشمت سرائے دنیا سے رخصت ہو کر خلد کلبہ عاقبت کو چلے گئے۔ اب صرف دو باقی ہیں حق تعالیٰ سے ان کی بقا اور درازی عمر کیلئے دعا فرمائیے۔ اس نے دعا کی اور فرزند کہاں کی کبر سنی کا مژدہ سنا کر پسر خورد کی مدت عمر چالیس سال بتائی۔ جب وہ غم نصیب شادان و فحال مکان پر پہنچی تو معلوم ہوا کہ بوا لڑکا کنوئیں میں گر کر مر گیا اور چھوٹا فرزند جس کے سنن عمر چالیس سال بتائے تھے حالت نزع میں دم توڑ رہا ہے۔ غرض تھوڑی دیر میں وہ بھی اپنی دکھیاں کو دغ مفارقت دیکر رہ گیراے عالم آخرت ہوا۔

میسلہ کذاب کا ایک عقلی معجزہ :-

چونکہ میسلہ خوارق عادات دکھانے سے قاصر تھا اور لوگوں کو معجزات کی قسم سے نبوت کو کوئی علامت ضرور دے چاہئے اسلئے اس نے اپنی جودت طبع سے بعض ”عقلی معجزے“ تجویز کر لئے تھے اور بوقت ضرورت انہی سے اعجاز نمائی کا کام لیتا تھا ان میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ اس نے ٹک منہ والی بوتل میں بیڑے مرغ ڈال رکھا تھا اور جب کبھی کسی طرف سے اعجاز نمائی کا مطالبہ ہوتا تو اسی انڈے کو پیش کر دیتا اور کہتا تھا کہ جگ منہ والی بوتل میں انڈے کو داخل کرنا قوت

بھری کے حیطہ امکان سے خارج ہے اور کسی کو دعویٰ ہو تو ایسا کر دکھائے حالانکہ اس نے انڈے کو چند روز تک سر کے میں رکھ کر نرم کر لیا تھا اس طرح انڈا بول میں بآسانی داخل ہو گیا تھا اور کہتے ہیں کہ سب سے پہلا وہی شخص ہے جس نے بیضہ کو بول میں داخل کیا۔

فصل 2۔ محاربات میں کذاب

جس وقت امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ نے مرتدین عرب کی سرکونی کیلئے لشکر روانہ فرمایا اسی وقت ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو فوج کی قیادت تفویض فرما کر میسلہ کذاب سے لڑنے کو یمامہ کی طرف جانے کا حکم دیا پھر ان کے بعد شرییل بن حسنہ کو ان کی کمک کی غرض سے روانہ فرمایا لیکن عکرمہؓ نے حالات پر قابو پائے اور ماحول کا کافی مطالعہ کئے بغیر نہایت غلطی کے ساتھ شرییل کی آمد سے پہلے ہی لڑائی چھیڑ دی نتیجہ یہ ہوا کہ عکرمہؓ کو ہزیمت ہوئی میسلہ اور اس کے پیرو فتح کے شادیانے جاتے میدان جنگ سے واپس ہوئے جب شرییل کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو وہ وہیں ٹھہر گئے حضرت عکرمہؓ نے اپنی ہزیمت کا حال امیر المومنینؓ کی خدمت میں لکھ بھیجا جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کو یہ جواب دیا کہ تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا میں نے کہہ دیا تھا کہ شرییل کو تھمدے پیچھے روانہ کرنا ہوں جب وہ پہنچ جائیں تو اس وقت لڑائی شروع کرنا لیکن افسوس ہے کہ تم خود تو استاد ی شاگردی کو عیب سمجھتے ہو تمہیں شرییل کے پیچھے بغیر ہرگز حملہ میں اقدام نہ کرنا چاہئے تھا خیر جو کچھ ہوا سو ہوا اب مدینہ کی طرف نہ رخ کرنا کیونکہ یہاں آکر لوگوں کو پست ہمت اور شکستہ دل کر دو گے البتہ آگے جا کر حذیفہ اور عرقبہ سے مل جاؤ اور ان کے ماتحت رہ کر عمان اور مرہ والوں کا مقابلہ کرو اور عمرو بن عاصؓ کے ساتھ مل کر مرتدین قضاعہ سے جہاد کرو۔

اس اثناء میں خالد بن ولیدؓ بطاح سے فارغ ہو کر مدینہ گئے اور امیر المومنین کو تمام واقعات زبانی کہہ سنایا۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو میسلہ کے خلاف معرکہ آرا ہونے کا حکم دیا اور مسلمانوں کا ایک لشکر گراں ان کے ساتھ کر دیا۔ پر حضرت ابو حذیفہؓ اور حضرت زید بن خطابؓ امیر مقرر کئے اور حضرت ثابت بن قیسؓ اور حضرت براء بن عازبؓ کو انصاری قیادت عطا فرمائی۔ حضرت خالدؓ مدینہ سے نکل کر برق و باد کی طرح یمامہ کی طرف بڑھے۔ گو اس وقت میسلہ اور بنی حنیفہ کا طوطی بول رہا تھا اور میسلہ کے چالیس ہزار جنگ آزمایہ سپاہی یمامہ کے دیہات اور وادیوں میں پھیلے ہوئے تھے تاہم باوجود قلت تعداد مسلمانوں کا جوش جہاد اور ولولہ شہادت اہل رہا تھا اور وہ مسکلی مرتدین سے جنگ آزما ہونے کیلئے بھر رہے تھے۔

بنی حنیفہ کی دوسری کامیابی :-

حضرت عکرمہؓ کی طرح شرجیل نے بھی غلت کر کے جناب خالد بن ولیدؓ کی آمد سے پہلے مسیلہ کی حرلی قوت کا اندازہ کئے بغیر جنگ کی طرح ڈال دی جس میں انہیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا جب مسلمانوں کی مکرر ہزیمت کا علم ہوا تو شرجیل کو سخت ملامت کی اور کہا کہ ہماری آمد کا انتظار کئے بغیر پیش دستی کی تمہاری شتاب زدگی کا نتیجہ یہ ہے کہ دشمن کی جمعیت پہلے سے بھی فزوں تر ہو گئی ہے اور اعداء کے حوصلے بڑھ گئے ہیں ایک تو خود مسیلہ کے پاس پہلے ہی سے جمعیت کثیر تھی جس میں یونانیوں کا ترقی ہو رہی تھی دوسرے سجاح کی باقی ماندہ فوج بھی مسیلہ سے مل گئی تھی (جس کا تذکرہ سجاح کے حالات میں قلمبند ہوگا) اس لئے مسیلہ کی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔

اصحاب بدرؓ کی شرکت جہاد :-

اس اثناء میں خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کی کمک کیلئے ایک دستہ فوج بھی روانہ فرما دیا جس کے سرسکر سلیط تھے امیر المومنین نے سلیط کو حکم دیا تھا کہ وہ خالد کی امداد کیلئے ان کے عقب میں رہیں تاکہ غنیم خالد کو عقب سے ضرب نہ لگا سکے اس موقع پر حضرت شیحینؓ یعنی امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہما میں اس بارے میں اختلاف رائے تھا کہ غازیان بدر کو بھی لڑائی میں بھجنا چاہئے یا نہیں حضرت صدیقؓ فرماتے تھے کہ ان سے لڑائی میں مدد لینے کی اتنی ضرورت نہیں ہے جس قدر کہ ان کی دعا اور برکت کی حاجت ہے کیونکہ ان پاک بازوں کی برکت سے رب ذی السنن اکثر آفات و بلیات کو رفع فرما دیتا ہے مگر حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ زیادہ نہیں تو ان حضرت کو کم از کم فوجوں کی امداد پر ضرور مقرر کیا جائے آخر امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا اور اصحاب بدر رضی اللہ عنہم بھی ان معرکوں میں شریک ہوئے۔

مجاہد کی گرفتاری :-

جب مسیلہ کو معلوم ہوا کہ اسلام کے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ اس کی سرکوفی کیلئے آہنچے تو اس نے بھی اپنے لشکر کو یمامہ سے حرکت دی اور عقرباء کے مقام پر لاجع کیا۔ مسیلہ کی طرف سے مجاہد بن مرادہ ایک جداگانہ سر یہ لیکر مسلمانوں کے مقابلوں پر آیا لیکن مسیلہ تک پہنچنے میں صرف ایک دن کا راستہ باقی تھا کہ حضرت خالدؓ نے شرجیل بن حسہ کو مقدمۃ الجیش پر مقرر کر کے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے رات کے وقت مجاہد سے مدد بھڑ ہو گئی۔ شرجیل نے نہایت بے جگری کے ساتھ مجاہد پر حملہ بول دیا اور مجاہد کے آدمیوں کو مارتے مارتے ان کا کھلیاں

کر دیا۔ مجاہد تن تمام موت کا شکار ہونے سے چاہا مگر فدا کر لیا گیا۔
اسلام اور کفر کی آویزش :-

اس واقعہ کے بعد حضرت خالدؓ بھی پہنچ گئے اور عقرباء کے میدان میں ڈیرے ڈال کر حرب و قتال کی تیاریوں میں مصروف ہوئے دوسرے دن آتش حرب شعلہ زن ہوئی لشکر میں مہاجرین کا رایت سالم مولے ابو حذیفہؓ کے ہاتھ میں تھا انصار کا جعظہ حضرت ثابت بن قیسؓ اٹھائے تھے دوسرے قبائل عرب کے علم اپنے اپنے سرداران قبیلہ کے ہاتھ میں تھے مسیلہ اپنا خیمہ و خرگاہ اپنی پشت پر چھوڑ کیا تھا نمار الرحال بن عتقہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے مسیلہ کا مشیر خاص اور سر عسکر تھا اس معرکہ میں مسیلہ کے ہمراہ چالیس ہزار فوج تھی اور اسلامی لشکر صرف تیرہ ہزار تک شمار ہوا تھا مسیلہ کا پوتا شریل رجز خوانی کر کے مو حذیفہ کو جوش دلانے لگا۔ اس نے کہا ”اے بنی حنیفہ“ آج تم اپنی شرم و غیرت کیلئے لڑو کیونکہ اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو تمہاری عورتیں اور لڑکیاں مسلمانوں کی لوٹیاں بن جائیں گی۔ اس لئے چاہئے کہ تم اپنے ٹک و ناموس پر اپنی جانیں قربان کر دو۔ حضرت خالدؓ نے پہلے اتمام حجت کیلئے مسیلہ اور اس کے پیروؤں کو دین حق کی دعوت دی مگر انہوں نے گوش قبول سے نہ سنا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی پند و موعظہ کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا لیکن ان کے والہانہ یقین و اعتقاد کی گرجوشی میں کسی طرح فرق نہ آیا۔ اب دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں۔ مرتدین کی طرف سے سب سے پہلے نمار مسلمانوں کے خلاف رزم خواہ ہوا اور بڑی پامردی سے مقابلہ کر کے حضرت زید بن خطابؓ کے ہاتھ سے جو امیر المومنین عمر فاروقؓ کے بھائی تھے مارا گیا۔ اس وقت گھمسان کارن پڑا۔ دونوں طرف کے دلاور داد شجاعت دے رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ یہی معرکہ فریقین کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا۔ اسلام اور کفر کی یہ ایسی زبردست آویزش تھی کہ اس سے پیشتر مسلمانوں کو ایسے زبردست معرکہ سے شاید کبھی سہلہ نہ پڑا ہوگا۔

لشکر اعداء نے سپہ سالار کی اہلیہ محترمہ سے تعرض نہ کیا :-

لشکر اسلام نے لڑتے لڑتے حضرت خالدؓ کا حکم پا کر پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ بنی حنیفہ کو حضرت خالدؓ کے خیمہ تک پہنچنے کا موقع مل گیا۔ جہاں مجاہد قید تھا۔ مسلکی فوج حضرت خالدؓ کے خیمہ میں آداخل ہوئی۔ اس وقت خیمہ میں حضرت خالدؓ کی اہلیہ محترمہ موجود تھیں۔ خیمہ میں ایک طرف مجاہد زنجیروں سے جکڑا تھا۔ جسے حضرت خالدؓ پیچھے ہٹتے وقت اپنی بیگم صاحبہ کی نگرانی میں دے آئے تھے۔ بنی حنیفہ نے حضرت خالدؓ کی حرم محترمہ کو قتل کرنا چاہا مگر

مجاہد اس میں مزاحم ہوا اور کہا کہ عورت ذات سے تعرض کرنا شیعوہ مردانگی نہیں ہے اس کے علاوہ یہ اس وقت میری ہمسایہ اور نگران حال ہیں اس لئے بہتر ہے کہ عورت کا خیال چھوڑ کر مردوں کی جانبر لو۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ اسلامی سپہ سالار کی حرم ہیں ممکن ہے کہ مسلمانوں کو فتح ہو۔ اس صورت میں معلوم نہیں کہ مسلمان اس کا کس شدت سے انتقام لیں۔ آپ کی حرم محترم سے کوئی تعرض نہ کیا۔ البتہ خیمہ کو پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔

حضرات ثابت زید اور ابو حذیفہؓ کی رجز خوانی :-

ابو حذیفہ آگے بڑھ کر مسلمانوں سے از سر نو مبارزت خواہ ہوئے۔ اس وقت مسلمان نشہ شہادت و جان بازی میں سرشار تھے۔ جناب ثابت بن قیسؓ نے لشکر اسلام کو مخاطب کر کے کہا ”اے ملت موحدین کے بہادر! اپنی جانوں پر کھیل جاؤ اور دشمن کی کثرت تعداد سے مرعوب نہ رہو۔ رپت بہمتی سے کام نہ لو۔ الٰہی میں اہل یمامہ کے ارتداد سے بیزار اور اہل ایمان کی کم بہمتی سے عذر خواہ ہوں، یہ کہہ کر وہ نہایت بے جگری سے غنیم کے قلب لشکر میں جا گھسے اور داد شجاعت دیکر جام شہادت پی لیا۔ اس کے بعد امیر المومنین عمر بن خطاب کے برابر معظم حضرت زید بن خطابؓ نے مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے کہا ”اے ارباب ایمان! میں نے تمہارے زندگی کا چراغ گل کیا لیکن اب میں اس وقت تک کسی سے ہمکلام نہ ہوں گا جب تک کہ اعداء کو منہزم نہ کر لوں۔ یا خود ہی جرعہ شہادت نہ پی لوں۔ اے توحید کے علمبردارو! توحید کی لمانت تمہارے سینوں میں ودیعت ہے اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے تمہیں کوئی غیر اللہ طاقت مرعوب نہیں کر سکتی۔ اعداء کی کثرت اور اپنی قلت تعداد سے خالی الذہن ہو کر دشمن کا صفایا کر دو“ حضرت ابو حذیفہؓ نے کہا ”اے شمع جمال احمدی کے پروانو! آج رسول اللہ کے دین پر کٹ مرو۔ اے توحید کے جان نثارو! تم اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر دنیا میں بچھ گئے ہو۔ آج توحید کی لاج رکھ لینا اے حاملانِ قرآن! قرآن اور اس کے آسمانی احکام دنیا سے منٹنے نہ پائیں“

حضرت خالدؓ نے ہلہ بول دیا :-

اب حضرت خالدؓ نے یک بیک ہلہ بول دیا اور لشکر اسلام اللہ اکبر کے نعرے بلند کر کے بنی حنیفہ پر اس طرح ٹوٹ پڑا۔ جس طرح گر سنہ شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ اہل ارتداد اس حملہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔ آتش حرب جوش و خروش کے ساتھ شعلہ زن ہوئی۔ اس وقت کبھی تو مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو جاتا اور کبھی مرتدوں کا۔ انہی معرکوں میں سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ اور زید بن خطابؓ وغیرہ بڑے بڑے اکابر ملت شہادت سے سیراب

ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ کوئی ایسا نشان قائم کرو۔ جس سے فوراً معلوم ہو سکے کہ ہمارا کون سا پہلو کمزور ہے اور کس حصہ فوج کو کتنا نقصان پہنچا ہے تاکہ اس کی فوراً تلافی کی جاسکے۔ آخر نشان قائم کئے گئے لیکن مسلمانوں کو اتنا نقصان جان برداشت کرنا پڑا کہ اس سے پیشتر کسی لڑائی میں اس کا تجربہ نہ ہوا تھا۔ مہاجرین، انصار اور اہل قرنی کی بہت بڑی تعداد میدانِ جانتان کی نذر ہو گئی۔

مسیلمہ کی ہمت مردانہ :-

مسلمانوں کے مسلسل جدوجہد اور ولولہ انگیز یورشوں کے باوجود مسیلمہ میدانِ کارزار میں اس طرح جم کر لڑ رہا تھا کہ گویا کوئی آہنی برج قائم ہے۔ باوجود ضعف پیری کے اس نے ذرہ بھر بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ بنی حنیفہ اس کے ارد گرد خوب دلاو شجاعت دے رہے تھے۔ حضرت خالدؓ سیفِ اللہ نے یہ محسوس کیا کہ جب تک مسیلمہ کو موت کے گھاٹ نہ اتارا جائے دشمن پر غلبہ پانا محال ہے اس لئے آپ اس کوشش میں سرگرم عمل ہوئے کہ کوئی موقع ملے تو خود مسیلمہ پر چڑکا لگایا جائے۔ بنی حنیفہ کے مقتولوں کی تعداد گوشدائے مسلمین سے بہت زیادہ تھی مگر انہیں اپنی کثرت تعداد کے لحاظ سے اتنے مقتولوں کی کچھ زیادہ پرواہ نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے جوش میں کسی طرح کمی نہ آئی تھی اور ان کے اندر اسلامی حملوں سے کسی خاص ضعف کے آثار نمایاں نہ ہوئے تھے۔

خالدؓ کی کارنامے :-

اب حضرت خالدؓ تنہا میدانِ کارزار میں نکلے۔ اس وقت ”کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے“ کا صحیح نقشہ لوگوں کے سامنے تھا حضرت خالدؓ نے اپنے مقابلہ میں مبارز طلب کیا۔ اب دو دو سو مارحریفوں کا سامنا ہونے لگا۔ حضرت خالدؓ کے مقابلہ پر جو مسلکی آیا آپ نے تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا۔ غرض حضرت خالدؓ نے تنہا مسلکی لشکر کے تمام بڑے بڑے نامی گرامی سوراؤں کو قعرِ عدم میں پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ لشکرِ اعداء میں ہلچل مچ گئی اور نسیم فتح مسلمانوں کے رایتِ اقبال پر چلنے لگی۔ اب حضرت خالدؓ نے مسیلمہ کو پکارا اور چند دوسرے مطالبات کے علاوہ از سر نو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے یہ مطالبات مسترد کر دیئے۔ جناب خالدؓ گھوڑا دوڑا کر اس کی طرف لپکے اور اسے لڑائی پر مجبور کرنا چاہا مگر وہ فرار دیکر دور نکل گیا اور اس کا لشکر بھی تابِ مقاومت نہ لاکر منتشر ہو گیا اب بنی حنیفہ نے مسیلمہ سے کہا کہ عون و نصرت الہی کے جو وعدے تم کیا کرتے تھے وہ عونِ خداوندی کیا ہوئی؟

کہنے لگا ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے اہل و عیال اور ننگ و ناموس کیلئے لڑے یہ موقع ان باتوں کے دریافت کرنے کا نہیں ہے۔

براء بن مالک کی شجاعت و جانبازی :-

محکم بن طفیل نے جو مسلمی لشکر کے سینہ پر تھا اب مسلمی لشکر کو ایک نہایت وسیع و عریض باغ میں جو وہاں سے قریب واقع تھا۔ گھس جانے کو کہا۔ بنی حنیفہ جھٹ باغ میں پناہ گزین ہوئے اور محکم بن طفیل کو ایک ساعت تک مصروف پیکار رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے اسے قتل کیا۔ جناب عبدالرحمنؓ نے ایسے وقت میں اس کی گردن میں نیزہ مار کر اسے ہلاک کیا جبکہ وہ اپنی قوم کو خطبہ دیتا اور بنی حنیفہ کو لڑائی کیلئے براہیختہ کر رہا تھا۔ بنی حنیفہ نے باغ کا دروازہ مضبوطی سے بند کر لیا تھا۔ مسلمانوں میں براء بن مالک ایک نہایت سو ما بہادر سپاہی تھے۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے درخواست کی کہ مجھے خدا کیلئے اس باغ میں ڈال دو انہوں نے فرمایا کہ ہم تمہیں دشمن کے ہاتھوں میں کیونکر دے دیں؟ براء نے قسم دلائی کہ مجھے ضرور اندر ڈال دو۔ ان کے اصرار والجاج پر انہیں حدیقہ کی دیوار پر چڑھا دیا گیا۔ وہ اندر کو کودے اور حدیقہ کے دروازہ پر جا کر کمال شجاعت کے ساتھ سینکڑوں ہزاروں دشمنوں سے لڑنے لگے اور نہایت بہادری کے ساتھ دروازہ پر قبضہ کر کے اسے مسلمانوں کے داخلہ کیلئے کھول دیا۔ اسلامی لشکر فوراً اندر داخل ہوئے لگا۔ باغ میں نہایت خونریزی لڑائی ہوئی جس میں جانبین کا سخت نقصان ہوا۔ بنی حنیفہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور اس وقت تک کمزوری کا اظہار نہ کیا جب تک کہ مسلمانوں کا نقش وجود صفحہ ہستی سے محو نہ ہو گیا یہ باغ جس میں مسلمانوں اور اس کے ہزار باجیروں بھری بکری کی طرح ذبح کئے گئے، لباض کے نام سے موسوم تھا لیکن بعد کو کثرت موت کے باعث حدیقہ الموت کے نام سے مشہور ہو گیا۔ آخر جب خلیفہ مامون عباسی کا زمانہ آیا تو اسحاق بن ابی قیس نے اس جگہ ایک عالیشان جامع مسجد تعمیر کرائی۔

مسلمانوں کا قتل :-

جب مسلمانوں کو فلاح و رستگاری کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو زورہ اور خود پھن کر گھوڑے پر سوار ہو اور ایک دستہ فوج کو ساتھ لیکر لڑتا بھڑتا باغ سے باہر نکلا۔ جوں ہی باغ سے باہر آیا سید الشہداء حنزہ کے قاتل وحشی نے جو اس سے پیشتر مسلمان ہو چکا تھا اور لشکر اسلام میں شامل تھا اسے ایسا نیزہ مارا کہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکا۔ معاویہؓ نے گھڑا ہو گیا اور حضرت زید بن خطابؓ نے حال بن عقیقہ کو جرعہ مرگ پکھا کر داخل جہنم کیا۔ مسلمانوں کے قتل میں دراصل دو مسلمانوں

نے حصہ لیا تھا۔ ایک وحشی نے اور دوسرا ایک انصاری نے۔ پہلے وحشی نے ایک نیزہ رسید کیا۔ جو نہی اس پر نیزہ پڑا انصاری اسے اپنی تلوار پر لے لیا۔ وحشی نے مسیلہ کا سر قلم کر کے نیزے پر چڑھایا اور ایک عیار و فتنہ گر منتہی جس نے زمانے میں بلجھل ڈال رکھی تھی اس حسرت آباد دنیا سے بصد حسرت و اندوہ کوچ کر گیا۔ وحشی بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ میں حالت کفر میں ایک مقدس ترین ہستی کو جام شہادت پلا کر جہنم کے طبقہ اسفل کا مستحق ہو چکا تھا لیکن اس منعم لایزال کا شکر و احسان ہے جس نے دین اسلام کا ربہ سعادت میری گردن میں ڈالا اور تائید الہی نے ایک بدترین انسان کو میرے ہاتھ سے قتل کرا کے کسی حد تک میرے جرم کی تلافی کرا دی۔

شکر اسلام کی فتح :-

جب مسیلہ مارا گیا تو بنی حنیفہ سخت بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے جن پر چاروں طرف سے تلوار پڑنے لگی۔ بنی حنیفہ نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھانہ رکھی مگر قدوسیوں نے طاغوتوں کو مار مار کر ان کے پرچے اڑا دیئے۔ آخر قصر اردلو کو پیوند خاک ہونا پڑا اور مسیلی اقبال آنا فائدہ امن ادبار میں روپوش ہو گیا۔ ان معرکوں میں بنی حنیفہ کے اکیس ہزار اور اہل اسلام کے چھ سو ساٹھ آدمی کام آئے تھے۔ ایک مسیلی نے حضرت عمت بن قیسؓ کی ٹانگ کاٹ ڈالی تھی لیکن ان کی شجاعت دیکھنے کے انہوں نے اس کو ہی ٹانگ اس زور سے ماری کہ معاطار روح قفسِ غصری سے پرواز کر گیا۔ مگر اس صدمہ کی وجہ سے انہوں نے خود بھی عنانِ حیات دارِ آخرت کو پھیر دی۔

حضرت سیف اللہ کفار مقتولین کی لاشوں پر :-

اختتامِ جنگ پر حضرت خالد بن ولیدؓ مجاہد کو اپنے ساتھ لئے ہوئے مقتولین اعداء کی طرف گزرے اور حکم دیا کہ مسیلہ کی لاش تلاش کی جائے چنانچہ مقتولوں کی دیکھ بھال شروع ہوئی۔ خالد رفتہ رفتہ محکم الہمامہ کی لاش پر پہنچے جو ایک وجیرہ آدمی تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا یہی مسیلہ ہے؟ مجاہد نے کہا یہ وجیرہ و خود آدمی تو محکم بن طفیل ہے۔ پھر ایک کم روز رو نام چھٹی ٹانگ والے آدمی کی لاش پر سے گزرے۔ مجاہد کہنے لگا جس لاش کی آپ کو تلاش ہے وہ یہی ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے فرمایا اچھا وہی یہ شخص ہے جس نے تم لوگوں کو گمراہ کر کے دنیا اور عقبی میں زوسیہ کیا؟ اس کے بعد رو جیل، دیم اور اخنیس کی لاشوں کو دیکھ کر کہا کہ کیا یہی تمہارے سردار تھے اور یہی تم پر حکومت کرتے تھے؟

مجامع کی حیرت انگیز فریب کاری :-

مجامع انتہائی عیاری اور فریب کاری سے کام لیکر کہنے لگا کہ یہی لوگ میرے سردار تھے لیکن آپ ان لوگوں کے قتل پر نازاں نہ ہوں کیونکہ جن لوگوں سے آپ کو اب تک سلحہ پڑا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ لڑائی کیلئے بھڑے رہے تھے اور دوسروں پر سبقت کر کے طرح جنگ ڈال دی تھی حالانکہ بنی حنیفہ کی فوجوں کی فوجیں اور ان سے زیادہ جنگ آزما بہادر نہر دآزما ہونے کیلئے ہنوز پیچھے ہیں جن سے قلعے اور حصوں بھرے پڑے ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان لوگوں کے پاس جلد سے جلد صلح کا پیغام بھیجے اور اپنے تحفظ و بقاء کیلئے مصالحت و آشتی کا شیوہ اختیار کیجئے اور اگر آپ مصالحت پر آمادہ ہوں تو مجھے رہا کر دیجئے تاکہ اپنی قوم کے پاس جا کر آپ کی طرف سے مصالحت کی سلسلہ جہانی کروں چونکہ لشکر اسلام کو بہت بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اور حضرت خالد لشکر کو کمر کھول دینے کا حکم دے چکے تھے اس وجہ سے مجاہد سے کہنے لگے کہ میں تجھے قید سے رہا کئے دیتا ہوں تو اپنی قوم میں جا اور ان کو اطاعت اختیار کرنے پر آمادہ کر۔ میں ان سے صرف ان کی جانوں کے متعلق صلح کر لوں گا۔

عورتوں اور بچوں کو مسلح کر کے فسیلوں پر کھڑا کر دیا :-

مجامع یہاں سے اہل یمامہ کے پاس گیا۔ اس وقت قلعوں میں عورتوں، بچوں، بیماروں اور شیوخ فانیہ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ مجاہد نے انہی کو ہتھیاروں سے مسلح کیا۔ عورتوں سے کہا کہ وہ اپنے سر کے بال کھول کر چھاتی پر ڈال دیں اور اسلحہ لیکر شہر پناہ کی فسیل پر چڑھ جائیں۔ پھر وہ حضرت خالدؓ کے پاس واپس آیا اور کہنے لگا کہ قلعہ والے تو آپ کے شرائط صلح کو ہرگز منظور نہیں کرتے۔ خالدؓ نے یمامہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کی فسیلیں ہتھیاروں سے چمکتی نظر آئیں۔ حضرت خالدؓ کو یہ دیکھ کر یقین آگیا کہ غنیم کے قلعے فوجوں سے معمور ہیں اور مسلمان لڑتے لڑتے بہت تھک گئے تھے اور لڑائی شروع ہوئے بھی ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ اس لئے جناب خالدؓ نے مجاہد سے ان کا نصف مال و اسباب اور زمین مزرعہ و غیر مزرعہ اور باغات اور قیدی لیکر صلح کر لینے پر رضامندی کا اظہار فرمایا۔ مجاہد نے اس سے انکار کیا۔ آخر خالدؓ نے چوتھائی مال و اسباب وغیرہ منظور کر کے صلح کر لی۔

مجامع نے حیلہ گری کو قومی خدمت سے تعبیر کیا :-

جب معاہدہ صلح لکھا جا چکا اور حضرت خالدؓ قلعہ کھول کر ان میں داخل ہوئے تو یہ معلوم کر کے ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہاں عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کے سوا اور کوئی نہیں

ہے۔ خالد نے مجاہد سے کہا کم خفت! تو نے میرے ساتھ دعا کی اور فریب سے صلح نامہ لکھوایا۔ مجاہد نے عرض کیا ”اے امیر المسلمین! اگر میں حیلہ نہ کرتا تو میری قوم میں کسی قسم کی استطاعت باقی نہ رہتی۔ میرا قصور معاف فرمائیے۔ میں نے ان کی رسوائی کے خوف سے حیلہ سازی کی اور اپنی قوم کی جس قدر خدمت مجھ سے ہو سکی میں نے کی“ افسوس ہے کہ ہوتے وقت قوم مسلم میں ہزاروں تنگ اسلام افرو ایسے ہیں جو اپنے ذاتی مفاد اور حصول عز و جاہ کیلئے اسلام کو زخمی کرتے ہوئے اغیار کا دست جور و استبداد مضبوط کر رہے ہیں۔ ایسے بد بختوں کو مجاہد کے طریق عمل سے سبق آنا ہونا چاہئے۔ حضرت خالدؓ مجاہد کا جواب سن کر خاموش ہو گئے اور باوجودیکہ یہ معاہدہ دعا اور فریب سے کروایا تھا اس کو قائم رکھا۔ مجاہد کی تحریک سے بنی حیفہ کے ساتھ ممتاز افرو منتخب ہوئے جنہوں نے حضرت خالدؓ سے صلح کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مسلمانی عقائد سے توبہ کر کے از سر نو حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یاد رہے کہ یمامہ کی جنگ اور فتح 12ھ کا واقعہ ہے۔

امیر المومنین کا فرمان کہ تمام بالغ مسلمی بہ جرم ارتداد قتل کئے جائیں :-

اس اثناء میں امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ نے مسلمہ بن وقش کے ہاتھ حضرت خالدؓ کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں لکھا تھا کہ اگر خدائے عزیز و بدتر مرتدین پر فتح یاب کرے تو بنی حیفہ میں سے جس قدر افراد بالغ ہو چکے ہوں وہ سب بہ جرم ارتداد قتل کئے جائیں اور عورتیں کم سن لڑکے حراست میں لے لئے جائیں لیکن امیر المومنین کا فرمان پہنچنے سے پیشتر حضرت خالدؓ معاہدہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ اس مجبوری سے اس حکم کا نفاذ نہ ہو سکا۔ چند سال پیشتر مرزائیوں نے افغانستان میں نعمت اللہ مرتد کے سنگسار پر یہ کہتے ہوئے بڑا اودھم مچایا تھا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں لیکن اگر مرزائی لوگ حضرت صدیق اکبرؓ کو خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ آپ کے اس حکم کو دلیل راہ بنائیں۔ اگر امیر المومنین کا یہ حکم منشاء شریعت کے مطابق تھا کہ موجب یقیناً منہاج شریعت کے عین مطابق اور واجب الاتباع ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جن لوگوں نے اسلام کے طریق توہم کو چھوڑ کر کسی متنبی کا مسلک ضلال اختیار کیا وہ وقت کے مسلمان حاکم کے حکم سے واجب القتل نہ قرار پائیں۔

مفتوح نو مسلموں کا وفد مدینہ منورہ کو :-

حضرت خالد بن ولیدؓ نے بنی حیفہ کے ایک گروہ کو وفد کی حیثیت سے امیر المومنین کے

حضور میں اپنے عریضہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا جس میں مسیلہ کے مارے جانے اہل یمامہ پر فتح پانے، معاہدہ صلح مرتب ہونے اور بنی حنیفہ کے از سر نو اسلام لانے کا مفصل حال درج تھا۔ امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ یہ اہل وفد کو بحال عزت باریاب فرمایا اور ان لوگوں سے مسیلہ کی من گھڑت وحی کا کلام سنا۔ امیر المومنین نے فرمایا واللہ یہ خالق ارض و سماء کا کلام نہیں ہو سکتا۔ وہ ذات بے ہمتا ہر قسم کے عیوب سے پاک و منزہ ہے اس کے بعد امیر المومنین نے اہل وفد سے فرمایا جاؤ اپنی قوم میں رہو اور اسلام پر استقامت اور ثبات قدمی کا ثبوت دو۔ جس سے اللہ اور اس کا رسول برحق خوش ہوں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا عتاب فرزند گرامی پر :-

اس معرکہ میں جس طرح خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فرزند گرامی حضرت عبدالرحمنؓ شریک ہوئے اسی طرح خلیفہ ثانی امیر المومنین عمر فاروقؓ کے صاحبزادہ جناب عبداللہ بن عمرؓ بھی شریک غزا تھے۔ جب لشکر اسلام مظفر و منصور مدینہ منورہ واپس آیا اور حضرت عبداللہؓ نے اپنے والد محترم سے ملاقات کی تو حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا ”یہ کیا بات ہے کہ تمہارا چچا (حضرت زید بن خطابؓ) تو شہید ہو اور تم زندہ رہو؟ تم زیدؓ سے پہلے کیوں نہ مارے گئے؟ کیا تمہیں شہادت کا شوق نہ تھا؟“ جناب عبداللہؓ نے عرض کیا ”اے والد محترم! چچا صاحب اور میں دونوں نے حق تعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی تھی ان کی دعا مستجاب ہوئی لیکن میں اس سعادت سے محروم رہا حالانکہ چچا صاحب کی طرح میں نے بھی تمنا سے شہادت کی تکمیل میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا تھا۔

صحابہ کرامؓ جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے :-

جنگ یمامہ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اصحاب رضوان اللہ علیہم شہید ہوئے۔ ان اشیر نے ان میں سے مندرجہ ذیل انتالیس حضرات کے اسمائے گرامی قلبند کئے ہیں (1) حضرت عباد بن ہر النضاری اشہلی جو غزوہ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک تھے۔ (2) عباد بن حارث النضاری جو جنگ احد میں شریک تھے۔ (3) عمیر بن اوس شریک احد۔ (4) عامر بن ثابت بن سلمہ النضاری (5) عامرہ بن حزم النضاری جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔ (6) علی بن عبید اللہ بن حارث۔ (7) عائذ بن ماعص النضاری۔ (8) فروہ بن نعمان جو جنگ احد میں شریک تھے۔ (9) قیس بن حارث بن عدی النضاری شریک جنگ احد۔ (10) سعد بن جہاز النضاری شریک غزوہ احد۔ (11) ابو دجانہ النضاری بدری۔ (12) سلمہ بن مسعود بن شان النضاری۔ (13) سائب

بن عثمان ابن مظعون جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ بدر میں موجود تھے۔ (14) سائب ابن عوام جو حضرت زبیرؓ کے حقیقی بھائی اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے زاد بھائی تھے۔ (15) طفل ابن عمرو الدوسی شریک غزوہ خیبر۔ (16) زرارہ ابن قیس انصاری۔ (17) مالک ابن عمرو سلمی بدری۔ (18) مالک ابن امیہ سلمی بدری۔ (19) مالک ابن عوس ابن عتیک انصاری جو احد میں شریک تھے۔ (20) معن ابن عدی جو عقیہ اور بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے۔ (21) مسعود ابن سنان اسود شریک غزوہ احد۔ (22) نعمان ابن عاصم بدری۔ (23) صفوان۔ (24) اور مالک عمرو سلمی کے چھٹے جو بدری تھے۔ (25) ضرار ابن ازور اسدی جنہوں نے خالدؓ کے حکم سے مالک بن نویرہ کو قتل کیا۔ (26) عبد اللہ بن حارث سمی۔ (27) عبد اللہ ابن مخزمہ بن عبد العزی جو بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے۔ (28) عبد اللہ ابن عبد اللہ بن ابی ابن سلول (مشہور منافق کے چھٹے) جو بدری تھے۔ (29) عبد اللہ ابن عتیک انصاری بدری۔ (30) شجاع بن ابی وہب اسدی بدری۔ (31) ہریم ابن عبد اللہ مطلبی قرشی اور (32) ان کے بھائی جنادہ۔ (33) ولید ابن عبد شمس بن مغیرہ مخزومی جو خالدؓ کے عم زاد بھائی تھے۔ (34) ورقہ ابن لیاث بن عمرو انصاری بدری۔ (35) یزید ابن اوس جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔ (36) ابو حبیہ ابن غزیہ انصاری جو احد میں موجود تھے۔ (37) عقیل بلوی بدری۔ (38) ابو قیس ابن حارث سمی جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ احد میں شریک تھے۔ (39) یزید بن ثابت جو زید ابن ثابت انصاری کے بھائی تھے رضی اللہ عنہم۔

علامہ بلاذری نے جو فہرست دی ہے اس میں حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ جو امیر معاویہؓ کے مامول اور بندری صحابی ہیں اور ان کے غلام ابو عبد اللہ سالم اور بعض دوسرے حضرات کے نام بھی پائے جاتے ہیں اسی طرح بعض مؤرخین نے چند اور نام بھی بتائے ہیں۔

باب نمبر 5

سجاح بنت حارث تمیمہ

جس طرح موسم برسات کے آغاز میں بسط ارض پر طرح طرح کی نئی مخلوق ظاہر ہونے لگتی ہے سینکڑوں قسم کے کیڑے کوڑے ادھر ادھر ریگلتے دکھائی دیتے ہیں اور ہزاروں لاکھوں پتنگے فضا کے محیط پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم جب قصر نبوت کی تکمیل فرما کر اس خراب آباد عالم صوری سے ادھل ہوئے، بیسیوں، ہوا پرست مدعی اٹھ کھڑے ہوئے اور بہوں نے خود ساختہ نبوت کی دکانیں کھول کر اپنے تقدس کی ڈلفی جانی شروع کر دی۔ سجاح بھی انہی برساتی نبیوں میں سے ایک نبیہ تھی جسے مسیلہ گذاب کی دیکھا دیکھی نبوت کی دکان آرائی کا حوصلہ ہوا۔ بعض مؤرخوں نے اسے سجاح بنت حارث بن ضوید بن حقان لکھا ہے دوسروں نے اسے سوید بن ربوع کی دختر قرار دیا ہے۔ اہواز کے قبیلہ بنی تمیم میں پیدا ہوئی اور اس کا نشوونما عرب کے شمال مشرق میں اس سر زمین میں ہوا جو آج کل عراق عرب کہلاتا ہے اور شاید اسی کو دو دریاؤں دجلہ و فرات کے مابین واقع ہونے کی وجہ سے الجزیرہ بھی کہتے ہیں۔ سجاح مذہب عیسائی اور نہایت فصیحہ و بلیغہ اور بلند حوصلہ عورت تھی۔ اسے تقریر و گویائی میں یدِ طولیٰ حاصل تھا اور جدتِ فہم، جودتِ طبع اور صلاحیتِ رائے میں نظیر نہ رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ اپنے زمانہ کی مشہور کاہنہ تھی اور کہا کرتی تھی کہ میری اور سلح کی ایک ہی رائے ہے اور ان سب خوبیوں پر متتراد یہ کہ ابھی شباب کا عالم اور دل ربانی کا زمانہ تھا اور ظاہر ہے کہ یہ جملہ صفات ایسے نہ تھے جو کسی کی صیدِ افگنی ناکام و بے مراد رہتے۔

دعویٰ نبوت :-

جب سجاح نے اپنی ہونہار فطرت پر نظر کی اور دیکھا کہ مسیلہ نے بسترِ پیری پر دعویٰ نبوت کر کے اتنا عروج و اقتدار حاصل کر لیا ہے اسے بھی اپنے جوہرِ خدا داد سے فائدہ اٹھا کر کچھ کرنا چاہئے تو مسیلہ کی طرح نبوت کا کاروبار جاری کرنے کے قصص پر غور کرنے لگی۔ آخر جو نبی سید العرب والعم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر وفات سنی نبوت اور وحی الہی کی دعویہ ارن بیٹھی۔ سب سے پہلے بنی تغلب نے اس کی نبوت کو تسلیم کیا جن کی وجہ سے اس میں ایک گونہ قوت آگئی۔ ہذیل بن عمران جو بنو تغلب کا ایک نامور سردار اور عیسوی المذہب تھا۔ دینِ مسیحی چھوڑ کر سجاح پر ایمان لے آیا۔ سجاح کو جب اتنی قوت حاصل ہو گئی تو اس نے تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا چنانچہ

منہج و متعاہراتوں میں خطوط لکھ لکھ کر تمام قبائل عرب کو اپنے کیش جدید کی دعوت دی۔ جن کی وجہ سے صد ہا عرب نعت اسلام سے محروم ہو کر ہادیہ جمالت و ہادیہ ضالت میں سرگردان ہونے لگے۔ مالک ابن ہبیرہ رئیس بنی تمیم کے نام بھی ایک خط لکھا تھا۔ وہ اس مکتوب کی فصاحت و بلاغت سن کر اس کا گرویدہ ہو گیا۔ سر آنکھوں پر چل کر جبہ سا ہوا اور ترک اسلام کر کے مرتد ہو گیا۔ بہت سے دوسرے قبائل بھی ترک اسلام کر کے سجاح کے حلقہ بگوش ہو گئے جن میں احصاف بن قیس اور حارث بن بدر جیسے معزز شرفاء اس کی حمایت میں نمایاں سرگرمی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے بعد زیادہ ابن ہلال بنی یاسر کے لوگوں کے ساتھ، عقد ابن ہلال، بنی نمر کے ساتھ سلیم بن قیس ابن شیبان کی معیت میں اس کے لشکر میں شامل ہوئے اور سجاح کے جھنڈے تلے ایک لشکر جوار جمع ہو گیا اس لئے اب وہ اپنے سب سے بڑے دشمن یعنی اسلام کے (معاذ اللہ) قلع قمع کی تدبیریں سوچنے لگی۔ حضرت سید العرب و انجم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت قبیلہ بنی تمیم کے اندر اسلامی عمل اس تفصیل سے تھے۔ قبائل رباب، عوف اور انباء میں زبرقان بن بدر قبائل مقاعس اور بطون میں قیس بن عاصم بن عمرو بن صفوان بن صفوان، بنو مالک میں وکیع بن مالک اور حنظلہ میں مالک بن نویرہ۔ جب خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر مشہور ہوئی تو صفوان صدقات بنی عمرو زبرقان رباب، انباء اور عوف کے صدقات لیکر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے لیکن قیس ابن عاصم مقاعس و بطون کے صدقات وصول کر کے مستقبل کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ باقی رہے وہ لوگ جو اسلام پر ثابت قدم تھے وہ ان لوگوں کے فتنہ و فساد میں الجھ گئے جو عواقب امور کا انتظار کر رہے تھے یا علانیہ مرتد ہو گئے تھے۔ اس اثناء میں سجاح بنت حارث نے بھی دعویٰ نبوت کے ساتھ خروج کیا اور اپنے پیروؤں کو لئے ہوئے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور مسلمانوں سے لڑنے کو چلی۔

عروج و اقبال کا دور :-

بنی تمیم میں اختلاف تو پہلے ہی تھا سجاح کے خروج نے آگ پر تیل کا کام دیا۔ مالک بن نویرہ نے سجاح سے مصالحت کر لی اور اسے مدینہ پر فوج کشی کرنے سے روکا اور کہا کہ آپ سر دست مسلمانوں سے کسی طرح عمدہ برائیاں نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے سجاح نے مسلمانوں سے الجھنے سے پیشتر عربوں کو باہم لڑانے اور غیر مسلم اعداء سے نمٹنے کی صلاح ٹھہرائی۔ مالک بن نویرہ نے اسے بنی تمیم پر حملہ کرنے کی تحریک کی۔ سجاح کا لشکر سیل کی طرح بنی تمیم پر پڑا۔ بنی تمیم سجاح کے حملہ کی تاب نہ لا کر بے اوسان بھاگے اور وکیع بن مالک سجاح سے مل گیا۔ البتہ

قبائل بنی رباب اور ضبہ نے متفق ہو کر سجاح کا خوب جم کر مقابلہ کیا۔ ایک گھمسان کا رن پڑا جس میں سجاح کو ہزیمت ہوئی اور اس کے کئی زبردست اور کار آزمودہ افسر گرفتار ہو گئے لیکن اس کے بعد دونوں قبیلوں نے سجاح سے مصالحت کر لی۔ اب سجاح اپنی سابق قرارداد کے بموجب اپنا لاؤ لشکر لئے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ جب نباہ کے مقام پر پہنچی تو اوس بن خزیمہ نے بنی عمرو کو لیکر راستہ ہی میں اس پر حملہ کر دیا۔ فریقین میں بڑا بھاری رن پڑا۔ سجاح کے پیروؤں میں سے ہذیل اور عقبہ گرفتار ہو گئے لیکن پر فن سجاح کی حکمت عملی کامیاب ہوئی اور فریقین نے ان شرائط پر کہ اوس بن خزیمہ سجاح کے قیدیوں کو چھوڑ دے اور سجاح بلاد اوس میں کسی قسم کی دست درازی نہ کرے مصالحت کر لی۔ اس واقعہ کے بعد مالک بن نویرہ اور وکیع بن مالک اس سے علیحدہ ہو کر اپنی قوم میں چلے گئے۔ سجاح نے انہیں باز رکھنے کی بہتری کوششیں کیں لیکن بالآخر ان کی امانت سے دست بردار ہونا پڑا۔

سجاح کی فوج کشی یمامہ پر :-

سجاح نے اسی رات ایک مستعجبات تیار کی اور صبح کے وقت فوج کے سرداروں کو جمع کر کے کہنے لگی کہ اب میں وحی الہی کی ہدایت کے بموجب یمامہ پر حملہ کرنا چاہتی ہوں۔ یمامہ وہ جگہ تھی جہاں مسیلمہ کذاب مشہور مدعی نبوت کو سنا دلا غیر ی جا رہا تھا۔ سجاح فوج کثیر کے ساتھ ارض یمامہ کی طرف روانہ ہوئی۔ ادھر امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ سجاح کی سرکونی کیلئے روانہ فرمایا۔ شرجیل بن حسنہ اور حضرت عکرمہؓ ابن ابیل جہل بھی ساتھ تھے۔ خالدؓ آگے بڑھے تو خبر ملی کہ اسلام کے دو مشترکہ دشمن باہم نبرد آزما ہونے کو ہیں تو وہاں سے پیچھے ہٹ آئے۔

جب مسیلمہ کو سجاح کے دعویٰ نبوت اور اس کے لشکر کے سر پر آؤپنچنے کی اطلاع ملی تو اس کی کشتی خاطر دریائے اضطراب میں جھکولے کھانے لگی۔ مسیلمہ نے یہ خیال کر کے کہ اگر سجاح سے تعرض کیا جائے گا اور اس سے ٹڈبھڑکی نوٹ آئے گی تو ادھر ثمامہ بن اثال یمامہ میں اس سے ضرور چھیڑ چھاڑ کرے گا اور دوسری طرف شرجیل بن حسنہ بھی عساکر اسلام کو لیکر شبنون اور غار نگر پر گامہ ہو جائیں گے اس لئے اس نے آج کل یورپین قوموں کی طرح حرب و پیکار کے بجائے عیاری و کیا دی سے کام لینا چاہا چنانچہ سجاح کے پاس ہدایا و نفاکس بھیج کر اس سے دوستی پیدا کرنے کا ڈھنگ ڈالا اور کھلوا بھیجا کہ پہلے عرب کے کل بلاد نصف ہمارے تھے اور نصف قریش کے لیکن چونکہ قریش نے بد عہدی کی اس لئے وہ نصف تمہیں دیتا ہوں اور یہ بھی پیغام دیا کہ مجھے آپ کی ملاقات کا کمال اشتیاق ہے اگر حاضری کی اجازت ہو تو بڑی ذرہ نوازی ہوگی۔

سبحان نے ملاقات کی اجازت دی۔

عشق و محبت کی کمند میں پھانسنے کی تدبیر :-

• میلہ بنی ضیفہ کے چالیس ہوشیار بیروؤں کو ساتھ لیکر سبحان کے پاس پہنچا اور بڑے تپاک اور الفت سے ملا اس کی صورت و سیرت اور صباحت و ملاحت کا نظر غائر سے مطالعہ کیا اور حالات گرد و پیش کا اندازہ کر کے یقین ہو گیا کہ اس سے جنگ و جدال کے ذریعے سے پیش پانا دشوار ہے عورت ذات عشق و محبت کے کمند میں پھنسا کر ہی رام کی جاسکے گی میلہ نے سبحان سے درخواست کی کہ آپ میری دعوت قبول کریں اور میرے خیمہ تک تشریف لے جا کر مجھے سرفراز فرمائیں وہیں پہنچ کر میں آپ کی رنگین بیانی سے فائدہ اٹھاؤں گا اور اسی مقام پر ہم دونوں اپنی اپنی نبوت کا تذکرہ درمیان میں لائیں گے۔ سبحان جو بیہ راہ حزم و دور اندیشی سے بالکل عاری تھی فوراً ضامند ہو گئی اور یہ بھی وعدہ کر لیا کہ دونوں کے آدمی خیمہ سے دور رہیں گے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس کامیابی پر اس پیر فرقت کی باچھیں کھل گئیں اور چشم دل حصول مقصد کے نور سے روشن ہو گئی۔ میلہ ملاقات کر کے واپس آیا اور جوش مسرت اور فرط انبساط سے پھولا جائے میں نہ سماتا تھا۔ حکم دیا کہ ایک نہایت خوش نما اور پر تکلف خیمہ فوراً نصب کیا جائے۔ اس حکم کی آنا فنانا تعمیل ہوئی۔ میلہ نے اس محبوب و دلنواز کاکشور دل فتح کرنے کے لئے اسے اعلیٰ قسم کے اسباب عشرت اور سامان زینت سے آراستہ کیا۔ انواع و اقسام کے عطریات میاں کے اور خیمہ کو ہر طرح سے مانچنا کے جلد عروسی بنا دیا۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو حور طلعت سبحان بن سنور کے اور جو بن نکھار کے حسن و لطافت کے پھول برساتی معشوقانہ انداز کے ساتھ خراماں خراماں آہنچی۔ میلہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نہایت نرم اور گد گدے ریشمین گدیلے پر بٹھایا اور اس سے میٹھی میٹھی باتیں شروع کیں۔ خوشبو کی لپٹوں نے سبحان کو مست و سرور کر دیا تھا۔ میلہ جانتا تھا کہ جب عورت خوشبو سے مست ہوتی ہے تو وہ مرد کی طرف جلد مائل ہوتی ہے اور گو میلہ اس وقت نہایت سن رسیدہ تھا لیکن اس کے قوی کچھ زیادہ مضطرب نہ ہوئے تھے۔ میلہ نے کہا اگر جناب پر حال ہی میں کوئی وحی نازل ہوئی ہو تو سنائیے۔ سبحان بولی نہیں پہلے آپ اپنی وحی کے الفاظ سنائیں کیونکہ میں پھر بھی عورت ذات ہوں۔ اس جواب سے میلہ بھانپ گیا کہ سبحان میں نبوت کا حوصلہ اس کی نسبت بہت پست ہے اور سبحان کی پیغمبری بھی اس کے دعوئے نبوت کی طرح محض مٹاؤٹی اور خانہ ساز ہے۔

چٹ مٹنی پٹ بیاہ :-

اب میلہ اپنی نبوت سے محبت و عشق بازی کا کام لینے لگا اور بولا مجھ پر یہ وحی اتری ہے۔ ترجمہ :- کیا تم اپنے پروردگار کو نہیں دیکھتے کہ وہ حاملہ عورتوں سے کیا سلوک کرتا ہے۔ ان سے چلتے پھرتے جاندار نکالتا ہے۔ جو نکلتے وقت پردوں اور پھلیوں کے درمیان لپٹے ہوتے ہیں چونکہ یہ وحی بہ متعنائے جوانی سبحاح کی نفسانی خواہشوں سے مطابقت رکھتی تھی شباب کی انگلیوں نے گدگدانا شروع کیا۔ اور بولی اچھا کوئی اور وحی بھی سنائے۔ جب میلہ نے دیکھا کہ اس نازنین نے اتنی نوک جھونک کو گوارا کر لیا اور برامانے کے بجائے، خوش ہوئی تو اس کا حوصلہ اور بڑھل۔ تکلف، شرم اور جھجک کا پردہ درمیان سے اٹھ گیا اور کہنے لگا حق تعالیٰ نے یہ آیتیں بھی نازل فرمائی ہیں۔ اس شرمناک اور شہوت انگیز الیسی وحی نے سبحاح پر پورا پورا اثر کیا۔ اب کیا تھا میلہ کی منہ مانگی مراد پوری ہوئی۔ کہنے لگا سنو خدا نے برتر نے نصف زمین مجھے دی تھی اور نصف قریش کو مگر قریش نے نا انصافی کی جس کی وجہ سے رب العزت نے قریش سے ان کا نصف حصہ چھین کر تمہیں عطا کر دیا۔ لیکن کمال صدق و اخلاص سے کہتا ہوں کہ کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ تم مجھے اپنی ہم نشینی کے لئے قبول کرو اور ہم تم دونوں باہم عقد کر لیں کیونکہ اگر ہماری یہ دونوں فوجیں مل گئیں تو ہم سارے عرب پر قبضہ کر لیں گے۔ اب اس کمزور دل عورت پر میلہ کا جادو پوری طرح چل چکا تھا۔ بولی مجھے منظور ہے۔ یہ حوصلہ افزا جواب سن کر میلہ کے دل کا کنول کھل گیا اور وفور مسرت سے کہنے لگا پھر دیر کا ہے کی ہے؟ آؤ ذرا گلے لگ جاؤ۔ اب گستاخی و بے حیائی کا حصول اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ میلہ مندرجہ ذیل نشاط انگیز مہج اور نہایت فحش اشعار زبان پر لایا۔ سبحاح خوشبوؤں سے پہلے ہی برا بھینٹے ہو چکی تھی۔ فواشات نے اسے اور بھی دو آتشہ کر دیا۔ چنانچہ نظام حواس درہم برہم ہو گیا اور شرم کی آنکھیں بند ہو گئیں ہوائے دل ہوس راشد عتال گیر شکیب از مینہ بیروں بہت چوں تیر۔ آخر بے حیائی کا منہ کھول کر بے خود وار کہنے لگی اچھا اپنی خواہش جس طرح چاہو پوری کر لو۔ یہ سن کر میلہ کا نفل امید بارور ہوا اور نہایت مسرت کے لہجہ میں مسکرا کر کہنے لگا ہاں مجھے بھی ایسا ہی کرنے کا حکم ملا ہے۔ الغرض ہر دو شیعگان محبت نے ”میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی“ کے مشہور مقولہ پر عمل کر کے باہمی رضا مندی سے چٹ مٹنی پٹ بیاہ کی مثل پوری کر دکھائی اور بغیر کسی کو اطلاع کئے اندر ہی اندر باہم عقد کر لیا۔

دلہا دلہن بساط عیش پر :-

باہر دونوں مدعیان نبوت کے پیر و انجام ملاقات معلوم کرنے کیلئے چشم بہ راہ اور گوش بر آواز سننے ہوئے تھے اور خوش اعتقاد امتی یہ گمان کر رہے تھے کہ ہر مسئلہ پر بہت کچھ رد و قدح ہو رہی ہوگی اور بحث و اختلاف کے تصفیہ کے لئے وحی خداوندی کا انتظار کیا جاتا ہوگا مگر یہاں دونوں پر شوق دلہا دلہن بساط نشاط اور سر پر طرب پر بیٹھے بہلہ کا سرانی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ شوق وصال اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ تین دن تک باہر نہ نکلے خصوصاً مسیلہ کی بلند طالعی کا کیا کہنا ہے کہ جسے آفتاب حیات کے لب بام آنے پر بھی سجاج جیسی ہمایہ محبوبہ گلغزار کی دولت و صل میسر ہوئی اور جس نے اس پیر فرتوت کے مردہ دل کو حیات تازہ بخش دی اور اس نیرنگ ساز کی قدرت کے کرشمے دیکھو کہ جس نے دشمن خونخوار کو محبوب و لہوا کی حیثیت سے پہلو میں لایٹھلایا۔

سجاج کا مہر :-

جب تین روز کے بعد ارمان بھرے دلوں کی آرزوئیں پوری ہو گئیں تو سجاج اپنی نبوت کو خاک میں ملا کر اور مسیلہ سے شکست کھا کر عرق انفعال میں ڈوٹی اپنے لشکر میں واپس آئی۔ اس کے سرداروں اور فوجیوں نے جن کے صبر و انتظار کا پیالہ لبریز ہو چکا تھا صورت دیکھتے ہی پوچھا کہ مسیلہ سے کیا ٹھہری؟ اس نے جواب دیا کہ وہ بھی نئی برحق ہے۔ میں نے اس کی نبوت تسلیم کر کے اس سے نکاح کر لیا کیونکہ تمہاری مرسلہ کو ایک مرسل کی اشد ضرورت تھی۔ انہوں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ مہر کیا قرار پایا! سجاج نے شرمیلیں آنکھیں نیچی کر لیں۔ نام چہرہ زمین کی طرف جھک گیا اور نہایت سادگی کے عالم میں کہنے لگی کہ میں مسیلہ سے یہ بات پوچھتا تو بھول ہی گئی۔ معتقدوں نے ہمد نیاز عرض کیا حضور بہتر ہے کہ آپ اسی وقت تشریف لے جا کر اپنے مہر کا تصفیہ کر لیجئے کیونکہ کوئی عورت مہر کے بغیر اپنے آپ کو کسی کی زوجیت میں نہیں دیتی۔ سجاج جو اپنا جو ہر عصمت بے دامنوں پہ چکی تھی ان کے مجبور کرنے سے اسی وقت غلت زدہ پٹی لیکن اس اثناء میں مسیلہ نہایت شتاب زدگی کے ساتھ رخصت ہو کر اپنے قلعہ میں محض ہو چکا تھا اور دروازے بند کر لئے تھے۔ وہ دل میں اس بات پہ سما ہوا تھا کہ مبادا سجاج کے پیر و اس عقد کو اپنی توہین خیال کر کے اس پر یورش کر دیں۔ سجاج قلعہ پر پہنچی۔ جب دروازے پر پہنچ کر اطلاع کرائی تو مسیلہ کو اس قدر خوف و اطمینان ہو رہا تھا کہ اسے باہر آنے کی جرات ہوئی۔ چھت پر آکر سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا اب کس لئے آتا ہوا؟ سجاج کہنے لگی مجھ۔ ہوا مگر میرا مہر تو بتاؤ۔ مسیلہ نے دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ مٹادی کر دو کہ محمد

وسلم) خدا کے پاس سے پانچ نمازیں لائے تھے رب العزت نے ان میں سے عشاء اور صبح کی دو نمازیں مومنوں کو سجاج کے مہر میں معاف کر دیں۔

سجاج یہ مہر پا کر واپس چلی تو اس کے اصحاب کبہ میں سے عطاء لکن حاجب، عمرو لکن ہبم، غیلان لکن خرشہ اور اس کا موزن شیت من ریح نہایت خاموش اور شرمندہ اس کے ہمراہ رکاب جا رہے تھے۔ عطاء لکن حاجب نے اپنی حالت پر غور کیا تو اسے استعجاب سا معلوم ہوا اور اس نے یہ شعر پڑھا۔
ہماری پیغمبر عورت ہے جسے ہم ساتھ لئے پھرتے ہیں حالانکہ اور لوگوں کے پیغمبر مرد ہوتے ہیں۔
شرائط صلح :-

میسلمہ سے صلح تو ہو گئی تھی۔ دوسرے دن شرائط صلح کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔
میسلمہ نے کہا میں تمہیں علاقہ یمامہ کے ایک سال کے محاصل دیتا ہوں۔ نصف تو اب لے لو اور
باقی نصف کیلئے اپنا کوئی مقدار چھوڑ جاؤ۔ سجاج نے یہ شرط قبول کر لی اور اپنے معتمدین میں سے
ندیل، عقبہ اور زیاد کو یمامہ میں چھوڑ کر اپنا لاؤ لشکر لئے جزیرہ کی طرف واپس روانہ ہو گئی۔ اتفاق
سے حضرت خالد بن ولیدؓ اسلامی لشکر لئے ہوئے اس سے سر راہ ملائی ہوئے۔ سجاج کی فوج
اسلامی لشکر کو دیکھتے ہی بدحواس ہو کر بھاگی اور خود سجاج جزیرہ میں جا کر مقیم ہو گئی۔ حضرت
خالد بن ولیدؓ علم اسلامی لئے ہوئے یمامہ پہنچے۔ میسلمہ قتل ہوا جن لوگوں کو سجاج ملک کی نصف
آمدنی وصول کرنے کیلئے یمامہ چھوڑ گئی تھی وہ پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

سجاج کا قبول اسلام :-

سجاج کے بہت سے سمجھ دار امتی نکاح کے واقع سے بد اعتقاد ہو کر اس سے الگ ہو گئے
تھے۔ اس دن سے اس کی جمعیت میں بجائے ترقی کے انحطاط شروع ہو چلا تھا اور شاید یہی وجہ تھی
کہ اس نے دار الخلافہ مدینہ پر حملہ کرنے کا خیال ہمیشہ کیلئے دل سے نکال دیا۔ آخر کار وہ قبیلہ بنی
تغلب میں جس سے وہ نامتاس قرابت رکھتی تھی رہ کر امن و امان اور خوشی کی زندگی بسر کرنے
لگی۔ یہاں تک کہ جب حضرت امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا تو ایک سال سخت قحط پڑا جس میں انہوں
نے بنی تغلب کو بصرہ میں آباد کر لیا۔ سجاج بھی ان کے ہمراہ بصرہ میں آگئی اور اس نے اور اس کی
ساری قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ سجاج سے مسلمان ہونے کے بعد پوری دینداری اور پرہیزگاری
ظاہر ہو گئی اور اس نے اسی حالت میں تو سن حیات کی باگ ملک آخرت کو پھیر دی۔ حضرت سرہ
لبن جندبہؓ نے جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور ان دنوں بصرہ کے حاکم
تھے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (لبن اثیر، ابن خلدون الدعاء 12)

مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی

فصل 1- خارجی سے شیعہ بننے کے اسباب

مختار کے والد حضرت ابو عبیدہ ابن مسعود ثقفیؓ جلیل القدر صحابہ میں سے تھے مگر یہ خود فیض یاب خدمت نہ تھا لیکن اس کا ظاہر باطن سے متغائر اور افعال و اعمال تقویٰ سے عاری تھے۔ اوائل میں خارجی المذہب تھا اور اسے اہل بیت نبوت سے جو بغض و عناد تھا اس کا اندازہ اس تحریک و تجویز سے ہو سکتا ہے جو اس نے حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کے خلاف اپنے بیٹا کے سامنے پیش کی تھی۔

امام حسن مجتبیٰؑ پر قاتلانہ حملہ :-

اس جمال کی تفصیل یہ ہے کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ صغیر سے مراجعت فرمائے۔ بعد از سر نو تجینز لشکر میں مصروف ہو گئے تھے اور چالیس ہزار آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور عہد کیا تھا کہ تادم العمر حضرت خلافت مآبؑ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ بعد میں یہ لوگ شیعان علی کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت امیر المومنین علیؑ شام کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ آپ کو کوفہ میں جرعہ شہادت پلا کر روضہ رضوان میں پہنچا دیا گیا۔ جناب علی مرتضیٰؑ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادہ حضرت حسن مجتبیٰؑ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اس وقت جناب حسن مجتبیٰؑ نے بیعت کرنے والوں سے یہ شرط کی کہ وہ لوگ ہر حالت میں اطاعت پذیر رہیں گے جس سے صلح کروں اس سے صلح کریں گے اور جس سے جنگ کروں اس سے جنگ آزما ہوں گے۔ اس شرط پر شیعان علیؑ آپ کی طرف بے بدگمان ہو گئے اور کہنے لگے ”یہ ہمارے مفید مطلب نہیں ہیں کیونکہ ان کا ارادہ جنگ آزما ہونے کا ہی معلوم نہیں ہوتا“ حضرت حسنؑ کی بیعت کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک شیعہ صاحب نے آپ پر برہنہ کا وار کر دیا جو اوچھا پڑا۔ آپ زخمی ہوئے مگر چل گئے۔ حضرت امام حسنؑ شیعان علیؑ کی اس شقاوت پسندی پر سخت ملول ہوئے لیکن ضبط و تحمل سے کام لیکر خاموش ہو گئے۔ (تاریخ طبری جلد 6 ص 3)

حضرت حسن مجتبیٰؑ کا مال و اسباب لوٹ لیا :-

اس اثناء میں آپ کو اطلاع ملی کہ امیر معاویہؓ فوج گراں کے ساتھ دار الخلافہ کوفہ پر حملہ آور ہونے کیلئے شام سے چل پڑے ہیں۔ یہ سنتے ہی امام حسن مجتبیٰؑ بھی اس لشکر کی معیت میں جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امیر معاویہؓ کے مقابلے کیلئے روانہ ہو گئے۔ اب امیر معاویہؓ کی فوج مسکن کے مقام پر پہنچی تو امام حسنؑ نے اس وقت مدائن میں نزول اجلال فرمایا۔ جناب حسنؑ نے حضرت سعد ابن عبادہ انصاریؓ کے صاحبزادہ قیسؓ کو بارہ ہزار فوج کے مقدمہ الحیش کا سردار بنا کر لشکر شام کے مقابلے میں روانہ فرمایا۔ خود امام حسنؑ ابھی مدائن ہی میں اقامت گزین تھے کہ کسی نے باوازیلہ پکار دیا کہ ”قیسؓ ابن سعدؓ شہید ہو گئے یہاں سے بھاگ چلو“ سنتے ہی شیعان علیؑ جناب حسن مجتبیٰؑ کے خیمہ میں گھس گئے اور آپ کا مال و اسباب لوٹنا شروع دیا یہاں تک کہ جس فرش پر آپ تشریف فرما تھے اسے بھی آپ کے بیچے سے کھینچ لیا گیا۔ حضرت حسن مجتبیٰؑ بے یار و مددگار مدائن کے مقصورہ بیضاء میں جا پناہ گزین ہوئے۔

امام حسنؑ کو گرفتار کر کے امیر معاویہؓ کے حوالے کر نیکی ترغیب :-

ان دنوں حضرت ابو عبیدہ ابن مسعود ثقفیؓ کے بھائی سعد ابن مسعود ثقفیؓ مدائن کے حاکم تھے اور مختار ابن ابو عبیدہ ثقفیؓ بھی جس کا نام زیب عنوان ہے، مدائن میں تھا۔ حضرت حسنؑ کو عالم بے کسی میں دیکھ کر اپنے چچا سعد ابن مسعود ثقفیؓ سے کہنے لگا کہ چچا صاحب! اگر آپ کو ترقی جاہ و فخر کی خواہش ہو تو میں ایک آسان ترکیب بتاتا ہوں۔ جناب سعدؓ نے کہا وہ کیا ہے؟ بولا حسنؑ نے علیؑ تن تنہا ہیں۔ ان کو گرفتار کر کے معاویہؓ کے پاس بھیج دیجئے۔ چچا نے کہا ”خدا تجھ پر لعنت کرے کیا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند پر حملہ کروں اور ان کو گرفتار کر لوں؟“ است ہی برا آدمی ہے جب جگر گوشہ بولنے لگے حضرت شیعہ کی ”شفقتیں“ دیکھیں جن کا اوپر کر ہوا اور اپنے آپ کو بے یار و مددگار پایا تو مجبوراً امیر معاویہؓ سے مصالحت کر کے ان کے حلقہ جماعت میں داخل ہو گئے۔

مختار کی تبدیلی مذہب :-

جن ایام میں مختار نے اپنے چچا کو حضرت حسن مجتبیٰؑ کی گرفتاری کا شرمناک مشورہ دیکر اپنی مکارانہ ذہنیت کا ثبوت دیا تھا۔ ان دنوں وہ خارجی مذہب کا پیرو تھا اور اہل بیت نبوت سے سخت عناد رکھتا تھا لیکن امام حسینؑ کی شہادت کے واقعہ بانکہ کے بعد جب اس نے دیکھا کہ مسلمان کربلا کے قیامت خیز واقعات سے سخت سینہ ریش ہو رہے ہیں اور استمالت قلوب کا یہ

بہترین موقع ہے اور اس نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ اہل بیت کا بغض و عناد اس کے بام ترقی پر پہنچنے میں سخت حائل ہے تو اس نے خارجی پٹھے سے دست بردار ہو کر حب اہل بیت کا دم بھر ناشروع کر دیا۔ ان ایام میں وہ تقی نام ایک گاؤں میں سکونت پذیر تھا۔ جب سنا کہ امام حسینؑ کے عم زانو بھائی مسلم بن عقیل کو فہ میں آئے ہیں تو وہ اپنے ہوا خواہوں کو لیکر کوفہ پہنچا۔ عبید اللہ بن زیاد نے جو زید کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا عمرو بن حریث نامی ایک شخص کو جھنڈا دیکر کوفہ کی جامع مسجد میں بٹھار کھا تھا۔ مسجد میں پہنچ کر مختار پر کچھ بدحواسی سی طاری ہو گئی اور سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے یہ دیکھ کر عمرو بن حریث نے اس کو اپنے پاس بلایا اور امان دی۔ جاسوسوں نے ابن زیاد کو اطلاع کر دی تھی کہ مختار مسلم بن عقیل کی مدد کیلئے آیا ہے۔ اس نے مختار کو بلا بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوا تو کہنے لگا کہ کیا تم وہی شخص ہو جو ابن عقیل کیلئے جماعتیں لیکر آئے ہو؟ مختار نے کہا ہرگز نہیں میں تو یہاں آکر عمرو کے جھنڈے تلے مقیم ہوں۔ گو عمرو بن حریث نے اس کی تصدیق کی مگر ابن زیاد نے اس کے منہ پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ اس کی آنکھ زخمی ہو گئی اور کہنے لگا اگر عمرو کی شہادت نہ ہوتی تو میں تم کو خنجر خونخوار کی نذر کر دیتا اس کے بعد مختار کو قید کر دیا۔ اس سے پیشتر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مختار کی بہن صفیہ بنت ابو عبیدہ سے نکاح کر لیا تھا۔ مختار نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ کسی طرح میری رہائی کی کوشش فرمائیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یزید کے پاس اس کی سفارش کی۔ یزید نے عبید اللہ کے نام فرمان بھیجا کہ مختار کو چھوڑ دیا جائے۔ عبید اللہ بن زیاد نے اسے چھوڑ دیا مگر یہ حکم کہ تین دن کے اندر کوفہ سے چل دو۔ مختار کوفہ سے بری ہو کر حجاز کی طرف چلا گیا۔

ابن زیاد سے انتقام لینے کا عہد :-

جب مختار واقعہ سے آگے بڑھا تو ابن عرق سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس نے آنکھ کا حال دریافت کیا۔ مختار نے کہا کہ ایک زانیہ کے بچے نے اس کو مجروح کر دیا ہے پھر قسم کھائی کہ خدا مجھے ہلاک کرے اگر میں ابن زیاد کے جسم کے تمام جوڑ الگ الگ نہ کر دوں۔ اس کے بعد کہنے لگا تم عنقریب سن لو گے کہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ظاہر ہوا ہوں اور شہید مظلوم سید المسلمین، ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حسینؑ بن علیؑ کے خون کا انتقام طلب کرتا ہوں۔ اس کے بعد کہنے لگا ”خدا کی قسم! میں حسینؑ مظلوم کے بدلے میں اتنے ہی آدمیوں کی جانیں لوں گا۔ جس قدر کہ مجھے ابن زکریا علیہا السلام کے خون کے بدلے قتل ہوئے تھے“ یہ کہہ کر مختار وہاں سے چل دیا اور ابن عرق محو حیرت رہ گیا یہاں سے مختار نے مکہ معظمہ جا کر کچھ عرصہ تک اقامت کی اور یزید کی موت کے بعد جب اہل عراق نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے

ہاتھ پر بیعت کی تو ابن زبیرؓ کے پاس مزید پانچ مہینہ تک مکہ معظمہ میں مقیم رہا اور جب دیکھا کہ ابن زبیرؓ اس سے کسی کام میں اعانت نہیں چاہتے تو اس نے یہ کارروائی شروع کی کہ اہل کوفہ میں جو کوئی ابن زبیرؓ کے پاس آتا اس سے اہل کوفہ کے خیالات و اسیال کا حال دریافت کرنے لگتا چنانچہ ایک دن وہاں کے ایک سربراہ اور وہ شخص نے بتایا کہ گو اہل کوفہ حضرت ابن زبیرؓ کی اطاعت میں راسخ قدم ہیں لیکن ان میں ایک ایسی جماعت بھی ہے اگر کوئی شخص ان کی رائے کے مطابق ان کو مجتمع کرے تو تھوڑے ہی عرصہ میں روئے زمین کو فتح کر سکتا ہے۔ مختار نے کہا خدا کی قسم! میں اس کام کیلئے موزوں ترین شخص ہوں ان کے ذریعہ شہسوارانِ باطل کو مغلوب کروں گا اور ہر گردن فراز سرکش کی گردن توڑ دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور کوفہ کی راہ لی۔ اثنائے سفر میں جن جن لوگوں میں سے گزرتا ان کو سلام کر کے کہتا کہ تم کو نصرت و کشاکش کا مبارک ہو۔ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ تمہیں مل گیا ہے۔ ہو کندہ، ہو ہند، ہو ہمدان وغیرہ قبائل میں جا کر بیان کیا کہ ”مجھے وحی کے پٹے مہدی نے (یعنی حضرت محمد بن حنفیہؓ نے جو امیر المومنین علیؓ کے صاحبزادہ تھے) تم لوگوں کے پاس امین، وزیر، شیخ اور امیر بنا کر بھیجا ہے اور حکم دیا کہ لمحہ بے لمحہ قتل کرو اہل بیت اطہار کے خون کا انتقام لو اور ضعفاء کو جاہلوں کے بیچ ظلم سے نجات دلاؤ لہذا تم لوگوں کا فرض ہے کہ قبول دعوت کا شرف اولیت حاصل کرنے کے لئے اس دعوت کو لبیک کہنا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

فصل 2۔ ولایت کوفہ کو زیر نگین کرینگی جو

کربلا کے خونین حوادث کے بعد عمرو ابن حریث کوفہ میں ابن زیاد کا قائم مقام تھا اور خود ابن زیاد بصرہ میں رہتا تھا۔ جب 64ھ میں یزید اور اموی حکومت کا ڈھیر ڈھیل پڑ گیا تو اہل کوفہ نے عمرو ابن حریث کو کوفہ کی حکومت سے برطرف کر کے حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ سے بیعت کر لی۔ جنہوں نے یزید کے بعد حجاز اور عراق کی عمان فرمانروائی اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ جب یزید کو طعمہ اجل ہوئے چھ مہینے کا عرصہ گزر گیا تو وسط رمضان میں مختار کوفہ پہنچا۔ اس کے ایک ہفتے بعد حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کی طرف سے عبد اللہ ابن یزید انصاری کوفہ کے امیر اور ابو ایمن ابن محمد ابن طلحہ خراج کوفہ کے والی مقرر ہو کر کوفہ پہنچے۔ مختار نے اہل کوفہ کو قاتلین امام حسینؓ سے جنگ آزما ہونے کی دعوت دینی شروع کی اور کہا کہ میں محمد بن حنفیہؓ کی طرف سے وزیر اور امین ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ مختار کوفہ کے محلوں اور مسجدوں میں جاتا اور امام حسینؓ اور دوسرے اہل بیت اطہار کے مصائب ذکر کر کے سوسے بہانے لگتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک جڑ پکڑنے لگی اور رجوعِ خلافت شروع ہوا عبد اللہ بن یزید انصاری حاکم کوفہ کو بتایا گیا کہ مختار ایک بڑی جمعیت

بہم پہنچا کر کوفہ پر قبضہ کیا چاہتا ہے عبد اللہ نے کہا کہ یہ خیال محض سوء ظن پر مبنی ہے۔ مختار امام حسینؑ کے خون کا مطالبہ کرتا ہے خدا اس پر رحم کرے اس کو چاہئے کہ علانیہ اپنی جمعیت کے ساتھ نکلے اور ان زبانی اور دوسرے قاتلین حسینؑ کا قلع قمع کر دے اور اگر ان زبانی سے برسر مقابلہ ہوا تو میں مختار کی ہر طرح سے امداد کروں گا۔

مختار کی اسیری و رہائی :-

چند روز کے بعد بعض اشراف کوفہ نے عبد اللہ ابن یزید انصاری اور ابراہیم ابن محمد ابن طلحہ کو بتایا کہ مختار خود تم لوگوں پر شہر ہی کے اندر حملہ کرنا چاہتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ اسے گرفتار کر کے زندان میں ڈال دو اور ساتھ ہی محبوس نہ کرنے کے انجام بد سے متنبہ کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے مختار کو مجلس میں ڈال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد مختار نے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کے پاس جن کے گھر میں اس کی ہمیشہ تھی پیغام بھیجا کہ میں مظلوم اور متعبد ہوں۔ عبد اللہ ابن یزید اور ابراہیم ابن طلحہ سے سفارش کر کے مجھے جس سے نکلوائیے حضرت ابن عمرؓ نے ان دونوں کو اس کیلئے لکھ دیا اور انہوں نے ان کی سفارش قبول کر کے مختار کو قید سے مخلصی بخشی لیکن رہا کرتے وقت اس سے حلف لے لیا کہ پھر کبھی حیلہ جوئی اور بغاوت نہ کروں گا اور اگر ایسا کروں تو مجھ پر لازم ہو گا کہ کعبہ معلیٰ کے پاس جا کر ایک ہزار لونگوں کی قربانی کروں اور اپنے تمام غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کروں۔

حلف کی خلاف ورزی کا عزم صمیم :-

قید سے رہا ہونے کے بعد مختار اپنے ایک دوست سے کہنے لگا۔ ”ان کو خدا کی مار! یہ لوگ کیسے احمق ہیں وہ اپنی حماقت سے سمجھ رہے ہیں کہ میں ان سے وفا کروں گا۔ انہوں نے مجھ سے حلف اٹھوایا ہے لیکن اس حلف کو میں کبھی پورا نہ کروں گا۔ چنانچہ جب میں نے قسم کھائی تھی تو اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کے پورا کرنے کی نسبت اس کا توڑنا صد ہزار درجہ بہتر ہے اور ان لوگوں سے تعرض نہ کرنے کے بجائے ان پر حملہ کرنا اشد ضروری ہے۔ رہا اونگوں کی قربانی اور غلاموں کی آزادی کا مسئلہ، سو یہ میرے لئے تھوکنے سے زیادہ آسان ہے کیونکہ میری زندگی کا نصب العین یہ ہے کہ کسی طرح یہ کار عظیم و خطیر پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔ پھر خواہ میرے پاس ایک غلام بھی نہ رہے مجھے اس کی پروا نہیں۔ مختار کے پیروؤں کی تعداد روز بروز ہستی نفی یہاں تک کہ جناب عبد اللہ ابن زبیرؓ نے عبد اللہ ابن یزید اور ابراہیم ابن محمد کو معزول کر کے ان کی جگہ عبد اللہ ابن مطیع کو عامل کوفہ مقرر کر دیا جیسے ہی عبد اللہ ابن مطیع نے کوفہ میں قدم رکھا

اسے کہا گیا کہ مختار کی جمعیت بہت بڑھ گئی ہے اور وہ کوفہ پر حملہ کیا چاہتا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ مختار کو قید کر کے اس کے فتنہ کا سدباب کر دیجئے۔“

ابن مطیع نے مختار کو بلا بھیجا مگر وہ ہمدانی کا حیلہ کر کے اس کی گرفت سے بچ گیا لیکن بے چارے ابن مطیع کو کیا معلوم تھا کہ یہ شخص تھوڑے ہی روز میں اس کے پرچم اقبال کو پامال کر دے گا۔

امام محمد ابن حنفیہؒ کے جعلی خط سے مطلب براری :-

ایک شخص نے مختار سے کہا کہ شرفائے کوفہ نے اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ وہ ابن مطیع کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں۔ البتہ اگر ابراہیم ابن اشتر ہماری دعوت قبول کر لے تو اس کی وجہ سے ہم اپنے حریف کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ ایک بہادر سردار اور ایک شریف النفس باپ کا فرزند ہے اور اس کا قبیلہ بھی کثیر التعداد ہے۔ یہ سن کر مختار نے چند آدمی بھیج کر اس سے شریک کار ہونے کی درخواست کی۔ ان لوگوں نے جا کر اس تعلق اور افس کو بھی کھول کر بیان کیا جو ابراہیم کے والد کو حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا۔ ابراہیم نے جواب دیا کہ میں امام حسینؑ اور ان کے اہل بیت کے خون کا انتقام لینے میں اس شرط پر تہمازا ساتھ دے سکتا ہوں کہ مجھے ہی والی امر بتایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ آپ اس منصب کے اہل ہیں لیکن اس لحاظ سے کہ مختار ہمدی (حضرت محمد بن حنفیہؒ) کی طرف سے ہمارے پاس بھیجا گیا ہے اور وہی اس رزم و پیکار پر مامور ہوا ہے اور ہمیں اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، تمہارے والی امر بنائے جانے کی کوئی سبیل نہیں۔ ابراہیم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور یہ سفارت ناکام واپس آئی۔ اب مختار نے ابراہیم کے نام ایک جعلی خط لکھا اور تین دن کے توقف کے بعد خود دس بارہ آدمیوں کو ساتھ لیکر ابراہیم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ دیکھئے! یہ امیر المومنین محمد بن علی (امام محمد بن حنفیہؒ) کا خط ہے۔ وہی ہمدی جو خدا کے انبیاء و رسل کے بعد آج روئے زمین میں افضل ترین خلق ہیں اور اس جلیل القدر انسان کے صاحبزادہ ہیں جو کچھ عرصہ پیشتر صفحہ ہستی کا بہترین آدمی تھا۔ وہ آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس کام میں ہماری امانت کریں۔ ابراہیم نے وہ جعلی خط لیکر پڑھا اس میں لکھا تھا۔ منجانب محمد الہمدی بنام ابراہیم بن مالک اشتر۔ سلام علیک۔ میں نے تم لوگوں کے پاس اپنا وزیر اور امین بھیج کر اس کو حکم دیا ہے کہ وہ میرے دشمن سے جنگ کرے اور میرے اہل بیت کے خون کا بدلہ لے۔ تم خود بھی اس کے ساتھ ہو جاؤ اور اپنے قبیلہ اور دوسرے اطاعت کیش لوگوں کو بھی لے جاؤ۔ اگر تم نے میری مدد کی اور میری دعوت کو قبول کیا تو تم کو بڑی فضیلت حاصل ہوگی۔ ابراہیم نے اس خط کو

پڑھ کر کہا کہ محمد ابن حنفیہ نے بارہا میرے پاس خط بھیجے ہیں اور میں بھی ان کو خطوط لکھے ہیں۔ ان خطوط میں وہ ہمیشہ اپنا اور اپنے والد ہی کا نام (محمد بن علی) لکھتے رہے ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے اس خط میں اپنی عادت مستمرہ کے خلاف اپنے والد محترم کے اسم گرامی کی جگہ اپنا لقب ممدی کیوں زیب رقم فرمایا؟ مختار کہنے لگا وہ زمانہ اور تھا یہ اور ہے۔ ابراہیم نے کہا پھر یہ کیونکر معلوم ہو کہ یہ خط انہوں نے بھیجا ہے؟ مختار کے تمام ساتھیوں نے اس کی شہادت دی کہ واقعی یہ خط حضرت محمد ممدی ہی نے بھیجا ہے۔ گو ان گواہوں کی وہی حیثیت تھی جو قادیانی ”معجزات“ کے شاہد ان ”عدل“ کی ہوا کرتی تھی۔ تاہم ابراہیم کو انکار و استرداد کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ صدر فرش سے ہٹ کر مودب ہو بیٹھا اور مختار کو صدر جن کر اس سے بیعت کر لی۔ اب ابراہیم نے اپنے قبیلہ کے لوگوں اور دوسرے متعلقین کو بلایا۔ جب سب جمع ہو چکے، لائحہ عمل پر بحث ہوئی آخر قرار پایا کہ بتاریخ 4 ربیع الاول 66ھ بمشعبہ کی رات کو خروج کریں۔

فصل 3: کوفہ کی تسخیر اور ولایتوں میں عمال کا تقرر

عبداللہ ابن مطیع کو معلوم ہو چکا تھا کہ مختار عنقریب حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے شرفائے شہر کی قیادت میں فوج اور پولیس کے آدمی بھیج کر شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ اس انتظام کا مقصد یہ تھا کہ مختار اور اس کے پیرو خوف زدہ ہو کر خروج سے باز رہیں لیکن جو لوگ مکمل تیاریوں کے بعد رزم دیکھ کر کیلئے پھر رہے تھے وہ بھلا اس انتظام سے کیونکر مرعوب ہو سکتے تھے؟ اس اثناء میں مختار نے نواح کوفہ کے ایک مقام پر تمام حرفی تیاریاں مکمل کر لیں۔ یوم معبود کو مختار طلوع فجر تک فوج کی ترتیب و آراستگی سے فارغ ہو گیا اور تڑکے ہی دونوں طرف سے حملہ ہوا۔ دن بھر تلوار چلائی۔ آخر سرکاری فوج کو ہزیمت ٹھٹکی اور مختار نے قصر امارت کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تین دن تک جاری رہا۔ جب ابن مطیع کی قوت مدافعت بالکل جواب دے بیٹھی تو اس کے ایک فوجی افسر شیث ابن ربیع نے اس سے کہا کہ اب اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خیر منائیے۔ اس وقت نہ آپ اوروں کو چا سکتے ہیں اور نہ اپنے تئیں محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ابن مطیع نے کہا اچھا بتاؤ کیا کیا جائے۔ شیث نے کہا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اور ہمارے لئے امان طلب کیجئے۔ ابن مطیع نے جواب دیا کہ مجھے اس شخص (مختار) سے امان مانگتے ہوئے نفرت ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ حجاز اور اصرہ ہنوز امیر المومنین (عبداللہ ابن زبیرؓ) کے زیر نگیں ہیں۔ شیث نے کہا اگر یہی خیال ہے تو پھر آپ نہایت رازداری کے ساتھ کہیں نکل جائیے۔ بالفضل آپ کوفہ ہی میں کسی قابل اعتماد آدمی کے ہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ اس کے بعد موقع پا کر اپنے آقا کے پاس مکہ معظمہ چلے جائیے گا۔ دوسرے اشراف کوفہ نے بھی عبداللہ بن مطیع کو یہی رائے دی۔ ابن مطیع

قصر المارت سے نکل کر ابو موسیٰ کے مکان میں جا چھپا۔ اس کی روانگی کے بعد ابن مطیع کے آدمیوں نے دروازہ کھول دیا اور ابراہیم بن اشتر سے کہا کہ ہم امان چاہتے ہیں۔ اس نے کہا تمہیں نمان ہے۔ یہ لوگ قصر سے نکلے اور مختار سے بیعت کر لی۔ مختار قصر میں داخل ہوا اور وہیں رات سر کی۔ صبح کو شرفائے کوفہ اس سے مسجد اور قصر کے دروازہ پر ملاقی ہوئے اور کتاب سنت رسول اللہ اور اہل بیت کے خون کی انتقام جوئی پر بیعت کی۔ اس کے بعد مختار اشرف کوفہ سے حسن سلوک کرتا رہا۔

بزمیت خوردہ دشمن سے حسن سلوک :-

اس اثناء میں اسے بتایا گیا کہ ابن مطیع ابو موسیٰ کے مکان میں ہے۔ یہ سن کر خاموش ہو گیا مگر اس کی بلند ہمتی دیکھو کہ شام کے وقت ایک لاکھ درہم ابن مطیع کے پاس بھیج دیئے اور کہلا بھیجا کہ اس کو ضروریات پر خرچ کرو۔ مجھے معلوم ہے جہاں تم اقامت گزریں ہو اور یہ بھی جانتا ہوں کہ بے زری اور حتی دستی نے تمہیں گوشہ نشینی چھوڑنے سے روک رکھا ہے لیکن اس حسن سلوک کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ کسی زمانہ میں ان دونوں میں بڑی دوستی رہ چکی ہے مختار نے کوفہ کے بیت المال میں نوے لاکھ کی رقم پائی جس میں اس نے ان پانچ سو تین بھادروں میں جو ابن مطیع کے محاصرہ قصر کے دوران میں لڑے پانچ پانچ سو درہم اور ان چھ ہزار مختارین کو جو محاصرہ کے بعد ایک رات اور تین دن تک اس کے ساتھ رہے تھے دو سو درہم فی کس تقسیم کر دیئے۔

کون کون سے ملک مختار کے حیطہ اقتدار میں آئے :-

اس فتح سے مختار حجاز مقدس اور بصرہ کی ولایت کو چھوڑ کر باقی ان تمام ممالک پر قابض ہو گیا جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زیرِ نگیں تھے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ اس نے اپنے اعلیٰ مرتبہ و عروج کی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور نظر کیا کہ اسلامی دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے علم اقبال کے آگے سر نیاز جھکا ہے۔ اب اس نے ابراہیم بن اشتر کے چچا عبداللہ ابن حارث کو آرمینیا کی حکومت تفویض کی۔ عبدالرحمن بن سعید کو موصل گورنر بنایا۔ اسحاق ابن مسعود کو مدائن کی سرزمین دی۔ اسی طرح دوسرے علاقے بھی ممتاز سرداروں کے زیرِ فرمان کر کے سب کو اپنی حکومتوں پر روانہ کر دیا۔

یاد رہے کہ یہ عبداللہ بن مطیع جسے مختار نے مغلوب کیا وہی عبداللہ بن مطیع ہے جس سے امام حسینؑ کی کوفہ جاتے ہوئے ایک چشمہ پر ملاقات ہوئی تھی اور اس نے کہا تھا ”اے ابن

رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے ان اطراف میں کس طرح قدم رنج فرمایا؟ یہ کہ کراپ کو اپنے مکان پر لے گیا اور نہایت خاطر مدارات سے پیش کیا تھا اور جب امام حسینؑ نے اس کو اپنے وجہ قدم سے مطلع کیا تو کہنے لگا اے فرزند رسول اللہ! میں آپ کو حرمت اسلام کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس خیال سے باز آئیے۔ میں آپ کو حرمت قریش اور حرمت عرب کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس عزم سے درگزر فرمائیے۔ خدا کی قسم! اگر آپ وہ چیز طلب فرمائیں گے جو ہوامیہ کے دست اقتدار میں ہے تو وہ آپ کو ہرگز زندہ نہ چھوڑیں گے۔ آپ کو خدائے یگانہ کا واسطہ کو فہ جا کر اپنے آپ کو ہوامیہ کے دست بیداد میں نہ دیجئے۔“ غرض بہت منت سماجت کی تھی۔ مگر امام حسینؑ نے بعض مجبوریوں کی بنا پر اس مخلصانہ درخواست کو مسترد فرمایا تھا۔“

فصل 4: شہدائے کربلا کے قتل و استہلاک کا انتقام

کوفہ اور اس کے صوجات پر عمل و دخل کرنے کے بعد مختار نے ان لوگوں کے خلاف دارومگیر کا سلسلہ شروع کیا جو امام حسینؑ اور خاندان نبوت کے دوسرے ارکان کے قتل و استہلاک میں شریک تھے یا اس کے ذمہ دار تھے۔ اب ہر ایک کے وقائع ہلاک درج کئے جاتے ہیں۔

عبید اللہ ابن زیاد کی ہلاکت :-

عبید اللہ ابن زیاد وہی شقی اذلی ہے جس نے حضرت امام حسینؑ کا اس وقت تک پہچانہ چھوڑا جب تک کہ اس کی خون آشامی نے انہیں ریاض فردوس میں نہ بھیج دیا۔ اس نے اہل بیت اطہار پر جن کی محبت جزء ایمان ہے وہ ظلم توڑے کہ جن کو سن کر دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ یزیدی عہد بے دولت کے آغاز میں یہ شخص بصرہ کا حاکم تھا اور چونکہ یزید اس سے ناخوش تھا اور اس کو بصرہ کی حکومت سے برطرف کر دینا چاہتا تھا لیکن جب امام حسینؑ نے اپنے عم زاد بھائی مسلم بن عقیلؑ کو کوفہ روانہ فرمایا ہزار ہا آدمیوں نے مسلمؑ کے ہاتھ پر امام حسینؑ کی بیعت کی تو یزید نے جناب مسلمؑ کی سرگرمیوں کی روک تھام کیلئے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی حکومت بھی ابن زیاد کو تفویض کر دی اور لکھا کہ میں تم سے خوش ہوں۔ تم کوفہ جا کر وہاں کے حالات کی اصلاح کرو اس شخص نے کوفہ جا کر حضرت مسلم بن عقیلؑ کا نقش وجود جس بے دردی اور شقاوت کے ساتھ صفحہ ہستی سے محو کیا اور جس سفاکی کے ساتھ حضرت مسلمؑ کے میزبان ہانی بن عروہ کی جان لی اس کے میان سے تاریخ کی روح لرز جاتی ہے۔ اسی شخص نے اپنے سپہ سالار ابن سعد کو لکھا تھا کہ حسینؑ اور ان کے اہل بیت کے پاس دریائے فرات کا پانی نہ پہنچنے دو۔ چنانچہ اس نے اس

حکم کے موجب پانسو سواروں کی ایک جمعیت دریا اور امام حسینؑ کے قیام گاہ کے درمیان حائل کر کے پانی پینے میں مزاحمت کی۔ یہی وہ ظالم تھا جس نے عمر بن سعد کو حضرت امام حسینؑ اور اس کے اہل بیت کی جان ستانی کا حکم دیا تھا۔

بلندی سے گرا کر قاصدوں کی جان ستانی :-

یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت امام حسینؑ کے قاصدوں کی نہایت سنگ دلی کے ساتھ جان لی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کی اطلاع ملنے سے پہلے امام حسینؑ نے کوفہ جاتے ہوئے قیس ابن مسر صیداوی کے ہاتھ اہل کوفہ کے نام ایک خط روانہ فرمایا تھا۔ قیس قادیسیہ پہنچے تو حصین بن نمیر نے جو راستہ میں امام حسینؑ کی مزاحمت کیلئے یزیدی فوجیں لے چڑھا ان کو گرفتار کر کے کوفہ بھیج دیا۔ اب زیاد کی ناپاکی سیرت اور خبث ضمیر سے بھلا کسی عفو درگزر کی کہاں امید ہو سکتی تھی اس نے قیسؓ کو حکم دیا کہ قصر امارت کی بلند چھت پر چڑھ جاؤ اور (معاذ اللہ) کذاب ابن کذاب حسینؑ ابن علیؓ پر سب و خشم کرو۔ "قیس اوپر چڑھ گئے اور خالق کردگار کی حمد و ثناء کے بعد کہا خدا کی قسم! حسینؑ ابن علیؓ روئے زمین کی تمام مخلوق میں بہترین اور افضل ترین انسان ہیں۔ آپ محمد و مدہ جہاں حضرت فاطمہ زہراؑ بنت رسول اللہ کے صاحبزادہ ہیں۔ ان کی دعوت حق کو لبیک کہو۔ میں ان سے حاجر کے مقام پر جدا ہوا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت حسینؑ کی جگہ ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجی اور حضرت علی مرتضیٰؑ کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس شخص کو قصر کے نیچے پھینک دو۔ قصر امارت نہایت بلند تھا۔ ان کو نیچے دھکیل دیا گیا۔ زمین پر پہنچ کر جسم پاش پاش ہو گیا۔ اور آنکھیں بند کرتے ہی حوران جنت کی گود میں پہنچ گئے۔ حضرت امام حسینؑ کو ہنوز اس سانحہ کا علم نہیں تھا کہ قیس کی روانگی کے بعد اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن بکھر کو حضرت مسلم بن عقیلؓ کے پاس روانہ فرمادیا۔ امام ہام کو اس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مسلمؓ شہید ہو کر جنت الفردوس میں پہنچ چکے ہیں۔ حصین ابن نمیر نے عبداللہ کو بھی گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ ابن زیاد نے قیس کی طرح ان کو بھی حکم دیا کہ قصر امارت پر چڑھ جاؤ اور (معاذ اللہ) کذاب ابن کذاب پر لعنت کرو۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا کہ تمہارے متعلق کیا فیصلہ کرنا چاہئے۔ وہ اوپر چڑھ گئے اور حسینؑ کے قدم کا اعلان کر کے ابن زیاد پر لعنت کرنے لگے۔ وہ بھی ابن زیاد کے حکم سے قصر سے گرا دیئے گئے۔ ان کی ہڈیاں چٹنا چور ہو گئیں۔ ابھی کچھ رقمق باقی تھی کہ ایک یزیدی آگے بڑھا اور ان کو ذبح کر کے واصل حق کر دیا۔

ابن زیاد کی سیاہ دلی کا اندازہ ان جاں گسل واقعات سے بھی ہو سکتا ہے جو حضرت امام حسینؑ

کی شہادت کے بعد رونما ہوئے۔

حضرت زینبؓ کا درد انگیز نوحہ و فغاں :-

جب شہدائے کربلا کی جاں ستانی کے بعد عمر بن سعد حضرت امام حسینؓ کے اہلیت کو امن زیاد کے پاس کوفہ لے چلا تو ان کو امام حسینؓ اور دوسرے شہداء کی پامال لاشوں کے پاس سے لے گذرا خواتین اہل بیت اس دردناک منظر کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فریاد کی صدا میں بلند ہو گئیں۔ حضرت امام حسینؓ کی خواہر محترمہ جناب زینبؓ نے رو کر کہا۔ ”اے محمدؐ! آپ پر آسمان کے فرشتوں کا درد و سلام! دیکھئے بے چارے حسینؓ اس چٹیل میدان میں خون میں لتھڑے ہوئے اعضاء بریدہ پڑے ہیں۔ ہند ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ آپ کی بیٹیاں قیدی ہیں اور آپ کی اولاد مقتول بے کفن پڑی ہے۔ تیز ہوائیں ان پر خاک اڑا رہی ہیں۔“ راوی کہتا ہے کہ دوست دشمن کوئی نہ تھا جو ان درد انگیز نوحہ سے اٹکبار نہ ہو گیا ہو۔

حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک امن زیاد کے سامنے :-

اس کے بعد تمام شہداء کے سر کاٹے گئے۔ کل بہتر سر تھے شمر ابن ذی الجوشن عمرو ابن جراح اور قیس ابن اشعث یہ تمام سر امن زیاد کے پاس لے گئے۔ حمید بن مسلم روایت کرتا ہے کہ حسینؓ کا سر امن زیاد کے دروہر رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ امن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ چھڑی آپ کے لب مبارک پر مارنے لگا جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو حضرت زیدؓ ابن ارقم صحابی چلا اٹھے! ”ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹالے۔ قسم خدا کی، میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لب مبارک ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے۔“ یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگے۔ امن زیاد جھڑک کر کہنے لگا ”خدا تیری آنکھوں کو رلائے۔ واللہ اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن ماردیتا“ حضرت زیدؓ ابن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے۔ ”اے عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو۔ تم نے امن فاطمہؓ کو قتل کیا۔ امن مرجانہ (امن زیاد) کو حاکم بنایا۔ وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا رہا اور تمہارے شریروں کو مقرب بناتا ہے۔ تم نے ذلت پسند کر لی۔ خدا انہیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں“ بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف سے منسوب ہے مگر صحیح یہی ہے کہ امن زیاد نے چھڑی لگائی تھی۔

اہل بیت نبوت کی شان میں شرمناک دریدہ دہنی :-

جب اہل بیت کا تباہ حال قافلہ امن زیاد کے سامنے پیش ہوا تو اس وقت حضرت زینبؓ نے

نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ ان کی کنیزیں انہیں اپنے پیچ میں لئے تھیں۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ کون بیٹھی ہے؟ حضرت زینبؓ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر ان کی ایک کنیز نے کہا کہ یہ جناب زینبؓ بنت فاطمہؓ ہیں۔ ابن زیاد کہنے لگا کہ ”اس خدائے دودو کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا اور غارت کر کے تمہارے خاندان کو بے لگایا“ حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ تمام تر حمد و ستائش اس ذات برتر کیلئے ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہمیں عزت بخشی اور ہمیں پاک و صاف کیا۔ نہ کہ تو جیسا کہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فاسق رسوا ہوتے ہیں اور فاجروں کے نام کو بے لگتا ہے“ ابن زیاد نے کہا تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟ حضرت زینبؓ نے فرمایا کہ ”علم خداوندی میں ان کی شہادت مقدر تھی اس لئے وہ اپنے مقتل میں پہنچے لیکن عنقریب رب جلیل تجھے اور انہیں ایک جگہ مجتمع کر کے انصاف کرے گا“ یہ سن کر ابن زیاد ہر فروختہ ہو گیا اور عالم غیظ میں کہنے لگا کہ ”خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا“ یہ سن کر حضرت زینبؓ اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں بے اختیار رو پڑیں اور کہا تو نے میرے بھائی اور دوسرے قرامت داروں کو قتل کر ڈالا۔ میرا خاندان مٹا ڈالا۔ میری شاخیں کاٹیں اور میری جڑ اکھاڑ دی۔ اگر انہی باتوں سے تیرا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو واقعی تو اپنی مراد پائی۔ ابن زیاد نے مسکرا کر کہا ”یہ شجاعت ہے! تیرے باپ بھی شاعر اور شجاع تھا۔ حضرت زینبؓ نے کہا ”عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں یہ رنج و غم کی آگ ہے جو میرے مجروح دل میں سلگ رہی ہے۔ حضرت زین العابدین علی بن حسینؓ علیل ہونے کی وجہ سے قتل سے بچ گئے تھے۔ جب ابن زیاد نے ان کو دیکھا تو پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ فرمایا علی بن حسینؓ۔ کہنے لگا کیا اللہ نے علی بن حسینؓ کو ہلاک نہیں کیا؟ جناب زین العابدینؓ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ ابن زیاد نے کہا تم بولتے کیوں نہیں؟ فرمایا میرا ایک بڑا بھائی تھا۔ اس کا نام بھی علی تھا (علی اکبرؓ) لوگوں نے اسے شہید کر ڈالا۔ ابن زیاد بولا! نہیں یوں کہو کہ خدا نے اسے ہلاک کیا۔ علی خاموش ہو گئے۔ ابن زیاد نے کہا، کیوں نہیں بولتے؟ اس پر زین العابدینؓ نے یہ آیت پڑھی۔

ترجمہ :- خدا ہی موت کے وقت جانیں لیتا ہے۔ کوئی بھی بغیر اس کے اذن کے مر نہیں

سکتا۔

اس پر ابن زیاد چلایا۔ ”خدا مارے تو بھی انہی میں سے ہے“ پھر اس کے بعد ابن زیاد نے چاہا انہیں بھی قتل کر ڈالے لیکن زینبؓ بیقرار ہو کر چیخ اٹھی ”میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو مومن ہے اور اس لڑکے کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے اسی کے ساتھ مار ڈال۔ امام زین

العبدین نے بلند آواز سے کہا ”اے ابن زیاد! اگر تو ان عورتوں سے اپنا ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد ان کو کسی متقی آدمی کو بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے برتاؤ کرے“ ابن زیاد دیر تک زہن کو دیکھتا رہا پھر خود سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ”رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے؟ واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ بچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل چاہتی ہے۔ اچھا، لڑکے کو چھوڑ دو یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے“

ابن عفیف کا واقعہ شہادت :-

اس کے بعد اجتماع کیلئے منادی کرائی گئی۔ لوگ جامع مسجد میں جمع ہوئے۔ ابن زیاد نے منبر پر چڑھ کر ”گوہر افشانی کی“ ہر قسم کی حمد و ثناء کا مستحق وہ پروردگار عالم ہے جس نے حق اور اہل حق کو زبردست کیا۔ اور امیر المومنین یزید اور اس کی جماعت کی عون و نصرت فرمائی۔ اور کذاب ابن کذاب حسینؑ ابن علیؑ (معاذ اللہ) کی جماعت کو غارت کیا“ یہ سن کر ایک نیک نہاد مسلمان عبداللہ ابن عفیف ازدی نام اٹھے اور اس بد نہاد کو مخاطب کر کے کہنے لگے ”اے ابن مرجانہ (مرجانہ ابن زیاد کی ماں کا نام تھا) کذاب ابن کذاب تو تو نے اور تیرا باپ اور وہ جس نے تجھے بنایا ہے ابن مرجانہ کیا تو انبیاء کی اولاد کو قتل کرتا ہے اور ساتھ ہی صدیقیوں کا سا کلام کرتا ہے؟ ابن زیاد نے کہا اسے میرے پاس پکڑ لاؤ۔ ابن زیادہ نے اس جرم ناشنا کو جرم حق گوئی میں نہنگ شمشیر کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ اس کی نعش کو لٹکا دیا جائے چنانچہ نعش اطہر کو وہیں صحن مسجد میں لٹکا دیا گیا پھر امام حسینؑ کے سر مبارک کی تمام شہر میں تشیر کی گئی اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں اس کو پھرایا نہ گیا ہو۔

ابن زیادہ کو بھائی اور ماں کی لعنت ملا مت :-

جب عمر ابن سعد نے حضرت امام حسینؑ کے حادثہ شہادت کے بعد کو ذہ کو مراجعت کیا تو ابن زیاد نے اس سے کہا کہ عمر مجھے وہ خط دے دو جو میں نے تم کو حسینؑ کے قتل کے متعلق لکھا تھا۔ اس نے کہا ”میں نے تمہارے حکم کی تعمیل کر دی تھی۔ اس نے کہا وہ چٹھی واپس دے دو۔ عمر نے کہا وہ گم ہو چکی ہے۔ ابن زیاد نے کہا نہیں ضرور دے دو۔ کہا وہ تلف ہو گئی تھی۔ ابن زیاد نے کہا وہ تمہیں ضرور دینی پڑے گی۔ عمر نے کہا وہ کربلا ہی میں چھوٹ گئی تھی۔ اور اگر وہ چٹھی مدینے پہنچ گئی تو کم از کم میں تو معذور سمجھا جاؤں گا۔“ اس کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد سے کہا۔ ”خدا کی قسم میں نے تم کو حسینؑ کے بارے میں بہت سمجھایا تھا اور نصیحت کی تھی لیکن تم نے میری ایک نہ سنی۔“ اس گفتگو کے وقت عبید اللہ بن زیاد کا بھائی عثمان بن زیاد بھی موجود

تھا۔ وہ کہنے لگا کہ قتل سے تو کہیں یہ بھڑ تھا کہ زیادہ کی نسل کے ہر مرد کی ناک میں قیامت تک غلامی کی نکیل پڑی ہوگی۔“ اور بغیر کی روایت ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ابن زیاد کی ماں مر جانے نے اپنے بچے عبداللہ سے کہا۔ ”اوصیبت! تو نے ابن ابی اللہ کو قتل کر دیا ہے تجھے جہنم سے نکل کر کبھی جنت کی قیل تک دیکھنا بھی نصیب نہ ہوگی۔“

شہداء کے سر ہائے مبارک اور بہیمانہ ناکان اہل بیتؑ کی دمشق کو روانگی :-

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسینؑ کا سر بانس پر چڑھا کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔ یزید بن روعہ کہتا ہے کہ جس وقت زحر بن قیس یونچا۔ میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اس سے سوال کیا۔ ”کیا خبر ہے؟“ قاصد نے جواب دیا۔ ”فتح و نصرت کی بھارت لایا ہوں! حسین بن علیؑ اپنے اٹھارہ اہل بیت اور 60 حواریوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے انہیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیں اور لڑائی لڑیں۔ انہوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی۔ چنانچہ ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر بلہ بول دیا اب کمواریں ان کے سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھاڑیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہم نے ان سب کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ ان کے کپڑے خون میں تربڑ ہیں۔ ان کے رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں، ان کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ گدوں کی خوراک بن گئے۔“

یزید کے تاثرات :-

راوی کہتا ہے یزید نے یہ سنا تو اس کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ کہنے لگا ”بغیر قتل حسینؑ کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن مر جانہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؑ سے ضرور درگزر کر جاتا خدا حسینؑ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔“ قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا۔

یزید کے غلام قاسم بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ جب حضرت حسینؑ اور ان کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اس نے یہ شعر پڑھا۔ (کمواریں ایوں کے سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں، حالانکہ دراصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے) پھر کہا ”واللہ اے حسینؑ! اگر میں وہاں ہوتا تو تجھے ہر گز قتل نہ کرتا!“

حضرت حسینؑ کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کر دیا۔ شمر ابن ذی

الجوشن اور محضر ابن ثعلبہ اس قافلے کے سردار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچ کر محضر ابن ثعلبہ چلایا۔ ”میں امیر المؤمنین کے پاس (معاذ اللہ) فاجر کمینوں کو لایا ہوں۔“ یزید یہ سن کر خفا ہوا کہنے لگا محضر کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر چہ کسی عورت نے نہیں جنا۔

پھر یزید نے شام کو سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھایا اور امام زین العابدین سے مخاطب ہوا اے علی! تمہارے ہی باپ نے حیرارشتہ کاٹا، میرا حق بھلایا میری حکومت چھیننا چاہی اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو۔ امام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی۔ ترجمہ :- تمہارے لئے کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر تم افسوس نہ کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا اس نے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے۔ مگر خالد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ تب یزید نے خالد سے کہا ”کہتا کیوں نہیں“ جو مصیبت بھی آتی ہے خود تمہارے اپنے ہاتھوں آتی ہے اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کر دیتا ہے۔

حضرت زینبؓ کی بیباکانہ گفتگو :-

حضرت فاطمہؓ بنت علیؓ سے مروی ہے کہ ”جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اس نے ہم پر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سرخ رنگ کا سیاہ دل شامی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ”امیر المؤمنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے۔“ اور میری طرف اشارہ کیا۔ اس وقت میں کسن اور خوبصورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینبؓ کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں۔ انہوں نے پکار کر کہا ”تو کمینہ ہے نہ اس کا اختیار ہے نہ اسے (یزید کو) اس کا حق ہے۔“ اس جرات پر یزید کو غصہ آگیا کہنے لگا تو جھوٹ بکتی ہے واللہ مجھے یہ اختیار حاصل ہے۔ اگر چاہوں۔“ زینبؓ نے کہا ہرگز نہیں! خدا نے تمہیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہے کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارے دین چھوڑ کر دوسرے دین اختیار کر لو۔“ یزید اور بھی زیادہ برا فروختہ ہوا۔ کہنے لگا دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی کس چکا ہے! زینبؓ نے جواب دیا ”کیا اللہ کے دین سے میرے ماما کے دین سے، میرے باپ کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے تیرے دادا نے ہدایت نہیں پائی؟“ یزید چلایا ”اے دشمن خدا! تو جھوٹی ہے! حضرت زینبؓ بولیں: ”تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے ظلم سے گالیاں دیتا ہے اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے۔“ حضرت فاطمہؓ بنت علیؓ کہتی ہیں یہ گفتگو سن کر شاید یزید شرمندہ

ہو گیا کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ خدا ترس شامی پھر کھڑا ہوا۔ اور وہی بات کہی۔ اس پر یزید نے غضبناک آواز میں اس ڈانٹ پلائی۔ ”دور ہو کم خت! خدا تجھے ہلاک کرے۔“ اس کے بعد دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی و ساد امراء کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ ”ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟“ بھٹوں نے سخت کلامی کے ساتھ بد سلوکی کا مشورہ دیا۔ مگر نعمان بن بشیرؓ نے کہا ”ان کے ساتھ وہی کیجئے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے۔“ حضرت فاطمہؓ بنت حسینؓ نے سکر کہا اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں! اس نسبت کے ذکر سے یزید کے طبیعت بھی متاثر ہو گئی۔ اور اس کے دربان اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ ان کے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کر دیا جائے۔

ملکہ کی غمگساری :-

اس اثنا میں اس حادثہ فاجعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہو گئی ہند بن عبد اللہ یزید کی بیوی نے منہ پر نقاب ڈالا اور باہر آکر یزید سے کہا ”امیر المومنین! کیا حسین ابن فاطمہؓ بنت رسول اللہ کا سر آیا ہے؟“ یزید نے کہا ”ہاں! تم خوب روؤ۔“ بن کر رسول اللہ کے نواسے اور قریش کے اسیل پر ماتم کرو۔ اتنی زیادہ نے بہت جلدی کی۔ قتل کر ڈالا خدا سے بھی قتل کرے۔“ اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا ”تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ حسینؓ کی اجتہادی غلطی کا نتیجہ ہے انہوں نے سوچا کہ میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں، اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں، اس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ مستحق ہوں۔“ حالانکہ ان کا یہ سمجھنا کہ ان کے والد میرے والد سے افضل تھے صحیح نہیں علیؓ اور معاویہؓ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ رہا ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے افضل تھی۔ تو بلاشبہ یہ ٹھیک ہے فاطمہؓ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ان کے نانا، میرے نانا سے افضل تھے تو قسم خدا کی، کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول اللہ سے افضل نہیں بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا۔ حسینؓ کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل بھول گئے۔

ترجمہ :- پھر اہل بیتؑ کی خاتونیں، یزید کے محل میں پہنچائی گئیں۔ خاندان معاویہؓ کی عورتوں نے انہیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار روئے پینے لگیں۔

یزید کی زود پشیمانی اور سچی بتلافی :-

پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسینؑ نے جو جناب سیکھنے سے بڑی تھیں اس سے کہا ”اے یزید کیا رسول اللہؐ کی لڑکیاں کینٹریں ہو گئیں؟ یزید نے کہا ”اے میرے بھائی کی بیٹی ایسا کیوں ہونے لگا؟ فاطمہؑ نے کہا خدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی۔“ یزید نے کہا ”تم لوگوں کا جھٹنا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ میں تمہیں دوں گا۔ چنانچہ جس نے اپنا جتنا نقصان بتایا اس سے دو گنا معاوضہ دیا گیا یزید کا دستور تھا روز صبح شام کے کھانے میں زین العابدین علی بن حسینؑ کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا ایک دن حضرت حسنؑ کے کم سن چچے عمرو کو بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا ”تو اس سے لڑے گا؟“ اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا عمرو بن حسنؑ نے اپنے چچے کے بھولے پن میں جواب دیا ”یوں نہیں ایک چھری مجھے دو اور ایک چھری اسے دو پھر ہماری لڑائی دیکھو!“ یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمرو بن حسنؑ کو گود میں اٹھا کر سینے سے چمٹا لیا اور کہا ”سانپ کاچہ بھی سانپ ہی ہوتا ہے“ یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا اپنی مجلسوں میں ان کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا ”کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا حسینؑ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا ان کے مطالبہ پر غور کرتا اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہی کیوں نہ پڑ جاتی لیکن اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی خدا کی لعنت اہل مر جانہ (اہل زیاد) پر جس نے حسینؑ کو لڑائی پر مجبور کیا حسینؑ نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیں گے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے مگر اہل زیاد نے ان کی کوئی بات بھی نہ مانی اور قتل کر ڈالا ان کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا خدا کی لعنت اہل مر جانہ پر! خدا کا غضب اہل مر جانہ پر!“

اہل بیت کی مدینہ منورہ کو مراجعت :-

پھر جب اہل بیت کو مدینہ پہنچنے لگا تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ اور کہا ”اہل مر جانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسینؑ کے ساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں ان کی جان ہر ممکن ذریعہ سے چھاتا اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو، مجھ سے برابر خط کتابت کرتے رہنا جو ضرورت بھی پیش آئے مجھے خبر دینا“ بعد میں حضرت سیکھنے برابر کہا کرتی تھیں۔ ”میں نے کبھی کوئی ناشکر انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا“ یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر

ان مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینبؓ بنت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بنت حسینؓ نے اپنی چوٹیاں اور نگن اسے بچھو اور کہا ”یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ تمہیں دیں۔ اس شخص نے زیور واپس کر دیے اور کہلا بھیجا ”واللہ میرا یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے تھا“ اہل بیعت کی آمد سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جائگاہل خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل پڑیں۔ حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں۔ اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں۔

ترجمہ :- کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخری امت

ہو۔

ترجمہ :- تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں۔

ان زیاد نے کہا ”انشاء اللہ آپ ہم ضرور نجات پا جائیں گے“ مونا جیہ نے پوچھا تم کون ہو؟ حارث نے کہا میں حارث بن قیس ہوں۔ مونا جیہ کا ایک شخص ان زیاد کو پہچانتا تھا۔ اس نے دیکھتے ہی ان ”مر جانہ“ اور جھٹ ایک تیر ماہ اجوائن زیاد کے عمامہ میں لگا۔ حارث نے سواری کو زیادہ تیز کر دیا اور دونوں بچ کر نکل گئے۔ الغرض ان زیاد اسی طرح بہوار خرابی و رسوائی شام پہنچا جہاں ابھی تک رومیہ کی حکومت کا چراغ ٹٹھار رہا تھا۔

لبن زیاد کی ہلاکت :-

جب 64ھ میں حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر مکہ معظمہ میں بیعت ہوئی تو انہوں نے بعض رومیہ کو ارض حجاز سے شام کی طرف جلا وطن کر دیا تھا۔ انہی خرمین میں عبد الملک کا باپ مروان ابن حکم بھی تھا۔ مروان کی یہ خواہش تھی کہ وہ جا کر عبد اللہ ابن زبیرؓ سے بیعت کرے۔ ابن زیاد کو مروان کے عزم بیعت کی اطلاع ہوئی تو مروان سے کہنے لگا میں تمہارے اس ارادے پر سخت شرم محسوس کر رہا ہوں۔ مروان نے کہا کہ ابھی تک تو کچھ نہیں بھڑا ہے۔ غرض 64ھ میں مروان کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی۔ اس کے بعد مروان نے ابن زیاد کو ایک لشکر دیکر موصل کی طرف روانہ کیا۔ موصل میں اس وقت مختار کا عامل عبد الرحمن ابن سعید تھا۔ وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر تکریت چلا گیا اور مختار کو اپنی ہزیت و پسپائی کی اطلاع دیدی۔ مختار نے یزید ابن انس اسدی کو تین ہزار منتخب و جنگ آزمودہ فوج کے ساتھ ابن زیاد کے مقابلہ پر بھیجا۔ اس نے تو سن بہت کی باگ اٹھائی اور بادورق کی طرح موصل جا پہنچا۔ جب ابن زیاد کو اس کی آمد کا علم ہوا

اس نے تین ہزار کے مقابلہ میں چھ ہزار فوج بھیج دی لیکن یزید بن انس یہاں پہنچتے ہی ناگماں مرض موت میں گرفتار ہوا اور اس کا مرض دم بدم ترقی کرنے لگا۔ جب فحارہ جنگ پر چوٹ پڑی تو یزید شدت مرض کے باوجود ایسی حالت میں گدھے پر سوار ہو کر نکلا کہ اسے آدمی تھاڑے ہوئے تھے۔ یزید نے اپنی فوج کو آراستہ کیا اور ساتھ ہی وصیت کر دی کہ اگر میں مر جاؤں تو ورقاء ابن عذب تمہارا امیر ہو گا۔ لڑائی کے دوران میں کبھی تو وہ شدت مرض کی وجہ سے غش کھا جاتا تھا اور کبھی ہوش میں آ جاتا تھا۔ بائیں ہمد اہل شام کو ہزیمت ہوئی اور مختار کی فوج نے اس کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا۔ یزید بن انس اسی روز بوقت مغرب اس سررائے فانی سے کوچ کر گیا۔ اس ہزیمت کے بعد ان زیاد اسی ہزار فوج لیکر مقابلہ کیلئے بڑھا۔ یہ دیکھ کر مختار کی فتح مند فوج نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ کوفہ کو واپس چلی جائے۔ جب مختار کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے ابراہیم بن اشتر کو سات ہزار سواروں کی جمیعت کے ساتھ موصل روانہ کیا۔ اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر یزید بن انس کی فوج کو دیکھو تو اسے اپنی قیادت میں واپس لے جانا۔ ابراہیم اپنی فوج کو یہ واقعات ذہن نشین کراتے ہوئے روانہ ہوا کہ ان زیاد نے حضرت امام حسین اور ان کے اہل بیتؑ کے ساتھ کیا برتاؤ؟ ان کو کس طرح قتل کیا اور ان کا پانی بہ کیا؟ یہ درد انگیز حالات سنانا کہ اپنے آدمیوں کو ان زیاد کے خلاف جوش دلاتا رہا۔ جب وہاں پہنچے اور مقابلہ ہوا تو ان زیاد کو باوجود ہشت چند فوج رکھنے کے ہزیمت ہوئی۔ اس ہزیمت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ عمیرہ بن حباب نام ان زیاد کا ایک فوجی سردار جو درپردہ ان زیاد کا دشمن تھا اپنی سپاہ کو بد دل کرنے کیلئے لڑتے لڑتے بھاگ کھڑا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شامی فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ مختار کی فوج نے شامیوں کا تعاقب کیا۔ وہ لوگ بھاگتے وقت عالم بدحواسی میں اس کثرت سے نہر میں غرق ہو گئے کہ مغرقین کی تعداد مقتولین سے بڑھ گئی۔ فاتحین نے مال غنیمت سے خوب ہاتھ رٹے۔ اور اپنے مستقر کو واپس آئے ابراہیم بن اشتر اپنے فوجی افسروں سے کہنے لگا کہ میں نے ابھی ایک شخص کو ایک جھنڈے کے نیچے نہر خادر کے کنارے اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے اس کا پتہ لگا۔ ان کے پیڑے بہت معطر پاؤں کے۔ وہ نول ہاتھ مشرق کی طرف اور پاؤں مغرب کی جانب ہو گئے۔ اسے تلاش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ان زیاد بد نما تھا جس نے ابراہیم کی ضرب سے ہاتھ بڑھ کر زندہ کی رسوائی سے نجات پائی۔ اس کا نہر کاٹ کر باقی جسم کو نہر آتش کر دیا گیا۔ اور اسے نامہ فتح کے ساتھ ان زیاد اور اس کے دو سارے عزیز مختار کے پاس بھیج دینے جب یہ کوئی قلم امارت میں پڑے تھے تو ایک پتلا مسانپت بان آیا اس نے ٹھوم ٹھوم کر سروں کو دھیلایا۔ ان زیاد کے منہ میں ٹھس کر ناک میں ٹھکا۔ پھر ناک سے داخل ہو کر منہ میں جا کر نکلا۔ ان کی مرتبہ ایسا ہی کیا۔ اس واقعہ کو محدث ترمذی نے اپنی کتاب جامع میں نقل کیا ہے۔

عمر ابن سعد کا قتل :-

یہ عمر حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کا ناخلف بیٹا تھا۔ جو حضرت سرور انبیاء ﷺ کے جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل تھے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ وہی بزرگ ہیں جنہیں فخر کونین سیدنا محمد ﷺ ماموں کے معزز لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی مادر محترمہ قبیلہ ہوزہرہ سے تھیں اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ بھی اسی قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ جاہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب سعد ابن ابی وقاصؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خیر الانام ﷺ نے فرمایا کہ سعد میرے ماموں ہیں اور پھر حضرت سعدؓ کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت اور مابہ الخ چیز ہو سکتی ہے کہ آپ نے یہاں تک فرمادیا کہ اگر کسی دوسرے شخص کا ماموں بھی ایسا (بلند پایہ) ہو جیسا کہ میرا ہے تو وہ اسے پیش کرے (ترمذی) اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ وہ ساقین اسلام میں سے تیسرے تھے (صحیح بخاری) یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ کو چھوڑ کر ان سے پہلے صرف ایک ہی صحابی شرف ایمان سے مشرف ہوئے تھے لیکن خدائے برتر کی شان بے نیازی ملاحظہ ہو کہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابی عاشق رسول اکرم ﷺ کا بیٹا کربلاء کے معرکہ میں حضور سرور عالم کے فرزند کے قاتل کا قائد رہنا تھا۔

قتل حسینؓ سے اعراض یارے کی حکومت :-

عمر ابن سعد کربلا کی یزیدی افواج کا قائد اعظم تھا۔ اس تقرر کا باعث یہ ہوا کہ ابن زیاد نے اسے چار ہزار فوج کی کمان دیکر کوہ مستنبی کی طرف روانہ کیا تھا جس پر ولیم نے حملہ کر کے عمل دخل کر لیا تھا۔ ابن زیاد نے سعد کو قیادت لشکر کے ساتھ رے کی حکومت کا فرمان بھی لکھ دیا تھا چنانچہ عمر نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر کے حمام امین کے مقام پر ڈیرے ڈال دیے تھے لیکن حرمان نصیبی کا کمال دیکھو کہ جب امام حسینؓ کی تشریف آوری کا غلطے بلند ہوا تو ابن زیاد نے عمر بن سعد کو بلا کر کہا کہ ”بالفعل تم حسینؓ کا قسبہ بنالو۔ اس کو سر انجام دینے کے بعد خدمت مفوضہ کیلئے چلے جانا“ عمر نے امام حسینؓ کے مقابلہ پر جانے کی معافی چاہی۔ ابن زیاد کہنے لگا کہ ”معافی اسی صورت میں ممکن ہے کہ مے کی حکومت کا فرمان واپس کر دو“ عمر نے کہا اچھا مجھے غور کرنے کیلئے ایک دن کی مہلت دو چنانچہ اس نے اپنے اعزہ و اقارب اور ہوا خواہوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ جناب رسول خدا ﷺ کے فرزند گرامی کی تباہی و استیصال کی طرف قدم اٹھانا ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔ ابن سعد کا بھانجا مغیرہ کہنے لگا ”مناہوں! میں تم کو خدا کا واپس دیتا

ہوں کہ امام حسینؑ کے مقابلہ پر نہ جانا۔ خدا کی قسم! اگر بالفرض تمہیں ساری کائنات کے اموال و خزانے اور ربع سکون کی بادشاہت سے بھی دست بردار ہونا پڑے تو بھی امن رسولؐ کے خون کا دھبا اپنے دامن عمل پر نہ لگاتا۔ اس سے قطع نظر حضرت حسینؑ تمہارے ہم جد قرشی ہیں اور صلہ رحمی کا اقتضایہ یہ ہے کہ حقوق قرابت پر چند روزہ دنیاوی اقدار کو قربان کر دو۔“ عمر نے کہا: ”اچھا میں ایسا ہی کروں گا“۔ اب وہ رات بھر اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہا کہ دو باتوں میں سے کس کو اختیار کروں؟ اس وقت مضمون کے اشعار اس کی زبان پر تھے۔ ”کیا میں رے کی رغبت دل سے نکال دوں یا حسینؑ کے قتل میں شرکت کروں؟ حسینؑ کے قتل کی سزا تو ایسی آگ ہے جس سے چنے کیلئے کوئی حجاب نہیں ہے اور رے کی حکومت میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔“ آخر صبح کو امن زیادہ کے پاس جا کر کہا کہ ”لوگوں نے سن لیا ہے کہ تم نے مجھے ولایت رے کا عامل مقرر کیا ہے۔ اگر اس کا نفاذ کر دو تو بہتر ہے اور حسینؑ کے مقابلہ پر جانے کیلئے اشراف کوفہ میں سے کسی ایسے شخص کا انتخاب مناسب ہے جو فن محاربہ میں مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہو“ یہ کہہ کر چند آدمیوں کے نام لئے۔ امن زیادہ بولا ”میں نے اس بارے میں تم سے کوئی مشورہ نہیں طلب کیا تھا۔ اگر لشکر لے کر جاتے ہو تو جاؤ ورنہ رے کی حکومت کا فرمان واپس کر دو“ عمر کہنے لگا ”اچھا میں جاتا ہوں۔“ غرض عمر فوج لیکر حضرت حسینؑ کے مقابلہ میں روانہ ہوا اور امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کی ایک مشہور پیشین گوئی پوری کر دی چنانچہ امن پھرین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے عمر ابن سعدؓ سے کہا تھا کہ اگر تم کبھی ایسے مقام میں ہو کہ تمہیں جنت اور دوزخ میں سے کسی ایک کو اختیار و انتخاب کرنے کی نعمت آئے تو تم ضرور دوزخ ہی کو ترجیح دو گے۔“

امن سعد کا افتخار کہ سب پہلے میں نے امام حسینؑ پر تیر چلایا :-

جب عمر ابن سعد نے یزیدی افواج کی عنان قیادت اپنے ہاتھ میں لی تو اس کے بعد اس نے اپنی باطل پرستی اور حق فراموشی کا مظاہرہ کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا چنانچہ معرکہ کربلا کے آغاز میں سب سے پہلے اسی نے چلے میں تیر جوڑ کر چلایا اور کہا ”سب لوگ گواہ رہنا کہ سب سے پہلے میں نے ہی تیر چلایا ہے“ مقام عبرت ہے کہ عمر کے باپ حضرت سعد بن ابوقحاصؓ تو حسب روایت قیس ابن ابوحادمؓ تاقتی ہمیشہ اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جس نے راہ خدا میں تیر چلایا۔ (بخاری و مسلم) لیکن ان کے نابکار بیٹے کو اس بات پر فخر ہے کہ اس نے فرزند رسولؐ پر تیر چلانے میں سب پر سبقت کی۔ عمر نے اسی باطل بازی پر اکتفا نہیں کیا کہ تیر چلا کر لڑائی کا آغاز کر دیا ہو۔ بلکہ اس کی قنات قلبی کے اس وقت اور بھی زیادہ جوہر کھلے تھے۔ جب اس نے حضرت امام مظلوم کی جان ستانی کے بعد

ان زیادہ کے حکم کی تعمیل میں اپنے لشکر کو خطاب کر کے باواز بلند کہا ”کون اس بات پر آمادہ ہے کہ حسینؑ کی طرف جائے اور اپنے گھوڑے سے اس کی لاش کو روند ڈالے“ چنانچہ دس سوار گئے اور انہوں نے اپنے گھوڑوں کے پاؤں سے آپ کی نقش اطہر کو بہت بری طرح روندنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ کے جسد مبارک کی ہڈیاں اور پسلیاں اور اعضاء بالکل ریزہ ریزہ کر ڈالے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ) کاش ظالموں کے یہمانہ جذبات تسکین محض امام ہمام کی جان لینے سے ہی ہو جاتی اور انہیں درندگی اور خباثت نفس کے اس مظاہرہ عظیم کی ضرورت نہ پڑتی۔ تعجب ہے کہ ان نابکاروں کو اسلامی گھرانوں میں پیدا ہونے کے باوجود کس قانون، کس اخلاق اور کون سی تہذیب نے اس کی اجازت دی تھی کہ وہ حضرت سید الشہداءؑ کے جسد اطہر کو اپنی سبوت کا تختہ شق بناتے؟

حضرت زینبؑ کا عبرتناک استفسار اور عمر کی اشکباری :-

اس میں شبہ نہیں کہ جاہ طلبی کی شدت انہماک نے عمر کے دل و دماغ پر جمود و جبہ حسبتی کی موٹی جہیں چڑھا رکھی تھیں تاہم اس لحاظ سے کہ اس نے ایک جلیل القدر صحافی کے انغوش تربیت میں پرورش پائی تھی اس کا دل اہل بیت اطہار کی مصیبت پر کسی نہ کسی وقت ضرور بیتجا تھا چنانچہ جب حضرت حسینؑ میدان دغا میں تیارہ گئے اور اعدائے نافر جام آپ پر چاروں طرف سے حملے کر رہے تھے تو حضرت زینبؑ خیمہ سے باہر نکلیں اور کہنے لگیں ”اے کاش! آسمان ٹوٹ پڑتا اور زمین کو ڈھانپ لیتا“ اتنے میں عمر ابن سعد ان کے قریب آیا۔ حضرت زینبؑ نے اس سے کہا کہ ”اے عمر! کیا ابو عبد اللہ (یعنی امام حسینؑ) شہید ہو جائیں گے اور تم دیکھتے رہو گے؟ یہ سن کر عمر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس کے رخساروں اور داڑھی پر گرنے لگے اور اس نے جناب زینبؑ کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ یہ اشک باری زبان حال سے اس حقیقت کا اظہار کر رہی تھی کہ گو حب جاہ و ریاست نے مجھے گروہ اشرا میں داخل کر رکھا ہے لیکن میرا دل آپ حضرات کی ہمدردی سے بیگانہ نہیں“ عمر نے اس ہمدردی اور انصاف پسندی کا اس وقت بھی ثبوت دیا تھا جبکہ شمر امام زین العابدین علی ابن حسینؑ کو حالت رنجوری و علالت برعہ شہادت پلانا چاہتا تھا اور عمر ابن سعد نے وہاں آکر حکم دیا تھا کہ عورتوں کے خیمہ میں کوئی نہ جائے اور نہ کوئی شخص اس مریض لڑکے سے کسی قسم کا تعرض کرے اور یہ بھی حکم دیا کہ اگر کسی نے ان کے مال و متاع میں کچھ لیا ہو تو وہ واپس کر دے۔

عمر بن سعد اور اس کے بیٹے کا قتل :-

ان زیاہ کی ہلاکت کے بعد ایک دن مختار نے اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کہ کل میں ایک ایسے شخص کو ہلاک کروں گا جس کے بڑے پاؤں، گڑی ہوئی آنکھیں اور گھنی بھوئیں ہیں اور جس کے قتل سے اہل ایمان اور ملائکہ مقربین خوش ہوں گے۔ حاضرین مجلس میں سے یثیم بن اسود غمی کے نام ایک کوئی تازہ گیا کہ مختار کی مراد عمر بن سعد سے ہے یثیم نے گھر جا کر اپنے بیٹے کو یہ اطلاع دینے کیلئے ان سعد کے پاس بھیجا کہ ”مختار نے تمہارے استہلاک کا تہیہ کر لیا ہے“ یہ دیکھ کر عمر نے عبداللہ بن جعدہ بن مہیرہ کے پاس جا کر منت سماجت کی کہ مختار سے اسے امان دلاؤ۔ مختار عبداللہ بن جعدہ کا اس بنا پر بہت احترام کرتا تھا کہ انہیں امیر المومنین علیؑ سے قربت تھی یعنی وہ حضرت علیؑ کی خواہر محترمہ حضرت ام ہانیؑ کے پوتے تھے۔ عبداللہ نے مختار کے پاس سفارش لکھ کر بھیجی۔ مختار کی عادت تھی کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرح ایسی چٹک دار اور گول مول بات لکھا کرتا تھا کہ جس میں بوقت ضرورت انکار کرنے اور دوسرا مفہوم مراد لینے کی بہت گنجائش رہتی تھی۔ مختار نے بدیں الفاظ وعدہ امان لکھ دیا۔ یہ وعدہ امان مختار ان ابو عبیدہ ثقفی کی جانب سے عمر بن سعد کیلئے لکھا جاتا ہے۔ تمہاری جان، تمہارے مال، اعزہ، اقرباء اور اولاد کو امان دی جاتی ہے۔ تم سے تمہارے سابقہ اعمال کا اس وقت تک کوئی مواخذہ نہ کیا جائے گا جب تک تم ہمارے احکام کی تعمیل کرو گے۔ مختار ان ابو عبیدہ نے اللہ کے سامنے یہ عہد واثق کیا ہے کہ وہ اس عہد امان کا ایفا کرے گا۔ جزا اس صورت کے کہ کوئی حدیث (نیا واقعہ) رونما ہو“ استثناء کے عربی الفاظ یہ تھے اِنْ حَدَّثَ حَدَّثْنَا اِنْ حَدَّثَ اِنْ حَدَّثْنَا ان الفاظ کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ ”میں اس امان بخشی کے عہد کو نہیں توڑوں گا“ لیکن چونکہ ”حدیث“ عربی زبان میں خرد و رجحان اور بے وضو ہونے کو بھی کہتے ہیں۔ مختار نے متذکرہ صدر تحریر میں ”حدیث“ سے بے وضو ہونا مراد لیا تھا۔ یعنی اس نے دل میں امان نامہ کو اس امر کے ساتھ مشروط کیا تھا کہ وہ بے وضو نہ ہو لیکن چونکہ وہ اس کے بعد بار بار بے وضو ہوتا رہا۔ اس لئے وعدہ امان حالت رُبود ہو گیا۔

دوسری صبح کو مختار نے عمر کو ابو عمرہ نام ایک شخص کے ہاتھ بلا بھیجا۔ مختار نے جاگتے وقت ابو عمرہ کو سمجھا دیا کہ اگر کوئی موقع ملے تو اس کو نھکانے لگا دینا۔ عمر اٹھا۔ مگر چلتے ہوئے اپنے جے میں انک کر گر پڑا۔ ابو عمرہ نے اسی وقت گلوں کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر دارالامارت کوفہ میں مختار کے پاس بھیج دیا۔ جب عمر کا سر مختار کے سامنے رکھا گیا۔ تو اس وقت عمر بن سعد کا بیٹا حفص بھی اس کے پاس بیٹھا تھا۔ مختار نے حفص سے پوچھا پچانتے ہو کہ یہ سر کس کا ہے؟ اس نے کہا ”ہاں مگر باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد اب زندگی بے لطف

ہے۔ یہ سن کر مختار نے اس کی بھی گردن مارنے کا حکم دیا اور اس کے معقلوع سر کو بھی عمر کے سر کے ساتھ رکھوا دیا۔ مختار عمر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا ”یہ حسینؑ کے بدلے میں“ اور پھر حفص کے سر کی طرف اشارہ کر کے بولا ”یہ علیؑ بن حسینؑ کے بدلے میں گو ان دونوں کو ان دونوں سے کوئی نسبت نہیں“ اس کے بعد مختار قسم کھا کر کہنے لگا کہ اگر میں بقریش کے مثل آدمیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دوں تو وہ سب ملکر امام حسینؑ کی ایک پور کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ اب مختار نے عمر اور اس کے چنے کا سر حضرت محمد بن حنفیہؑ کے پاس مکہ معظمہ بھجوا دیا جو امام حسینؑ کے سوتیلے بھائی تھے۔ اور لکھا کہ ”میں امام حسینؑ کے قاتلوں کی فکر میں ہوں۔ بعض کو قتل کر چکا ہوں اور دوسروں کی تلاش میں ہوں“

شمر ابن ذی الجوشن کی جاں ستانی :-

امام حسینؑ کی مخالف میں شمر کی وہی حیثیت تھی جو فخر بنی آدم سیدنا احمد مجتبیٰ علیہ السلام کی عدوت و ایذا رسانی میں ابو جہل کی تھی۔ ان دونوں کے حالات پڑھ جاؤ۔ قسوت و تیرہ دلی میں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے سکو گے۔ اور اگر ان دونوں میں کچھ فرق ہو گا تو صرف کفر اور دعوائے اسلام کا فرق ہو گا۔ باطن کا حال بجز علامہ الغیوب عراسمہ کے کوئی نہیں جان سکتا لیکن شمر کا ظاہر قطعاً اس بات کی شہادت نہیں دیتا کہ اس کو ایمان و اسلام سے کچھ بھی حصہ ملا تھا۔ ذیل میں چند واقعات درج کئے جاتے ہیں جن سے بسہولت اندازہ ہو سکے گا کہ اس کو ایمان و اسلام سے کہاں تک تعلق تھا؟

امام حسینؑ کے شرائط صلح کو مسترد کرادیا :-

آغاز جنگ کربلا سے پہلے حضرت امام حسینؑ نے عمر ابن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ آج رات کو اپنے اور میرے لشکر کے درمیان مجھ سے ملو۔ عمر حسب الارشاد وہاں آیا اور دونوں میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد ابن سعد اور امام حسینؑ میں تین چار اور طویل ملاقاتیں ہوئیں۔ انجام کار امام حسینؑ نے تین شرطیں پیش کیں۔ یا تو مجھے جواز واپس جانے دیا مسلمانوں کی کسی ایسی سرحد پر بھیج دو جس کو تم پسند کر دیا یزید کے پاس دمشق روانہ کر دو تاکہ میں اور وہ ہر بات کا خود ہی تصفیہ کر لیں۔ یہ وہ آخری شرائط تھے جو چار پانچ دن کی بحث و تہیص کے بعد امام حسینؑ نے منظور کئے تھے عمر کو اس بات کا یقین تھا کہ ابن زیاد ان میں سے کسی نہ کسی شرط کو ضرور منظور کر لے گا چنانچہ عمر نے ابن زیاد کو لکھا کہ ”خدا نے آگ بھھا دی ہے اور اتفاق کی صورت پیدا کر دی ہے۔ حسینؑ نے انجام کار یہ تین شرطیں پیش کی ہیں۔ اب ان

شرائط میں تمہارے لئے وجہ رضامندی اور امت کیلئے وجہ صلاح و فلاح موجود ہیں "ان زیادہ یہ خط پڑھ کر خوش ہوا اور عمر کی نسبت کہنے لگا کہ یہ ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے امیر کا بھی خواہ اور اپنی قوم کا شفیق ہے۔ میں ان شرائط کو قبول کرتا ہوں" بد قسمتی سے شمر ان ذی الجوشن ایسا تیرہ دل شخص بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ وہ جھٹ کھڑا ہو گیا اور ان زیادہ سے کہنے لگا "جب حسینؑ تمہاری سر زمین میں اور بالکل تمہارے پہلو میں اترا ہوا ہے تو آپ یہ شرطیں کیوں منظور کرتے ہیں؟ اس کے بعد شمر کہنے لگا خدا کی قسم! اگر وہ تمہارے بلاوے سے واپس چلا گیا اور اس نے اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہ دیا تو وہ جا کر بڑی قوت حاصل کر لے گا اور تم لوگ کف افسوس ملتے رہ جاؤ گے" اس کے بعد بولا "خدا کی قسم! حسینؑ اور عمر ساری ساری رات اپنے لشکروں کے مابین باہم دوستانہ گفتگو کرتے رہتے ہیں" یہ سن کر ان زیادہ کا خیال بدل گیا اور شمر سے کہنے لگا "اچھا تم میرا خط لیکر عمر کے پاس جاؤ۔ اگر عمر میرے حکم کی تعمیل کرے تو اس کی اطاعت کرو اور اگر اعراض کرے تو تم ہی اس فوج کے امیر بن جاؤ اور عمر کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو" اس کے بعد عمر ان سعد کے نام یہ خط لکھ کر شمر کو دیا کہ "میں نے تم کو حسینؑ کی طرف اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم اس کو امیدیں دلاؤ یا اس پر مہربانی کرو یا مجھ سے اس کی سفارش کرو دیکھو اگر حسینؑ اور اس کے ساتھی میرے حکم کی تعمیل کریں تو ان کو میرے پاس بھیج دو لیکن اگر اس سے یا مجھ سے انکار کریں تو ان پر حملہ کر کے قتل کر دو جب حسینؑ قتل ہو جائے تو گھوڑوں سے اس کے سینے اور پشت کو روند ڈالو کیونکہ وہ عاق، شاق، قاطع اور ظالم ہے اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو ہم تمہیں اطاعت شعاروں کی سی جزا دیں گے اور اگر سر تابی کرتے ہو تو ہماری فوج سے علیحدہ ہو کر اس کو شمر کے حوالے کر دو" جب شمر عبید اللہ ان زیادہ کا خط لے کر عمر کے پاس پہنچا تو عمر کہنے لگا خدا تجھے غارت کرے یہ میرے پاس کیا لے آیا ہے؟ میرا خیال ہے کہ تو نے ہی ان زیادہ کو شرائط صلح کے قبول کرنے سے باز رکھا ہے افسوس! تو نے سارا معاملہ جس کے سدھر جانے کی پوری امید تھی درہم برہم کر دیا واللہ حسینؑ کبھی اطاعت نہ کریں گے کیونکہ ان کے پہلو میں ان کے باپ کا سادل ہے شمر نے کہا اچھا اب یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا مرضی ہے؟ عمر نے جس پر جاہ طلبی کا بھوت سوار تھا جواب دیا کہ میں حکم کی تعمیل کروں گا۔

حضرت حسینؑ کے سوتیلے بھائیوں کی امان :-

جس وقت ان زیادہ نے عمر کے نام خط لکھ کر شمر کو دیا تھا اس وقت کوفہ کا ایک رئیس عبد اللہ ابن ابو محل نام ان زیادہ کے پاس بیٹھا تھا جن ایام میں امیر المومنین علیؑ نے کوفہ کو اپنا

دار الخلافہ بنایا تھا آپ عبداللہ بن ابی محل کی پھوپھی ام المہین بنت حزام کو اپنے حوالہ نکاح میں لائے تھے جن کے بطن سے امیر المومنین علیؑ کے صاحبزادے عباس عبداللہ جعفر اور عثمانؓ پیدا ہوئے تھے عبداللہ بن ابی محل نے ابن زیاد سے کہا کہ اگر تمہاری رائے ہو تو ہماری پھوپھی کے بیٹوں کو امان دے دو ابن زیاد نے امان کا حکم لکھ کر شمر کو دیدیا جب شمر کوفہ سے کر بلا آیا تو امام حسینؑ کے قیام گاہ کے پاس جا کر عباس بن علیؑ اور ان کے بھائیوں کو بلایا وہ آئے تو شمر کہنے لگا اے میری بہن کے چچو! تم چاروں کو امان ہے انہوں نے جواب دیا ”خدا تم پر اور تمہاری امان پر لعنت کرے۔ اگر تم ہمارے ماموں ہو تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم کو تو امان دیتے ہو لیکن رسول خدا ﷺ کے فرزند کیلئے امان نہیں ہے؟“ شمر نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور واپس چلا گیا چونکہ امام حسینؑ نے ابن زیاد کے پاس جانے سے انکار کر دیا تھا اس لئے شمر فوج لئے ہوئے مقابلہ کیلئے نکلا۔ امام حسینؑ کے لشکر میں سے زہیر بن قین گھوڑے پر سوار شمشیر بھٹ آگے بڑھے اور کہا اے اہل کوفہ! خدا کے غضب سے ڈرو۔ اس وقت تک ہم بھائی بھائی ہیں۔ دین پر ہیں۔ یاد رکھو کہ ”حضرت فاطمہؑ کا فرزند سمیہ کے بچے کی نسبت دوستی اور معاونت کا زیادہ حق دار ہے“ سمیہ جو عام طور پر سمیہ زانیہ کے نام سے مشہور ہے ابن زیاد کی داوی تھی۔ یزید کے دادا ابوسفیان بن حرب نے اس سے عہد جاہلیت میں زنا کیا تھا اور اس ناجائز تعلق سے عبید اللہ کا باپ زیادہ پیدا ہوا تھا۔ جناب زہیر نے کہا ”اگر تم اپنے نبی کے نواسے کی امداد نہیں کرتے، نہ سہی۔ لیکن تم خدا سے پناہ مانگو کہ تم ان کے قتل کے مجرم ہو۔ میری رائے میں سب سے بھریہ ہوگا کہ تم لوگ امام حسینؑ اور ان کے عم زاد بھائی یزید بن معاویہ کو خود ہی آپس میں تصفیہ کر لینے دو۔ یقین ہے کہ یزید تم سے امام حسینؑ کے قتل کے بغیر بھی خوش ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں شمر نے ان پر ایک تیر چلا دیا۔ اور کہنے لگا ”بس چپ رہ خدا تجھے غارت کرے۔ تو تو بک بک کر کے ہمارا دماغ چاٹ گیا“ زہیر نے یزید کو امام حسینؑ کا عم زاد بھائی اس لئے بتایا کہ دونوں قریبی تھے۔

شمر کی دریدہ دہنی :-

ماشورہ کے دن امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو لڑائی کیلئے تیار کر کے نماز صبح ادا کی۔ اس وقت آپ کے ساتھ ہتیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔ عمر بن سعد بھی نماز صبح سے فارغ ہو کر اپنی فوج کے ساتھ مقابلہ کو نکلا۔ امام حسینؑ نے زہیر بن قین کو میمنہ پر اور حبیب بن مظہر کو میسرہ پر مقرر فرمایا اور جھنڈا اپنے بھائی عباس بن علیؑ کو دیا۔ آپ نے اپنے آدمیوں کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ اہل بیت کے خیمے ان کے عقب میں تھے۔ حضرت امامؑ نے رات ہی کو خیموں کے

پیچھے کی زمین کھدوا کر ایک طویل خندق بھی ہوا دی تھی۔ جو تیاری کے بعد ایک چھوٹی سی خشک نہریں گئی تھی۔ یہ تدبیر اس لئے کی گئی کہ عقب سے حملہ نہ ہو سکے۔ آپ نے حکم دیا کہ لکڑیاں اور شاخیں جمع کر کے اس گہرائی میں بھر دیں اور ان کو آگ لگا دیں۔ جب لشکر اعداء نے لکڑیوں کو سلگنے اور شعلے بلند ہوتے دیکھا تو شمر لعین نے پکار کر امام حسینؑ سے کہا کہ ”تم نے تو قیامت سے پہلے ہی دوزخ میں پڑنے کا سامان کر لیا“ آپ نے فرمایا کہ ”اس میں جلتے کا تو تو سب سے زیادہ مستحق ہے“

بیت کے چٹوں اور مخدرات عالیہ کو آگ میں جلا دینے کا اقدام :-

اہل حق کی طرف سے کبھی نام ایک بزرگ نے نہایت شجاعت کے ساتھ لڑ کر ایک کاری زخم کھایا۔ جب وہ دم توڑ رہے تھے تو ان کی بیوی باہر نکل کر اپنے شوہر کے پاس آئیں ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کر کے کہنے لگیں ”آپ کو جنت مبارک ہو“ یہ دیکھ کر شمر نے اپنے غلام رستم کو حکم دیا کہ جا کر اس عورت کو بھی اس کے شوہر کے پاس پہنچا دو۔ اس نابھار نے آتے ہی کبھی شہید کے بیوی کے سر پر اس زور سے ڈنڈا سید کیا کہ وہ بے چاری آنا فانا اپنی مظلومیت کی چادر اوڑھے عالم بالا کو چلی گئیں۔ پھر شمر حملہ کرتے کرتے اس غرض سے حضرت امام حسینؑ کے خیموں تک پہنچ گیا کہ ان کو یکینوں سمیت جلا دے۔ مخدرات اہل بیت پیچھے اور نکل نکل کر بھاگنے لگیں۔ امام حسینؑ نے باواز بلند کہا کہ اے شمر! تو میرے اہل بیت کو جلاتا ہے خدا تجھے آگ میں جلائے۔ حمید ابن مسلم جو کوئی فوج ایک رکن رکن تھلا شمر سے کہنے لگا کہ ”یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ تم انہیں خدا کا عذاب دو۔ (یعنی آتش سوزاں میں جلاؤ)۔ مومنوں کی جان اور ریاض ملت کے نودمیدہ غنچوں کو قطع کرو حالانکہ تم مردوں ہی کے قتل سے اپنے امیر کو خوش کر سکتے ہو“ مگر وہ ناہنجار نہ مانا۔ آخر شیت ابن ابی رکیس کوفہ نے اسے اس حرکت سے منع کیا تو بہ مشکل باز آیا۔

جب امام حسینؑ کے تمام اقرباء اور جان نثار امروہی ستم آرائی کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے اور حضرت ممدوح یکہ و تمامیدان کارزار میں رہ گئے تو اعدائے نافر جام نے ان پر چپ و راست سے حملے شروع کر دیے۔ حضرت حسینؑ نے اپنے تحفظ و دفاع کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک مرتبہ تو داہنی طرف کے اشیاء پر حملہ کر کے ان کو بھگا دیتے اور پھر بائیں طرف کے دشمنوں کو جا کر پامال کرنے کی کوشش فرماتے۔ خود یزیدی لشکر کے مقابل لوگوں کو اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ کسی فرد واحد کو جو بالکل بے یار و مددگار ہو ان سے زیادہ مربوط، پر جوش، قوی دل اور باہمت شخص نہیں دیکھا گیا کیونکہ ان کے حملہ آور چپ و راست سے اس طرح چھٹ چھٹ

کر الگ ہو جاتے تھے جس طرح کوئی شیر بھیڑوں کے ریوڑ پر جا پڑے اور وہ بدحواس ہو کر چاروں طرف بھاگیں۔ حضرت حسینؑ اس وقت بہادر شہسوار کی طرح پاپیادہ ہی لڑ رہے تھے۔ آپ تیروں کے واروں کو روکتے جاتے تھے اور اعداء کی صفوں میں جہاں کہیں ٹخلل پیدا ہوتا تھا اسی جگہ حملہ آور ہو کر کہتے جاتے تھے۔ ”خدا کی قسم! تم میرے بعد خدا کے کسی ایسے بندے کو نہ قتل کرو گے جس کا قتل میری جاں ستانی سے زیادہ تم پر قہر الہی نازل کرے۔“ ختم حقیقی تم سے میرا ایسا انتقام لے گا کہ جس کا تم لوگوں کو سان گمان نہ ہو گا“ امام حسینؑ اسی طرح بہت دیر تک تابو توڑ حملے کرتے اور حفظ و دفاع کا اسلوب اختیار کرتے رہے۔ آخر نہایت تھک کر سستانے کیلئے وہیں بیٹھ گئے۔ اس وقت آپ کے جسد اطہر پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے 67 زخم تھے۔ اس حالت میں اعداء چاہتے تو قلعہ حملہ کر کے آپ کو رقیق ازلی کے پاس پہنچا سکتے تھے مگر ان کی یہ حالت تھی کہ ہر کوئی ایک دوسرے کی پناہ لیتا بھرتا تھا اور چاہتا تھا کہ دوسرے لوگ اس کا انجام دیں اور وہ خود نہ کرے یہ کیفیت دیکھ کر شمر نے لوگوں کو للکار کر کہا ”تم لوگ کس انتظار میں ہو۔ اس شخص کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتے“ یہ سن کر چاروں طرف سے حملے ہوئے اور آپ کو آٹا فاناریاض فردس میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے تیرہ دہلی ساتھیوں کو لے حضرت امام زین العابدین علی بن حسین کی طرف چلا جو علیل تھے اور علالت ہی کی وجہ سے شریک کارزار نہ ہو سکے تھے۔ شمر نے ان کو شہادت شہادت پلا کر خاندان نبوت کی آخری زندہ یادگار کو بھی دنیا سے معدوم کرنا چاہا لیکن ایک کوئی رئیس حمید بن مسلم نے کہا ”کیا تم چوں کو بھی قتل کر دو گے؟“ وہ رک گیا۔ اتنے میں عمر ابن سعد نے اگر اسے وہاں سے ہٹا دیا۔

شمر کی ہلاکت :-

مختار نے اپنے غلام ذریٰ کو شمر ابن ذی الجوشن کی تلاش میں روانہ کیا۔ شمر کے ایک رفیق کار مسلم ابن ضیابی کا بیان ہے کہ مختار کے غلام ذریٰ نے ہمارا تعاقب کیا اور ہمیں آلیا۔ ہم اپنے دہلے پتلے تیز رو گھوڑوں پر کوفہ سے نکل چکے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ اپنا گھوڑا اڑاتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ جب وہ قریب آیا تو شمر ہم سے کہنے لگا کہ ”تم اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاؤ اور مجھ سے دور چلے جاؤ۔“ غالباً یہ غلام میری تاک میں آیا ہے“ ہم نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ دی اتنے میں غلام نے تلوار نکال کر شمر پر حملہ کر دیا۔ ذریٰ کو قتل کر کے وہ کلتانیہ نام ایک گاؤں میں پہنچا جو دریا کے کنارے واقع تھا اور گاؤں سے باہر ایک ٹیلے کے پاس فروکش ہوا۔ ہم بھی ساتھ تھے۔ اس کے بعد شمر نے گاؤں کے ایک کسان کو بلا کر پہلے تو اسے مرعوب کرنے کیلئے پیٹا۔ پھر کہا کہ میرا یہ خط مصعب ابن زہیرؑ کے پاس بھر لے جاؤ۔ مصعب ابن زہیرؑ حضرت امام حسینؑ کے داماد یعنی سکینہؑ کے شوہر

پھر اپنے بھائی عبداللہ ابن زبیرؓ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے۔ شمر نے اس خط میں درخواست کی تھی کہ مجھے اپنی حفاظت میں لے لیں۔ دیہاتی یہ خط لیکر بصرہ روانہ ہوا۔ راستہ میں وہ ایک ایسے گاؤں میں پہنچا جہاں ابو عمرہ نام مختار کا ایک اہلکار رہتا تھا اسے اس گاؤں کا ایک اور کسان ملا جس سے اس کی پرانی ملاقات تھی۔ وہ اس سے شمر کی بدسلوکی اور ایذا رسانی کا شکوہ کرنے لگا۔ یہ دو ٹوک کھڑے ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ ابو عمرہ کا ایک سپاہی ان کے پاس سے گذرا۔ جس کا نام عبدالرحمن ابن ابونود تھا۔ اس نے کسان کی باتیں سن کر خط لے لیا اور پڑھ کر پوچھنے لگا۔ شمر کہاں ہے؟ اس نے اس کا پتہ بتایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ اس جگہ سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ اب یہ لوگ شمر کی طرف چلے۔ میں اس رات شمر ہی کے ہمراہ تھا۔ ہم لوگوں نے شمر سے کہا ”کاش تم ہمیں اس گاؤں سے لے چلتے۔ ہم یہاں سخت خوف زدہ ہیں“ شمر نے کہا ”یہ خوف اسی کذاب (مختار) کی چیرہ دستیوں کا نتیجہ ہے“ اس مقام پر ریچھوں کی بڑی کثرت تھی۔ میں نیم بیدار تھا۔ اتنے میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے خیال کیا کہ یہ ریچھ ہوں گے۔ مگر جب آواز زیادہ شدید ہوئی تو میں جاگ اٹھا اور یقین ہوا کہ یہ ریچھوں کی آواز نہیں ہے۔ اتنے میں گھوڑوں کے سوار نیلے سے اتر کر ہمارے پاس پہنچ گئے اور آتے ہی صدائے تکبیر بلند کی۔ ہم اپنے گھوڑوں کو وہیں چھوڑ کر پیدل ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ سب شمر پر ٹوٹ پڑے۔ شمر نے بڑی پھرتی سے نیزہ اٹھایا اور ہر طرف وار کرنے لگا۔ وہ اس وقت یہ رجز یہ اشعار پڑھ کر مقابلہ کر رہا تھا (ترجمہ) ”تم نے کچھار کے ایک دلیر اور خون آشام شیر کو برا بھونٹہ کیا ہے جو مضبوط اور توانا ہے کندھے توڑتا ہے۔ وہ کبھی دشمن کے مقابلہ میں عاجز و کمزور ہو کر نہیں سوتا بلکہ لڑتا اور لڑاتا رہتا ہے۔ ان کو تلوار کی ضرب سے جدا کرتا اور اپنے نیزے کو سیراب کرتا“ اب شمر نے نیزہ چھوڑ کر تلوار اٹھائی اور اس سے لڑتا رہا۔ آخر عبدالرحمن بن ابونود نے اس کے ایک ایسی تلوار ماری کہ لڑکھڑاکر گر اور جان دیدی۔ جب وہ ہلاک ہو گیا تو یہ لوگ اس کی نجس لاش کو کتوں کی غذا بننے کیلئے ایک گڑھے میں پھینک کر اپنے گاؤں کو واپس چلے آئے۔

دوسرے اشیاء کی ہلاکت

خولی ابن یزید کا قتل اور سنان ابن انس کا فرار :-

جب ارباب زلیخ کی برق جو رستم حضرت حسینؓ کے اقرباء اور اعوان و انصار پر مگر کر ان کو بے جان کر چکی اور حضرت امام حسینؓ بے یار و مددگار رہ گئے تو اعداء نے اپنے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ زخموں سے تو پہلے یہ نڈھال ہو رہے تھے۔ زرعہ ابن شریک حبشی نے آپ

کے بائیں ہاتھ اور دوش مبارک پر تلوار وار کیا۔ اس کے بعد سب لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ اس وقت جناب ممدوح کی یہ حالت تھی کہ کبھی تو کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی منہ کے بل گر پڑتے تھے۔ ایسی حالت میں سان انن انس گھی نے آپ پر نیزے کا وار کیا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اب سان نے اپنے رفیق کار خولی انن یزید سے کہا کہ اب تم وار کر کے سر کو تن سے جدا کر دو۔ اس نے چاہا کہ ایسا کرے مگر ضعف اور کچکی کی وجہ سے اپنے ہتھکڑی کا مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ آخر سان نے خود گھوڑے سے اتر کر آپ کو شریعت شہادت پلایا اور آپ کا سر مبارک کاٹ کر خولی کے ہاتھ میں دیدیا۔ حضرت امام حسینؑ کی جان لینے میں جن اشیاء نے سب سے زیادہ سرگرمی دکھائی وہ سب کے سب شمر لعین کے کوئی چیلے چاننے تھے۔ اس قیامت خیز حادثہ کے بعد یزیدی سپاہیوں نے سان سے کہا ”تم نے حسینؑ کی جان لیکر سب سے بڑے ”خطرناک“ عرب کو قتل کیا ہے۔ اب تم اپنے امیر کے پاس جا کر انعام طلب کرو“ وہ جا کر عمر ابن سعد کے خیمہ کے دروازے پر بلند آواز سے یہ شعر پڑھنے لگا۔ (ترجمہ) ”میری رکاب کو سونے اور چاندی سے بھر دو کیونکہ میں نے ایک نامور سردار کو قتل کیا ہے۔ میں نے ایسے شخص کی جان لی ہے جو لحاظ مادر و پدر اور بہ اعتبار حسب و نسب بہترین شخص تھا“ عمر ابن سعد نے پہرہ داروں سے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ۔ جب وہ عمر کے سامنے گیا تو عمر نے اسے ایک لکڑی مار کر بٹھلادیا اور کہا ”تو دیوانہ ہے جو ایسی بیگنی ہوئی باتیں کرتا ہے“ آخر جب مختار نے مقاتلین امام حسینؑ کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا تو یہ بصرہ کی طرف بھاگ گیا۔ پھر معلوم نہیں اس کا کیا حشر ہوا؟ مختار نے اس کے مکان کو منہدم کرادیا۔

خولی انن یزید حضرت امام حسینؑ پر قاتلانہ حملے کرنے سے پہلے آپ کے تین بھائیوں جعفر ابن علی، عبد اللہ بن علی اور عثمان بن علی کو جرحہ شہادت پلا چکا تھا۔ ان تینوں کی والدہ ام النہین کوفہ ہی کی رہنے والی تھیں۔ یہی خولی امام حسینؑ کا سر مبارک کر بلا سے اپنے ہمراہ کوفہ لایا تھا۔ خولی سر مبارک کو لئے ہوئے قصر المارت میں پہنچا تو قصر کو بند پا کر اپنے گھر چلا آیا اور سر کو ایک بلند مقام پر رکھ کر اپنی خواجگاہ میں داخل ہوا اور اپنی بیوی عیوف بنت مالک سے جو حضر موت کی رہنے والی تھی کہنے لگا ”میں تیرے لئے ہمیشہ کی دولت مندی لایا ہوں یہ دیکھ حسینؑ کا سر تیرے گھر میں رکھا ہوا ہے“ اس نے کہا بد بخت ڈوب مر! لوگ تو سونا چاندی لائے ہیں اور تو ان رسول اللہ ﷺ کا سر لایا ہے۔ خدا کی قسم! اب میرا اور تیرا سر دونوں ایک مکان میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس نیک سرشت خاتون کا بیان ہے کہ ”اس وقت ایک نور آسمان کی طرف سے امام حسینؑ کے سر مبارک کی طرف آ رہا تھا اور ایک سفید پرندا اس کے گرد منڈلاتا دکھائی دے رہا تھا“ جب مختار نے اپنے سلسلہ دار دگیر میں اپنے آدمی خولی انن یزید کے پکڑنے کو بھیجے تو وہ ردپوش

ہو گیا۔ مختار کے آدمی اس کو ڈھونڈتے ہوئے اس کے مکان پر پہنچے۔ اس کی بیوی جو اسی وقت سے اس کی دشمن ہو گئی تھی جبکہ وہ حضرت حسینؑ کا سر مبارک اپنے گھر میں لایا تھا ان سے پوچھ لگی تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا تمہارا شوہر کہاں ہے؟ اس نے زبان سے تو لاعلمی ظاہر کی مگر ہاتھ کے اشارے سے اس کے چھینے کی جگہ بتادی۔ یہ اس جگہ پہنچے اور دیکھا کہ وہ اپنے سر پر ایک نوکرار رکھے بیٹھا ہے۔ یہ اسے باہر کھینچ لائے۔ مختار اس وقت کوفہ میں ایک جگہ چمپل قدمی کر رہا تھا اس وقت لندن کا مل بھی اس کے ساتھ تھا۔ اتنے میں ایک قاصد نے آکر اطلاع دی کہ خولی گرفتار ہو گیا ہے مختار وہاں پہنچا اور حکم دیا کہ اس کو اس کے گھر والوں کے سامنے لا کر قتل کر دو اور پھر آگ میں جلا دو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور جب تک اس کی لاش جل کر خاکستر نہ ہو گئی مختار وہیں ٹھہرا رہا۔

حسین ابن نمیر کا قتل :-

حسین ابن نمیر کوفہ کے محکمہ پولس کا افسر اعلیٰ تھا۔ جب حضرت امام حسینؑ کی آمد آمد تھی تو ان زیاد نے اسے کربلا کی یزیدی فوج کے زرہ پوش سواروں کا بھی افسر بنادیا۔ اس کی شہادت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز کا وقت قریب کیا تو ابو ثمامہ صائدی امام حسینؑ کی خدمت میں عرض پیرا ہوئے۔ ”میری جان آپ پر قربان ہو، اے ابن رسول میری خواہش ہے کہ خدائے تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملوں کہ میں نے اس وقت کی نماز ادا کر لی ہو“ امام حسینؑ نے فرمایا ”تم نے خدا کو یاد کیا ہے خدا تم کو مصلیوں اور ذاکروں کے زمرہ میں داخل کرے۔ ہاں اب نماز کا وقت شروع ہے مگر ذرا جا کر فریق مقابل سے کہہ دو کہ تھوڑی دیر کیلئے حملہ آوری سے رک جائیں تاکہ ہم نماز ادا کر لیں“ حسین ابن نمیر نے پکار کر کہا تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ حبیب ابن مظاہر نے جو امام حسینؑ کے جاں نثروں میں تھے جواب دیا ”لو گدھے! تو سمجھتا ہے کہ آل رسول ﷺ کی نماز قبول نہ ہوگی اور تیری قبول ہو جائے گی“ یہ سن کر حسینؑ نے ان پر حملہ کیا۔ حبیب نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کے سم پر تلووار مار دی۔ حسینؑ لڑکھڑاکر گرا مگر اس کے ساتھیوں نے اسے چالچال اور شاید اسی روز کا واقعہ ہے کہ امام حسینؑ پر تفتیشی نے غلبہ کیا۔ آپ پانی پینے کیلئے دریائے فرات پر گئے اور خدائے قدوس کی حمد و ثناء کے بعد کہا ”اللہ! میں تیرے پاس اس سلوک کی شکایت کرتا ہوں جو تیرے نبی کے نواسے سے روا رکھا جا رہا ہے۔ اللہ! ان ظالموں کو جن جن کو ہلاک کر“ لیکن ایک روایت میں یہ ہے کہ جس شخص نے آپ کے چہرہ منور پر تیر مارا اتحادہ حسین ابن نمیر نہ تھا بلکہ قبیلہ بن لبان کا ایک شخص تھا۔ خدائے شدید العتاب نے اسے پیاس کے مرض میں مبتلا کر دیا کہ کبھی پانی سے

سیر ہی نہ ہوتا تھا۔ ہر چند اس کیلئے سچے جھلے جاتے تھے اور سرد پانی اور شربت دیا جاتا تھا مگر اس کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ ہر وقت یہی کہتا تھا کہ ”مجھے پانی دو، پانی دو۔ پیاس نے مجھے مار ڈالا“ کچھ عرصہ تک اسی عذاب میں مبتلا رہا۔ آخر اس کا پیٹ اونٹ کے شکم کی طرح پھول گیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ حسین ابن نمیر بھی ابن زیاد کے ساتھ جنگ موصل میں قتل ہوا تھا۔ اس کا حملہ آور شریک ابن جدیر تغلبی تھا۔ وہ اس کو ابن زیاد سمجھ کر چٹ گیا اور آواز دی کہ ”جلد آؤ اور ابن زانیہ (ابن زیاد) کو ہلاک کر دو“ چنانچہ مختار کی فوج کے آدمی پہنچے اور ابن نمیر پر حملہ کر کے اسے خاک ہلاک پر لٹا دیا۔

مرہ ابن مسقط پر حملہ اور اس کا فرار :-

مرہ ابن مسقط عبدی نے امام حسینؑ کے صاحبزادہ علی اکبرؑ کو جام شہادت پلایا تھا۔ علی اکبرؑ کی والدہ لیلیٰ بنت ابو مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی تھیں۔ جناب علی اکبرؑ نے میدان جالستان میں آکر بھی رجزیہ اشعار ہی شروع کئے تھے کہ مرہ نے ان پر نیزے کا دار کیا وہ گر گئے اور اعداء نے بڑھ کر ان کو تلواروں سے کٹڑے کٹڑے کر ڈالا۔ امام حسینؑ ان کی یہ حالت دیکھ کر کہنے لگے ”اے میرے بچے! جن لوگوں نے تجھے قتل کیا ہے خدا ان کو قتل کرے اف! یہ لوگ خدائے عزیز و جبار کا مقابلہ کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی آمد وریزی میں کس قدر بیباک ہیں؟ بیٹا! تیرے بعد دنیا ایک چیلل میدان ہے“ پھر امام حسینؑ اپنے چند جان نثاروں کو ساتھ لے کر ان کی طرف گئے اور فرمایا کہ اپنے بھائی کو اٹھالے چلو حکیم ابن طفیل کی جان ستانی کے بعد مختار نے حضرت علی اکبرؑ کے قاتل مرہ ابن مسقط کی طلب میں آدمی بھیجے یہ بڑا جنگجو آدمی تھا مختار کے آدمیوں نے جا کر اس کا مکان گھیر لیا وہ اپنے تیز رو گھوڑے پر سوار ہو کر ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے ان کا مقابلہ کرنے کیلئے برآمد ہوا اور حملہ آوروں پر نیزہ زنی کرتا رہا مگر اس کے نیزے سے کسی کو گزند نہ پہنچا ابن کامل نے تلوار سے اس پر وار کئے وہ ان کو اپنے بائیں ہاتھ سے روکتا گیا اس طرح تلوار اس کے ہاتھ میں اتر گئی یہ دیکھ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی گھوڑا اسے اس تیزی سے لے اڑا کہ یہ لوگ اسے کسی طرح نہ پاسکے یہاں سے وہ بصرہ کی طرف بھاگ گیا مگر اس کے بعد اس کا ہاتھ ہمیشہ کیلئے شل اور میکار ہو گیا۔

زید بن رقاد جبانی کی ہلاکت :-

حضرت مسلم ابن عقیل کو جو جناب امام حسینؑ کے عم زاد بھائی تھے کربلا کے قیامت خیز خونین حوالت سے تھوڑے ہی دن پہلے ابن زیاد نے کوفہ کے قصر لمارت کی چھت پر قتل کرایا

تھان کے دو خورد سال فرزند توانی کے ساتھ کوفہ میں ان زیاد کے تیر جفا کا نشانہ بن کر دنیا سے گزر گئے تھے تیسرے صاحبزادے عبد اللہ جو ان دونوں سے بڑے تھے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کر بلا آئے ہوئے تھے زید ان رقاد جہانی نے ان کی جان لے کر دنیا اور عقبیٰ کی رسوائی خرید لی یہ ناپاک خود ازراہ فخر اس بات کا مدعی تھا کہ میں نے عبد اللہ بن مسلم کو جرعہ مرگ پلایا تھا یہ شخص کما کرتا تھا کہ جب میں نے عبد اللہ کے تیر مارا تو اس نوجوان نے اپنی پیشانی کو پیکان سے محفوظ رکھنے کیلئے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا مگر میرے تیر نے اس ہاتھ کو پیشانی کے ساتھ ایسا پیوست کر دیا کہ وہ اسے پیشانی سے ہٹانہ سکا جب اس کا ہاتھ پیشانی سے کسی طرح علیحدہ نہ ہو سکا تو اس نے دعا کی الہی جس طرح ہمارے دشمنوں نے ہمیں ذلیل کیا ہے تو بھی ان کو ایسا ہی ذلیل کر اور جس طرح انہوں نے ہمیں قتل کیا ہے اسی طرح تو بھی انہیں ہلاک کر اس کے بعد میں نے ایک لور تیر چلایا جس نے اس لڑکے کا خاتمہ کر دیا اس کے بعد میں اپنے مقتول کے پاس آیا جس تیر سے اس کی ہلاکت واقع ہوئی تھی وہ تو میں آسانی سے اس کے شکم میں سے نکال لیا مگر دوسرے تیر کو جو پیشانی پر لگا تھا نکالنے کی بہت جدوجہد کی اس کی لکڑی تو میرے ہاتھ میں آگئی مگر پیکان پیشانی ہی میں پیوست رہا اور اسے میں نہ نکال سکا مختار نے اس کی تلاش کیلئے پولیس روانہ کی جب یہ لوگ اس کے پاس پہنچے تو وہ تلوار لے کر ان کی طرف بڑھا ان کا دل پولیس افسر تھا اپنے آدمیوں سے کہا کہ کوئی شخص اس پر تلوار یا نیزہ نہ چلائے بلکہ تیروں اور پتھروں سے ہی اس کا کام تمام کر دو چنانچہ اس پر پتھروں اور تیروں کا مینہ برسنے لگا وہ زخمی ہو کر گر پڑا ان کا دل نے کہا کہ اگر کچھ رمت باقی ہو تو اسے باہر لے آؤ وہ باہر لائے تو ابھی زندہ تھا ان کا دل نے آگ مٹا کر اسے زندہ ہی آگ میں جموٹک دیا۔

عمر و ان حجاج زہیدی کی ہلاکت :-

جس طرح بہت سے نوڈی لوگ اپنی سرکار پرستی پر فخر کرتے ہیں اسی طرح عمرو ان حجاج کو بھی امیر المومنین (یزید) کی وفادار رعایا ہونے کا بڑا گھمنڈ تھا کر بلا کے ایک معرکہ میں اعداء دست بدست لڑائی کرنے کی غرض سے آگے بڑھے لیکن ان کا جو آدمی بھی مقابلہ پر آیا وہ وہیں کھیت رہا یہ دیکھ کر عمرو ان حجاج نے جو ان کا افسر تھا چلا کر یزیدی فوج سے کہا کہ ”اے شہسوارو! کیا تمہیں معلوم ہے کس سے لڑ رہے ہو؟“ تم ایسے لوگوں سے برتری چاہتے ہو جو موت کے خواہاں ہیں۔ خبردار آئندہ کوئی شخص ان سے دست بدست مبارزہ کرنے کیلئے نہ نکلے کیونکہ یہ مٹی بھر ہیں۔ ان میں سے جج کر کوئی مشکل ہی جاسکے گا۔ تم تو ان پر سنگباری ہی کرتے تو بھی ان کو متاثر و معدوم کر سکتے تھے۔ اہل کوفہ! اپنی اطاعت اور جماعت کا التزام

رکھو اور اس شخص (امام حسینؑ) کے قتل میں مطلق تردد نہ کرو۔ جس نے دین میں رخنہ اندازی کی۔ اور امام (یزید) سے برسرِ خلاف ہوا۔ امام حسینؑ نے اس کا بیان سن کر فرمایا۔ ”اے عمر و ان جاج! کیا تم لوگوں کو میرے خلاف مشتعل و براہِ بیخیز کرتے ہو؟ کیا ہم نے دین میں رخنہ اندازی کی ہے۔ یا تم نے؟ واللہ! جب تمہاری روحمیں قبض کی جائیں گی۔ دنیا سے بعدِ حسرت و یاس کوچ کرو گے تب تم پر حقیقت حال کھلے گی“ جو اشتیاقِ پانی کی مدش پر متعین تھے عمر و ان جاج ان کا افسر تھا۔ جب امام حسینؑ اور آپ کے انصار پر پیاس کا غلبہ ہوا تو آپ نے اپنے بھائی میں عباسؑ کو بلایا۔ ہمیں سوار ہوں پیادے اور ہمیں مشکیں ان کے ساتھ کر دیں اور پانی کیلئے روانہ کیا یہ لوگ رات کے وقت دریا پر پہنچے۔ جناب نافع ان ہلال چلتے ہوئے سب سے آگے بڑھ گئے۔ عمر و ان جاج پکارا کون ہے؟ کیوں آئے ہو؟ نافع نے کہا ”پانی پینے آئے ہیں“ ان جاج نے کہا ”تم لوگوں کو پانی پینے کی اجازت نہیں ہم یہاں اسی لئے متعین ہیں کہ پانی نہ لینے دیں“ نافع نے پیادوں سے کہا کہ جا کر پانی بھرو۔ پیادے دوڑ پڑے اور سب نے اپنی اپنی مشکیں بھر لیں۔ عمر و ان جاج نے اپنی جمعیت کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔ جناب عباسؑ ان علیؑ اور ان کے ہمراہ سواروں نے جو اہلی حملہ کر کے سب کا منہ پھیر دیا۔ اب عباسؑ نے پیادوں سے کہا کہ تم لوگ جلدی سے نکل جاؤ اور خود دشمنوں کو روکنے کیلئے ٹھہرے رہے۔ اتنے میں عمرو پھر پلٹ پڑا اور مقابلہ شروع کر دیا۔ ہلال نے ایک یزیدی پر نیزہ وار کر کے اس کو ہلاک کر دیا اور انصار حسینؑ بھری ہوئی مشکیں لیکر صحیح و سلامت اپنے خیموں میں پہنچ گئے۔ مختار نے عمرو کی گرفتاری کیلئے آدمی بھیجے۔ اس کے کان میں ہتھک پڑ گئی۔ جھٹ اسپ بادِ پیما پر سوار ہو کر فصد کی راہ لی اور قیامت تک کیلئے مفقود ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مختار کے آدمیوں نے اسے ایسے حال میں جا پکڑا وہ شدتِ تشنگی سے جان بلب تھا۔ انہوں نے ہلاک کر کے اس کا سر اتار لیا۔

عبدالرحمن حبلی کا قتل :-

عبدالرحمن حبلی جناب مسلم بن عوسجہ کا قاتل ہے جو کوفہ میں جناب مسلم بن عقیلؑ کے سب سے بڑے معاون تھے جناب مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کے بعد مسلم بن عوسجہ نے جیسے ہی سنا کہ امام حسینؑ تشریف لارہے ہیں تو یہ آکر ان کے شریک کار ہوئے۔ امام حسینؑ کے اعوان و انصار میں مسلم بن عوسجہ اسدی سہارا سے پہلے زخمی ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ عمر و ان جاج نے حضرت امام حسینؑ پر فرات کی طرف سے حملہ کیا۔ تھوڑی دیر تک جنگ ہوئی رہی۔ جب عمر و ان جاج حملہ کر کے پلٹا تو معلوم ہوا۔ مسلم بن عوسجہ زخمِ خود راہِ زمین پر پڑے ہیں۔ ابھی کچھ رقت باقی تھی کہ حضرت امام حسینؑ ان کے پاس آئے اور کہا ”سلم! خدا تجھ پر رحم

کرے“ پھر حبیب اللہ مظاہر نے ان کے قریب آکر کہا ”اے ابن عوجہ! مجھے تمہارے قتل کا بڑا قلق ہے لیکن تمہیں بہشت مبارک ہو“ ابن عوجہ نے نہایت آہستگی سے جواب دیا ”خدا تم کو بھی خیر و خوبی مبارک کرے“ حبیب نے کہا ”میں بھی ابھی تمہارے پاس آنے کو ہوں ورنہ تم سے کتنا کہ کچھ وصیت کر جاؤ“ مسلم ابن عوجہ نے امام حسین کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ ”میں ان پر اپنی جان فدا کرنا“ حبیب نے کہا ”واللہ! میں ایسا ہی کروں گا“ جب مسلم ابن عوجہ کی روح نے تن سے مفارقت اختیار کی تو ان کی کنیز ان کا نام لے لے کر بن کر گئی۔ عمرو ابن حجاج کے لشکر میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے کہ ہم نے مسلم ابن عوجہ کو شہید کر دیا۔ شیث ابن ربیعہ کو فی پر جو یزیدی لشکر میں ایک سربر آوردہ رئیس تھا۔ اپنے آدمیوں سے کہنے لگا ”خدا تمہیں غارت کرے اپنے عزیزوں کو اپنے ہی ہاتھ سے قتل کرتے ہو اور پھر خوشیاں مناتے ہو اور عزیز بھی مسلم ابن عوجہ ایسا شخص جو کوفہ کا مایہ ناز فرزند تھا“ اس کے بعد کہنے لگا ”واللہ میں نے آذربجان کے معرکہ میں چشم خود دیکھا تھا کہ ابھی مسلمانوں کے سوار کافروں کے مقابلہ میں آ بھی نہیں پائے تھے کہ مسلم ابن عوجہ چھ کافروں کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ افسوس تم ایسے مجاہد فی سبیل اللہ کی جان لیکر خوش ہو رہے ہو“ مسلم ابن عوجہ کو عبد اللہ ضیائی نے قتل کیا تھا۔ مختار نے حکم دیا کہ عبد الرحمن بن عوف بنی بو خشارہ جلی اور کوفہ کے فلاں فلاں یزیدی اشتیاء حاضر کئے جائیں۔ پولیس عبد الرحمن جلی کے ساتھ زیادہ مالک صبیعی، عمران خالد قسیری اور عبد اللہ ابن قیس خولانی کو بھی پکڑ لائی۔ مختار نے ان سے کہا ”اے صالحین امت کے قتل کرنے والو! اور سید شباب اہل الجنۃ کی جان لینے والے بھڑیو! آج خدا نے تم سے خوب انتقام لیا ہے“ یہ کہہ کر حکم دیا کہ سب کی گردنیں ماری جائیں چنانچہ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ اپنے سینہ پر رنج و عناء کے صد ہزار داغ لیکر اس عبرت کدہ ہستی سے چلے گئے۔

مالک ابن نسیر بدی کی جانستانی :-

مالک ابن نسیر بدی وہی شقی ہے جس کے پاس حضرت امام حسینؑ کی ٹوپی تھی۔ شہادت ہی کے روز کا واقعہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ تنہا میدان کارزار میں کھڑے رہے کسی نے تعرض نہ لیا اور صبح کا بہت سا وقت اسی حالت میں گزر گیا۔ جب کبھی کوئی کوئی آپ کی طرف آتا تو جھجک کر واپس چلا جاتا۔ اور آپ کو ضرر پہنچا کر اپنے سر پر گناہ عظیم لینے کی جسارت نہ کرتا۔ آخر قبیلہ ہو کندہ کا ایک شخص مالک ابن نسیر بدی آپ کی طرف بڑھا اور تلوار سے آپ کے سر مبارک پر وار کیا جس سے آپ کی ٹوپی کٹ گئی۔ سر خون آلودہ ہو گیا اور ٹوپی خون سے بھر گئی۔ امام حسینؑ نے اس سے کہا ”خدا ظالموں کے ساتھ تیرا حشر کرے“ پھر امام حسینؑ نے اس خون سے لٹھری

ہوئی ٹوپی کو سر سے اتار کر پھینک دیا۔ اور دوسری ٹوپی پہن لی۔ بدی نے پہلی ٹوپی اٹھالی اور اپنے اہل و عیال میں لا کر اسے دھونے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کی بدی نے کہا ”کیا ابن رسول اللہؐ کا جھینا ہوا لباس تو میرے گھر میں لاتا ہے؟ میرے پاس سے چلا جا“ یہ شخص اس کے بعد سخت مفلس و قلاش ہو گیا اور ساری عمر فقر و فاقہ میں گزاری۔ انجام کار جب مختار نے پکڑ دھکڑ شروع کی تو بدی اور چند دوسرے اشیاء کو فہ سے قادیہ کو بھاگ گئے۔ مختار نے مالک ابن عمروؓ کی نام ایک افسران کو ان کی گرفتاری کیلئے بھیجا۔ اس نے انہیں جا پکڑا اور عشاء کے وقت مختار کے پاس لے آیا۔ مختار نے ان سے کہا ”اے اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب اور آل رسول کے دشمنو! حسینؑ ابن علیؑ کہاں ہیں؟ میرے پاس حسینؑ کو لاؤ۔ تم نے اس بزرگ ہستی کو قتل کیا جس پر نماز میں درود و سلام بھیجنے کا تم کو حکم دیا گیا تھا“ انہوں نے کہا ”اللہ امیر پر رحم کرے۔ ہمیں جبراً ان کے مقابلہ پر بھیجا گیا تھا۔ آپ ہم پر احسان کریں اور چھوڑ دیں“ مختار نے کہا ”تم نے اپنے نبی کے نواسے پر کیوں احسان نہ کیا؟ اس پر تم کو کیوں رحم نہ آیا؟ انہیں کیوں پانی نہ پینے دیا؟“ اس کے بعد بدی سے خطاب کر کے کہا ”کیوں بے بدی کے بچے! تو نے جناب امام حسینؑ کی ٹوپی اتاری تھی؟“ عبد اللہ ابن کامل نے کہا ”ہاں جناب! یہی وہ شخص ہے“ مختار نے حکم دیا کہ ”بدی کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں قطع کر کے چھوڑ دو تاکہ یہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر جان دے چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ اسی طرح خون نکلنے نکلنے ہلاک ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دونوں ساتھی بھی ننگ شمشیر کے حوالے کر دیئے گئے۔

حکیم ابن طفیل طائی کا قتل :-

مختار نے اپنے افسر پولیس عبد اللہ ابن کامل کو حکم دیا کہ حکیم ابن طفیل طائی کو بھی گرفتار کیا جائے۔ اس نے مقل کر بلا میں حضرت عباس علم بردار کے لباس و اسلحہ پر قبضہ کیا تھا اور حضرت امام حسینؑ کے تیرہ ہاتھ۔ یہ شخص کہا کرتا تھا کہ ”میرا تیر حسینؑ کے پا جاے میں انک کر رہ گیا تھا اور اس سے ان کو کوئی گزند نہ پہنچا تھا“ ابن کامل نے اس کو گرفتار کیا اور مختار کے پاس لے چلا۔ ان دنوں حضرت عدی ابن حاتم طائی جو پیغمبر خدا ﷺ کے صحابی تھے کوفہ میں تشریف فرما تھے چونکہ یہ شخص حضرت عدیؓ کا ہم قوم تھا۔ حکیم ابن طفیل کے اقرباء روتے پیتے ان کے پاس فریاد رسی کیلئے پہنچے اور جناب عدیؓ کو قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ ”حکیم بالکل بے گناہ ہے۔ اس نے اہل بیت نبوت کے خلاف کسی کام میں حصہ نہیں لیا“ حضرت عدیؓ سفارش کرنے پر آمادہ ہو گئے حضرت عدیؓ نے پہلے عبد اللہ ابن کامل سے مل کر سفارش کی اس نے کہا میں اس کے متعلق کچھ نہیں کر سکتا امیر مختار حاکم مجاز ہیں حضرت عدیؓ نے کہا کہ میں مختار کے پاس بھی جاتا ہوں اس سے

پیشتر عتد نے بہت سے طرہوں کو حضرت عدیؓ کی سفارش پر چھوڑ دیا تھا مگر ان لوگوں میں سے کسی پر آل رسولؐ کے قتل کا الزام نہیں تھا جب حضرت عدیؓ قصر لادت کی طرف روانہ ہوئے تو شیعوں نے لنن کا مل سے کہا کہ ہمیں خوف ہے کہ امیر عتد اس غبیٹ کے متعلق حضرت عدیؓ کی سفارش قبول کر لیں گے حالانکہ اس کا جرم علت ہے اس لئے اگر اجازت دو تو ہم حکم رہائی سے پہلے ہی اس کا کام تمام کر دیں لنن کا مل نے انہیں اجازت دے دی انہوں نے حکیم کو جس کی مشکلیں ہم دے رہے تھیں ایک جگہ نشاندہ بنا کر کھڑا کیا اور کہا تو نے حضرت عباسؓ کے کپڑے اتارے تھے ہم تیرے کپڑے اتارتے ہیں چنانچہ اس کو ہنہ کر دیا پھر اس سے کہا کہ تو نے امام حسینؓ کو صرف ایک تیر کا نشاندہ بنایا تھا ہم بھی تجھے ایک ہی تیر کا نشاندہ بناتے ہیں چنانچہ اس کے ایک ایسا تیر مارا جو پیام مرگ علت ہوا کہتے ہیں کہ گو تیر ایک ہی تھا لیکن اس کی ساخت اس قسم کی تھی کہ اس میں سے بہت سے پیکان نکل کر آگے جب حضرت عدیؓ عتد کے پاس پہنچے تو اس نے ان کی بڑی آواز بھمت کی اور اپنے پاس بٹھلایا عدیؓ نے اپنے آنے کی غرض بیان کی عتد نے کہا کیا آپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ ہو کر اس امر کو رد کرتے ہیں کہ امام حسینؓ کے قاتلوں کو مجھ سے طلب فرمائیں؟ حضرت عدیؓ نے کہا کہ ”ہپ کو اس کے متعلق غلط اطلاعیں پہنچی ہیں مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ وہ بالکل بے گناہ ہے“ عتد نے کہا ”اچھا میں آپ کی خاطر اسے چھوڑ دیتا ہوں اتنے میں لنن کا مل بھی وہاں پہنچ گیا عتد نے پوچھا کہ حکیم کیا ہوا؟ لنن کا مل نے کہا شیعوں نے اسے قتل کر ڈالا عتد نے کہا میرے پاس لائے بغیر اس کے قتل میں کیوں اتنی جلدی کی؟ دیکھو جناب عدیؓ اس کی سفارش کو تشریف لائے ہوئے ہیں اور یہ اس بات کے اہل ہیں کہ ان کی سفارش قبول کی جائے“ لنن کا مل نے کہا میں مجبور تھا شیعوں نے کسی طرح نہ مانا یاد رہے کہ اس باب میں جہاں کہیں شیعہ کا لفظ لیا ہے اس سے آج کل کے رافضی مرلو نہیں ہیں جو حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار کو گالیاں دیتے ہیں بلکہ شیعیان علیؓ سے مرلو صرف حامیان علیؓ ہیں یعنی وہ لوگ جو علیؓ رفہم اہل شام حضرت امیر المومنین علیؓ کے معاون و ناصر تھے۔

عثمان ابن خالد جمنی کا قتل :-

ایک دن عتد نے عبد اللہ ابن کا مل کو حکم دیا کہ عثمان ابن خالد جمنی اور بثر ابن سوط قاتھی کو گرفتار کر لاؤ یہ دونوں اشخاص حضرت امام حسینؓ کے مقابلہ برسر پیکار تھے اور جناب عبد الرحمن ابن عقیل ابن ابی طالبؓ کو شہید کر کے ان کے لباس اور اسلحہ قبضہ کر لیا تھا عبد اللہ ابن کا مل عصر کے وقت ایک بڑی جمعیت کے ساتھ بنی وہمان کی مسجد میں پہنچا اور ان لوگوں سے کہا کہ اگر عثمان ابن خالد میرے پاس نہ لایا گیا تو میں تم سب کی گردن مار دوں گا وہمان نے

کہا ”ہمیں مہلت دیجئے ہم اسے تلاش کرتے ہیں“ چنانچہ اس کی تلاش شروع ہوئی چونکہ مختار کی طرف سے قاتلان اہل بیت کے خلاف داروگیر کا سلسلہ زور شور سے جاری تھا یہ دونوں کوفہ سے اس کوشش میں نکلے تھے کہ جزیرہ کو بھاگ جائیں بنی وجہان نے ان دونوں کو ایک احاطہ میں پایا اور انہیں اپنے ساتھ عبداللہ ابن کامل کے پاس لے آئے اس نے انہیں دیکھ کر کہا خدا کا شکر ہے کہ مجھے تم پر قابو ملا ”ابن کامل انہیں لے کر روانہ ہوا جب ہو جعد کے کنوئیں پر گیا تو دونوں کی گردن مار دی اور دار الامارت پہنچ کر مختار کو اس واقعہ کی اطلاع دی مختار نے حکم دیا کہ واپس جاؤ اور ان کی لاشوں کو نذر آتش کر دو اور جب تک لاشیں جل نہ جائیں ان کے دفن کرنے کی ممانعت کرو چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔“

عمر و ابن صبیح صیداوی کی ہلاکت :-

عمر و ابن صبیح صیداوی نے حضرت عبداللہ ابن اہل طالبؑ کو شہید کیا تھا جب رات کا زیادہ حصہ گزر چکا اور سب لوگ سو گئے تو پولیس گرفتاری کیلئے اس کے مکان پر پہنچی یہ اس وقت مکان کی چھت پر بے خبر سو رہا تھا تلوار اس کے سر ہانے رکھی تھی پولیس نے اچانک سر پر پہنچ کر پہلے تلوار پر قبضہ کیا پھر اس کو گرفتار کر لیا جب اس نے اپنے تئیں پولیس کی گرفت میں دیکھا تو کہنے لگا ”اللہ اس تلوار کا برا کرے یہ مجھ سے کس قدر قریب تھی لیکن اب کتنی دور ہو گئی“ یہ لا کر مختار کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت مختار نے اسے اپنے قصر ہی میں قید کرادیا اور صبح کو دربار عام کیا جب بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور یہ شخص سلاسل و اغلال میں جکڑا ہوا اس کے سامنے حاضر کیا گیا تو مختار کو خطاب کر کے نہایت ڈھٹائی سے کہنے لگا ”اے کافرو لاجر! اگر میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ میں کمزور اور پست ہمت نہیں ہوں میری دلی آرزو یہ تھی کہ میں تمہارے بجائے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ سے مارا جاتا کیونکہ میں تمہیں بدترین ظالم سمجھتا ہوں کاش اس وقت تلوار میرے ہاتھ میں ہوتی تو تجھے مزا چکھا دیتا اس کے بعد اسے نے پولیس افسر عبداللہ ابن کامل کی آنکھ پر زور سے طمانچہ رسید کیا ابن کامل ہنسنا اور اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر مختار سے کہنے لگا ”یہ شخص کتا ہے کہ میں نے کل محمد کو زخمی کیا اور ان پر نیزہ بازی کی اب آپ اس نے بارہ میں کیا علم دیتے ہیں؟“ مختار نے کہا نیزے مار مار کر اس کا کام تمام کر دو چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل کر دی گئی۔

اسی طرح مختار نے بہت سے دوسرے دشمنان آل رسولؐ کا بھی قلع قمع کیا لیکن خوف طوالت اس پر اکتفا کیا جاتا ہے جو حضرات اندھ الطش کے مزید مختاری کا رتا سے معلوم کرنا چاہیں وہ تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر کی طرف رجوع فرمائیں۔

فصل 5: دعوائے نبوت وحی

شیعہ بننے کی غرض و غایت :-

لو پر لکھا جا چکا ہے کہ مختار کو ابتدا میں اہل بیت نبوت سے کوئی محبت و ہمدردی نہ تھی بلکہ خارجی المذہب ہونے کے باعث آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بغض و عناد رکھتا تھا لیکن اس کے بعد مصلحتاً اپنے تئیں شیعہ اور محبت اہل بیت ظاہر کر کے مقابلین امام حسینؑ کے درپے انتقام ہو ایسے یزیدیوں کا قلع قمع جو اس سے صورت پریر ہو اس کی یہ میں دراصل استمالتِ قلوب اور جب جاہ و ریاست کا جذبہ کام کر رہا تھا چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے اس سے کہا ”اے اباسحاق! تم کس طرح اہل بیت کی محبت کا دم بھر نے لگے تمہیں تو ان حضرات سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا کہنے لگا کہ جب میں نے دیکھا کہ مروان نے شام پر تسلط جمایا ہے عبد اللہ ابن زبیرؓ نے مکہ معظمہ میں حکومت قائم کر لی ہے فہدہ یحلمہ پر قابض ہو گیا ہے اور ابن حازم نے خراسان و بالیا ہے تو میں کسی عرب سے بیٹا نہیں تھا کہ چپ چاپ بیٹھا رہتا اور حصولِ مملکت کیلئے ہاتھ پاؤں نہ مارتا میں نے جد و جہد کی اور ان بلاد پر عمل در دخل کر کے ان کا ہم پایہ ہو گیا۔

مختار مجاہد اہل بیت اور شیعانِ علیؑ کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے نہ صرف خود فائز المرام ہوا بلکہ دشمنانِ اہل بیت سے مظلومینِ کربلاء کا انتقام لے کر اہل بیت کی مقتدر ہستیوں کو بھی اپنا ممنون احسان بنالیا چنانچہ جب مختار کوفہ میں قتل ہوا تو جناب عبد اللہ ابن زبیرؓ نے مکہ معظمہ میں عبد اللہ ابن عباسؓ سے کہا ”یہ آپ نے اس کذاب کا حال سنا ہے؟“ حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا ”کذاب کون؟“ ابن زبیرؓ نے کہا مختار۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ”ہاں میں مختار کے قتل کا حال سن چکا ہوں“ ابن زبیرؓ کہنے لگے ”معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کو کذاب کہنا پسند نہیں کرتے اور آپ کو اس کی ہلاکت کا صدمہ ہے“ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ”ہاں۔ مختار وہ شخص تھا جس نے ہمارے قاتلوں کو قتل کیا ہمارے خونوں کا انتقام لیا اور ہمارے سینوں کی آگ چھائی اس کی خدمت کا صلہ یہ نہ ہونا چاہئے کہ ہم اسے گالیاں دیں یا اس کی موت پر اظہارِ مسرت کریں۔“

دعوائے نبوت کی بنا :-

جب مختار نے قاتلینِ امام حسینؑ کے قس قس کا بازار گرم کر رکھا تھا اور اس قسم کی بہت افزا خبریں فضائے عالم میں گونج رہی تھیں کہ دشمنانِ اہل بیت نے لگے پر پھری رکھ کر مجاہدِ آلِ عبا کے زخم ہائے دل پر ہمدردی تسکین کا مرہم رکھا ہے چیرہ ان ابن سباؓ خلاۃ شیعہ نے اطراف و اکناف ملک سے سمت کر کوفہ کا رخ کیا اور مختار کی حاشیہ نشینی اختیار کر کے حلق و

چالوسی کے انبار باندھنے شروع کر دیئے بات بات میں مدح و ستائش کے پھول برسائے جاتے اور مختار کو آسمان تعالیٰ پر چڑھایا جاتا بعض خوشامد پسندوں نے تو یہاں تک کہنا شروع کیا کہ اتنا بڑا کار عظیم و خطیر جو اعلیٰ حضرت کی ذات قدسی صفات سے ظہور میں آیا نبی یا وصی کے بغیر کسی بحر سے ممکن الوقوع نہیں اس تملق شعاری کا لازمی نتیجہ جو ہو سکتا تھا وہی ظاہر ہوا مختار کے دل و دماغ میں انسانیت و پندار کے جراثیم پیدا ہوئے جو دن بدن بڑھتے گئے اور انجام کار اس نے بساط جرات پر قدم رکھ کر نبوت کا دعویٰ کر دیا اس دن سے اس نے مکاتبات و مراسلات میں اپنے آپ کو مختار رسول اللہ لکھنا شروع کر دیا دعوائے نبوت کے ساتھ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ خدائے برتر کی ذات نے مجھ میں حلول کیا ہے اور جبریل امین ہر وقت میرے پاس آتے ہیں جب حضرت عبد اللہ ابن زہرہؓ کے بھائی مصعب ابن زہرہؓ عامل بصرہ نے کوفہ پر حملہ کر کے مختار کو قتل کیا ہے اس سے پہلے مختار نے بصرہ پر تسلط بھانے کیلئے سازشوں کا جال پھیلا رکھا تھا اور وہاں کی مقتدر ہستیوں کو گانجنے میں کوشاں تھا اس سلسلہ میں اس نے بصرہ کے رؤسا ملک ازراہ مذاق زیاد سے کہنے لگا کہ مختار دنیا و عقبیٰ کی نعمتیں تم کو حش رہا ہے بس اب کس چیز کی کمی ہے؟ زیاد ہنس پڑا اور ازراہ مذاق کہنے لگا ”بھائی میں تو وعدوں پر کسی کا ساتھ نہیں دے سکتا جو کوئی ہمارے سامنے سونے چاندی کا ڈھیر لگالے گا اسی کی رفاقت اختیار کرینگے“ مختار نے اصحف ابن قیس نام ایک رئیس کو جو یہ خط لکھا تھا ”السلام علیکم۔ بنی معر اور بنی ربیعہ کا برا ہو۔ اصحف اپنی قوم کو اس طرح دوزخ کی طرف لے جا رہا ہے کہ وہاں سے واپسی ممکن نہیں ہاں تقدیر کو میں بدل نہیں سکتا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مجھے کذاب کہتے ہو مجھ سے پہلے انبیاء کو بھی اسی طرح جھٹلایا گیا تھا میں ان میں سے اکثر سے فائق و برتر نہیں ہوں اس لئے اگر مجھے کذاب سمجھا گیا تو کیا ہوا ایک مرتبہ کسی نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ مختار نزول وحی کا مدعی ہے انہوں نے فرمایا مختار سچ کہتا ہے خود خدائے برتر نے اس وحی کی اطلاع اس آیت میں دی ہے۔

ترجمہ :- (شیاطین اپنے دوستوں پر وحی نازل کیا کرتے ہیں)۔

مختاری دعاوی و اکاذیب کے متعلق مخبر صادقؑ کی پیش گوئی :-

مختار کی کذب آفرینیوں کے متعلق خود مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم ہی پیش گوئی بھی کیا حدیث میں مروی ہے چنانچہ ترمذی نے عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ترجمہ :- (قوم بنی مقیف میں ایک کذاب پیدا ہو گا اور ایک مفسد (بنا کو) علماء نے کذاب کو مختار پر اور میر کو حجاج بن یوسف پر محمول کیا ہے) چنانچہ مسلم نے اپنی تصنیف میں روایت کیا ہے کہ حضرت اسماء (ذات الطالقین بنت حضرت ابو بکر صدیقؓ) نے حجاج بن یوسف

سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا کہ قبیلہ سقیف میں ایک کذاب ظاہر ہو گا اور ایک میر۔ کذاب کو تو ہم نے دیکھ لیا یعنی مختار ثقفی اور میر تو ہے۔ اسی طرح عدی بن خالد سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اطلاع دی تھی اب یہ تیسرا شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک فتنہ گر ہو گا جسے لوگ عارف باللہ کہیں گے حالانکہ وہ ایک ایسا دجال ہو گا جو سیاہ بھیڑیے سے بھی زیادہ خطرناک ہو گا آل محمد کی محبت ظاہر کر کے ہمدان خدا کو کھا جائے گا حالانکہ اسے میری سنت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ ہو گا رواہ ابن خزیمہ والحاکم والبطرانی۔

دوسرے کا گھر جلا کر پیش گوئی پوری کر لی :-

جموئے مدعی تائید ربانی اور نصرت الہی کی دولت سے محروم ہوتے ہیں اس لئے نقل کو اصل ظاہر کرنے کیلئے انہیں حیلہ جو بیوں اور ناجائز تدبیروں سے کام لینا پڑتا ہے مختار بھی اسی اصول کے ماتحت اپنی من گھڑت وحی، معجزات اور پیش گوئیوں کے پورا کرنے کیلئے عجیب و غریب چالاکیاں کیا کرتا تھا مثلاً ایک مرتبہ لباجو زاعری الہام تالیف کیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے: ترجمہ :- (آسمان کے رب کی قسم! ضرور آگ آسمان سے نازل ہوگی اور اسماء کا گھر جلا دے گی) جب اسماء بن خارجہ کو اس مختاری الہام کی اطلاع ہوئی تو اپنے گھر کا تمام مال و اسباب نکال کر وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو گیا لوگوں نے نقل مکانی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا کہ مختار نے میرا گھر جلنے کی پیش گوئی کی ہے اس لئے اب وہ اپنا الہام پورا کرنے کیلئے ضرور میرا مکان نذر آتش کر دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رات کی تاریکی میں ایک شخص کو بھیج کر آگ لگوادی اور اپنے حلقہ مریدین میں ڈنکیں مارنے لگا میری پیش گوئی پوری ہوئی۔ لوگوں نے دیکھ لیا کہ کس طرح آگ آسمان سے اتر کر مکان کو بھسم کر گئی۔

خیالی فرشتوں کی طرف سے مختاری فوج کی امداد :-

قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ غزوات بدر و حنین میں خدائے قادر و توانا نے قلیل التعداد بے سروسامان مسلمانوں کی اعانت کیلئے ملائکہ مقررین روانہ فرمائے یہ فقط صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا ایک مرتبہ مختار نے بھی عجیب ہنرمندی کے ساتھ یہ معجزہ اپنے پیروؤں کو دکھایا چنانچہ جب اس نے ابراہیم بن اشتر کو لکن زیاد کے محاربہ کیلئے موصل روانہ کیا تو اس کی مشاہدت کیلئے پیدل چلنے لگا ابراہیم نے کہا ”ابو اسحاق! سوار ہو جاؤ“ کہنے لگا نہیں میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے قدم آل محمد کی عون و نصرت میں غبار آلود ہوں۔ اس طرح دو

فرسنگ تک چلا گیا۔ وداع کے وقت لشکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا خدائے قدوس نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میں کبوتروں کی شکل میں فرشتے بھیج کر تمہاری امداد کروں گا اب اس نے اپنے بعض خاص مقرب و رازدار غلاموں کو چند کبوتر دے کر حکم دیا کہ تم لوگ لشکر کے پیچھے چلے جاؤ جب لڑائی شروع ہو جائے تو کبوتروں کو پیچھے سے لشکر کے اوپر کی طرف اڑا دینا چنانچہ غلاموں نے ایسا ہی کیا فوج میں شور مچ گیا کہ فرشتے آگئے اس آسمانی امداد کے بعد مختاری لشکر کے حوصلے بڑھ گئے انہوں نے اپنی فتح کا یقین کرتے ہوئے دشمن پر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ اس کے چھکے جھڑادیئے یہاں تک کہ لشکر شام منہزم ہو کر رہ گیا۔

جس طرح مختار نے کبوتر بھیج کر اپنی فوج کو جل دیا اسی طرح ایک خارجی قیدی بھی اس قسم کی حیلہ گری سے مختار کو چکمہ دے کر رہا ہوا تھا ایک دفعہ خارجیوں سے اس کی مڈ بھیڑ ہوئی مختار کو فتح ہوئی بہت سے خارجی قتل ہوئے اور بہت سے قید کر لئے گئے انہی قیدیوں میں ایک شخص کو سراقہ بن مرد اس بارتی کہتے تھے اس شخص کو یقین تھا کہ مختار اس کے دیکھتے ہی قتل کا حکم دے گا۔ اب یہ سوچنے لگا کہ قتل سے بچنے کیلئے کسی حیلہ گری سے کام لینا چاہئے چنانچہ جب پہرہ دار اس کو مختار کے سامنے پیش کرنے لگے تو ان سے کہنے لگا کہ نہ تم لوگوں نے ہمیں ہزیمت دی اور نہ قید کیا بلکہ منہزم اور اسیر کرنے والے دراصل وہ ملائکہ آسمانی تھے اہلن گھوڑوں پر سوار ہو کر تمہاری سپاہ کے اوپر ہمارے خلاف لڑ رہے تھے۔ یہ سن کر مختار کی باچھیں کھل گئیں عالم مسرت میں مست ہو کر جھومنے لگا اور بارتی کو رہائی کا حکم دے کر کہا کہ تم منبر پر چڑھ کر تمام لوگوں کے سامنے اپنا مشاہدہ بیان کر دو اس نے منبر پر چڑھ کر وہی مقولہ دہرا دیا۔ مختار کہنے لگا۔ ”واقعی ملائکہ میری نصرت کیلئے بھیجے گئے تھے“ کوفہ سے نکل کر بارتی بصرہ گیا اور مصعب بن زبیرؓ کی فوج میں جا شامل ہوا اس کے بعد مختار کو یہ تین بیت لکھ بھیجے۔

ترجمہ :- ہاں ذرا ابو سلتق (مختار) کو یہ خبر پہنچا دو کہ میں یک رنگ سفید اور سیاہ گھوڑے دیکھے تھے میں اپنی آنکھوں کو ایسی چیز دکھاتا ہوں جو انہوں نے نہیں دیکھی۔ ان خرافات کو ہم دونوں خوب سمجھتے ہیں میں نے تمہاری وحی سے انکار کیا اور منت مان لی کہ جب تک دم میں دم ہے تم سے عہدہ خواہ ہوں گا۔

جھوٹی پیش گوئی پر تاویل کاری کا ملمع :-

جس طرح مرزائی لوگ اپنے مقتدا کی جھوٹی پیش گوئیوں پر سخن سازی کا ملمع کر کے اس کو سچا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں اسی طرح مختاری گر گئے بھی اپنے پیرومرشد کے الہاموں پر تاویل سازی کا ملمع چڑھایا کرتے تھے جب مختار ان زیاد کے مقابلہ میں ابراہیم بن اشتر

کی قیادت میں لشکر بھیج کر واپس آیا تو اب اس نے الہامات اور پیش گوئیوں کا منہ چڑانا شروع کیا۔ چنانچہ اپنے سحر زدگان باطل سے کہنے لگا۔ ”حزب اللہ نے نصیبین میں یا اس کے قریب ہی دشمن سے اس کے قیام گاہ کے پاس سارا دن شمشیر زنی کی ہے اور دشمن کی بڑی تعداد اس وقت نصیبین میں محصور ہے“ اس کے بعد جب قاصد ابن زیاد کے قتل اور لشکر شام کی ہزیمت کی بھارت لے کر آئے تو مختار کہنے ”اللہ والو! کیا میں نے قبل از وقوع اس فتح کی بھارت نہیں دی تھی سب نے کہا واقعی آپ نے پہلے سے کہہ رکھا تھا“ راوی کہتا ہے مرثدہ فتح کی آمد پر مجھ سے میرے ایک ہمدانی ہمسایہ نے کہا کہ ”اے شعبی! کیا تم اب بھی ایمان نہیں لاؤ گے؟“ میں نے کہا ”کس بات پر ایمان لاؤں؟“ کیا میں اس بات پر ایمان لاؤں کہ مختار عالم الغیب ہے اس پر تو میں ہر گز ایمان نہیں لاؤں گا۔ ہدانی کہنے لگا کیا ہمارے نبی مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ ہمارے دشمنوں کو شکست فاش نصیب ہوگی؟ میں نے جواب دیا کہ اس نے تو کہا تھا کہ دشمن کو نصیبین کے مقام پر شکست ہوئی حالانکہ یہ واقعہ دریائے خازر علاقہ موصل میں پیش کیا ہمدانی بولا اے شعبی! خدا کی قسم! جب تک تم دردناک عذاب کا مشاہدہ نہ کر لو گے ایمان نہ لاؤ گے اس ہمدانی کا نام سلمان بن عسیر تھا یہ بھی جنگ حوراء میں مختار کے ساتھ کام کیا جس طرح شاہ نعمت اللہ ولی کی پیشین گوئی کے ایک شعر میں لفظی تحریف کر کے ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیان نے منہ کی کھائی تھی۔ اسی طرح مختار کو بھی ایک بزرگ کی پیشین گوئی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی پاداش میں ذلت سے ہلکتا ہوا پڑا تھا۔ ایک مرتبہ کسی بزرگ ہستی نے پیشین گوئی کے رنگ میں کہا تھا کہ ہزار کے مقام پر بنی ثقیف کے ایک شخص کو عظیم الشان فتح نصیب ہوگی۔ یہ پیشین گوئی ہر وقت مختار کے دماغ میں گونج رہی تھی چونکہ مختار خاندان بنی ثقیف میں سے تھا اس کو رہ رہ کر یقین ہوتا تھا کہ یہ پیشین گوئی میری ہی نسبت کی گئی ہے حالانکہ اس کا اشارہ حجاج بن یوسف ثقفی کی طرف تھا جس نے عبدالرحمن بن اشعث کو مختار کے قتل کے کچھ عرصہ بعد ہزار کے مقام پر ہزیمت دی۔ بھر حال اس پیشین گوئی کے بل بوتے پر مختار نے اپنی فتح کی پیشین گوئی کر دی اور اپنے سپہ سالار احمد بن حنظلہ کو مصعب کی فوج کا مقابلہ کرنے کیلئے ہزار بھیج دیا وہاں لڑائی ہوئی۔ ابن حنظلہ مارا گیا اور مختار کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

مختار کا تابوت سیکھنے :-

ہو اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا جسے تابوت سیکھتے تھے۔ یہ صندوق بعض انبیاء سلف کے تبرکات کا حامل تھا جب کبھی بنی اسرائیل کو کسی دشمن کا مقابلہ درپیش ہوتا تو اس صندوق کو اپنے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں لے جاتے حق تعالیٰ اس کی برکت سے فتح دیتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مختار نے بھی تابوت سکینہ کی حیثیت سے ایک کرسی اپنے پاس رکھ چھوڑی تھی جسے وہ لڑائی کے موقع پر لشکر کے ساتھ بھجھا کرتا تھا اور اس کے پیروؤں کو یقین تھا کہ یہ حضرت علیؑ کی کرسی ہے کہ ایک مرتبہ آشوب روزگار نے مجھے اس بری طرح قعر غلٹ وادبار میں ڈالا کہ اھر نے کی کوئی تدبیر بروئے کار نہ آئی جتن کئے مگر شومسی قسمت نے ساتھ نہ چھوڑا۔ آخر صبر کی باگ ہاتھ سے نکل گئی اور میں عالم اضطراب میں اس بات پر غور کرنے لگا کہ کوئی حیلہ بنا کر کسی بڑے سرمایہ دار سے کوئی رقم اینٹھنی چاہئے۔ نیرنگی فلک کے کرشمے دیکھے کہ اسی دماغی کدو کاوش کے دنوں میں مجھے اپنے تیلی ہمسایہ کے پاس ایک بہت پرانی کرسی پڑی دکھائی دی جس پر اس قدر روغن جم گیا تھا کہ لکڑی بالکل نظر نہیں آتی تھی میں نے دل میں خیال کیا کہ چلو اسی کرسی سے کچھ مطلب براری کریں چنانچہ میں نے وہ کرسی تیلی کے ہاں سے منگالی اور مختار کے پاس جا کر کہا کہ ایک بات در سکون کی طرح میرے صدف دل میں پنہاں تھی اور میں آپ سے ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا مگر پھر یہی مناسب سمجھا کہ بیان کروں۔ مختار نے کہا ہاں ضرور بیان کرو ”میں نے کہا حضرت علیؑ مرتضیٰ کی کرسی ہمارے گھرانے میں چلی آتی ہے اور اس کرسی میں ایک خاص اثر و تصرف ہے۔“ مختار نے کہا سبحان اللہ! آج تک تم نے اس کا تذکرہ کیوں نہ کیا؟ اچھا ابھی جا کر میرے پاس لاؤ میں نے گھر جا کر اس کا جما ہوا تیل کھرچا اور گرم پانی سے دھو کر خوب صاف کیا تو بہت خوبصورت نکل آئی اس نے خوب روغن زیتون پیا تھا اس لئے اب بہت چمک دار ہو گئی تھی اب یہ کپڑے سے ڈھانپ کر مختار کے پاس لائی گئی مختار نے مجھے بارہ ہزار درہم (قریباً تین ہزار روپے) انعام دیے اس فتوح نے میرے مصائب کی زنجیر کاٹ دی اور شاہد کامرانی و مقصدوری نے اپنا جمال جہاں آرا دکھا کر خوش حال کر دیا طفیل بن جعدہ کہتے ہیں کہ مختار ”اس نعمت غیر مترقبہ“ پر جامے میں پھولا نہیں ساتا تھا اس نے منادی کرائی کہ سب آدمی جامع مسجد میں جمع ہو جائیں لوگ جوق در جوق جامع کوفہ میں آنے لگے مختار نے سب لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں بیان کیا کہ ملل ساہقہ میں کوئی بات ایسی نہیں ہوئی جس کا نمونہ اور تمثیل اس امت مرحومہ میں موجود نہ ہو۔ بنی اسرائیل کے پاس ایک تابوت تھا جس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ موجود تھا اسی طرح ہمارے پاس بھی ایک تحفہ موجود ہے ”یہ کہہ کر مختار نے کرسی برداران کو حکم دیا کہ اسے کھول دو اور کرسی منظر عام پر لائی گئی۔ سبائی فرقہ کے لوگ جوش مسرت میں کھڑے ہو گئے انہوں نے ہاتھ اٹھا کر نہایت گرم جوشی سے تین تکبیریں کہیں یہ دیکھ کر شبث بن ربعی رئیس کوفہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے مضر کے گروہ! درطہ زلیخ و کفر میں مت پڑو۔“ ان الفاظ سے شبث کا یہ مقصد تھا کہ اگر بالفرض یہ کرسی حضرت علیؑ ہی کی یادگار ہے تاہم اس میں اتنا تقدس سرایت نہیں کر گیا۔ کہ اس کی عظمت تمہارے حق میں بنی

اسرائیل کے پھروے کی حیثیت اختیار کر لے یہ سن کر خوش عقیدہ سبائی جوش غضب میں بھر گئے مسجد میں خلفشار مچ گیا، اور شبث کو دھکے دے کر مسجد سے نکال دیا گیا۔
کرسی کی عظمت کا غلو حد کفر تک پہنچ گیا :-

جب خبر آئی کہ عبید اللہ بن زیاد شامیوں کی فوج کے ساتھ موصل کی طرف بڑھا ہے اور مختار نے اس کے مقابلہ میں ابراہیم بن اشتر کو روانہ کیا تو شیعان کوفہ نے اس کرسی پر حرید و دیاج پلیٹ کر اس کا جلوس نکالا۔ سات آدمی داہنی طرف سے اور سات بائیں جانب سے اس کو تھامے ہوئے تھے۔ تابوت سیکنہ کی طرح یہ کرسی لشکر کے ساتھ بھیجی گئی۔ قضائے کردگار سے اس لڑائی میں شامیوں کی ایسی درگت ہوئی کہ اس سے پیشتر انہیں کبھی ایسا روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ اس بنا پر شیعہ حضرات اس ”تابوت سیکنہ“ کے حصول پر حد سے گزری ہوئی خوشیاں اور مجنوناںہ مسرتوں کا اظہار کرنے لگے اور ان کی نظر میں کرسی کا تقدس کائنات کی ہر چیز سے بڑھ گیا۔ کوئی شیعہ ایسا نہ تھا جو آپے سے باہر اور طفلانہ مزاجی کی خوشیوں میں غرق نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کے متعلق ان کا افراط کفر بواج کی حد تک پہنچ گیا۔ طفیل کہتے ہیں کہ یہ افسوسناک حالت دیکھ کر میں اپنی حرکت پر سخت مادم ہوا کہ میں نے یہ کیا فتنہ کھڑا کر دیا؟ اس کرسی کے سب سے پہلے محافظ حضرت ابو موسیٰ اشعرئ کے بیٹے موسیٰ تھے جو مختار کے ساتھ رہا کرتے تھے چونکہ ان کی والدہ ام کلثوم جناب پیغمبر خدا ﷺ کے عم زاد بھائی حضرت فضل بن عباسؓ کی صاحبزادی تھیں اس لئے مختار موسیٰ سے بہت کچھ حسن سلوک کرتا تھا۔ آخر جب کرسی کی تولیت کے متعلق موسیٰ پر طعن و تشنیع کی گرم بازاری ہوئی تو انہوں نے یہ کرسی حوشب برسی کی تحویل میں دیدی اور پھر مختار کی وفات تک وہی اس کا متولی رہا اس کرسی کے متعلق اعشیٰ ہمدانی نے چند اشعار کہے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ ”میں اس بات کا گواہ ہوں کہ تم سب عبد اللہ بن سبا کی امت ہو۔ اے شرک کے پاسبانو! میں تم سے خوب واقف ہوں۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ تمہاری کرسی تابوت سیکنہ نہیں ہے گو اس پر کئی کئی غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور شام، نجد اور خارف اس کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہیں تاہم یہ تابوت سیکنہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتی میں تو وہ شخص ہوں جسے آل محمد ﷺ سے محبت و شغف ہے اور اس وحی الہی کا پیرو ہوں جو مصاحب مین درج ہے۔“ مورخین نے لکھا ہے کہ مختار ہی نے شیعوں میں رسم تعزیہ داری جاری کی تھی۔ جس سے یقین ہوتا ہے کہ یہی کرسی تعزیہ داری اور کاغذی تابوت سازی کی اصل بنا تھی۔

جناب محمد بن حنفیہ کا خط شیعان کوفہ کے نام :

شیعہ عربی میں گروہ جماعت کو کہتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ اور شامیوں کے مقابلہ میں جو لوگ امیر المومنین علی مرتضیٰ کے حامی و ناصر تھے وہ شیعان علی کے نام سے مشہور تھے۔ مگر اس کے بعد جب عبد اللہ بن سبا یہودی نے ایک ایسے عذوت آمیز مسلک کی بنیاد ڈالی جس میں پیغمبر خدا ﷺ کے اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسرے صلحائے امت کی دشنام دہی کو جزء عبادت ٹھہرایا تھا تو سبائی پنتھ کے خلاف مسلمانوں میں ایک عام ہیبت اور جذبہ نفرت پیدا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر پیروان ابن سبا نے شیعان علی کا روپ دھارن کر لیا اور تشیع کے لباس میں مسلمانوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنے لگے۔ اب سبائی مذہب کے اختلاط سے شیعان علی دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ شیعہ اور غالی شیعہ گو تھوڑے عرصہ میں تمام شیعان علی غالی شیعہ بن کر شیعان ابن سبا بن گئے لیکن مختار کے عہد حکومت تک کوفہ میں غالی اور غیر غالی دونوں گروہ پائے جاتے تھے اور غلو آمیز شیعیت مختار کی سرپرستی میں ترقی کر رہی تھی۔ اس وقت حسب بیان علامہ ابن جریر طبری کوفہ میں ہند بنت عکلفہ نام ایک عورت تھی جس کے مکان میں تمام غالی شیعہ جمع ہو کر باہم صلاح و مشورہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک اور عورت لیلیٰ بنت قمامہ کے مکان میں بھی غالی شیعہ جمع ہوتے تھے۔ لیلیٰ کا بھائی رفاعہ بن قمامہ گو شیعان علی میں سے تھا لیکن غالی نہ تھا اسی وجہ سے لیلیٰ کو اس سے نفرت تھی۔ اسی طرح کوفہ میں ابواحراس اور ابو حارث کندی دو مرد بھی ایسے تھے جو غالی شیعوں کا بچاؤ و ملائی بنے ہوئے تھے۔ ابو عبد اللہ جدلی اور یزید بن شراحیل نے ان دونوں عورتوں اور دو مردوں کے غلو کی حالت دیکھی تو ان کے متعلق حضرت محمد بن حنفیہؒ کو مکہ معظمہ لکھ بھیجا جو امیر المومنین علیؑ کے صاحبزادہ تھے اور جنہیں مختار اور شیعان کوفہ نے ”ممدی موعود“ قرار دے رکھا تھا۔ جناب محمد بن علیؑ محمد بن حنفیہ کے نام سے اس لئے مشہور ہو گئے تھے کہ ان کی والدہ قبیلہ بنو حنیفہ میں سے تھیں۔ حضرت محمد بن حنفیہؒ نے یزید بن شراحیل کے ہاتھ ایک خط شیعان علی کے نام لکھا جس میں انہوں نے ان کو اہل غلو کے شر سے چنے کی ہدایت کی۔ خط کا مضمون یہ تھا ”یہ خط محمد بن علیؑ کی طرف سے ہمارے ان شیعوں کیلئے ہے جو کوفہ میں ہیں۔ تمہیں چاہئے کہ مجالس اور مساجد میں جمع ہو کر خفیہ اور علانیہ اللہ کو یاد کرو۔ اہل ایمان کے علاوہ کسی کو اپنا امام نہ بناؤ اور جھوٹے مدعیوں سے اپنا دامن بچاؤ۔ صوم و صلوة کی مداومت کرو اور یقین جانو کہ مخلوقات میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو سوا حکم ربانی کے کسی کو فائدہ یا نقصان پہنچا سکے“ حضرت ابن حنفیہ نے اس خط میں رفض سے پہلو تہی کرنے کے علاوہ اشارتاً مختار کے جھوٹے دعویٰ سے چنے کی بھی ہدایت فرمادی۔

ابن حنفیہؒ کو مختار کی طرف سے جان ستانی کا خطرہ :-

جب مکہ معظمہ میں حضرت محمد بن حنفیہؒ کے پاس متواتر اس قسم کی افسوسناک خبریں پہنچنے لگیں کہ مختار دین حنیف میں روز افزوں رخنہ اندازیاں کر رہا ہے اور اس کی وجہ سے فتنہ رافض ترقی پذیر ہے تو انہوں نے بذات خود عراق تشریف لے جانے کا عزم فرمایا۔ جب مختار نے یہ خبر سنی تو اسے خوف ہوا کہ حضرت محمد بن حنفیہؒ کے قدم پر شیعہ لوگ جو اس کے دام تزویر میں پھنسے ہیں اس سے الگ ہو جائیں گے اور اس کی ریاست و سیادت مودت زوال میں آجائے گی۔ یہ سوچ کر وہ حضرت ابن حنفیہؒ کے قدم میں مزاحمت پیدا کرنے کیلئے ایک عجیب و غریب چال چلی مجالس میں علانیہ کہنا شروع کیا کہ ”ہم مہدی کی بیعت میں داخل ہیں لیکن سچے مہدی کی ایک علامت ہے جس کسی میں ایسی علامت پائی جائے گی وہی پیغمبر علیہ السلام کی پیشین گوئی کا مسداق ہوگا“ لوگوں نے دریافت کیا کہ ”وہ علامت کیا ہے“ کہنے لگا کہ ”اس پر تلوار کا ایک وار کیا جائے۔ اگر تلوار کاٹ نہ کرے تو وہ مہدی ہے“ مختارؒ یہ مقولہ حضرت ابن حنفیہؒ کے سمع مبارک تک پہنچا تو انہوں نے عراق آنے کا ارادہ فسخ کر دیا کیونکہ انہیں یقین ہو گیا کہ مختار انہیں کوفہ میں قتل کرادے گا۔ (کتاب الفرق بین الفرق ص 33)

ابن زبیرؒ کو چکمہ دیکر حجاز مقدس پر قبضہ جمانے کی نامراد کوشش :-

جب ابن زیاد نے مختار کی آنکھ زخمی کر کے اسے کوفہ سے نکل جانے پر مجبور کیا تھا تو مختار نے مکہ معظمہ جا کر حضرت عبداللہ بن زبیرؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور ان کی طرف سے اس شامی فوج کا مقابلہ کیا تھا جو یزید (بن معاویہ) نے حصین بن نمیر سکوتی کے زیر قیادت دمشق سے حضرت عبداللہ بن زبیرؒ کے خلاف مکہ معظمہ روانہ کی تھی اور یزید کی موت کے بعد محاصرہ اٹھا کر دمشق واپس چلی گئی تھی لیکن اس بیعت و اطاعت پذیر ی کے باوجود مختار نے اپنے مطاع کے خلاف یہ غداری کی کہ کوفہ آکر حضرت عبداللہ بن زبیرؒ کے عامل عبداللہ بن مطیع کو کوفہ سے نکال دیا اور ولایت کوفہ کی حکومت اپنے عنان اختیار میں لے لی۔ مختار جس طرح نڈر اور بے وفا تھا اسی طرح پر لے درجہ کافر و کاذب بھی تھا اور دعویٰ نبوت کے باوجود ایسی ایسی شہرتیں چلتی چلتی چلتا تھا کہ مغرب کے شیاطین سیاست کو بھی شاید ایسی رو بہ بازیاں نہ سوجھتی ہوں گی۔ اس کی حیلہ ساز یوں کی ایک آدھ مثال مٹھے نمونہ از خردوارے پیش کی جاتی ہے۔ جب مختار کوفہ پر اچھی طرح و خیل ہو چکا تو حضرت ابن زبیرؒ کو لکھا کہ ”اگر آپ مجھے دس لاکھ درہم عطا فرمائیں تو میں عبدالملک بن مروان پر حملہ کر کے آپ کو شامیوں کی مصیبت جنگ سے

چادوں“ حضرت ابن زبیرؓ نے اس کا یہ جواب دیا کہ ”ثقیف کا یہ مکار مجھ سے کب تک مکرو فریب کرتا رہے گا؟“ جب یہ حیلہ کارگر نہ ہوا تو مختار نے حضرت ابن زبیر کو ایک اور حکم دیکر حجاز مقدس پر قبضہ جمانا چاہا۔ واقعہ یہ تھا کہ یزید (بن معاویہ) کے مرنے کے بعد شام میں مروان بن حکم کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ مروان کی ہلاکت کے بعد جب اس کا بیٹا عبد الملک سریر سلطنت پر بیٹھا تو اس نے ارادہ کیا کہ تسخیر مکہ معظمہ کا جو کام یزید کی موت کے باعث تعویق میں پڑ گیا تھا۔ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا جائے چنانچہ اس غرض کیلئے اس نے ایک لشکر جبار حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ میں روانہ کیا جو بہت دن تک وادی القرئی میں ڈیرے ڈالے پڑا رہا۔ یہ دیکھ کر مختار نے بہت کچھ اخلاص و عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو لکھا۔ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ عبد الملک بن مروان نے آپ کے خلاف عربہ جوئی کی خواہش کی ہے اور اس غرض کیلئے ایک فوج بھیجی ہے اگر آپ پسند فرمائیں تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کی امداد کیلئے کمک بھیجوں“ جناب عبد اللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا کہ ”اگر تمہیں میری اطاعت منظور ہے تو کوفہ میں لوگوں سے میری بیعت لو اور میری امداد میں اپنی فوج بھیج کر اس کو حکم دو کہ وادی القرئی میں عبد الملک کی فرستادہ فوج کے مقابلہ میں جا کر لڑے“ یہ خط پا کر مختار نے شرجیل بن درس ہمدانی کو تین ہزار فوج کے ساتھ مدینہ جانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ ”مدینہ پہنچتے ہی اپنی رسید سے مطلع کرنا اور مزید ہدایات کا انتظار کرنا“۔ مختار کا اصل مدعا یہ تھا کہ ”جب یہ فوج جا کر مدینہ منورہ پر قابض ہو جائے تو مدینہ کی حکومت کیلئے کسی کو کوفہ سے عامل بنا کر بھیج دے اور پھر شرجیل اپنی فوج لئے ہوئے ابن زبیرؓ پر چڑھ دوڑے اور ان کو محصور کر لے“ شرجیل تین ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ اب حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ مبادہ مختار نے کوئی فریب کیا ہو۔ اس لئے انہوں نے مکہ معظمہ سے عباس بن سہل بن سعدؓ کو دو ہزار فوج کی قیادت میں مدینہ طیبہ روانہ فرمایا۔ جب عباس مدینہ پہنچا تو اتنے میں عراقی لشکر بھی آنمو دار ہوا۔ شرجیل نے آتے ہی اپنی فوج کی جنگی ترتیب قائم کر دی۔ مینہ میمرہ مضبوط کر لئے اور پانی پر قبضہ کر لیا۔ عباس ایسی حالت میں ان کے پاس پہنچا کہ اس کی سپاہ میں کوئی جنگی نظام قائم نہ تھا۔ تمام سپاہی علیحدہ علیحدہ چل رہے تھے۔ عباس نے رقیم میں شرجیل سے ملاقات کی اور دیکھا کہ شرجیل پانی پر پوری جنگی ترتیب کے ساتھ فروکش ہے۔ عباس نے شرجیل کو سلام کیا اور کہا کہ میں تم سے تخلیہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ شرجیل تمنائی میں اس سے ملا۔ عباس نے پوچھا کہ ”کیا تم عبد اللہ بن زبیرؓ کی اطاعت میں ہو؟“ اس نے کہا ”ہاں میں ان کی اطاعت میں ہوں“ عباس نے کہا کہ ”وادی القرئی میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا دشمن فروکش ہے تم ہماری رفاقت میں اس کے

مقابلہ پر چلو“ شربیل نے کہا مجھے تمہارے احکام جالانے کی کوئی ہدایت نہیں کی گئی مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ مدینہ پہنچ کر ٹھہرو اور پھر جو مناسب سمجھو کروں“ عباس نے کہا اگر تم ابن زبیرؓ کی اطاعت میں ہو تو انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم کو اور تمہاری فوج کو اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں وادی القریٰ لے جاؤں۔ شربیل نے مکر یہی جواب دیا کہ مجھے تمہاری اطاعت کا کوئی حکم نہیں دیا گیا اس مدور منطق پر عباس کو یقین ہو گیا کہ شربیل یہاں کسی فاسد ارادہ سے آیا ہے مگر عباس نے اس گفتگو کو اس خوبی سے مٹایا کہ شربیل کو اس بات کا مطلق احساس نہ ہوا کہ عباس اس کے مخالفانہ رویہ کو بھانپ گیا ہے۔ خاتمہ سخن پر عباس نے شربیل سے کہا اچھا جو قرین مصلحت ہو کر دیں تو عنقریب اپنی فوج لئے وادی القریٰ کو چلا جاؤں گا۔ اس ملاقات کے بعد عباس بھی پانی کے ایک مقام پر آکر اقامت گزریں ہوا۔ اور پھر چند قیمتی اشیاء جو مکہ معظمہ سے ساتھ لے گیا تھا، تحفہ شربیل کو بھیجیں۔ اس کے علاوہ آٹے کی بوریاں اور چرم کشیدہ بھیدیں بطور ضیافت روانہ کیں۔ اس وقت شربیل کی فوج کے پاس سامان رسد تھڑ گیا تھا۔ انہوں نے اس ضیافت کو غنیمت سمجھا۔ آٹا اور گوشت کے پہنچنے ہی اہل لشکر پانی لانے اور کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے۔ اور ان کی جنگی ترتیب باقی نہ رہی۔ جب عباس مختار کے لشکر کو غافل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو گیا تو اب اس نے اپنی فوج میں سے ایک ہزار جوان مرد جو نہایت بہادر و جنگ آزمودہ تھے منتخب کئے اور انہیں لے کر شربیل کے خیمہ کی طرف بڑھا۔ شربیل نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر خطرہ کا احساس کیا اور جھٹ اپنی فوج کو لٹکارا۔ لیکن ابھی ایک سو جوان بھی اس کے پاس جمع نہ ہوئے تھے کہ عباس اس کے سر پر پہنچ گیا اس وقت شربیل بکاواز بلند چیخنے لگا کہ ”اے حزب اللہ! میرے پاس آؤ۔ اور ان ظالموں سے جو شیطان ملعون کے پیرو ہیں لڑو“ عباس رجز خوانی کرتا ہوا عراقیوں پر ٹوٹ پڑا۔ شربیل اپنے ستر جوانوں کے ساتھ طعمہ اجل ہو گیا۔ اب عباس کی فوج نے مار مار کر عراقیوں کے پرچے اڑا دیئے اور تین ہزار آدمیوں کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر آنا فانا نذر اجل کر دیا۔ البتہ دو سو جوان اس طرح بچ گئے کہ جن لوگوں کو ان کے قتل کا کام سپرد ہوا تھا۔ ان میں سے بعض آدمیوں نے رحم کھا کر ان کو چھوڑ دیا۔ یہ دو سو آدمی عراق کی طرف منہ کر کے بھاگے لیکن ان کی بھی اکثریت راستہ میں ہلاک ہو گئی۔ جب مختار کو اس لشکر کی بربادی کا علم ہوا تو کہنے لگا کہ ”ناہکار فاجروں نے خدا کے برگزیدہ بندوں کو قتل کر دیا ہے۔ مگر یہ مقدر ہو چکا تھا اور وہ پورا ہوا۔“

(تاریخ ابن جریر طبری ج 7 ص 134-135)

مختار کا فرقہ کیسانیہ :-

مختار کے مرنے کے بعد مختار کا مستقل گروہ کیسانیہ کے نام سے دنیا کے سامنے آیا۔ کیسانیہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ خود مختار کا اصل نام کیسان تھا اور بعض کا خیال ہے کہ کیسان حضرت علیؑ کے غلام کا نام تھا چونکہ اسی کے زیر ہدایت مختار نے قاتلین حسین علیہ السلام کو کیفر کردار تک پہنچایا اس لئے اس کے فرقہ کو کیسانیہ کہنے لگے پھر کیسانیہ کے بھی مختلف فرقے ہیں لیکن یہ تمام فرقے دو مسلکوں میں باہم متفق ہیں ایک تو سب کے سب ابن حنفیہؒ کو امام مانتے ہیں چنانچہ مختار بھی انہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ دوسرے ان کے زعم میں خدائے پچوں ازلی نہیں بلکہ اس کیلئے بھی بدرو آغاز ہے چنانچہ یہ لوگ ہر اس شخص کو کافر سمجھتے ہیں جو خدائے عزوجل کیلئے ابتداء تسلیم نہ کرے۔ کیسانیہ میں محمد بن حنفیہؒ کے متعلق ایک اور اختلاف بھی پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد وہی امام تھے چنانچہ جنگ جمل میں امیر المومنین علیؑ کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے بعد ان کے فرزند حضرت حسن مجتبیٰؑ امام تھے۔ ان کے بعد منصب امامت حضرت حسینؑ کو تفویض ہوا لیکن جب امام حسینؑ یزید کی طلب بیعت کے وقت مدینہ سے مکہ گئے تو امامت اپنے بھائی محمد بن حنفیہؒ کو سپرد کر گئے۔ کیسانیہ کی ایک شاخ کریمیہ ہے جو ابو کرب ضریر کے پیرو ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ ”امام محمد بن حنفیہؒ زندہ ہیں۔ ان پر آج تک مرگ طاری نہیں ہوئی۔ وہ اس وقت جبل رضوی میں تشریف فرما ہیں۔ ان کے آگے دو چشمے بہہ رہے ہیں ایک پانی کا ہے دوسرا شہد کا۔ وہ انہی چشموں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ ان کی داہنی جانب ایک شیر بیٹھا ہے اور بائیں طرف چیتا۔ یہ دونوں جانور دشمنوں سے ان کی حفاظت کر رہے ہیں اور اس وقت تک برابر حفاظت کرتے رہیں گے جب تک کہ آپ کو خروج و ظہور کا حکم نہ ہو“ ان کے خیال میں حضرت محمد بن حنفیہؒ ہی ممدی موعود ہیں۔ دوسرے کیسانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد بن حنفیہؒ انتقال فرما گئے۔ پھر اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ ان کے بعد کون امام ہوا۔ بعض کے خیال میں ان کے بعد علی بن حسینؑ زین العابدینؑ امام ہوئے اور بعض کے نزدیک ان کے بعد ان کے فرزند ابو ہاشم عبد اللہ کو منصب امامت ملا تھا۔ ان میں سے راوندی گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ابو ہاشم کے بعد ان کی وصیت کے بموجب امامت محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب کی طرف منتقل ہو گئی۔ (الفرق بین الفرق ص 27، 28)

چونکہ مختار کے حالات و واقعات نے غیر معمولی طوالت اختیار کر لی ہے اس لئے بفرض اختصار اس کا وہ ”الہامی کلام“ قلم انداز کیا جاتا ہے جو اس نے منمزلہ قرآن کے پیش کیا۔ جو

حضرات اس مقلی و مسجع خطبات کے مطالبہ کا اشتیاق رکھتے ہوں وہ علامہ عبدالقادر کی کتاب ”الفرق بین الفرق“ (ص 34-35) اور کتاب الدعاء (ص 64-65) کی طرف رجوع فرمائیں۔

فصل 6- مصعب بن زبیر کا کوفہ پر حملہ اور مختار کا قتل

ابراہیم بن اشتر کو فی مختار کا دست راست تھا۔ مختار کو جس قدر ترقی و عروج نصیب ہوا وہ سب ابراہیم بن اشتر کی شجاعت، اولوالعزمی اور حسن تدبیر ہی کا رچا ہوا منت تھا۔ ابراہیم جدھر گیا شجاعت و اقبال مندی کے پھریرے اڑاتا گیا اور جس میدان کا رخ کیا۔ فتح و ظفر ہاتھ باندھے سامنے آ موجود ہوئی۔ ابراہیم ہر میدان میں مختار کے دشمنوں سے لڑا اور اس کے علم اقبال کو شریا تک بلند کر دیا۔ البتہ ایک موقع پر ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم نے اسے تنہا چھوڑ دیا اور یہی وہ وقت ہے جبکہ مختار کا کوب اقبال زوال و فنا کی شفق میں غروب ہو گیا ہے جس محاربہ میں مصعب بن زبیر والی بصرہ نے کوفہ پر حملہ کر کے مختار کے شجرہ حیات کو مستاصل کیا ہے اس میں ابراہیم نے مختار کا ساتھ نہ دیا بلکہ موصل میں الگ بیٹھا مختار کی ذلت و بربادی کا تماشا دیکھتا رہا۔

ان جریر طبری، ابن اثیر وغیرہ مورخوں نے اس عقدہ کا کوئی حل پیش نہیں کیا کہ ابراہیم نے اس موقع پر اس سے کیوں بے اعتنائی برتی۔ البتہ علامہ عبدالقادر بغدادی نے حقیقت حال کے چہرہ کو بے نقاب کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب ابراہیم کو معلوم ہوا کہ مختار نے علی الاعلان نبوت اور نزول وحی کا دعویٰ کیا ہے تو وہ نہ صرف اس کی اعانت سے دست کش ہو گیا بلکہ اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے بلاد جزیرہ پر بھی قبضہ جمالیا۔ (الفرق ص 35)

مصعب ابن زبیر کو ان حالات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہاتھ آیا۔ اس سے پیشتر رؤسائے کوفہ اور مختار کے تعلقات سخت کشیدہ ہو چکے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں خدا اور اس کے برگزیدہ رسول کی محبت کا نور ضیا اٹلن ہے مختار کی ان سرگرمیوں کو نظر استحسان سے دیکھے گا جو اس نے دشمنان آل رسول کی تخریب و استیصال کیلئے شروع کر رکھی تھیں اور رؤسائے کوفہ بھی اس کام میں اس کے قدر شناس اور موید تھے لیکن اہل کوفہ کو انہی ایام سے جبکہ ابراہیم بن اشتر بنوز مختار کا رفیق کار تھا۔ مختار کے خلاف کچھ شکایتیں پیدا ہو گئی تھیں جن کی وجہ سے انہوں نے اس کے خلاف علم مبارزت بلند کر دیا تھا اور مختار نے ابراہیم کی مدد سے ان کو سرکوب کر دیا تھا۔ اس وقت تو یہ لوگ زک پا کر خاموش ہو گئے اور نفرت و عناد کی چنگاری اب گئی لیکن جب ابراہیم نے مختار کا ساتھ چھوڑ دیا تو رؤسائے کوفہ کی رگ انتقام جنبش میں آئی اور انہوں نے چاہا کہ جس طرح بن پڑے مختار کو کچل کر خاک و فغا میں ملا دیا جائے۔

رؤسائے کوفہ کا ورد بصرہ اور حملہ آور ہونے کی اشتعال انگیزی :-

اس قرار داد کے بموجب شبث بن ربیع، محمد بن اشعث اور بعض دوسرے ہزیمت خوردہ رؤساء نے بصرہ جا کر مصعب بن زبیر کو برا بھانت کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ سب سے پہلے شبث بصرہ پہنچا۔ اس وقت وہ ایک خچر پر سوار تھا۔ جس کی دم اور کان کے کنارے قطع کر دیئے تھے۔ اس نے اپنی قبا کو بھی چاک کر دیا تھا اور باکواز بلند پکار رہا تھا یا غوثا یا غوثا (داور سی کیجئے۔ فریاد کو پہنچئے) حاضرین مجلس نے مصعب کو بتایا کہ ایک شخص دروازے پر فریاد رسی کیلئے کھڑا ہے اور اس کی یہ حالت ہے کہ قبا پھٹی ہوئی ہے اور خچر کی دم اور کان کٹے ہیں۔ مصعب سمجھ گیا کہ شبث ہو گا اور حکم دیا کہ اندر بلا لو۔ شبث نے دربار میں پہنچ کر صورتحال عرض کی۔ دوسرے سربراہ خوردہ کوئی بھی مصعب کے پاس پہنچے اور مختاری چہرہ دستیوں کی داستانیں سنا کر کہا کہ ”ہم انتہا درجہ کے مظلوم ہیں یہاں تک کہ ہمارے ہی غلام اور آزاد غلام ہم پر چڑھ آئے ہیں آپ ہماری اعانت کیجئے اور ہمارے ساتھ ملکر مختار پر فوج کشی فرمائیے۔“

مصعب کی یلغار کوفہ پر :-

مختار نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عمال سے کوفہ اور اس کے ملحقات کی حکومت چھین کر خود سری اختیار کر لی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت ابن زبیرؓ کے خلاف بہت سی دوسری کینہ جو بیوں اور خون آشامیوں کا بھی مرکب ہوا۔ اس بنا پر ان کے بھائی مصعب بن زبیر انتقام کیلئے بہت دن سے دانت پیس رہے تھے۔ جب رؤسائے کوفہ نے آکر حملہ آور ہونے کی تحریک کی تو مصعب ایک لشکر جرار لے کر کوفہ کی طرف بڑھے اور مختار کو معلوم ہوا تو اس نے بھی احمر بن شمیٹ اور عبداللہ بن کامل کے زیر قیادت اپنی سپاہ کو حرکت دی جب لشکروں کی ٹڈ بھڑ ہوئی تو احمر بن شمیٹ اور عبداللہ بن کامل دونوں میدان کی نذر ہو گئے اور بھریوں نے مختار کی فوج کو مار مار کر اس کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ اب مصعب نے عباد بن حصین کو رسالہ دے کر مختار کی ہزیمت خوردہ فوج کے تعاقب میں روانہ کیا اور حکم دیا کہ جو قیدی بھی تمہارے ہاتھ لگے اس کی گردن مار دو۔ اسی طرح مصعب نے محمد بن اشعث کوئی کو بھی اہل کوفہ کے رسالہ کے ساتھ ابن شمیٹ کی منزہم فوج کے تعاقب میں روانہ کیا اور کہا اب موقع ہے کہ تم دل کھول کر اپنا بدلہ لے لو۔ ہزیمت خوردہ کوئی فوج کے لئے کوئی لوگ بھریوں سے بھی زیادہ سخت تھے۔ جس شخص کو پکڑتے بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیتے اور کوئی قیدی ایسا نہ تھا جسے انہوں نے معاف کیا ہو۔ جب مختار کو اپنے سپہ سالاروں کی ہلاکت اور اپنے لشکر کی بربادی کا علم ہوا تو کہنے

لگا کہ ”موت کا آنا لازمی امر ہے اور جس موت میں مرنا چاہتا ہوں وہ وہی موت ہے جس پر امن شیط کا خاتمہ ہوا۔“

جب مختار کو معلوم ہوا کہ مصعب کی فوج خشکی اور تری کے دونوں راستے عبور کر کے اس کے قریب پہنچ گئی ہے تو اس نے بھی کوفہ سے جنبن کی اور مقام سلجین پر آکر ڈیرے ڈال دیئے۔ سلجین مختلف دریاؤں کا سنگم ہے۔ اس مقام پر دریائے حیرہ دریائے سین، دریائے قادسیہ اور دریائے پرسف فرات سے نکلتے ہیں۔ مختار نے اس سنگم پر ایک بند بوا کر دریائے فرات کا پانی روک دیا۔ اس طرح فرات کا تمام پانی معاون دریاؤں میں چڑھ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصری فوج جو کشتیوں میں بیٹھی چلی آرہی تھی ان کی کشتیاں کچڑ میں پھنس گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر بصریوں نے کشتیاں چھوڑ دیں اور پاپادہ کوچ کرنا شروع کیا۔ ان کا رسالہ ان کے آگے دریائے فرات کے بند تک پہنچ گیا۔ اور اس کو منہدم کر کے کوفہ کی طرف باگیں اٹھائیں۔ جب مختار کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی مقابلہ کے لئے آگے بڑھا اور مقام حروراء میں پہنچ کر مورچے تیار کرائے۔ قصر اور مسجد کو مستحکم کیا اور قصر میں بڑی غلٹ کیساتھ وہ تمام سامان فراہم کیا جس کی حالت محاصرہ میں ضرورت پیش آتی ہے اتنے میں مصعب بھی حروراء پہنچ گئے جو ولایات بصرہ و کوفہ حد فاصل ہے۔ آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ گو مصعب کی فوج میں سے محمد ابن اشعث رئیس کوفہ جس نے دوسرے کوئی رؤساء کے ساتھ بصرہ جا کر مصعب کو حملہ آور ہونے کی ترغیب دی تھی اپنے تمام دست فوج کے ساتھ کام کیا تاہم مختار کی فوج کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ اور وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر سخت بد حالی کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی۔ جتنی دیر تک فوج برسر مقابلہ رہی۔ مختار نہایت بے جگری سے لڑتا رہا۔ آخر فوج کی ہزیمت نے اس کو بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ اب وہ پسپا ہو کر کوفہ پہنچا اور قصر امارت میں قلعہ بند ہو گیا۔ دوسرے دن مختار کی ہزیمت خوردہ سپاہ بھی کوفہ پہنچ گئی۔ ہزیمت و پسپائی کے وقت مختار کا ایک افسر اس سے کہنے لگا کہ کیا آپ نے (وحی آسمانی سے اطلاع پا کر) ہم سے فتح و ظفر کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ اور یہ نہیں کہا تھا کہ ہم دشمن کو مار بھگا دیں گے؟ مختار نے کہا ”کیا تم نے کتاب اللہ میں یہ آیہ نہیں پڑھی“

ترجمہ :- (حق تعالیٰ جس قوم کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بحال رکھتا ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں لوح محفوظ ہے)“

قصر کا محاصرہ اور محصورین کی بد حالی :-

مختار قریباً بیس ہزار فوج حروراء لے گیا تھا ان میں سے کچھ آدمی تو مارے گئے کچھ کوفہ پہنچ کر اپنے اپنے گھروں میں روپوش ہو گئے اور آٹھ ہزار آدمی مختار کے پاس قصر میں جاداخل ہوئے

اب مصعب کی فوج کو فوج پہنچی قصر کا محاصرہ کر لیا محاصرہ چار مہینہ تک جاری رہا مختار ہر روز اپنے رسالہ کے ساتھ قصر میں سے برآمد ہو کر کوفہ کے بازاروں میں جا کر دشمن سے دودھ ہاتھ کرتا اور کچھ زیادہ نقصان پہنچائے بغیر واپس آجاتا۔ محصورین کی حالت دن بدن نازک ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر اہل شہر بھی جو مختار کے مخالف تھے دلیر ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب کبھی مختار کا رسالہ حملہ کرنے کیلئے قصر سے نکلتا تو مکانات کی چھتوں پر سے ان پر ایشیں پھریں، کچڑ اور غلیظ پانی ڈالا جاتا۔ محاصرین نے سامان رسد کی آمد بالکل مسدود کر رکھی تھی اس وقت محصورین کی ہر اوقات کی یہ صورت تھی کہ بہت سی عورتیں اپنے اپنے مکانات سے اشیاء خورد و نوش کسی چیز سے ڈھانک کر لے چلتیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا کہ وہ نماز کیلئے جامع مسجد جارہی ہیں یا کسی عزیز و یگانہ سے ملنے جاتی ہیں اور جب قصر لہارت کے پاس پہنچ پاتا جو مختار کی فوج میں تھے جب مصعب کو اس کی اطلاع طرح کھانا پانی ان کو فیوں کے پاس پہنچ پاتا جو مختار کی فوج میں تھے جب مصعب کو اس کی اطلاع ہوئی تو شہر کے تمام چور راستوں پر پہرے بٹھادیے اور کوشش کی کہ کوئی شخص محل تک نہ پہنچ سکے تاکہ محصورین بھوکے پیاسے ہی ہلاک ہو جائیں اس وقت ان کی یہ حالت میں یہی پانی پینے لگے بیت المال میں شہد بھرت موجود تھا۔ پانی کی تکلیف دیکھ کر مختار نے حکم دیا کہ کنوئیں میں شہد ڈال دیا جائے۔ تاکہ پانی کا مزاج بدل کر پینے کے قابل ہو جائے اس طرح اکثر لوگ سیراب ہو جاتے تھے۔ اب مصعب نے محاصرین کو قصر لہارت سے اور قریب رہنے کا حکم دیا۔ بعض اوقات مصعب کے فوجی دستے محل کے اس قدر قریب پہنچ جاتے تھے کہ مختار نے ان آدمیوں پر جو قصر میں دکھائی دیتے سہولت تیر اندازی کی جاتی۔ اب یہاں تک دیکھ بھال کی جانے لگی کہ محل کے ارد گرد جو عورت بھی کسی طرح سے آئی دکھائی دیتی اس کا نام و پتہ منزل مقصود اور آمد و رفت کی غرض و غایت دریافت کی جاتی۔ ایک دن دو تین عورتیں گرفتار کی گئیں یہ اپنے خاوندوں کے پاس جو قصر میں محصور تھے کھانا لے جا رہی تھیں۔ جب مصعب کے سامنے پیش کی گئیں تو انہیں بلا عقوبت واپس بھیج دیا۔ ایک مرتبہ مصعب کی فوج کے کچھ بھری اور کوئی نوجوان جو جنگ کی افتادوں سے بے خبر تھے۔ بغیر سردار کے بڑے بازار میں نکل پڑے اور مختار کو ”لن دومتہ“ کے خطاب سے پکارنے لگے۔ مختار قصر کی چھت پر برآمد ہوا اور کہنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوفہ یا بصرہ کا کوئی معتبر سردار نہیں ہے ورنہ یہ کبھی مجھے اس نام سے نہ پکارتے۔ مختار نے ان کو منتظم حالت میں دیکھ کر چاہا کہ تس تس کر دے چنانچہ قصر سے باہر نکل کر ان پر تاخت کرنے کا ارادہ کیا اور دو سو آدمیوں کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ قریب آسو تو وہیں کھیت رہے اور باقی اس طرح بے اوسان بھاگے کہ ایک پر ایک گرا پڑا تھا۔ تھوڑے فاصلہ پر پہنچتے پہنچتے مختار کے دستہ نے انہیں بھی جالیا اور مار مار کر ان کا کھلیاں کر دیا۔

فوج کی دون ہمتی اور بے وفائی اور مختار کا قتل :-

جب محاصرہ کی سختی روز افزوں ناقابل برداشت ہونے لگی تو ایک دن مختار نے اپنے لشکر کو جمع کر کے کہنے لگا ”یاد رکھو کہ جس قدر محاصرہ طویل ہوگا تمہاری طاقت جواب دیتی جائے گی اس لئے بہتر ہے کہ باہر نکل کر کھلے میدان میں دوشجاعت دیں اور لڑتے لڑتے عزت سے جانیں دے دیں۔ اگر تم بہادری سے لڑے تو میں اب بھی فتح کی طرف سے مایوس نہیں ہوں“ مگر انہیں اس کی ہمت نہ پڑی اور جنگ کیلئے باہر نکلنے سے انکار کر دیا۔ البتہ صرف انیس آدمیوں نے رفاقت پر آمادگی ظاہر کی۔ مختار مخالفین سے کہنے لگا ”خدا کی قسم! میں کسی کو اپنا ہاتھ نہ دوں گا۔ اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا اور میں نے باہر نکل کر جنگ شروع کی اور مارا گیا تو تم اور بھی زیادہ ذلیل و خوار ہو جاؤ گے اور اگر تم نے اپنے تئیں دشمن کے حوالے کر دیا اور اعداء نے قابو پا کر تم کو قتل کرنا شروع کیا تو یاد رکھو کہ تم لوگ ایک دوسرے کے منہ نہ لگو گے اور کہو گے اے کاش! ہم نے مختار کا کھانا ہوتا۔ اگر اس وقت میرا ساتھ دو اور بالفرض تم کو فتح نہ ہو تو بھی شرافت اور عزت کے ساتھ تو مرو گے“ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ آخر مختار خوشبو اور عطر لگا کر انہیں آدمیوں کے ساتھ قلعہ سے برآمد ہوا۔ باہر نکل کر ایک شخص سائب ابن مالک نے علیحدگی اختیار کر لی۔ اب اس نے باقی ماندہ اٹھارہ آدمیوں کی رفاقت میں مقابلہ شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں تمام ساتھی نذرا جل ہو گئے۔ آخر مختار خود بھی ان مقتولوں کے ڈھیر پر ڈھیر ہو رہا۔ یہ حادثہ 14 رمضان 67ھ کو رونما ہوا اس وقت مختار کی عمر 67 سال کی تھی۔ مختار کے قتل کے دوسرے دن اس کے ایک افسر حمیر بن عبد اللہ کئی نے مختار کی قلعہ گیر فوج سے کہا کہ ”سب آدمی باہر نکلو اور لڑ کر عزت کی موت مر جاؤ اور یاد رکھو کہ اگر تم نے دون ہمتی کا ثبوت دیکر اپنے تئیں دشمن کے حوالے کیا تو بھی اعداء تم کو زندہ نہ چھوڑیں گے“ لیکن ان لوگوں نے انکار کیا اور اپنے تئیں بھری فوج کے سپرد کر دیا۔ بھریوں نے ان کو پابہ جولان باہر نکالا۔ آخر مصعب نے روسائے لشکر کی خواہش اور رائے عامہ کے بموجب مختار کی فوج کے تمام آدمیوں کو یہ تیغ کرنے کا حکم دیا۔ اب حمیر بن عبد اللہ کئی کو مصعب کے سامنے پیش کیا گیا۔ حمیر کہنے لگا ”تمام حمد و ثناء کا مستحق وہی خالق کردگار ہے جو اس وقت تمہاری آزمائش کر رہا ہے کہ ہمیں معاف کرتے ہو یا نہیں؟ اے امیر! اس وقت دو امور آپ کے سامنے ہیں۔ رضائے الہی اور اس کی ناراضی۔ جو شخص معاف کرتا ہے خدا سے معاف کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس کو عزت عطا ہے لیکن جو شخص سزا دیتا ہے وہ قصاص سے مامون و محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اے ابن زبیر! ہم تمہارے اہل قبیلہ اور مسلمان ہیں۔ ترک یادیلی نہیں ہیں مناسب یہ ہے کہ تم صاحب قدرت ہو کر معاف کر دو“ یہ باتیں سن کر

مصعب اور تمام حاضرین کو اس پر رحم آگیا اور مصعب نے اسے رہا کر دینے کا ارادہ کیا لیکن عبدالرحمن بن محمد جس کا باپ محمد بن اشعث اسی لڑائی کی بھیٹ چڑھ چکا تھا اور دوسرے کوئی رؤساء جو اس لڑائی کے اصل متحرک و بانی تھے انھ کھڑے ہوئے اور بولے کہ ”آپ لوگ یا تو ان لوگوں پر رحم کیجئے یا ہم پر“ یہ دیکھ کر مصعب نے ان سب کے قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ مقتولین کی تعداد چھ ہزار تھی۔

مختار کی ایک بیوی کا قتل بجرم ارتداد :-

مصعب کے حکم سے مختار کے دونوں ہاتھ کاٹے گئے اور مسجد کے پاس کیلوں سے ٹھوک کر نصب کر دیئے گئے۔ اب مختار کی بیویاں مصعب کے سامنے پیش کی گئیں۔ ایک کو ام ثلت بنت سرہ کہتے تھے اور دوسری کا نام عمرہ بنت نعمان تھا۔ مصعب نے ان سے پوچھا کہ مختار کے دعویٰ نبوت و وحی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ ام ثلت نے جواب دیا کہ ”جس معاملہ میں ہماری رائے دریافت کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق ہمارے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم آپ کی رائے کی تائید کریں“ یہ سن کر مصعب نے اسے رہائی دیدی مگر عمرہ نے کہا ”مختار خدا کے نیک بندوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنا مخصوص رحم و کرم ان کے شامل حال کرے“ اس جواب پر مصعب نے اسے محبس میں بھیج دیا اور اس کے متعلق اپنے بھائی جناب عبداللہ بن زبیرؓ کو لکھا کہ ”یہ عورت اس بات کی مدعی ہے کہ مختار نبی تھا۔ اس سے کیا سلوک کیا جائے؟ جناب عبداللہ بن زبیرؓ حضرت سید الاولین و الاخرین ﷺ کے چھوٹے زاد بھائی کے فرزند اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خواہر زادہ تھے۔ انہوں نے لکھ بھیجا کہ ”اگر اس کا یہی عقیدہ ہے تو (وہ قسم نبوت کی منکر اور مرتدہ ہے)“ اسے (بوجہ ارتداد) قتل کیا جائے“ چنانچہ رات کی تاریکی میں اسے محبس سے نکال کر حیرہ اور کوفہ کے درمیان لائے۔ پولیس کے ایک آدمی نے جس کا نام مطر تھا تلوار کے تین ہاتھ رسید کئے۔ عمرہ نے عرب کے دستور کے بموجب اپنے اعزاء و اقارب کو مد کیلئے پکارا۔ عمرہ کے بھائی ابان بن نعمان نے یہ فریاد سنی۔ فوراً مطر کی طرف بھٹا۔ اور زور سے ایک پتھر اس کے رسید کر کے کہنے لگا۔ ”حرام زادے! تو نے اسے قتل کیا ہے خدا تیرے ہاتھ کو قطع کرے“ مطر نے ابان کو پکڑ لیا اور اسے مصعب کے پاس لے آیا۔ مصعب نے حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ یہ اپنی ہمیشہ کے قتل کا وحشت انگیز اور جانکاہ منظر دیکھ کر کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

باب نمبر 7

حادث کذاب دمشق

حادث بن عبد الرحمن بن سعید متنبی دمشق پہلے ابو جلاس عبدی قریشی کا مملوک تھا۔ حصول آزادی کے بعد اس کے دل میں یاد الہی کا شوق سرسرایا۔ چنانچہ بعض اہل اللہ کی دیکھا دیکھی رات دن عبادت الہی میں مصروف رہنے لگا۔ سدرتق سے زیادہ غذا کو نہ کھاتا، کم سوتا، کم بولتا اور اس قدر پوشش پر اکتفا کرتا جو ستر عورت کیلئے ضروری تھی۔ یہاں تک کہ نقشف اور قتل و انقطاع کو غایت قصویٰ تک پہنچا دیا۔ اگر یہ زہد و ورع، ریاضتیں اور مجاہدے کسی مرشد کامل کے ارشاد و افادہ کے ماتحت عمل میں لائے جاتے تو اسے قال سے حال تک پہنچا دیتے اور معرفت الہی کا نور بین اس کے کشور دل کو جگمگا دیتا لیکن اس غریب کو معلوم نہ تھا کہ جو لوگ کسی رہبر کامل کی صحبت میں رہ کر منازل سلوک طے کرنے کے بجائے از خود ریاضت و انزوا کا طریقہ اختیار کرتے ہیں شیطان ان کا رہنما بن جاتا ہے۔ اور اس وقت ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا جب تک کہ انہیں ضلالت و ہلاک لہدی کے تحت الثریٰ تک نہ پہنچا دے۔

شیطان کے طریق اغوا و تضلیل :-

شیطان کا معمول ہے کہ وہ طرح طرح کی نورانی شکلیں اختیار کر کے بے مرشد ریاضت کشوں کے پاس آتا ہے۔ انہیں انواع و اقسام کے سبز باغ دکھاتا ہے کسی سے کہتا ہے کہ تو ہی مہدی موعود ہے کسی کے کان میں یہ پھونک دیتا ہے کہ آنے والا مسیح تو ہی ہے کسی کو حلال و حرام کی پابندیوں سے مستغنی قرار دیتا ہے۔ کسی کو اپنی طرف ”نبوت و رسالت“ کا منصب بخش جاتا ہے۔ لیکن حرمان نصیبی اور حق فراموشی کا کمال دیکھو کہ عابد اس نورانی شکل کو شیطان نہیں سمجھتا بلکہ اپنی حماقت سے یقین کرتا ہے کہ خود خداوند عالم نے اپنا جمال مبارک دکھایا ہے اسی نے ہم کلامی کا شرف عطا ہے اسی نے اسے مہدویت یا مسیحیت یا نبوت کے منصب جلیل پر سرفراز فرمایا ہے۔ ذیل میں صلحائے امت کے چند ذاتی تجربے اور مشاہدات سپرد قلم کئے جاتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو سکے کہ جنود ابلیس عباد و زہاد کو راہ حق سے منحرف کرنے کیلئے خدع و دجل کے کیسے کیسے سنہری روپہلی جال بھھاتا ہے؟

حضرت غوث الاعظم اور شیطان کی آواز :-

امام عبد الوہاب شعرانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی ناقل ہیں۔ سید ضیاء الدین ابو نصر موسیٰ کہتے ہیں کہ میرے والد احمد حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں سفر میں تھا۔ میرا گذر ایک دشت میں ہوا جہاں پانی ناپید تھا۔ میں چند روز وہاں رہا مگر پانی پر دسترس نہ پاسکا جب تفکری نے حد سے زیادہ غلبہ کیا تو حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ابر کا ایک ٹکڑا متعین فرمادیا۔ جس سے وقتاً فوقتاً پانی کے قطرے گرتے گرتے اور میں تسکین پاتا۔ انہی ایام میں ایک رات ایسا نور بلند ہوا کہ جس نے شب و بجز میں آفاق عالم کو منور کر دیا۔ نور میں سے ایک عجیب و غریب صورت نمودار ہوئی۔ اس نے آواز دی ”اے عبدالقادر! میں تیرا پروردگار ہوں۔ میں نے تجھ پر وہ سب کچھ حلال کیا جو دوسروں کیلئے حرام و ناجائز قرار دے رکھا ہے جو کچھ تو چاہے اختیار کر اور ہر وہ فعل کر لے جس کی طرف تیری طبیعت کا میلان ہو“ میں سوچنے لگا کہ الہی! یہ کیا ماجرا ہے۔ مجھ سے پیشتر نبوت و ولایت کے لاکھوں شہباز فضائے قرب میں پرواز کرتے رہے ان میں سے کسی کو اتنے بلند نشین آزادی میں جگہ نہ دی گئی اور کسی سے حلال و حرام کا تقید دور نہ ہوا۔ آخر میں کون ہوں کہ مجھے ایسا نور و عدیم المثال حکم سنایا جاتا ہے؟ میں نے معافراست سے محسوس کیا کہ یہ صدا اغوائے شیطان ہے میں نے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھ کر کہا اے ملعون! دور ہو کیا جتا ہے؟ ناگاہ وہ نور ظلمت سے بدل گیا اور اس نورانی صورت کا بھی نام و نشان باقی نہ رہا۔ پھر آواز آئی ”اے عبدالقادر! آج تو اپنے علم کی بدولت مجھ سے بچ گیا۔ ورنہ میں نے اسی طرح ستر ساکان طریقت کو راہ حق سے ایسا پھیر دیا کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے مقام قرب پر قائم نہ رہ سکا۔ یہ کیسا علم ہے جو تجھے حاصل ہے اور کیسی ہدایت ہے جس سے تو ممتاز ہے“ میں نے کہا ترجمہ :- (اللہ ہی کا فضل و احسان ہے۔ وہی سرچشمہ رشد و سعادت ہے اور اہدء و انتہا میں اسی سے توفیق ہدایت ملتی ہے)

یہاں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جس نورانی پیکر نے حضرت غوث الثقلین سے حلال و حرام کی قید اٹھائی تھی اسی ”ذات شریف“ نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو بھی آزادی اور مطلق العنانی کا تمغہ عطا کیا تھا چونکہ حضرت محبوب سبحانی اپنے علم و عمل میں کامل و یکتا تھے انہیں کآب پر کوئی کس نہ چلا لیکن بے چارے مرزا غلام احمد جیسے شخص سے اس بات کی کوئی امید نہیں ہو سکتی کہ وہ شیطان کے پنجہ اغواء سے بچ رہتا۔ بہر حال معلم الملوکت نے مرزا صاحب سے قریب ہو کر کسی قدر پردہ اپنے ”پاک“ نور روشن چہرہ پر سے جو ”نور“ محض ہے اتار کر مرزا صاحب کو الہام کیا :- ترجمہ :- ”اے مرزا تو چاہے سو کر لیا کر کیونکہ میں نے تیرے

تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں“

سید الطائفہؒ کا شاگرد سلطان کی کند خدع میں :-

سید الطائفہؒ حضرت شیخ ابو القاسم جنید بغدادی قدس سرہ کا ایک ناقص مرید اپنی حماقت سے یہ سمجھ بیٹھا کہ میں کامل ہو گیا ہوں۔ اب مجھے صحبت شیخ کی احتیاج نہیں۔ اسی خیال خام کو دل میں طے کر کے اس نے حضرت جنید کی صحبت ترک کر دی اور عزالت نشینی اختیار کر کے ذکر و فکر میں مصروف ہوا۔ تھوڑے ہی روز بعد وہ ہر شب دیکھنے لگا کہ فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور اسے لونٹ پر سوار کر کے عالم بالا کو لے جاتے ہیں اور ریاض کے گلستان کی سیر کراتے ہیں۔ ایک دفعہ اس نے اپنے بعض مخلص احباب سے ذکر کیا کہ میں بارگاہ رب العزت میں اس درجہ رفیعہ پر پہنچا ہوں کہ ملائکہ میری خدمت پر مامور ہیں اور ہر شب سوار کر کے مجھے گلستان بہشت کی سیر کراتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ خبر حضرت جنیدؒ کی سمع مہلک تک پہنچی۔ آپ بخود غلط مرید کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی زبان سے عروج و صعود کی کیفیت سن کر کہ ”آج رات کو جب جنت میں پہنچو تو ذرا حَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ پڑھ دینا“ اس نے ایسا ہی کیا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہے ”تمام شیاطین بھاگ رہے ہیں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہے اور مردوں کی ہڈیاں سانے پڑی ہیں“ یہ شخص چونکا اپنی کوتاہی و گمراہی سے توبہ کر کے حضرت جنیدؒ کے کاشانہ زہد پر حاضر ہوا۔ اور تجدیدِ صحبت کر کے پیر کے برکتِ انفاص سے درجہ کمال کو پہنچا۔ اب اسے معلوم ہوا کہ جب تک مرید درجہ کمال تک نہ پہنچ جائے اس کا شیاطین کی مغویانہ دست برد سے محفوظ رہنا محال ہے۔ یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ کوئی شخص دار دنیا میں خالقِ پچوں عزاسمہ کو ظاہری آنکھوں سے جو سر میں ہیں ہرگز نہیں دیکھ سکتا چنانچہ جناب موسیٰ علیہ السلام طالب دیدار ہوئے تو انہیں بھی ”لن ترانی“ ہی جواب ملا تھا۔ البتہ عالم آخرت میں اہل جنت کو ایسی آنکھیں عطا کی جائیں گی جو بے کیف و غیر مرئی خدا کو دیکھ سکیں گی۔

شیطان کا تخت :-

مولانا عبدالرحمن جامی نے نجات الانس میں ابو محمد خفاف کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک جگہ مشائخ شیراز کا مجمع تھا جس میں ابو محمد خفاف بھی موجود تھے۔ گفتگو مشاہدہ کے بارہ میں شروع ہوئی۔ ہر ایک نے اپنے اپنے معلومات پیش کئے۔ ابو محمد خاموشی سے سب کچھ سنتے رہے لیکن خود کچھ بیان نہ کیا۔ حصاص نے کہا کہ ”آپ بھی کچھ فرمائیے“ انہوں نے کہا یہی تحقیقات کافی ہیں۔ حصاص نے اصرار کیا تو ابو محمد خفاف کہنے لگے کہ ”یہ جس قدر گفتگو تھی حد علم میں تھی

لیکن مشاہدہ کی حقیقت کچھ اور ہی ہے ”حاضرین نے کہا ”ذرا اس کی وضاحت فرما دیجئے“ بولے ”مشاہدہ یہ ہے کہ حجاب اٹھ کر معائنہ ہو جائے“ علماء نے پوچھا یہ آپ کو کیوں کر معلوم ہوا؟ کہا کہ ”ایک مرتبہ میں تبوک میں فقر و فاقہ اختیار کئے ہوئے مناجات میں مشغول تھا کہ یک ایک حجاب اٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ عرش پر حق تعالیٰ جلوہ افروز ہے۔ میں دیکھتے ہی سجدے میں جا پڑا اور عرض کیا ترجمہ :- (الہی تو نے مجھے اپنی رحمت سے کیسے ہی بلند درجہ پر پہنچایا ہے؟) یہ سن کر سب لوگ گرداب درع میں غوطے کھانے لگے۔ جصاص ابو محمد سے کہے لگے چلے ایک یورگ کی ملاقات کر آئیں اور انھیں لندن سعدان محدث کے پاس لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو شیخ ابن سعدان سے تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ جصاص نے ان سے کہا کہ حضرت جو حدیث آپ نے میان فرمائی تھی۔

ترجمہ :- حضرت سید العرب والعم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آسمان اور زمین کے درمیان شیطان کا ایک تخت ہے جب کسی انسان کو فتنہ میں ڈالنا اور گمراہ کرنا چاہتا ہے تو وہ تخت دکھا کر اپنی طرف مائل کرتا ہے۔

ابو محمد کہنے لگے کہ ذرا ایک دفعہ پڑھئے۔ انہوں نے حدیث کا اعادہ کیا۔ ابو محمد یہ سن کر زار زار رونے لگے۔ دیوانہ وار بھاگے اور کئی روز تک غائب رہے۔ جصاص کہتے ہیں کہ جب تھوڑے روز کے بعد ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو میں نے پوچھا کہ آپ اتنے روز تک کہاں تھے؟ کہا اس کشف و مشاہدہ کے وقت سے جتنی نمازیں پڑی تھیں ان سب کی قضا کی وہ سب ایلیس کی پرستش کی تھی اور کہا اب اس کی ضرورت ہے کہ جہاں شیطان کو سجدہ کیا تھا وہیں جا کر اس پر لعنت کروں پھر چلے گئے اور دوبارہ ملاقات نہ ہوئی۔

یہاں موقع کی مناسبت سے یہ بیان کر دینا بھی ضرور ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بھی ایک شیطان کی ”شرف زیارت“ سے مشرف ہوا کرتے تھے بلکہ اس سے درجہ انس اور بے تکلفی ہو گئی تھی کہ مذاق اور دل لگی تک پہنچتی تھی۔ آخر شیطان بھی تو اپنا معبود نما جلوہ ہر کس و ناکس کو نہیں دکھاتا۔ اس ”چشمہ سعادت“ سے سیراب ہونے کیلئے بھی کچھ صلاحیت درکار ہے۔ صید ایسا ہو جس کے ساتھ لاکھوں دوسرے شکار بھی خود خود کھینچے چلے آئیں۔ وہ شکار ہی کیا جو اکیلا دام میں پھنس کر رہ جائے۔ اور دوسروں پر اس کا کوئی اثر نہ ہو۔ میرزا صاحب ”ضرورۃ الامام“ میں امام الزمان کی چھٹی علامت میں رقم فرمایا ہیں۔ ”امام الزمان کا ایسا اللہ نام نہیں ہوتا کہ جیسے کلون انداز پردہ ایک کلون پھینک جائے اور بھاگ جائے اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون تھا۔ اور کہاں گیا؟ بلکہ خدائے تعالیٰ ان سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرے پر سے جو نور محض ہے اتار دیتا ہے اور وہ اپنے تئیں ایسا پاتے ہیں کہ گویا ان سے

کوئی ٹھٹھا کر رہا ہے اور یہ کیفیت دوسروں کو میسر نہیں آتی۔ پس میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے وہ امام الزمان میں ہوں“

شیخ ابن عربی کے پیر طریقت اور تلہیس ابلیس :-

ابلیس اہل خلوت کو راہ راست سے منحرف کرنے میں ایسے ایسے کمال رکھتا ہے کہ انسانی علم و عمل کے بڑے بڑے قلعے اس کی ادنیٰ فوسوں طرازیوں سے آنا فنا زیر و زبر ہو جاتے ہیں۔ اگر توفیق الہی اور ہدایت ازلی رفیق حال ہو تو انسان میں اس کی مغویانہ دست برد سے ہر وقت محفوظ رہے ورنہ جو خفت خفتہ اور طالع گم گشتہ اپنی قسمت کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں وہ ان کو ایسی بری طرح پھینکتا ہے کہ جس کا جھکا مشرق و مغرب تک محسوس بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا لیکن آپ کو اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ اس منصب کے اور بھی دعویدار گزر چکے ہیں۔ جس طرح شیطان مع اپنی ذریات کے بد و آفرینش سے ایک حالت پر چلا آتا ہے۔ اس کے طرق اضلال میں بھی یک رنگی اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ فتوحات مکیہ باب 81 میں فرماتے ہیں کہ ”ہمارے پیر طریقت سے بھی لواکل میں کہا گیا تھا کہ تم مسیح موعود ہو“ لیکن چونکہ وہ ہر چیز کو کتاب و سنت کی عینک سے دیکھنے کے عادی تھے حق تعالیٰ نے انہیں شیطان کے دام ترویج سے محفوظ رکھا۔

حارث پر جنود ابلیس کی نگاہ التفات :-

جب جنود ابلیس نے حارث کو اپنی نگاہ التفات سے مخصوص کر کے اس پر القاء الہام کے دروازے کھولے تو اس کو عجیب قسم کی چیزیں دکھائی دینے لگیں جو پہلے کبھی مشاہدہ سے نہیں گزرتی تھیں۔ اس کے سر پر کسی عیسائی نفس شیخ طریقت کا ظلم سعادت لمحہ آگن نہیں تھا۔ جس کی طرف یہ رجوع کرتا اور وہ اسے شیطانی اغواء کو شیوں سے متنبہ کر کے صرصر ضلالت سے بچاتا۔ اس کا باپ موضع حولہ میں رہتا تھا۔ اس کو لکھ بھجیا کہ ”جلدی سے میری خبر لو۔ مجھے بعض ایسی چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جن کے متعلق خوف ہے کہ مبادا شیطان کی طرف سے ہوں“ یہ پڑھ کر گم کردہ راہ باپ نے اس کو درطہ ہلاک سے نکالنے کے بجائے الٹا گمراہی کے جال میں پھنسا دیا اور لکھ بھجیا ”بیٹا! تو اس کام کو بے خطر کر گزر جس کے کرنے کا تجھے حکم ہوا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے“

ترجمہ :- کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترا کرتے ہیں؟ وہ ایسے لوگوں پر نازل ہوتے ہیں

جو دروغ گو بد کردار ہیں۔

”تو نہ دروغ گو ہے اور نہ بد کردار۔ اس لئے تو اس قسم کے لوہام کو اپنے پاس نہ پھکنے دے اور بلا تامل اس کی تعمیل کر جس کیلئے تجھے ارشاد ہوتا ہے۔“ لیکن حادث کے باپ کا یہ استدلال بالکل باطل تھا کیونکہ اس سے اگلی آیت۔ ترجمہ :- (شیاطین کی اطلاعات سننے کیلئے کان لگائے رہتے ہیں) سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آیت ان کانہوں کے متعلق نازل ہوئی تھی جنہوں نے غیب دانی کے دعویٰ کے ساتھ تقدس مآبی کی دکانیں کھول رکھی تھیں۔ وہی لوگ شیاطین سے روابط پیدا کرتے اور ان سے غیب کی باتیں سننے کیلئے کان لگائے رکھتے تھے۔ غرض آیت کے مفہوم میں قطعاً یہ چیز داخل نہیں کہ شیاطین کانہوں کے سوا کسی دوسرے شخص سے تعرض نہیں کرتے۔ البتہ الشکر کا تو فرض منصبی ہی یہ ہے کہ بنی آدم کو ورطہ ہلاک میں ڈالے۔ وہ کفار فجار اور عوام کو تو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ یہ لوگ ان کے مساعی تزویر کے بغیر ہی ان کی خواہشات کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ البتہ خواص پر اپنا پنجہ اغواء مارنے سے کبھی نہیں چوکتے۔ لیکن بے مرشد لوگ کٹ پتلی کی طرح ان کے اشاروں پر رقص کرنے لگتے ہیں۔

حادث کے استدر راجی تصرفات :-

وہ شخص جو سدِ رفق غذا پر اکتفا کرے، کم سوئے، کم بولے، ہر وقت عبادت الہی یا پوجا پاٹ میں مصروف رہے اور نفس کشی کا شیوہ اختیار کر کے اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرے اس سے عادتِ مسترہ کے خلاف ایسے محیر العقول افعال صادر ہوتے ہیں جو دوسروں سے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگ اگر اہل اللہ میں سے ہوں تو ان کے خرق عادت کو کرامت کہتے ہیں اور اگر اہل کفر اور اصحابِ زلیج ہوں تو ایسا فعل استدر راج کے نام سے موسوم ہے۔ یہ تصرفات محض ریاضت اور نفس کشی کا ثمرہ ہیں۔ ان کو تعلق باللہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہاں اگر کوئی بزرگ شریعت اور طریقت کا جامع ہو۔ اتباع سنت اور اقتدار سلف صالح کے ساتھ ریاضت اور نفس کشی کا مسلک اختیار کر رکھی تھی اور دائم العبادت معصور الاوقات تھا۔ اس سے بھی ماوراء عقل افعال صادر ہوتے تھے۔ چنانچہ مسجد میں ایک پتھر پر انگلی مارتا تو وہ تسبیح پڑھنے لگتا۔ موسم گرما میں لوگوں کو سرما کے فواکھات اور پھل کھلاتا۔ جازوں میں تابستان کے میوے پیش کرتا اور کما کرتا کہ آؤ میں تمہیں موضعِ دیر مراں (مضافات دمشق سے فرشتے نکلتے دکھاؤں چنانچہ حاضری محسوس کرتے کہ نہایت حسی و جمیل فرشتے بصورت انسان گھوڑوں پر سوار جارہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب مرزا غلام احمد جیسے شخص کو پیروؤں کی ایک بڑی جامعیت مل گئی جس کی ذات میں نہ کوئی علمی اور عملی خوبی و دیعت تھی اور نہ کوئی دوسرا امتیازی وصف ہی پایا جاتا تھا تو پھر عوام کا لاناعام

حادث جیسے شخص کی عقیدت اور پیروی سے کیونکر مختلف کر سکتے تھے۔ جس کے خوارق و کرامات کی جلوہ نمایاں عوام کو خیرہ چشم کر رہی تھیں۔ ہزار ہا سرعشقان بادیہ ضلالت آئے اور اس کے آستانہ زہد کی جبہ سائی کرنے لگے۔

بیت المقدس کو فرار :-

جب حادث کے استدراجی کمالات نے دور رس شہرت اختیار کی تو ایک دمشق رئیس قاسم بن بخیم نام اس کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ تم کس بات کے مدعی ہو؟ کہنے لگا ”میں نبی اللہ ہوں“ قاسم کہنے لگا اے عدو اللہ تو نہیں ہے۔ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ قطعاً بند ہو چکا ہے۔ ان دنوں عبد الملک بن مروان خلافت اسلامیہ کے تخت پر جلوہ افروز تھا۔ قاسم نے جا کر خلیفہ عبد الملک سے ملاقات کی اور حادث کی فتنہ انگیزیوں کا حال مشرح بیان کیا عبد الملک نے حکم دیا کہ حادث کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے۔“ جب پولیس گرفتاری کے لئے مکان پر پہنچی تو اس کا کوئی کھوج نہ مل سکا۔ حادث دمشق سے بھاگ کر بیت المقدس پہنچا اور نہایت رازداری کے ساتھ اپنی فتنہ انگیزیوں میں مصروف ہو گیا۔ یہاں اس کے مرید ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے جو باخدا لوگوں کی ملاقات کے شائق ہوں۔ انہیں جہاں کہیں اس ذہنیت کا آدمی نظر آتا اس کو ساتھ لے جاتے اور حادث سے ملاقات کرا کے اپنی جماعت میں داخل کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک مرتبہ ایک بھری کو اپنے ساتھ لے گئے جو بیت المقدس میں نووارد تھا۔ جب اس نے توحید الہی کے متعلق حادث کی نکتہ آفرینیاں سنیں تو اس کے حقائق و معارف پر عیش عیش کر گیا لیکن جب حادث نے بتایا کہ میں نبی مبعوث ہوا ہوں تو کہنے لگا کہ آپ کی ہر بات پسندیدہ اور خوشگوار ہے لیکن آپ کے دعوے نبوت کے ماننے میں مجھے تامل ہے۔“ حادث نے کہا ”نہیں نہیں تم سوچو اور غور کرو۔“ اس وقت تو بھری بلا تسلیم دعویٰ مجلس سے اٹھ کر چلا گیا لیکن دوسرے دن پھر آیا اور کہنے لگا کہ آپ کا کلام نہایت مرغوب ہے۔ آپ کی باتیں خوب دل نشین ہوئی ہیں۔ میں آپ پر اور آپ کے دین مستقیم پر ایمان لاتا ہوں۔ غرض بادی النظر میں وہ حادث کی جماعت میں داخل ہو گیا اور شب و روز وہیں رہنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حادث کے مخصوص مریدوں میں شمار کیا جانے لگا۔

جب بھری نے حادث کے تمام جزئی و کلی حالات معلوم کر لئے تو ایک دن کہنے لگایا نبی اللہ! میں بھرہ کا رہنے والا ہوں اتفاق سے بیت المقدس آیا اور سعادت ایمان نصیب ہوئی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ بھرہ واپس جا کر لوگوں کو آپ کی نبوت کی دعوت دوں۔ حادث نے کہا ”ہاں تم ضرور اپنے وطن میں رہ کر اس خدمت کو انجام دو۔“ اب اس نے پتہ لگایا کہ خلیفہ عبد الملک

کہاں ہے؟ معلوم ہوا کہ اس وقت وہ صمرہ میں فروکش ہے۔ وہاں جا کر خلیفہ سے ملاقات کی اور حارث کی شرائط کیوں کا ذکر کیا۔ عبدالملک نے کہا وہ کہاں ہے؟ بھری نے کہا کہ وہ بیت المقدس میں فلاں جگہ چھپا ہوا ہے اور کہا کہ اگر کچھ آدمی میرے ساتھ کر دیئے جائیں تو میں اسے گرفتار کر کے بارگاہ خسروی میں پیش کر سکتا ہوں۔ خلیفہ نے چالیس فرغانی سپاہی اس کی تحویل میں دے دیئے اور ان کو حکم دیا کہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کریں۔ اس کے بعد اپنے عامل بیت المقدس کے نام بھی ایک فرمان لکھوایا جس میں بھری کو حسب ضرورت ہر قسم کی امداد بہم پہنچانے کی تاکید کی۔

سلاسل کا از خود کٹ کر گرنا حارث کی گرفتاری اور ہلاکت :-

بھری ان پیادوں کو لیکر بیت المقدس آیا اور رات کے وقت حارث کے قیام گاہ پر پہنچا۔ یہ شخص سپاہیوں کو ایک آڑ میں کھڑا کر کے پہلے خود گیا لیکن دربان نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا اور بولا کہ گو تم حضرت کے خدام میں داخل ہو تاہم اتنی رات گئے کسی کے لئے داخلہ کی اجازت نہیں۔ لیکن بھری نے سخن طرازی اور فسوں افسانہ سے رام کر کے اسے دروازہ کھولنے پر رضامند کر لیا۔ جب دروازہ کھلا تو بھری نے معا سپاہیوں کو بھی بلا لیا یہ دیکھ کر دربان اور دوسرے پیروان حارث کے ہوش اڑ گئے اور عالم سرا سیمگی میں چیخنے چلانے لگے اور بولے افسوس تم لوگ ایک نبی اللہ کو قتل کرنا چاہتے ہو جسے خدا نے آسمان پر اٹھالیا ہے۔“ جب بھری اور اس کے رفقاء کار اندر گئے تو حارث مفقود تھا۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ حارث اس وقت خطرے کا احساس کر کے ایک طاق میں چھپ گیا تھا جو مریدوں نے اس کے اختفا کے لئے بنا رکھا تھا۔ بھری سے تو کوئی بات مخفی نہیں تھی۔ اس نے طاق میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولنا شروع کیا تو ہاتھ حارث کے کپڑے سے چھو گیا۔ اس نے حارث کو پکڑ کر نیچے کھینچ لیا اور فرغانوں کو حکم دیا کہ اس کو جکڑ لو۔ انہوں نے زنجیر گردن میں ڈال کر دونوں ہاتھ گردن سے باندھے اور لے چلے۔ جب درہ بیت المقدس میں پہنچے تو حارث نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ ترجمہ :- (اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں (بغرض حال) راہ راست کو چھوڑ دوں تو یہ حق فراموشی مجھی پر وبال ہوگی اور اگر راہ ہدایت پر مستقیم رہوں تو یہ اس کلام پاک کی بدولت ہے جس کو میرا رب مجھ پر نازل فرما رہا ہے۔ اس آیت کا پڑھنا تھا کہ گلے اور ہاتھ کی زنجیر ٹوٹ کر زمین پر جا پڑی۔ یہ دیکھ کر پیادوں نے زنجیر اٹھا کر پھر ہاتھ گلے سے باندھے اپنے ساتھ لے چلے۔ جب دوسرے درہ پر پہنچے تو حارث نے مکرر یہ آیت پڑھی اور زنجیر ٹوٹ کر زمین پر جاری۔ پیادوں نے پھر سلاسل کو اٹھایا اور سہ بارہ جکڑ کر ہلے چلے۔ آخر

دمشق پہنچ کر خلیفہ عبد الملک کے سامنے پیش کیا۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ کیا واقعی تم مدعی نبوت ہو؟ حادث نے کہا کہ ہاں لیکن یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ جو کچھ کہتا ہوں وحی الہی کے بموجب کہتا ہوں۔ خلیفہ نے ایک قوی ہیکل محافظ کو حکم دیا کہ اس کو نیزہ مار کر ہلاک کر دو۔ نیزہ مارا گیا لیکن کچھ اثر انداز نہ ہوا یہ دیکھ کر حادث کے مریدوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ انبیاء اللہ کے جسم پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ “خلیفہ نے محافظ سے کہا ”شاید تم نے بسم اللہ پڑھ کر نیزہ نہیں مارا؟“ اب کہ مرتبہ بسم اللہ پڑھ کر وار کیا تو وہ بری طرح زخم کھا کر گرا اور جان دیدی۔ یہ ۲۹ ہجری کا واقعہ ہے۔

شیخ ابن تہمیہ نے کتاب ”الفرقان بین لولیاء الرحمن ولولیاء الشیطان“ میں لکھا ہے کہ حادث کی ہتکڑیاں اتارنے والا اس کا کوئی شیطان دوست تھا اور اس نے گھوڑوں کے جو سوار دکھائے تھے وہ ملائکہ نہیں بلکہ جنات تھے۔

باب نمبر 8

مغیرہ بن سعید عجلی

مغیرہ بن سعید عجلی فرقہ مغیرہ کا بانی ہے جو خلاۃ روافض کا ایک گروہ تھا۔ یہ شخص خالد بن عبداللہ قسری دالی کوفہ کا آزاد کردہ اور بڑا عالی رافضی تھا۔ حضرت امام محمد باقرؑ کی رحلت کے بعد پہلے امامت کا اور پھر نبوت کا مدعی ہوا۔

احیاء موتی اور غیب دانی کا دعویٰ :-

مغیرہ کا دعویٰ تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں۔ اور اس کی مدد سے مردوں کو زندہ لکڑوں کو منزہ کر سکتا ہوں۔ کہا کرتا تھا کہ اگر میں قوم عاد ثمود اور ان کے درمیانی عہد کے آدمیوں کو زندہ کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں۔ یہ شخص مقام میں جا کر بعض ساحرانہ کلمات پڑھتا تھا تو ٹڈیوں کی وضع کے چھوٹے چھوٹے جانور قبروں پر اڑتے دکھائی دیتے تھے۔ محمد بن عبدالرحمن بن ابولحیٰ کا بیان ہے کہ بصرہ کے ایک صاحب طلب علم کے لئے آ کر ہمارے ہاں ٹھہرے ایک دن میں نے اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ یہ دو درہم لے جا اور ان کی مچھلی خرید لا۔ یہ حکم دے کر میں اور بصری طالب العلم مغیرہ بن سعید عجلی کے پاس گئے۔ مغیرہ مجھ سے کہنے لگا اگر چاہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ تم نے اپنی خادمہ کو کس طرح کام کئے بھیجا ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ پھر کہنے لگا ”اگر چاہو تو میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تمہارے والدین نے تمہارا نام محمد کیوں رکھا تھا؟“ ”میں نے کہا نہیں“ پھر خود ہی کہنے لگا کہ تم نے اپنی خادمہ کو دو درہموں کی مچھلی خریدنے کیلئے بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی ہم دونوں اس کے پاس اٹھ کر چلے آئے۔ غرض مغیرہ کو سحر میں کامل دستگاہ حاصل تھی اور اس نے یہ نجات و طلسمات دکھا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنایا۔

عقاید و تعلیمات :-

مغیرہ کہتا تھا کہ معبود حقیقی نور کا ایک پیکر انسانی صورت پر ہے۔ الف اس کے دونوں قدموں کی مانند ہے۔ عین اس کی دونوں آنکھوں کے مشابہ ہے کہتا تھا کہ اللہ کے سر پر نور کا تاج رکھا ہے جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی آفرینش کا قصد کیا تو اپنے اسم اعظم سے معا اسم نے پرواز کی اور تاج کی شکل اختیار کر کے اس کے فرق مبارک پر آگیا۔ چنانچہ کہتا تھا کہ آیہ

سَبَّحَ اسْمُ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ میں اسم اعلیٰ سے یہی تاج مرا وہ ہے اور کہتا تھا کہ جب رب العزت نے کائنات عالم کو پیدا کرنا چاہا تو اعمال عباد کو اپنی اگلیوں سے لکھا جب رب الارباب نے اپنے بندوں کے ذنوب و معاصی پر غصبتاک ہوا تو اس کا جسم عرق آلود ہو گیا جس سے وہ دریا بہ نکلے۔ ایک شیریں ہے۔ پھر خدائے قدوس نے دریائے شیریں کی طرف نظر کی تو اس کی شکل و صورت دریا میں منعکس ہوئی۔ حق تعالیٰ نے اپنے پر تو اعمال کا کچھ حصہ لے کر اس سے سورج اور چاند بنائے اور باقی ماندہ عکس کو فنا کر دیا۔ تاکہ اس کا کوئی شریک باقی نہ رہے۔ پھر دریائی شیریں سے شیعہ پیدا کئے اور دریائے تلخ سے کفار (یعنی غیر شیعہ) کی تخلیق فرمائی۔ (کتاب الخطاط مقریزی ج 4 ص 176)

پھر اس نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی۔ لیکن انہوں نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کیا۔ یہ امانت کیا تھی؟ اس بات کا عہد تھا کہ وہ سب علیٰ کی خلافت میں مزاحم نہ ہوں گے۔ لیکن انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا۔ چنانچہ عمر بن خطابؓ نے ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ وہ اس بار امانت کو اٹھا کر علیؓ کو اس سے روک دیں اور عمرؓ نے اس شرط پر معاونت کا وعدہ کیا کہ وہ اپنے بعد انہیں خلیفہ بنا بیٹھے۔ ابو بکرؓ نے اس امانت کو اٹھا لیا اور ان دونوں نے غلبہ پاکر علیؓ کو اس سے روک دیا یہ شخص تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی باستمراء ان حضرات کے جنہوں نے حضرت علیؓ کی رفاقت اختیار کی (معاذ اللہ) تنفیہ کرتا تھا۔“ (الفرق بین الفرق ص 229، 231)

مغیرہ کی جھوٹی پیش گوئی اور مریدوں کا ”نذرانہ“ لعنت :-

مغیرہ کا عقیدہ تھا کہ حضرات علیؓ، حسنؓ، حسینؓ کے بعد امامت جناب محمد بن عبد اللہ بن حسن ثنی بن امام حسن مجتبیٰ بن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منتقل ہو گئی جو نفس زکیہ کے اقب سے مشور تھے۔ اس شخص کا استدلال اس حدیث نبوی سے تھا جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مہدی علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کا لور ان کے والد کا نام میرے اور والد کے نام کے موافق ہو گا۔ یہ وہی محمد بن عبد اللہ حسنی ہیں جنہوں نے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے عہد خلافت میں خروج کر کے حجاز مقدس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور خلیفہ منصور نے ان کے مقابلہ میں سیسی بن موسیٰ کے زیر قیادت مدینہ منورہ فوج بھیجی تھی اور جناب نفس زکیہ اس معرکہ میں جرحہ مرگ پی کر دار الحکد چلے گئے تھے۔ یہ 145ھ کا واقعہ ہے لیکن مغیرہ اس سے چھبیس سال پہلے خلیفہ ہشام بن عبد الملک ابوی کے عہد خلافت میں حلف پیغمبر بن چکا تھا جناب نفس زکیہ کو مہدی آخر الزمان قرار دے کر لور یہ کہہ کر جھوٹ بولا تھا کہ یہی روئے زمین کے مالک ہوں گے۔

حالانکہ نفس زکیہ سپاہ منصوری کے ہاتھ سے قتل ہو گئے اور نہ صرف روئے زمین کے بلکہ اس کے بیسیوں قیسویں حصہ کے بھی مالک نہ ہو سکے۔ ”البتہ ایک گروہ بدستور اپنی خوش اعتقادی پر ثابت قدم رہا۔ مؤخر الذکر جماعت نے مرزائیوں کی طرح سخن سازی سے کام لے کر اپنے دل کو بھلا لیا اور یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ قتل نہیں ہوئے بلکہ وہ کوہ حاجر میں جا کر مستور ہو گئے ہیں اور جب انہیں حکم ہو گا تو ظاہر ہو کر رکن اور مقام لہ ایم کے درمیان لوگوں سے بیعت لیں گے اور مخالف احزاب و جیوش کو منہزم کر کے روئے زمین پر اپنا عمل و دخل کر لیں گے۔“ جب ان لوگوں سے سوال کیا جاتا کہ پھر وہ شخص کون تھا جسے خلیفہ ابو جعفر منصور کے لشکر نے نذر اجل کیا تو اس کا وہ یہ معطلہ خیز جواب دیتے کہ وہ ایک شیطان تھا کہ جس نے محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ کی شکل و صورت اختیار کر لی تھی۔ غرض روافض کی مؤخر الذکر جماعت اس بناء پر محمدیہ کے نام سے موسوم ہے کہ لوگ محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ کی آمد کے منتظر ہیں۔ (الفرق ص 132)

مغیرہ کے زندہ نذر آتش کئے جانے کا ہولناک منظر:-

جب خالد بن عبد اللہ قسری کو جو خلیفہ ہشام بن عبد الملک کی طرف سے عراق کا امیر تھا معلوم ہوا کہ مغیرہ مدعی نبوت ہے اور اس نے طرح طرح کی شائستگی جاری کر رکھی ہیں۔ تو اس نے 119ھ میں اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس کے چھ مرید بھی پکڑے آئے۔ خالد نے مغیرہ سے دریافت کیا کہ تمہیں نبوت کا دعویٰ ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اس کے مریدوں سے پوچھا کہ کیا تم اس کو نبی یقین کرتے ہو؟ انہوں نے بھی اس کا اقرار کیا۔ خالد نے مغیرہ کو ارتداد کی وہ بڑی سے بڑی سزا دینی چاہی جو اس کے خیال میں ساسکی۔ اس نے سرکنڈوں کے گٹھے اور نٹھ منگوایا خالد نے مغیرہ کو حکم دیا کہ ایک گٹھے کو اٹھالے۔ مغیرہ اس سے رکا اور ہچکچایا خالد نے حکم دیا کہ مارو۔ معاً اس کے سر پر کوڑے پڑنے لگے۔ مغیرہ تھوڑی دیر میں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ (الن جریر طبری ج 8 ص 241)

اس میں شبہ نہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے انتطاع نبوت کے بعد کسی کا ادعائے نبوت کوئی ایسا معمولی سا جرم نہیں جس کی سزا قتل سے کم تجویز کی جا سکے۔ لیکن جان ستانی کا جو طریقہ خالد نے اختیار کیا وہ کسی طرح مستحسن نہ تھا۔ قتل کے موزون طریقہ بھی تھے جو اختیار کئے جا سکتے تھے۔ کسی کو آگ میں زندہ جلادینا ایک وحشیانہ فعل ہے۔ جو جاہلیت کے عہد مظلم کی یادگار ہے چنانچہ خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ارشاد سے اس کی ممانعت فرمادی ہے۔ کہ ”کسی کو عذاب اللہ کے معذب نہ کرو۔“ عذاب اللہ سے یہی اخلاق فی النار کا عذاب مراد ہے۔ خداوند عالم کے سوا کسی کو اس کا استحقاق نہیں کہ کسی ذی روح کو آگ میں جلائے۔

باب نمبر 9

بیان بن سمعان تمیمی

بیان بن سمعان تمیمی مغیرہ بن سعید غلی کا معاصر تھا۔ فرقہ بیانیہ جو خلاۃ و انفض کی ایک شاخ ہے اسی بیان کا پیرو ہے بیان نبوت کا مدعی تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں اسم اعظم کے ذریعہ سے زہرہ کو بلالیتا ہوں۔ ہزار ہا لوگ حسن ظن کے سنہری جال میں پھنس کر اس کی نبوت کے قائل ہو گئے بیان حضرت امام زین العابدینؑ کی تکذیب کرتا تھا۔ اس نے حضرت امام محمد باقرؑ جیسی جلیل القدر ہستی کو بھی اپنی خانہ ساز نبوت کی دعوت دی تھی اور اپنے خط میں جو عمر بن عقیف کے ہاتھ امام ممدوح کے پاس بھیجا لکھا تھا۔ ترجمہ :- (تم میری نبوت پر ایمان لاؤ تو سلامت رہو گے اور ترقی کرو گے۔ تم نہیں جانتے کہ خدا کس کو نبی بناتا ہے) کہتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ یہ خط پڑھ کر بہت خشمناک ہوئے اور قاصد سے فرمایا کہ اس خط کو نکل جاؤ وہ بے تامل نکل گیا اور معاذ رب کر جان دے دی۔ اس کے بعد امام نے بیان کے حق میں بھی بددعا کی چنانچہ چند ہی روز میں خالد قسری کے ہاتھوں قتل ہو کر طعمہ اجل ہو گیا کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے بھی بیان پر لعنت کی ہے۔

عقیدہ تناخ و حلول میں ہنود کا اتباع :-

بیان ہنود کی طرح تناخ و رجعت اور حلول کا قائل تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میرے جسم میں خدائے کردگار کی روح حلول کر گئی ہے اور اس کے متبعین اس کو اسی طرح خدا کا اوتار یقین کرتے تھے جس طرح ہنود رام چندر جی اور کرشن جی کو خدائے برتر کا اوتار گمان کرتے ہیں بیان اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں کہ ذات خداوندی ہر چیز میں حلول کرتی ہے۔ قرآن پاک کی متعدد آیتیں پیش کرتا تھا لیکن ظاہر ہے کہ آیات قرآنی سے اس قسم کا استدلال ایسا ہی انوکھا اور عجیب و غریب ہو گا جس طرح کہ آج کل کے گم کردگان راہ مرزائی بعض آیات قرآنی سے اپنا عقیدہ جریان نبوت ثابت کرنے کی مضحکہ خیز کوشش کیا کرتے ہیں۔ بیان کا دعویٰ تھا کہ مجھے قرآن کا صحیح بیان سمجھایا گیا ہے۔ اور آیات قرآنی کا وہ مطلب و مفہوم نہیں سمجھتے ہیں۔ اسی واسطے اس کو بیان کہتے تھے ظاہر ہے کہ عوام سے اس کی مراد علمائے امت کی جماعت تھی۔ ورنہ عامۃ الناس تو قرآن پاک کا مطلب و مفہوم اور اس کے حقائق و معارف سمجھنے سے قطعاً قاصر ہیں اور یہ کچھ بیان پر موقوف نہیں بلکہ ہر جھوٹا مدعی ازراہ خود غرضی ہمیشہ حاملین شریعت ہی کو خطاکار

بتایا کرتا ہے۔ اس فریب کاری کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انتادرجہ کا جاہل کندہ نازاش یہ کہنے لگے کہ دنیا بھر کے نامی گرامی ڈاکٹر اور حکیم خواص اود یہ اور تشخیص امراض سے نااہل ہیں۔ البتہ میں ایک ایسا شخص ہوں جس کو علم طب میں کامل بصیرت حاصل ہے۔ ”دور نہ جاؤ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی کو دیکھ لو۔ علماء تو درکنار اس شخص نے تو خود حامل وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کو (معاذ اللہ) خطا کار بتایا اور یہاں تک لکھ مارا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مسیح بن مریم علیہ السلام اور دجال اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض کی حقیقت منکشف نہ ہوئی“ اس کے یہ معنی ہوئے کہ جس چیز تک (معاذ اللہ) حضرت مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و فہم کی رسائی نہ ہوئی تھی وہ قادیانی پر منکشف ہو گئی۔

فرقہ بیانیہ کا خیال ہے کہ امامت محمد بن حنفیہ سے ان کے فرزند ابو ہاشم سے ایک وصیت کی بناء پر بیان بن سحران کی طرف منتقل ہو گئی۔ بیانیہ اپنے زعم و مقتداء کے حقیقی منصب و مقام کے متعلق مختلف بیان ہیں۔ بعض تو اس کو نبی مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بیان نے شریعت محمدی (علیٰ صاحبہ النبیۃ والسلام) کا ایک حصہ منسوخ کر دیا اور بعض اسے معبود برحق خیال کرتے ہیں بیان نے ان سے کہا تھا کہ خدا کی روح انبیاء اور آئمہ کے اجساد میں منتقل ہوتی ہوئی ابو ہاشم عبد اللہ بن حنفیہ میں پہنچی۔ وہاں سے میری طرف منتقل ہوئی۔ یعنی حلولی مذہب کے بموجب خود ربوبیت کا مدعی تھا۔ اس کے پیرو کہتے ہیں کہ قرآن کی یہ آیت بیان ہی کی شان میں وارد ہوئی ہے۔ ترجمہ :- (یہ لوگوں کیلئے بیان اور متقین کے لئے ہدایت و موعظتہ ہے) چنانچہ خود بیان نے بھی کہا ہے۔ ترجمہ :- (میں ہی بیان ہوں اور میں ہی ہدایت و موعظہ ہوں)۔

امیر المومنین علی مرتضیٰ کی خدائی کا اعتقاد :-

بیان کا دعویٰ تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اسم اعظم کے ذریعہ سے لشکر کو ہزیمت دے سکتا ہوں اور زہرہ کو بلاتا ہوں اور وہ میرے پکارنے پر جواب دیتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ معبود اذلی ایک نوری شخص ہے کہ چہرہ کے سوا جس کا تمام بدن فنا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کی ان دو آیتوں کو اپنے بیان کی تائید میں کرتا تھا۔ ترجمہ :- (مگر ان کو زعم باطل ہے) کیونکہ وجہ اللہ کے معنی ذات خداوندی ہے اور بللر ض محال خدائے برتر کے دوسرے اعضائے جسم کو فنا پذیر مان لیا جائے تو پھر چہرہ کے فانی اور زوال پذیر ہونے میں بھی کوئی مانع نہیں ہو سکتا۔ بیان حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کی خدائی کا اعتقاد رکھتا تھا۔ اور اتحاد کا قائل تھا یعنی کہتا تھا کہ خالق ارض و سماء کا ایک جزو علی علیہ السلام کے جد مبارک میں حلول کر کے ان سے متحد ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کے اندر وہی قوت الہی تھی جس کی بدولت انہوں نے درۂ خیر اکھاڑا تھا۔

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد وہ جزوالہی جناب محمد بن حنفیہ کی ذات میں پیوست ہوا۔ ان کے بعد ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد کے جسم میں جلوہ گر ہوا۔ جب وہ بھی دارالخلد کو رخصت ہو گئے تو وہ بیان سمعان یعنی خود اس کی ذات کے ساتھ متحد ہو گیا بیان یہ بھی کہا کرتا تھا کہ آسمان اور زمین کے معبود الگ الگ ہیں۔ ہشام بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو عبد اللہ جعفر صادقؑ سے عرض کیا کہ بیان ایضاً وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ کی یہ تاویل کرتا ہے آسمان کا اللہ اور ہے اور زمین کا اور۔ اور آسمان کا اللہ زمین کے معبود سے افضل ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کا معبود ایک ہی خدائے واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بیان دجال کذاب ہے۔ اور کتاب منج النعال میں ہے کہ امام ابو عبد اللہ جعفر صادقؑ فرماتے تھے کہ ارشاد خداوندی: ترجمہ :- (کیا میں بتلا دوں کہ شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں؟ دروغ گو بہ کردگار پر) میں شیاطین سے مراد سات اشخاص ہیں مغیرہ بن سعید غلی اور بیان بن سمعان تمیمی اور اسی قماش کے پانچ اور اشخاص۔ علامہ عبد القاہر بغدادی کتاب ”الفرق بین الفرق“ میں لکھتے ہیں کہ فرقہ بیانہ ملت اسلام سے خارج ہے کیونکہ یہ لوگ بیان کو معبود یقین کرتے ہیں اور اس گروہ کے جو افراد بیان کو نبی سمجھتے ہیں وہ بھی اسی شخص کی مانند ہیں جو مسیلمہ کذاب کو نبی مان کر رہے اور یہ دونوں فریق اسلامی فرقوں سے خارج ہیں“ (الفرق ص 228)

اسی پر مرزا یوں کو قیاس کر لینا چاہئے جو مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں۔

ہلاکت کا بھیانک نظارہ :-

باب سابق میں لکھا جا چکا ہے کہ خالد بن عبد اللہ قمری عامل کوفہ نے مغیرہ بن سعید غلی کو زندہ جلادیا تھا۔ بیان بھی اسی وقت گرفتار کر کے کوفہ لایا گیا تھا۔ جب مغیرہ جل کر خاک سیاہ ہو چکا تو خالد نے بیان کو حکم دیا کہ سر کندوں کا ایک گٹھا بغل میں لے لیا یہ دیکھ کر خالد نے کہا تم پر افسوس ہے کہ تم ہر کام میں حماقت اور تعجیل سے کام لیتے ہو۔ کیا تم نے مغیرہ کا حشر نہیں دیکھا؟ اس کے بعد خالد کہنے لگا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اپنے اسم اعظم کے ساتھ لشکروں کو ہزیمت دیتے ہو۔ ”اب یہ کام کر دو کہ مجھے اور میرے عملہ کو جو تیرے درپے جان ہیں ہزیمت دے کر اپنے آپ کو چالو“ مگر وہ جھوٹا تھا لب کشائی نہ کر سکا۔ آخر مغیرہ کی طرح اس کو بھی زندہ جلا کر بے نشان کر دیا گیا۔ (تاریخ طبری ج 8 ص 241)

ابو منصور عجل

یہ شخص ابتدا میں حضرت امام جعفر صادقؑ کا معتقد اور رافضی غالی تھا۔ جب امام ہمام نے اسے عقاید رافضیہ کے باعث اپنے ہاں سے خارج کر دیا تو اس نے کبیدہ خاطر ہو کر خود عوائے امامت کی ٹھان لی۔ چنانچہ اخراج کے چند ہی روز بعد یہ دعویٰ کر دیا کہ میں امام محمد باقر کا خلیفہ و جانشین ہوں اور ان کا درجہ امامت میری طرف منتقل ہو گیا ہے یہ شخص اپنے تئیں خالق کردگار کی شکل بتاتا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ امام محمد باقر کی رحلت کے بعد میں آسمان پر بلایا گیا اور معبود برحق نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ ”اے بیٹا! لوگوں کے پاس میرا پیغام پہنچا دے“ اے امامت سے پہلے تو کہا کرتا تھا کہ قرآن کی آیہ میں جو کسف کا لفظ ہے اس سے امیر المؤمنین علیؑ مراد ہیں لیکن اس کے بعد یہ کہنا شروع کیا کہ اس لفظ سے میری ذات مقصود ہے۔ مرزائیوں کی طرح نصوص صریحہ کی عجیب و غریب تاویلیں کیا کرتا تھا مثلاً قیامت اور جنت و دوزخ کا منکر تھا اور اس کی تاویل میں کبھی تو یہ کہتا کہ جنت سے فیم دنیا اور دوزخ سے مصائب دنیا مراد ہیں اور کبھی یوں ”گوہر افشانی“ کرتا کہ جنت سے وہ نفوس قدسیہ مراد ہیں جن کی محبت و دوستی واجب ہے اور وہ ائمہ اہل بیت ہیں اور دوزخ سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی عدالت فرض و واجب ہے۔ مثلاً ابو جحز، عمر، عثمان، معاویہ اسی طرح کہتا تھا کہ قرآن حکیم میں فرائض سے حضرت علیؑ اور ان کی اولاد مراد ہے اور محرمات سے حضرت ابو جحز وغیرہ مقصود ہیں۔ ابو منصور اس بات کا بھی قائل تھا کہ نبوت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات گرامی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ رسول اور نبی قیامت تک مبعوث ہوتے رہیں گے۔ اور عجب نہیں کہ مرزائیوں کے مقتدائے نبوت کے جاری رہنے کا عقیدہ اسی شخص سے حاصل کیا ہو ابو منصور کی یہ بھی تعلیم تھی کہ جو کوئی امام تک پہنچ جاتا ہے اس سے تمام تکلیفات شرعیہ اٹھ جاتے ہیں اور اس کیلئے شریعت کی پابندی لازم نہیں رہتی اس کی تعلیمات شنید میں یہ چیز بھی داخل تھی کہ جو شخص ایسے چالیس آدمیوں کو قتل کر دے جو عقاید میں ابو منصور سے مختلف الخیال ہوں تو اسے قرب خداوندی میں جگہ مل جاتی ہے۔ ابو منصور کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ جبریل امین نے پیغام رسانی میں خطا کی انہیں حضرت علیؑ کے پاس بھیجا گیا تھا لیکن وہ غلطی سے جناب محمد ﷺ کو پیغام الہی پہنچا گئے (غیۃ الطالبین) ان کے کسی شاعر نے کہا ہے۔

جبریل کی آمد زیر خالق پھوں
درپیش محمدؐ شہد مقصود علیؑ بود

علامہ عبدالقاہر نے لکھا ہے کہ ابو منصور اور اس کا گروہ قیامت اور جنت و دوزخ کا انکار کرنے کے باعث دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عبدالقاہر کو منصور مجلی کے اس عقیدہ کا علم نہیں ہوا کہ اس کے نزدیک نبوت جاری ہے ورنہ وہ اس کے عقیدہ کو بھی ان عقاید کفریہ میں شامل کرتے جن کی وجہ سے ابو منصور اور اس کے پیرو دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ جب یوسف بن عمر ثقفی کو جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی طرف سے عراق کا والی تھا ابو منصور مجلی کی تعلیمات کفریہ کا علم ہوا تو اس نے اسے گرفتار کرا کے کوفہ میں دار پر چڑھا دیا۔ (الفرق ص 214، 234)

صالح بن طریف برغواطی

کہتے ہیں کہ صالح بن طریف یہودی الاصل تھا۔ اس کا نشو و نمو سرزمین اندلس کے ایک قلعہ برباط میں ہوا۔ وہاں سے مشرق کا رخ کیا اور عبید اللہ معتزلی سے تحصیل علم کرتا رہا پھر سحر میں دستگاہ حاصل کی۔ وہاں سے سخت عسرت اور شکستہ حالی کے عالم میں تامت کے مقام پر پہنچا جو مغرب اقصیٰ میں ساحل بحر پر واقع ہے۔ وہاں بربری قبائل کو دیکھا جو بالکل جاہل اور سراپا وحشی تھے۔ اس نے انہی لوگوں میں بودوباش اختیار کر لی۔ ان کی زبان سیکھی اور سحر اور نیرنجات سے گرویدہ بنا کر ان پر حکومت کرنے لگا۔ 125ھ یا 127ھ میں دعوائے نبوت کیا۔ اس وقت خلیفہ ہشام بن عبد الملک اسلامی ممالک کا فرمانروا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں صالح کی حکومت کو وہ اوج و عروج نصیب ہوا کہ شمالی افریقہ میں اس کے کسی ہمعصر تاجدار کو وہ عظمت و شوکت حاصل نہ تھی۔ اوعائے نبوت کے علاوہ صالح کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ وہی وہ مہدی اکبر ہے جو قرب قیامت کو ظاہر ہو کر جناب مسیح بن مریم علیہ السلام کے مصاحبت اختیار کریں گے اور حضرت مسیح علیہ السلام جن کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔“ اس شخص کے کئی نام تھے۔ عربی میں صالح کے نام سے مشہور تھا سریانی میں اسے مالک کہتے تھے۔ فارسی میں اس کا نام عالم تھا اور عبرانی میں وہ روبیل اور بربری میں داربا کے ناموں سے موسوم تھا۔ داربا بربری زبان میں خاتم النبیین کو کہتے ہیں۔

صالح کا قرآن اور اس کی مضحکہ خیز شریعت :-

صالح کہتا تھا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی طرح مجھ پر بھی قرآن نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی قوم کے سامنے جو قرآن پیش کیا اس کی اسی سورتیں تھیں ان میں سے بعض یہ نام تھے۔ سورۃ الدیک۔ سورۃ الجبل، سورۃ حجر، سورۃ فیل، سورۃ آدم، سورۃ نوح، سورۃ فرعون، سورۃ موسیٰ۔ سورۃ ہارون، سورۃ ہارون و ماروت، سورۃ البلیس، سورۃ الاسباط، سورۃ الجراد، سورۃ غراب الدنیا۔ ”خوش اعتقادوں“ کے نزدیک مؤخر الذکر سورہ میں بے شمار اسرار و حقائق درج تھے۔ احکام حلال و حرام بھی اس میں مذکور تھے اور یہی وہ صورت تھی جسے اس کے مرید نماز میں پڑھنے کے پابند تھے۔ اس نے اپنا لقب صالح المؤمنین رکھا تھا اور کہتا تھا کہ میں وہی ”صالح المؤمنین“ ہوں جس کا ذکر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے قرآن میں آیا ہے۔ اب اس کی شریعت کی اُبعوجہ

نمائاں ملاحظہ ہوں۔ کتاب القرماس میں لکھا ہے کہ ”صالح کے مذہب میں حکم ہے رمضان کے جائے رجب کے روزے رکھیں۔ اس نے اپنے پیروؤں پر دس نمازیں فرض کی تھیں۔ پانچ دن میں نور پانچ رات میں۔ 21 محرم کے دن ہر شخص پر قربانی واجب کی۔ وضو میں ناف اور کمر کا دھونا بھی مشروع کیا۔ حکم دیا کہ کوئی شخص غسل جنابت نہ کرے۔ البتہ جو کوئی زنا کا مرتکب ہو وہ زنا کے بعد ضرور غسل کرے۔ اس کے پیرو صرف اشاروں سے نماز پڑھتے ہیں۔ البتہ آخری رکعت کے اخیر میں پانچ سجدے کر لیتے ہیں۔ کھانے پینے کے وقت ”یاسک یا کنسائی“ کہتے ہیں۔ ان کے زعم میں اس کی تعریف بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔ صالح نے حکم دیا کہ جس عورت سے اور جتنی عورتوں سے چاہیں شادی کریں۔ البتہ چچا کی بیٹھی سے عقد ازدواج نہ کریں“ کاش اس کا فلسفہ ہمیں بھی معلوم ہو جاتا۔ ان کے ہاں طلاق کی کوئی حد نہیں۔ یہ لوگ دن میں ہزار مرتبہ طلاق دیکر رجوع کر سکتے ہیں۔ بیوی ان باتوں سے ان پر حرام نہیں ہوتی۔ صالح نے حکم دیا تھا کہ چور کو جہاں دیکھو قتل کر دو کیونکہ اس کے خیال میں چور تلوار کی دھار کے سوا گناہ سے کسی طرح بچ نہیں ہو سکتا۔ اس کی شریعت میں ہر حلال جانور کا سر کھانا حرام تھا اور مرغی کا گوشت مکروہ تھا۔ مرغ کا ذبح کرنا اور کھانا حرام قرار دیا اور حکم دیا کہ جو کوئی مرغ ذبح کرے یا کھائے۔ وہ ایک غلام آزاد کرے اور حکم دیا کہ اس کے پیرو اپنے حکام کا لعب دہن (تھوک) بر سبیل تبرک چاٹ لیا کریں۔ چنانچہ صالح لوگوں کے ہاتھوں پر تھوکا کرتا اور وہ اسے خود چاٹ لیتے یا مریضوں کے پاس حصول شفا کی غرض سے لے جاتے۔

صالح سینتالیس سال تک دعویٰ نبوت کے ساتھ اپنی قوم کے دینی اور دنیاوی امور کا کفیل و مگر ان حال رہا۔ آخر میں تھیل و انتھال کا اشتیاق پیدا ہوا اور اپنے کفریات کے باوجود بزرگم خود کا مسلمہ ذہاب الی اللہ کا سوا سر میں سلایا۔ 174ھ میں تاج و تخت سے دستبردار ہو کر پایہ تخت سے کہیں مشرق کی طرف جا کر عزت گزین ہو گیا۔ جاتے وقت اپنے بیٹے الیاس کو وصیت کی کہ میرے دین پر قائم رہنا چنانچہ نہ صرف الیاس بلکہ صالح کے تمام جانشین پانچویں صدی ہجری کے اواسط تک ارث تاج و تخت کے علاوہ اس کی ضلالت اور خانہ ساز نبوت کے بھی وارث رہے۔

الیاس بن صالح وصیت کے بموجب اس کے تمام کفریات پر عامل و مصر رہا۔ یہاں تک کہ ہنجاہ سالہ حکومت و اغوا کوشی کے بعد 224ھ میں طعمہ اجل ہو گیا۔ اس کے بعد الیاس کا بیٹا یونس مسند حکومت پر بیٹھا۔ یہ شخص نہ صرف اپنے باپ دادا کے کفریات پر عمل پیرا بلکہ دوسروں کو بھی جبراً و قہراً ان کا پابند بنانے کی کوشش کی۔ یونس کا ظلم و عدوان یہاں تک بڑھا کہ اس نے تین سو اسی قببات و دیہات کو نذر آتش کر کے خاک سیاہ کر دیا۔ اور اس کے جرم آشایا باشندوں کو

محض اس "قصور" پر موت کے گھاٹ اتار دیا کہ وہ اس کا اور اس کے آباء کا مسلک اختیار نہیں کرتے تھے۔ اس طرح اس کی تیغ جھانے قریباً آٹھ ہزار کلمہ گوؤں کو تنگِ اجل کے حوالے کر کے دارالحد میں پہنچا دیا۔ ان ظلم آرائیوں کے بعد یونس نے حج کا قصد کیا اور اس پر یہ مثل صادق آئی "تو سوچو ہے کما کے ملی حج کو چلی" اس سے پیشتر اس کے خاندان کے کسی شخص نے حج نہیں کیا تھا۔ آخر چوالیس سال کی ظالمانہ حکومت کر کے 268ھ میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد ابو غنیر محمد بن معاذ ملک بر غواطہ کا بادشاہ ہوا۔ اس نے بھی اپنے آبا کی رسم کھن کے بموجب دعویٰ نبوت کیا۔

ابو غنیر کی چوالیس بیویاں تھیں اور شاید اتنی ہی یا اس سے کسی قدر زیادہ اولاد تھی۔ یہ شخص تیسری صدی کے اواخر میں اسی سال حکومت کر کے ہلاک ہو گیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا ابو الانصار عبداللہ تخت نشین ہوا۔ اور اپنے آباء و اجداد کا طریقہ رائج کیا۔ آخر چوالیس سال حکومت کر کے راہی ملک عدم ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو منصور عیسیٰ بائیس سال کی عمر میں باپ کا جانشین ہو کر آسمانِ شہرت پر نمودار ہوا۔ اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس کی نبوت کو یو امدوج نصیب ہوا۔ یہاں تک کہ ملک مغرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس نے اس کی عظمت و شوکت کے سامنے سرِ اقتیاد خم نہ کیا ہو۔ اس کو ایک غنیم بلکن بن زیری بن مناد صہبائی سے جنگ آزما ہونا پڑا۔ جس میں اس کو ہزیمت ہوئی اور 369ھ میں اٹھائیس سال تک دعویٰ نبوت کے ساتھ کوس لجن المملک البوم بجا میدانِ جان ستان کی نذر ہو گیا۔ اس کے بے شمار پیر و قید ہو کر قیروان لائے گئے۔ ابو منصور عیسیٰ کے بعد غالباً ابو حفص عبداللہ ابو منصور عیسیٰ کی لوداد میں سے تھا۔ داروغہ تاج و تخت ہوا۔ شاید یہی وہ بادشاہ ہے کہ صالح نے جس کے عہد سلطنت میں ظہور کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر صالح نے نہ تو اس کے زمانہ حکومت میں کبھی اپنا جلوہ دکھایا اور نہ اس کے بعد ہی کسی کو اس کی شکل دیکھنی نصیب ہوئی۔ مگر ظاہر ہے کہ صالح کی گمراہ امت نے بھی آپکل کے مرزائیوں کی طرح شرمسار ہونے کے بجائے خن سازی اور تاویل کاری کے ہتھیار تیز کر لئے ہوں گے۔ ابو منصور عیسیٰ کی ہلاکت کے بعد بر غواطہ کے اقبال نے دامنِ اوبار میں منہ چھپایا۔ چنانچہ ابو منصور عیسیٰ کے بعد تادمست لگاتار اسی سال تک شجاعان اسلام کی یورشوں کی آجاگاہ بنارہا۔ یہاں تک کہ مرابطون نے 451ھ میں تسلط کر کے وہاں فرقہ اہل سنت و جماعت کی حکومت قائم کر دی۔ (الاستکھاء جلد اول ص 103)

برغواطی حکمران جو مرزا غلام احمد سے زیادہ عرصہ تک دعویٰ نبوت پر قائم رہے :-

مرزائی لوگ یہ کہہ کر نادانوں کو مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا مفتری نہیں

گزارا جو مرزا صاحب کی طرح تیس سال کی طویل مدت تک اپنے دعویٰ پر رہا ہو اور جلد ہلاک نہ ہو گیا ہو۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب بچے نبی تھے۔ اگرچہ مرزائی لوگ اپنے پیش کردہ دعاوی حق و باطل کو کلام الہی اور ارشادات نبویہ کی روشنی میں ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ اور صادق کے صدق اور کاذب کے کذب میں کسی مدت دعویٰ کو قطعاً کوئی دخل نہیں تاہم میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر مرزائیوں کی ضد پوری کر دوں۔ متذکرہ صدر وار سے جو کتاب ”الاستکفاء اخبار دول المغرب الاقصیٰ“ (جلد اول ص 51-103) سے ماخوذ ہیں قارئین کرام اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ کم از کم مندرجہ ذیل بادشاہ مرزا غلام احمد کی مدت دعاوی سے بھی زیادہ عرصہ تک دعویٰ نبوت کے ساتھ اپنی قوم میں رہے۔ ملاحظہ ہو :-

نام مدعی نبوت	آغاز و انتہائے دعویٰ	مدت دعویٰ
صالح بن طریف	127ھ سے 174ھ تک	47 سال
ابو غنیر محمد بن معاذ	268ھ سے 297ھ تک	29 سال
ابو منصور عیسیٰ	341ھ سے 369ھ تک	28 سال

باب نمبر 12

بہا فرید زوزانی نیشاپوری

ابو مسلم خراسانی کے عہد دولت میں جو خلافت آل عباس کا بانی تھا۔ بہا فرید بن ماہ فروز بن نام ایک مجوسی جو زوزان کا رہنے والا تھا۔ خوف ضلع نیشاپور کے قریب سیروان نام ایک قصبہ میں ظاہر ہوا۔ یہ بھی نبوت دوحی کا مدعی تھا۔

باریک قمیض سے اعجاز نمائی کا کام :-

بہا فرید لوائل عہد میں زوزان سے چین کی طرف گیا۔ وہاں سات سال تک قیام کیا۔ مراجعت کے وقت دوسرے چینی تحائف کے علاوہ سبز رنگ کی ایک نہایت باریک قمیض بھی ساتھ لایا۔ بہا فرید نے اس قمیض سے معجزہ کا کام لینا چاہا۔ چین سے واپس آکر رات کے وقت وطن پہنچا۔ کسی سے ملاقات کئے بغیر رات کی تاریکی میں سید حامت خانہ کا رخ کیا اور مندر پر چڑھ کر بیٹھ رہا۔ جب صبح کے وقت پچھلیوں کی آمد و رفت شروع ہوئی تو آہستہ آہستہ لوگوں کے سامنے نیچے اترنا شروع کیا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے کہ سات سال تک غائب رہنے کے بعد اب یہ بلندی کی طرف سے کس طرح آ رہا ہے؟ لوگوں کو متعجب دیکھ کر کہنے لگا حیرت کی کوئی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم نے مجھے آسمان پر بلایا تھا۔ میں برآمد سات سال تک آسمانوں کی سیروسیاحت میں مصروف رہا۔ وہاں مجھے جنت اور دوزخ کی سیر کرائی۔ آخر رب کر دگار نے مجھے شرف نبوت سے سرفراز فرمایا اور یہ قمیض پہنا کر زمین پر اترنے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ میں ابھی آسمان سے نازل ہو رہا ہوں۔ اس وقت مندر کے پاس ہی ایک کسان اہل چلار رہا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے خود اسے آسمان سے نازل ہوتے دیکھا ہے۔ پچھریوں نے بھی اس کے اترنے کی شہادت دی۔ بہا فرید کہنے لگا کہ خلعت جو مجھے آسمان سے عنایت ہوا زیب تن ہے۔ غور سے دیکھو کہ کہیں دنیا میں بھی ایسا باریک اور نفیس کپڑا تیار ہو سکتا ہے؟ لوگ اس قمیض کو دیکھ دیکھ کر محو حیرت تھے۔ غرض آسمانی نزول اور عالم بالا کے معجزہ خلعت پر یقین کر کے ہزار ہا مجوس اس کے پیرو ہو گئے۔ اب اس نے اوعائے نبوت کے ساتھ لوگوں کے سامنے اپنے نئے دین کا خوان دعوت بچھلایا اور لوگ دھڑا دھڑا م ترویر میں پھنسنے لگے جس طرح ہمارے مرزا غلام احمد صاحب کی قادیانی نے ازراہ مال اندیشی حضرت سید الانبیاء ﷺ کی نبوت کی بھی تصدیق کی اسی طرح بہا فرید نے مجوس کے مقتدا عزت و ثناء کو سچا پیغمبر تسلیم کیا اور جس طرح مرزا غلام احمد صاحب نے دین اسلام میں سینکڑوں قسم کی رخنہ اندازیاں کیں اسی طرح اس نے مجوس کے اکثر شرائع و احکام

پر خط تنبیخ کھینچ ڈالا اور لوگوں سے بیان کیا زرتشت کے تمام پیروں پر میری اطاعت فرض ہے۔ کہا کرتا تھا کہ میرے پاس نہایت رازداری کے ساتھ احکام الہی پہنچا کرتے ہیں۔

بہا فریدی شریعت کی بوالعجبیایں :-

بہا فرید نے بیسیوں خرافات جاری کئے تھے۔ اس نے اپنی امت پر سات نمازیں فرض کیں۔ پہلی نماز خدائے برتر کی حمد و ستائش کو متضمن تھی۔ دوسری آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے متعلق تھی۔ تیسری حیوانات اور ان کے رزق کی طرف منسوب تھی۔ چوتھی دنیا کی بے ثباتی اور موت کی یاد دہانہ کیر پر مشتمل تھی۔ پانچویں کا تعلق بعثت اور یوم عدالت سے تھا۔ چھٹی میں ارباب جنت کی راحت اور اہل دوزخ کے مصائب کی یاد تازہ کی جاتی تھی۔ ساتویں نماز میں صرف اہل جنت کی عورتوں اور اقبال مندی کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا تھا۔ بہا فرید نے اپنے پیروں کیلئے ایک فارسی کتاب بھی مدون کی اور حکم دیا کہ تمام لوگ آفتاب کو سجدہ کریں لیکن سجدہ کے وقت دونوں گھٹنے زمین پر نہ لگیں بلکہ ایک زانو سے سجدہ جالایا جائے۔ استقبال قبلہ کے جائے حکم تھا کہ آفتاب کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کی جائیں۔ سورج جس رخ پر ہوتا تھا اسی طرف منہ کیا جاتا تھا۔ بال کاٹنے یا مونڈنے کی ممانعت تھی بلکہ حکم تھا کہ سب لوگ اپنے گیسو اور کاکل چھوڑ دیں۔ اس کی شریعت کا ایک یہ بھی حکم تھا کہ جب تک موسیٰ بڈھا اور لاغر نہ ہو جائے اس کی قربانی نہ دیں۔ شرب خمر کی ممانعت کی اور حکم دیا کہ چار سو درہم سے زیادہ کسی عورت کا مہر نہ باندھا جائے۔

بہا فرید کا قتل :-

جب ابو مسلم خراسانی نیشاپور آیا تو مسلمانوں اور مجوسیوں کا ایک وفد اس کے پاس پہنچا اور شکایت کی بہا فرید نے دین اسلام اور کیش مجوس میں فساد و رخنہ اندازیاں کر رکھی ہیں۔ ابو مسلم نے عبد اللہ بن شعبہ کو اس کے حاضر کرنے کا حکم دیا اور بہا فرید کو معلوم ہو گیا کہ اس کی گرفتاری کا حکم ہوا ہے۔ فوراً نیشاپور سے بھاگ نکلا۔ عبد اللہ بن شعبہ نے تعاقب کر کے جبل بادغیس پر جالیا۔ اور گرفتار کر کے ابو مسلم کے سامنے لا حاضر کیا۔ ابو مسلم نے دیکھتے ہی خنجر خدا شکاف کا وار کیا اور سر قلم کر کے اس کی نبوت کا خاتمہ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اس کے گم کردگان راہ پیرو بھی قعر ہلاک میں ڈالے جائیں۔ وہ بہا فرید کی گرفتاری سے پہلے ہی بھاگ چکے تھے اس لئے بہت تھوڑے آدمی ابو مسلم کی فوج کے ہاتھ آئے۔ اس کے پیرو بہا فرید کہلاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ان کے نبی کے خاص خادم نے انہیں اطلاع دی تھی کہ بہا فرید ایک مشکیں گھوڑے پر سوار ہو کر آسمان پر چڑھ گیا تھا اور وہ کسی مستقبل زمانہ میں آسمان سے نازل ہو کر اپنے اعداء سے انتقام لے گا۔

اسحاق اخرس مغربی

اسحاق اخرس ملک مغرب کا رہنے والا تھا۔ اہل عرب کی اصطلاح میں مغرب شمالی افریقہ کے اس حصہ کا نام ہے جس میں مراکش، تونس، الجزائر وغیرہ ممالک داخل ہیں۔ اسحاق 135ھ میں اصفہان میں ظاہر ہوا۔ ان ایام میں ممالک اسلامیہ پر خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کا پرچم اقبال لہرا رہا تھا۔ اہل سیر نے اس کی دکان آرائی کی کیفیت اس طرح لکھی ہے کہ پہلے اس نے صحف آسمانی قرآن، تورات، انجیل اور زیور کی تعلیم حاصل کی۔ پھر جمیع علوم رسمہ کی تکمیل کی۔ زمانہ دراز تک مختلف زبانیں سیکھتا رہا۔ مختلف اقسام کی صنایعوں اور شعبہ بازیوں میں مہارت پیدا کی۔ اور ہر طرح سے باکمال اور بالغ النظر ہو کر اصفہان آیا۔

کامل دس سال تک گونگا بنا رہا :-

اصفہان پہنچ کر ایک عربی مدرسہ میں قیام کیا اور یہیں کی ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں کامل دس سال تک کج عزلت میں گزارا۔ یہاں اس نے اپنی زبان پر ایسی مہر سکوت لگائے رکھی کہ ہر شخص اسے گونگا یقین کرتا رہا۔ اس شخص نے اپنی بام نہاد جہالت و بے علمی اور تصنع آمیز عدم گویائی کو اس ثبات و استقلال کے ساتھ بنایا کہ دس سال کی طویل مدت میں کسی کو وہم و گمان تک نہ ہوا کہ اس کی زبان کو بھی قوت گویائی سے کچھ حصہ ملا ہے۔ یا یہ شخص ایک علامہ دہر اور یکتائے روزگار ہے۔ اسی بنا پر یہ اخرس یعنی گونگے کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ ہمیشہ اشاروں سے اظہار مدعا کرتا۔ ہر شخص سے اس کا رابطہ مودت و شناسائی قائم تھا۔ کوئی بڑا چھوٹا ایسا نہ ہوگا جو اس کے ساتھ اشاروں کنایوں سے تھوڑا بہت مذاق کر کے تفریح طبع نہ کر لیتا ہو۔ اتنی صبر آزما مدت گزار لینے کے بعد آخر وہ وقت آیا جبکہ مہر سکوت توڑ دے اور کشور قلوب پر اپنی قابلیت اور نطق و گویائی کا مسکہ بٹھادے۔ اس نے نہایت رازداری کے ساتھ ایک نہایت نفیس قسم کا روغن تیار کیا۔ اس روغن میں یہ صنعت تھی کہ اگر کوئی شخص اسے چہرے پر مل لے تو اس درجہ حسن و تجلی پیدا ہو کہ کوئی شخص شدت انوار سے اس کے نورانی طلعت کے دیکھنے کی تاب نہ لاسکے۔ اسی طرح اس نے خاص قسم کی دورنگ دار شمعیں بھی تیار کر لیں اور اس کے بعد ایک رات جبکہ تمام لوگ محو خواب و استراحت تھے، اس نے وہ روغن اپنے چہرہ پر ملا اور شمعیں جلا کر سامنے رکھ دیں۔ ان کی روشنی میں چہرہ میں ایسی رعنائی اور دل فریبی اور چمک دمک پیدا

ہوئی کہ آنکھیں خمرہ ہوتی تھیں۔ اس کے بعد اس نے اس زور سے چیخا شروع کیا کہ مدرسہ کے تمام مکین جاگ اٹھے۔ جب لوگ اس کے پاس آئے تو اٹھ کر نماز میں مشغول ہو گیا اور ایسی خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ کہ آواز بلند قرآن پڑھنے لگا کہ بڑے بڑے قاری بھی عیش عیش کر گئے۔

صدر المدرسین اور قاضی شہر کی بدحواسی :-

جب مدرسہ کے معلمین اور طلبہ نے دیکھا کہ مادر زاد گونگابا تیں کر رہا ہے۔ اور قوت گویائی کیسی ہے کہ اسے اعلیٰ درجے کی فصاحت اور فنِ قرآنہ تجوید کا کمال بھی عطا گیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کا چہرہ ایسا درخشاں ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تو لوگ سخت حیرت زدہ ہوئے۔ خصوصاً مدرس صاحب تو بالکل قوائے عظیمہ کھو بیٹھے۔ صدر صاحب جس درجہ علم و عمل اور صلاح و تقویٰ میں عدیم المثال تھے۔ اسی قدر اہل زمانہ کی عیاریوں سے نا آشنا اور نہایت سادہ لوح واقع ہوئے تھے۔ وہ بڑی خوش اعتقادی سے فرمانے لگے ”کیا اچھا ہو اگر عمائد شہر بھی خدا سے قادر و توانا کے اس کرشمہ قدرت کا مشاہدہ کر سکیں۔ اب اہل مدرسہ نے صدر مدرس صاحب کی قیادت میں اس غرض سے شہر کا رخ کیا کہ اعیان شہر کو بھی خداوند عالم کی قدرت قاہرہ کا یہ جلوہ دکھائیں۔ شہر پناہ کے دروازہ پر آئے تو اس کو مقفل پایا۔ چابی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ ان لوگوں پر خوش اعتقادی اور گرمجوشی کا بھوت اس درجہ سوار تھا کہ شہر کا مقفل دروازہ اور اس کی سنگین دیواریں بھی ان کی راہ میں حائل نہ رہ سکیں۔ کسی نہ کسی تدبیر سے شہر میں داخل ہو گئے۔ اب صدر مدرس صاحب تو آگے آگے جا رہے تھے اور دوسرے مولوی صاحبان اور ان کے تلامذہ پیچھے پیچھے سب سے پہلے قاضی شہر کے مکان پر پہنچے۔ قاضی صاحب رات کے وقت اس غیر معمولی ازدحام اور اس کی شور و پکار سن کر مضطربانہ گھر سے نکلے اور ماجرا دریافت فرمایا۔ بد نصیبی سے قاضی صاحب بھی پیرایہ حزم و دور اندیشی سے عاری تھے۔ انہوں نے گود دیکھنا نہ تاؤ سب مجمع کو ساتھ لیکر وزیر اعظم کے در دولت پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔ وزیر بالتدبیر نے ان کی رام کہانی سن کر کہا کہ ابھی رات کا وقت ہے۔ آپ لوگ جا کر اپنی اپنی جگہ آرام کریں۔ دن کو دیکھا جائے گا کہ ایسی بزرگ ہستی کی عظمت شان کے مطابق کیا کارروائی مناسب ہوگی؟“ غرض شہر میں ہلچل مچ گیا۔ باوجود ظلمت شب کے لوگ جوق در جوق چلے آ رہے تھے اور خوش اعتقادوں نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ قاضی صاحب چند روز سائے شہر کو ساتھ لیکر اس ”بزرگ ہستی“ کا ”جمال مبارک“ دیکھنے کیلئے مدرسہ میں آئے مگر دروازہ کو مقفل پایا۔ اسحاق اندر ہی بڑا جہان تھا۔ قاضی صاحب نے نیچے سے پکار کر کہا ”حضرت والا! آپ کو اسی خدائے ذوالجلال کی قسم! جس نے آپ کو اس کرامت اور منصبِ جلیل سے نوازا۔ ذرا دروازہ

کھولے اور مشتاقانِ جمال کو شرف دیدار سے مشرف فرمائیے۔ یہ سن کر اسحاق بول اٹھا۔ ”اے قفل! کھل جا“ اور ساتھ ہی کسی حکمت عملی سے کنبی کے بغیر قفل کھول دیا۔ قفل کے گرنے کی آواز سن کر لوگوں کی خوش اعتقادی اور بھی دو آتشہ ہو گئی۔ لوگ ”بزرگ“ کے رعب سے ترساں و لرزاں تھے۔ دروازہ کھلنے پر سب لوگ اسحاق کے ردد و نہایت مؤدب ہو کر جا بیٹھے۔ قاضی صاحب نے نیاز مندانہ لہجہ میں التماس کی کہ ”حضور والا! سارا شہر اس قدرت خداوندی پر متحیر ہے اگر حقیقت حال کا چہرہ کسی قدر بے نقاب فرمایا جائے تو یوی نوازش ہوگی۔“

اسحاق کی ظلی بروزی نبوت :-

اسحاق جو اس وقت کا پہلے سے خطر تھا نہایت ریاکارانہ لہجہ میں بولا کہ چالیس روز چتر ہی فیضان کے کچھ آثار نظر آنے لگے تھے۔ آخر دن بدن القائے ربانی کا سرچشمہ دل میں موجیں مارنے لگا۔ حتیٰ کہ آج رات خدائے قدوس نے اپنے فضل مخصوص سے اس عاجز پر علم و عمل کی وہ وہ راہیں کھول دیں کہ مجھ سے پہلے لاکھوں رہروان منزل اس کے خیال اور تصور سے بھی محروم رہے تھے اور وہ اسرار و حقائق مشکف فرمائے کہ جن کا زبان پر لانا مذہب طریقت میں ممنوع ہے۔ البتہ مختصر اتنا کہنے کا مجاز ہوں کہ آج رات دو فرشتے حوض کوثر کا پانی لیکر میرے پاس آئے۔ مجھے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کہنے لگے السلام علیک یا نبی اللہ! مجھے جواب میں تامل ہوا۔ اور گھبراہٹ یا عظیم یہ کیا اہتلا ہے؟ ایک فرشتہ بزبان فصیح یوں گویا ہوا۔ ترجمہ :- ”اے اللہ کے نبی بسم اللہ کہہ کر ذرا منہ تو کھولے“ میں نے منہ کھول دیا اور دل میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا ورد کرتا رہا۔ فرشتہ نے ایک نہایت لذیذ چیز منہ میں رکھ دی۔ یہ تو معلوم نہیں کہ وہ چیز کیا تھی؟ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ وہ شہد سے زیادہ شیریں، مشک سے زیادہ خوشبو اور برف سے زیادہ سرد تھی۔ اس نعمت خداوندی کا حلق سے نیچے اترتا تھا کہ میری زبان گویا ہو گئی اور میرے منہ سے یہ کلمہ نکلا۔ ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ یہ سن کر فرشتوں نے کہا ”محمد ﷺ کی طرح تم بھی رسول اللہ ہو“ میں نے کہا ”میرے دوستو! تم یہ کیسی بات کہہ رہے ہو۔ مجھے اس سے سخت حیرت ہے بلکہ میں تو عرق خجالت میں ڈوبا جاتا ہوں۔“ فرشتے کہنے لگے ”خدائے قدوس نے تمہیں اس قوم کیلئے نبی مبعوث فرمایا ہے۔“ میں نے کہا کہ جناب باری نے تو سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام روحی فدہ کو خاتم الانبیاء قرار دیا اور آپ کی ذات اقدس پر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اب میری نبوت کیا معنی رکھتی ہے؟ کہنے لگے درست ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مستقل حیثیت رکھتی ہے اور تمہاری بالتبع اور ظلی و بروزی ہے“ معلوم ہوتا ہے کہ مرزائیوں نے انقطاع نبوت کے بعد ظلی بروزی نبوت کا ڈھکوسلہ اسی اسحاق سے اڑایا

ہے ورنہ قرآن و حدیث اور اقوال سلف صالح میں اس چیز کا کہیں وجود نہیں بلکہ خود شارح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو امر خلافت میں جناب ہارون علیہ السلام سے جو ایک غیر شرعی اور تابع نبی تھے تشبیہ دے کر آئندہ کے لئے ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ کر دیا اب ظلی بروزی نبوتوں کا افسانہ محض شیطانی اغواء ہے۔

اسحاق کے ”معجزات باہرہ“ :-

اس کے بعد اسحاق نے حاضرین سے بیان کیا کہ جب ملائکہ نے مجھے ظلی بروزی نبوت کا منصب تفویض فرمایا تو میں اپنی معذوری ظاہر کرنے لگا اور کہا دوستو! میرے لئے تو نبوت کا دعویٰ بہت سی مشکلات سے لبریز ہے کیونکہ بوجہ معجزہ نہ رکھنے کے کوئی شخص میری تصدیق کا جذبہ پیدا کرے گا یہاں تک کہ زمین و آسمان تمہاری تصدیق کے لئے کھڑے ہو جائیں گے لیکن میں نے ایسی خشک نبوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور اس بات پر مصر ہوا کہ کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور چاہئے جب میرا اصرار حد سے گزر گیا تو فرشتے کہنے لگے۔ ”اچھا معجزہ بھی لیجئے جتنی آسانی کتابیں انبیاء پر نازل ہوئیں تمہیں ان سب کا علم دیا گیا۔ مزید براں کئی ایک زبانیں اور کئی قسم کے رسم الخط تمہیں عطا کئے اس کے بعد فرشتے کہنے لگے کہ قرآن پڑھو میں نے جس ترتیب سے قرآن نازل ہوا تھا پڑھ کر سنا دیا۔ انجیل پڑھوائی وہ بھی سنادی پھر تورات، زبور اور دوسرے آسمانی صحیفے پڑھنے کو کہا۔ وہ بھی سب سنا دیئے مگر میرے قلب منور پر جو ان کتب مقدسہ کا القاء ہوا تو اس میں کسی تحریف، تصحیف اور اختلاف قراءہ کا کوئی شبہ نہیں بلکہ جس طرح ان کی تزیل ہوئی تھی اسی طرح یہ بے کم و کسرت میرے دل پر القاء کی گئیں چنانچہ فرشتوں نے فوراً تصدیق کر دی۔ ملائکہ نے صحف سناویہ کی قراءت سن کر مجھ سے کہا۔ ترجمہ :- (اب کمر ہمت باندھ لو اور لوگوں کو غضب الہی سے ڈراؤ) یہ کہ کر فرشتے رخصت ہو گئے اور میں جھٹ نماز اور ذکر الہی میں مصروف ہو گیا آج رات جن انوار و تجلیات کا میرے دل پر ہجوم ہے زبان اس کی شرح سے قاصر ہے۔ غالباً ان انوار کے کچھ آثار میرے چہرے پر بھی نمایاں ہو گئے ہوں گے یہ تو میری سرگزشت تھی۔ اب میں تم لوگوں کو متنبہ کر دیتا چاہتا ہوں کہ جو شخص خدا، محمدؐ اور مجھ پر ایمان لایا۔ اس نے فلاح و ستکاری پائی۔ اور جس نے میری نبوت سے انکار کیا اس نے محمدؐ کی شریعت کو عیا کر دیا ایسا منکر ابد الابد جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔“

عسا کر خلافت سے معرکہ آرائیاں :-

عوام کا معمول ہے کہ جو نئی نفس المارہ کے کسی پوجاری نے اپنے دجالی تقدس کی ذیلی جانی

شروع کی اس پر پروانہ دار کرنے لگے۔ اسحاق کی تقریر سن کر عجم کا پائے ایمان ڈگمگا گیا اور ہزار ہا آدمی نقد ایمان اس کی نذر کر بیٹھے اور جس لوگوں کا دل نور ایمان سے متجلی تھا وہ ہزار ہو کر چلے گئے حاملین شریعت نے کم کردگان راہ کو بہتر سمجھایا کہ انہیں دجال کذاب اور رہزن دین و ایمان ہے۔ لیکن عقیدت مندوں کی ”خوش اعتقادی“ میں ذرا فرق نہ کیا بلکہ جوں جوں علمائے حق انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے ان کا جنون ”خوش اعتقادی“ اور زیادہ بڑھتا جاتا تھا آخر اس شخص کی قوت اور جمعیت یہاں تک ترقی کر گئی کہ اس کے دل میں ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی چنانچہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے عمال کو مقرر و مغلوب کر کے بصرہ عمان اور ان کے توابع پر قبضہ کر لیا۔ بڑے بڑے معرکے ہوئے آخر مساکر خلافت مظفر و منصور ہوئے اور اسحاق مارا گیا کہتے ہیں کہ اس کے پیر و اب تک عمان میں پائے جاتے ہیں۔

استاد سیس خراسانی

جن ایام میں اسلامی سیاسیات کی باگ ڈور خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے ہاتھ میں تھی، استاد سیس نام ایک مدعی نبوت ہرات، مزنغیس بختان وغیرہ اطراف خراسان میں ظاہر ہوا دعوائے نبوت کے بعد عامۃ الناس اس کثرت سے اس کے دام ترویج میں پھنسنے کہ چند ہی سال میں اس کے پیروؤں کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی اتنی بڑی جمعیت دیکھ کر اس کے دل میں استعمار اور ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی اور وہ خراسان کے اکثر علاقے دبا بٹھایا دیکھ کر انجٹم عامل مرد روز نے ایک لشکر مرتب کیا اور استاد سیس سے جا بھڑا۔ استاد کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی اس نے انجٹم کے لشکر کا بیشتر حصہ بالکل غارت کر دیا اور خود انجٹم بھی میدان جانستان کی نذر ہو گیا انجٹم کے مارے جانے کے بعد خلیفہ نے اور بھی سپہ سالار فوجیں دے کر روانہ کئے مگر یا تو وہ مارے گئے یا سرکوب ہو کر واپس آئے۔ جب استاد سیس نے خلیفہ کے آخری سپہ سالار کو پسپا کیا ہے تو اس وقت خلیفہ منصور بروان کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ عساکر خلافت کی تہیم ہر سہموں اور پامالیوں پر خلیفہ سخت پریشان تھا۔ آخر خازم بن خزیمہ نام ایک نہایت جنگ آزمودہ فوجی افسر کو اس غرض سے ولی عہد سلطنت مہدی کے پاس نیشاپور بھیجا کہ اس کی صولہ یہ کے بموجب استاد کے مقابلہ پر جائے۔ مہدی نے اسے تمام نشیب و فراز سمجھا کر چالیس ہزار کی جمعیت سے روانہ کیا۔ خازم کی اعانت کیلئے اور بھی آزمودہ کار افسر روانہ کئے گئے۔ بکار بن مسلم عقیلی نام کے مشہور سپہ سالار بھی خازم کے ماتحت روانہ کیا گیا۔ اس وقت خازم کے مینہ پریشم بن شعبہ میسرہ پر نہار بن حصین اور مقدمہ پر بکار بن مسلم عقیلی متعین تھا۔ جھنڈا زہر قان کے ہاتھ میں تھا۔ خازم نے میدان کارزار میں جا کر اچھی طرح کچھ بھال کی اور غنیم کو دھوکا دینے کی غرض سے بہت سی خندقیں بنوائیں اور مورچے قائم کئے۔ اور ہر ایک خندق کو بذر یہ سرنگ ملا دیا۔ ان سب کے علاوہ ایک خندق اتنی بڑی کھدوائی جس میں خازم کا سارا لشکر سا ملتا تھا اور خندق کے چار دروازے ہوئے۔ ہر دروازہ پر ایک ایک ہزار چیدہ سپاہی کار آزمودہ سرداروں کی قیادت میں متعین کئے۔ سیس کے پیرو بھی ساز و سامان سے لیس ہو کر مقابلہ کو آئے۔ ان کے ساتھ بھی پھاوڑے، کدال اور ٹوکریاں تھیں۔ انہوں نے پہلے اس دروازہ سے جنگ شروع کی۔ جس طرف بکار بن مسلم تھا۔ بکار اور اس کی فوج اس بے جگری سے لڑی کہ سیس کے دانت کھٹے کر دیئے۔ ادھر سے ہٹ کر وہ اس طرح کو جھکا جس دروازہ پر خود خازم مستعد جنگ کھڑا تھا۔ اسی طرح

پیردان سیس میں سے حریش نام ایک فوجی سردار بھی اہل بھستان کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے بقصد جنگ خازم کی طرف بڑھا۔ خازم نے حریش کو اپنی طرف آتے دیکھ کر یثیم بن شعبہ کو بھار کی طرف سے نکل کر حریش پر عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود خازم سینہ سپر ہو کر حریش کے مقابلہ پر آیا اور نہایت پامردی سے تور حرب گرم کیا۔ اس اثنا میں حریش کے پیچھے سے لشکر یثیم کے پھریرے ہوا میں اڑتے دکھائی دیئے۔ خازم کے لشکریوں نے جوش جہاد میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ اسی طرح خازم نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا اور اپنی اجتماعی قوت سے یکبارگی ہلہ بول دیا۔ جو نئی سیس اور حریش کی ہرکاب فوجیں بقصد فرار پیچھے ہٹیں۔ یثیم کی سپاہ نے انہیں تلواروں اور نیزوں پر رکھ لیا۔ اتنے میں نہار بن حصین اپنی فوج کے ساتھ میسرہ سے اور بکار بن مسلم اپنی جمیعت کے ساتھ اگلی جانب سے نکل کر غنیم پر حملہ آور ہوئے اور بہت دیر تک قتل اور خونریزی کا بازار گرم رہا۔ عساکر خلافت نے دشمن پر اتنی تلوار چلائی کہ میدان جنگ میں ہر طرف مرتدین کی لاشوں کے انبار لگ گئے اس معرکہ میں سیس کے قریباً سترہ ہزار آدمی کام آئے اور چودہ ہزار قید کر لئے گئے۔ سیس بقیۃ السیف تیس ہزار فوج کو پہاڑ کی طرف لے بھاگا اور وہاں اس طرح جا چھپا جس طرح خرگوش شکاریوں کے خوف سے کھیتوں میں جا چھپتا ہے۔ خازم فتح و ظفر کے پھریرے اڑاتا ہوا پہاڑ پر پہنچا اور محاصرہ ڈال دیا۔ اتنے میں شاہزادہ ممدی نے ابو عون کی قیادت میں بہت سی کمک بھیج دی۔ ابو عون اپنی فوج لیکر اس وقت پہنچا جب استاد سیس محصور ہو چکا تھا۔ آخر سیس نے محاصرہ سے تنگ آکر اپنے تئیں خازم کے سپرد کر دیا۔ استاد سیس اپنے بیٹوں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ خازم نے ممدی کے پاس فوراً فتح کا مژدہ لکھ بھیجا۔ جو نئی یہ بہت افزاء خبر ممدی کے پاس پہنچی اس نے اپنے باپ خلیفہ منصور کے پاس فتح و نصرت کا تمینیت کا پیغام بھیجا۔

یاد رہے کہ یہی ممدی خلیفہ ہارون رشید کا باپ تھا۔ کہتے ہیں کہ استاد سیس خلیفہ مامون کا نانا یعنی سراجل مادر مامون کا باپ تھا اور اس کا بیٹا غالب جس نے فضل بن سہل برکی کو قتل کیا تھا۔ خلیفہ مامون (ہارون رشید) کا مامول تھا۔

ابو عیسیٰ اسحاق اصفہانی

ابو عیسیٰ اسحاق بن یعقوب اصفہان کا ایک یہودی تھا۔ جو الوہیم (عابد اللہ) کے لقب سے مشہور تھا۔ یہود کا ایک مذہب ہی گروہ جسے عیسویہ کہتے ہیں یہود حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی نہیں مانتے بلکہ وہ آج تک اس مسیح کی آمد کے منتظر چلے آتے ہیں جس کے ظہور کی بشارت جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام نے دی تھی۔ ابو عیسیٰ نے دعویٰ کیا کہ میں مسیح منتظر کا رسول ہوں۔ اس کا بیان تھا کہ مسیح منتظر سے پہلے یکے بعد دیگرے پانچ رسول مبعوث ہوں گے۔ جن کی حیثیت جناب مسیح موعود کی سی ہوگی۔ یہ اس بات کا مدعی تھا کہ خالق کردگار مجھ سے ہم کلام ہوا ہے اور مجھے اس بات کا مکلف بنایا ہے کہ میں بنی اسرائیل کو غاصب قوموں کا ظالم حکمرانوں کے پیچہ میداد سے مخلصی بخشوں۔ اس کا دعویٰ تھا کہ مسیح بنی آدم میں سب سے افضل ہے۔ اسے تمام انبیائے ماضیین پر شرف و برتری حاصل ہے اور اس کی تصدیق ہر شخص پر واجب ہے۔ کہا کرتا تھا کہ میں مسیح موعود کا داعی ہوں اور داعی بھی مسیح ہوتا ہے۔ اس نے بھی اپنے پیروؤں کیلئے ایک کتاب مدون کر کے اس کو منزل من اللہ بتایا۔ اس میں اس نے تمام ذبايح کو حرام قرار دیا ہے اور طہور ہوں یا یمائے علی الاطلاق ہر ذی روح کے کھانے سے منع کیا ہے۔ اپنے پیروؤں پر دس نمازیں قرض کیں۔ ان کے اوقات معین کر دیے اور ہر ایک کو قیام نماز کی سخت تاکید کی۔ اس نے یہود کے بہت سے احکام شریعت کی جو تورات میں مذکور ہیں مخالفت کی۔ بے شمار یہود نے اس کی متابعت اختیار کی اور حسب مصداق ”پیران نمی پرند مریدان می پرانند“ بے شمار کایات و معجزات کو اس کی طرف منسوب کر دیا۔ جب جمعیت بہت بڑھ چلی تو اس نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ رے میں خلیفہ ابو جعفر منصور کے لشکر سے اس کی مدد بھیجی ہوئی۔ لڑائی سے پہلے اس نے اپنے ہاتھ کی لکڑی سے زمین پر ایک خط کھینچ کر اپنے پیروؤں سے کہا کہ تم لوگ اس خط پر قائم رہو اور اس سے آگے نہ بڑھو۔ دشمن کی مجال نہیں کہ اس خط سے آگے بڑھ کر تم پر حملہ آور ہو سکے۔ آخر جب رزم و پیکار کے وقت لشکر منصوری پیش قدمی کرتا ہوا خط کے پاس پہنچا۔ اور اس نے دیکھا کہ اس کے جھوٹ کا پول کھلنے والا ہے تو جھٹ اپنے پیروؤں سے علیحدہ ہوا اور خط پر پہنچ کر لڑائی شروع کر دی اس کو دیکھ کر اس کے پیرو بھی خط پر آگئے اور آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ گو مسلمان بھی بھڑت شہید ہوئے لیکن انہوں نے مارتے مارتے دشمن کا بالکل ستھراؤ کر دیا۔ ابو عیسیٰ مارا گیا اور اس کے اکثر پیرو بھی علف تیغ ہو کر دنیا سے نابود ہو گئے۔

باب نمبر 16

حکیم مُقَتَّع خراسانی

حکیم مُقَتَّع خراسانی کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثر مَوَرِ خَیْن نے عطا لکھا ہے اور بعض نے ہشام یا ہاشم بتایا ہے کہ حکیم کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ مرد کے پاس ایک گاؤں میں جس کو ”کازہ کمن دات“ کہتے تھے ایک غریب دھوئی کے گھر پیدا ہوا اس کی پیدائش کے وقت کسی کو کیا خبر تھی کہ ایک دن یہی غریب دھوئی کا لڑکا تاریخ عالم کے صفحات پر شہرت دوام کا خلعت حاصل کرے گا۔ نہایت طباع و ذہین تھا اپنا آبائی پیشہ چھوڑ کر علم و فضل کی طرف متوجہ ہوا اپنی تمام بے سروسامانیوں کے باوجود اس نے علوم نظریہ میں وہ درجہ حاصل کیا کہ نواح خراسان میں کوئی شخص اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا خصوصاً علم بلاغت، احکمت و فلسفہ شعبہ و حیل طلسمات و سحر اور نیر نجات میں برآمد روزگار تھا اس نے اپنی جودت طبع سے عجیب و غریب چیزیں ایجاد کیں اور صنائع و بدائع کے ذریعہ سے بہت جلد آسمان شہرت و ناموری پر چپکنے لگا۔ لیکن اس کی خلقت میں ایک ایسا عیب تھا جس کی وجہ سے اس کی مقبولیت میں گونہ فرق پڑتا تھا۔ وہ یہ کہ نہایت کریمہ النظر، پست قامت حقیر اور کم رو شخص تھا اور اس پر طرہ یہ کہ واحد العین تھا یعنی ایک آنکھ کافی تھی جسے دیکھ کر دلوں میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہوتی تھی۔ اس عیب کے چھپانے کے لئے وہ ہر وقت سونے کا ایک خوبصورت اور چمکدار چہرہ طیار کر کے منہ پر چڑھائے رکھتا اور بغیر اس نقاب کے کسی کو اپنی شکل نہ دکھاتا تھا۔ علامہ عبد القاہر بغدادی نے طلائی کی جگہ ریشمین چہرہ لکھا ہے۔ عجب نہیں کہ زر روزی کی قسم کا کوئی ریشمین نقاب ہو۔ بہر حال اس تدبیر سے اس نے لوگوں کی نفرت کو گرویدگی سے بدل دیا۔ اور اسی نقاب کی وجہ سے لوگوں میں مُقَتَّع (نقاب پوش) مشہور ہو گیا۔ چہرہ چھپائے رکھنے کی اصل بنا تو یہ تھی لیکن جب کبھی کوئی شخص اس سے نقاب کی وجہ دریافت کرتا تو کہہ دیتا کہ میں نے اپنی شکل و صورت اس لئے تبدیل کر رکھی ہے کہ لوگ میری رویت ضیاء پاش کی تاب نہیں لاسکتے اور اگر میں اپنا چہرہ کھول دوں تو میرا نور دنیا و مافیہا کو جلا کر خاکستر کر دے۔

مُقَتَّع کا چاند :-

ابن خلدون، ابن جریر طبری اور دوسرے قابل اعتماد مَوَرِ خَیْن اسلام نے اپنی تاریخوں میں مُقَتَّع کے چاند کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ لیکن ”ماہ خشب“ کو دنیائے ادب میں جو غیر فانی شہرت

حاصل ہے اور بعض اسلامی تاریخوں میں اس کا جس شد و مد سے تذکرہ موجود ہے۔ اس کی بناء پر اس کے چاند کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہتے ہیں کہ اس نے سر قند کے قریب علاقہ نخب میں گوسام کے پیچھے کنوئیں کے اندر یہ چاند پارے اور دوسرے کیمیائی اجزاء سے تیار کیا تھا۔ یہ چاند غروب آفتاب کے بعد پہاڑ کے عقب سے طلوع کر کے آسمان پر روشن رہتا اور صبح صادق سے پہلے غروب ہو جاتا۔ اس طرح چاندنی راتوں میں دو چاند دوسرے کے مقابل آسمان پر ہوا تو اقلن رہتے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کی روشنی پندرہ میل تک پہنچتی تھی اور بھول مؤرخین وہ ایک مہینہ کی مسافت سے نظر آتا تھا۔ یہ چاند اسی طرح دو مہینہ تک طلوع و غروب ہوتا رہا۔ لوگ اکناف و اطراف سے اس کے دیکھنے کو آتے اور دیکھ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہتی۔ خصوصاً خوش اعتقاد مرید تو اسے اپنے مقتداء کی ربانی قوت، تصرف اور بہت بڑا معجزہ یقین کرتے تھے۔ حالانکہ اس نے یہ عمل ہندو اور انعکاس شعاع قر کے طریق پر کیا تھا چنانچہ مفتح کی ہلاکت کے بعد لوگوں نے اس کنوئیں کی تہ میں ایک بڑا طاس پارے سے بھرا ہوا پایا۔ گو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کونسا ایسا عمل کام میں لاتا تھا اور اس مانتاب میں اس نے کس طرح برقی روشنی پیدا کر دی تھی۔ لیکن عہد حاضر کے بعض اہل تحقیق کا خیال ہے کہ ماہ نخب کا یہ طلوع و غروب مبالغہ آمیز ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتح نے اس برقی چاند کو کسی بلند چوٹی پر قائم کیا ہوگا۔ جو کئی منزلوں سے نظر آتی ہوگی۔ وہ چاند اس چوٹی سے ذرا بلند ہو کر ٹھہر جاتا ہوگا۔ جس میں اس قدر روشنی ہوگی جو چند منزلوں سے نظر آسکے۔ یہ چاند رات بھر یا جب تک وہ چاہتا کلاہ کوہ پر طلوع کر کے قائم رہتا ہوگا۔ بہر حال ادب میں ”ماہ نخب“ یا ”بدر مفتح“ کا بہت تذکرہ پایا جاتا ہے اور شعراء نے اس سے تشبیہات کا کام لیا ہے۔ حسب ذیل اشعار خلکان ابو العلاء مصری نے ماہ نخب کے موضوع پر ایک طویل قصیدہ لکھا تھا۔

اس شعر میں شاعر صبح سے کتا ہے کہ جا اور اپنا کام کر۔ کیونکہ مفتح کا چاند بھی طلوع کے وقت میرے دستار بند محبوب کی نگاہ ناز سے زیادہ بحر آفرینی نہیں کر سکتا۔

مفتح کا دعویٰ الوہیت اور اس کی مشرکانہ تعلیمات :-

دوسرے ملاحظہ زماں کی طرح مفتح کے ہنوت کی بنیادیں بھی زر تشتی عقاید اور مت پرست فلسفیوں کے خیالات پر قائم کی گئیں تھیں۔ اس کا بدترین مذہبی اصول مسئلہ تناخ تھا۔ جسکی بنا پر اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ حق تعالیٰ میرے پیکر میں ظاہر ہوا ہے یا یوں کہئے کہ میں خدا کا وٹا ہوں چونکہ مدعی الوہیت کے لئے تصرف فی الاکوان کی حاجت ہے۔ اس ضرورت کے لئے اس نے چاند کی کرشمہ سازی دکھائی تھی لیکن مفتح نے خدائی کی مسند صرف

اپنے لئے ہی خالی نہیں رکھی بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کو مظہر خداوندی قرار دیا اور کہا کہ خدائے قدوس سب سے پہلے آدم (علیہ السلام) کی صورت میں جلوہ گر ہوا اور یہی وجہ تھی کہ ملائکہ کو ان کے سجدہ کرنے کا حکم ہوا ورنہ کیوں کر جائز اور ممکن تھا کہ ملائکہ غیر اللہ کے سجدے کے لئے مامور ہوتے اور ایسی اس سے انکار کرنے کی وجہ سے مستوجب عذاب اور مردود ابدی ہو جاتا؟ لیکن یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ بناءً تحقیق آدم علیہ السلام فی الحقیقت مہجود نہیں تھے بلکہ محض جنت سجدہ تھے۔ مقصود کتنا تھا کہ آدم (علیہ السلام) کے بعد حق تعالیٰ نے نوح (علیہ السلام) کی صورت میں حلول کیا۔ پھر یکے بعد دیگرے ذات خداوندی تمام انبیاء کی صورتوں میں ظاہر ہوتی رہی۔ انجام کار خدائے برتر صاحب الدولۃ ابو مسلم خراسانی کی صورت میں نمایاں ہوا۔ اور اب رب العزۃ اسی شان سے میرے پیکر میں جلوہ فرما ہے۔ میں اس زمانہ کا اوتار ہوں اس لئے ہر فرد بھر کا فرض ہے کہ مجھے سجدہ کرے اور میری پرستش کرے تاکہ فلاح ابدی کا مستحق ہو۔ ہزار ہا حضرات پسند لوگ اس کے دعوائے الوہیت کو صحیح جان کر اس کے سامنے سر بسجود ہونے لگے۔ یہ شخص ابو مسلم خراسانی کو جسے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے اس کی شوریدہ سری کی بنا پر قتل کرادیا تھا حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم سے (معاذ اللہ) افضل بتاتا تھا۔ یہ تو اس کی زندہ شعاری کا حال تھا۔ اب اس کی تعلیمات کا اخلاقی پہلو ملاحظہ ہو۔ اس نے تمام محرمات کو مباح کر دیا۔ اس کے پیرو بے تکلف پرانی پرانی عورتوں سے متمتع ہوتے تھے۔ اس کے مذہب میں مردار اور خنزیر حلال تھا۔ مقصود نے صوم صلوة اور تمام دوسری عبادتیں ہر طرف کر دیں اس کے پیرو مسجدیں بنواتے اور ان میں مؤذن نوکر رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی شخص وہاں نماز نہیں پڑھتا۔ البتہ اگر کوئی بھولا بھلا پڑوسی مسلمان ان کی مسجد میں چلا جائے تو مؤذن اور مقصود کے دوسرے پیرو موقع ملنے پر اس کے خون سے ہاتھ رکھیں کر کے اس کی نعش کو مستور کر دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ اسلامی حکمرانوں کی طرف سے ان پر بڑی سختیاں ہوئیں۔ اس لئے اب وہ ایسا کرنے کی جرأت ہیں کرتے۔

مقصود کا ہوس استعمار اور قلعوں کی تعمیر :-

جب مقصود کا حلقہ مریدین بہت وسیع ہو گیا تو اس نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی تدبیریں شروع کیں چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے دوز بردست قلعے تیار کرائے۔ ایک کو وثیق کہتے تھے اور دوسرے کا نام سیام تھا۔ جو پہاڑ میں واقع تھا۔ قلعہ سیام مضبوطی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس کی تفصیل کا اندازہ اس سے ہو سکتا کہ سو سے زیادہ بڑی اینٹیں جو اس زمانہ میں قلعوں کی تعمیر کے لئے طیار کی جاتی تھیں دیوار کے عرض میں لگی تھیں۔ اس کے علاوہ

قلعہ کے ارد گرد ایک نہایت عریض خندق تھی اور قلعہ کی قوت مدافعت کا یہ عالم تھا کہ اس میں کئی سال کا سامان رسد اور اسلحہ جنگ کا ہفت ہزار ذخیرہ ہر وقت مہیا رہتا تھا۔ مقع نے اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعے تعمیر کرائے اور ان میں مضبوطی سے قدم جمائے اور نہایت بے بیاہی سے خراسان کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف دھاوا چوڑی مچادی اسی اثنا میں عطار اور صفد میں باغیوں اور دوسرے شوریدہ سروں کی ایک جماعت پیدا ہو چکی تھی جن کو پیٹھ کہتے تھے۔ گوان لوگوں کو مقع کی من گھڑت خدائی سے تو کوئی سروکار نہ تھا لیکن اپنے سیاسی مصالح کا خیال کر کے مقع کے ساتھ ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں ترکوں سے بھی مقع کو بڑی تقویت پہنچی۔ جو اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ اسلام کے بدترین دشمن تھے اور اکثر اوقات خلافت اسلامیہ کے سرحدی علاقوں میں تاخت و تاراج کر کے بھاگ جایا کرتے تھے۔ اب مقع اور اس کی اتحادی جماعتوں کا یہ معمول ہو گیا کہ جہاں موقع پایا مسلمانوں پر حملہ کر کے قتل و غارت کا میدان گرم کیا اور روفچکر ہو گئے۔

پیر وان مقع سے عساکر خلافت کی مصاف آریاں :-

خلیفہ مہدی نے ابو نعمان جنید اور لیث بن نضر کو فوج دے کر پیر وان مقع کے مقابلہ پر بھیجا لیکن اسلامی لشکر کو ہزیمت ہوئی۔ لیث کا بھائی محمد بن نضر اور اس کا برادر زادہ حسان اس معرکہ میں کام آئے۔ جب خلیفہ کو اس ناکامی کا علم ہوا تو اس نے ان کی کمک پر جبریل بن یحییٰ کو روانہ کیا اور باغیان عطار و صفد کے مقابلہ میں اس کے بھائی یزید بن یحییٰ کو مامور فرمایا۔ چار مہینہ تک عطار بعض قلعوں پر لڑائی ہوتی رہی۔ بالآخر عساکر خلافت مظفر و منصور ہوئے اور بہ نوک شمشیر اس قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ مقع کے سات سو پیر و تنگ شمشیر کا لقمہ بن گئے ہزیمت خوردہ لوگوں میں سے جو زندہ بچے وہ بھاگ کر قلعہ سیام میں چلے گئے جہاں خود مقع موجود تھا۔ مگر جبریل نے بھی جان نہ چھوڑی۔ اعداء کا تعاقب کرتا اور بھگوڑوں کو مار تاکا تا قلعہ سیام پر چلی کی طرح جا کڑکا اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک وہ قلعہ میں نہ جا چھے۔ اب خلیفہ نے ابو عون نام ایک سپہ سالار کو مقع کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مگر جب اس نے کچھ زیادہ مستعدی اور اولوالعزمی کا ثبوت نہ دیا تو معاذ بن مسلم کو ستر ہزار فوج اور چند آزمودہ کار سپہ سالاروں کے ساتھ مقابلہ کی غرض سے روانہ کیا۔ معاذ بن مسلم کے مقدمہ الحیش کا افسر اعلیٰ سعید بن عمرو حریشی تھا۔ اتنے میں ایک اور مسلمان سپہ سالار عقبہ بن مسلم بھی ایک بھاری جمعیت کے ساتھ جیش موحدین میں آ شامل ہوا۔ ان دونوں نے اتفاق رائے سے طواغیت کے مقام پر مقع کے لشکر پر حملہ کیا۔ مقع کی جمعیت پہلے ہی حملہ میں ٹوٹ گئی اور اس کے جنگ آور نہایت

بے ترتیبی سے بھاگ نکلے اور سیکڑوں کھیت رہے۔ ہزیمت خوردہ فوج نے قلعہ سیام میں مقمع کے پاس جادام لیا۔ یہ دیکھ کر مقمع نے فوراً قلعہ ہمدی کی اور تمام مورچوں کو مضبوط کیا۔ معاذ بن مسلم نے چنانچہ ہی محاصرہ ڈال دیا۔ لیکن اس کے بعد خود معاذ بن مسلم اور سعید بن عمرو حریشی میں باہم سخت کشیدگی ہو گئی۔ سعید نے خلیفہ کے پاس معاذ کی شکایت لکھ بھیجی اور یہ بھی درخواست کی کہ اگر مجھے تنہا مقمع کے مقابلہ پر مامور فرمایا جائے تو میں اس کا فوراً قلع قمع کر سکتا ہوں۔ خلیفہ ہمدی نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ چنانچہ سعید بن عمرو حریشی مشارکت معاذ مقمع کے مقابلہ پر مستعد ہوا۔ لیکن معاذ نے پھر بھی بے نفسی سے کام لیا اور اسلامی عزت و ناموس کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو سعید کی مدد پر بھیج دیا۔ کاش ہمارے مسلمان لیڈر معاذ کی مثال سے سبق آموز ہو کر اسلامی مفاد کو دایات پر قربان کرنے کی عادت مذموم چھوڑ دیں۔

ملتان سے دس ہزار کھالوں کی روانگی :-

سعید حریشی زمانہ دراز تک اس کوشش میں منہمک رہا کہ کسی طرح اسلامی لشکر خندق کو عبور کر کے فصیل قلعہ تک پہنچے لیکن کوئی تدبیر سازگار نہ ہوئی۔ مساعی تسخیر کو شروع ہوئے متعدد سال گئے لیکن ہنوز روز اول تھا۔ اس اثنا میں اسلامی لشکر کو بہت ساجانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ کیونکہ اور خرابیوں کے علاوہ سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ مقمع کے پیرو اسلامی لشکر پر جو کھلے میدان میں محاصرہ کئے پڑا تھا ہر وقت قلعہ سے تیر چلاتے اور سنگ باری کرتے رہتے تھے لیکن بائیں هجوم مشکلات سعید نے ہمت نہ ہاری اور اپنی جدوجہد کو نہایت اولوالعززی کے ساتھ جاری رکھا اب اس نے لوہے اور لکڑی کی بہت لمبی لمبی سیڑھیاں ہوانے کا انتظام کیا تاکہ سیڑھیوں کو خندق کے دونوں سروں پر رکھ کر پار ہو جائیں لیکن کامیابی نہ ہوئی کیونکہ خندق کی چوڑائی مسلمان انجینئروں کے اندازہ سے زیادہ نکلی۔ اب سعید نے خلیفہ ہمدی کو لکھا کہ ہزار جتن کئے لیکن قلعہ تک رسائی نہیں ہو سکی اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ کسی طرح خندق کو پاٹ دیا جائے ان دنوں ہندوستان میں صوبہ سندھ اور پنجاب کا جنوبی حصہ خلافت بغداد کے زیر نگیں تھا۔ خلیفہ نے اپنے عامل سندھ کو لکھا کہ گائے ہیل اور بھینس کی جس قدر کھالیں فراہم ہو سکیں جلد ان کے بھجوانے کا انتظام کیا جائے شاید اس زمانہ میں یا اسلامی قلمرو میں بوریاں نہ ملتی ہوں گی۔ ورنہ ریت بھر نے کیلئے بوریاں کھالوں سے زیادہ کارآمد تھیں۔ فرمان خلافت کے بموجب ملتان سے گائے ہیل اور بھینس کی دس ہزار کھالیں بھیج دی گئیں۔ سعید نے ان کھالوں میں ریت بھر دیا کہ ان کو خندق میں ڈلوانا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد خندق پٹ گئی اور محاصرین قلعہ کے پاس پہنچ گئے۔ اب حصار شکن آلات سے کام لیا جانے لگا اور

اس کے ساتھ ہی قلعہ پر حملے شروع کر دیئے گئے۔ مقمع کے پیروؤں نے گھبرا کر مخفی طور پر امان طلب کی سعید نے امان دے دی چنانچہ تیس ہزار آدمی قلعہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے اب مقمع کے پاس صرف دو ہزار جنگ آور باقی رہ گئے۔
مقمع کی ”خدائی“ کا خاتمہ :-

جب سعید نے محاصرہ میں زیادہ سختی کی تو مقمع نے اپنی ہلاکت کا یقین کر کے اپنے اہل و عیال کو جمع کیا اور بھول بھٹس مورخین جام زہر پلا پلا کر سب کو نذر اجل کر دیا اور انجام کار خود بھی زہر کا پیالہ پی لیا مرتے وقت اپنے عقیدت مندوں سے کہنے لگا کہ بعد از مرگ مجھے آگ میں جلا دینا تاکہ میری لاش دشمن کے ہاتھ میں نہ جائے لشکر اسلام نے قلعہ میں داخل ہو کر مقمع کا سر کاٹ لیا اور خلیفہ کے پاس حطب بھیج دیا اور بھٹس کہتے ہیں کہ قلعہ میں جس قدر چوپائے اور مال و اسباب تھا پہلے اس کو جلائے کا حکم دیا پھر ساتھیوں سے کہا کہ جس شخص کو اس بات کی خواہش ہو کہ میرے ساتھ غلہ بریں پر پہنچ جائے وہ اس آگ میں میرے ساتھ کود پڑے۔ سب خوش اعتقادوں نے حکم کی تعمیل کی اور آگ میں کود کے خاک سیاه ہو گئے جب لشکر اسلام قلعہ میں داخل ہوا تو کسی انسان یا چارپایہ کا نام و نشان نہ پایا۔ یہ 163ھ کا واقعہ ہے اس کے اکثر پیرو جو اکناف ملک میں زندہ رہ گئے۔ مقمع کی جہاں اور فقدان سے اور زیادہ فتنے میں پڑے اور یہ اعتقاد کر بیٹھے کہ مقمع آسمانوں پر چلا گیا ہے بلواریہ النہر میں مقمع کے پیروؤں کو پیچھے کہتے تھے۔ امید نہیں کہ آج تک ان کا کوئی اثر باقی ہو گا۔

کتاب ”مواہن محرق“ میں مقمع کے ہلاک ہونے کی ایک اور دلائل و حکایت لکھی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ جب مقمع محاصرے سے تنگ آ گیا تو بہت سی آگ جلائی اور اپنے ساتھیوں کو خوب شراب پلائی جب وہ نشے میں مدھوش ہو گئے تو انہیں موت کے گھاٹ اتار کر آگ کے بلند شعلوں میں جھونکتا گیا پھر خود ایک بڑی دیگ میں تیزاب بھر کر اس میں بیٹھ گیا اور تیزاب کی تاثیر سے تحلیل ہو کر بے نام و نشان ہو گیا۔ محاصرین کو ابھی تک یہ گمان تھا کہ تمام محصورین قلعہ میں موجود ہیں ایک عورت بھاری کی وجہ سے قلعہ کے ایک کونے میں دبی پڑی تھی اس افتاد سے گھبراہٹ اور دیوار قلعہ پر چڑھ کر محاصرین کو پکارا کہ قلعہ میں میرے سوا کوئی نہیں ہے سپاہی میڑھیاں لگا کر دیواروں پر چڑھ گئے اور قلعے کے دروازے کھول دیئے لشکر اسلام قلعے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ واقعی قلعہ خالی ہے مقمع کے بعض معتقد جو پہلی لڑائیوں میں اس سے علیحدہ ہو گئے تھے سن کر نہایت تاسف کرنے لگے کہ وہ فی الحقیقت خدا تھا افسوس کہ ہم نے آخر تک اس کا ساتھ نہ دیا ورنہ ہم بھی اسی کے ساتھ آسمانوں پر چڑھ جاتے مقمع کے آتش فتنہ چودہ سال تک شعلہ زن رہ کر 163ھ میں منطفی ہوئی۔ (تاریخ ابن خلکان، الفرق، تاریخ کامل)

عبداللہ بن میمون ابوہوازی

عبداللہ بن میمون ابوہوازی کا رہنے والا تھا جو مضافات کوفہ میں ہے۔ فنون شعبہ سحر و طلسمات میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ نبوت اور مہدویت کا مدعی تھا لوائل میں حضرت امام جعفر صادقؑ اور ان کے صاحبزادہ اسماعیلؑ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اسماعیلؑ کی رحلت کے بعد ان کے فرزند محمد کے پاس رہنے لگا۔ چنانچہ ان کے ساتھ مصر بھی گیا تھا۔ اس نے محمد کے انتقال کے بعد ان کے غلام مبارک نام کو اس غرض سے کوفہ بھیجا کہ لوگوں کو مذہب اسماعیلیہ کی دعوت دے وہاں وہ مذہب اسماعیلی کے داعی کی حیثیت سے مدت تک کام کرتا رہا۔ اسی اثنا میں عبداللہ بھی پہلے کوہستان عراق میں اور پھر شہر بصرہ میں جا کر اسماعیلی مذہب کی اشاعت و ترویج میں کوشاں رہا۔

اسماعیلیہ اور شیعہ اثنا عشریہ کا اختلاف :-

موقع کی رعایت سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اسماعیلیہ اور شیعہ اثنا عشریہ کا اختلاف امامت بھی بیان کر دیا جائے۔ امام جعفر صادقؑ کے دو صاحبزادہ تھے۔ بڑے اسماعیل جنہوں نے پدر و بر گوار کی زندگی میں امامت حیات ملک الموت کے سپرد کی۔ دوسرے امام موسیٰ کاظمؑ جو اثنا عشریہ کے نزدیک امام جعفر صادقؑ کے بعد امام ہوئے اور جن کی نسل سے شیعہ لوگ بارہ اماموں کا سلسلہ پورا کرتے ہیں لیکن اسماعیلیہ امام جعفر صادقؑ کے بعد ان کے بڑے بیٹے اسماعیلؑ کو امام برحق تسلیم کرتے ہیں۔ جب ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اسماعیل بن امام جعفر صادقؑ کو اپنے والد امجد کے عین حیات رحمت الہی کے جوار میں چلے گئے تھے۔ ایسی حالت میں ان کی جانشینی بالکل بے معنی ہے۔ ”تو انہوں نے جواب دیا کہ امامت پہلے امام کی زندگی میں بھی دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔“ اسماعیلیہ اسماعیلؑ کے بعد محمد بن اسماعیلؑ کو امام برحق مانتے ہیں اور امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت کے منکر ہیں۔ عبداللہ ابوہوازی پہلے تو کچھ مدت تک لوگوں کو خالص اسماعیلی مذہب کی دعوت دیتا رہا لیکن بعد کو اس نے اس مسلک میں کچھ ترمیمیں کر کے اس میں الحاد و تردق کے جراثیم داخل کر دیئے۔ اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد اپنی نبوت و مہدویت کا بھی ڈھنڈورہ پیٹنے لگا۔

باطنی طریقہ کی بنیاد تائیس :-

مشہور یہ ہے کہ عبد اللہ بن میمون ہی باطنی فرقہ کا بانی ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں باطنی کفریات کا بانی و مؤسس دراصل عبد اللہ کا باپ میمون بن ویصل ~~مصر~~ معروف بہ قداح ابوازی مجوسی تھا۔ جو امام صادق کا آزاد غلام تھا۔ یہ شخص درپردہ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ جب اسے والی عراق نے کسی جرم میں قید کیا تو اس نے عزم صمیم کر لیا کہ جس طرح پولس نے مسیحیت میں کفر و شرک کی آمیزش کر کے اس کو بگاڑ دیا تھا۔ اسی طرح اسلام میں بھی الحاد و زندقہ کے جراثیم داخل کر کے اس کو بگاڑ دیا جائے چنانچہ اس جذبہ کے ماتحت اس نے قید خانہ ہی میں باطنی مسلک کے اصول قائم کئے قید سے رہا ہونے کے بعد میمون نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو پہلے تو شعبہ بازی اور ڈھٹ ہمدی کی اور پھر اپنے محمدانہ مسلک کی تعلیم دی۔ اس سے پیشتر عبد اللہ نے مسلمان ہو کر اسماعیلی مذہب اختیار کر رکھا تھا اور اسماعیلی مذہب کو خیر باد کہہ کر باپ کا طریقہ اختیار کر لیا اور باطنی مسلک کی دعوت و تبلیغ شروع کر دی۔ اب عبد اللہ نے اپنے باطنی پیروؤں کو باپ کی نسبت سے میمونیت کہنا شروع کیا لیکن وہ باطنیہ کے نام سے موسوم کئے جانے لگے۔ اور اسی نام سے دنیا میں مشہور ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد عراق میں اہل ان کو قرامطہ اور مزدکیہ اور خراسان میں مزدکیہ اور طحہ بھی کہنے لگے۔ عبد اللہ نے باطنی مذہب کی ترویج کے لئے خلف نام ایک زیرک دلسان شخص کو اپنے نائب کی حیثیت سے خراسان کا شان طبرستان اور قم کی طرف روانہ کیا۔ خلف نے وہاں کے لوگوں کو مذہب میمونیت کی دعوت دی۔ اور کہا کہ ”اہل بیت اظہار کا یہی مسلک ہے۔ نام نہاد مسلمانوں نے اپنی طرف سے مذہب تراش لئے ہیں، تحلفات اور تشریعات کی تنگی میں پھنس گئے ہیں اور لہذا مذہب نفائس سے محروم ہو رہے ہیں۔“ جب رؤسائے اہل سنت کو اس کی مغویانہ سرگرمیوں کا علم ہوا تو اسے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ رے کی طرف بھاگ نکلا۔ لیکن وہاں کچھ مدت تک بے تعرض اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہ کر موت سے ہم آغوش ہو گیا۔ احمد اس کا جانشین مقرر ہوا۔ احمد بن خلف نے اس زمانہ کے ایک مشہور شاعر غیاث نام کو جو علوم عقلیہ اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ چالاک اور غداری میں بھی سرآمد روزگار تھا 202ھ میں باطنی مذہب کا داعی مقرر کر کے عراق کی طرف بھیجا غیاث نے پہلے پہل اصول مذہب باطنیہ میں ایک کتاب تصنیف کر کے اس کا نام البیان رکھا۔ اس کتاب میں باطنی مذہب کے مطابق صوم، صلوٰۃ، وضو، حج، زکوٰۃ وغیرہ احکام کے معانی بیان کر کے ان پر بڑے عم خود شواہد لغت قائم کئے۔ البیان میں لکھا ہے کہ شارع علیہ السلام کی مراد وہی ہے جو باطنی بیان کرتے ہیں۔ مولویوں نے جو کچھ سمجھا ہے غلط محض ہے۔ غیاث کی کوششوں سے باطنی مذہب کو بڑی رونق

غیب ہوئی۔ آزاد خیال لوگوں کو یہ نیا طریقہ جو کمال درجہ کی آزادی اور بے باکی سے ہم کنار تھا بہت پسند آیا۔ ہزار ہا آدمی اس کے معتقد ہو گئے۔ اور اطراف و اکناف ملک میں اس کی دعوت کا غلغلہ بلند ہوا۔ اس وقت سے تشیع میں الحاد و فلسفہ کی مزید آمیزش شروع ہوئی۔ سینکڑوں ”خوش اعتقاد“ اس کے حلقہ درس میں روزانہ شامل ہوتے تھے اس نے علماء اہل سنت سے مناظرے کئے مگر ہر میدان میں شکست کھائی تاہم اس کی مفسدہ انگیزی روز افزوں ترقی پذیر رہی۔ اس اثنا میں کسی نے اس سے کہہ دیا کہ ”رؤسائے اہل سنت تجھے گرفتار کرنے کی فکر میں ہیں۔“ یہ سن کر وہ مرو کی طرف بھاگ گیا۔ اور مخفی طور پر اشاعت مذہب میں سرگرم رہا۔ مدت کے بعد پھر رئے کا قصد کیا لیکن راستے ہی میں مر گیا۔ عبد اللہ بن میمون اس کے مرنے کی خبر سن کر ایسا مغموم ہوا کہ شمار ہو گیا آخر جانبر نہ ہو سکا اور تو سن حیات کی باگ عالم آخرت کی طرف پھیر دی۔

باطنی فرقہ کے اصول و عقاید :-

اسماعیلی مذہب چھوڑنے کے بعد عبد اللہ بن میمون نے جس باطنی طریقہ کی دعوت کی طرح ڈالی اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ نصوص کے ظاہر الفاظ پر عمل کرنا حرام اور ان کے باطن پر عمل کرنا فرض ہے چونکہ تمام نصوص میں تحریف کرتا تھا۔ اس لئے حشر و نشر اور جزاء و سزا کا بھی منکر ہو گیا۔ باطنیہ کے نزدیک شرائع اسلام کے جس قدر احکام وارد ہوئے ہیں ان کے ظاہری معنی قطعاً مراد نہیں بلکہ وہ ہر آیت قرآنی کی اپنی مرضی کے مطابق ایسی بے ہودہ اور لچر تاویل کرتے تھے جسے ظاہری الفاظ سے کوئی لگاؤ نہ ہوتا تھا۔ باطنیوں کی زندہ مثال آجکل کے مرزائی ہیں لیکن مرزائیوں اور باطنیوں میں یہ فرق ہے کہ مرزائی تو عموماً انہی آیتوں اور روایتوں میں تحریف و تبدیل کرتے ہیں جو مرزائی ہفتوات کے خلاف ہیں بالخصوص مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی خانہ ساز مسیحیت پر پانی پھیرنے والی ہیں اور دوسرے روایات کو انہوں نے عموماً بے تعرض علیٰ حالہا چھوڑ دیا اور اہل سنت و جماعت کی طرح ان کے ظاہری الفاظ سے جو معنی سمجھ میں آتے ہیں زیادہ تر انہی کو واجب العمل ٹھہرایا ہے لیکن باطنیوں کے نزدیک تمام احکام مآول ہیں اور کسی آیت و روایت سے وہ مطلب مراد نہیں جو ظاہری الفاظ سے مغموم ہوتا ہے بلکہ ان باطنی رموز و اشارات مراد ہیں جو امام معصوم کی تعلیم ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں باطنیہ کہتے ہیں کہ شریعت کا ایک ظاہر ہوتا ہے جسے تزیل کہتے ہیں اور ایک باطن ہے جو تاویل کہلاتا ہے۔ ظاہر باطن کا منظر اور باطن ظاہر کا مصدر ہے اور کوئی ظاہر ایسا نہیں جس کا باطن نہ ہو۔ ورنہ وہ فی الحقیقت لاشے محض ہے اور کوئی باطن نہیں جس کا ظاہر نہیں ورنہ وہ محض خیالی ہے۔ چنانچہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ مگر ظاہر جو لغت سے مغموم ہوتا ہے ہرگز قابل اعتقاد و عمل

نہیں۔ بلکہ حقیقی مقصود اور قابل عمل وہی ہے جو اس کا باطن ہے۔ مثلاً نماز کا باطن امام وقت کی اطاعت ہے۔ روزہ کا باطن یہ ہے کہ اپنے مذہب و مسلک کو دوسروں سے مخفی رکھا جائے اور حج کا باطن امام کے حضور میں پہنچنا ہے۔ باطنیہ نے احکام شرعی میں جو جو تحریفیں کیں وہ ان کی کتابوں میں بطور مصطلحات فقہ شرح و بسط سے مذکور ہیں۔ جن میں سے بعض ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

الفاظ	وہ معنی جو باطنیہ نے مراد لئے	الفاظ	وہ معنی جو باطنیہ نے مراد لئے
ملائکہ	باطنی فرقہ کے داعی و مناد	میقات	وقت اجابت
جبریلؑ	محمدؐ کی عقل و فراست	صفا	محمدؐ
شیاطین	ظاہر پر عمل کرنے والا	مردہ	وصی
جن	گنوار لوگ	نار ابراہیم	نمرود کے غصہ کی آگ
نبی	ناطق حق	ذبح اسماعیلؑ	اسماعیلؑ سے جدید عہد لیا گیا
وحی	اساس حق گوئی	یا جوج ماجوج	علمائے ظاہر
قیامت	کسی چیز کا اپنی اصل کی طرف عود کرنا	طوفانِ نوح	جزیرہ جس میں امتِ نوح محصور ہوں
جنت و دوزخ	جسمانی راحت و جسمانی تکلیف	عصائے موسیٰ	موسیٰؑ کی دلیل و حجت
کعبہ	محمدؐ	اذان	لوگوں کو امام کی اطاعت پر آگاہ کرنا
باب	علیؑ	نماز	امام سے سوالات کرنا
		نماز باجماعت	متکلمت امام معصوم
طواف	آئمہ طاہرین کے گھر	حج	امام کی زیارت کے لئے جانا
تلبیہ	اجابتِ مدعو	تیمم	امام کی غیبت میں نقیب سے آمین مذہب حاصل کرنا
روزہ	امام کا راز افشاء نہ کرنا	زنا	بلا عہد بیثاق افشاء سر امام باطنیہ

زکوٰۃ	دل کی صفائی اور پاکیزگی	احکام	نادانستہ اغیڈ سے افشائے راز کرنا
غسل	توبہ کر کے امام سے دوبارہ عہد کرنا	جنت	بھید ظاہر کرنا
وضو	امام سے آئین مذہب حاصل کرنا۔	مسح کا مردے زندہ کرنا	دلوں کو علم و ہدایت سے زندہ کیا

باب نمبر 18

بابک بن عبد اللہ محرمی

پیدائش اور طفولیت :-

بابک کا باپ جسے عبد اللہ کہتے تھے مدائن کا ایک تیلی تھا۔ اس نے آذربائیجان کی سر زمین پر ایک گاؤں میں جو بلال اباز کے نام سے موسوم ہے سکونت اختیار کر لی تھی بابک کا باپ عالم شباب میں اپنی پیٹھ پر تیل کا برتن رکھ کر رستاق کے دیسات میں تیل بچھا کرتا تھا۔ اس اثنا میں ایک عورت سے اس کی آشنائی ہو گئی اور ناجائز تعلق عرصہ دراز تک قائم رہا۔ ایک مرتبہ اس عورت کے گاؤں کی چند عورتیں اپنی بستی سے نکل کر کسی طرف جا رہی تھیں راستہ میں انہیں پیاس لگی تو پانی پینے کیلئے ایک چشمہ پر گئیں۔ وہاں پہنچ کر کچھ ترنم کی سی آواز سنائی دی۔ یہ عورتیں اس آواز پر گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہی تیلی ان کے گاؤں کی عورت سے رنگ رلیوں میں مصروف ہے۔ اور پاس شراب رکھی ہے۔ یہ دفعۃً ان کے سر پر جا پھنچیں۔ تیلی بھاگ گیا۔ اس عورت کو انہوں نے بالوں سے پکڑ لیا۔ کھینچتی ہوئی اپنے گاؤں کو لائیں اور اسے بستی والوں سے بری طرح ذلیل کر لیا۔ اس کے بعد تیلی نے اس کے باپ سے عقد ترویج کی درخواست کی۔ چنانچہ اس عورت سے اس کا باقاعدہ نکاح ہو گیا اور اس کے بعد بابک متولا ہوا۔ پس ظاہر ہے کہ جن مورخوں نے بابک کو ولد الزنا لکھا ہے انہوں نے غلطی کی ہے کیونکہ بابک کا تولد نکاح سے پہلے تعلقات کا نتیجہ نہ تھا۔ بابک کی پیدائش کے تھوڑے ہی دن بعد اس کا باپ کوہ سبلان کو گیا اور وہیں مارا گیا۔ اب بابک کی ماں دایہ گری کا کام کرنے لگی۔ بابک نے ہوش سنبھالا تو گائیں چرانے پر نوکر ہو گیا۔ جب دس سال کا تھا تو ایک مرتبہ اس کی ماں دوپہر کے وقت اس کے پاس چراگاہ میں گئی اور دیکھا کہ بابک درخت کے نیچے سویا ہے لیکن کپڑا کھل جانے سے برہنہ ہو رہا ہے۔ جب اس کی ماں قریب گئی تو اس کے سینہ دسر کے ہرین مو کو خون آلود پایا۔ اس نے بابک کو بیدار کیا۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ماں نے جو خون دیکھا تھا اس کا تذکرہ کیا۔ لیکن اب اس کے بالوں میں خون کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ اس کی ماں کا بیان ہے کہ میں نے اسی واقعہ سے جان لیا تھا کہ میرا بیٹا بہت کچھ عروج حاصل کرے گا۔ چند سال تک موسیقی چرانے کے بعد بابک برستاق کے ایک رئیس شبل بن مفتی ازدی کے پاس ملازم رہا۔ اس عرصہ میں اس نے شبل کے غلاموں سے بطورہ جانا بھی سیکھا۔ برستاق کو الوداع کہہ کر تھریز پہنچا اور وہاں دو سال تک محمد بن رواؤ ازدی نام

ایک رئیس کے پاس نوکری کرتا رہا۔ وہاں سے اپنی ماں کے پاس بلال لہذا میں چلا آیا۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

چتر حکومت کی سایہ افگنی اور آقا کی بیوی سے شادی :-

کونجیان کے پہاڑوں میں ایک قصبہ بذ کے نام سے موسوم تھا۔ اس سلسلہ کوہ میں دور رئیس برسر اقتدار تھے۔ جن میں باہم رقابت تھی۔ ایک کو ابو عمران کہتے تھے اور دوسرے کا نام جاویدان بن سرک تھا۔ کوہ بذ کی ملکیت کے متعلق ان میں ہمیشہ جھگڑے قہیے رہا رہتے تھے۔ ہر ایک کی یہی تمنا تھی کہ اس سرزمین کو اپنے حریف کے خاں وجود سے پاک کر کے بلا شرکت غیرے ریاست کا مالک ہو جائے۔ ایام گرما میں دونوں ہر سال برسر پیکار رہتے لیکن موسم سرما کے شروع میں جب برف پڑنے لگتی تو مجبوراً عہدہ جوئی سے دست بردار ہو جاتے۔ ایک سال جاویدان دو ہزار بھریوں کا ریوڑ لیکر بذ سے شہر زنجان کی طرف روانہ ہوا۔ جو قزوین کی سرحد پر ہے۔ وہاں دریاں فروخت کر کے بذ کی طرف مراجعت کی۔ راستہ میں جب موضع بلال لہذا پہنچا تو شدید برف باری شروع ہو گئی جس کے باعث اطلاع سفر ناگزیر تھا۔ موضع بلال لہذا کے ایک آدمی سے کہا کہ کوئی ایسا مکان بتاؤ جہاں ہم چند روز قیام کر سکیں۔ وہ شخص اسے بابک کی ماں کے پاس لے گیا۔ بابک اور اس کی ماں نے اس کی بیوی خاطر مدارات کی۔ جاویدان جتنے دن وہاں رہا۔ بابک نے اپنی خدمت گزاری سے اس کو بہت خوش کیا۔ جاتے وقت جاویدان بابک کی ماں سے کہنے لگا کہ ”اگر تم اپنا بیٹا میری ملازمت میں دے دو تو میں بچاس درہم ماہانہ تنخواہ دوں گا۔ اور یہ رقم ہر مہینے تمہارے پاس پہنچ جایا کرے گی۔“ (درہم قریباً چار آنے کا ہوتا تھا) بابک کی ماں رضامند ہو گئی اور بابک جاویدان کے ساتھ کوہ بذ میں چلا گیا۔ تھوڑے روز میں جاویدان اور ابو عمران میں پھر سلسلہ رزم و پیکار شروع ہوا۔ ابو عمران مارا گیا اور جاویدان نے اس کے تمام اmlاک پر قبضہ کر لیا۔

بابک ایک جوان رعنا تھا۔ جاویدان کی عورت اس پر فریفتہ ہو گئی اور دونوں میں فاسقانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ تھوڑے عرصے میں جاویدان مر گیا اور قبل اس سے کہ کسی کو جاویدان کے مرنے کی اطلاع ہو اس کی بیوی رات کے وقت بابک سے کہنے لگی کہ جاویدان مر گیا ہے اور میری خواہش ہے کہ ”تمہیں برسر حکومت کر کے تم سے باقاعدہ شادی کر لوں۔“ بابک نے لگے لگا میں تمہارے شوہر کا ایک ادنیٰ خادم تھا۔ لوگ میری متابعت پر کس طرح رضامند ہوں گے؟ اور تمہاری قوم میرے ساتھ تمہارے عقد ازدواج کو کیونکر گوارا کرے گی؟ عورت نے کہا کہ ”میں نے ایک حیلہ تجویز کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں ان لوگوں کو اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو جاؤں گی“ بابک نے کہا تم نے کیا حیلہ تراشا ہے؟ بولی ”میں کل تمام قوم

کو جمع کر کے ان سے کہیں گی کہ ”جاوید ان نے اپنی وفات سے پہلے کہا تھا کہ آج رات میں نے مرنے کا قصد کیا ہے لیکن میری روح میرے بدن سے نکلنے ہی باپک کے بدن میں داخل ہو جائے گی اور اس کی روح سے متحد ہو جائے گی۔ میرے بعد باپک ہی میری قوم کا سردار ہوگا۔ وہ جہاد کو ہلاک کر کے مزدکیہ کو از سر نو عروج بخشے گا اور قوم کے پسماندہ لوگوں کو آسمان عزت پر بٹھائے گا“ یہ سن کر باپک کا ساغر دل خوشی سے پھلک گیا اور کہنے لگا ”ہاں ہاں کوئی ایسی ہی تدبیر کر دو“ دوسرے دن عورت نے جاوید ان کے لشکر کو جمع کر کے اس کے مرنے کی اطلاع دی۔ عمائد سپاہ پوچھنے لگے کہ اس نے رحلت سے پہلے ہم کو بلا کر کیوں وصیت نہ کی؟ عورت بولی کہ ”تم لوگ دیہات میں متفرق ہو رہے تھے اگر تم کو طلب کر کے اجتماع عام کا انتظام کرتا تو خوف تھا کہ عربوں کی طرف سے کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ اب جو کچھ وہ وصیت کر گیا ہے اس کو سن لو۔ میں دیکھوں کہ تم اس کی وصیت جلاتے ہو یا نہیں؟“ سردار ان لشکر کہنے لگے کہ ”جب ہم نے زندگی میں کبھی مخالفت نہ کی تو اب اس کے مرنے کے بعد کیا خلاف کریں گے؟ کہنے لگی کہ جاوید ان کل بالکل صحیح و سالم تھا۔ اچانک کہنے لگا کہ ”میں نے دنیا کو الوداع کہنے کا عزم کر لیا ہے۔ اس لئے آج ہی رات اس سرائے فانی سے کوچ کر جاؤں گا لیکن میری روح نکل کر اس نوجوان خادم باپک کے بدن میں داخل ہو جائے گی اور یہی نوجوان اس سر زمین کا مالک ہوگا“ اور مجھے تاکید کی کہ جب میں مر جاؤں تو میری قوم کو اس کی اطلاع کر دینا اور یہ بھی جلا دینا کہ جو شخص میری وصیت سے اعراض کرے گا اور میری عزیز و محبوب خواہش پر اپنی رائے اور مرضی کو ترجیح دے گا۔ وہ ہمارے دین سے خارج ہو جائے گا“ یہ سن کر سب قائدین لشکر نے سمعنا و اطعنا کہہ کر گردنیں جھکا دیں اور بولے ”ہمیں حسب وصیت اس نوجوان کی متابعت منظور ہے“ اب اس عورت نے ایک ہیل منگوایا اور اس کو ذبح کرا کے اس کی کھال کو پھیلائے کا حکم دیا۔ اس کی کھال پر ایک تشت رکھا گیا جو شراب سے لبریز تھا۔ اس کے بعد روٹیاں منگوائی گئیں اور ان کے ٹکڑے تشت کے گرد جمع کر دیئے گئے۔ اب عورت نے حکم دیا کہ ایک ایک آدمی آئے اور کھال پر پاؤں رکھ کر روٹی کا ٹکڑا اٹھائے اور شراب میں ڈبو کر کھالے۔ پھر کہے کہ اے باپک کی روح! میں تجھ پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جس طرح اس سے پیشتر جاوید ان کی روح پر ایمان لایا تھا۔ اس کے بعد باپک کے سامنے حاضر ہو اور اس کا ہاتھ چوم کر اس سے بیعت کرے۔“ تمام حاضرین نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پھر سب کو کھانا کھلایا گیا۔ فراغت کے بعد باد مغل ٹکوں کا دور چلا۔ اب صرف باپک سے نکاح کئے جانے کی رسم باقی تھی۔ یہ اس طرح انجام دی گئی کہ عورت نے باپک کو اپنے فرش پر بٹھالیا۔ اپنا پیش قیمت لباس منگو کر زیب تن کیا اور دلہن بن کے خود ہی رسوم نکاح ادا کرنے لگی۔ اس کی شراب

سل نے بابک کو پہلے ہی بخود اور سرمست بنا رکھا تھا۔ جو ان کے نکھار نے اس کی آتش عشق کو
ور بھی بھڑکا دیا۔ عقد نکاح یوں انجام پایا کہ عورت نے ایک گلدستہ منگوایا اور اٹھا کر بابک کے
باتھ میں دیدیا۔ بس یہی ترویج تھی۔ (کتاب الغمرست لائن ندیم)
معلوم ہوتا ہے کہ جاوید ان اور اس کے پیرودین مزدک (مجوس) کے پیرو تھے۔

شرمناک اخلاقی تعلیمات :-

اب وہ وقت تھا جبکہ بابک کا گلشن آرزو پوری بہار پر تھا اور اقبال کی کامرانی دیکھو کہ کس
طرح ایک ادنیٰ سا چاکر آسمان عزت پر نمودار ہوا۔ اور اس کا رایت عروج آنا فنا سپر بریں سے
باتیں کرنے لگا۔ وہ پہلے اسماعیلی تھا۔ پھر مزدکی بنا۔ پھر خود ایک فرقہ کی بنا ڈالی ہے جسے بلخیہ،
خرمہ، سیدیہ اور حرمیہ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ پہلے تو یہی کتار ہا کہ مجھ میں جاوید ان کی
روح ہے۔ اس کے بعد یہ کہنا شروع کیا کہ خدا کی روح نے بھی میرے اندر حلول کیا ہے۔ اس
نے اپنے پیروؤں کو عقیدۂ تناخ کی تعلیم دی اور ہنود کی طرح کہتا تھا کہ روحیں انسانوں اور
ہیوانوں میں منتقل ہوتی ہیں چونکہ بابک نے ہر قسم کے مذہبی اور اخلاقی قیود اٹھا کر عیش و
مشرت کا بازار گرم کیا۔ پیروؤں کو خرام کاری، شراب خوری اور دوسرے فواحشات کی اجازت
دی یہاں تک کہ ماں، بہن بیٹی اور دوسرے محرمات لہدیہ سے بھی عقد مناکحت جائز کر دیا۔
اس لئے اس کے پیروؤں کو خرمیہ بھی کہنے لگے۔ کیونکہ خرم عیش و فرح کو کہتے ہیں۔ بابک کا
معمول تھا کہ جب اسے معلوم ہوتا کہ کسی شخص کی بیٹی یا بہن نہایت حسین ہے تو اس کے
پس طلی کا پیغام بھیجتا۔ اگر اس نے بھیج دی تو خیر ورنہ اس کو گرفتار کر کے شمشیر کے حوالے
کردیتا اور اس حسینہ پر جبراً قبضہ کر لیتا۔ (تلبیس ابلیس)

ظاہر ہے کہ بابک کی اخلاقی تعلیم دنیا بھر کے فواحش کا مجموعہ اور قابل نفرت تھی تاہم
جاوید ان کی قوم کے علاوہ دہلم اور اہل ہمدان و اصفہان نے بھی اپنی قسمت اس سے وابستہ کر دی۔
بابک کی پہلی مہم اور حامل موصول کی شہادت :-

جب بابک کے پیروؤں کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی تو اس نے 201ھ میں خلافت
اسلامیہ کے خلاف علم بغاوت و خود سری بلند کر دیا۔ ان دونوں خلیفہ مامون عباسی بغداد کے
تحت خلافت پر جلوہ افروز تھا۔ تین سال تک تو بعض داخلی جھمیوں نے بابک کی طرف متوجہ
ہونے کا موقع نہ دیا۔ اس کے بعد 204ھ میں خلیفہ مامون نے عیسیٰ بن محمد عامل آرمینیا و
آذربائیجان کو حکم دیا کہ بابک کے قلع قمع کا انتظام کرے لیکن بعض مجبور یوں کی بناء پر عیسیٰ محمد

اس مہم کو سرانجام دینے سے قاصر رہا۔ 209ھ میں خلیفہ نے علی بن صدقہ معروف بہ زریق کو آرمینیا کو بائیں جمیعت کے توڑنے اور بائیک کو اسیر کر لانے پر متعین کیا۔ لیکن ابن جنید بائیک کو قید کرنے کے بجائے خود ہی شکست کھا کر قید ہو گیا۔ چونکہ زریق گورنری کے فرائض انجام دینے کا اہل ثابت نہ ہوا۔ اس لئے مامون نے اس کی جگہ ابراہیم بن لیث کو آرمینیا اور آذربائیجان کے عمل پر بھیج دیا۔ زریق نے خلیفہ کے مقابلہ میں علم خود سری بلند کر کے موصل اور آذربائیجان کے درمیان تمام پہاڑی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ موصل پر بھی چڑھائی کر دی۔ اس معرکہ میں سید بن انس گورنر موصل مارا گیا اور زریق نے موصل پر حملہ و دخل کر لیا۔ خلیفہ مامون اس خبر و حشت اثر کے سننے سے سخت برہم ہوا اور 212ھ میں محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت پر فائز کر کے بائیک خرمی اور زریق سے جنگ آزما ہونے کا حکم صادر فرمایا چنانچہ محمد طوسی نے موصل کی طرف نہفت کی اور زریق کو نیچا دکھا کر موصل واپس لے لیا۔ مہم موصل سے فارغ ہو کر محمد طوسی نے بائیک خرمی پر چڑھائی کی اور نہایت مستعدی اور ہوشیاری سے اس کو ہزیمت دیتا ہوا اور مضافات مقبوضہ کا انتظام کرتا ہوا دامن کوہ تک جا پہنچا۔ بائیک تھوڑی دیر تک دامن کوہ میں لڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ محمد بن حمید سوطی نے جوش کامیابی میں اس کا تعاقب کیا۔ جب کوئی تین کوس تک چڑھ گیا تو بائیکوں نے کمین گاہ سے نکل کر محمد پر دفعۂ حملہ کیا اور بائیک بھی لوٹ کر معا محمد پر لوٹ پڑا۔ محمد بن حمید کا لشکر گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر خود اس کے قدم ثابت کو ذرا جنبش نہ ہوئی اور وہ نہایت ثابت قدمی و استقلال سے لڑتا ہوا پیچھے کو ہٹا اور اتفاق سے بائیکوں کے ایک گروہ نے محمد بن حمید کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ محمد زخمی ہو کر گرا اور تڑپ کر دم توڑ دیا۔ جب یہ خبر بارگاہ خلافت میں پہنچی تو خلیفہ مامون کو سخت صدمہ ہوا۔ خلیفہ مامون بائیک کی سرکشی اور اس کی فتوحات سے آگ بھولا ہو گیا تھا اور انتقام کیلئے ہر وقت دانت پیتا تھا لیکن اتفاقات ایسے پیش آئے کہ اس کے بعد کوئی اور مہم بائیک کی گونامی کیلئے نہ بھیج سکا اور فرشتہ موت نے پیام اجل سنایا۔

بائیک کی پہلی ہزیمتیں :-

بائیک نے شہرہذ کو اپنا بلحاو مامن بنا رکھا تھا۔ اور اس نے اکثر شاہی قلعہ جات کو جو اردبیل اور آذربائیجان کے مابین واقع تھے ویران و مسمار کر دیا تھا۔ جب خلیفہ معتمد نے 218ھ میں اپنے بھائی خلیفہ مامون کے انتقال پر تخت خلافت کو زینت دی۔ تو ابو سعید محمد بن یوسف کو اس مہم پر مامور کیا چنانچہ ابو سعید نے ان قلعہ جات کو جنہیں بائیک نے ویران و برباد کر دیا تھا از سر نو تعمیر کرایا اور انہیں فوج، آلات حرب اور غلہ کی کافی مقدار سے مضبوط و مستحکم کیا۔ اس اثنا میں بائیک

کے کسی سر یہ نے ان بلاد پر شب خون مارا۔ ابو سعید نے اس کا تعاقب کیا اور نہایت لولوا العزمی سے لوٹ کا تمام مال واپس لیا اور بے شمار بایجیوں کو قتل اور اکثر کو گرفتار کیا اور مقتولوں کے سر اور کثیر التعداد قیدی ایک عرضداشت کے ساتھ خلیفہ معتمد کے پاس بھیج دیئے۔ یہ پہلی ہزیمت تھی جو بایجیوں کو عساکر خلافت سے نصیب ہوئی۔ دوسری ہزیمت محمد بن بعیت کے ذریعہ سے ہوئی۔ جو بابک کا معین و مددگار تھا۔ یہ شخص آذربائیجان کے ایک قلعہ میں فروکش تھا اور بابک کے سرایہ اور افواج کو رسد پہنچایا کرتا تھا۔ اتفاق سے واقعہ مذکورہ کے بعد بابک کا ایک سپہ سالار عصمت نام اس قلعہ کی طرف سے ہو کر گزرا۔ محمد بن بعیت نے اس کی دعوت کی اور اسے عزت و احترام سے ٹھہرایا لیکن رات کے وقت حالت غفلت میں اس کو گرفتار کر کے خلیفہ معتمد کے پاس بھیج دیا اور اس کے تمام رفقاء کو قتل کر ڈالا۔ خلیفہ نے عصمت سے بابک کے بلاد اور قلعوں کے اسرار و خفیاء دریافت کئے۔ عصمت نے تمام اسرار اور جنگی مواقع ظاہر کر دیئے۔ تاہم معتمد نے اسے رہا نہ کیا۔ اور افشین حیدر کو جہال کی عملداری مرحمت فرما کر بابک کے مقابلہ میں بھیجا۔ افشین نے میدان کارزار میں پہنچ کر پہلے رسد کا انتظام کیا اور راستوں کو خطرات سے پاک کرنے کے خیال سے تھوڑی تھوڑی مسافت پر چوکیاں بٹھائیں اور کارآزمودہ اور تجربہ کار سپہ سالاروں کو گشت اور دیکھ بھال پر متعین کیا۔ یہ لوگ اردہیل سے اس کے لشکر گاہ تک شب و روز گشت کیا کرتے اور رسد اور کل ماتحتوں کو حفاظت تمام معسکر میں پہنچاتے۔ اور جب بابک کا کوئی جاسوس گرفتار ہوتا تو افشین اس سے بابک کے اخلاق برتاؤ اور احسانات کو دریافت کرتا۔ اور اس سے دو چند احسانات سے گرانبار کر کے اسے رہا کر دیتا۔

بابک کی پیہم کامیابیاں :-

اس کے بعد خلیفہ نے بغا کبیر کو کثیر فوج اور مال و اسباب کے ساتھ افشین کی کمک پر روانہ کیا۔ بابک یہ سن کر بغا کبیر پر شبخون مارنے کے ارادہ سے چلا۔ جاسوسوں نے افشین تک یہ خبر پہنچادی۔ افشین نے بغا کو لکھ بھیجا کہ تم قافلہ کے ساتھ قلعہ نہر تک آؤ۔ اور قافلہ کی روانگی کے بعد پھر اردہیل کو مراجعت کرو۔ بغا نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ بابک پھر یہ خبر پا کر کہ بغا کا قافلہ قلعہ نہر کی طرف روانہ ہو گیا ہے، اپنے چیدہ چیدہ سپاہیوں کو ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوا۔ جس دن بغا سے ملنے کا وعدہ تھا افشین اس روز چپکے سے نکل کر اردہیل کو چلا گیا اور بغا کو حفاظت تمام ابو سعید کے مورچہ میں لے آیا۔ اس اثنا میں بابک قافلہ تک پہنچ گیا۔ والی قلعہ نہر بھی قافلہ کے ہمراہ تھا۔ بغا سے توڑ بھیز نہ ہوئی البتہ والی قلعہ نہر سے مقابلہ ہوا۔ بابک نے اس لشکر کو جو قافلہ کے ساتھ تھے یہ تیج کر کے تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ انشاء راہ میں افشین کے سپہ سالاروں

میں سے بیٹم نام ایک افسر سے دو چار ہو گیا اور اس کو بھی زک دی۔ بیٹم ایک قلعہ میں جا چھپا۔ بابک نے وہاں پہنچ کر محاصرہ ڈال دیا۔ لیکن اس اثناء میں افشین اپنا لشکر لئے ہوئے آپہنچا اور بابکوں پر حملہ کر دیا۔ اس ناگہانی حملہ سے بابکوں کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ نہایت بے سرو سامانی سے بھاگ کھڑے ہوئے ان کا بیشتر حصہ اس معرکہ میں کام آیا۔ بابک بقیہ السیف کے ہمراہ بھاگ کر ہو قان پہنچا لیکن بابک وہاں سے پلٹ کر ایسی چال چلا کر افشین کے لشکر کا راستہ کاٹ لیا۔ رسد و غلہ کا آنا موقوف ہو گیا۔ اب افشین کا لشکر رسد کے نہ آنے سے بھوکوں مرنے لگا۔ افشین نے حاکم مرانہ سے رسد طلب کی۔ لیکن بد قسمتی سے اثناء راہ میں بابکوں نے اس کو لوٹ لیا۔ یہ خبر پا کر بغا اپنا تمام مال و اسباب کسی طور بابک کے ہاتھوں سے چاکر افشین کے لشکر گاہ میں لایا اور لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔

عساکر کے خلافت کی ہزیمتیں :-

اب افشین نے مطمئن ہو کر اپنے سپہ سالاروں کو بابک پر حصار ڈالنے کی غرض سے بڑھنے کا حکم دیا چنانچہ قلعہ بڈ سے 6 میل کے فاصلہ پر پہنچ کر مورچے قائم کئے اور بغا نے قریہ بڈ میں داخل ہو کر لڑائی چھیڑی اور سخت کشت و خون کے بعد اپنے لشکر کا بڑا حصہ اس معرکہ کی نذر کر کے محمد بن حمید سپہ سالار کے مورچے میں واپس آیا۔ اس کے امداد طلب کرنے پر اپنے بھائی فضل ابو جوش، احمد بن غلیل اور جناح الاحور کو بغا کی کمک پر روانہ کیا اور حکم دیا کہ فلاں روز فلاں وقت بابک پر یکبارگی حملہ کرنا۔ میں بھی اس دن وقت معبودہ پر اس سمت سے حملہ آور ہوں گا۔ سو اتفاق سے بغا وغیرہ برسات اور شدت سرما کی وجہ سے یوم مقرر پر حملہ نہ کر سکے اور افشین نے تما حملہ کر دیا۔ تاہم بابک تاب مقاومت نہ لا کر پیچھے ہٹا۔ افشین نے بڑھ کر اس کے مورچے پر قبضہ کر لیا۔ دوسرے دن بغا وغیرہ کثرت باران اور شدت سرما سے تنگ آکر کسی قائد کی رہبری سے ایک پہاڑی پر جو افشین کے لشکر گاہ کے قریب تھی چڑھ گئے۔ یہاں بھی انہیں اسی سردی اور بارش سے سلبہ پڑا۔ مزید برآں برف بھی پڑ گئی۔ ہاتھ پاؤں جواب دے بیٹھے۔ دودن اسی حالت میں گزرے۔ ادھر بابک نے موقع پا کر افشین پر شیخون مارا اور اسے لڑا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔ دوسری طرف بغا کی فوج نے غلہ و رسد کی تھڑ جانے کی وجہ سے شور و غل مچانا شروع کیا۔ بغا نے مجبور ہو کر قلعہ بڈ کے عزم سے اور نیز بغرض دریافت حال افشین وہاں سے کوچ کیا اور نکل آنے پر افشین کا حال معلوم ہوا۔ اب بغا بابک کے خوف سے پھر اسی پہاڑی کی طرف لوٹا۔ اور کثرت فوج اور تنگی راہ کی وجہ سے دوسری راہ اختیار کی۔ بابک کے متجنس سپاہیوں نے تعاقب کیا۔ بغا نے ان کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا اور نہایت سرعت سے اس تنگ و دشوار گزار

راستہ کو ملے کیا۔ اس اثناء میں رات کی سیاہ چادر عالم کائنات پر محیط ہو گئی۔ بغانے مال اسباب کی حفاظت کے خیال سے دامن کوہ میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اور چاروں طرف سپاہیوں کو پہرہ پر مقرر کیا۔ تھکے ماندے تو تھے ہی سب کے سب سو گئے۔ بابک نے موقع پا کر چھاپہ مارا اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ بغاخال تباہ خندق اول میں چلا آیا جو اسل میں واقع تھی۔

دار الخلافہ سے مزید افواج کی روانگی :-

جب خلیفہ کو عساکر خلافت کی متواتر ہزیمتوں اور ناکامیوں کا علم ہوا تو اس نے جعفر خیاط کی سرکردگی میں ایک فوج گراں افشین قوی دل ہو گیا۔ اور اس کی قوت بہت بڑھ گئی۔ چنانچہ فصل ربیع کے اوائل میں بابک سے معرکہ آرا ہونے کی غرض سے آہستہ آہستہ قلعہ بڈ کی طرف بڑھنے لگا۔ رات کے وقت سپاہیوں کو پہرہ پر مقرر کرتا۔ اور رات ہی کے وقت گشت کرنے کیلئے فوج کو بھیجتا جس کے ساتھ خود بھی جاتا۔ رفتہ رفتہ قلعہ بڈ کے بالمقابل ایسے مقام پر پہنچے جہاں تین پہاڑیاں ایک دوسری سے متصل واقع تھیں۔ ان تینوں پہاڑیوں کے مابین ایک وسیع میدان تھا۔ افشین نے یہیں مقام کیا اور ایک راستے کو چھوڑ کر باقی تمام راہوں کو پتھروں سے چن دیا۔ انہی پہاڑیوں کے قریب بابک کا لشکر بھی موجود تھا۔ افشین روزانہ نور کے تڑکے نماز صبح ادا کر کے نقارہ بجاتا۔ لشکری اس نقارہ کی آواز سن کے طیار ہو جاتے۔ پھر مقابلہ شروع ہوتا۔ جب تک جدال و قتال میں مصروف رہتا نقارہ بجاتا رہتا اور جب جنگ کو روکنا مقصود ہوتا۔ نقارہ بند کر دیتے اور جب پیش قدمی کا ارادہ ہوتا تو دورہ کوہ پر ایک لشکر متعین کیا جاتا جو اس قدر قوی قلعہ کی محافظت کرتا اور ہر بابک نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ جب افشین حملہ آور ہوتا تو چند آدمیوں کو کمین گاہ ساتھ لاتا اور باقی فوج کمین گاہ میں رہتی۔ افشین نے ہر چند تجسس کیا مگر راز نہ کھل سکا۔ افشین عموماً جعفر خیاط احمد بن خلیل اور ابو سعید کو تین تین دستہ فوج کے ساتھ یکے بعد دیگرے میدان کارزار بھیجتا اور خود ایک بلند مقام پر بیٹھ کر لڑائی کا منظر دیکھتا۔ اس مقام سے بابک کا قلعہ اور محل سرائے بھی دکھائی دیتا تھا۔ افشین نماز ظہر ادا کر کے مراجعت کرتا۔ اور اس کے واپس ہوتے ہی اس کی فوجیں بھی یکے بعد دیگرے میدان جنگ سے ترتیب وار ہٹ جاتیں۔ بابک اس طولانی جنگ سے گھبرا گیا۔ ایک روز حسب معمول لشکر اسلام واپس ہوا۔ اتفاق سے جعفر خیاط پیچھے رہ گیا بابک کا لشکر میدان خالی سمجھ کر قلعہ بڈ سے نکل پڑا۔ جعفر خیاط نے بڑھ کر حملہ کیا۔ اور بکواز بلند اپنے لشکریوں کو پکارا۔ جعفر کی فوج غنیم پر ٹوٹ پڑی۔ اور لڑائی دوبارہ چمک گئی۔ جعفر کی فوج میں سے ابو دلف کے ساتھ ایک گروہ مطوعہ یعنی رضا کاروں کا تھا ان رضا کاروں نے افشین کی مرضی پائے بغیر اس شدت کا دھوا کیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھ رہے

تھے کہ یہ لوگ کندیں ڈال کر قلعہ پر چڑھ جائیں گے۔ جعفر نے افشین سے پانچ سو تیر اندازوں کی امداد طلب کی۔ افشین نے کہلا بھیجا کہ تم امدادی فوج کا انتظار نہ کرو اور جہاں تک ممکن ہو آہستہ آہستہ حکمت عملی سے واپس چلے آؤ۔ کیونکہ جنگ کا عنوان خطرناک ہو رہا ہے اس عرصہ میں رضا کار مجاہد حملے کرتے ہوئے قلعہ بذ تک پہنچ گئے۔ میدان جنگ فریقین کے شور و غل سے گونج رہا تھا۔ بابک کے وہ سپاہی جو کمین گاہ میں تھے یہ جان کر کہ دشمن قلعہ تک پہنچ گیا کمین گاہ سے نکل آئے۔ افشین پر اس قلعہ کا سارا راز اور کمین گاہ کا حال کھل گیا۔ چونکہ لڑائی میں طول آگیا تھا۔ فریقین لڑتے لڑتے تھک گئے تھے اور آفتاب بھی گوشہ مغرب میں پہنچ گیا تھا۔ جعفر نے آہستہ آہستہ لڑتے لڑتے اپنے مورچہ کی طرف واپس آنا شروع کیا مغرب تک لڑائی بالکل بند ہو گئی دونوں حریف اپنی اپنی قیام گاہ تک لوٹ آئے۔

رضا کار مجاہدین کی شجاعت :-

جعفر نماز مغرب ادا کر کے افشین کے پاس گیا۔ افشین نے عدول حکمی اور خلاف مرضی جنگ میں اقدامات کرنے سے ناراضی کا اظہار کیا۔ جعفر اپنے قائد اعظم کے امداد نہ بھیجنے پر اظہار ملال کرنے لگا۔ غرض دونوں نے معقول وجوہ پیش کئے۔ صفائی ہو گئی۔ اب رضا کاروں نے حاضر خدمت ہو کر قلت رسد و مصارف کی شکایت کی افشین نے جواب دیا کہ جو شخص قلت مصارف اور گرنگی کی تکالیف پر صبر کر سکے وہ ہمارے ساتھ رہے ورنہ اپنا راستہ لے۔ امیر المومنین کے لشکر میں بھٹلہ تعالیٰ جنگ آوروں کی کمی نہیں۔ رضا کار مجاہد یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ ہم تو قلعہ بذ کو بات کی بات میں میں فتح کر لیتے مگر عسکرناحق التواء ڈال کر ہم لوگوں کو ثواب جہاد سے محروم کرتا ہے اگر ہم کو اب بھی حملہ کا حکم دے تو ہم دشمن کو اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں۔ جاسوسوں نے یہ باتیں افشین کے کانوں تک پہنچائیں۔ اس نے مجاہدوں کو طلب کر کے تسلی دی اور علی الصباح جنگ کا حکم دیا۔ جس وقت رضا کاروں نے دھاوا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا خود بھی اسی وقت حملہ کرنے کا وعدہ کیا۔ افشین نے ان لوگوں کو مال و اسباب، پانی، خوراک اور آلات حرب خاطر خواہ دید۔ زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھا کر لانے کے لئے خچروں پر مہملین رکھوا دیں۔ اور جعفر کو اسی مورچہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا جہاں تک کل بڑھ گیا تھا۔

دوسرے روز علی الصباح تیر اندازوں، فاطوں اور نامی گرامی جنگ آزماؤں کو منتخب کر کے ایک لشکر مرتب کیا اور رضا کار مجاہدوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے میدان جنگ میں آیا۔ بابک کے لشکر نے قلعہ سے تیر باری شروع کی۔ جعفر کی فوج خود کو بابک کے حملوں سے بچاتی ہوئی قلعہ بذ کی فصیلوں تک پہنچ گئی۔ اب جعفر کمال مراد گئی و استقلال سے دروازہ بذ پر پہنچ کر لڑنے لگا۔

یہاں تک کہ دوپہر ڈھل گئی۔ افشین نے حسب ضرورت ان لوگوں کے لئے کھانا اور پانی روانہ کیا اور سفر مینا کو بھی بذی فصیلوں کے توڑنے کے لئے پھلوڑے اور کدالوں کے ساتھ بھیجا۔ بابک یہ دیکھ کر قلعہ کا دروازہ کھول کر نکل آیا اور رضا اور رضا کاروں کو کاروں کو اپنے پر زور حملہ سے قلعہ بذی فصیل سے پیچھے ہٹا دیا۔ حالت جنگ نہایت خطرناک تھی کبھی تو بابک کا لشکر رضا کاروں کی قلعہ کی فصیل سے پسپا کر دیتا تھا۔ اور کبھی رضا کار باجیوں کو مار مار کر قلعہ میں بھاڑ دیتے تھے۔ غرض اس کش مکش میں شام ہو گئی اور رات نے اپنے سیاہ دامن سے آفتاب عالم کو چھپا لیا۔ افشین نے اپنے لشکر کو مراجعت کا حکم دیا۔ دونوں حریف اپنے اپنے قیام گاہ پر آئے اور لطف یہ ہے کہ اس جنگ کے بعد ہر فریق کو اپنی کامیابی کی طرف سے ناامیدی سی ہو گئی اور بہت سے رضا کاروں اپنے اپنے شہروں کو لوٹ گئے۔

قلعہ بذی لشکر اسلام کا قبضہ :-

دو ہفتہ کے بعد افشین نے پھر جنگ کی تیاری کی۔ لشکر کو چار حصوں پر منقسم کیا۔ ایک حصہ کو جس میں ایک ہزار تیر انداز تھے۔ اُدھی رات کے وقت اس پہاڑ کی طرف روانہ کیا جو قلعہ بذی کے قریب تھا اور جس کے دامن میں بابک کا نامی سپہ سالار آذین صف آرا تھا اور ان کو یہ ہدایت کر دی کہ جو نبی جعفر کو بذی کی طرف بڑھتے ہوئے پاؤ۔ بابک کے لشکر پر حملہ کر دو۔ دوسرے حصہ کو اس نیلہ کے نیچے کمین گاہ میں چھپا دیا جس کی چوٹی پر بابک کے سپاہی کمین گاہ میں بیٹھا کرتے تھے۔ تیسرے دستہ فوج کو محافظت کی غرض سے لشکر گاہ میں چھوڑا۔ اور چوتھے حصہ کو مسلح و مرتب کر کے علی الصبح اس مورچہ کی طرف آیا جہاں گذشتہ معرکوں میں ٹھہرنا تھا۔ جعفر خیاط جنید نامی افسروں کے ساتھ اس پہاڑ کی طرف بڑھا جس کے دامن میں آذین سپہ سالار بابک نے صف آرائی کی تھی۔ آذین نے جعفر کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر تیر چلانے شروع کئے۔ ادھر سے جعفر نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ دوسری طرف سے ان تیر اندازوں نے بھی آذین پر تیروں کی بارش کر دی جو نصف شب سے پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے تھے۔ آذین اس دو طرفہ مار سے بدحواس ہو گیا وہاں سے وادی کی طرف بھاگا تو دوسرے کمین گاہ والوں نے بھی اپنے خدا شگاف تیروں سے اس کا خوب استقبال کیا بابک نے عنوان جنگ بجوتے دیکھا تو افشین سے درخواست کی کہ مجھے جنگ سے صرف اتنی مہلت دو کہ میں اپنے اہل و عیال کو کسی دوسرے مقام پر منتقل کر سکوں بعد ازاں قلعہ بذی کجیاں تمہارے حوالے کر دوں گا۔ افشین نے ہنوز نفی یا اثبات میں کوئی جواب نہ دیا تھا کہ اتنے میں خبر پہنچی کہ عساکر اسلام نے قلعہ بذی پر قبضہ کر لیا ہے اور خدا کے فضل سے اس کے بلند میناروں پر خلیفہ المسلمین کا جھنڈا نصب ہو گیا ہے۔ افشین سجدہ شکر جلالا کر

قلعہ بذ میں داخل ہوا۔ اور بہت سامان غنیمت اور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔
 بابک نے اپنے اہل و عیال کو دوسرے مقام پر منتقل کر دیا تھا۔ بھاگتے وقت جس قدر ممکن
 تھا، مال و اسباب لے گیا۔ افشین نے طوک آرمینیا کو بابک کے فرار کا حال لکھ کر اس کی گرفتاری کی
 تاکید کی۔ اور اس کے آدمیوں نے خبر دی کہ بابک اس وادی میں ہے جس کا ایک کنارہ آذر باجان
 سے ملحق ہے اور دوسرا آرمینیا تک پھیلا ہوا ہے۔ افشین نے اسی وقت چند آدمی اس کی گرفتاری پر
 متعین کئے۔ مگر منجان درختوں اور پہاڑیوں نے بابک کو ان لوگوں کی نظروں سے اوچھل رکھا۔
 اس اثنا میں خلیفہ معصوم نے بابک کو امان دینے کا حکم بھیج دیا۔ افشین نے اس فرمان کو بابک کے
 ساتھیوں میں سے ایک شخص کو جو اس کے امان کا خواستگار تھا۔ حوالہ کر کے بابک کے پاس بھیجا۔
 بابک بجائے اس کے کہ پروانہ امان دیکھ کر خوش ہوتا تھا جو شغضب میں آکر افشین کے دو
 سپاہیوں کو قتل کر ڈالا اور اس وادی سے اپنے بھائیوں اور معاویہ اور اپنی ماں کو ساتھ لے کر یہ
 عزم آرمینیا نکل کھڑا ہوا۔ اتفاق سے ان محافظین میں سے اس پر کسی کی نظر پڑ گئی جنہیں اس کی
 گرفتاری کے لئے متعین کئے گئے تھے۔ محافظ نے اپنے سردار ابو السفاح سے جا کے کہہ دیا کہ
 بابک بھاگا جا رہا ہے۔ اس نے ایک چشمہ میں جا کے اسے گھیر لیا۔ بابک خود تو سوار ہو کر بھاگ
 گیا۔ مگر اس کی ماں اور اس کا بھائی ان کے پاس بھیج دیئے گئے۔
 بابک کی گرفتاری اور ہلاکت :-

اب بابک جبال آرمینیا میں جا کر روپوش ہوا۔ جاسوس اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ زاوراہ ختم
 ہو چکا تھا۔ ساتھیوں میں سے ایک شخص کو کچھ زر نقد دیکر کھانا لانے کو بھیجا۔ اتفاق سے کسی
 پولیس افسر کی اس پر نظر پڑی۔ چال ڈھال سے تازہ گیا۔ سل بن سبابا پولیس کا افسر اعلیٰ اس
 شخص کو لئے ہوئے بابک کے پاس آیا۔ بابک کا چہرہ پولیس کو دیکھتے ہی فق ہو گیا۔ سل بن سبابا
 بابک کو پہنچا دیا۔ چالیسی دم پٹی دیکر اپنے قلعہ میں لایا اور چپکے سے افشین کو اس کی اطلاع
 کر دی۔ افشین نے دو فوجی افسروں کو بابک کی گرفتاری پر مامور کیا۔ جب یہ پہنچ گئے تو ابن سبابا
 نے ان لوگوں کو ایک جانب چھپا دیا اور بابک کو شکار کھیلنے کے حیلے سے میدان کی طرف لے چلا۔
 ان افسروں نے موقع پا کر حالت غفلت میں بابک کو گرفتار کر لیا اور افشین کے پاس لائے۔ افشین
 نے اس حسن خدمت کے صلہ میں ابن سبابا کو ایک لاکھ درہم اور ایک خلعت مرحمت فرمائی۔
 اس کے بعد افشین کی طلبی پر عیسیٰ بن یوسف بن اسحاق بن ابی بلقان نے عبد اللہ اور بابک کو جو
 ایک مدت سے اس کے پاس پناہ گزین تھا، افشین کے پاس بھیج دیا۔ افشین نے دونوں بھائیوں کو
 ایک ہاتھ قید کر دیا۔ بابک کی گرفتاری کی ایک اطلاع بارگاہ خلافت میں بھیج دی۔ خلیفہ نے ماہ

شوال 222ھ میں افشین کے نام حکم بھیجا کہ اپنے دونوں قیدیوں کو لیکر سامرہ آؤ۔ مرزد سے سامرہ تک ہر منزل پر خلیفہ معصوم کے حکم سے افشین کا انتہائی عزت و احترام سے استقبال کیا جاتا تھا اور خلیفہ کا خاص قاصد خلعت فاخرہ اور ایک راس عربی گھوڑا لائے ہوئے افشین سے ملتا تھا۔ جب کے قریب پہنچا خلیفہ معصوم کا بیٹا واثق باللہ اراکین سلطنت کو لئے ہوئے بغرض استقبال سامرہ سے باہر آئے۔ خلیفہ معصوم محل میں آیا اور بابک کو سر سے پاؤں تک بخور دیکھتا رہا۔ دوسرے دن خلیفہ معصوم دربار عام میں رونق افروز ہوا لوگوں کو حسب مراتب دربار عام میں بٹھایا اور بابک کو ہاتھی پر سوار کر کے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ کسی شخص نے بابک سے کہا کہ تم اپنی زندگی کے ایسے بدکرداروں کے مرتکب ہوئے جو تم سے پہلے شاید کسی انسان سے سرزد نہ ہوئی ہوں گی اب ان کا خیازہ بھجئے کا وقت آگیا ہے لیکن اب تجھے مبر سے کام لینا چاہئے۔ ”بابک نے کہا تو عنقریب میرے ثبات و استقلال کو دیکھئے گا۔“ خلیفہ نے اس کا ایک ہاتھ قطع کرنے کا حکم دیا اس حکم کی تعمیل ہوئی لیکن بابک نے جھٹ خون سے اپنا چہرہ رنگ لیا کسی نے پوچھا کہ خون لگانے کی کیا وجہ ہے؟ کہنے لگا ایسا نہ ہو کہ خون نکلنے سے چہرہ پیلا پڑ جائے اور یہ لوگ سمجھنے لگیں کہ بابک اس سے ڈر گیا اس کے بعد اس کے دوسرے اعضاء قطع کئے گئے۔ اسی اثنا میں اس کی طرف سے اضطراب و بے چینی کی علامت بھی ظاہر نہ ہوئی۔

بابک کے مالی و جانی نقصانات :-

افشین آخری مہم میں بڑا منہ حصار بابک غلہ اور مصارف سفر و قیام کے علاوہ جس روز میدان جنگ میں جاتا تھا دس ہزار درہم بومیہ صرف میں لاتا تھا۔ اور جس دن اپنے مورچے میں رہتا تھا پانچ ہزار خرچ کرتا تھا۔ بابک کا فتنہ بیس سال تک ممد رہا۔ ان معرکوں میں دو لاکھ پچپن ہزار پانسو اور دوسری روایت کے بموجب ایک لاکھ پچپن ہزار مسلمان جرنل شہادت سے سیراب ہوئے سات ہزار چھ سو مسلمان عورتیں اور چھ اس کے بچہ ظلم سے چھڑائے گئے۔ ان سب قیدیوں کو بغداد لاکر ایک وسیع احاطہ میں ٹھہرایا گیا ان میں سے جس کسی کا ولی وارث آتا اس سے شہادت لی جاتی اور بعد ثبوت ولایت و وراثت اس کے حوالے کر دیا جاتا۔

بابکیہ کی ایک جماعت علامہ ابن جوزی کے زمانہ تک موجود تھی۔ کہتے ہیں کہ اس جماعت میں سال بھر میں خوشی کی ایک رات مقرر ہے۔ اس تقریب میں تمام مرد اور عورتیں ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں پھر چراغ گل کر دیئے جاتے ہیں اور مردانہ حیرے میں دوڑ کر جس عورت پر قابو لے اس کو پکڑ لیتے ہیں اور ان سے ناچنا و طبع حاصل کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دکھ ہے اور مباح ہے۔ شاید یہ رات میدغیر غم کے نام سے موسوم ہے۔

احمد بن کیال بلخی

احمد بن کیال بلخی فارسی اور عربی کا بہت بڑا مصنف گزرا ہے۔ بڑا فصیح و بلیغ اور بلند پایہ مقرر تھا۔ ابتدا میں لوگوں کو اہلبیت نبوت کی طرف بلاتا تھا لیکن کچھ مدت کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی امام زماں ہوں۔ جو نئی وہ دعوائے مہدویت کیا ارباب علم و فضل نے جن پر اس کی سحر نگاری، جادو بیانی اور منہ گوئی کا جادو چل چکا تھا۔ اس کے دعوؤں کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ ایک مرتبہ اپنے مروجہ مقامات مہدویت سے ترقی کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں قائم ہوں اور بیان کیا کہ جو شخص عالم آفاق (عالم علوی) اور عالم انفس (یعنی عالم سفلی) کے مناجات بیان کرنے پر قادر ہو اور انفس پر آفاق کی تطبیق کر سکے۔ وہ امام ہے اور قائم وہ شخص ہے جو کل کو اپنی ذات میں ثابت کرے اور ہر ایک کلمی کو اپنے معین جزئی شخص میں بیان کر سکے اور یاد رکھو کہ اس قسم کا مقرر سوائے احمد کے کسی زمانے میں نہیں پایا گیا۔ احمد اپنے آپ کو تمام انبیاء سے افضل کہتا تھا اس کا بیان تھا کہ انبیاء و رسل اگرچہ پیشوا ہیں لیکن وہ اہل تقلید کے مقتداء ہیں۔ جو اندھوں سے مماثلت رکھتے ہیں۔ حالانکہ قائم (احمد) اہل بصیرت اور اصحاب دانش کہتا تھا کہ عالم تین ہیں۔ اعلیٰ ادنیٰ، انسانی۔ عالم اعلیٰ میں پانچ مکاں ہیں۔ ایک مکان الاماکن جو بالکل خالی ہے نہ اس میں کوئی رہتا ہے اور نہ اس کی کوئی روحانی تدبیر کرتا ہے اور شرع میں عرش سے مراد یہی مکان الاماکن ہے۔ اس سے نیچے مکان نفس اعلیٰ اور اس کے نیچے مکان نفس ماطہ اور اس کے نیچے مکان نفس حیوانیہ ہے۔ سب کے نیچے نفس انسانی کا مکان ہے۔ نفس انسانی نے چاہا کہ عالم نفس اعلیٰ تک صعود کرے چنانچہ حیوانیت اور ماطیت کو اس نے قطع کیا لیکن جب نفس انسانی نفس اعلیٰ کے قریب پہنچا تو وہاں تھک کر متحیر اور حسرت زدہ رہ گیا اور اس کے اجزاء متعفن ہو کر مستحیل ہو گئے۔ جس سے وہ عالم سفلی میں گر پڑا۔ پھر اسی حالت عذونت اور استحالہ میں ایک مدت تک پڑا رہا۔ جس سے اس عالم کی تراکیب حادث ہوئیں اور آسمان و زمین، مرکبات، معاون، نبات، حیوان اور انسان پیدا ہوا۔

کمالات سے بڑھ چڑھ کر احیائے اموات اور مادر زاد اندھے اور مجذوم و مبرص کو صحیح و سالم کرنے کا معجزہ عطا ہوا۔ یہ ایسے لاعلاج مرض ہیں کہ جن پر آج تک کوئی طبیب قابو نہیں پاسکا۔ حکمائے یونان جناب مسیح علیہ السلام کے آیات و نبات کے سامنے خائب و خاسر رہ گئے۔ معجزات سگند مذکورہ میں سے اعجاز اول کے متعلق التماس ہے کہ مسیح علیہ السلام نے چند مرتبہ

جو مٹی کے پرندے وہ آپ کے اعجازی تصرف سے تھوڑی دور تک اڑے اور گر کر ہلاک ہو گئے۔ ان کو دوسرے پرندوں کی طرح پوری حیات و زیست نہیں بخشی گئی تھی۔ معجزہ جانی کے متعلق گزارش ہے کہ آپ نے صرف تین چار مرتبہ مردوں کو ان کی قبروں میں سے زندہ برآمد کر دیا تھا۔ وہ ایک ایک دو دو دن یا چند گھنٹوں کے بعد طعمہ اجل ہو کر از سر نو زمرة اموات میں جا شامل ہوئے تھے۔ غرض خالق کردگار نے مسیح علیہ السلام کو تخلیق و آفرینش کی قدرت و بیکر اپنی صفت خلقت میں شریک نہیں کر لیا تھا بلکہ محض جزئی اور عارضی قدرت بخش کر اپنے برگزیدہ رسول کی عظمت و برتری کا اظہار مقصود تھا۔ پس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا یہ اعتراض سخت لغو اور معشکہ خیز ہے کہ ”اگر خدا تعالیٰ اپنے اذن اور ارادہ سے اپنی خدائی کی صفتیں بندوں کو دے سکتا ہے تو بلاشبہ اپنی ساری صفتیں خدائی کی ایک ہمدے کو دیکر پورا خدا بھی بنا سکتا ہے۔“ (ازالہ ادہام مؤلفہ مرزا غلام احمد ص 125)

نصاری کا زعم باطل کہ مسیحؑ کا احیائے اموات ان کی الوہیت کو مستلزم ہے :-

اسی طرح نصاریٰ کا مسیح علیہ السلام کے احیائے اموات اور دوسرے معجزات سے ان کی خدائی پر استدلال کرنا بھی باطل ہے چنانچہ رب جلیل نے فرمایا ہے :- ان لوگوں نے بلاشبہ کفر اختیار کیا جو کہتے ہیں کہ مسیحؑ بن مریم ہی خدا ہیں۔ اے رسولؐ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر حق تعالیٰ مسیحؑ اور ان کی والدہ اور تمام سكان ارض کو ہلاک و برباد کر دیتا چاہے تو کوئی نہیں جو اسے اس ارادہ سے باز رکھ سکے۔ آسمان و زمین میں سب کچھ اللہ ہی کا ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے الوہیت مسیحؑ کے عقیدہ فاسق کا تین دلائل سے رد فرمایا ہے۔ (1) ترجمہ :- حضرت مسیحؑ کے واقعہ گرفتاری اور بجن کی طرف اشارہ کر کے ان کا محکوم و منقاد الہی ہونا ظاہر کیا ہے جو سراسر خدائی کے خلاف ہے (2) ترجمہ :- میں رب العزت اپنے غنائے ذاتی کو ظاہر فرما کر اولاد سے استغناء و استبراء کا اظہار فرماتا ہے۔ (3) ترجمہ :- میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے سے جن لوگوں کے دل میں ان کی الوہیت کا واہمہ پیدا ہوتا تھا اس کو دور فرمایا یعنی یہ کوئی مشکل بات نہیں ہم جس طرح چاہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ احیائے موتی سے جناب مسیح علیہ السلام کی خدائی پر استدلال کرنے کا اس آیت میں بھی رد فرمایا گیا ہے۔ ترجمہ :- (معبود حقیقی تو وہ ذات واحد ہے جو اپنی مشیت و ارادہ کے موافق تمہیں تمہاری ماؤں کے رحم میں شکل و صورت عطا ہے)

چنانچہ مسیح علیہ السلام چند مردوں کو زندہ کر کے کسی طرح معبود نہیں قرار دیئے جاسکتے

کیونکہ اس سے تو ہر شخص یہی سمجھے گا کہ حق تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کی عزت افزائی کیلئے معجزہ کے طور پر انہیں چند مرتبہ یہ قدرت بخش دی اور یہ حقیقت کہ ان کے احیاء اموات کو عالمگیر حیثیت حاصل نہ تھی اس بات پر صراحتہ دال ہے کہ وہ اللہ نہ تھے کیونکہ اللہ و معبود حقیقی کی تو یہ شان ہے کہ وہ ایک چھوٹے سے قطرہ منی کو رحم مادر میں نہایت عجیب و غریب طریقہ سے انسان کی شکل میں مشکل کر دیتا ہے۔ اگر مسیح علیہ السلام کو موت و حیات پر پوری قدرت ہوتی تو وہ کم از کم ان اعداء ہی کو موت کے گھاٹ اتارتے یا کم از کم ان کا شر دفع کر سکتے جنہوں نے حسب اعتقاد نصاریٰ جناب مسیحؑ کو گرفتار کر کے صلیب پر چڑھایا تھا۔

ایک اور مقام پر خدائے حکیم نے اپنے لئے حق و قیوم کے الفاظ سے بھی عیسائی عقیدہ کا بطلان فرمایا ہے یعنی سچا معبود وہی ہو سکتا ہے جو حق و قیوم ہو اور ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام ان صفات سے عاری تھے کیونکہ وہ شکم مادر سے پیدا ہوئے۔ اکل و شرب کے محتاج تھے۔ دوسرے انسانوں کی طرح بول و دماغ اور حدیث میں مبتلا تھے اور نصاریٰ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ بنی اسرائیل نے انہیں صلیب پر چڑھا کر قتل کیا اور آپ اپنے تئیں ان کے شر سے نہ چا سکے پس ثابت ہوا کہ وہ حق و قیوم اور معبود حق نہ تھے۔

فصل 2- مرزا غلام احمد سے مطالبہ کہ مسیح ہو تو کوئی مسیحائی دکھاؤ

اہل بہریت سے مخفی نہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ایک فرضی اور خیالی حل کے ذریعہ سے عیسیٰ بن مریم بن گئے تھے چنانچہ انہوں نے کتاب ”مکشی نوح“ (ص 46-48) میں اپنے لکھن مریم بن جانے کو نہایت مضحکہ خیز پیرایہ میں وضاحت فرمایا ہے۔ غرض جب انہوں نے اپنے عیسیٰ بن مریم بن جانے کا اعلان کیا تو بعض اہل علم حضرات کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ اگر تم عیسیٰ بن مریم ہو تو وہ اعجازی کلمات بھی دکھاؤ جو جناب عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کی ذات اقدس میں ودیعت تھے۔ مرزا صاحب کے پاس جو سخن سازی کے رکھائے کیا تھا ۱۹ اس مطالبہ کے جواب میں بساط جرأت پر قدم رکھ کر سرے سے معجزہ مسیح علیہ السلام ہی کا انکار کر دیا اور جھٹ کران پاک کے ارشادات پر اپنی لہجہ نہ تحریف کاری کا روغن قازطے لگے۔ چنانچہ لکھا کہ ”بعض لوگ حوالہ آیت قرآنی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح بن مریم انواع و اقسام کے پرندے بنا کر نوران میں پھونک مار کر زندہ کر دیا کرتے تھے چنانچہ اسی بنا پر اس عاجز پر اعتراض کیا ہے کہ جس حالت میں طیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے تو پھر آپ بھی کوئی مٹی کا پرندہ بنا کر دکھائیے۔“

(ازالہ لوہام)

سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر

اطلاع دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبائے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے معنوی باپ یوسفؑ ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ یوحناؑ کا کام درحقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہوتی ہے۔ پس اس سے کچھ تعجب نہ کرنا چاہئے کہ حضرت مسیح نے اپنے معنوی دادا کی طرح اس وقت کے مخالفین کو یہ عقلی معجزہ دکھایا ہو چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اکثر صنایع ایسی ایسی چیزیاں بنالیتے ہیں وہ بولتی بھی ہیں اور ہلتی بھی ہیں اور دم بھی ہلاتی ہیں بلکہ بعض چیزیاں کل کے ذریعہ سے پرواز بھی کرتی ہیں۔ عمل الترب جس کو زمانہ حال میں مسبریزم کہتے ہیں ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس میں پوری پوری مشق کرنے والے اپنی روح کی گرمی دوسری چیزوں پر ڈال کر ان چیزوں کو زندہ کے موافق کر دکھاتے ہیں۔ حضرت مسیح ابن مریم باذن و حکم الہی نبی کی طرح اس عمل الترب میں کمال رکھتے تھے۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا۔ تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نمایوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔ مسیح اپنی روح کے ذریعہ سے جس کو روح القدس کے فیضان سے برکت بخشی گئی تھی ایسے ایسے کام اقتداری طور پر دکھاتا تھا اور قرآن کی آیات بھی باقواز بلند پکار رہی ہیں کہ مسیح نے ایسے عجائب کاموں میں اس کو طاقت بخشی گئی تھی اور خدائے تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ وہ ایک فطرتی طاقت تھی جو ہر ایک فرد ولہر کی فطرت میں مودع ہے۔ مسیح سے اس کی کچھ خصوصیت نہیں۔ مسیح کے معجزات تو اس تالاب کی وجہ سے بے رونق اور بے وزن تھے جو مسیح کی ولادت سے بھی پہلے مظهر عجائبات تھا۔ جس میں ہر قسم کے ہمار اور تمام مہزوم مفلوج مبروض وغیرہ ایک ہی غوطہ مار کر اچھے ہو جاتے تھے لیکن بعد کے زمانوں میں جو لوگوں نے اس قسم کے خوارق دکھائے اس وقت تو کوئی تالاب بھی موجود نہیں تھا۔

غرض اس لحاظ سے کہ اعجاز نمائی مرزا صاحب کے بس کا روگ نہیں تھا۔ انہوں نے اس ”بکھوڑے اور جنجال“ سے چنے کی یہ آسان ترکیب نکالی کہ سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام ہی کا انکار کر دیا اور آخر کار یہاں تک لکھ مارا کہ ”عیسائیوں نے آپ (یسوع مسیح) کے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا ممکن ہے کہ آپ نے معمولی تعمیر کے ساتھ کسی شب کوڑی وغیرہ کا علاج کیا ہو مگر بد قسمتی سے اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا۔ اسی تالاب سے آپ کے معجزات کی پوری پوری حقیقت نکلتی ہے اور اسی تالاب نے فیصلہ کر دیا کہ اگر آپ سے کوئی معجزہ ظاہر ہوا تو آپ کا نہیں بلکہ اسی تالاب کا معجزہ ہے۔ آپ کے ہاتھ میں (معاذ اللہ) سوائے مکر اور فریب کے کچھ نہیں تھا لیکن ہوا العجبی دیکھو کہ اس کے بعد

مرزا صاحب نے کتاب ”نصرۃ الحق“ (ص 31) میں معجزات مسیح علیہ السلام کی تصدیق کر کے اور یہ لکھ کر اپنے بیانات کی خود ہی تردید کر دی کہ ”یہود نے مسیح علیہ السلام سے کئی معجزات دیکھے مگر ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا“ (محمدیہ پاکٹ بک 230)

فصل 3۔ یحییٰ ساباطی کی ”اعجاز نمایاں“

مرزا خلام احمد صاحب قادیانی نے تو معجزات مسیح علیہ السلام کا انکار کر کے معتز ضین سے ہچکا چھڑایا لیکن یحییٰ ساباطی نے ایسا نہیں کیا تھا اور نہ مرزا صاحب کی طرح اس میں اتنی جرات تھی کہ مصر میں رہ کر قرآن پاک کے نصوص صریحہ سے صاف انکار کرتا جہاں کے باشندوں مسٹر مارڈیوک پتھال کے انگریزی ترجمہ قرآن کا داخلہ مصر یہ کہہ کر بند کر دیا تھا کہ عربی ہماری مادری زبان ہے، ہمیں کسی ترجمہ قرآن کی ضرورت نہیں۔ ”یہ ملک جہاں معجزات مسیح علیہ السلام کا انکار کیا گیا خراب آباد ہندوستان ہے جہاں کے بعض حلقوں میں کبھی سنگریزہ کیا اس سے بھی کہیں ادنیٰ وارذل چیز لعل و گہر کی قیمت پائی جاتی ہے۔ یحییٰ بن فارس ایک حاذق طبیب اور فلاسفر تھا اس نے سمندر کے کنارے ایک صومعہ بنا رکھا تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ تم مسیح موعود ہو تو مسیح علیہ السلام کے سے معجزے بھی دکھاؤ۔“ تو اس نے علیٰ ر غم قادیانی بانگِ دہل اس پر آمادگی ظاہر کی اور بر ملا دعویٰ کیا کہ میں حسبِ فرمائش مردہ زندہ کر سکتا ہوں۔ برص اور جذام کھو سکتا ہوں۔ پانی پر چل سکتا ہوں۔ چنانچہ علامہ عبدالرحمن بن ابوجبر و مشقی معروف بہ جویری ”کتاب الحقا و کشف الاسرار“ میں لکھتے ہیں کہ اس نے شعبہ بازی کے ذریعہ سے لوگوں کو مردہ زندہ کر کے دکھا دیا۔

مردہ قبر سے نکل کر باتیں کرنے لگا :-

چنانچہ ایک مرتبہ یحییٰ ایک شخص کے وارثوں سے جسے مرے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہنے لگا کہ چاہو تو میں تمہاری میت کو زندہ کر دے سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا اگر ایسا کر دو تو آپ کی نوازش ہوگی اس نے کہا کفن کا ایک ٹکڑا کاٹ لاؤ وہ قبر کھول کر ایک ٹکڑا قطع کر لائے۔ یحییٰ نے اس کو وزن کیا پھر اس کا ہم وزن ناریل مید ستر لیا۔ منوخر الذکر اشیاء کو باریک کر کے ایک فتیلہ بنایا اور قبر پر جا کر اہل میت کے سامنے اس کو سلکایا اور کچھ پڑھنا شروع کیا جب بتی سے دھواں اٹھ کر چاروں طرف پھیلنے لگا۔ تو اہل میت کو ایسا محسوس ہوا کہ گویا مردہ کفن چھڑ کر قبر میں اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اب انہوں نے اس سے چند باتیں دریافت کیں جس کا اس نے صاف لفظوں میں جواب دیا۔ اس واقعہ کے بعد ہر جگہ یحییٰ کے مسیحائی کے

چرچے ہونے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے ہر طرف سے اپنی اپنی بیویوں کو اٹھالے جانے کے لئے صومعہ کا رخ کیا اور آکر پھیل کرنے لگے کہ ہمارے مردہ کو بھی زندہ کر کے ہم سے ہمکلام کر دو۔“ مگر ایک مرتبہ کی کرشمہ سازی کے بعد اس نے دوبارہ ”احیائے میت سے انکار کر دیا۔“ لیکن یاد رہے کہ مردہ کا قبر سے اٹھ کر باتیں کرنا محض تخیل تھا کہ کوئی چیز نہ تھی۔ اس کی نظیر ساحرین فرعون کی رسیاں اور لاثییاں ہیں حاضرین کو ددڑاتی دکھائی دی تھیں۔ چنانچہ قرآن پاک کی آیہ میں اس کا تذکرہ ہے ترجمہ :- (ان کی نظر بندی کے سبب ساحروں کی رسیاں کی رسیاں اور لاثییاں موسیٰ (علیہ السلام) کو ایسی معلوم ہونے لگیں کہ گویا چلتی اور دوڑتی ہیں)۔

مبروض کو شفیایاب کرنے کا راز :-

یہی مروض کے مریض کو شفا بخشنے کا جو ”معجزہ“ کام میں لاتا تھا۔ اس کی نوعیت کہ وہ پودینہ ہڑتال درتی اور ختم کرفس کو ہموں لے کر باریک کرتا تھا اور سلوف کو ترگوہر میں رکھ کر اتنے دن تک زمین میں گاڑ دیتا تھا کہ اس میں سفید کیڑے پیدا ہو جاتے تھے۔ ان کیڑوں کو کسی شیشی میں ڈال کر روغن مایلتا تھا۔ اس روغن کی طیاری کے بعد اس کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ شہر کے کسی سرد آورہ آدمی کو مصنوعی طور پر مروض میں مبتلا کر دے اس غرض سے وہ اپنے ایک راز دار ملازم کو حمام میں بھیج دیتا وہ بے خبری میں کسی رئیس کے جسم پر یہ روغن ڈرا سا لگا دیتا۔ رئیس جسم پر اسی دن مروض کے سے داغ ظاہر ہو جاتے شہر میں یہی ہی مرجع خلایق طبیب تھا جب مریض اس کی طرف رجوع کرتے۔ شطیرج ہندی نام ایک دوا جسے پیتا بھی کہتے ہیں باریک پس کر اور تیز سرکہ میں حل کر کے ان داغوں پر لگا دیتا۔ چونکہ بالکل تازہ اور محض عارضی حیثیت رکھتے تھے شطیرج کے لگانے سے تھوڑی ہی دیر میں دور ہو جاتے۔

کوڑھیوں کو شفا بخشنے کی حیلہ گری :-

یہی نے جذامیوں کو شفیایاب کرنے کا یہ حیلہ مار کھا تھا کہ بادروج (جنگلی تمباکو) میلا ڈونا (لکھنا بھجی) اور برگ عظم (؟) کو ہم وزن لے کر پانی میں جوش دیتا۔ جب راج پانی جل جاتا تو اپنے چند راز دار آدمیوں کو اس سے وضو کروا دیتا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے چہرے اور ہاتھ اور پاؤں جذامیوں کے اعضاء کی طرح بد نما اور ماؤف سے نظر آنے لگتے۔ اب وہ دیار و امصار میں اپنے جذام کی خوب تشبیر کرتے۔ جب ہر شخص کو معلوم ہو جاتا کہ یہ اہل بلا ہیں تو ایک دن بھر سے مجمع میں یہی کے پاس آکر درخواست کرتے کہ آپ مسیح زمان ہیں۔ ہمارا اجدام دور کر دیجئے۔ ”یہی

پانی گرم کرا کر اس میں جو زیاں ڈالتا اور ان کو اس پانی سے غسل کرنے کا حکم دیتا۔ چونکہ وہ جذام
محصّٰس نمائشی ہوتا تھا غسل سے دوا دھل کر ہاتھ پاؤں اور چہرہ صاف اور چمک دار نکل آتا۔ لوگ
یہ سمجھتے تھے کہ حضرت ”مسح موعود“ کی برکت و توجہ سے کوڑھی صحیح دسالم ہو گئے۔“
پانی پر چلنے کا ”معجزہ“:-

حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانی پر چلنے کا معجزہ بھی عطا کیا گیا تھا۔ یحییٰ پانی پر چلنے کا
معجزہ اس طرح دکھاتا تھا کہ اپنے کف ہائے پاؤں پر ایک مصالحہ لگا کر سمندر کے کنارے پانی میں
اترتا۔ بوی بوی مچھلیاں اس بو سے آکر اس کے پاؤں چاٹنا چاہتیں یہ اپنے دونوں پاؤں کسی بوی
مچھلی کی پیٹھ پر رکھ دیتا۔ اب مچھلی جہاں پانی میں جاتی وہ اس پر سوار رہ کر ساحل بحر کا چکر
لگاتا۔ قدم اٹھتے دکھائی نہ دیتے تھے۔ باہر کے لوگ یہی سمجھتے کہ اعجازی طاقت سے سطح آب پر
چل رہا ہے۔ اس دوا کے تین اجزاء میان کئے جاتے ہیں۔ بادروج (جنگلی تلسی) سرسین آدمی اور
حب الخبز؟ تینوں ہم وزن لے کر باریک کر تالور روغن چنبیلی میں ملا لیتا۔

علی بن محمد خارجی

علی بن محمد بن عبدالرحیم نام قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص موضع درہین مضافات رے میں پیدا ہوا خوارج کے فرقہ راقہ سے تعلق رکھتا تھا ہمدانیہ میں اس کی وجہ معاش یہ تھی کہ خلیفہ مستنصر عباسی کے بعض حاشیہ نشینوں کی مدح و توصیف میں قصائد لکھ کر کچھ انعام حاصل کر لیا کرتا تھا جب امراء کی مجلسوں میں آمد و رفت کرنے سے کچھ رسوخ پیدا ہوا تو اس کے دل میں فرقہ داری اور گروہ بندی کے خیالات موجزن ہوئے۔ 249ھ میں بغداد سے بحرین چلا گیا اور دعوائے نبوت کر کے لوگوں کو اپنے اتباع کی دعوت دینے لگا۔ اس کا بیان تھا کہ مجھ پر بھی کلام الہی نازل ہوتا ہے۔ اس نے اپنا ایک ”صحیفہ آسمانی“ بکھار رکھا تھا۔ جس کی بعض سورتوں کے نام سبحان کف اور ص تھے کتا تھا کہ خدائے برتر نے میری نبوت و امامت کی بہت سی نشانیاں ظاہر فرمائی ہیں بعض حضرات نے علی بن محمد خارجی کی جگہ یہود زنگی کو مدعی نبوت قرار دیا ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں زنگیوں کا گمراہ کرنے والا یہی علی بن محمد مدعی نبوت تھا اور یہود زنگی اس کا امیر البحر تھا۔ بحرین کے اکثر قبائل نے علی بن محمد خارجی کی متابعت اختیار کر لی۔ وہاں اس نے ایک بڑی جمعیت بہم پہنچالی اور بحرین کے بعض عمائد اس کی فوج کے افسر مقرر ہوئے۔ قریبا پانچ سال تک بحرین میں اقامت گزیر رہنے کے بعد ایک مرتبہ اپنے پیروؤں سے کہنے لگا کہ مجھے خدا کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ یہاں سے بھرہ جاؤں اور وہاں کے لوگوں کو نجات اخروی کا راستہ دکھاؤں۔ چنانچہ 255ھ میں چند پیروؤں کی رفاقت میں بھرہ چلا آیا۔ بھرہ میں موصیہ کے ہاں فردکش ہوا۔ ان دنوں محمد بن رجا بھرہ کا عامل تھا اور بلالیہ و سحہ یہ کے قبائل میں آتش فساد بھڑک رہی تھی۔ علی بن محمد خارجی نے فریقین میں سے ایک کے ملانے کی کوشش کی راز افشاء ہو گیا محمد رجا عامل بھرہ نے چند سپاہیوں کو اس کی گرفتاری پر متعین کیا۔ علی خارجی یہ خبر پا کر بھاگ کھڑا ہوا اس کا بیٹا بیوی اور چند ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔ علی بہ ہزار خرابی بغداد پہنچا۔ ایک برس تک مقیم رہ کر پروپیگنڈا میں مصروف رہا اس کے بعد رؤساء بلالیہ و سحہ یہ نے متفق ہو کر محمد بن رجا عامل بھرہ کو نکال دیا۔ اور بھرہ کے قید خانہ کا دروازہ توڑ کر قیدیوں کو رہا کر دیا۔ رفتہ رفتہ ان واقعات کی خبر بغداد میں علی خارجی تک پہنچی۔ اس نے میدان خالی پا کر رمضان 255ھ میں بھرہ کی طرف مراجعت کی۔

جہشی غلاموں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے کی عجیب و غریب چال :-

بھرہ پہنچ کر علی بن محمد نے قصر قرشی میں قیام کیا اور آتے ہی اعلان کر دیا کہ جو غلام میری پناہ میں آجائیں گے میں ان کو آزاد کر دوں گا۔ ”اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جہشی اطراف و اکناف ملک سے بھاگ بھاگ کر اس کے پاس آنے شروع ہوئے۔ ایک جم غفیر جمع ہو گیا اس نے ایک پر جوش تقریر کر کے ان کو ملک و مال دینے کا وعدہ کیا حسن سلوک اور احسان کرنے کی قسم کھائی ایک ریشمین نکلے پر آخر آیت تک لکھ کر رایت بنایا اور ایک بلند مقام پر نصب کر دیا زنگی کے آقاؤں کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ ایک ایک دو دو کر کے علی کے پاس اپنے غلاموں کی نسبت کہتے سننے کو آئے علی نے اثر لینے سے انکار کر دیا۔ زنگی غلاموں نے اپنے آقاؤں کو مارنا اور قید کرنا شروع کیا۔ شرفاء بھرہ یہ رنگ دیکھ کر دم خود رہ گئے آخر علی نے ان لوگوں کو جنہیں جہشی غلاموں نے قید کر رکھا تھا رہا کر دیا الغرض علی خارجی کارایت اقبال کامیابی کی ہوا میں لہرانے لگا۔ ملک ہر چار طرف سے زنگی غلام جوق جوق اس کے جھنڈے تلے آکر اپنے کو غلامی سے آزاد کراتے جا رہے تھے۔ یہ شخص ہر وقت ان کو اپنی دلولہ انگیز تقریروں سے ابھارتا اور ملک و مال پر قبضہ کرنے کی تحریص کر رہا تھا۔ جب جہشی غلاموں کی ایک بڑی جمعیت اس کے جھنڈے تلے مرنے مارنے کو تیار ہو گئی تو ترکتاز کرتے ہوئے سواد، دجلہ، ایلہ اور قادسیہ کو تاخت و تاراج کیا۔ جہاں کہیں حکام نے مقابلہ کیا ہزیمت اٹھائی۔ ان واقعات سے اس کی قوت اور بھی بڑھ گئی۔ اہل بصرہ آئندہ خطرات کا لحاظ کر کے چار دفعہ علی کے مقابلہ پر آئے مگر ہر مرتبہ ہزیمت اٹھائی۔ زنگیوں نے ہر دفعہ ان کے سامان جنگ اور آلات حرب چھینے۔ ان فتوحات سے زنگی غلاموں کی جرأت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس طوفان بلا کے فرو کرنے کو دربار خلافت سے یکے بعد دیگرے سپہ سالار بھیجے گئے مگر دونوں ہزیمت کھا کے اور مال و اسباب چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ زنگی مال و دولت سے مالا مال ہو گئے۔ اہل بصرہ نے پانچویں مرتبہ پھر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور ان کے ہزار ہا آدمی کام آئے۔ اہل بصرہ نے ان واقعات سے خلیفہ کو مطلع کیا۔ دربار خلافت سے ایک ترک افسر جحلان نام ایک فوج گراں کے ساتھ اہل بصرہ کی کمک کو گیا۔ چھ مہینہ تک جنگ و پیکار برپا رہی۔ آخر جحلان جنگ سے دست بردار ہو کر بصرہ چلا آیا۔ زنگیوں نے کامیابی کے ساتھ اس کے لشکر کاہ کو لوٹا۔

علی خارجی کے فتوحات :-

علی خارجی نے 252ھ میں بذریعہ تیغ ایلہ میں گھس کر وہاں کے گورنر عبید اللہ بن حمید اور اس

کی مختصر سی فوج کو یہ تیغ کیا اور شہر کو آگ لگادی۔ ایلہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ اب ابواز تک مارا علاقہ علی کے زیر اقتدار میں آ گیا۔ زنگیوں نے ابواز کو خاطر خواہ لوٹا اور امیر الجیم بن مدد وہاں کے عامل کو گرفتار کر لیا۔ اہل بصرہ زنگیوں کے خوف سے شہر خالی کر کے اطراف و جوانب بلاد میں بھاگ گئے۔ 257ھ میں خلیفہ معتمد نے سعید بن صالح ایک مشہور سپہ سالار کو زنگیوں کی شمالی پر متعین کیا۔ سعید نے میدان جنگ میں پہنچ کر زنگیوں پر حملہ کیا اور پہلے ہی حملہ میں انہیں میدان جنگ سے بھگا دیا۔ وہ دوبارہ اپنی قوت کو مجتمع کر کے لڑنے کو بیڑھے۔ سعید کو اس سرکہ میں ناکامی ہوئی اور اس کے اکثر ساتھی کام آگئے۔ سعید خائب و خاسر دار الخلافہ سامرا متصل بغداد واپس چلا آیا۔

اب خلیفہ معتمد نے جعفر بن منصور خیاط کو جو بڑے بڑے معرکوں میں نام پا چکا تھا متعین فرمایا۔ جعفر نے پہلے کشتیوں کی آمدورفت روک دی۔ جس سے زنگیوں کی رسد بند ہو گئی۔ اس کے بعد زنگیوں سے جنگ کرنے کو روانہ ہوا مگر شکست کھا کر بحرین چلا آیا۔ جس وقت سے جعفر ریامیں زنگیوں سے شکست کھا کر واپس آیا تھا ان کے مقابلہ پر جانے سے جی چراتا اور کشتیوں کی صلاح، خندقوں کی کھدائی اور مورچہ بندی پر اکتفا کرتا رہا تھا۔ اس اثنا میں علی بن ریان نے جو زنگیوں کا ایک سپہ سالار تھا اس پر محاصرہ ڈالنے کی غرض سے بصرہ پر چڑھائی کر دی۔ آخر نصف شوال 257ھ میں بصرہ کو بذریعہ تیغ فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کو نہایت سفاکی سے قتل و غارت کر کے واپس آیا۔ اس پر بھی اس کے بے رحم دل کو تسکین نہ ہوئی۔ دوبارہ سہ بارہ قتل و غارت کرتا رہا بصرہ گیا۔ اہل بصرہ نے امان طلب کی۔ علی بن ریان نے امان دیکر لوگوں کو دارالامارت میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب تمام لوگ مجتمع ہو گئے تو سب کو جرعہ شہادت پلا دیا اور مسجد جامع اور نشر محلات بصرہ میں آگ لگادی۔

جب بصرہ کی تباہی و بربادی کی خبریں بغداد (سامرہ) پہنچیں تو خلیفہ معتمد نے ایک سپہ سالار محمد معروف بہ مولد کو ایک لشکر جبار کے ساتھ بصرہ کی جانب روانہ کیا۔ مولد رخصت ہو کر بصرہ آیا۔ لوگوں نے درود کر زنگیوں کے ظلم و جور کی شکایت کی۔ مولد نے ان کو اور اپنے لشکر کو مرتب کر کے زنگیوں پر دھاوا کیا۔ علی خارجی نے اپنے جنگی افسر یحییٰ بن محمد کو مولد کے مقابلہ پر بھیجا۔ دس روز تک لڑائی ہوتی رہی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ علی خارجی نے ابولیت اصفہانی کو یحییٰ بن محمد کی کمک پر بھیجا اور حالات غفلت میں شیخون مارنے کی ہدایت کی۔ غرض زنگیوں نے مولد کے لشکر پر شیخون مارا۔ رات بھر اور پھر صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ مغرب کے وقت مولد نے شکست کھائی۔ زنگیوں نے اس کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ زنگیوں نے جامہ تک منہزم لشکر کا تعاقب کیا۔

شاہزادہ ابوالعباس کی روانگی اور اسلامی قشوں کا ہرہ کے فتوحات :-

اس کے بعد مسلسل نو سال تک دار الخلافہ سے سپہ سالار فوجیں دیکر بھیجے جاتے رہے لیکن ان میں سے کوئی بھی زنگیوں کی تاب مقاومت نہ لاسکا۔ سب کے سب تمام مال و اسباب اعداء کی نذر کر کے بھاگ آتے رہے۔ آخر خلیفہ نے زنگیوں کی سالہا سال کی کامیابی اور عساکر سلطانی کی ہزیمتوں سے ملول ہو کر اپنے بچے ابوالعباس معتمد بن موفیٰ کو زنگیوں کی مہم پر روانہ کیا۔ ابوالعباس وہ شخص ہے جو آئندہ چل کر خلیفہ معتمد کے بعد سریر خلافت پر متمکن ہوا اور معتمد باللہ کے لقب سے مخاطب کیا گیا۔ ابوالعباس ربیع الثانی 266ھ کو دس ہزار فوج پیادہ و سوار کی جمعیت سے زنگیوں کی طرف روانہ ہوا۔ علی خارجی نے اس مہم کیلئے بے شمار فوجیں فراہم کی تھیں اس نے سن رکھا تھا کہ ابوالعباس ایک نوجوان شاہزادہ ہے جسے معرکہ آرائی میں مطلق دخل نہیں ہے۔ اس سے اس نے یہ خیال قائم کر رکھا تھا کہ اول تو ابوالعباس ہماری کثرت فوج سے خائف ہو کر برسر مقابلہ نہ آئے گا اور اگر مقابلہ کرنے کی جرأت بھی کی تو پہلے ہی حملہ میں اس کے دانت ایسے کھٹے کر دیئے جائیں گے کہ کبھی لڑائی کا نام نہ لے گا۔ ابوالعباس نے ایک قصبہ میں جس کا نام صلح تھا پہنچ کر فریق مقابل کی خبریں لانے کیلئے جاسوس دوڑائے۔ جاسوسوں نے آکر اطلاع دی کہ زنگیوں کا لشکر بھی آن پہنچا ہے چنانچہ ان کے لشکر کا پہلا حصہ قصبہ صلح کے اس کنارے پر ہے اور آخری حصہ لشکر نشیبی واسطہ تک پھیلا ہوا ہے۔ ابوالعباس متعارف راستہ چھوڑ کر غیر معروف راہ سے مقابلہ کیلئے روانہ ہوا۔ اٹار راہ میں غنیم کے مقدمہ الخیش سے مڈبھڑ ہو گئی۔ ابوالعباس نے پہلے تو اپنے پر زور حملہ سے زنگیوں کو پیچھے ہٹا دیا مگر پھر مسلحانہ خود پیچھے کو ہٹا۔ زنگی اس کی پسپائی سے قوی دل ہو کر بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ ابوالعباس نے اس سے پیشتر دریای کی راہ سے جنگی کشتیوں کا ایک بیڑا بھی روانہ کیا تھا جس کی قیادت ابو حمزہ نصیر کے سپرد تھی چنانچہ نصیر بھی ابوالعباس کے حسب ہدایت اپنی فوجوں کو ایک طرف لئے پڑا تھا۔ جب زنگی بڑھ بڑھ کر حملہ آور ہونے لگے تو ابوالعباس نے لاکار کر کہا ”نصیر! کیا دیکھتے ہو؟ یہ کتے اب آگے نہ بڑھنے پائیں۔“ نصیر یہ آواز سن کر ایک دوسری جانب سے جس طرف کہ زنگیوں کو کوئی وہم و گمان نہ تھا اپنا ٹڈی دل لئے ہوئے نکل پڑا۔ زنگی حواس باختہ ہو گئے کچھ سو بھائی نہ دیا کہ کیا کریں۔ عالم سراپتگی میں دریای کی طرف بھاگے۔ ابوالعباس نے رومال یا جھنڈی کے اشارہ سے جنگی کشتیوں کی فوج کو بھی معاملے کا حکم دیا۔ غرض حبشی چاروں طرف سے حملہ کی زد میں آگئے۔ آخر گھبرا کر جدھر راستہ پایا، بھاگ کھڑے ہوئے۔ عساکر خلافت نے چھ کوس تک تعاقب کیا اور جو کچھ غنیم کے لشکر گاہ میں تھالوٹ لیا۔ یہ پہلی فتح تھی جو شاہی فوج کو سالہا سال کی متواتر اور

مسلل ہزیموں کے بعد زنگیوں کے مقابلہ میں نصیب ہوئی۔

ابو العباس نے واسطہ سے ایک کوس ہٹ کر پڑاؤ کیا۔ اب دونوں فریق از سر نو اپنی اپنی فوج کی اصلاح اور ضروریات یا حرب کی ترتیت میں مصروف ہوئے۔ ایک ہفتہ کے بعد زنگیوں کا ایک سپہ سالار سلیمان بن جامع اپنے لشکر کو تین حصوں پر منقسم کر کے تین طرف سے حملہ کرنے کی غرض سے ابو العباس کی طرف بڑھا اور چند دستہ فوج کو کشتیوں پر سوار ہو کر براہ دریا حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ابو العباس اور نصیر نے اپنی ہمت دریائی حملہ کی روک تھام پر مبذول کی اور اس کے مقابلہ میں اپنی فوج کو خشکی پر دست بدست لڑنے کا اشارہ کیا۔ ہنگامہ کار زار گرم ہوا۔ دوپہر تک آتش حرب شعلہ زن رہی۔ ظہر کے قریب زنگی ہمت ہار بیٹھے اور نہایت افرا تفری اور بے ترتیبی کے ساتھ خوف جاں بھاگنے لگے۔ ظہر کے بعد زنگیوں کے لشکر میں عام بھگ دڑ مچ گئی۔ ابو العباس لشکر غنیم کو موت کے گھاٹ اتارنے اور قید کرنے میں مشغول ہوا اور زنگیوں کی جنگی کشتیاں گرفتار کر لی گئیں۔ ہزاروں زنگی موت کے گھاٹ اترے۔ ابو العباس مظفر و منصور اپنے لشکر گاہ پر واپس آیا۔

زنگیوں نے لشکر خلافت کے راستہ میں گڑھے کھود دیئے :-

زنگیوں نے اپنی ہزیمت و فرار کے بعد خلیفہ المسلمین کے لشکر کی ایذا رسانی کیلئے یہ شیطنت کی کہ آئندہ جس طرف سے لشکر خلافت کا گزر ہونے والا تھا۔ اس راستے بڑے بڑے کنویں اور گڑھے کھود کر انہیں گھاس بھوس اور مٹی سے پات دیا۔ ابو العباس کی فوج اپنی فتح کے نشہ میں سرشار دشمن کی چالوں سے غافل تھی۔ بوقت مراجعت اسی راستہ سے ہو کر گزری۔ مگر غنیمت ہے کہ ابھی دو چار ہی سوار ان گڑھوں میں گرے تھے کہ متنبہ ہو گئی۔ شاہی لشکر نے اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کر لی۔ ابو العباس کو زنگیوں کی اس کینہ کی حرکت پر سخت طیش آیا اور نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے کام لینے لگا۔ پہلی فتح کے بعد عساکر خلافت کیلئے فتوحات کا دروازہ کھلا تو اس کے بعد زنگیوں کو بہت سی اور ہزیمتیں ہوئیں جن کی تفصیل کو خوف طوالت قلم انداز کیا جاتا ہے۔ جب علی خارجی کو اپنی ناکامیوں کا علم ہوا تو اپنے دونوں سپہ سالاروں علی بن لبان اور سلیمان بن جامع کو متفرق و منتشر ہو کر لڑنے پر ملامت کی اور دونوں کو مجموعی قوت سے ابو العباس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت تک ابو العباس تہما زنگیوں کے مقابلہ پر لڑ رہا تھا۔ اور اس نے نصرت الہی کے مل پر باوجود نو عمری اور ناتجربہ کاری کے نہایت نمایاں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ جب خلیفہ کے بھائی موفق کو عساکر خلافت کے فتوحات کا حال معلوم ہوا تو سجدۂ شکر جلالایا اور جب یہ سنا کہ علی ابن لبان اور سلیمان یکجا ہو کر اس کے بچنے

ابو العباس پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں تو خلیفہ کے استصواب رائے سے بہ نفس نفیس 267ھ میں ایک بھاری فوج کے ساتھ بغداد سے کوچ کر دیا۔ جب واسط پہنچا تو اپنے ہونہار فرزند ابو العباس سے ملا۔ موفق نے ابو العباس کے فوجی افسروں کو خلعت گراں بہا اور فوج کو انعامات سے سرفراز فرمایا۔ ابو العباس باپ سے رخصت ہو کر اپنے لشکر گاہ میں واپس آیا۔ دوسرے دن موفق نے نہر شداد پر جانکر قیام کیا۔ تیسرے روز ابو العباس نے محاصرہ کے قصد سے بیعہ کی طرف کوچ کیا۔ موفق بھی دریا کی راہ سے بیعہ کی طرف بڑھا اور 8 ربیع الثانی 267ھ کو دونوں باپ بیٹے نے دو طرف سے بیعہ پر دھاوا کیا۔ زنگیوں کو موفق کی خبر نہ تھی۔ دریا کی طرف سے حالت غفلت میں جھرمٹ باندھ کر ابو العباس کے مقابلہ پر جمع ہوئے۔ آتش جنگ شعلہ زن ہوئی۔ اس اثنا میں موفق نے دریا کی طرف سے حملہ کر دیا۔ زنگی فوجیں اس اچانک اور غیر متوقع حملہ سے بدحواس ہو کر جوں ہی حفاظت شہر کی طرف مائل ہوئیں ابو العباس کے سپاہی بھی انہی کے ساتھ شہر میں گھس پڑے۔ زنگیوں کا خوب قتل عام ہوا۔ ہزاروں زنگی قید ہوئے۔ موفق اس فتح کے بعد اپنے خیمے میں واپس آیا۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار مسلم خواتین زنگیوں کے پنجہ ظلم سے رہا کی گئیں۔ بے حساب رسد و غلہ ہاتھ آیا۔ زنگیوں کا سپہ سالار شعرانی اپنی جی کھچی ہزیمت خوردہ فوج کو لیکر جنگل میں جا چھا۔

منصورہ پر عساکر خلافت کا قبضہ :-

اس اثنا میں جاسوسوں نے موفق کی خدمت میں حاضر ہو کر گوش گزار کیا کہ سلیمان ابن جامع اس وقت حیوانیت میں مقیم ہے۔ موفق یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا۔ فوج کو فوراً تیار کی کا حکم دیا۔ اپنے ہونہار فرزند ابو العباس کو دریا کی راہ سے جنگی کشتیوں کو لیکر بڑھنے کا اشارہ کیا اور خود جنگی کی راہ سے کوچ کر کے بیعہ پہنچا۔ زنگیوں سے ٹڈبھڑ ہو گئی۔ شام تک ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ رات کے وقت ایک فنگلی افسر نے ابو العباس کے پاس آکر امان کی درخواست کی۔ ابو العباس نے امان دیکر سلیمان بن جامع کا حال دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ ابن جامع اس وقت اپنے شہر منصورہ میں مقیم ہے۔ ابن جامع نے طہطا کو منصورہ کے نام سے موسوم کر رکھا تھا۔ ابو العباس یہ سن کر اپنے باپ موفق کی خدمت میں واپس آیا اور اسے ان واقعات سے مطلع کیا۔ موفق نے فوراً منصورہ کی طرف بڑھنے کا حکم صادر کیا اور خود بھی اس کے بعد ہی کوچ کر دیا۔ طہطا (منصورہ) کے قریب پہنچ کر دو میل کے فاصلہ پر موزچہ بند کی۔ دوسرے دن زنگیوں سے مقابلہ ہو گیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ آخر مغرب کا وقت آگیا۔ موفق اپنے کیمپ کو واپس آیا اور زنگیوں کا لشکر منصورہ واپس گیا۔

موفق نے آخر شب میں بیدار ہو کر اپنے لشکر کو مرتب کیا اور جنگی کشتیوں کو دریا سے منصورہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اس اثنا میں سپید صبح نمودار ہوا۔ موفق نماز صبح باجماعت ادا کر کے دیر تک مالک الملک جل سلطانہ کی جناب میں حضور قلب سے دعا کرتا رہا۔ جون ہی افق پر سرخی نمایاں ہوئی دھاوا کا حکم دے دیا۔ عسا کر خلافت کا ایک دستہ شیر غراں کی طرح ڈکارتا ہوا شہر پناہ کے قریب پہنچ گیا۔ ابوالعباس اس دستہ کا قائد تھا۔ زنگیوں نے سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ دوپہر تک بڑے زور شور سے لڑائی ہوتی رہی۔ آخر زنگیوں کے پیر اکھڑ گئے۔ عسا کر خلافت نے تعاقب کیا۔ زنگیوں نے اپنی خندقوں کے پاس پہنچ کر پھر لڑائی شروع کر دی۔ اس اثنا میں جنگی کشتیاں دریا کی راہ سے شہر کے کنارے پر پہنچ گئیں۔ خلیفہ کی دریائی فوج نے خشکی پر اتر کر شہر کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اس اثنا میں ابوالعباس کا دستہ فوج خندق پر لکڑی کا مختصر سا پل بنا کر عبور کر گیا۔ زنگیوں نے گھبرا کر شہر میں داخل ہونے کا قصد کیا مگر ناکام رہے کیونکہ ایک حصہ پر اس سے قبل خلیفہ کی فوج قابض ہو چکی تھی اور لحظہ لحظہ بقیہ حصہ شہر بھی سپاہ خلیفہ کے قبضہ میں جا رہا تھا۔ غرض زنگی بڑی طرح منزہم ہوئے ہزاروں قتل اور ہزار ہا قید کئے گئے۔ ابن جامع بقیہ السیف کو لیکر بھاگ گیا۔ فاتح فوج نے دشمن کا تعاقب کیا مگر ابن جامع نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ موفق نے کامیابی کے ساتھ شہر پر قبضہ کر لیا۔ دس ہزار مسلمان عورتوں اور چوں کو جن میں زیادہ تر سادات کے زن و فرزند تھے خار جیوں کی غلامی سے نجات دلائی گئی۔ سلیمان بن جامع کے اہل و عیال بھی گرفتار ہو گئے۔ اس کے بعد موفق اور زنگیوں میں متعدد لڑائیاں ہوئیں جن میں لشکر خلافت ہمیشہ مظفر و منصور رہا۔ موفق نے غنیم کے اکثر بلاد فتح کر لئے۔ 29 ذی الحجہ 267ھ کو زنگیوں کے مقابلہ میں جو فتح ہوئی اس کے بعد زنگیوں کے بعض منزہمین نے امان اور جان بخشی کی درخواست کی۔ جس کو موفق نے بطیب خاطر منظور فرمایا۔ زنگیوں کا نامور سپہ سالار ریحان بن صالح مغربی بھی امان کا طالب ہوا۔

شہر مختارہ کا محاصرہ اور بہبود زنگی کی ہلاکت :-

اب عسا کر خلافت نے شہر مختارہ کا محاصرہ کیا۔ موفق اور اس کے فرزند نے مختارہ کے قریب پہنچ کر دو میل کے فاصلہ پر ڈیرے ڈال دیئے۔ موفق نے رات کے وقت نقشہ جنگ اور فیصلوں کی کیفیت کا معائنہ کرنے کیلئے شہر کے ارد گرد چکر لگایا۔ فصیلیں نہایت مستحکم تھیں۔ چاروں طرف چوڑی خندقیں شہر کو اپنے آغوش حفاظت میں لئے ہوئے تھیں۔ موفق نے شہر پناہ کی مضبوطی کو دیکھ کر امید و بیم کی کشمکش میں مراجعت کی۔ علی الصباح دریائی راہ سے کشتیوں کے ساتھ ابوالعباس کو بڑھنے کا حکم دیا اور خود فوج مرتب کر کے خشکی کی راہ سے مختارہ پر دھاوا

کیا۔ ابو العباس نے نہایت چابکدستی سے اپنی جنگی کشتیوں کو شر پناہ کی دیوار سے ملادیا۔ قریب تھا کہ خشکی پر اتر پڑتا، زنگیوں نے دیکھ لیا۔ شور و غل مچاتے ہوئے دوڑ پڑے اور منہخفقوں سے سنگ باری شروع کر دی۔ موفق نے یہ رنگ دیکھ کر ابو العباس کو واپس آنے کا اشارہ کیا۔ ابو العباس کی کشتیوں کے ساتھ زنگیوں کی دو کشتیاں بھی ملاحوں اور سپاہیوں سمیت چلی آئیں۔ ان لوگوں نے امان کی درخواست کی۔ موفق نے نہ صرف انہیں امان دی بلکہ انعام و اکرام سے بھی نوازا اور مرہون منت کیا۔ اس حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ طالبان امان کی آمد شروع ہو گئی۔ علی خارجی نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً ہانہ دریا چند آدمیوں کو مامور کیا تاکہ اس کی جنگی کشتیاں حریف کے سایہ عافیت میں جا کر طالب امان نہ ہو سکیں۔ اب علی خارجی نے اپنے امیر البحر بہود زنگی کو دریا کی طرف سے حملہ کا حکم دیا۔ ابو العباس مقابلہ پر گیا۔ نہایت خون ریز جنگ کے بعد بہود کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد بہود نے یہ شیوہ اختیار کیا کہ ایک جنگی کشتی پر تھوڑی سی فوج لئے ہوئے دریا میں گشت کرتا رہتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے کیلئے اپنی کشتی پر عباسی پھریرا نصب کر رکھا تھا، اسلامی جنگی کشتیوں کا بیڑا یہ خیال کر کے کہ یہ بھی کوئی اسلامی کشتی ہے معترض نہ ہوتا اور یہ موقع پا کر ان پر ہاتھ صاف کر جاتا تھا۔ ایک بار ابو العباس کے کان میں بہود بے کروت کی بھمک پڑ گئی اور ابو العباس کے ہاتھ بھی لگ گیا مگر کسی طرح جھج کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد حسب معمول ایک اسلامی کشتی پر حملہ آور ہوا۔ اہل کشتی نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔ جس وقت دونوں کشتیاں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں موفق کے ایک غلام نے لپک کر اس کے پیٹ میں ایسا نیزہ مارا کہ جگر کے پار ہو گیا۔ بہود ترپ کر دریا میں گر پڑا اور ہمیشہ کیلئے دریا کے جگر میں بصرہ اکر لیا۔ موفق نے اہل کشتی اور اس غلام کو انعامات دیئے۔ جس طرح بہود کا مارا جانا موفق کے فتوحات کبریٰ کا پیش خیمہ تھا اسی طرح یہ زنگیوں کے اوبار کا بھی مقدمہ تھا۔ اس شخص کے مارے جانے سے عسکر اسلامی کو بہت بڑی راحت اور عافیت نصیب ہوئی۔

مختارہ کا محاصرہ اور پچاس ہزار زنگیوں کا حلفِ اطاعت :-

15 شعبان 267ھ کو موفق نے پھر اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ پچاس ہزار عباسی فوج کا سیلاب دریا اور خشکی کی طرف مختارہ کی طرف بڑھا۔ اس معرکہ میں زنگیوں کی تعداد تین لاکھ تھی مگر موفق نے باوجود قلت تعداد اس خوبی سے شہر کا محاصرہ کیا کہ حریف کے دانت کھٹے کر دیئے۔ موفق نے منادی کر لوی کہ ”جس شخص کو اپنی جان عزیز ہو وہ ہم سے امن کا خواستگار ہو اور جس کو اپنی جان دو بھر ہو اپنے مال و اسباب کو لاوارث چوں کو یتیم اور بیویوں کو یتیمہ کرنا ہو

وہ ہماری شمشیر ہائے خاداشکاف کے مقابلہ پر آئے۔ یہ رعایت خاص و عام باشندگان مختارہ اور زنگی فوج کیلئے ہے خواہ سردار ہوں یا سپاہی۔ اس مضمون کے رقعے بھی لکھ لکھ کر اور تیروں سے باندھ کر شہر میں پھینکوائے چنانچہ اکثر زنگی سپاہیوں اور مختارہ کے باشندوں نے حاضر ہو کر امان کی درخواست کی۔ جنہیں موفق نے امان دینے کے ساتھ خلعت اور انعامات سے سرفراز فرمایا۔ ان نوازشات کا نتیجہ یہ ہوا کہ محاصرہ میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ بلا جہال و قتال علی خارجی کا جتنا ٹوٹ گیا اور اس کے اکثر ساتھی اس سے علیحدہ ہو کر موفق کے لشکر میں چلے آئے۔ مختارہ محصور تھا مگر موفق پھر بھی لوگوں کو اپنے احسان اور حسن سلوک سے گراں نہ کر رہا تھا۔ اس حکمت عملی سے ہزار ہا زنگی آئے دن گردیدہ احسان ہو کر موفق کے لشکر میں چلے آ رہے تھے چنانچہ رمضان کے اخیر تک پچاس ہزار زنگیوں نے عباسی علم کے سایہ میں آکر حلف اطاعت اٹھایا۔

موفق مختارہ کو حالت محاصرہ میں چھوڑ کر وہاں سے قریب ایک مقام پر خیمہ زن ہوا۔ وہاں موفقیہ نام ایک شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ شہر کا بنیادی پتھر اپنے ہاتھ سے رکھا۔ فوجی چھاؤنی اور جنگی کشتیاں بنانے کا حکم دیا۔ تھوڑے دنوں میں فوجیوں، سرداروں اور عوام کے بے شمار مکان تیار ہو گئے۔ جامع مسجد بن گئی اور دارالامارہ کی تعمیر بھی تکمیل کو پہنچ گئی۔ تمام ممالک محروسہ میں آبادی کیلئے تجارت کے نام عسکری فرمان بھیج دیئے۔ بات کی بات میں ہر قسم کے سامان اور ماحولیات کی دکانیں کھل گئیں۔ کھانے پینے کی ضرورتیں بھرت میا ہونے لگیں۔ موفق ایک مہینہ تک اسی انتظام میں مصروف رہا۔

لشکر اسلام پر حالت نماز میں حملہ کرنے کی سازش :-

ماہ شوال میں علی خارجی نے طول محاصرہ اور طوالت قیام بلا قتال سے مضطرب و پریشان ہو کر اپنے سپہ سالار علی بن لبان کو موفق پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ کیا اور ہدایت کردی کہ رات کے وقت تاریکی میں بغیر روشنی کے دریا عبور کر دو اور نہایت تیزی سے چار پانچ کوس کا پھر کاٹ کر صبح صادق کے نمودار ہونے پر ایسے وقت میں کہ موفق کی فوج اوائے نماز میں مصروف ہو پس پشت حملہ کر دو اور جو نہی تم حملہ کر دو گے میں بھی معاً مقابلہ پر آ جاؤں گا۔ علی نے اس رائے کو نظر استہان سے دیکھ کر تیاری کردی اور اس قرارداد کے بموجب آدمیوں سے پہلے دریا عبور کر گیا۔ جاسوسوں نے یہ خبر موفق تک پہنچادی۔ موفق نے اس وقت ابو العباس کو علی بن لبان کے خلاف معرکہ آرائی پر روانہ کیا۔ ابو العباس نے جس جنگی جہاز اور پندرہ کشتیاں دریا کی حفاظت پر مامور کیں تاکہ علی بن لبان حالت ہزیمت دریا عبور نہ کر سکے اور خود ایک ہزار سواروں کی جمعیت سے اس راستہ پر جا کر کمین گاہ میں چھپ رہا جس طرف سے علی آنے والا تھا

جو نبی علی ابن ابان اس راہ سے گذرا ابو العباس نے حملہ کر دیا۔ زنگی اس اچانک و غیر متوقع حملے سے بے اوسان خطا ہو کر بھاگے۔ عباسی سواروں نے تلواریں نیام سے کھینچ لیں اور زنگیوں کو اپنی شمشیر زنی کا خوب تختہ مشق بنایا۔ زنگی مضبوط الحواس ہو کر دریا کی طرف بھاگے۔ جری فوج عبور کی راہ میں حائل ہوئی اکثر زنگی کام آئے۔ بہتر سے دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے اور بے شمار قید کر لئے گئے۔ صبح ہوتے ہوتے لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

طلوع آفتاب کے قریب ابو العباس نے میدان جنگ ہی میں نماز صبح ادا کی۔ پھر قیدیوں اور مقتولوں کے سروں کو لئے ہوئے اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ موفق نے اسے فرط محبت سے گلے لگالیا۔ دعائیں دیں۔ لڑائی کے حالات استفسار کئے اور دوپہر کے قریب حکم دیا کہ قیدیوں اور مقتولوں کے سروں کو کشتیوں میں بار کر کے علی خارجی کے محل سرا سامنے دکھلانے کی غرض سے لے جاؤ۔ علی خارجی اور اس کے پیروؤں کو اس واقعہ کی ہنوز کوئی اطلاع نہ تھی۔ تمسخر سے کہنے لگے موفق نے یہ رنگ اچھا جمایا ہے۔ زنگی دلاوروں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش میں ان سیاہ خفت زنگیوں کو قیدی بنایا ہے جو شامت اعمال سے اس کے پاس جا کر امان کے خواہاں ہوئے اور یہ سر تمام مصنوعی ہیں انسانوں کے سر نہیں مگر خوب کام ہے۔ جاسوسوں نے خارجی کا یہ مقولہ موفق کے گوش گزار کیا۔ موفق نے حکم دیا کہ ان سروں کو منجیقوں (جنگلی گوبھنوں) میں ڈال کر محصوروں کے پاس پھینک دو۔ جب ایسا کیا گیا تو ایک ہنگامہ قیامت برپا ہو گیا۔ جو دیکھتا چلائے لگتا۔ علی خارجی سروں کے دیکھنے کو آیا۔ ضبط نہ کر سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اس کے بعد ابو العباس اور زنگیوں میں متعدد دریائی لڑائیاں ہوئیں۔ سب میں ابو العباس فتح مند رہا حتیٰ کہ زنگیوں کی رسد بند ہو گئی۔ اتنے میں شر کا غلہ بھی اختتام کے قریب پہنچ گیا۔ زنگیوں کے بڑے بڑے سورا اور نامی سردار فاقہ کشی اور شدت حالات سے تنگ آکر شر سے نکلے اور امان کی درخواست کی۔ موفق نے انہیں امان دیکر صلے دیئے اور اپنے خاص مصاحبین کے حلقے میں داخل کر لیا۔ علی خارجی نے اپنی روز افزوں ابتری کا احساس کر کے اپنے دو افسروں کو دس ہزار فوج کی جمعیت سے شر کی جانب سے نکل کر تین طرف سے عساکر خلافت پر حملہ آور ہونے اور رسد کی آمد بند کرنے کا حکم دیا۔ جاسوسوں نے یہ خبر موفق کے کانوں تک پہنچادی۔ جب زنگیوں نے دریا سے خشکی پر اترنے کا قصد کیا تو خلیفہ کے لشکر نے اچانک حملہ کر دیا۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ سینکڑوں نے دامن دریا میں جا بسیر کیا اور باقی ماندہ گرفتار ہو گئے۔ زنگیوں کی چار سو کشتیاں گرفتار کر لیں۔ اس معرکہ سے زنگیوں کی رہی سہی قوت بھی ٹوٹ گئی۔ اس پر طرہ یہ تھا کہ چونکہ موفق کے پاس پناہ گزینوں کی تعداد روز بروز کم ہوئی جاتی تھی۔ اس لئے محاصرین کی قوت ترقی پذیر اور محصورین کی جمعیت رو بہ واد تھی۔ علی خارجی نے دوبارہ ناکہ بندی کا انتظام

کیا اور چیدہ چیدہ سرداروں کو راستہ کی محافظت پر مامور کیا اور دوا افسروں کو حکم دیا کہ موفق کے لشکر میں لہان حاصل کر کے جاؤ اور کھو طول حصار سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آؤ ہم تم کھلے میدان میں لڑ کر اپنی قسمت کا فیصلہ کر لیں۔

نہروں کا عبور اور فصیل پر محاصرین کا قبضہ :-

موفق نے اس پیام پر ابو العباس کو غریبی نہر کی جانب حملہ کرنے کو روانہ کیا۔ شہر کی یہ سمت زنگی سردار علی بن لبان کے سپرد تھی۔ ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ شور و غل سے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ دوپہر ہوتے ہوتے ابو العباس کی فتح اور علی بن لبان کی شکست کے آثار ہویدہ ہوئے۔ ظہر کے قریب علی بن لبان اپنے مورچہ کو بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے کو ہٹا۔ اس اثنا میں خارجی نے سلیمان بن جامع کو ایک تازہ دم دستہ فوج کے ساتھ ابن لبان کی کمک پر روانہ کیا۔ جس سے علی کے قدم پھر جم گئے شام تک گھمسان لڑائی ہوتی رہی۔ بالآخر ابو العباس مظفر و منصور ہو اور زنگی شہر کی طرف بھاگ نکلے۔

اب موفق نے نہر اتراک کی جانب سے عام حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور حکم دیا کہ نہر کے عبور کرنے کا پورا سامان رات ہی کے وقت سے میاں رکھا جائے۔ موفق نے افسروں سے فرمایا خدا پر توکل رکھو۔ اسلام کی عزت رب العزت کے ہاتھ میں ہے وہ ہم کو ہمارے ارادوں میں کامیاب فرمائے گا۔ سرداران فوج حملہ کی تیاری میں مصروف ہوئے۔ علی الصباح تیار ہو کر موفق خیمہ کے پاس آئے اور سلامی دی۔ موفق نے لشکر کو مرتب کر کے نہر اتراک کے عبور کرنے کا حکم دیا اور خود بھی 26 ذی الحجہ 269ھ کو بسم اللہ پڑھتا ہوا لشکر کے ساتھ چلا۔ شہر کا یہ حصہ جس طرح موفق کا لشکر سیلاب کی طرح بڑھا جاتا تھا نہایت مضبوط تھا۔ موقع موقع پر مختلف نصب تھیں۔ آلات حرب بھی بھرت موجود تھے۔ علی خارجی سلیمان بن جامع اور ابن لبان بھی اسی طرح تھے اور بظاہر یہاں کی تسخیر بالکل محال نظر آتی تھی۔

علی خارجی نے موفق کے لشکر کو اس طرف بڑھتا دیکھ کر سنگ باری کا حکم دیا۔ مختلف نہایت تیزی سے چلنے لگیں۔ تڑا تڑ پتھر برسنے لگے۔ قدر اندازوں نے روح و تن کا فیصلہ کرنے کو شیر کمانیں اٹھالیں۔ ایسی حالت میں نہر کا عبور کرنا اور پھر عبور کے بعد شہر پناہ کی دیواروں کے قریب پہنچنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جب موفق کا لشکر نہر کے قریب پہنچا تو اس جان لیوا دھیرہ گداز منظر کو دیکھ کر آگے بڑھنے سے رک گیا۔ موفق نے لشکر کے کما میرے شیر! کیا یہ مختلف جنمیں یہ سیاہ نعت زنگی چلا رہے ہیں ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ یہ آواز نہ تھی بلکہ ایک برقی قوت تھی جو چشم زدن میں لشکر کی اس طرف سے دوسرے سرے تک دوڑ گئی۔ جان نثاران

ملت بے تامل بات کی بات میں نہر عبور کر گئے نہ تیروں لگی برسات کا خوف اور نہ سنگباری کی کچھ پروا کی۔ اب موفق کا لشکر شہر پناہ کی دیوار کے نیچے پہنچ کر اسے منہدم کرنے اور سیڑھیاں لگا کر اس پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ خلیفہ کے بہادر سپاہی سیڑھیاں لگا کر فسیل شہر پر چڑھ گئے اور لڑ پھڑ کر اس پر قبضہ کر ہی لیا۔ دولت عباسیہ کا علم نصب کر دیا گیا۔ منجنيقوں اور آلات حصار شکنی میں آگ لگادی۔ زنگیوں کا ایک جم غفیر مارا گیا۔

زنگیوں کی مزید ہزیمتیں :-

دوسری طرف ابو العباس مصروف پیکار تھا۔ اس کے مقابلہ میں زنگی سپہ سالار علی بن لبان گیا تھا۔ ابو العباس نے اس کو پہلے ہی حملہ میں شکست دی اور ہزاروں ہنگامی تیغ ہوئے۔ علی بن لبان نے بھاگ کر شہر پناہ کا دروازہ بند کر لیا۔ ابو العباس کا فتح مند لشکر جوش کامیابی میں دیواروں تک پہنچ گیا اور اس میں ایک روزن کر کے ضرور تیغ گھس پڑا۔ سلیمان بن جامع سینہ سپر ہو کر مقابلہ پر آگیا۔ دیر تک گھمسان کا رن رہا۔ آخر ابو العباس اپنی فوج لیکر واپس آگیا اور زنگی مزدوروں نے فوراً اس روزن کو بند کر دیا۔ مگر دوسری طرف موفق کی فوج نے شہر پناہ کی دیوار میں متعدد دروا کر لئے اور خندق پر ایک ہنگامی پل بھی مہالیا جس سے باسانی تمام لشکر شاہی عبور کر گیا۔ یہ دیکھ کر زنگیوں میں بھگ دڑ چمکی۔ شاہی فوج بعض کو قتل اور بعض کو گرفتار کرتی دیر این شمعان تک چلی گئی اور اس پر قبضہ کر کے آگ لگادی۔ اس مقام پر زنگی خوب جان توڑ کر لڑے مگر آخر کار شکست کھا کر اپنے مقتدا کے پاس جادم لیا۔ خارجی خود سوار ہو کر میدان کارزار میں آیا اور اپنے لشکر کو جوش دلادلا کر لڑانے لگا مگر کسی کے قدم نہ تھمتے تھے۔ ہر شخص لڑنے پر بھاگنے کو ترجیح دیتا تھا حتیٰ کہ علی خارجی کے خاص خاص افسر بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں رات کی تاریکی نے فتح مند فوج کو حملہ سے روک دیا اور موفق اپنی فوج کو لیکر واپس آگیا۔

محرم 268ھ میں زنگیوں کے ایک بہت بڑے معتمد علیہ اور نامور سپہ سالار جعفر بن ابراہیم معروف بہ سبحان نے موفق کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت و انقیاد کی گردن جھکا دی اور امان کا خواستگار ہوا۔ موفق نے اسے امان دیکر خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا اور انعام و اکرام سے گرانبار کیا۔ دوسرے دن خارجی کو دکھانے کی غرض سے اس کو ایک چھوٹی سی کشتی پر سوار کرا کر علی خارجی کے محل سرا کی طرف روانہ کیا۔ خارجی کے چند فوجی افسر محل سرا سے اس رنجیدہ منظر کو دیکھ رہے تھے۔ جس وقت سبحان کی کشتی محل سرا کے قریب پہنچی سبحان نے ایک دلچسپ اور معنی خیز تقریر میں علی خارجی اور اس کے ساتھیوں کے معائب اور خلیفہ اور اس کے دستار داران دولت کے حسن اخلاق کو بالتفصیل بیان کیا اور واپس چلا آیا۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ

زنگیوں میں باہم سرگوشیاں ہونے لگیں۔ بہت سے نامی رؤسا اور منتخب سردار مخفی طور پر موفق کے پاس طلب امان کیلئے کشاکش کشاں چلے آ رہے تھے۔

اب موفق نے انہدام شہر پناہ کی طرف عنان توجہ پورے طور پر منعطف کی اور راستہ کے فراخ کرنے میں سر توڑ کوشش کرنے لگا۔ اکثر خود بھی مزدوروں کے ساتھ شہر پناہ کی دیوار منہدم کرنے میں شریک ہو جاتا تھا اور کبھی جوش میں آکر شمشیر بھٹ میدان جنگ میں جا پہنچتا۔ آخر کئی روز کی جنگ اور شبانہ روز جاناکا ہیوں کے بعد نہر سلطی کی جانب شہر پناہ کا بہت بڑا حصہ منہدم ہو گیا۔ شہر کی شمالی جانب دو پہل تھے جن پر اس وقت تک محاصرین کا قبضہ نہ ہوا تھا۔ صورتیں اکثر انہی پلوں سے عبور کر کے شاہی لشکر پر آ پڑتے تھے اور نقصان کثیر پہنچا کر واپس چلے جاتے تھے۔ موفق نے ان پلوں کی حالت سے مطلع ہو کر ایسے وقت میں جبکہ زنگیوں سے گھسان کی لڑائی ہو رہی تھی ایک دستہ فوج مزدوروں کی معیت میں ان کے توڑنے کو بھیج دیا۔ زنگیوں نے مزاحمت کی مگر ناکام رہے۔ شاہی لشکر نے اسے دو پہر تک توڑ ڈالا۔ اس کے بعد موفق کی ہرکاب فوج ایک اور جانب سے شہر پناہ کی دیوار کو توڑ کر گھس پڑی اور قتل و غارت کرتی ہوئی لائن شمعان کے مکان تک بڑھ گئی جہاں علی خارجی کے خزانے و دفاتر تھے۔ زنگیوں نے ہر چند مزاحمت کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد شہر پناہ کی دیوار منہدم ہو گئی اور فتح کے آثار نمایاں ہو چلے۔

موفق کا شدید مجروح ہونا اور معرکہ کارزار کا سہ ماہہ التواء :-

مگر اتفاق سے 25 جمادی الاول 269ھ کو ایک معرکہ میں موفق کے سینہ پر ایک تیر آگیا۔ بولہ زخم بہت گہرا تھا صاحب فراش ہو گیا۔ لڑائی ملتوی ہو گئی آخر تین مہینہ کے بعد زخم مندمل ہوا۔ بڑی دھوم دھام سے غسل صحت کیا اور عساکر اسلامیہ میں پھر چل پھل نظر آنے لگی۔ لشکریوں کے دل خوش اور چہرے بحاش ہو گئے لیکن زنگیوں نے اس مدت میں شہر پناہ کی منہدم دیواروں کو پھر درست کر لیا اور حفاظت کیلئے جا بجا فوجیں متعین کر دیں۔ موفق نے حصول صحت کے بعد پھر دھاوا کیا اور شہر پناہ کے توڑنے کا حکم صادر فرمایا۔ اسلامی فوجیں سیلاب کی طرح شہر پناہ کی دیواروں سے نہر سلطی کے قریب جا کر ٹکڑے ٹکڑے کھانے لگیں۔ جنگ کا بازار گرم ہو گیا۔ زنگی لشکر غازیان اسلامی کی مدافعت پر کمر بستہ تھا اور مسلمان تھے کہ جان پر کھیل کر چلے پڑتے تھے۔ ایک دن جبکہ اس طرف جنگ جانتان نمونہ قیامت پیش کر رہی تھی۔ موفق نے جنگی بیڑے کو بھی نہر لائن خصب کی جانب سے حملہ کرنے کا اشارہ کیا۔ امیر البحر نے حکم پاتے ہی اپنے بیڑہ کو تیزی سے وہاں پہنچا دیا کہ زنگیوں کو اس کی خبر تک نہ ہوئی وہ بے خبری میں اپنی پوری حریف

طاقت سے نہر سلمیٰ کے قریب عساکر اسلامیہ سے مصروف پیکار رہے۔ ادھر بحری فوج نے زنگیوں کے ایک محل سرا کو جلا دیا۔ جو کچھ پالا لوٹ لیا اور سکان محل کو گرفتار کر لیا۔ غروب کے وقت عساکر خلافت مظفر و منصور میدان کارزار سے فرد گاہ پر واپس آئے۔ اگلے دن نماز صبح ادا کر کے دھوا کیا اسلامی مقدمہ الجیش انکلاہن جنبیت کے محل تک قتل و غارت کرتا ہوا پہنچ گیا۔ علی بن لبان زنگی سپہ سالار نے نہروں میں جو محل سرانے کے چاروں طرف تھی، پانی جاری کرنے اور خلیفہ المسلمین کے لشکر کے بالمقابل متعدد خندقیں کھودنے کا حکم دیا تاکہ وہ انکلا کے محل تک نہ پہنچے پائے۔

کشتیوں کی چھتوں پر مانع احراق ادویہ کا ضماو :-

موفق نے حریف کی اس کارروائی سے مطلع ہو کر فوراً اپنی مہرکاب فوج کو چار دستوں میں تقسیم کر کے ایک کو خندق نور نہر کے پائے پر متعین فرمایا اور دوسرے دستہ فوج کو دجلہ کی جانب سے خارجی کے قصر پر حملہ کا اشارہ کیا۔ اسی تیسرے دستہ کو للکار للکار کر لڑا ہاتھا۔ جو منی جنگی کشتیاں شہر بنامہ کے قریب پہنچیں۔ اوپر سے سنگباری اور آتش بازی ہونے لگی۔ مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑتا تھا۔ ایک شبانہ روز اس طرح تصادم رہا۔ موفق نے یہ رنگ دیکھ کر کشتیوں کی چھتوں کو لکڑی کے تختوں سے پاٹ کر انہیں ادویہ مانع احراق سے رنگنے کا حکم دیا۔ نفاطین نور نامی جنگ آوروں کی ایک جماعت کو اس بات پر متعین فرمایا جو تمام رات اہتمام جنگ میں مصروف رہنے کی وجہ سے نہ سوئی۔ موفق فوج کو بڑھاوے دیتا اور اس سے انعامات کے وعدے کرتا رہا۔ اسی رات کو علی خارجی کے سیکرٹری محمد بن شمعان نے حاضر ہو کر لبان کی درخواست کی۔ موفق نے اسے خلعت سے سرفراز فرمایا اور عزت و احترام سے ٹھہرایا۔ اگلے دن صبح ہوتے ہی لڑائی چھڑ گئی۔ موفق نے زنگیوں کی جمعیت کو پراگندہ پر ایسی ایسی دواؤں کا ضماو کر دیا گیا تھا جن پر آگ مطلقاً اثر نہ کرتی تھی چنانچہ یہ بڑھہ قصر کی جانب دجلہ کی طرف سے بڑھا۔ زنگیوں نے آتش بازی شروع کی مگر بے نتیجہ رہی۔ جنگی بڑھہ نہایت تیزی سے آتش بازی کرتا ہوا علی خارجی کے قصر کے نیچے جا لگا۔ نفاطیوں نے روغن نقط کی پچکاریاں مہر مہر کر محل پر پھینکی شروع کیں چنانچہ اس ترکیب سے قصر کی بیرونی عمارت جلا کر خاک سیاہ کر دی گئی۔ زنگی محل سرا کے اندر جا چھپے۔ دجلہ کے کنارے پر جس قدر مکانات تھے اسلامی لشکر نے سب کو آگ لگا دی۔ بڑے بڑے عایشان ایوان و قصور آگ کا ایندھن بن رہے تھے۔ کوئی فرو کرنے والا نہ تھا۔ تمام اسباب کو آگ نے چشم زبون میں نہایت دباؤ کر دیا اور جو کچھ اس عام آتش زنی سے بچ رہا۔ اسلامی فوج نے پہنچ کر لوٹ لیا۔ قریشی اور سادات کی سبے شمار خواتین زنگیوں کے قبضہ سے واگزار کر لی گئیں۔ زنگی سرداروں

کے سر بفلک محل جل کر تودہ خاک ہو گئے۔

مصورین کی بد حالی، انسان انسانوں کو کھانے لگے :-

علی خارجی اپنے اور اپنے سرداروں کے مکان جل جانے کے بعد نہرانی حبیب کی شرقی جانب چلا گیا۔ تاجر اور دکاندار بھی اوھر کو اٹھ گئے۔ رسد کی آمد بالکل مسدود ہو گئی۔ شہر کے ذخائر تمام ہو گئے اور ضعف و اضمحلال کے آثار نمایاں ہوئے۔ مصورین نے پہلے تو گھوڑوں اور گدھوں کا صغیا کیا پھر انسانوں نے انسانوں کو کھانا شروع کر دیا۔ مگر بالیں ہمہ علی خارجی کی جبین استقلال میں ذرا شکن نہ پڑی۔ موفق شرقی جانب کے منہم کرنے میں اسی سرگرمی سے مصروف رہا جیسا کہ غری جانب کے انہدام میں مشغول تھا۔ یہ ست نہایت مستحکم بنی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے دھس اور نہایت بلند اور چوڑی دیواریں چاروں طرف محافظت کر رہی تھیں۔ آلات حصار لیکن بھی بھترت موجود تھے۔ اسلامی لشکر اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ موفق نے لشکر انگریزی کی وجہ سے نہ چڑھ سکے۔ سڑھیاں لگائیں پھر بھی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کند ڈال کر دشمن کے پھریوں کو کھینچا۔ ان کا گرنا تھا کہ زنگی بھاگ کھڑے ہوئے۔ غلطوں نے روغن لٹا کی ہزاروں پچکاریاں خالی کر دیں۔ سارا محل لمحہ بھر میں جل کر خاکستر ہو گیا۔ فوج نے اس محل کو بھی خوب لوٹا۔ خارجی کے خاص خاص مصاحب امان کے خواستگار ہوئے۔ موفق نے نہایت پریشانی سے امان دی۔ انعام اور صلے بخشے۔ ان لوگوں نے موفق کو ایک بہت بڑے بازار کا پتہ بتا دیا جو بہار کے نام سے آباد تھا۔ اس بازار میں بڑے بڑے تاجر اور ساہوکار رہتے تھے زنگیوں کو اس سے بہت بڑی مدد ملتی تھیں۔ موفق نے اس پر دھاوا کر دیا اور اسے جلادینے کے قصد سے غلطوں کو لیکر بڑھا۔ زنگیوں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا۔ خلیفہ کے لشکر نے آگ لگادی۔ سارا دن جگمگ اور آتش زنی کا بازار گرم رہا۔ فریقین کے ہزار ہا آدمی کھیت رہے۔ آخر موفق نے مختارہ کی شہر پناہ کو نہر غری تک جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس سمت میں خارجی کے ممتاز فوجی افسر ایک چھوٹے سے قلعہ میں حفاظت کا سامان کئے پناہ گزین تھے۔ جب کبھی موفق کا لشکر مصروف جدال ہوتا تو یہ اکمیں بائیں سے نکل کر حملہ آور ہوتے اور سخت نقصان پہنچاتے تھے۔ موفق نے اس قلعہ کو بھی فتح کر لیا اور مسلمان عورتوں اور بچوں کے جم غفیر نے قید کی مصیبت سے نجات پائی۔

شہر پر قبضہ اور علی خارجی کا قتل :-

27 محرم 270ھ کو موفق نے شہر پر قبضہ کر لیا اور مسلم قیدیوں کی رہائی نصیب ہوئی۔ علی اور ابن لبان گرفتار ہو گئے۔ علی خارجی چند فوجی افسروں کو ساتھ لیکر نہر سفیانی کی طرف

بھاگ گیا۔ اسلامی فوج تعاقب کرتی ہوئی نہایت تیزی سے اس کے سر جا پہنچی۔ گھمسان لڑائی شروع ہو گئی۔ بہت سے زنگی افر مارے گئے۔ کئی ایک بھاگ گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ خارجی بھی تاب مقاومت نہ لاکر بھاگ کھڑا ہوا۔ آخر مہمائے نہرانی خصیب تک بڑھتا چلا گیا چنانچہ عساکر اسلامی نے اس کا تعاقب کر کے اسے جالیا۔ اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا لیا۔ موفق نے سجدہ شکر ادا کیا۔ ظفر و منصور اپنے خرگاہ میں لوٹ آئے۔ انکلا اور ہلسبی پانچ ہزار زنگیوں سمیت گرفتار ہوئے۔ موفق نے اس مہم کو سر کر کے اسلامیہ میں زنگیوں کی واپسی اور امن دینے کا گشتی فرمان نافذ کر دیا اور چند روز تک امن و امان قائم کرنے کے خیال سے موفقیہ میں مقیم رہا اور ابو العباس کو بغداد بھیج دیا۔ ابو العباس 11 جمادی الثانی 270ھ کو بغداد پہنچا۔ اہل بغداد نے بڑی خوشیاں منائیں اور شہر میں چراغاں کیا گیا۔ زنگیوں کے خانہ ساز نبی نے آخر رمضان 255ھ میں خراج کیا تھا۔ انجام کار اپنی حکومت کے چودہ برس چار مہینے بعد یکم صفر 270ھ کو مارا گیا اور اس کے تمام مقبوضات از سر نو عباسی علم اقبال کے سایہ میں آ گئے۔ ابن اثیر اور ابن خلدون نے اکثر جگہ زنگیوں کے سردار کا نام بحیثیت لکھا ہے۔ میرے خیال میں یہ علی بن محمد ہی کا دوسرا نام یا لقب ہے۔ علی بن محمد اہل بیت نبوت کا بدترین دشمن تھا۔ خصوصاً امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے سخت عناد رکھتا تھا۔ اس عاقبت و اندیش نے ایک تخت ہوار کھا تھا جسے جامع مسجد کے صحن میں بچھواتا اور اس پر بیٹھ کر امیر المومنین علیؑ پر (معاذ اللہ) لعنت کرتا۔ اس کے پیرو بھی اس شیطنت میں اس کے ہم صفیر ہوتے۔ اس نابکار نے ایک مرتبہ اپنے لشکر میں سادات عظام کی خواتین محترمہ کو دود و تین تین دام میں بذریعہ نیلام عام فروخت کیا تھا اور ایک ایک زنگی نے دس دس سیدانیاں گھر میں ڈال رکھی تھیں۔

حمدان بن اشعث قرمط

حمدان بن اشعث معروف بہ قرمط سواد کوفہ کے ایک چاہ کن کا بیٹا تھا۔ بیل پر سوار ہوا کرتا تھا۔ اس بیل پر اس کو کر مٹا کہتے تھے۔ جس کا معرب قرمط ہے۔ شروع میں زہد و تقشف کی طرف مائل تھا۔ لیکن ایک باطنی کے جے چڑھ کر سعادت ایمان سے محروم ہو گیا۔ ایک مرتبہ گاؤں کا ریوڑ دوسرے گاؤں کے لئے جا رہا تھا۔ راہ میں اس کو ایک باطنی فرقہ کا داعی ملا حمدان نے باطنی سے پوچھا آپ کہاں جائیں گے؟ داعی نے اسی گاؤں کا نام لیا جہاں حمدان کو جانا تھا۔ حمدان نے کہا آپ کسی بیل پر سوار ہو لیں۔ اس نے کہا مجھے اس کا حکم نہیں دیا۔ حمدان نے پوچھا کیا آپ حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے؟ داعی نے جواب دیا۔ ”ہاں میرا ہر کام حکم کے ماتحت انجام پاتا ہے۔“ حمدان نے سوال کیا کہ آپ کس کے حکم پر عمل کرتے ہیں؟ کہنے لگا میں اپنے مالک اور تیرے اور نبی و آخرت کے مالک کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ حمدان نے کہا کہ وہ تو اللہ رب العالمین ہے۔ اس نے کہا تو جی کہتا ہے۔ حمدان پوچھنے لگا ”آپ وہاں کس غرض سے جا رہے ہیں؟“ بولا مجھے حکم ملا ہے کہ وہاں کے باشندوں کو جہل سے علم، ضلالت سے ہدایت اور شقاوت سے سعادت کی طرف لاؤں، ان کو ذلت و ناداری کے گرداب سے نکالوں اور انہیں اتنا کچھ بخش دوں جس سے وہ ڈنکر ہو جائیں۔“ حمدان نے کہا ”خدا آپ کا بھلا کرے مجھے بھی آپ جہالت اور ضلالت کے گرداب سے نکالے اور مجھ پر ایسے علم کا فیضان کیجئے جس سے میں زندہ جاوید ہو جاؤں۔ اور جن امور کا آپ نے ذکر کیا ہے ان کی مجھے اشد ضرورت ہے۔“ باطنی فریب کار کہنے لگا مجھے یہ حکم نہیں ہے کہ اپنا سر بستہ راز ہر شخص پر ظاہر کرتا پھروں۔ بجز اس شخص کے جس پر مجھے پورا اعتماد ہو اور پھر ایسے معتد علیہ سے پوری طرح عہد نہ لے لوں۔“ حمدان نے کہا ”آپ اپنے عہد کی تو اشرع فرمائیے۔ میں دل و جان سے اس کی تعمیل اور پابندی کروں گا۔“ داعی نے کہا تو اس بات کا عہد کر کہ لام وقت کا بھید جو تجھ پر ظاہر کروں کسی سے نہ کہے گا۔“ حمدان نے اسی طرح قسمیں کھائیں اور عہد و پیمان کو استوار کیا جس طرح اس لئے خواہش کی۔ اب داعی نے اس کو اپنے فنون انوکھی تعلیم دینی شروع کی یہاں تک کہ اس کو راہ سے بے راہ کر دیا۔ اس دن قرمطی الحاد کے سرغنہ اور باطنی فرقہ کے مناد کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ انجام کار اس کے باطنی پیرواسی کی نسبت سے قرمطی یا قرمطی کہلانے لگا۔ (تلمیس..... ص 147)

قرمطی عقائد و احکام :-

حمدان بن اشعث حسب بیان مقریزی 264ھ اور حسب تحریر ابن خلدون 278ھ میں منصب شہود پر ظاہر ہوا۔ اس کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام باطنی فرقہ کے خلاف اس نے تاویل کاری کے اصول کے ساتھ بعض ظاہری احکام کو بھی اپنے مذہب میں داخل کر لیا تھا۔ یہ شخص امام محمد بن حنفیہؒ کی فرزند احمد کو رسول بتاتا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ میں ہی وہ مہدی ہوں جس کا زمانہ دراز سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ چونکہ زہد و تقشف اور تقویٰ کا اظہار کرتا تھا اہل دیہات اس کے دعویٰ کو صحیح یقین کر کے اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اور متابعت اختیار کی۔ ان کا خیال تھا کہ قرمطی وہ شخص ہے جس کی احمد بن محمد بن حنفیہؒ نے بھارت دی تھی۔ اس نے اپنے پیروؤں پر رات دن میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب انہوں نے شکوہ کیا کہ نمازوں کی کثرت نے انہیں دنیوی اشغال اور کسب معاش سے روک دیا ہے۔ تو بولا ”اچھا میں اس کے متعلق ذات باری کی طرف رجوع کروں گا“۔ چنانچہ چند روز کے بعد لوگوں کو ایک نوشتہ دکھانے لگا۔ جس میں حمدان کو خطاب کر کے لکھا تھا کہ تم ہی مسیح ہو، تم ہی عیسیٰ ہو۔ تم ہی کلمہ ہو۔ تم ہی مہدی ہو۔ تم ہی محمد بن حنفیہ کی بھارت اور تم ہی جبریل ہو“۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ جناب مسیح بن مریم (علیہ السلام) میرے پاس انسانی صورت میں آئے اور مجھ سے فرمایا کہ تم ہی داعی ہو۔ تم ہی جتہ ہو۔ تم ہی ناقہ ہو۔ تم ہی ولہ ہو۔ تم ہی روح القدس ہو۔ اور تم ہی یحییٰ بن زکریا (علیہ السلام) ہو ایک دعویٰ یہ بھی کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام یہ بھی فرما گئے ہیں کہ نماز صرف چار رکعتیں ہیں۔ دو رکعت قبل از فجر اور دو رکعت قبل از غروب اور طریقہ نمازیوں ہے کہ پہلے چار دفعہ اللہ اکبر، پھر دو مرتبہ اشدان لا الہ الا اللہ اور پھر ایک مرتبہ یہ کلمات کہیں۔ اشدان رسول اللہ اشدان لو طار رسول اللہ۔ اشدان ابراہیم رسول اللہ۔ اشدان موسیٰ رسول اللہ۔ اشدان عیسیٰ رسول اللہ۔ اشدان محمد رسول اللہ اشدان احمد بن محمد بن حنفیہ رسول اللہ اس نے سال بھر میں صرف دو روزوں کا حکم دیا۔ ایک روزہ ماہ مہرجان کا اور ایک نوروز کا۔ شراب کو حلال۔ اور غسل جنابت کو برطرف کر دیا۔ تمام درندوں اور بچے سے شکار کرنے والے جانوروں کو حلال ٹھہرایا کعبہ معلیٰ کے جائے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔ حکم دیا کہ مرد اور عورتیں مل جل کر نماز باجماعت ادا کریں۔ جمعہ کی جگہ دو شنبہ کی تعطیل منانے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ اس دن لوگ کام کاج سے قطعاً دست بردار رہیں۔ (کتاب الدعاء ص 111)

نماز پڑھنے کا طریقہ :-

جس طرح ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے قرآن کی آیات اور ان کے بعض حصوں کا متن اپنا کلام وحی بنا لیا ہے (دیکھو کتاب حقیقۃ الوحی مؤلفہ مرزا غلام احمد صاحب ص 70-108) اسی طرح حمدان نے بھی آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کے الفاظ میں قطع و برید کر کے ایک سورت طیار کی تھی اور حکم دیا تھا کہ اس کے پیرو پہلے تو نماز میں تکبیر کے بعد وہ استفتاح پڑھیں جو اس کے زعم میں احمد بن محمد بن حنفیہ پر نازل ہوئی تھی۔ اور اس کے بعد قرآن قرآن کی جگہ اسی سورت کو پڑھا کریں۔ وہ خود ساختہ سورت یہ تھی۔

ترجمہ :- خدا کی حمد و ثناء اس کے کلمہ کے ساتھ ادا کرتا ہوں جس کا نام بلند و برتر ہے۔ وہ جو اپنے دوستوں سے تقویت دیتا ہے۔ کہو کہ لوگوں کیلئے ہلال کے وقت مقرر کر دیئے گئے ہیں تاکہ اسے ظاہر میں برسوں کی تعداد اور حساب اور مینے اور دن معلوم ہوں اور ہلال کا باطن میرے ان دوستوں کیلئے ہے جنہوں نے میرے بندوں کو میری راہ دکھائی۔ اے صاحبان عقل و فہم! مجھ سے ڈرو۔ میں وہ ہوں جس سے میرے فعل پر کوئی محاسبہ نہ ہوگا۔ میں جاننے والا اور دہار ہوں۔ میں وہ ہوں جو اپنے بندوں کو جتلا کرتا ہوں اور اپنی مخلوق کا امتحان کرتا ہوں جو کوئی میری بلا، میری محنت اور میرے اختیار پر صبر کرے گا۔ اسے اپنی جنت میں داخل کروں گا اور میں نعمت جاوہر عطا کروں گا۔ جس نے میرے حکم سے سرباکی کی اور میرے رسولوں کو بھٹایا۔ میں اس کو ذلت کے ساتھ عذاب میں مبتلا رکھوں گا۔ میں نے اپنی حجت کا اہتمام کیا ہے اور میں نے اپنے امر کو رسولوں کی زبان سے ظاہر فرمادیا ہے۔ میں وہ ہوں کہ جب کوئی سرکش غفلت کرتا ہے تو اسے ہلاک کر دیتا ہوں اور کوئی جابر اور گردن فراز ایسا شخص نہیں جسے میں ذلیل کر دوں۔ وہ آدمی برا ہے جو اپنے فعل پر مصر رہے اور جمالت پر اڑا رہے اور یہ کہے کہ ہم اس کام پر مصر رہیں گے۔ ایسے لوگ ہی کافر ہیں۔ حمدان نے حکم دیا تھا کہ اس سورہ کے بعد رکوع کریں اور رکوع میں دو تین مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَتَعَالَى عَمَّا يُصِفُ الظَّالِمُونَ۔

پھر تہجد میں جائیں اور پڑھیں۔ اَللّٰهُ اَعْلٰی اَللّٰهُ اَعْلٰی اَللّٰهُ اَعْلٰی اَللّٰهُ اَعْلٰی اَللّٰهُ اَعْلٰی

حمدان کی گرفتاری :-

جب حمدان کی جمعیت بڑھنے لگی تو اس نے اپنے پیروؤں میں سے بارہ آدمی حیثیت نفیب قرار کئے اور ان کو حکم دیا کہ وہ مختلف بلاد میں پھیل کر اس کے مذہب کی تبلیغ کریں۔

دوسرے لوگوں سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا کہ ”حاکم کوفہ نے تو آپ کو مقفل کر رکھا تھا۔ آپ کس طرح نکل آئے؟“ بڑے ناز و غرور سے کہنے لگا کہ کوئی شخص میری آزار رسانی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر ان کی عقیدت پہلے سے دوچند ہو گئی چونکہ اسے ہر دم یہ خطرہ رہتا تھا کہ دوبارہ گرفتار کر لیا جاؤں گا اس لئے نواح شام کی طرف بھاگ گیا۔ کہتے ہیں کہ قرمط نے علی بن محمد خارجی کے پاس جا کر کہا تھا کہ میں ایک مذہب کا بانی اور نہایت صائب الرائے ہوں اور ایک مبارز میرے پیرو ہیں آؤ ہم اور تم مذہبی مناظرہ کر کے ایک خیال و مذہب پر متفق ہو جائیں تاکہ بوقت ضرورت ایک دوسرے کے معین و مددگار رہیں۔ علی بن محمد خارجی نے اس رائے کو پسند کیا چنانچہ بہت دیر تک مذہبی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی لیکن متفق الرائے نہ ہو سکے۔ اس لئے قرمط واپس آکر عزالت نشین ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا کوئی حال معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کے مذہب کا ایک اہم اصول یہ تھا کہ جو شخص قرمطی مذہب کا مخالف ہو اس کا قتل کرنا واجب ہے اور جو شخص مخالف ہو اور بدسر اقتدار نہ ہو اس سے جزیہ لیا جائے۔ (تلمیس ص 148)

ابو سعید جٹائی اور اس کا بیٹا ابو طاہر قرمطی، زکرویہ، یحییٰ بن زکرویہ اور علی بن فضل یمنی جنہوں نے عرصہ دراز تک عالم اسلام کے خلاف بالچل مچائے رکھی اسی قرمط کے چیلے چائے یا ماننے والے تھے۔ اسلام پر چند لوگوں پر صدیوں میں جو جو آفتیں نازل ہوئیں اور پیروان توحید کو جن مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا ان میں سے ایک فتنہ قرمط بھی ہے۔ ان لماعنہ کی قوت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ خلفائے بنی عباس تک ان بھیڑیوں کا نام سن کر کانپ جاتے تھے۔ آخر تو یہ مصر کے سلاطین بنی عبید کی گرفت سے بھی آزاد ہو گئے تھے اور خراسان سے شام تک ہر شہر ان کے دست ستم سے چیخ اٹھا تھا۔ یہ لوگ یہاں تک کور باطن اور معاندین اسلام تھے کہ بیت اللہ کے ہدم پر آمادہ ہو گئے اور حجر اسود کو اکھاڑ کر عمان لے گئے۔ جو ان کا مستقر دولت تھا۔ اس حادثہ جانگداز کی تفصیل ابو طاہر قرمطی کے تذکرہ میں آئے گی۔

ہندوستان میں قرمطی مذہب کا حدوث :-

سلطان محمود غزنوی نے ملتان آکر باطنیوں کو خوب گوشال کیا تھا لیکن تاریخ فرشتہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دراصل باطنی نہیں تھے بلکہ قرمطی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یوں تو قرمطی فرقہ بھی باطنیہ ہی کی ایک شاخ ہے۔

حمید امیر سبکتگین اور خود سلطان محمود سے ہمیشہ رابطہ، خلوص اور نیاز مندانہ طریق ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ ابوالفتح سلطان کی آمد کی خبر سن کر سخت سر اسٹمہ اور بدحواس ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا

کہ سلطان ان حدود کو اسی کی بد عملیوں کی سزا دینے کیلئے آ رہا ہے۔ اب اس نے بجز اس کے کوئی چارہ نہ دیکھا کہ راجہ اندپال دالی لاہور کو سلطان کی پیش قدمی سے مطلع کر کے اس سے مدد مانگے چنانچہ راجہ نے ازراہ عاقبت نااندیشی اپنے جذبات تعصب سے مغلوب ہو کر فوراً ابو الفتح کا ساتھ دینے کی ٹھان لی۔ جھٹ لاؤ لشکر لیکر عازم پشاور ہوا اور راستہ ہی میں کسی جگہ سلطان کا سدراہ ہوا۔ سلطان اندپال کی یہ جسارت دیکھ کر سخت برہم ہوا اور حکم دیا کہ زنادقہ ملتان کی تو بعد میں خبر لی جائے گی پہلے اندپال کو اس جرات کی قرار واقعی سزا دی جائے غرض عساکر محمودی نے راجہ کی فوج کو مار مار کر اس کے پرچے اڑا دیئے اور میدان جنگ میں ہر طرف کشتوں کے پشے دکھائی دینے لگے۔ راجہ نے بری طرح شکست کھائی اور بقیۃ السیف کو لیکر بھاگا۔ لشکر سلطانی نے دریائے چناب کے کنارے قصبہ سوہدرہ تک اس کا تعاقب کیا۔ جب راجہ نے دیکھا کہ لشکر سلطانی کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا تو لاہور کی سمت چھوڑ کر اسمبہ دار کشمیر کی طرف بھاگا۔ سلطان نے یہ حکم دیکر کہ اب راجہ جدھر جاتا ہے جانے دو۔ ملتان کا رخ کیا۔ ابو الفتح کے اوسان خطا ہوئے اور یہ دیکھ کر کہ آج تک جس کسی نے سلطان سے جنگ آزمائی کا حوصلہ کیا چاہ مذلت میں نہ آئے اور خاک نامرادی اپنے چہرہ سخت پر ڈالی، قلعہ بند ہو کر نہایت عجز و زاری کے ساتھ کہلا بھجوا کہ میں قمر مٹی مسلک سے توبہ کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ ہر سال بیس ہزار درم سرخ بطور خراج بارگاہ سلطانی میں بھیجتا ہوں گا اور الحاد و زندقہ سے احتراز و اجتناب کر کے اپنی قلمرو میں احکام شرع جاری کروں گا۔ سلطان نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور سات روز کے بعد محاصرہ اٹھا کر غزنی کی طرف مراجعت کی مگر ابو الفتح کی یہ پیشکش محض دفع الوقتی پر مبنی تھی سلطان کی مراجعت کے بعد اس معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اس لئے سلطان 400ھ میں فتح و نصرت کے پھریرے اڑاتا ہوا دوبارہ ملتان آیا اور قمر مٹی حکومت کا نام و نشان مٹا دیا۔ بہت سے قرامطہ و ملاحہ تہ تیغ ہوئے۔ سلطان ابو الفتح کو اس کی بد عمدی کی پاداش میں گرفتار کر کے غزنی لے گیا اور غور کے قلعہ میں قید کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ حالت عجن ہی میں باریات سے بکدوش ہو گیا۔ سلطان کے جانشین مدت مدیر تک ملتان پر حکومت کرتے رہے لیکن جب دولت غزنویہ میں زوال و انحطاط کے آثار نمایاں ہوئے تو قرامطہ پھر ملتان پر چڑھ دوڑے اور وہاں اس سر نو عمل و دخل کر لیا۔ آخر سلطان معز الدین محمد سام نے انہیں منہزم کر کے علاقہ ملتان کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

یہاں یہ بتادینا بھی ضرور ہے کہ جب سلطان محاصرہ ملتان سے دست کش ہو کر غزنی کو واپس گیا تو راجہ اندپال پھر لاہور آکر آجا۔ اندپال کو یقین تھا کہ اب کی مرتبہ سلطان کبھی جرم بخشی نہ کرے گا۔ اس لئے جائے مغرورم کے، ابھی سے حرب و قتال کی تیاریوں میں مصروف

ہو جب سلطان کو اس کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ہوئی تو راجہ اندھپال کی گوشمالی کیلئے پھر عنان توجہ ہندوستان کی طرف پھیری۔ یہ خبر سن کر اندھپال سخت بدحواس ہوا اور دھرم کا واسطہ دیکر ہندوستان بھر کے ہندو راجاؤں سے سلطان کے مقابلہ میں مدد مانگی چنانچہ اوجن، گوالیار، کالنجر، قنوج، دہلی اور بہت سی دوسری ریاستوں کے راجے اپنا اپنا لاؤ لشکر لیکر سلطان سے دودھ ہاتھ کرنے کیلئے پنجاب میں آ موجود ہوئے لیکن تائید ایزدی سلطان کی پشت پناہ تھی اس نے ہندوستان بھر کی متحدہ افواج کو فیصلہ کن شکست دی۔ اب راجہ اندھپال کے حواس درست ہوئے اور نہایت تقصیر و اہتمال کے ساتھ طالب غرور گزر ہوا۔ سلطان بوارحم دل بادشاہ تھا۔ اس نے راجہ کے تمام سلاہ جرائم پر خط غفور بھیج کر اس کو پنجاب کی حکومت پر بحال کر دیا لیکن اب اندھپال ایسا سیدھا ہوا کہ اس کے بعد اس سے کبھی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی جو مزاج ہمایوں کے خلاف ہوتی چنانچہ جس سال سلطان نے تھانیہ کا عزم کر کے پنجاب میں سے گزرنے کا قصد کیا تو اس خیال سے کہ عبور راہ کے وقت راجہ کی مملکت کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اندھپال کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تھانیہ کا عازم ہوں مناسب ہے کہ تمہارے چند امراء ہمارے موکب ہمایونی میں مشایعت کریں تاکہ تمہارا ملک ہماری فوج کی پامالی سے محفوظ رہے۔ راجہ اندھپال اطاعت پذیری کو بھائے دولت کا ذریعہ یقین کر کے تجلجٹ تمام اسباب ضیافت میا کرنے میں مصروف ہوا اور اپنی مملکت کے تاجروں اور بھٹلوں کو حکم دیا کہ ہر قسم کی ضروریات اور اجناس لشکر سلطانی میں لے جا کر ایسا انتظام کریں کہ کسی چیز کی تھڑ نہ آنے پائے اور دو ہزار سوار اپنے بھائی کے ہمراہ کر کے شہنشاہ کو اکب سپاہ کے حضور میں بھیجے اور ہر طرح سے اظہار محرو نیاز بندی کیا۔ (تاریخ فرشتہ ص 24)

ہندوستان میں بستی، گجرات اور دکن کے بوہرے انہی قرامط کی یادگار ہیں جو ایران اور عراق سے سندھ اور ملتان میں آئے اور ان میں بعض حکمران بھی رہے اور گوان کے اسلاف کے خیالات اور اسماعیل عقاید میں بعد الموعین تھا تاہم مرور زمانہ کے ساتھ یہ لوگ آہستہ آہستہ اسماعیلی مذہب کی طرف مائل ہوتے گئے چنانچہ آجکل ان لوگوں نے راسخ الاعتقاد اسماعیلیوں کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

ابو سعید حسن بن بہرام جنابی قرمطی

281ھ میں ایک شخص یحییٰ بن ممدی نام قطیف مضافات بحرین میں وارد ہو کر علی بن معلیٰ بن حمد ان کے مکان میں فروکش ہوا اور بیان کیا کہ مجھے حضرت ممدی آخر الزمان علیہ السلام نے اپنا اپنی مقرر کر کے روانہ فرمایا ہے اور عنقریب وہ بھی خروج کیا چاہتے ہیں۔ مورخوں نے نہیں بتایا کہ یہ کس خانہ ساز ممدی کا داعی تھا لیکن غالبی یہ ہے کہ یہ عبید اللہ کا پیامبر ہو گا کیونکہ ان ایام میں اسماعیلی دعوت نے عبید اللہ کے حق میں نہایت زبردست پروپیگنڈہ شروع کر رکھا تھا۔ یحییٰ کا امیر ابن علی بن معلیٰ نہایت عالی شیعہ تھا۔ اس نے شیعان قطیف کو جمع کر کے ممدی کا خط جس کو یحییٰ نے پیش کیا تھا۔ پڑھ کر سنایا تا کہ مضافات بحرین میں اس خبر کی شہرت ہو جائے۔ ہم اہل سنت و جماعت بھی حضرت محمد بن عبد اللہ معروف بہ ممدی علیہ السلام کی تشریف آوری کے متوقع ہیں لیکن روایات صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ظہور مکہ معظمہ کے آشوب میں ہو گا جبکہ قیامت کی علامات قریبہ کا ظہور ہو چکا ہو گا۔ اس کے برخلاف شیعہ لوگ ہر زمانہ میں حضرت ممدی علیہ السلام کے کوکبہ جلال کے منتظر رہے ہیں چنانچہ وہ رات دن حضرت ممدی علیہ السلام کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کرتے ہیں۔ شیعان قطیف نے خانہ ساز نبی کے خط کو نہایت خلوص اور اطاعت شعاری کے ساتھ سنا اور سب نے حلف اٹھایا کہ جب حضرت ممدی علیہ السلام ظہور ہوں گے ہم ان کے ہمراہ رکاب اعداء سے لڑیں گے۔ ان شیعان قطیف کا سرگردہ ابو سعید جنابی تھا جو خروج کیلئے پھر رہا تھا۔ یحییٰ اس واقعہ کے بعد تھوڑے دن کیلئے غائب ہو گیا۔ دوسری مرتبہ کہیں سے ایک اور خط لے آیا جس میں فرضی ممدی کی طرف سے اہل قطیف کی اطاعت پذیری اور اقرار رفاقت کا شکریہ ادا کیا تھا اور لکھا تھا کہ ہر شیعہ چھتیس چھتیس دینار (قریباً ایک سو اسی روپیہ) یحییٰ کی نذر کرے۔ بواجبی دیکھو کہ شیعان قطیف نے اس حکم کی بطیب خاطر تعمیل کی اور جس کسی کو اتنا زرقہ میسر نہ تھا اس نے قرض دام کر کے جس طرح بھی بن پڑا اس مطالبے کو پورا کیا۔ یحییٰ ہزار ہا روپیہ وصول کر کے پھر غائب ہو گیا۔ چند روز کے بعد تیسرا خط لایا جس کا یہ مضمون تھا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے مال کا خمس (پانچواں حصہ) امام الزمان کیلئے یحییٰ کے حوالے کرے۔ شیعان قطیف کی خوش اعتقادی اور مذہبی جمیعت دیکھو کہ انہوں نے اس خواہش کا بھی نہایت خندہ پیشانی اور کمال مستعدی سے خیر مقدم کیا۔ غرض یحییٰ بن ممدی آئے دن قبال قیس میں ایک نہ ایک خط یہ ظاہر کر کے کہ یہ

ممدی آخر الزمان کی جانب سے ہے براہ پیش کرتا رہا۔ انہی ایام میں حسب بیان امیر ایم صالح ایک مرتبہ یحییٰ بن ممدی ابو سعید جتالی کے گھر آیا اور سب نے ملکر کھانا کھایا کھانے سے فارغ ہو کر ابو سعید گھر سے نکلا اور اپنی بیوی سے کہتا گیا۔ وہ یحییٰ کے پاس جا کر اسے اپنی طرف مائل کرے اور اگر آمادہ ہو جائے تو انکار نہ کرے۔ جب اس شرمناک واقعہ کی اطلاع حاکم قطیف کو ہوئی تو اس نے یحییٰ کو گرفتار کر کے بری طرح پیٹا اور اس کا سر اور داڑھی مونڈا دی۔ یہ دیکھ کر ابو سعید نے اپنے اصل وطن موضع جتبا کو بھاگ گیا اور یحییٰ بہر از ذلت و رسوائی قبائل بنی کلاب قتیل و خریس کے پاس چلا گیا۔ یہ لوگ ابو سعید کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو سعید جتالی کی جمعیت بہت بڑھ گئی۔

بصرہ اور ہجرت کی تسخیر اور قیدیوں کا زندہ نذر آتش کیا جانا :-

ظاہر ہے کہ حصول جمعیت کے بعد ابو سعید کا جذبہ خروج جو بہت دن سے عمال خلافت کے خلاف عربہ جوئی کیلئے بھڑ رہا تھا کسی ہنگامہ خیزی کے بغیر کسی طرح تسکین نہیں پاسکتا تھا۔ اس لئے وہ خروج ممدی علیہ السلام کی طرف سے خالی الذہن ہو کر خود ہی 286ھ میں دعویٰ ممدویت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے قرب و جوار کے قصبات و دیہات کو تاراج کیا پھر بغرم تسخیر بصرہ کی طرف عنان عزیمت موڑ دی۔ احمد بن محمد بن یحییٰ داہلی والی بصرہ نے دربار خلافت میں اس قضیہ کی اطلاع کی۔ خلیفہ معتضد باللہ نے محافظت بصرہ کے خیال سے شہر پناہ بنانے کا حکم دیا جس کی تعمیر پر چودہ ہزار دینار صرف ہوئے۔ جس وقت ابو سعید 287ھ میں بصرہ کے قریب پہنچا۔ بغداد سے بھی عباس بن عمر غنوی عامل فارس دو ہزار سوار لئے ہوئے بصرہ کی مدافعت کو آپہنچا۔ سواروں کے علاوہ مقطوعہ اپنی رضاکار پیادوں اور غلاموں کا بھی جم غفیر تھا۔ بصرہ سے تھوڑے فاصلہ پر ابو سعید سے تصادم ہو گیا۔ صبح سے شام تک بڑے زور شور سے آتش جنگ شعلہ زن رہی۔ دوسرے دن پھر لڑائی شروع ہوئی..... ذی گرفتار ہو گیا۔ ابو سعید کی فوج نے شاہی لشکر کو چاروں طرف سے گھیر کر لوٹ لیا اور جس قدر مبارز ہاتھ آئے، قید کر لئے۔ اب ابو سعید نے سینکڑوں من لکڑی جمع کرائی اور اس کو آگ دکھادی۔ جب شعلے بلند ہوئے تو اس کی فوج ایک ایک قیدی کو اٹھا اٹھا کر زندہ آگ میں جھونکتی گئی۔ یہاں تک کہ تمام قیدی دنیوی آگ میں جل کر باغ جتان کو چلے گئے۔ ابو سعید نے اس جنگ سے فراغت پا کر ہجر کا عزم کیا اور بلا مزاحمت وہاں قبضہ کر لیا۔

ابو سعید بڑے بڑے دعوؤں کے باوجود بیزاندیق تھا۔ گو قرمطی مشہور تھا لیکن قرامطہ کے مسلک کے خلاف باطنی طریقہ کا دلدادہ تھا۔ کہتا تھا کہ حشر و نشر اور معاد و حساب کے سارے قصے

فضول اور من گھڑت ہیں اور جو شخص کسی کو صوم و صلوٰۃ وغیرہ ظاہری اعمال کی ترغیب دے اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ یہ شخص انتہا درجہ کا سفاک تھا۔ اس نے بے شمار مسلمانوں کو جرحہ شہادت پلایا۔ بہت سی مسجدیں منہدم کیں۔ سینکڑوں مصاحف مقدس نذر آتش کئے اور بے شمار عازمان حج کے قافلے لوٹے۔ ان تمام سفاکیوں کے باوجود وحی آسمانی کا مدعی تھا۔ جب لڑائی لڑتا تو کہتا کہ ”مجھے ابھی ابھی فتح و ظفر کا وعدہ دیا گیا ہے۔“

ابو سعید کا قتل :-

301ھ میں ابو سعید اپنے خادم صقلبی کے ہاتھ سے حمام میں مارا گیا۔ اس کا کام تمام کر کے خادم ابو سعید کی قوم کے ایک رئیس کبیر کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ چلے! میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہے۔ وہ آیا تو اس کو بھی ہلاک کر دیا۔ پھر ایک اور قمرمطی رئیس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میرے سردار نے آپ کو طلب فرمایا ہے۔ وہ آیا تو اس کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اسی طرح دو اور سربراہان قمرمطیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کی جان ستانی کے بعد پانچویں کے پاس جا کر اس کو بغرض قتل بلا لایا لیکن وہ آتے ہی ان کو بھانپ گیا اور صقلبی کا ہاتھ پکڑ کر چیخنے لگا۔ لوگ آ جمع ہوئے اور عورتیں رونے لگیں۔ صقلبی اور اس پانچویں شخص میں تھوڑی دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر لوگوں نے اگر صقلبی کی گردن مار دی۔ ابو سعید نے اپنے بڑے بچے سعید کو اپنا ولی عہد بنا رکھا تھا لیکن اس کا چھوٹا بیٹا ابو طاہر سلیمان اپنے بڑے بھائی سعید کو مغلوب کر کے باپ کا جانشین ہو گیا۔ خلافت عباسیہ میں ان دنوں کوئی دم خم باقی نہ تھا۔ خلیفہ بغداد میں اتنی سکت نہ تھی کہ اسے مغلوب و مقہور کر کے مسلمان قیدیوں کو چھڑالے۔ ناچار قاصدوں کے ہاتھ ایک خط بھیجنے پر اکتفا کیا اور ان کو حکم دیا کہ مسلمان قیدیوں کی رہائی کی سلسلہ جعانی کر کے اس سے مناظرہ کریں اور اس کے فساد مذہب کے دلائل پیش کریں۔ ابو سعید نے خلیفہ کی چٹھی کی طرف کوئی التفات نہ کیا اور چٹھی قاصدوں کے ہاتھ واپس بھیج دی۔ جب قاصد ہجر سے لوٹ کر بصرہ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ابو سعید مارا گیا ہے اور اس کا بیٹا ابو طاہر اس کا جانشین ہوا ہے۔ قاصدوں نے بغداد اگر خلیفہ کو اپنی ناکامی سفارت کی اطلاع دی۔ خلیفہ نے کہا کہ اب تم ابو طاہر کے پاس خط لے جاؤ چنانچہ قاصد دوبارہ ہجر گئے۔ ابو طاہر نے قاصدوں کا اعزاز و اکرام کیا۔ قیدیوں کو رہا کر کے بغداد بھیج دیا اور خط کا بھی جواب بھی دیا۔ ابو سعید کے مرنے کے بعد اس کے پیروؤں نے اس کی قبر پر بڑا گنبد تعمیر کر کے اس پر گچ کا ایک پرندہ بنایا اور مشہور کیا کہ جب یہ پرندہ پرواز کرے گا تو ابو سعید اپنی قبر سے اٹھ کھڑا ہوگا۔ ان غم کردگان راہ نے اس کی قبر کے پاس گھوڑا باندھا اور خلعت کپڑے اور ہتھیار رکھے۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص مر جائے اور اس کی

قبر کے پاس گھوڑا باندھا جائے وہ جب کبھی اٹھے گا سوار ہو گا اور اگر گھوڑا نہ باندھا گیا ہو گا تو پیادہ ٹھوکریں کھاتا پھرے گا۔ ابو سعید کے پیروؤں کے دلوں میں اس کی اتنی وقعت تھی کہ جب ان کے سامنے اس کا نام لیا جاتا تو اس پر درود بھیجتے لیکن حضرت سید الاولین والآخرین علیہ التحیۃ والسلام کا ذکر مبارک آتا تو درود نہ بھیجتے اور کہتے کہ جب ہم رزق ابو سعید کا کھاتے ہیں تو ابو القاسم (سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) پر کیوں درود بھیجتے۔

زکرویہ بن مابہر و قمر مطی

زکرویہ بن مابہر و قمر مط کا ایک داعی تھا۔ حامل وحی اور حضرت مہدی علیہ السلام کے ایلچی ہونے کا داعی تھا۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ میری سواری کا ناکہ مامور ہے جو شخص اس کے ہمراہ ہو گا وہ ہمیشہ فتح یاب ہو گا۔ یہ شخص اس امر کا احساس کر کے کہ قرامطہ کے نیست و نابود کر دینے کی کوشش میں خلیفہ المسلمین کی طرف سے فوجوں پر فوجیں سوار کوفہ کی طرف بھیجی جا رہی ہیں، دفاع کیلئے کھڑا ہوا۔ پہلے ہوا سدا اور طے کے بادیہ نشینوں کے پاس گیا اور قمر مطی مذہب کے نشر و ترویج کی کوشش کی ان لوگوں نے اس تحریک کو نفرت و انکراہ کے ساتھ ٹھکرادیا۔ اب اس نے اپنے پیروں کو قبیلہ کلب بن ودرہ میں بھیجا۔ انہوں نے بھی انکار کیا۔ البتہ اس قبیلہ کی ایک شاخ جسے قلیص بن تھضم بن عدی کہتے تھے اس مذہب کی طرف مائل ہو گئی اور زکرویہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی رفاقت اختیار کی۔ خلیفہ معتضد عباسی کا غلام حبل نام رصافہ کی جانب سے زکرویہ پر حملہ آور ہوا لیکن زکرویہ فتح یاب ہوا اور حبل شہید ہو گیا۔ زکرویہ فتح کے شادیانے جاتا ہوا واپس گیا۔ اب خلافت ماب کی طرف سے احمد بن محمد طائی کے غلام نے کہ اس کا نام بھی حبل تھا فوج کشی کی۔ زکرویہ نے اس کے مقابلہ میں اپنے ایک فوجی سردار ابو الفوارس خلف بن عثمان کو فوج دیکر روانہ کیا۔ حبل کو فتح نصیب ہوئی اور ابو الفوارس گرفتار کر لیا گیا۔ حبل نے اسے بغداد لاکر دربار خلافت میں پیش کیا۔

خلیفہ المسلمین کو قیدی کا طعنہ کہ آل عباس کو خلافت کا کوئی استحقاق نہیں :-

خلیفہ معتضد نے ابو الفوارس کو خطاب کر کے فرمایا کہ ”کیا تم لوگوں کا واقعی یہ اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کے انبیائے کرام کی زد میں تمہارے جسوں میں حلول کر گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے تم لوگ اپنے تئیں گناہوں اور لغزشوں سے معصوم سمجھتے ہو؟“ ابو الفوارس نے ناک بھونچا کر جواب دیا ”اگر ہم میں روح اللہ نے حلول کیا ہے تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے اور اگر روح البلیس حلول کر گئی ہے تو اس سے تمہیں کیا فائدہ؟ اس کے بعد بولا اس لغویابی کو چھوڑو اور کوئی ایسی بات کرو جو فائدہ بخش اور نتیجہ خیز ہو“ خلیفہ معتضد نے کہا کہ ”اچھا تم ہی ان باتوں کا ذکر کرو جن سے فائدہ اور نفع کی امید ہو“ کہنے لگا ”جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دار فانی سے کوچ کیا تو تمہارے مورث اعلیٰ عباس بن عبد المطلب ہتھیلی حیات موجود تھے مگر نہ تو

خود خلافت کے مستعدی ہوئے اور نہ لوگوں نے ان سے بیعت کی۔ ابو بکر صدیقؓ نے وفات پائی تو عمرؓ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ اس وقت بھی عباسؓ زندہ تھے اور عمرؓ کے پیش نظر تھے مگر عمرؓ نے نہ تو عباسؓ کو اپنا ولی عہد بنایا اور نہ انہیں ارباب حل و عقد کی جماعت میں جو چھ افراد پر مشتمل تھی داخل کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا مورث اعلیٰ امر خلافت کا مستحق نہ تھا۔ کم از کم ابو بکر اور عمرؓ نے تمہارے مورث کو اس مہتمم بالشان ذمہ داری کا اہل نہ سمجھا۔ پھر حیرت ہے کہ تم لوگ کس استحقاق پر داعی خلافت ہو اور خلیفہ بنے بیٹھے ہو؟“ خلیفہ معتمد سے اس اعتراض کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ جھٹاٹھا اور حکم دیا کہ ”اس کی کھال کھنچو اگر جوڑ الگ الگ کر دو۔“ اس فرمان کی فوراً تعمیل ہوئی اور اس بد نصیب نے آنا فانا زندگی کی رسوائی سے نجات پائی۔

مجلس شوریٰ پر انتخاب خلیفہ کا انحصار :-

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ معتمد کے علمی اور تاریخی معلومات بہت محدود تھے۔ ابو الفوارس کے اعتراض کا یہ جواب تھا کہ خلفائے ہوامیہ (باستثنائے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ) نہایت ظالم حکمران تھے۔ ہوفاطمہؓ سے پہلے حضرت امام حسینؓ نے پھر ان کے پوتے جناب زید بن امام زین العابدینؓ نے پھر حضرت زیدؓ کے فرزند یحییٰ بن زیدؓ نے مختلف اوقات میں ہوامیہ سے انتزاع خلافت کی کوششیں فرمائیں لیکن نہ صرف ناکام رہے بلکہ اپنی عزیز جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس عہد آشوب میں ضروریات ملی زبان حال سے پکار رہی تھیں کہ خدا کا کوئی ایسا بندہ یا جماعت میدان عمل میں نکلے جو اہل ایمان کو ہوامیہ کے دست میداد سے نجات دلائے۔“ ہو عباس کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہوامیہ سے حکومت چھین کر ان سے بہتر خلافت قائم کی اور مسلمانوں کے جراحت دل پر ہمدردی کا مرہم رکھا۔ گو آل عباس کی خلافت بھی علیٰ منہاج النبوة نہیں تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد عباسی سلطنت ہی ایک ایسی حکومت تھی جو ہر اعتبار سے دین حق اور پیروان ملت حبشی کی پشت پناہ ثابت ہوئی۔ خلافت راشدہ کے بعد جس قدر سلطنتیں بھی اسلامی حکومتوں کے نام سے عرصہ شہود میں جلوہ گر ہوئیں ان میں کوئی حکومت میں حیث انجموع عدل و انصاف، خدمات ملی، اعلاء کلمۃ اللہ، نفاذ شریعت مصطفویٰ (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) خدمت حرمین شریفین، علم نوازی اور معارف پروری میں خلافت ہو عباس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ خصوصاً قرامطہ باطنیہ اور ہو عبید تو اپنے بدعات و کفریات کی وجہ سے قطعات اس قابل نہ تھے کہ ان کی حکمتوں کو اسلامی حکومت قرار دیا جاسکے چہ جائیکہ ان کا کوئی فرمانروا خلیفۃ المسلمین ہو سکتا۔ اگر حضرت شیخینؓ نے جناب عباسؓ کو بعض دوسرے جلیل القدر صاحب الرائے صحابہؓ کی موجودگی میں ارباب شوریٰ میں داخل نہ کیا یا ان کیلئے خلافت کی وصیت نہ

کی تو یہ ان کے نااہل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آئندہ چل کر ان کی اولاد بھی اس صلاحیت سے عاری ہوگی۔ ابو عباس کے اخذ بیعت کے وقت مسلمانوں میں کوئی ایسی جماعت موجود نہ تھی جن میں آل عباس سے بڑھ کر یا کم از کم ان کے برابر ہی شرائط خلافت پائے جاتے ہوں اور وہ برسر اقتدار ہو کر مسلمانوں کے سیاہ و سپید کی مالک ہوئی ہو۔ پس خلفائے ابو عباس ہی عالم اسلام کے جائز اور صحیح خلفاء تھے اور یہ مسئلہ فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت اور شیعوں میں مختلف فیہ ہے کہ خلافت منصوص چیز ہے یا اس کا مدار مجلس شوریٰ کے فیصلہ پر ہے؟ ہم لوگ مجلس شوریٰ کے فیصلہ یا مسلمانوں کے اتفاق رائے یا قوم کی اثر پذیری کو اس کا مدار علیہ ٹھہراتے ہیں اور شیعہ اسے منصوص سمجھتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ حضرت خیر البشر ﷺ نے اپنے مرض وصال میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اپنے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور بھائی جناب عبداللہ بن ابو بکرؓ کو میرے پاس بلاؤ تاکہ میں تمہارے والد کیلئے ایک دستویز لکھ دوں۔ مبادا کل کو کوئی اور شخص خلافت کا دعویٰ کرنے لگے یا اپنا استحقاق ظاہر کرے حالانکہ ابو بکر صدیقؓ کے سوا کوئی دوسرا شخص مستحق خلافت نہ ہوگا پھر سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہہ کر اس عزیمت کو فسخ فرمادیا کہ خداوند عالم حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سوا دوسرا خلافت سے انکار کرے گا اور مومن بھی اس کو مسترد کر دیں گے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رحمت عالم ﷺ جناب صدیق اکبرؓ کو اپنے زور و منصب خلافت تھی۔ تفویض چاہتے تھے لیکن چونکہ آپ انتخاب امامت و امامت کا ایک مستقل اصول و آئین قائم کر جانا چاہتے تھے اس لئے آپ نے وصیت یا دستویز کو غیر ضروری خیال فرمایا اور بوالعجبی دیکھو کہ شیعہ لوگ خلافت و امامت کو منصوص خیال کرتے ہیں حالانکہ خود امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کی حقیقت پر یہ دلیل پیش فرمائی تھی کہ حضرات مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم نے ان کو خلیفہ منتخب کیا چنانچہ شیعوں کے مشہور مجتہد رضی نے کتاب ”نہج البلاغہ“ میں امیر معاویہؓ کے نام امیر المؤمنین علیؓ کی مندرجہ ذیل چھٹی درج کی ہے۔

ترجمہ :- اے معاویہ! ملک شام میں میری بیعت تم پر لازم ہوگئی کیونکہ میرے ہاتھ پر انہی لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے حضرات ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسی امر پر بیعت کی جس پر ان سے کی تھی۔ پس نہ تو حاضر کو اپنی مرضی پر چلنے کا اختیار ہاں اور نہ غائب کیلئے مسترد کرنے کی گنجائش رہی بلاشبہ شوریٰ مہاجرین و انصار کا معتبر ہے پس اگر یہ حضرات کسی شخص پر جمع ہو جائیں اور اس کو امام بنالیں تو خدا کے نزدیک بھی وہ پسندیدہ ہوگا اور اگر کوئی شخص ان سے بہ سبب کسی طعن یا بدعت کے علیحدگی اختیار کرے تو اس کو راہ راست پر

لانے کی کوشش کی جائے اگر وہ قبول نہ کرے تو اس سے قتال کیا جائے کیونکہ اس نے مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا اور حق تعالیٰ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اس کو دوزخ میں ڈالے گا جو بڑی جگہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو بھی مسلمان اپنا امیر مانیں یا قوم اس کی اطاعت کر لے وہی عند اللہ جائز امام المسلمین ہوتا ہے۔ شیعہ حضرات امیر المومنین علیؑ کے متذکرہ صدر مکتوب کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ یہ الزامی دلیل ہے، مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ فان اجتمعون لارجل وسموہ اماما الخ کو الزام سے کوئی تعلق نہیں۔

یحییٰ بن زکریہ کا قتل :-

زکریہ کے قرامطی پیرو سواد کوذ میں قبل سے شکست کھا کر 290ھ میں شام کی طرف بھاگ گئے اور دمشق میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ ان ایام میں دمشق کی عنان حکومت احمد بن طولون کے غلام طنج کے ہاتھ میں تھی۔ قرامطہ سے اس کی کئی دفعہ معرکہ آرائیاں ہوئیں لیکن اسے ہر مرتبہ ہزیمت ہوئی۔ آخر طنج نے اپنے آقا احمد بن طولون دلی مصر سے امداد طلب کی چنانچہ مصری سپاہ اس کی امداد کو پہنچی۔ میدان مبارزت از سر نو گرم ہوا۔ زکریہ کا بیٹا یحییٰ مارا گیا اور بقیۃ السیف نے اس کے بھائی حسین بن زکریہ کے پاس جا پناہ لی۔ علی بن زکریہ اپنے بھائی یحییٰ کے مارے جانے کے بعد فرات کی جانب بھاگ گیا تھا۔ تتر بتر منتشر جماعت اس کے پاس جمع ہونے لگی۔ جب قرامطہ کی جمیعت یوہی تو علی نے زکریہ کی طرف قدمی شروع کی اور پہنچنے ہی اسے لوٹ لیا۔ حسین بن حمدان سپہ سالار افواج بغداد نے یہ خبر پا کر علی کی گوشالی کی نیت باندھی۔ علی یمن کو بھاگ گیا اور وہیں اپنے دعاۃ اور ہوا خواہوں کو جمع کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ یمن کے اکثر شہروں پر قبضہ کر لیا اور صنعاء کی جانب بڑھا۔ جو یمن کا صدر مقام ہے۔ دلی صنعاء شہر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ علی نے شہر کو خوب لوٹا۔ ان واقعات کے دوران زکریہ نے یمن قلعوں کے پاس جنہوں نے سلام میں مدت سے بود و باش اختیار کر لی تھی۔ عبداللہ بن سعید کو خط دیکر بھیجا جس میں لکھا تھا کہ مجھے بذریعہ وحی معلوم ہوا ہے کہ صاحب الشامہ حسین موسوم بہ احمد اور اس کا بھائی موسوم بہ شیخ بہت جلد پھر آنے والے ہیں بعد ازاں امام زمان ظاہر ہوں گے اور تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے معمور کر دیں گے چنانچہ ابو غانم نے قبیلہ کلب میں پہنچ کر ان خیالات کی اشاعت کی اور ان لوگوں کو مذہبی سپاہی بنا کر شام کا رخ کیا۔ بلاو شام کو پامال کرتا ہوا دمشق پر جا پڑا مگر اہل دمشق نے اسے مار بھگایا۔ اس کے بعد اردن پر جا پڑھا۔ والی اردن مارا گیا اور یہ مظفر و منصور طبریہ کی طرف بڑھا اسے بھی خوب لوٹا۔ وربار خلافت میں ان واقعات کی خبر

پہنچی تو خلیفہ معقلی نے ایک لشکر جرار حسین بن حمدان کی سرکردگی میں بغداد سے روانہ کیا۔ ابوغانم یہ خبر پا کر سہوا کی طرف بھاگا۔ شاہ فوج نے تعاقب کیا۔ ہزار ہا قرامطی شدت تقویٰ سے ہلاک ہوئے۔ غرض خلیفہ کے سپہ سالار نے 293ھ میں اسے قتل کر ڈالا جس سے ان کی جمعیت منتشر ہو گئی۔

حجاج پر جور و تغلب کے طوفان اور ان کی جانتانی :-

ان واقعات کے بعد قرامطی جمع ہو کر در یہ نام ایک موضع میں گئے جہاں زکرویہ کئی سال سے خوف جان چھپا ہوا تھا۔ قرامطہ نے یہاں اس کو ایک باؤلی میں محفی کر رکھا تھا۔ جس کے کواڑ آہنی اور نہایت مضبوط تھے۔ قرامطیوں نے باؤلی کے دروازے کے پاس ایک تنور بھی بنا رکھا تھا۔ جب کبھی اس کو گرفتاری کا خطرہ لاحق ہوتا تو جھٹ ایک عورت کھڑی ہو کر اس تنور میں ایندھن جلانے لگتی۔ اس تنور کو دیکھ کر لوگ اس جگہ سے واپس چلے آتے کہ زکرویہ یہاں نہیں ہوگا۔ اس انتظام کے علاوہ انہوں نے ایک کمرہ بھی بنا رکھا تھا۔ جس کے کواڑ کے پیچھے ایک بڑا سا طاق تھا۔ جب کمرے کا کواڑ کھلتا تو وہ طاق کے منہ کو ڈھک لیتا۔ اگر کوئی شخص زکرویہ کی تلاش میں اس کمرے میں آتا تو وہاں کسی شخص کو نہ پاتا حالانکہ زکرویہ ہر سال وقات اس طاق میں چھپا ہوتا تھا۔ قرامطہ اس کے پاس پہنچے اور اس کو وہاں دیکھ کر سر بسجود ہو گئے اس کے بعد اسے ہاتھوں پر اٹھا کر باہر لائے اور اس کو ولی اللہ کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ اب اطراف و جوانب کے مناد بھی جو اس کے مذہب کی تعلیم و تلقین کرتے پھرتے تھے آ کر اس کے پاس جمع ہو گئے۔ زکرویہ نے ان پر اپنی طرف سے قاسم بن احمد کو بحیثیت نائب مقرر کیا اور انہیں اپنے حقوق و فرائض بتلائے جو ان پر واجب تھے اور یہ بھی ہدایت کی کہ ان کی دینی اور دنیوی فلاح اسی میں ہے کہ وہ اپنے امیر کے دائرہ اطاعت سے ذرا بھی قدم باہر نہ نکالیں۔ ان دعاؤں کے ثبوت میں زکرویہ نے آیت قرآنی پیش کیں۔ جن کے معانی و مطالب میں آجکل کے مرزائیوں کی طرح من مانی تاویل و تحریف کی۔ خلیفہ معقلی نے ان کے سدباب کیلئے فوجیں روانہ کیں لیکن قرامطہ نے انہیں سہوا کو فہ میں پسپا کر دیا اور ان کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ اس کے بعد زکرویہ حجاج کا قافلہ لوٹنے کو بڑھا۔ حلوان کو تاخت و تاراج کرتا ہوا واقعہ کو جا گھیرا۔ وہاں ناکہ بندی کر لی۔ قرامطہ نے مضافات کے چشموں اور کنوؤں کا پانی خراب کر دیا۔ جب دربار خلافت میں یہ خبریں پہنچیں تو خلیفہ معقلی نے محمد بن اسحاق کے زیر قیادت قرامطہ کے استیصال کیلئے فوج روانہ کی مگر یہ فوج قرامطہ کو کہیں نہ پاسکی اس لئے بے نسل مرام واپس آئی۔ اب زکرویہ نے حاجیوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ حجاج نے باوجودیکہ تین دن کے بھوکے پیاسے تھے پارسہ دی سے مقابلہ کیا مگر اس کی

بڑھتی ہوئی قوت کا مقابلہ نہ کر سکے امان کے خواستگار ہوئے۔ زکرویہ نے پہلے تو جان بخشی کا وعدہ کر کے ان کے مال و اسباب کو لوٹا لیکن پھر بد عہدی کر کے ان کو یہ تیغ کر دیا۔ ان حاجیوں کے مال، اسباب کے ساتھ سوداگروں اور بنی طولون کے مال و اسباب بھی تھے۔ جن کو بنی طولون نے مصر سے مکہ معظمہ کو روانہ کیا تھا اور مکہ سے بغداد بھیج رہے تھے۔ اس کے بعد زکرویہ نے بقیۃ السیف حجاج کو حمص میں جا گھیرا۔ ہزار بابے گناہ حجاج شہید ہوئے۔

زکرویہ کی ہلاکت :-

خلیفہ معتزلی نے ایک فوج گراں و صیف بن صوار حکیم کے زیر قیادت روانہ کی۔ اس فوج میں نامی گرامی سپہ سالار بھیجے گئے تھے۔ یہ فوج خفان کی راہ سے روانہ ہو کر قرامطہ تک پہنچی۔ دو روزہ جنگ کے بعد قرامطی شکست کھا گئے۔ زکرویہ کے سر پر زخم کاری لگا جس کی وجہ سے وہ بھاگنے میں کامیاب نہ ہوا اور گرفتار ہو کر لشکر گاہ میں لایا گیا۔ اس کے ساتھ اس کا نائب قاسم بن احمد اس کا بیٹا اور اس کا معتمد سب گرفتار ہو گئے۔ زکرویہ زخموں سے جانبر نہ ہوا چھٹے روز مر گیا۔ صیف نے اس کی نعش کو بھارت نامہ فتح کے ساتھ بغداد بھیج دیا۔ خلافت ماب کے حکم سے نعش تو صلیب پر چڑھائی گئی اور سر کاٹ کر خراسان کے ان حاجیوں کے پاس بھیج دیا گیا جنہیں اس نے لوٹا اور قتل کیا تھا۔ اس واقعہ سے قرامطہ کا بل زور ٹوٹ گیا۔ بقیۃ السیف شام کی طرف بھاگے۔ حسین بن حمد ان کو اس کی خبر لگ گئی۔ اس نے ان جان باختوں پر یورش کی اور ان کو خوب یہ تیغ کیا۔ اب تمام شام و عراق میں ان کے قتل و استہلاک کا بازار گرم ہو گیا۔ (تاریخ کامل ابن اثیر ج 7 ص 179)

یحییٰ بن زکریہ قرمطی

ایک شخص خوزستان سے سواد کوفہ میں آکر مدت تک ریاضات شاقہ میں مشغول رہا۔ لیکن یہاں تک کہ کثرت عبادات کی وجہ سے تمام، قرآن و مالٹل پر اس کی فوقیت مسلم ہو گئی۔ اس کے بعد زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ بوریان کر گزر اوقات کرتا اور کسی سے کوئی نذرانہ و ہدیہ قبول نہ کرتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ بواغ و باغیں اور شریں بیان و اعظ تھا۔ یہاں تک کہ اس کے پند و نصائح غنیمت دلوں کو پانی کر دیتے۔ جب کچھ عرصہ اسی حالت میں گزر گیا اور عقیدت مندوں کے دلوں کو اچھی طرح منہمی میں لے لیا اور ان کی خوش اعتقادی کا اندازہ کر کے دیکھ لیا کہ اب ہر بات چل جائے گی تو پہلے تمہیداً تقلید کا مسئلہ چھیڑ دیا کہ دین میں آئمہ و مجتہدین اُمت کی پیروی ضروری ہیں۔ جب عقیدت شعاروں نے اس کو تسلیم کر لیا تو ایک دن کہنے لگا کہ اجماع بھی بے اصل ہے۔ پھر احادیث صحیحہ کی ایسی ہی تاویلیں کرنے لگا جیسی آجکل کے مرزائی کر رہے ہیں۔ جب ان لوگوں نے ان سب باتوں پر آمنا و صدقہ کہہ دیا تو بطور امتحان چند مسائل ایسے حل کئے جو اجماع اُمت اور احادیث نبویہ کے بالکل خلاف تھے۔ عقیدت مندوں نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور اس امتحان کے بعد ایک دن یہ راز افشاء کیا کہ حدیث من لدنہ عرف امام زمانہ کے رو سے امام زمانہ کو معلوم کرنا نہایت ضروری امر ہے مگر یاد رکھو کہ امام زمانہ کا اہل بیت ہونا لازمی ہے اور وہ عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں۔ لوگوں کو امام زمانہ کا مشتاق بنا کر ملک شام کو گیا۔

وہاں خوف جان مضافات کوفہ میں روپوش ہو گیا۔ مدثر اور مطوق بھی اس کے ساتھ تھے۔ آخر حسین بن تبدیل بیت رجبہ پہنچا۔ جاسوسوں نے جو سایہ کی طرح ساتھ لگے تھے والی رجبہ کو اس کی آمد کی اطلاع کر دی۔ حاکم رجبہ نے ان کو گرفتار کر کے خلیفہ المسلمین کے پاس بڑھ دیا۔ خلیفہ نے حسین صاحب شامہ کو پہلے دو سو زرنے لگوائے ان کے بعد صلیب پر چڑھا دیا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی عفریت شمشیر کے حوالے کر دیئے گئے۔ خلیفہ نے اس مہم سے فارغ ہو کر اپنے لشکر ظفر بیکر کے ساتھ بغداد کو مراجعت کی۔

باب نمبر 25

عبید اللہ ممدی

عبید اللہ کی جائے ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکی۔ غالباً کوفہ کا رہنے والا تھا۔ یہی مصر کے عبیدی فرمانرواؤں کا مورث اعلیٰ ہے جنہیں ممدویہ، علویہ، فاطمیہ اور اسماعیلیہ بھی کہتے ہیں۔

فصل 1- نسب، دعوائے ممدویت، بدعات و کفریات

نسب :-

عبید اللہ اپنے تئیں ہاشمی کہا اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؑ کی اولاد بتاتا تھا لیکن اکثر مورخوں نے اس کے فاطمی ہونے سے انکار کرتے ہوئے اس کے نسب پر طعن کیا اور لکھا ہے کہ وہ حسین بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن میمون قدامی اہوازی کا بیٹا تھا اور میمون اہوازی مجوسی تھا۔ عبید اللہ نے جب ملک مغرب میں جا کر اپنے علوی ہونے کا دعویٰ کیا تو علماء سے نسب میں سے کسی نے اس کا دعویٰ تسلیم نہ کیا۔ البتہ جلاء نے اس کے خاندان کو فاطمی کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس لئے وہ قرشی مشہور ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو عبیدہ کا پانچواں حکمران عزیز باللہ منبر پر چڑھا تو اس نے چند اشعار ایک کاغذ پر لکھے دیکھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ میں نے ایک مکروہ نسب آدمی کو جامع مسجد کے منبر پر دیکھا۔ اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو بتلا کہ ساتوں پشت میں تیرا بزرگ کون تھا۔ اگر تجھے اپنے قول کی تصدیق ہے تو اپنا نسب بتلا۔ انساب بنی ہاشم تو اسے ہیں کہ بڑے بڑے طامعین کا دست تصرف بھی ان سے قاصر ہی رہا۔“ اسی عزیز نے ایک مرتبہ ایک خط اندلس (اسپین) کے اموی خلیفہ کے نام بکجو و شام لکھا تھا۔ شاہ اسپین نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا ”حمد و صلوة کے بعد معلوم ہو کہ تجھے ہمارا نسب معلوم تھا۔“

اس کے پیرو عبید اللہ کے ممدی موعود ہونے کی یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے۔ ترجمہ :- (کہ شروع میں آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا) اور کہتے تھے کہ ”اس حدیث میں آفتاب سے عبید اللہ ممدی کی ذات اور مغرب سے ملک مغرب مراد ہے۔“ حالانکہ یہ روایت قطعاً موضوع اور خود ساختہ ہے اور یہ تاویل بھی سخت مہمل اور طعنائی ہے۔ اسماعیلیہ تو بنائے اسلام کے منہدم کرنے والے تھے۔ ان میں سے کسی کے حق میں مخبر صادق علیہ اصولو السلام بھلا اس قسم کی پیشین گوئی کیوں فرمانے لگے تھے؟ عبید اللہ اپنے دعویٰ ممدویت پر باون سال یعنی 270ھ سے اپنی وفات یعنی 322ھ تک قائم رہا اور اس نے 24 سال ایک مہینہ بیس دن حکومت کی۔ ان اثیر نے تاریخ کامل میں اس کے دعویٰ

مہدویت کی مدت 24 سال ایک مہینہ اور بیس روز لکھی ہے لیکن فی الحقیقت یہ مدت اس کی حکمرانی کی ہے۔ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ عبید اللہ نے 270ھ میں دعویٰ مہدویت کیا۔ اس حساب سے اس کی معیادود دعویٰ تقریباً یوں سال ہوتی ہے۔

عبید اللہ اور اس کے جانشینوں کا رخص اور علمائے اہل سنت کا قتل :-

گو عبید اللہ اور اس کے جانشین باطنی المغرب تھے لیکن رعایا کے تالیف قلوب کیلئے بعض ظاہری ارکان کو بھی جلاتے تھے۔ یہ لوگ درپردہ اپنے عقائد فاسدہ کے شیوع میں ہر وقت مصروف رہتے۔ مصر کے اندر اسماعیلی مذہب عام طور پر پھیل گیا۔ قاضی مفتی سب اسماعیلی ہوتے تھے۔ جو کوئی اس مذہب کے خلاف عمل کرتا۔ اسے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ عبید اللہ صحابہ کرام اور ازواج طاہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہمیشہ بھجوا کرتا۔ دوسرے روافض کی طرح اس کا بھی مقولہ تھا۔ حضور سید عالم ﷺ کی رحلت کے بعد سوائے پانچ صحابیوں حضرت علی مرتضیٰ، حضرت مقداد بن اسود، حضرت سلمان فارسی، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوذر غفاریؓ کے رسول خدا ﷺ کے تمام اصحابؓ (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے تھے۔ حالانکہ دشمنان اہل بیت اطہار یعنی نواصب و خوارج (معاذ اللہ) ارتداد بعد رسول اللہ ﷺ کی یہی غلاطی جناب امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حق میں اچھالتے ہیں۔ افسوس رافضی خارجی اور ناصبی حرمان نصیب ان اخیار امت کے خلاف زبان طعن دراز کر کے اپنی عاقبت تباہ کر رہے ہیں۔ جن کیلئے امت باعد اس ارشاد خداوندی میں دعا و استغفار کا حکم دیا گیا تھا۔

ترجمہ :- (وہ لوگ جو سابقین امت کے بعد عرصہ شہود میں آئے وہ ان کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور ہمارے ان اخوان ملت کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے خلاف غبار کدورت اور جذبہ عناد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب! تو بواشفاق اور رحیم ہے)

لیکن یہ اعدائے دین تحیہ دعا و استغفار کی جگہ گالیوں کا ”تحفہ“ بھیجتے ہیں اور بوالعجبی دیکھو کہ اس دشنام دہی کو اپنی حماقت سے عبادت کی اطاعت خیال کر رکھا ہے۔

چونکہ علمائے اہل سنت و جماعت عبید اللہ اور اس کے اخلاف کے دجالی دعویٰ کی تردید کرتے تھے۔ اس لئے حاملین شریعت کو جانوں کے لالے پڑتے رہتے تھے چنانچہ منقول ہے کہ عبید اللہ اور اس کے جانشینوں نے بے شمار علماء کو محض اس ”جرم“ میں جرمہ شہادت پلا دیا کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حسن عقیدت رکھتے تھے لیکن آفرین ہے ان کا قوت ایمانی پر کہ کسی نے اصحاب رسول اللہ ﷺ سے تمنا نہ کیا اس کے داعی عبید اللہ کی نسبت آپس

میں کہا کرتے کہ مہدی ابن رسول اللہ اور جتہ اللہ ہیں اور یہ کہ یہی اللہ، یہی خالق اور یہی رازق ہیں۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان خاتون نے شاہ عزیز عیسیٰ کو لکھ بھیجا۔ ”جتنے قسم ہے اس ذات کی جس نے یہود کو میثا کے طفیل رفعت دی۔ عیسائیوں کو ابن بطریق کی ذات سے عزت بخشی اور اسلام کو تیری ذات سے ذلیل کیا اس معاملہ کی طرف توجہ کر“ میثا یہودی شام کا حاکم اور ابن بطریق مصر کا ایک عیسائی تھا۔ جو علمائے امت، عیسائیوں کی سلطنت میں قیام پذیر ہوئے وہ شروع میں تو اس عزم سے ٹھہر گئے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے عقائد شیعہ سے بچائیں گے لیکن بعد کو یا تو خود ان کے خدع و فریب کا شکار ہو گئے اور ان سے بیعت کر لی یا قتل ہو گئے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ کیا عیسائیوں کا خاندان اسلام کے حق میں تاتاریوں سے بھی زیادہ خطرناک اور مضرت رساں ثابت ہوا۔ حسب بیان قاضی عیاض، ابو محمد قیروانی مالکی سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص شاہان مصر کے عقائد اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے تو کیا وہ ان کے عقائد اختیار کر لے یا قتل ہو جائے؟ انہوں نے جواب دیا کہ قتل کو ترجیح دے کیونکہ اس میں حیات ابدی ہے اور ان کے عقائد اختیار نہ کرے کیونکہ اس میں ہلاکت ہے اور فرمایا کہ اگر شروع میں ان کے عقائد معلوم نہ ہوں تو انسان معذور ہے لیکن ان کا علم ہو جانے پر ان کے ملک سے بھاگ جانا لابد و ضرور ہے۔ اگر کوئی شخص وہیں رہ پڑا تو پھر خوف و اکراہ کا عذر قابل سماعت نہ ہوگا کیونکہ جہاں شریعت عزائم کی توہین کی جاتی ہو وہاں قیام کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

عیسائیوں کی بعض دوسری ضلالت پسندیاں :-

عیسائیوں کے بعد دوسرے عقاید یہ تھے کہ ہر مرد کو اٹھارہ اٹھارہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ وہ اس آیت سے تمسک کرتے تھے۔ ترجمہ :- (ان سے نکاح کرو جو تمہیں مرغوب ہوں۔ دو دو تین تین یا چار چار تک) غرض انہوں نے جمہور است کے خلاف سب اعداد یعنی اٹھارہ عورتوں سے نکاح جائز کر لیا تھا۔ عیسائیوں میں سے بعض کا قول تھا کہ زناام حکومت و ولایت کے وقت گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ گو اس سے پیشتر معصوم نہ ہو اور بعض کے نزدیک اس سے پیشتر بھی معصوم ہوتا ہے۔ عیسائیوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ امام کا حکم مومن اور مومنہ پر واجب الاتباع ہے۔ گویا بین کی مرضی کے خلاف ہو۔ پس اگر امام کسی عورت کا عقد کسی مرد کے ساتھ کر دے تو یہ عقد دونوں پر لازم ہو جاتا ہے اور ان کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔ اسی طرح تمام معاملات بیع و اجارہ میں ان کے امام کا حکم نافذ ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ امام کا خدائے برتر کے ساتھ ہم کلام ہونا ضروری ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے جسم میں پھر نوح علیہ السلام کے جسم میں پھر دوسرے انبیاء کے اجساد میں اور پھر علی ابن ابی

طالب کا جسم لیا۔

اسماعیلیوں کے نزدیک امام ظاہر بھی ہوتے ہیں اور باطن بھی۔ شیعہ اثناء عشریہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔ اسماعیلی کہتے ہیں کہ بارہ اماموں کی کوئی قید نہیں۔ امام بے شمار ہو سکتے ہیں۔ اسماعیلیوں کا عقیدہ ہے کہ امیر المؤمنین علی مرتضیٰ، امام حسن مجتبیٰ، امام حسین، امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق کے بعد جناب اسماعیل ساتویں امام تھے لیکن یہ سات امام ظاہر تھے۔ پھر ان کے بعد تین امام باطن گزرے جو عالم کائنات میں نمودار نہیں ہوئے۔ البتہ ان کے نقیب جو تعداد میں بارہ بارہ ہوتے تھے۔ علانیہ آیت خلق میں مصروف رہے۔ اسماعیلیہ کے نزدیک یہ تین امام مخفی تھے۔ پہلے منشور بن محمد مکتوم، دوسرے جعفر مصدق، تیسرے نقیب۔ ان کے بعد سے پھر آئمہ ظاہر کا سلسلہ شروع ہوا۔ جن میں سب سے پہلا عبید اللہ مدنی، دوسرا ابو القاسم لقب بہ قائم اللہ۔ اس طرح بارہ دوسرے خلفاء کے نام گنوا کر چودہ عبیدی فرمانرواؤں کو آئمہ دین کی حیثیت سے شمار کرتے ہیں۔ عبید اللہ کے ایک جانشین معز عبیدی نے حکم دیا تھا کہ خطیب خطبوں میں یہ الفاظ کہا کریں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی عَلٰی مَرْتَضٰی بِی فَاطِمَةَ الْبَتُولِ وَعَلٰی الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ سِبْطِ الرَّسُولِ وَصَلِّ عَلٰی الْاَئِمَّةِ اَبَاءِ امیر المؤمنین المعز باللہ اور اِذَا ان میں حَسْبِيَ الْخَيْرُ الْعَمَلُ اِزِا دیا گیا۔ عبیدیوں کی حکومت کے باعث مصر اور شام میں خوب رفق پھیلا، یہاں تک کہ منادی کی گئی کہ نماز تراویح کیسے نہ پڑھی جائے۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ عبیدیوں کی خلافت صحیح نہ تھی۔ ان کی خلافت کے غیر صحیح ہونے کا سب سے پہلا ثبوت یہ ہے کہ وہ زندیق و ملحد تھے۔ انہی کے عہد حکومت میں انبیائے کرام کی شان میں دریدہ و ہنی کی گئی۔ شراب مباح ہو گئی۔ سجدے کرائے گئے۔ عبیدی خاندان میں جو تاجدار سب سے بہتر گزرا ہے وہ بھی ایسا رافضی تھا کہ جس نے پیغمبر خدا ﷺ اور اصحاب کو گالیاں دینے کا حکم دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی نہ بیعت جائز تھی اور نہ امامت صحیح تھی اور اگر یہ صحیح العقیدہ مسلمان ہوتے تو بھی ان کی خلافت صحیح نہیں تھی کیونکہ انہوں نے ایسے وقت میں لوگوں سے بیعت لی جبکہ ایک ایسا خلیفہ جس سے پہلے بیعت کی جا چکی تھی، موجود تھا۔ ایک وقت میں دو اماموں کی بیعت جائز نہیں۔ جس سے پہلے بیعت ہو چکی ہو وہی جائز خلیفہ سمجھا جائے گا۔

فصل 2- عبیدی سلطنت کا قیام

تیسری صدی کے اواخر میں اسماعیلی جماعت کا سب سے ممتاز رکن عبید اللہ کا باپ محمد حبیب تھا۔ یہ ضلع حمص کا رہنے والا تھا۔ اس کی زندگی کی عزیز ترین خواہش یہ تھی کہ کسی طرح سلطنت کی داغ بیل ڈال سکے۔ اس کا آفتاب حیات زوال پذیر تھا اور چاہتا تھا کہ دنیا سے رخصت

ہونے سے پہلے عبید اللہ کو آسمان عروج پر پہنچا جائے چنانچہ اس نے اسی غرض سے خطبوں میں پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ عبید اللہ ممدی موعود ہے۔ محمد حبیب دیکھ رہا تھا کہ عرب، عراق یا وسط ایشیا کے دوسرے ممالک میں قیام سلطنت کا خواب کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کی نظریں بار بار افریقہ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اسلامی تاریخوں میں افریقہ سے ہمیشہ شمالی افریقہ مراد ہوتا ہے۔ جس کے تین حصے ہیں۔ مغرب اونی جس میں تونس، قیروان اور طرابلس واقع ہیں۔ مغرب اوسط جس میں تلمسان وغیرہ امصار واقع الجزائر داخل ہیں۔ مغرب اقصیٰ جس میں فاس، مراکش، طوس وغیرہ علاقہ شامل ہے۔ محمد حبیب کو شمالی افریقہ میں قیام سلطنت کے کامیاب ہونے کی اس لئے زیادہ امید تھی کہ یہ خطہ ہمیشہ جھوٹے مدعیوں کا جگہ، دواوی اور مذہبی اختلافات کا گوارہ رہا ہے۔ بربروں کا ضعیف الاعتقادی اور توہمات پسندی ہر قسم کے الحاد و زندقہ کے قبول کرنے کیلئے گماہ پائی گئی ہے۔ تقدس و رہنمائی کے جس دکاندار کا اپنے وطن میں کوئی پرہیز حال نہ ہوتا تھا، وہ شمالی افریقہ کے بربروں میں جا کر قسمت آزمائی کرتا۔ وہاں لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور اس کی تحریک جدید کائنات گرجوئی سے خیر مقدم کیا جاتا۔ اس کے علاوہ بربر کا علاقہ مرکز خلافت بغداد سے بہت دور تھا اور یہاں کے باشندے جنگجوئی اور شورہ پشتی میں شرہ آفاق تھے۔ اس لئے خلفائے عباسیہ ان کی خود سری سے ہمیشہ اغماض فرماتے کیونکہ شمالی افریقہ کو پوری طرح زیر اقتدار رکھنے کا خرچ اور اتلاف نفوس وہاں کے مد اخل سے بدرجہا اسید رہتا تھا۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی بنا پر لوگوں نے باہر سے جا کر وہاں بڑی بڑی خود مختار سلطنتیں قائم کر لیں۔ محمد حبیب کو کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جو افریقہ جا کر اس کے بیٹے عبید اللہ ممدی کے حق میں پرچار کرے چنانچہ ایک دفعہ ایک نہایت ذہین اور ہوشیار دچالاک مرید ابو عبد اللہ حسن بن احمد اس سے ملنے آیا جو منعا دکار ہنے والا تھا۔ ابو عبد اللہ تمام دوسرے صفات میں یکتا تھا البتہ مذہبی تعلیم کی اس میں کچھ کمی تھی۔ محمد حبیب کو یقین ہوا کہ اگر اس کی تربیت کی جائے تو اس سے مقصد براری ہو سکتی ہے چنانچہ اسے ایک اسماعیلی عالم ابو حوشب کے حوالے کیا۔ یہ شخص کچھ زمانہ اس کے زیر تربیت رہا۔ جب فارغ التحصیل ہو گیا تو محمد حبیب نے ابو حوشب کو حکم دیا کہ ابو عبد اللہ کو تمام نشیب و فراز سمجھا کر افریقہ روانہ کیا جائے تاکہ وہاں لوگوں کو عبید اللہ کی مہدویت کی دعوت دے۔

ابو عبد اللہ کا عزم افریقہ :-

ابو حوشب نے ابو عبد اللہ کو یمنی حاجیوں کے ہمراہ مکہ معظمہ روانہ کیا اور عبد اللہ بن ابوملا حصن بھی اس کے ساتھ کر دیا اور روانہ کرتے وقت بہت کچھ روپیہ پیسہ دیا۔ ابو عبد اللہ اور

عبداللہ نے موسم حج میں مکہ معظمہ پہنچ کر افریقہ کے حجاج کا پتہ لگایا اور انہی میں جا کے ٹھہرے۔ یہ لوگ ابو عبداللہ کے زہد و تقویٰ کو دیکھ کر اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اس کی صحبت میں آکر بیٹھنے لگے اور جویائے حال ہوئے۔ آخر انہوں نے پوچھا آپ کا ارادہ یہاں سے کہاں جانے کا ہے؟ اور ابو عبداللہ نے ان پر اپنا ارادہ ظاہر نہ کیا اور اپنی منزل مقصود کو مخفی رکھ کر کہنے لگا۔ ”مصر جاؤں گا“ یہ جواب سن کر وہ خوش ہوئے کہ خیر مصر تک تو ایسے نیک نفس اور زاہد شخص کا ساتھ رہے گا۔ اب ابو عبداللہ ان لوگوں کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں رفیقان سفر سے باتوں باتوں میں ان کے شہروں، ان کی سر زمین، ان کے قبائل اور ان کی حکومت کے حالات پوچھتا رہا۔ ایک سے پوچھنے لگا ”تمہارا سلطان کون ہے؟ اور اس کی حکومت کیسی ہے؟“ انہوں نے کہا ”ہمیں سلطان کی اطاعت نہیں کرنی پڑتی اس لئے کہ وہ ہم سے دس دن کی مسافت پر رہتا ہے۔“ پوچھا ”اور تمہارے لوگ اسلحہ سے بھی کام لیتے ہیں؟“ انہوں نے کہا ”اور اس کے سوا ہمارا شغل ہی کیا ہے؟“ الغرض ابو عبداللہ ان کے حالات پوچھتا ہوا مصر پہنچا۔ یہاں ان عقیدت کیش ہمراہوں سے رخصت ہونے لگا۔ انہوں نے پوچھا ”آپ کس غرض سے مصر آئے ہیں؟“ کہا ”طلب علم کیلئے“ انہوں نے کہا ”اس کیلئے تو ملک مصر زیادہ موزوں ہے۔ آپ وہیں چلے ہم آپ کی خدمت کریں گے“ الغرض ابو عبداللہ نے جب ان سے خوب اصرار کر لیا تو ساتھ جانے پر راضی ہو گیا اور ان کے ہمراہ کتامہ کی راہ لی۔

کتامہ میں ورود :-

یہ قافلہ 15 ربیع الاول 288ھ کو کتامہ پہنچا۔ اہل کتامہ نے اس کے آنے کا حال سنا تو مصر ہوئے کہ ”آپ ہماری ہی بستی میں اقامت گزریں ہوں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی رفاقت کریں گے اور جو آپ کا دشمن ہو گا اس سے لڑیں گے“ ابو عبداللہ نے کہا ”پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ مقام ”فج الاخیار“ کہاں ہے؟“ یہ ایک غیر معروف بستی تھی جس کا کبھی کسی مغربی رفیق سفر نے اس سے ذکر نہیں کیا تھا۔ اس کی زبان سے اس بستی کا نام سن کر لوگ دنگ رہ گئے اور اسے اس کے کشف باطنی پر محمول کیا اور بتایا کہ ”فج الاخیار قبیلہ بنی سلیمان کے علاقے میں ہے“ ابو عبداللہ نے کہا ”تو میں وہیں جا کے رہوں گا لیکن باری باری اور وقافو قفا تمہارے یہاں آ کے تم سے بھی مل جایا کروں گا“ سب نے منظور کر لیا اور وہ ان لوگوں سے رخصت ہو کر کوہ العجنان پر پہنچا۔ جس کی ایک واوی میں ”فج الاخیار“ کی بستی واقع تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے لوگوں سے کہا ”اس مقام کا نام ”فج الاخیار“ ہے اور محض تمہاری خوبیوں کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا ہے۔“ اخبار و آثار میں آیا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کو حضرت رسول خدا ﷺ کی طرح اپنے وطن سے

ہجرت کرنی پڑے گی۔ اختیار لوگ ان حضرت کے ناصر و مددگار ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا نام لفظ ”متمان“ سے نکلا ہوگا۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ انہی اختیار لوگوں کی بستی ”نج الاخبار“ ہوگی اور وہ اس کے گرویدہ ہو گئے اور اس نے طرح طرح کے کوششے اور شعبہ دیکھا دیکھا کر سب لوگوں کو اپنا فرمانبردار غلام بنالیا اور چند روز میں اس کی دینداری، ایک نفسی اور اس کے مکاشفات و کرمات کی شہرت دور دور تک ہو گئی اور اطراف و جوانب سے اہل بر آ کے اس کے ہاتھ چومنے لگے۔ اب ابو عبد اللہ اور عبد اللہ نے لوگوں کو یہ تلقین شروع کی کہ رسول خدا ﷺ نے یہ نصوص جلیلہ و ارشادات حضرت علیؑ کے حق میں خلافت و امارت کی وصیت فرمائی تھی جس سے صحابہؓ نے (عیاذ باللہ) اغراض و عدول کر کے علیؑ کے سوا دوسروں کو خلیفہ بنالیا۔ اس بنا پر ان صحابہؓ سے تمراء کرنا واجب ہے جنہوں نے وصیت چھٹی سے انحراف کیا حالانکہ صریح بہتان ہے اگر خدا کے برگزیدہ رسولؐ نے حضرت علیؑ کے حق میں وصیت فرمائی ہوتی تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس کی خلاف ورزی کرتا۔

”ابو عبد اللہ نے لوگوں کو بتایا کہ علیؑ نے اپنے بیٹے حسنؑ کو، پھر حسنؑ نے اپنے بھائی حسینؑ کو، حسینؑ نے اپنے فرزند علیؑ معروف بہ زین العبدین کو، زین العبدین نے اپنے فرزند محمد باقرؑ کو، محمد باقرؑ نے اپنے بیٹے جعفر صادقؑ کو، جعفر صادقؑ نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو، اسماعیلؑ نے اپنے بیٹے محمد مکتوم کو، محمد مکتوم نے اپنے بیٹے جعفر مصدقؑ کو، جعفر مصدقؑ نے اپنے بیٹے محمد حبیب کو اور محمد حبیب نے اپنے فرزند گرامی عبید اللہ ممدی کو اپنا وصی اور سریر خلافت کا جانشین اور وارث مقرر فرمایا تھا“ علمائے کتائمہ جمع ہو کر ابو عبد اللہ سے مناظرہ کرنے کو آئے اس نے مناظرہ سے انکار کیا۔ اس کے باوجود زود اعتقاد عوام اس کے بھرے میں آ گئے۔ آخر آتش فساد مشتعل ہوئی مگر معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اب ابو عبد اللہ اور عبد اللہ نے وقت بے وقت لوگوں کو یہ بتانا شروع کیا کہ ”حضرت ممدی موعود علیہ السلام نے ہم کو اسی جگہ قیام کرنے کی تلقین کی تھی اور وہ عنقریب خروج کیا چاہتے ہیں۔ ان کے معین انصار وہ لوگ ہوں گے جو اپنے زمانہ کے اختیار ہوں گے۔ ان کے انصار کا نام لفظ اتمان سے مشتق ہے جو صاف طور سے ظاہر نہیں فرمایا۔ مگر قرینہ یہ کہتا ہے کہ غالباً یہی اہل کتائمہ ہوں گے“ اب ابو عبد اللہ کا اثر دل بدن زیادہ بڑھنے لگا۔ جب اس کے اقتدار کی خبر امیر افریقہ ابراہیم بن احمد بن اغلب کو ہوئی تو اس نے شہر میلہ کے عامل کو لکھ کر اس کی کیفیت دریافت کی۔ عامل نے لکھ بھیجا کہ ”وہ بالکل معمولی سا شخص ہے۔ اس قابل نہیں کہ حضور اس کا کچھ خیال فرمائیں۔ وہ موٹا جھوٹا لباس پہنتا ہے اور لوگوں کو نیکو کاری اور زہد و تقویٰ اور عبادت الہی کی تاکید کیا کرتا ہے“ یہ جواب سن کر فرمانروائے افریقہ مطمئن ہو گیا۔ اب ابو عبد اللہ اثر یہاں تک بڑھا کہ حاکم ہمدانی کے احکام بے اثر ہونے لگے لیکن اس کے بعد ایسے

اسباب پیش آئے کہ اہل کتامہ میں ابو عبد اللہ کے خلاف سخت جذبہ عناد پیدا ہوا اور اکثر لوگ اس کے قتل پر متفق ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر ابو عبد اللہ روپوش ہو گیا مگر اس کے جانے کے بعد لوگوں میں باہم سر پٹول ہونے لگا۔ اس شورش کی اطلاع حسن بن ہارون نام ایک شخص کو ہوئی جو کتامہ کے اکابر و معززین میں سے تھا اور ایک دولتمند شخص تھا۔ اس نے فوراً ابو عبد اللہ کو اپنی حمایت میں لے لیا اور اس کی طرف داری میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اب حسن بن ہارون اور ابو عبد اللہ دونوں جا کر شہر ناصرون میں مقیم ہوئے۔ جہاں ہر طرف سے قبائل اس کی زیارت کو آنے لگے اور اس کی شان و شوکت دن بدن بڑھنے لگی۔ خصوصاً اس لئے کہ حسن بن ہارون کا سا رئیس اس کا انیس ورثین تھا۔

ابو عبد اللہ کا عروج و اقبال :-

ابو عبد اللہ نے سب سے پہلے سواروں کا رسالہ بھرتی کرنا شروع کیا اور ان کی سپہ سالاری حسن بن ہارون کو دی۔ اب ابو عبد اللہ نے روپوشی کی نقاب الٹ دی۔ میدان میں سامنے آیا اور مخالفوں کے مقابل اشتہار جنگ دے دیا۔ مختلف لڑائیاں ہوئیں جن میں ہمیشہ وہی فتح مند ہوتا رہا اور ان لڑائیوں میں لوٹ کا مال جمع کرتے کرتے ناصرون میں بہت دولت جمع کر لی۔ اب اس نے مخالفوں کے آئندہ حملوں سے محفوظ رہنے کیلئے ناصرون کے گرد اگر د خندق کھود لی اور پوری طرح سختی تیار کیا کر لیں اور آئروئے معاہدہ عام اہل کتامہ و یمامہ کا حاکم بن گیا۔ اب وہی ابو عبد اللہ ناصری جو کہ اجنبی ملا اور شکستہ حال مسافر کی شان سے اس سر زمین میں وارد ہوا تھا۔ اپنی حکمت ملی سے ایک چھوٹا سا فرمانروا بن گیا۔ کامیابیوں سے اس کا ایسا حوصلہ بڑھا کہ شہر میلہ پر جو بھادرا فریقہ کے ایک نائب کا مستقر حکومت تھا حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ جب اس واقعہ کی خبر امیر افریقہ امیر ایم بن احمد کو ہوئی تو اپنے بہادر بیٹے احوں کو قیروان سے دس ہزار فوج کے ساتھ اس کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا۔ ابو عبد اللہ نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور میدان چھوڑ کر بھاگا۔ احوں نے تعاقب کیا۔ ابو عبد اللہ نے یہاں سے بھاگ کر کوہ انجان کا راستہ اختیار کیا۔ شاہی لشکر اس کے تعاقب میں چلا جاتا تھا کہ یکایک شدید عرف باری شروع ہو گئی۔ جس کے باعث احوں کو تعاقب سے دستبردار ہونا پڑا۔ اس نے ابو عبد اللہ کو پہاڑوں میں چھوڑا اور خود ابو عبد اللہ کے مستقر شہر ناصرون پر چڑھ گیا۔ اس کو فتح کر کے لوٹا اور آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیا۔ ان طرح اس نے شہر میلہ پر بھی دھاوا کر کے اس کو غارت کیا اور جب دیکھا کہ ابو عبد اللہ کا کوئی مددگار نہ تھا، قیروان واپس چلا گیا۔ اس معرکہ کے بعد ابو عبد اللہ نے کوہ انجان میں ایک شہر آباد کر کے اس کا نام دار الجبرۃ رکھا۔ اس اثنا میں امیر ایم بن احمد والی افریقہ نے وفات

پائی اور اس کی جگہ پر ابو العباس افریقہ کا فرمانروا ہوا مگر تھوڑے ہی روز میں اس نے بھی ملک عدم کی راہ لی۔ اب زیادۃ اللہ کو افریقہ کی گورنری مرحمت ہوئی۔ زیادۃ اللہ نہایت عیاش، ہوا پرست اور امور سلطنت سے غافل تھا۔ اس بد بخت نے احوال کھمبھڑی اس خیال پر کہ مبادا نخل عیش و راحت ہو قتل کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ جب احوال ایک بھاری لشکر مرتب کر کے ابو عبد اللہ کی کوشلی کیلئے اس کے قریب پڑا ہوا تھا تو زیادۃ اللہ نے اسے حیلہ و مکر سے طلب کر کے قتل کر ڈالا۔

ابو عبد اللہ کی طرف سے عبید اللہ کے قدوم افریقہ کی درخواست :-

محمد حبیب نے اپنی وفات کے وقت امامت و امامت کی اپنے بیٹے عبید اللہ کے حق میں وصیت کی اور اس سے کہا ”میرے نور عین! تم ہی مہدی موعود ہو۔ میرے بعد تم بھرت بعیدہ کرو گے۔ طرح طرح کے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن صبر و استقلال کو اپنا رفیق راہ بنانا“ غرض محمد حبیب کے انتقال کے بعد عبید اللہ نے زمام امامت اپنے ہاتھ میں لیکر اپنے داعیوں کو دُور دُور بھیجا۔ انہی ایام میں ابو عبد اللہ نے اہل کتائبہ کا ایک خط عبید اللہ کے پاس روانہ کیا اور اپنے فتوحات کی اطلاع دیکر یہ ظاہر کیا کہ ہم لوگ آپ کے قدوم صحت لڑم کیلئے چشم بردار ہیں۔ جلد تشریف لائیے۔ رفتہ رفتہ یہ خبریں بغداد پہنچیں۔ خلیفہ معتزلی عباسی نے عبید اللہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ عبید اللہ فرمان خلافت کی اطلاع پاتے ہی اپنے بیٹے نزار کو ساتھ لیکر بھاگ کھڑا ہوا۔ عبید اللہ نے سرزمین حمص سے نکل کر مغرب کا راستہ لیا۔ لڑکے کے علاوہ خدام و اصحاب کی بھی ایک جماعت ساتھ تھی۔ یہ لوگ طے منازل کر کے مصر پہنچے۔ عبد اللہ سوداگروں کا لباس پہنے، سرزمین مصر میں داخل ہوا۔ ان دنوں عیسیٰ نوشری خلیفہ بغداد کی طرف سے مصر کا گورنر تھا۔ اس اثناء میں خلیفہ معتزلی باللہ عباسی کی طرف سے عبید اللہ کی گرفتاری کا فرمان بھی عامل مصر کے نام پہنچ گیا۔ عیسیٰ نوشری کے کسی مصاحب نے عبید اللہ کو اس سے مطلع کر دیا۔ عبید اللہ اپنے رفقاء و خدام کو لئے ہوئے وہاں سے نکلا مگر اتفاق سے خود نوشری سے ملاقات ہو گئی۔ نوشری اس کی صورت شکل چال و حال سے تاڑ گیا کہ ہونہ ہو عبید اللہ یہی ہے نور اگر قدار کر لیا۔ اتنے میں دوپہر ہو گئی۔ دسترخوان بچھا۔ نوشری نے عبید اللہ کو کھانے کیلئے کہا۔ اس نے روزہ کا عذر کیا۔ نوشری نے باتوں باتوں میں عبید اللہ سے حقیقت حال دریافت کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ عبید اللہ نے اسے ایسے فقرے دیئے کہ نوشری کو اس کے بے خطا ہونے کا یقین ہو گیا۔ نوشری نے ابھی عبید اللہ کو رہا نہ کیا تھا کہ اس کا بیٹا ابو القاسم نزار اپنے شکاری کتے کو ڈھونڈتا ہوا آ پہنچا۔ نوشری نے دریافت کیا ”یہ کون ہے؟“ بتلایا گیا کہ ”یہ عبید اللہ کا بیٹا ہے۔“ نوشری نے اس سے یہ خیال قائم کیا کہ اگر یہ شخص خلافت کا امیدوار ہوتا تو اس کا بیٹا شکاری کتے

کی تلاش میں موت کے منہ میں نہ چلا آتا۔ عبید اللہ کو رہا کر دیا۔ عبید اللہ مصر سے بجلت تمام مسافت کرنے لگا۔ راہ میں طاحونہ کے مقام پر قزاقوں سے سہلہ پڑ گیا۔ کل مال و اسباب لوٹ لئے گئے جن میں چند کتابیں ملاحم کے متعلق تھیں جو اس کو با عن جد وراثت میں ملی تھیں۔ ان تابوں کے تلف ہونے کا عبید اللہ کو سخت صدمہ ہوا۔

عبید اللہ کوچ کرتا ہوا طرابلس پہنچا۔ عبید اللہ نے یہاں سے ابو العباس برادر اور ابو عبد اللہ کو کتامہ کی طرف روانہ کیا چنانچہ کتامہ جاتے ہوئے قیروان پہنچا۔ زیادۃ اللہ گورنر افریقہ کو ابو العباس کے پہنچنے سے قبل ہی ان واقعات کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اس نے دہقانوں کی وساطت سے اسے گرفتار کر لیا۔ اس سے عبید اللہ کے حالات دریافت کئے۔ ابو العباس نے بتلانے سے انکار کیا۔ زیادۃ اللہ نے اسے قید میں ڈال دیا۔ اور عامل طرابلس کو عبید اللہ کی گرفتاری کا حکم بھیجا۔ یہ خبر کسی طرح عبید اللہ تک پہنچ گئی۔ طرابلس کو خبر باد کہہ کر سلجماسہ کا قصد کیا۔ یہاں ان دنوں دریا کے گردہ والے تھے۔ انہوں نے عبید اللہ کی بڑی آؤ بھمت کی اور عزت و احترام سے ٹھہرایا۔ اس اثنا میں حاکم سلجماسہ کے نام زیادۃ اللہ کی وساطت سے خلیفہ معتزلی کا فرمان آپہنچا۔ جس میں لکھا تھا کہ ”یہ شخص مہمدیت کا مدعی ہے۔ اسی کی طلبی کے خطوط کتامہ سے آرہے ہیں۔ اسے گرفتار کر کے فوراً قید خانہ میں ڈال دو“ والی سلجماسہ نے عبید اللہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔

ابو عبد اللہ کا سلسلہ فتوحات :-

زیادۃ اللہ گورنر افریقہ نے پہلے تو کچھ خیال نہ کیا لیکن ابو عبد اللہ کی براہمتی ہوئی جمعیت اور بلاد افریقہ کو اپنے حوزہ تصرف سے نکلنے دیکھ کر ذرا چونکا ہوا اور اپنے ایک عزیز امیر اییم بن خنیش کو امیر لشکر مقرر کر کے چالیس ہزار فوج کے ساتھ اس کی طرف روانہ کیا۔ اس مہم میں چیدہ چیدہ سپہ سالار اور نامور جنگجو سپاہی شامل تھے۔ یہ لشکر قسطنطنیہ پہنچ کر ٹھہر گیا۔ ابو عبد اللہ یہ خبر پا کر پہاڑ کی ایک بلند چوٹی پر چڑھ گیا اور اچھی طرح مورچہ بند ہو گیا۔ امیر اییم کامل چھ مہینے تک اپنا لشکر لئے ہوئے ابو عبد اللہ کے اترنے کے انتظار میں دامن کوہ میں پڑا رہا۔ آخر مجبور ہو کر ساتویں مہینہ شہر کرمتہ پر حملہ کر دیا کیونکہ یہاں بھی ابو عبد اللہ کی تھوڑی سی فوج رہتی تھی۔ پرچہ نویسوں نے ابو عبد اللہ کو اس کی خبر کر دی۔ اس نے اپنے رسالہ کو امیر اییم کے لشکر پر شیون مارنے کو بھیج دیا۔ امیر اییم ابھی کرمتہ تک پہنچے بھی نہیں پایا تھا کہ ابو عبد اللہ کے سواروں نے چھاپہ مارا۔ امیر اییم کے ہوش و حواس جاتے رہے اور کمال بے سروسامانی سے ہزیمت اٹھا کر قیروان کی طرف بھاگا۔ ابو عبد اللہ نے مرثدۃ فتح عبید اللہ کی خدمت میں روانہ کیا جو اس وقت سلجماسہ کے قید خانہ میں تھا۔ ابو عبد اللہ نے اس خط کو اپنے ایک معتبر دوست کے ذریعہ سے سلجماسہ روانہ کیا

تھا اور یہ ہدایت کردی تھی کہ جس طرح ممکن ہو یہ خط عبید اللہ ممدی تک پہنچاؤ۔ چنانچہ قاصد نے سہما سہ پہنچ کر قصابوں کا بھیس بدلاد اور گوشت چھنے کے حیلہ سے قید خانہ میں داخل ہو کر اس کو ابو عبد اللہ کا خط دیا۔ ابو عبد اللہ اس مسم سے فارغ ہو کر شہر طیبہ کی طرف بڑھا اور ایک مدت تک اس کا محاصرہ رکھنے کے بعد اس کو فتح کر کے شہر بلزمہ کا رخ کیا۔ اہل بلزمہ نے مقابلہ کیا۔ ابو عبد اللہ نے اس کو بھی مسخر کر لیا۔ زیادۃ اللہ والی افریقہ نے ان واقعات سے مطلع ہو کر ایک جرار لشکر ہارون طبنی کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ طبنی نے شہر دار ملوک پر فوج کشی کی۔ دار ملوک کے باشندے اس سے پیشتر ابو عبد اللہ کی اطاعت قبول کر لی تھی اور اسے اپنا امیر تسلیم کر لیا تھا۔ طبنی نے دار ملوک کی شہر پناہ کو منہدم کیا اور بدور شمشیر شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد ابو عبد اللہ کی طرف بڑھا۔ راہ میں ابو عبد اللہ کی گشتی فوج سے ٹکھڑ ہو گئی۔ عبد اللہ کی گشتی فوج مرغوب ہو کر بے ترتیبی اور ہتھری کے ساتھ بھاگنے لگی۔ جب ابو عبد اللہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ خاص پیام اجل کی طرح طبنی کے سر پر آپڑا۔ طبنی کی فوج بے لڑے بھڑے بھاگ کھڑی ہوئی۔ اسی دار و گیر میں طبنی نے نعیم کے ہاتھوں سے جام اجل پی لیا۔ ابو عبد اللہ نے کامیابی کے ساتھ شہر عیسیٰ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ سے زیادۃ اللہ سانپ کی طرح بل کھانے لگا اور ایک بہت بڑا لشکر مرتب کر کے 295ھ میں ابو عبد اللہ پر حملہ کرنے کے قصد سے روانہ ہوا۔ جب ارمس اور بھض مصاحبوں نے یہ رائے دی کہ آپ بذات خاص ابو عبد اللہ کے مقابلہ پر نہ جاییے کیونکہ اگر خدا خواستہ نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا تو ہم لوگوں کا کوئی ٹپا، دلاوی نہ رہ جائے گا۔ زیادۃ اللہ نے اس رائے کو پسند کیا اور لشکر کو اپنے ایک عزیز امیر ایم بن ابوالغلب کے ماتحت ابو عبد اللہ کے مقابلہ میں بھیج کر خود دار الحکومت قیروان کو مراجعت کی۔

سلطنت بنی اغلب کا زوال :-

ابو عبد اللہ کو اس کی خبر لگ گئی۔ فوراً باغیہ پر دھوا کر دیا۔ عامل باغیہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ابو عبد اللہ نے شہر پر قبضہ کر کے اپنی کامیابی کا پرچم گاڑ دیا۔ اس کے بعد عمان توجہ شہر مراجنہ کی طرف پھیر دی۔ اہل مراجنہ نے قبضہ دینے سے اعراض کیا۔ آخر لڑائی تک نوہت پہنچی اور والی مراجنہ مارا گیا۔ ابو عبد اللہ نے شہر پر عمل و دخل کر کے نیقاش کی طرف قدم بڑھایا۔ اہل نیقاش نے اطاعت کر کے شہر سپرد کر دیا۔ نیقاش کے مفتوح ہونے پر ہر طرف سے امان کی درخواستیں آنے لگیں۔ بہت سے قبائل نے خوف جاں حاضر ہو کر گردن اطاعت جھکا دی۔ ابو عبد اللہ نے سب کو امان دی اور چند افسروں کو ان بلاد کا انتظام سپرد کر کے خود ایک دستہ فوج کے ساتھ مسیانہ کا رخ کیا۔ یہاں سے تیبہ، حمانہ، قصرین اور رقادہ کا رخ کیا۔ یہ مقامات

یکے بعد دیگرے بلا جنگ و قتال مفتوح ہوتے گئے۔ ابراہیم بن ابی اغلب نے ان واقعات کی خبر ارس میں سنی۔ اس نے یہ خیال کر کے کہ رقادہ میں زیادۃ اللہ والی افریقہ اقامت گزین ہے لیکن اس کے پاس کوئی بڑا لشکر نہیں ہے۔ ارس سے رقادہ کی طرف رخ کر دیا۔ ابو عبد اللہ رقادہ سے رخ پھیر کر قسطلہ کی طرف بڑھا اور وہاں پہنچ کر محاصرہ ڈال دیا۔ اہل قسطلہ نے امان حاصل کر کے شہر حوالے کر دیا۔ ابو عبد اللہ نے قسطلہ پر عمل و دخل کر کے باغایہ کی طرف مراجعت کی اور لشکر کے بیشتر حصہ کو باغایہ میں چھوڑ کر وہ انجنان کی جانب مراجعت کی۔ ابراہیم بن اغلب جو دلی افریقہ کا افسر اعلیٰ تھا، میدان خالی پا کر باغایہ پہنچا اور ابو عبد اللہ کی فوج کو محاصرہ میں لے لیا۔ ابو عبد اللہ نے یہ خبر پا کر بارہ ہزار کی جمیعت سے پھر باغایہ کی طرف کوچ کیا۔ ابراہیم اپنی کامیابی سے مایوس ہو کر ارس کی طرف لوٹ گیا۔ 296ھ میں ابو عبد اللہ نے ایک لاکھ فوج کی جمیعت سے ابراہیم پر لشکر کشی کی اور چند دستہ ہائے فوج کو ابراہیم پر عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ارس کے قریب ایک میدان میں نہایت گھسان لڑائی ہوئی۔ گو ابراہیم نے خوب داد شجاعت دی مگر اپنے افسروں کی دواں ہمت اور بددلی سے ہزیمت اٹھائی آخر بھاگنے پر مجبور ہوا۔ ابو عبد اللہ نے نہایت بے رحمی سے ابراہیم کے لشکر کو پامال کیا اور مال و اسباب جو کچھ پایا لوٹ لیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر شہر ارس میں داخل ہوا۔ اہل سنت و جماعت کی جان و مال اور ناموس کو لشکریوں پر مباح کر دیا اور وہاں ایک شبانہ روز قتل عام کا بازار گرم رہا۔

جب ان زہرہ گداز حوادث کی اطلاع زیادۃ اللہ دلی افریقہ کو ہوئی تو وہ حواس باختہ رقادہ سے مصر کو بھاگا۔ اہل رقادہ نے اپنے حکمران کو بھاگتے ہوئے پایا تو انہوں نے بھی سر اسٹہ وار قیروان اور سوسہ کا رخ کیا۔ بد معاش اور آوارہ مزاج عوام نے بنی اغلب کے محل سرائے کو لوٹ لیا۔ ابراہیم بن ابی اغلب نے قیروان پہنچ کر دار الامارۃ میں قیام کیا۔ رؤساء شہر اور امراء مملکت کو جمع کر کے انہیں ابو عبد اللہ کے خلاف ابھارنے کی کوشش کی اور ان سے مال و زر کی مدد مانگی۔ انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ ہم عام تجارت پیشہ لوگ ہیں۔ ہمارے پاس اس قدر مال و زر کہاں ہے کہ آپ کی اعانت کر سکیں؟ اس کے علاوہ ہم جنگ و جدل سے بھی مطلق بے بہرہ ہیں کہ دشمن سے لڑ کر ہی آپ کی مدد کر سکیں۔ ابراہیم یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ یہ لوگ دار الامارۃ سے اٹھ کر واپس آئے۔ جب اوباشوں اور بازیوں کو اس گفتگو کا علم ہوا تو دار الامارۃ پر ٹوٹ پڑے اور ابراہیم کو بات کی بات میں وہاں سے نکال دیا۔ ابراہیم نے بہتر سے ہاتھ چیر مارے۔ مگر بنی اغلب کا ستارہ اقبال غروب ہو رہا تھا اس لئے تمام نقش آرزوین بن کر جھو گئے اور بجائے کامیابی کے ہر جہد و زلّت و رسوائی کا سامنا ہوا۔ جو بنی ابو عبد اللہ نے زیادۃ اللہ کے فرار کی خبر سنی۔ رقادہ کی طرف کوچ کر دیا۔ اہل قیروان ملنے کو بڑھے۔ ابو عبد اللہ نے سب کو امان دی اور عزت و

احترام سے پیش آیا۔ ابو عبد اللہ نے رقادہ کے محل اور امراء، دولت کے مکان اہل ضرورت پر تقسیم کر دیئے۔ لوگوں نے آتش جنگ کے فرو ہونے پر اپنے اپنے شہروں کو مراجعت کی۔ ابو عبد اللہ نے تمام شہروں میں عمال مقرر کئے۔ جدید سکے مسکوک کرائے جن کی ایک طرف بَلَعْتُ حُجَّةَ اللَّهِ اور دوسری طرف تَفَرَّقَ اَعْدَاءُ اللَّهِ لکھوایا۔ آلات و حرب پر عِدَّةٌ فِی سَبِيلِ اللَّهِ کندہ کرایا اور گھوڑوں کی رانوں پر اَلْمَلِكُ لِلَّهِ۔

عبید اللہ حبشیہ ممدی امیر المومنین :-

جب ابو عبد اللہ نے افریقہ پر کہیں تو یزور شمشیر اور کہیں حکمت عملی سے عمل و دخل کر لیا۔ تو اس کا یوا بھائی العباس محمد اس کے پاس رقادہ آگیا۔ ابو عبد اللہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ابو عبد اللہ نے اپنے بھائی ابو العباس اور ابازا کی کو افریقہ میں نائب مقرر کیا۔ اور خود فوج کو حرکت دے کر بلاد مغرب کا رخ کیا۔ ابو عبد اللہ کے خروج کرتے ہی ملک مغرب میں تہلکہ مچ گیا۔ بڑے بڑے قبائل جن کا دنیا لوہا مانتی تھی ان کے دل میں ابو عبد اللہ کا ایسا ہول سلایا کہ اس کے خوف سے ادھر ادھر سرک گئے اور اکثر نے طوعاً یا کرہاً اطاعت کی گردن جھکا دی۔ ابو عبد اللہ رفتہ رفتہ سلجماسہ کے قریب پہنچا جہاں عبید اللہ قید تھا۔ الصمیع بن مدرار والی سلجماسہ کو ابو عبد اللہ کے قریب آ پہنچنے کی خبر لگی تو قید خانہ میں جا کر عبید اللہ سے اس کے حالات دریافت کئے۔ اور یہ بھی پوچھا کہ کیا ابو عبد اللہ تمہاری اعانت کے لئے آرہا ہے؟ عبید اللہ نے قسم کھائی کہ میں ابو عبید اللہ کو نہیں جانتا۔ میں تو ایک تجارت پیشہ آدمی ہوں۔ اس کے لڑکے ابو القاسم نزار سے استفادہ کیا۔ اس نے بھی اپنے حالات مخفی رکھے۔ ان کے ساتھیوں سے کشف حالی کی کوشش کی۔ انہوں نے بھی کانوں پر ہاتھ رکھے۔ والی سلجماسہ نے جھجلا کے سب کو پوچھا۔

اس واقعہ کی خبر ابو عبد اللہ تک پہنچی اسے نہایت شاق گزرا۔ مگر چارہ کار ہی کیا تھا۔ ایک تلطف آمیز خط مشعلہ اظہار ولی عبت و عقیدت سلجماسہ کے نام روانہ کیا۔ الصمیع تاڑ گیا کہ اس میں ضرور کوئی چال پنہاں ہے۔ خط کو چاک کر کے پھینک دیا اور مغلوب الغضب ہو کر قاصد کو قتل کر ڈالا۔ اس سے ابو عبد اللہ کو زیادہ اشتعال پیدا ہوا اور اس نے نہایت تیزی اور شباب سے قطع منازل کرتے ہوئے سلجماسہ پہنچ کر شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ ولی سلجماسہ ایک خفیف سی جھڑپ کے بعد ہی ناامید ہو گیا۔ اور اپنے اہل و عیال اور بنی اعمام کو لے کر رات کے وقت شہر سے بھاگ گیا۔ صبح کو اہل سلجماسہ نے ابو عبد اللہ کے پاس حاضر ہو کر امان چاہی

ابو عبد اللہ ان کے ساتھ قید خانہ میں کچھ دروازہ کھول کر عبید اللہ اور اس کے بچے ابو القاسم کو رہا کر کے انہیں گھوڑوں پر سوار کرایا۔ آگے آگے ابو عبد اللہ تھا۔ اور پیچھے پیچھے قبائل سلجماسہ

کے امراء اور رؤساء تھے۔ ابو عبد اللہ بلند آواز سے پکارتا جاتا تھا ہَذَا امَوَلٰی کُمْ ہَذَا مَوَلٰی کُمْ یعنی عبید اللہ تمہارا مولیٰ و سر دار ہے۔ یہی تمہارا آقا ہے۔ اور فرط مسرت سے روتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ لشکر گاہ میں پہنچا۔ عبید اللہ کو خیمہ میں اتار اور ولی سلجماسہ کے تعاقب میں چند سواروں کو روانہ کیا۔ اگلے دن البسع گرفتار ہو کر آگیا۔ ابو عبد اللہ نے پہلے تو اسے کوڑوں سے پڑوایا۔ اور پھر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابو عبد اللہ اور عبید اللہ مقصد براری کے بعد چالیس روز تک سلجماسہ میں خیمہ زن رہے۔ اکالیسویں روز افریقہ کی طرف مراجعت کی۔ ابو عبد اللہ ماہ 297ھ میں رقادہ پہنچا اور عبید اللہ کی بیعت خلافت کی۔

انجمن میں اموال غنیمت اور مغلوب حکومتوں کے خزانے پیش کئے گئے۔ عبید اللہ نے سب اپنی تحویل میں لے لئے اور ان میں سے کسی کو پھوٹی کوڑی تک نہ دی۔ ابو عبد اللہ عبید اللہ کو لئے ہوئے ماہ ربیع الآخر 297ھ میں رقادہ پہنچا۔ اور عبید اللہ کی بیعت خلافت کی تجدید کر کے اسے ممدی امیر المؤمنین کے لقب سے ملقب کیا۔ اس تاریخ سے بنی اغلب کی حکومت افریقہ اور دولت بنی مدرار کی سلجماسہ سے اور بنی رستم کی تاہرات سے اٹھ گئی اور عبید اللہ ان تمام ممالک کا فرمانروا بن گیا۔ عبید اللہ رقادہ کے ایک محل میں ٹھہرایا گیا اور ابو عبد اللہ نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن تمام بلاد و امصار میں عبید اللہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔

ابو عبد اللہ کا عبرتناک انجام :-

جب تمام لوگ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے اور اس کا نظام حکومت زور و براہ ہو چکا تو اس نے سلطنت کے تمام کلی و جزئی امور کی باگ اپنے دست اختیار میں لے کر ابو عبد اللہ اور اس کے بھائی ابو العباس کو مسلوب و بے اختیار کر دیا۔ یہ دونوں بھائی جو تھوڑے ہی روز پیشتر سلطنت کے سیاہ سپید کے مالک اور خود اختیار فرمانروا تھے۔ اب ایسے بے دست و پا سے کہنے لگا کہ تم نے بلاد و امصار فتح کئے اور ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی۔ لیکن اس کے بعد عثمان فرمانروائی ایسے ناقدر شناس ہاتھوں میں دے دی جس نے تمہیں اور مجھے بالکل عضو معطل بنا دیا ہے حالانکہ عبید اللہ کا فرض تھا کہ تمہارا حق پہچانتا اور تمہارے پیر و دودھو کر پیتا۔ ابو عبد اللہ پہلے تو بھائی کو تاتا اور ایسی افتراق انگیز باتوں سے منع کرتا رہا لیکن انجام کار وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اب وہ دست و سرفراز طے لگا کہ میں نے خود اپنے پاؤں کھڑی ماری آخر ایک دن یہ سوچ کر کہ شاید عبید اللہ ڈھب پر آجائے اس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں کتامہ کا بڑا مزاج شناس ہوں۔ اس لئے اگر آپ قصر شامی میں تشریف فرما رہیں اور کتامہ کے سیاہ و سپید کا اختیار بدستور میرے ہاتھ میں رہنے دیں تو اس میں آپ کا وقار بہت زیادہ ہوگا۔ مگر عبید اللہ

کوئی بچی گولیاں نہیں کھینچا تھا کہ اس کے بھرے میں آجاتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اسے دونوں بھائیوں کی مخالفانہ گفتگو کا علم ہو چکا تھا۔ اس نے ابو عبد اللہ کی ایک نہ سنی اور اسے بلطائف الخیل ٹال دیا لیکن یہ ابو عبد اللہ کی مال نا اندیشی تھی کہ اتنی بڑی سلطنت عبید اللہ کے حوالے کر دی۔ اور جب اس حماقت کا ارتکاب کر بیٹھا تھا تو اسے چاہئے تھا کہ یا تو تفویض حکومت کے بعد چپ چاپ اپنے وطن صنعاء کو واپس چلا آتا۔ یا اگر وہیں رہنا منظور تھا تو اپنے دل و دماغ کو جاہ و اقتدار کے جذبات سے یکسر خالی کر کے تادم واپس کنج عزلت میں بیٹھ رہتا۔ اب اس کے لئے صاحب اختیار رہ کر رقادہ میں عافیت کے ساتھ بود و باش رکھنے کا کوئی امکان نہ تھا کیونکہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سہا سکتیں۔

عبید اللہ سے مطالبہ کہ اپنی ممدویت کا کوئی ثبوت دو :-

اب ابو العباس نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ وہ ممدی نہیں جسے ہم واجب الاطاعت سمجھتے اور ان کے ہاتھ پر معجزات باہرہ اور کیات پناہ کا جھڑت ظہور ہوگا۔ اکثر لوگ ان باتوں سے متاثر ہو گئے۔ کتامہ کا ایک شخص جو شیخ الشیخ کے لقب سے مشہور تھا عبید اللہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ اگر آپ واقعی ممدی آخر الزمان ہیں تو کوئی معجزہ دکھائیے۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں تمہاری نسبت اشباح پیدا ہو گیا ہے۔ عبید اللہ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ واقعہ کسی بھی ایک منظر کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس لئے ابو عبد اللہ کو اپنی ہستی بھی خطرے میں نظر آئی۔ اب ابو عبد اللہ نے اس صورت حالات کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے ابو زکی کے مکان پر ایک اجتماع عظیم کی دعوت دی۔ چند افراد کو چھوڑ کر کتامہ کے تمام قبائل اس میں شریک ہوئے۔ ابو العباس نے بہت سی دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ عبید اللہ وہ سب کچھ جو انجان میں اسے رو برد و پیش کئے گئے تھے بے ڈکار ہضم کر گیا ہے۔ اس نے سپاہ اور فوجی عمدہ داروں کو اس میں سے ایک جبہ نہ دیا۔ غرض فیصلہ ہوا کہ عبید اللہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ عبید اللہ کے جاسوس بھی اس اجتماع میں شریک تھے۔ انہوں نے عبید اللہ کو تمام واقعات کی اطلاع دی۔ اب عمائد سلطنت نے عبید اللہ کے دربار میں میں آئندہ کر دیا۔ عبید اللہ نے سب سے پہلے ابو زکی کا قلع قمع ضروری خیال کیا چنانچہ اس کو طرابلس کا گورنر بھیج دیا اور عامل طرابلس کے نام حکم بھیجا کہ جو نئی ابو زکی تمہارے پاس پہنچے اسے خوابگاہ عدم میں سلا دو۔ عامل نے اس کو قتل کیا اور اس کا سر عبید اللہ کے پاس بھیج دیا۔ اس اثنا میں عبید اللہ نے ابو عبد اللہ اور ابو العباس کو بھی ہلاک کر کے شہر خموشاں بھجوا دیا۔ کتامہ میں عبید اللہ کے خلاف متعدد فتنے اٹھے لیکن اس نے نہایت پامردی سے ان کا مقابلہ کر کے سب کو شکست دی۔ معرکوں میں بہت سے اہل کتامہ اور اہل

(237)

قبر دان مارے گئے۔ اب کتامہ نے ایک خور و سال لڑکے کو اپنا حکمران بنایا اور کہنا شروع کیا کہ یہی ممدی آخر الزمان ہے۔ پھر یہ کہنے لگے کہ یہ لڑکانہی ہے اور اس کی طرف وحی ہوتی ہے اور ابو عبد اللہ کے متعلق یہ اعتقاد کر لیا کہ وہ مرا نہیں۔ اب عبید اللہ کے مقابلہ کیلئے انہوں نے زبردست حرفی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب ان کو واقعات کا علم ہوا تو اپنے لڑکے ابو القاسم زرار کو اس نئے ممدی کے پیروؤں کی سرکوفی کیلئے روانہ کیا۔ ابو عبد اللہ نے جاکر ان پر یورش کی اور ان کو ہزیمت دیکر سمندر کی طرف بھگادیا اور وہ لڑکا بھی مارا گیا جسے ممدی بنایا گیا تھا۔

اسماعیلی مذہب کی جبری اشاعت اور علمائے اہل سنت کی جان ستانی :-

عبید اللہ نے اخذ بیعت کے بعد ہی اپنے منادوں اور مبلغوں کا جال افریقہ میں پھیلا دیا۔ یہ لوگ ہر طرف مذہب اسماعیلی کی تعلیم دے کر جسے برائے نام چند نفوس کے سوا کسی نے قبول نہ کیا۔ یہاں تک کہ بے شمار حاکمان شریعت و علمبرداران رشد و ہدایت عبیدی تیغ جفا کی نذر ہو گئے۔ ان کے مال و اسباب اور اہل و عیال کتامہ پر تقسیم کر دیئے گئے اور جن لوگوں نے اسماعیلی مذہب قبول کی انہیں بڑی بڑی جاگیریں دیں اور زر مال سے نہال کر دیا۔ ان واقعات کے بعد عبید اللہ نے شہر ممدویہ کو بنایا جو تونس کے قریب ہے۔

مصر پر فوج کشی :-

302ھ میں عبید اللہ نے ایک لشکر جرار اپنے نامور سپہ سالار خفاشہ کتانی کی قیادت میں روانہ کیا۔ چنانچہ خفاشہ نے اسکندریہ پر قبضہ حاصل کر کے مصر کی طرف قدم بڑھایا۔ یہ خبر دربار خلافت میں پہنچی۔ خلیفہ مقتدر نے مصر کی حفاظت کیلئے اپنے خادم مونس کو ایک فوج گراں کے ساتھ بغداد سے روانہ کیا۔ مونس کے قریب پہنچ کر خفاشہ سے معرکہ آراء ہوا۔ متعدد جنگوں اور خون ریزیوں کے بعد عبیدی لشکر کو شکست فاش ہوئی اور خفاشہ بقیۃ السیف کو لیکر مغرب کی طرف بھاگ گیا۔ خلیفہ کے لشکر نے اسکندریہ پر از سر نو قبضہ کر لیا۔ اس میں سات ہزار عبیدی مقتول و مجروح ہوئے۔

عبید اللہ نے اس کے بعد 307ھ میں پھر مصر فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اپنے بیٹے ابو القاسم کو ایک لشکر کے ساتھ مصر کی جانب روانہ کیا۔ ابو القاسم ربیع الثانی 307ھ میں اسکندریہ پہنچا اور اس پر تسلط کر کے مصر کی طرح حیرہ میں داخل ہو کر سیحہ پا بھی قابض ہو گیا اور اہل مکہ معظمہ کو اسماعیلی مذہب قبول کرنے کو لکھا۔ اہل مکہ نے اس کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ جب بغداد میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو خلیفہ مقتدر نے مونس خادم کو ابو القاسم کی طرف

روانہ کیا۔ فریقین میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ مونس کو فتح نصیب ہوئی۔ اس لڑائی کے بعد مونس کو دربار خلافت سے مظفر کا لقب دیا گیا۔ انشاء جنگ میں اسی جنگی جہاز ابو القاسم کی کمک کو پہنچ کر اسکندریہ کے قریب لشکر انداز ہوئے۔ خلیفہ مقتدر نے طرابلس سے پچیس جہازوں کا ایک بیڑا ابو الحسن کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ اسکندریہ کے قریب دونوں بیڑوں کا مقابلہ ہوا۔ خلیفہ المسلمین کے بیڑے کو بلوجود قلت تعداد سپاہ فتح نصیب ہوئی۔ ہو عبیدہ کے اکثر جہاز دور ان جنگ میں جلا دیئے گئے۔ یعقوب کتابی اور سلیمان خادم جو عبیدی لشکر کے افسر تھے، گرفتار کر لئے گئے۔ سلیمان تو مصر کے قید خانہ میں ڈالا گیا اور یعقوب پاچو لان بغداد بھیجا گیا۔ اس شکست سے عبیدیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور کمک کا آنا منقطع ہو گیا اور جو لشکر یہاں موجود تھا اس میں وبا پھوٹ پڑی۔ سینکڑوں انسان اور گھوڑے طعمہ اجل بن گئے۔ باقیماندہ عبیدی لشکر نے افریقہ کو مراجعت کی۔ لشکر شاہی نے تعاقب کر کے ات اپنے حدود سے نکال دیا لیکن اس واقعہ کے قریباً پچاس سال بعد یعنی 356ھ میں عبیدی سپہ سالار جوہر نے پھر مصر پر حملہ کیا اور وہاں کے کم سن خشیدی فرمانروا احمد بن علی کو مغلوب کر کے مصر پر قبضہ کر لیا اور شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شام بھی عبیدی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ عبید اللہ 322ھ میں مرا۔ اس کے بعد اس کی اولاد میں سے تیرہ فرمانروا 567ھ تک مدبر حکومت رہے۔

علی بن فضل یمنی

293ھ میں علی بن فضل نام ایک شخص جو لہداء میں اسامیٰ فرقہ کا پیرو تھا۔ مضافات سے صنعاء میں اس دعویٰ کے ساتھ آیا کہ وہ نبی اللہ ہے۔ ان ایام میں یمن کا حاکم خلیفہ معتضی عباسی کی طرف سے اسعد بن ابو جعفر تھا۔ علی بن فضل بہت دن تک اہل صنعاء کو اپنی خانہ ساز نبوت کی دعوت دیتا رہا لیکن کوئی شخص تصدیق پر آمادہ نہ ہوا۔ جب تمام کوششیں رائیگاں ثابت ہوئیں تو اس نے کسی عقلی تدبیر سے لوگوں کو رام کرنا چاہا چنانچہ ایک دوا جس کو بصرہ میں داشن اور مصر میں لسماء الدربیل کہتے ہیں حاصل کر کے اس کا گودا لیا۔ اسی طرح چھ اور اجزاء چھپکلی کی چرٹی اور شحم جردون (جس کے خالص ہونے کی یہ پہچان ہے کہ اسے آگ پر ڈالا جائے تو آگ فوراً بجھ جاتی ہے اور کانچ کا چونہ، شکر، پارہ اور زنگار فراہم کئے اور ان سب سے نصف وزن یعنی (ساڑھے تین جز) گائے کا گوبر، اور ان اجزاء کا ربع (پونے دو جز) گھوڑے کی پیشانی کے بال لیکر کو فتنی دواؤں کو باریک کیا اور چرمیوں کو ملا کر سر کے میں مجنون تیار کی پھر گولیاں بنا کر ان کو سایہ میں خشک کیا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ رات کے وقت ایک بلند مکان پر چڑھ کر یہ گولیاں دیکتے ہوئے کونوں پر ڈال دیں۔ ان سے سرخ رنگ کا دھواں اٹھے گا۔ یہاں تک تمام فضا بھری ہوگی محیط ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ کرۂ ہوا کرۂ تاریں گیا ہے پھر اس نے کوئی ایسا افسوس کیا کہ دھوئیں میں بے شمار تاریں مخلوق دکھائی دینے لگی۔ یہ تاریں آدمی آگ کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان سواروں کے ہاتھ میں نیزے تھے اور آہیں میں لڑتے اور ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے۔ یہ وحشت ناک منظر دیکھ کر لوگ گھبرا اٹھے اور ان پر یہ واہمہ سوار ہوا کہ انہوں نے ایک ”نبی اللہ“ کی دعوت حق کو ٹھکرادیا تھا اس لئے خدائے شدید العقاب کی طرف سے نزول عذاب کا منظر دکھایا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر ہزار ہا حماقت شعار قہمی داستان قسمت نے اپنی متاع ایمان اس کے سپرد کر دی۔ ان سرعترجان کوئے ضلالت میں بھجے والوں میں لکھے پڑھے لوگ بھی تھے جنہیں علی جلا کما زیا ہے۔ علمائے امت نے بہتیرا سمجھایا کہ اس شعبہ گر کے فہروں میں اگر دولت ایمان سے محروم نہ ہوں مگر کون سنتا تھا۔ ان پر اس عیار کا پوری طرح جادو چل چکا تھا۔ جز قلیل التعداد لوگوں کے کوئی شخص راہ راست پر نہ آیا لیکن عوام کا لانا عام اور علمی جملاء کی یہ خوش اعتقادی کس قدر ماتم انگیز ہے کہ جو نبی کسی میلہ، زمان، سامری وقت نے بغرض زخارف دنیا کی تحصیل، ملت طبعی کی خانہ بر اندازی اور وحدت قوی کا شیرازہ بھیرنے کیلئے اپنے الحاد و زندقہ

کے قبل نو اپر چوب لگائی، زیوں طالع عقیدت کیش اپنے تمام قوائے عقلیہ کھو کر پروانہ دار اس کی طرف دوڑتے اور دام تزدیر میں پھنسنے سے پہلے اتنی ”زحمت“ گوارا نہیں کرتے کہ وارثان علوم نبوت کے استصواب رائے سے کسی مدعی کے دعوؤں کو شریعت مطہرہ کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کریں بلکہ یہ بدگان مسکور اپنی نادانی سے خود ہی یک طرفہ رائے قائم کر کے خسران ابدی کے غاشیہ بردار بن جاتے ہیں اور حرمان نصیبی کا کمال دیکھو کہ اگر کوئی انہیں تصویر کا دوسرا رخ دکھانا چاہے تو اس پر آمادہ نہیں ہوتے۔ میں نے ایک مرتبہ بوی کوشش کی کہ ایک مرزائی ملاقاتی کو مقدمہ بہاولپور کا فیصلہ پڑھنے پر آمادہ کر لوں لیکن اس نے ایک نہ سنی اور یہ کہتا ہوا میرے پاس سے بھاگ گیا کہ ”میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا“ اس فیصلہ میں جج بہاولپور نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر و ارتداد کے بہت سے وجوہ بیان کئے ہیں اور بدلائل ثابت کیا ہے کہ مرزا غلام احمد کو اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔

علی بن فضل کی مجلس میں ایک شخص پکار کر کہا کرتا تھا اَشْهَدُ اَنْ عَلِيَّ بْنَ الْفَضْلِ رَسُولُ اللَّهِ لَيْكِنْ مَعْلُومٌ ہوتا ہے کہ اسے رسالت کے ساتھ اسے کسی حد تک خدائی کا دعویٰ بھی تھا چنانچہ جب کسی اندھے حیدر کے نام کوئی تحریر بھیجتا تو عنوان یوں ہوتا۔ من باسط الارض دواجہا ومنزلزل الجبال و مرسلہا علی بن الفضل الی عبدہ فلاں بن فلاں (یہ تحریر زمین کے ٹھہرانے اور ہانکنے والے اور پہاڑوں کے ہلانے اور ٹھہرانے والے علی بن فضل کی جانب سے اس کے بعد فلاں بن فلاں کے نام ہے) اس نے بھی اپنے مذہب میں تمام محرمات کو حلال کر دیا تھا یہاں تک کہ آب حرام (شراب) اور بیٹیوں سے عقد نکاح جائز و روا تھا۔ انجام کار بعض شرفاء سے بغداد غیرت ملی اور ناموس اسلامی سے مجبور ہو کر اس کی ہلاکت کے درپے ہوئے اور ایک دعوت میں اس کو جام زہر پلوا کر قعر عدم میں پینچا دیا۔ علی بن فضل کا فتنہ انیس سال تک ممتد رہا لیکن تعجب ہے کہ صنعاء کے حکام نے انیس سال تک اس سے کیوں تعرض نہ کیا؟ اور لوگوں کے متاع ایمان پر ڈاکے ڈالنے کیلئے اسے اتنا طویل عرصہ کیوں دے دیا۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تو نصاریٰ کی عملداری میں تھے اس لئے ان کیلئے دار دنیا میں اپنے دعوؤں اور زندہ شعاری کا کوئی عاجل خلیازہ بھٹکنے کا کوئی موقع نہ تھا لیکن جائے تعجب ہے کہ کوئی شخص اسلامی قلمرو میں رہ کر دس پندرہ روز سے ایک مدت تک ملت حلیٰ میں رخنہ اندازیاں کرتا رہے اور خدا کی عاجز مخلوق پر رحم کر کے اس کو اس کے شر سے نہ چلایا جائے؟ جو نمی اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا حکام کا فرض تھا کہ اس کی رگ جان کاٹ کر اسے موت کی نیند سلا دیتے۔

ابوطاہر قرمطی

جب ابو سعید جنتی 301ھ میں اپنے خادم کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس کا چھوٹا بیٹا ابو طاہر سلیمان قرمطی اپنے بڑے بھائی سعید کو مغلوب و مقہور کر کے باپ کا جانشین ہو گیا اور مقامات ہجر، احساء، قطیف، طائف، بحرین کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ ابو طاہر خدا کا اوتار ہونے کا مدعی تھا اور کہتا تھا کہ رب العالمین عزاسمہ کی روح میرے جسم میں حلول کر گئی ہے۔ یہ شخص اسلام اور اہل اسلام کے حق میں تاتاریوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ ابو طاہر نے عمان حکومت ہاتھ میں لینے کے دس سال بعد تسخیر بصرہ کا قصد کیا۔ اہل دنوں خلیفہ المسلمین کی طرف سے سبک مغلی بصرہ کا امیر تھا۔ ابو طاہر نے ایک ہزار سات سو آدمیوں کے ساتھ رات کی تاریکی میں بصرہ پر دھاوا کیا۔ شیر حیاں لگا کر شہر پناہ کی دیواروں پر چڑھ گیا اور محافظوں کو تھک کر کے شہر میں گھس پڑا۔ قرمطیوں نے ابو طاہر کے حکم سے شہر کے دروازے کھول کر قتل عام شروع کر دیا۔ بے چارہ سبک نہایت افراتفری اور بے سروسامانی کے عالم میں مقابلہ پر آیا لیکن عمدہ برآمد نہ ہو سکا اور دام مرگ دے کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب قرمطیوں نے رعایا پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ اہل شہر جان کے خوف سے بھاگے۔ سینکڑوں نے بوقت فرار ہمیشہ کیلئے قعر دریا میں بسیرا کر لیا اور ہزار ہا کلمہ گو قرمطی تیغ جفا کی نذر ہو کر دار آخرت میں چلے گئے۔ ابو طاہر بصرہ میں سترہ دن تک ٹھہرا۔ اس کے بعد جس قدر مال و اسباب اور عورتیں اور بچے قید کر کے لے جا سکا، ساتھ لے کر اپنے مستقر دولت ہجر کی طرف عود کیا۔ خلیفہ مقتدر نے سبک شہید کی جگہ محمد بن عبد اللہ فاروقی کو بصرہ کی امارت تفویض فرمائی۔

بے گناہ حاجیوں پر دست تظاول ہزار ہا حجاج کا مظلومانہ قتل :-

ابو طاہر اپنے قرمطی اور باطنی پیشروؤں سے کہیں بڑھ کر اسلام کے درپے استیصال تھا چونکہ خلافت بغداد ضعف و انحطاط کے ضغط میں مبتلا تھی اس لئے اس رباطن کو جسد اسلام پر چر کے لگانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ بصرہ کی غارت گری کے بعد اس نے مسلمانوں کی مقدس ترین جماعت یعنی حجاج کو قتل و غارت کر کے اسلام کے جگر میں ہاتھ ڈالا چنانچہ 312ھ میں حاجیوں کو ان کی واپسی کے وقت لوٹنے اور قتل کرنے کی غرض سے ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ ہجر کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں پہنچ کر حاجیوں کے ایک قافلہ سے جو سب سے آگے تھا، مقابل ہوا۔

اہل قافلہ کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ حالت غفلت میں جا رہے تھے کہ دفعۃً ابو طاہر نے حملہ کر دیا۔ اہل قافلہ مدافعت نہ کر سکے۔ انہیں بری طرح لوٹا۔ جب پچھلے حاجیوں کو اس واقعہ ہانکے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قتل و غارت کے خوف سے فید میں قیام کر دیا لیکن زادراہ ختم ہو گیا۔ ابو الحیاء بن حمدانی دلی طریق کو ذہ بھی اسی قافلہ میں تھا۔ اس نے اہل قافلہ کو وادی القریٰ کی طرف مراجعت کرنے کی رائے دی مگر اہل قافلہ نے بہت دور نکل آنے کی وجہ سے اس تجویز کو پسند نہ کیا۔ آخر کو ذہ کی راہ سے روانہ ہوئے۔ ابو طاہر نے یہ خبر پا کر ان پر حملہ کر دیا۔ ابو الحیاء اور خلیفہ مقتدر کے ماموں احمد بن بدر کو گرفتار کر لیا۔ حاجیوں کا تمام مال و اسباب لوٹ کر ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا اور بھر کی جانب مراجعت کی۔ حجاج کو اسی کف دست میدان میں عالم بے کسی میں چھوڑ دیا جن میں سے اکثر نے شدت نفسی و گرسنگی اور تمازت آفتاب کی تاب نہ لا کر امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی اور باقی ماندہ حاجیوں کا اکثر حصہ بھڑا خرابی و شکاری حجاز سے بغداد واپس آیا۔ بعد چندے ابو طاہر ابوہامد پٹنچا اور احمد کو مع ان قیدیوں کے جو اس کے پاس تھے رہا کر دیا اور خلیفہ مقتدر کو لکھا کہ بصرہ اور اہواز مجھے دے دیئے جائیں۔ خلافت تائب نے منظور نہ فرماید۔ اس بناء پر ابو طاہر نے بصرہ سے پھر بھڑا تعرض حجاج کو چاہا۔ جعفر بن ورقاء شیبانی دلی کو ذہ و طریق مکہ اس کو پیش نظر رکھ کر ایک ہزار فوج سے جو اسی کی قوم سے مرتب کی گئی تھی۔ قافلہ حجاج سے پیشتر روانہ ہو گیا تھا اور اسی طرح تمام دلی بصرہ، جنا صفوانی اور طریف لشکری بھی چھ ہزار کی جمعیت سے حفاظت کیلئے قافلہ حجاج کے ساتھ تھے۔ ابو طاہر نے جعفر بن ورقاء کی ٹڈی بھڑا ہو گئی۔ بد نصیبی سے جعفر کو ہزیمت ہوئی۔ شامی فوج بھی بھاگ کھڑی ہوئی اور ابو طاہر کو ذہ تک حجاج اور شامی فوج کا تعاقب کرتا چلا آیا۔ دروازہ کو ذہ پر نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ ہزار ہا حاجی شہید ہوئے۔ شامی لشکر کے چھکے چھوٹ گئے۔ اکثر لڑائی میں کام آئے۔ باقی ماندہ فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور جنا صفوانی گرفتار ہو گیا۔ ابو طاہر کو ذہ پر تصرف کر کے چھ روز تک شہر کے باہر پڑا رہا۔ تمام دن جامع مسجد میں رہتا اور رات کو اپنے لشکر گاہ میں جا کر قیام کرتا۔ غرض مال و منال فراواں لیکر بصرہ کی جانب لوٹ گیا۔ ہزیمت یافتہ گروہ بغداد پہنچا تو لوگوں میں سنسنی پھیل گئی چنانچہ اگلے سال کسی نے ابو طاہر کے خوف سے حج کا قصد نہ کیا۔

عسا کر خلافت کے مقابلہ میں ابو طاہر کی مزید کامیابیاں :-

314ھ میں خلیفہ مقتدر نے یوسف بن ابی الساج کو آذربائیجان سے دار الخلافہ بغداد میں طلب فرما کر بلاد شرقیہ کی حکومت تفویض کی اور ابو طاہر سے جنگ کرنے کی غرض سے واسطہ کی جانب روانہ کیا۔ جب یوسف واسطہ کے قریب پہنچا تو جاسوسوں نے خبر دی کہ ابو طاہر اپنا لشکر

مرتب کر کے کوفہ چلا گیا ہے۔ چنانچہ یوسف واسطہ سے کوفہ جانے کیلئے روانہ ہوا۔ سوء اتفاق سے ابو طاہر یوسف سے ایک روز پیشتر کوفہ کے شاہی عمال نجوف جان کوفہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ابو طاہر نے پہنچتے ہی شہر کوفہ کے ساتھ ان علوفات اور ذخائر پر بھی قبضہ کر لیا جو حکام نے یوسف کیلئے پیشتر سے فراہم کر رکھے تھے۔ دوسرے دن یوسف پہنچا تو شہر کی حالت نہایت بترپائی تو ابو طاہر سے نامہ و پیام شروع کیا۔ یوسف نے ابو طاہر کو عباسی علم کی اطاعت کا پیام دیا۔ ابو طاہر نے جواب میں کہلا بھجا کہ ”ہم پر حق کے سوا کسی کی اطاعت فرض نہیں ہے“ یوسف نے اعلان جنگ کر دیا۔ اگلے دن صبح سے رات تک فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ آخر یوسف کی فوج شکست کھا کر بھاگی اور یوسف مع اپنے چند فوجی افراد کے گرفتار ہو گیا۔ یوسف لڑتے لڑتے زخمی ہو گیا تھا۔ قریبطی اسے اپنے لشکر گاہ میں اٹھالائے۔ ابو طاہر نے یوسف کے معالجہ پر ایک طبیب کو مقرر کیا۔

شاہی فوج نے کوفہ سے بھاگ کر بغداد میں جادام لیا۔ اب ایک سہ سالار مونس مظفر نام علم خلافت کی حمایت لیکر ابو طاہر کی سرکوبی کیلئے کوفہ کو روانہ ہوا۔ اتنے میں یہ خبر آئی کہ قرامطہ کوفہ سے عین البحر کی جانب روانہ ہو گئے ہیں۔ اس اثناء میں مونس کی خواہش کے بموجب بغداد سے پانسو جنگی کشتیاں روانہ کی گئیں۔ جن میں مامور اور کار آزمودہ سپاہی تھے تاکہ قرامطہ کی فوج کے فرات عبور کرنے سے مانع ہوں اور انبار کی حفاظت کیلئے ایک فوج خشکی کی طرف سے بھی روانہ کی گئی۔ قرامطہ نے کوفہ سے روانہ ہو کر انبار کا رخ کیا۔ اہل انبار نے یہ خبر پا کر بل توڑ دیا اور کشتیاں بٹا دیں۔ ابو طاہر نے فرات کے غری سائل پر افواج سمیت قیام کیا۔ حدیث سے کشتیاں منگوائیں اور تین سو قرامطیوں کو انہی کشتیوں کے ذریعہ سے خشکی پر اتار دیا۔ شاہی فوج مزاحم آئی مگر پہلے ہی حملہ میں شکست کھا کر بھاگی۔ قرامطہ نے انبار پر قبضہ کر لیا۔ اس اندوہناک حادثہ کی خبر بغداد پہنچی۔ خلیفہ مقتدر نے حاجب کو ایک فوج گراں کے ساتھ قرامطہ کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ نصر منزلیں طے کرتا ہوا مونس مظفر سے آ ملا۔ دونوں نے چالیس ہزار فوج سے قرامطہ پر دھاوا کر کے یوسف کی مخلصی کیلئے سخت جدوجہد کی۔ قرامطہ بھی خم ٹھوٹ کر مقابلہ میں آئے۔ گھمسان لڑائی ہوئی۔ بالآخر شاہی لشکر شکست کھا کر بھاگا۔ جب قریبطی اسی داروگیر میں مصروف تھے تو یوسف محافظوں کی نظر چاکر نکل بھاگنے کی فکر میں لگا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اشارہ کیا یہ سے بھاگ جانے کو کہا مگر سوء اتفاق سے ابو طاہر اس کو بھانپ گیا۔ اس لئے یوسف کو بلا کر قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اس نے تمام دوسرے قیدیوں کو بھی قید حیات سے سبکدوش کر دیا۔

ابوطاہر کی دوسری چیرہ دستیایں اور ظلم آریاں :-

316ھ میں ابوطاہر انبار سے کوچ کر کے رجب پہنچا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ یہاں بھی شبانہ روز قتل عام کیا۔ آخر اہل شہر نے امان کی درخواست کی جسے ابوطاہر نے منظور کر لیا۔ ابوطاہر نے ایک دستہ فوج عربوں پر شیخون مارنے کو جزیرہ کی طرف روانہ کیا۔ اہل جزیرہ جان کی خوف سے بھاگ گئے اور جو بھاگ نہ سکے وہ قرامطہ کی لوٹ مار کی نذر ہوئے۔ اس قتل و غلبہ کے بعد انہوں نے سالانہ خراج وینا منظور کیا جو ہر سال بھر روانہ کیا جاتا تھا۔ تھوڑے دن کے بعد اہل رقد نے انحراف کیا۔ ابوطاہر نے یہ خبر پا کر لشکر کشی کر دی۔ مسلسل تین روز تک لڑائی ہوتی رہی آخر اہل شہر نے امان کی درخواست کی۔ ابوطاہر نے منظور کر لی۔ مونس مظفر نے خلیفہ کے حکم سے ازسرنو لشکر مرتب کر کے بغداد سے رقد کی طرف کوچ کیا۔ ابوطاہر رقد چھوڑ کر رجب چلا آیا اور جب مونس رقد پہنچا تو قرامطی رجب سے ہیبت کو چلے آئے چونکہ اہل بیت نے قلعہ بندی کر لی تھی اور حفاظت کا انتظام مکمل ہو چکا تھا اس لئے قرامطہ کا دست تعدی اہل ہیبت تک نہ پہنچ سکا اپنا سامانہ لیکر کوفہ کی طرف لوٹ آئے۔ جب ان واقعات کی دربار خلافت میں خبر پہنچی تو خلیفہ نے نصر حاجب، ہارون بن غریب اور ابن قیس کو بڑی فوج کے ساتھ قرامطہ کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا۔ اس اثنا میں قرامطی لشکر قصر بن ہبیرہ پہنچ گیا۔ نصر سپہ سالار لشکر علیل ہو گیا۔ اس لئے احمد بن کیفعل کو اپنا نائب مقرر کر کے واپس ہوا اور اثنا ذراہ میں رہجرا سے عالم آخرت ہو گیا۔ خلیفہ نے فوج کی قیادت، ہارون بن غریب کے سپرد کی لیکن اس اثنا میں ابوطاہر اپنے شہر کو واپس چلا گیا اور ہارون بن غریب نے 316ھ کو بغداد کی جانب معاودت کی۔ کچھ دن کے بعد قرامطہ، واسطہ، عین التمر اور سواد کوفہ میں جمع ہوئے اور ہر جماعت نے اپنے میں سے ایک ایک شخص کو سردار مقرر کیا۔ واسطہ کی جماعت پر حرث بن مسعود متعین ہوا۔ عین التمر کے گردہ پر عیسیٰ بن موسیٰ مامور ہوا۔ عیسیٰ نے کوفہ کی جانب کوچ کیا اور سواد پہنچ کر عمال خلافت کو نکال دیا اور خراج و مال گذاری خود وصول کرنے لگا اور حریت موفق کے علاقہ کی طرف بڑھا اور اس پر قابض و متصرف ہو کر وہاں ایک مکان بنوایا جس کا نام دارالجرہ رکھا۔ اب قرامطی آئے دن لوٹ مار سے کام لیتے اور بلاد اسلامیہ کو تہ و بالا کرتے جاتے تھے۔

قرامطہ کی پہلی ہزیمت :-

خلیفہ المسلمین کی طرف سے واسطہ کی سپہ سالاری کا منصب ابن قیس کو مفوض تھا وہ لشکر آراستہ کر کے قرامطہ سے مفرکہ آرا ہوا مگر ان کی ترقی پذیر قوت سے عمدہ برآئہ ہو سکا۔ شکست

کھا کر بھاگا۔ خلیفہ مقتدر نے ہارون بن غریب کو ایک لشکر جہاز کے ساتھ ابن قیس کی کمک پر بھیجا اور ان قرامطہ کی سرکوبی کو جنوں نے کوفہ کی طرف رخ کیا تھا۔ صافی بھری کو روکنے فرمایا چنانچہ ان سپہ سالاروں نے قرامطہ کو ہر طرف سے گھیر کر آتش حرب مشتعل کی۔ قرامطی شکست کھا کر بھاگے۔ لشکر شامی نے تھوڑی دور تک ان کا تعاقب کیا۔ یہ پہلی شکست تھی جو ابو طاہر کے پیروں کو تخت بغداد کے مقابلہ میں ہوئی۔ عساکر خلافت نے ان کے پھریرے چھین لئے۔ یہ پھریرے سفید رنگ کے تھے اور ان پر یہ آیت لکھی تھی :-

ترجمہ :- اور ہمیں یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کو سرزمین (مصر) میں ضعیف کیا جا رہا تھا ہم ان پر یہ احسان کریں کہ انہیں (دین کا) پیشوا اور (ملک کا) مالک بنادیں۔

جس وقت یہ لشکر ظفر بیک مظفر و منصور ان پھریروں کو سرنگوں کئے ہوئے بغداد میں داخل ہوا تو وہاں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ خواص و عوام جوش مسرت سے نعرے بلند کر رہے تھے۔ اس شکست کے بعد قرامطہ کا وہ پہلا ساز و ریل نہ رہا اور بھرہ و کوفہ سے ان کا عمل و دخل اٹھ گیا۔

مکہ معظمہ میں قتل عام :-

ابو طاہر نے شہر ہجر کو دار الحکومت بنانے کے بعد وہاں ایک نہایت عالیشان مسجد تعمیر کرائی تھی۔ مسجد کو اس نے دارالجزت کے نام سے موسوم کیا۔ اب اس پر یہ خط سوار ہوا کہ لوگ کعبہ کا حج اور طواف چھوڑ کر اس کے دارالجزت کا حج کیا کریں لیکن اس مقصد کے حصول کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس لئے اس کے طاغوت آشیاں دماغ نے اسے ترکیب سوچائی کہ حجرہ اسود کو مکہ معظمہ سے منتقل کر کے دارالجزت میں نصب کر دیا جائے چنانچہ اس غرض کی تکمیل کیلئے اس نے 319ھ میں مکہ معظمہ کی طرف کوچ کیا۔ اس سال منصور دہلیسی بغداد سے لوگوں کو حج کرانے کیلئے آیا تھا۔ حجاج کو لیکر صحیح و سلامت مکہ معظمہ پہنچ گیا لیکن یوم تردیہ کو ابو طاہر بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ آ پہنچا اور گھوڑے پر سوار ہو کر تیغ بہنہ مسجد میں داخل ہوا یہاں آکر شراب منگوا کر پی اور اپنے گھوڑے کے سامنے سیٹی بجائی تو اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ اس وقت بعض حجاج بیت اللہ کے طواف میں اور بعض نماز میں مصروف تھے اور جامہ احرام کے سوا ان کے تن پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ قرامطیوں نے ابو طاہر کے حکم سے زائرین کعبہ پر ہاتھ چاف کرنا شروع کیا۔ جس کسی کا مال و اسباب پایا لوٹ لیا، جس کو دیکھا موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شہر کے علاوہ مسجد حرام اور خانہ کعبہ میں بھی قتل عام ہوتا رہا۔ ہزار ہا جرم نامآشنا زائران حرم قرامطی تیغ جھاکا نشانہ بن گئے۔ شہر میں ہر طرف دجلہ

خون زوال تھا۔ خاص بیت اطہر میں ایک ہزار سات سو طائفہ محرم جام شہادت سے سیراب ہوئے۔ علی بن بابویہ بھی اس دارو گیر میں موجود تھا۔ اس نے ہمہ گیر قتل و غارت کے باوجود طواف بیت اللہ قطع نہ کیا۔

علی بن بابویہ پر چاروں طرف سے تلواریں پڑنے لگیں اور اس کا طائر روح آنا فانا نفس عصری سے پرواز کر گیا۔ چاہ زمزم اور مکہ معظمہ کے متعدد دوسرے کنوئیں اور ندی نالے اور گڑھے شہداء کی لاشوں سے پٹ گئے۔ شہداء کی کوئی تجبیز و تکفین عمل میں نہ آئی۔ اس کے بعد ابو طاہر نے کعبہ معلیٰ کے دروازہ کو اکھڑا دیا اور نہایت متکبرانہ لہجہ میں جس سے اس کا دعویٰ خدا کی بھی ثابت ہوتا تھا۔

اور حجاج کو پکار کر کہنے لگا ”اے گدھو! تم کہتے ہو مَنْ دَخَلَهُ كَانَ اَمِنًا (جو کوئی بیت اللہ میں داخل ہو جائے وہ مامن ہو گیا)۔ اب وہ امن کیا ہوا؟ ہم نے جو چاہا کیا۔ جس کو چاہا زندہ رکھا جس کو چاہا ہست سے نیست کر دیا۔ ایک شخص نے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہنے لگا اس آیت شریفہ کا یہ مفسوم نہیں جو تم سمجھتے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ”جو شخص اس میں داخل ہو جائے اسے امن مل جائے“ ابو طاہر نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور وہ اس کے فتنے سے مامون رہا۔ ابو حطب امیر مکہ نے دیکھا کہ قرمطی جو رطلت کا طوفان کسی طرح نہیں تھمتا تو وہ شرفائے مکہ کا ایک وفد لیکر حجاج اور اہل مکہ معظمہ کی سفارش کیلئے ابو طاہر کے پاس گیا۔ اس سیاہ رو نے قبول شفاعت کے بجائے اپنی فوج کو ان پر اشارہ کر دیا۔ وہ ان ناکردہ گناہوں پر ٹوٹ پڑے۔ یہ دیکھ کر ابو حطب نے بھی مقابلہ کیا مگر چند آدمیوں سے کیا ہو سکتا تھا۔ سب کے سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ابو طاہر نے میزاب کو جو سونے سے مرصع تھا اکھڑا دیا چاہا۔ اس غرض کیلئے اس نے ایک آدمی کو کعبہ معلیٰ پر چڑھایا۔ محمد بن ربیع بن سلیمان کا بیان ہے کہ میں اس وقت قحوظی در کھڑا دیکھ رہا تھا۔ میرے دل کو سخت ٹھیس لگی۔ میں نے کہا یارب ما احلکم ”الہی تیری بدداری کی کوئی حد نہیں“ میرا یہ کہنا تھا کہ قرمطی سرنگوں گزرا ہلاک ہو گیا۔ ابو طاہر نے اس کی جگہ دوسرے آدمی کو چڑھنے کا حکم دیا۔ وہ بھی گر کر طرہ اجل ہو گیا۔ اب تیسرے کو چڑھنے کیلئے کہا لیکن وہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اسے اوپر چڑھنے کی کسی طرح جرأت نہ ہوئی۔ یہ دیکھ کر ابو طاہر ان سے علیحدہ ہو گیا۔ قرمطیوں نے غضب آلودہ ہو کر بیت اللہ کا دروازہ توڑ ڈالا۔ ابو طاہر نے غلاف کعبہ کو اتروا کر کلزے کلزے کر دیا اور اس کے پارچے لشکر میں تقسیم کر دیئے اور بیت اللہ کے خزانے پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس سال باستثنائے قدر حجاج عرفات میں نہ ٹھہرے اور بغیر امام کے ہی حج ادا کر لیا۔

حجر اسود کو مکہ مکرمہ سے منتقل کرنے کا خوفناک اقدام :-

ابو طاہر اس پتھر کو مکہ معظمہ سے ہجر لے جانا چاہتا تھا۔ جس پر جناب امیر ایم خلیل اللہ کا نقش پڑھا لیکن خادمانِ کعبہ نے اسے مکہ معظمہ کی گھاٹیوں میں چھپا دیا۔ اس وجہ سے اس پر دسترس نہ پاسکا لیکن حجر اسود کو اس کی جگہ سے نکال لے گیا۔ یہ ہولناک واقعہ بروز دو شنبہ 14 ذی الحجہ 317ھ کو رونما ہوا چونکہ قرطبی ملاحظہ صم پرستوں سے بھی زیادہ بے دین تھے اور انہوں نے کعبہ اللہ سے منحرف ہو کر بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنالیا تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ابو طاہر کے دل میں بیت اللہ کی کوئی وقعت نہ ہو سکتی تھی بلکہ وہ اپنی شقاوت سے کعبہ مطہی کو بیت اللہ ہی نہ سمجھتا تھا۔

وہ اس حقیقت حال سے بے خبر تھا کہ خدائے شدید العتاب ابو طاہر جیسے گردن فراز جہلہ کو عموماً مہلت دیتا اور ان کفر، طغیان اور حق فراموشی کی رسی کو دراز کر دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ ترجمہ :- ”اے رسول! نزول عذاب کی تاریخ سے ملول نہ ہو جئے اور تکذیب کرنے والوں کو ہمارے ذمے رہنے دیجئے ہم ان کو (ساعت بساعت جہنم کی طرف) اس طرح لئے جا رہے ہیں کہ ان کو اس کا کچھ احساس نہیں ہم ایسے لوگوں کو مہلت دیتے ہیں اور ہماری یہ تدبیر بڑی زبردست ہے۔“

ابو طاہر نے قبۃ زمزم کو بھی سہار کر دیا اور چھ یا گیارہ روز تک مکہ معظمہ میں اقامت کر کے ہجر کو لوٹ گیا۔ ابو طاہر نے حجر اسود کو ہجر کی جامع مسجد کی غریبی جانب کو بڑاں کر دیا اور مکہ معظمہ میں حجر اسود کی جگہ خالی رہ گئی۔

عبید اللہ کا خط ابو طاہر کو :-

مکہ معظمہ سے مراجعت کرنے کے بعد ابو طاہر نے اپنی قلمرو میں حکم دیا کہ عبید اللہ السدی کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور عبید اللہ کو اطلاع دی کہ ہم نے اپنی مملکت میں آپ کے نام کا خطبہ جاری کر دیا ہے اور بہت کچھ عقیدت و اخلاص کے بعد لکھا کہ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ میں نے مکہ میں (معاذ اللہ) ”بیروان ضلالت اور اہل فساد کا خوب قلع قمع کیا۔ یہاں تک کہ مکہ کی سر زمین ان کے خون سے ابل نازن گئی“ عبید اللہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ ہمیں خط بھیج کر اپنی بد اعمالیوں کی داغ بیل دھو کر حیرت انگیز ہے۔ بلکہ اللہ الامین میں تو نے کیا کچھ حرکتیں نہ کیں؟ تو نے اس بیت اللہ کی جواز سے جاہلیت و اسلام سے ہمیشہ محترم رہا ہے حرمی کی۔ اس ہجر مقدسہ میں مسلمانوں کے خون بھائے اس کے معترین کو ہلاک کیا اور خالصہ خدا میں

اس قدر جسارت کا اظہار کیا۔ حجرہ اسود کو اکھاڑ لے گیا حالانکہ یہ جبو بوسیط ارض ہے اور لکھا کہ تمہاری اس حرکت کی وجہ سے ہماری جماعت اور ہماری سلطنت کے دعاۃ پر کفر والحاد کا اطلاق متحقق ہو گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ ان تمام شاعتوں اور بد کردہوں کے بلوجود تجھے اس بات کی توقع ہے کہ ہم تمہاری حرکتوں پر خوشنودی خاطر کا تمغہ عطا کریں گے۔ ابو طاہر کو یہ خط ملا تو سانپ کی طرح بچ و تاب کھانے لگا اور عبید اللہ کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔

دہ سالہ الخطایع کے بعد حج کا اجراء :-

معلوم ہوتا ہے کہ حج کعبہ 317ھ سے 327ھ تک یعنی دس سال تک موقوف و ملتوی رہا۔ بد امن طریق بھی فرضیت حج کی لازمی شرط ہے اور ابو طاہر کی وجہ سے امن طریق مفقود ہو گیا تھا اس لئے عازمین حج حلی امن کے منتظر رہے۔ انہیں ہر سال مایوس ہونا پڑتا تھا۔ دس سال کی طویل مدت اسی انتظار میں گزر گئی۔ یہاں تک ابو علی عمر بن یحییٰ علوی نے جو ابو طاہر کا دوست تھا اس کو لکھا کہ ہر حاجی سے پانچ وینڈر فی شتر محصول لیکر حج کی اجازت دو چنانچہ اس نے اس کو منظور کر لیا اور لوگوں کو امن و اطمینان کے ساتھ حج کرنا نصیب ہوا اور یہ پہلا حج تھا جبکہ حاجیوں کو حج کا محصول ادا کرنا پڑا۔ اس کے بعد خلیفہ کے حاجب محمد بن یاقوت نے ابو طاہر کو ایک خط لکھا کہ حجاج سے تعرض کرنا چھوڑ دو اور حجر اسود واپس کر دو تو خلیفہ المسلمین وہ تمام بلاد جو تمہارے زیر نگیں ہیں تمہارے پاس برقرار رہنے دیں گے۔ ابو طاہر نے جواب دیا کہ آئندہ حجاج سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا لیکن حجر اسود کی واپسی کیلئے اس نے ہنایا اثبات کوئی جواب نہ دیا۔ اس دن سے قرامطہ نے حجاج سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔

حجر اسود کی واپسی :-

ابو طاہر نے بہتری کو ششیں کیں کہ لوگ حجر کی بدولت ہجر کی طرف حج کو آئیں لیکن خدا نے اس کی کوششوں کو بارگور نہ ہونے دیا۔ کوئی شخص ہجر کی طرف مائل نہ ہوا تو تحویل حج سے مایوس ہو گیا۔ مقتدر باللہ نے پچاس ہزار درہم اس کے عوض میں پیش کئے تھے لیکن ابو طاہر نے دینے سے انکار کیا تھا۔ آخر جب اس سے کوئی مطلب براری نہ ہوئی تو خلیفہ مطیع اللہ کے عند خلافت میں تیس ہزار دینار لے کر واپس کر دیا اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ انہوں نے کچھ نہ لیا بلکہ کہنے لگے کہ ہم نے اسے خدا ہی کیلئے لیا اور خدا ہی کے نام پر واپس کرتے ہیں۔ حسین قرمطی نے شنبہ 10 محرم 339ھ کو حجر اسود لیکر کہ معظّمہ پہنچا اور کعبہ معلیٰ میں پھر اپنی جگہ پر نصب کیا گیا جہاں سے اکھاڑا تھا۔ حجر اسود کے گرد چاندی کا حلقہ جس کا وزن تین ہزار سات سو ستر اور نصف

درم (قریبا چودہ سیر) تھا چڑھا دیا گیا۔ حجر اسود ابو طاہر کے قبضہ میں چار روز کم بائیس سال رہا کہتے ہیں کہ جب قرامطہ حجر اسود لے گئے تو ہجر تک پہنچتے پہنچتے چالیس لونٹ بوجھ کے نیچے دب کر مر گئے اور جب واپس لائے تو ایک ہی لونٹ نے مکہ معظمہ تک پہنچا دیا۔ ابو طاہر اس واقعہ کے بعد مرض چچک میں مبتلا ہوا۔ اس مرض نے اس کا ایسا حال کر دیا کہ جسم ریزہ ریزہ ہو گیا۔ آخر گٹھر کے گٹھر گناہ لیکر بصد حسرت داندوہ اپنے اصلی مستقر کو چلا گیا۔

حامیم بن من اللہ محکسی

313ھ میں ابو محمد حامیم بن من اللہ محکسی نے سرزمین ریف واقع ملک مغرب میں دعویٰ نبوت کیا اور اپنی فریب کاری کا جال پھیلا کر ہزار ہا زود اعتقاد بربری عوام کو اپنا پیر و بنالیا۔ اس نے اپنے پیروں کیلئے ایک نیا آئین جاری کیا جو احکام شریعت سے بہت کچھ بعد رکھتا تھا صرف دو نمازوں کا حکم دیا پہلی طلوع آفتاب کے وقت اور دوسری غروب آفتاب کی سرخی میں پڑھی جاتی تھی۔ اس نے ماہ رمضان کے روزے اڑادیئے۔ ان کی جگہ رمضان کے آخری عشرہ کے تین شوال کے تین اور ہر بدھ اور جمعرات کو دوپہر تک کا روزہ متعین کیا۔ جو شخص اس آئین کی خلاف ورزی کرتا اس سے چھ راس مویشی کی قیمت وصول کر کے بیت المال میں داخل کیا جاتا۔ اس نے اپنی امت سے حج، زکوٰۃ اور وضو ساقط کر دیا۔ خنزیر کو حلال کر دیا پھلی حلال کی لیکن بدیں شرط کہ اس کے خانہ ساز شرعی طریقہ سے ذبح کی گئی ہو۔ تمام حلال جانوروں کے سر اور انڈے کھانے کی ممانعت کی چنانچہ اس علاقہ کے بربر قبائل آج تک انڈوں کو حرام سمجھ کر ان سے احتراز کرتے ہیں۔ اس کی پھوپھی جس کا نام تابعیت یا تابعیت تھا۔ کاہنہ اور ساحرہ تھی۔ یہ بھی نبیہ متصور ہوتی تھی اور اس کا نام بھی نمازوں میں لیا جاتا تھا۔ اسی طرح اس کی بہن دو جوع جو کاہنہ اور ساحرہ تھی خانہ ساز نبوت کے درجہ پر فائز تھی۔ اس نے اپنے پیروں کی رہنمائی کیلئے بربری زبان میں ایک کتاب لکھی تھی جسے کلام الہی کی حیثیت سے پیش کیا کرتا تھا۔ اس کتاب کے جو الفاظ نماز میں پڑھے جاتے تھے ان کا مفہوم یہ تھا کہ توجو کہ آنکھوں سے پنہاں ہے مجھے گناہوں سے پاک کر دے۔ اے وہ جس نے موسیٰؑ کو دیا صحیح و سلامت پاد کر اویا۔ میں حامیم پر اور اس کے باپ ابو خلف من اللہ پر ایمان لایا ہوں میرا سر، میری عقل، میرا سینہ، میرا خون اور میرا گوشت و پوست سب ایمان لائے ہیں۔ میں حامیم کی پھوپھی تابعیت پر بھی جو ابو خلف من اللہ کی بہن ہے پر ایمان لایا ہوں۔ حامیم کے پیروبدان کے وقت اور لیام قط میں حامیم کی پھوپھی اور اس کی بہن کے توسل سے دعا کرتے تھے۔ حامیم ایک بڑائی میں ملا گیا جو 319ھ یا 320ھ میں تیغیر کے پاس احواز میں قبیلہ مصمودہ سے ہوئی لیکن جو مذہب قائم کر گیا وہ ایک زمانہ دراز تک عبرت کدۂ عالم میں موجود رہا۔ حامیم ہی کے خاندان میں عاصم بن جمیل بھی ایک جھوٹا نبی گزرا ہے اس کے حالات غیر ضروری سمجھ کر قلم انداز کر دیئے گئے ہیں۔

محمد بن علی شلمانی

ابو جعفر محمد بن علی معروف بہ ابن ابی العزاقر شلمانی کارہنے والا تھا جو واسطہ کے مضافات میں ایک گاؤں ہے۔ خدا کا داعی تھا۔ ابتداء میں شیعہ امامیہ کے فقہائے اکابر میں شمار کیا جاتا تھا اور اس مذہب کے اصول پر کتابیں لکھیں تھیں لیکن ابوالقاسم حسین بن روح سے جس کو شیعہ لوگ اس خیال سے باب کہتے تھے کہ وہ امام محمد بن حسن عسکریؑ کی طرف سے ان کی غیبت صغریٰ کے زمانہ میں وکیل تھا اس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تو اس نے خود امام عسکریؑ کے ”باب“ ہونے کا دعویٰ کیا اور شیعوں میں ایک ایسا مذہب و مسلک پیدا کیا جس کی بنیادیں انتہائی غلو اور تباہ و حلول ذات باری کی سطح پر قائم تھیں۔ شیعیت سے ترقی کرنے کے بعد اس نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ اللہ عزوجل کی روح آدم علیہ السلام کے جسد میں حلول کر گئی۔ ان کے بعد شیث علیہ السلام کے جسم میں داخل ہوئی۔ اسی طرح ایک ایک کر کے انبیاء اوصیاء اور ائمہ کے جسموں میں حلول کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اس نے حسن بن علی عسکریؑ کے جسم میں حلول کیا۔ ان کے بعد خود اس میں حلول کر گئی۔ 320ھ میں شلمانی بغداد آیا۔ اس وقت خلیفہ قاہر باللہ آل عباس کے تخت خلافت پر متمکن تھا۔ شلمانی کہتا تھا کہ میں ہی ظاہر باطن اقلی و آخر اور قدیم ہوں۔ رازق اور تام ہوں اور تام سے مراد وہ ذات ہے جو ہر صفت ہے موصوف ہو سکے۔

سابق وزیراعظم کو شلمانی ربوبیت کا اعتراف :-

بغداد کے ہزار ہا آدمی اس کے گرویدہ ہو گئے یہاں تک کہ کئی ایک ذی اقتدار اور صاحب اثر افراد نے بھی اس کی ربوبیت کا اقرار کر لیا جن میں حسن بن قاسم جیسازیرک و فرزانه روزگار مدبر بھی جو اس سے پیشتر خلیفہ مقتدر باللہ کا وزیراعظم رہ چکا تھا، داخل تھا۔ اسی طرح بطام کے دونوں بیٹے ابو جعفر اور ابو علی جو امراء بغداد میں سے تھے وہ بھی (معاذ اللہ) اس کی خدائی پر ایمان لے آئے اگر کسی دور دست مقام پر یا کسی نصرانی حکومت کے زیر حکومت رہ کر خدائی کا یہ جاں پھیلاتا تو اس سے کچھ تفرض نہ کیا جاتا اور مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح اسے یہ کہنے کا موقع ملتا کہ چونکہ تینیں سال کی طویل مدت سے بلا مزاحمت اپنے دعویٰ خدائی پر قائم ہوں اس لئے سچا خدا ہوں مگر اسلامی سلطنت بالخصوص اسلامی دار الخلافہ میں اس کی ”خدائی“ دیرپا نہیں رہ سکتی تھی۔ جب شلمانی نے دعویٰ خدائی کیا تو لوگ جوق در جوق اس کے حلقہ ارادت میں داخل

ہوئے گئے تو حکومت کو اس کی طرف توجہ دینا پڑی اور حکومت نے اس فتنہ کو ختم کرنے کا ارادہ کیا مگر شلمانی کو اس کی اطلاع ہو گئی اور وہ بغداد میں ردپوش ہو کر خاموشی کے ساتھ موصول چلا گیا۔ حکومت نے دیکھا کہ یہ فتنہ لب و لب دبا گیا ہے۔ اس کی گرفتاری کا کچھ اہتمام نہ کیا لیکن ڈیڑھ دو سال کے بعد اس نے پھر بغداد میں آکر سر اٹھایا۔ خلیفہ الراضی باللہ نے جو اسی سال خلافت عباسیہ کی مسند پر رونق افروز ہوا تھا اس کی گرفتاری کا موکلہ حکم جاری کر دیا۔ اس وقت ابن مقلہ وزیر اعظم تھا۔ اس نے میدان مغزی اور حکمت عملی سے کام لیکر اس نے ”پروردگار عالم“ کو گرفتار کر لیا اور قید خانے میں ڈال دیا۔ اس کے گمر کی تلاش لی گئی تو اس کے موئین و معتقدین کے ہمست سے خطوط اور رقعات برآمد ہوئے۔ جن میں شلمانی کو ایسے القاب سے یاد کیا تھا جن کا اطلاق و استعمال جز ذات رب العالمین کے بحر خاکی کی نسبت نہیں کیا جاسکتا۔ ابن مقلہ نے علماء کو جمع کیا اور شلمانی کے سامنے وہ خطوط پیش کئے۔ اس نے تسلیم کیا کہ یہ تمام خطوط میرے ہی نام پر لکھے گئے تھے لیکن تقیہ کر کے کہنے لگا کہ میں بالکل بے قصور ہوں میرے عقیدے وہی ہیں جو دوسرے شیعوں کے ہیں۔ میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ میں معبود اور رب العالمین ہوں اور ان لوگوں نے جو میری نسبت ایسے الفاظ استعمال کئے تو یہ ان کی غلطی ہے۔ دوسروں کی غلطی کا الزام مجھ کو نہیں دیا جاسکتا۔ انہی خطوط کی بنا پر اس کے دو پیر و کار بھی گرفتار کئے گئے جو بغداد کے معززین میں سے تھے۔ ایک ابن ابی عون اور دوسرا ابن عبدوس۔

شلمانی اور اس کے غاشیہ بردار دربار خلافت میں :-

اب یہ دونوں غاشیہ بردار اور خود شلمانی خلیفہ الراضی باللہ کے دربار میں پیش کئے گئے۔ خلیفہ نے ان دونوں مریدوں کو حکم دیا کہ اگر تم شلمانی سے اپنی براءت ظاہر کرتے ہو تو دونوں زور زور سے اس کے منہ پر تھپڑ مارو۔ پہلے تو اس حکم کی تعمیل سے گریزاں رہے لیکن جب مجبور کئے گئے تو جبراً و قہراً آمادہ ہوئے۔ ابن عبدوس نے ہاتھ بڑھا کر تھپڑ مار دیا مگر ابن ابی عون نے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ کانپ گیا اور ساتھ ہی دلی عقیدت کا جو جوش ہوا تو بڑھ کر شلمانی کے سر اور داڑھی کو بوسہ دیا اور بے اختیار اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا۔ ترجمہ :- (اے میرے معبود! میرے سردار اور میرے رازق) اب کیا تھا خلیفہ کو ایک جنت و بہان ہاتھ آگئی۔ بولا تم تو کہتے تھے کہ تو مدعی دعوائے الوہیت نہیں تو اس شخص نے تجھے ایسے الفاظ سے کیوں مخاطب کیا؟ اس نے جواب دیا کہ قرآن میں ہے ترجمہ :- (حق تعالیٰ ایک کے گناہ کا مواخذہ دوسرے سے نہیں کرتا) میں نے اپنی زبان سے یہ بات کبھی نہیں کہی کہ میں معبود ہوں۔ دونوں میں سے ابن عبدوس جس نے تھپڑ مارا تھا۔ بولا ”ہاں یہ الوہیت کے مدعی نہیں۔ ان کا تو یہ دعویٰ ہے کہ

یہ رہنما ہیں اور انہی روح کی جگہ پر ہیں لیکن اس امر کی متعدد قابل و وثوق شہادتیں پیش ہوئیں کہ باخودین کا انکار محض دفع الوقتی اور خوف قتل پر مبنی ہے ورنہ خلیفانی بالقطع خدائی کا مدعی ہے اور یہ کہ جب کبھی اس کے پیروؤں نے اسے ذات خداوندی سے متصف و مخاطب کیا ہے اس سے اس نے انکار نہیں کیا۔ بایں ہمہ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کے خیالات و عقاید کی مزید تفتیش کی جائے آخر معلوم ہوا کہ اس شخص نے ایک نیا دین اور نیا آئین بنا کر لوگوں کی متاع دین و ایمان پر مری طرح ڈاکہ ڈال رکھا ہے۔

مشرکانہ و ملحدانہ اصول و عقائد :-

اس کے دین کا پہلا اصول یہ تھا کہ خلیفانی ہی وہ الہ العلیت ہے جو حق کو ثابت کر سکا ہے۔ وہی ہے جس کی جانب الفاظ اول، قدیم، ظاہر، باطن سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق یہ اعتقاد تھا کہ وہ ہر چیز میں اس کے ظرف و تحمل کے بموجب حلول کرتا ہے اور جب کسی پیکر ناسوتی میں داخل ہوتا ہے تو اس میں سے ایسی قدرت اور ایسے معجزات ظاہر ہوتے ہیں جو اس کے خدا ہونے کی دلیل ہوتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ الہی یہ تھا کہ اس نے ہر چیز کیلئے ایک ضد اس بنا پر ظاہر کی کہ جس کی ضد ہے وہ ثابت ہو جائے۔ پس ضد ہی ہر حق کی دلیل ہے اور ضد خود حق سے افضل و برتر ہوتی ہے۔ ہر چیز کے ساتھ جو چیزیں موافق و مشابہ ہوتی ہیں۔ بمقابلہ ان کے یہ چیز زیادہ سے زیادہ قریب ہوتی ہے اسی کا منظر یہ ہے کہ جب رب العالمین نے اب البشر آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو جس طرح خدا آدم علیہ السلام میں حلول کر کے نمایاں ہوا۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کے الہیوں یعنی ان کی ضد میں حلول کر کے بھی خود ہی نمودار ہوا، گو بظاہر دونوں ایک دوسرے کے خلاف نظر آتے تھے مگر دراصل دونوں پیکروں میں خود وہی تھا پھر جب آدم علیہ السلام صفحہ ہستی سے غائب ہو گئے تو لاہوت (خداے برتر) متفرق و منتشر ہو کر پانچ ناسوتوں میں جدا جدا ظاہر ہوا اور اسی طرح الہیوں پانچ الہیوں میں سمٹ گیا۔ اب الہیت اور الہیوں علیہ السلام کے پیکر میں جمع ہو گئی یعنی مکمل خدا نے اور الہیوں علیہ السلام کو میں متبادل کیا۔ اسی طرح وہ ضد بھی پانچوں الہیوں میں سے سمٹ کر اور الہیوں علیہ السلام کی ضد یعنی ان کے مخالف و معاصر میں مجتمع ہو گئی۔ اور الہیوں علیہ السلام اور ان کے معاصر الہیوں کے بعد پھر الہیت دونوں ضدوں کی حیثیت سے ناسوتوں میں منتشر ہوئی اور چند روز بعد نوح علیہ السلام اور ان کے معاصر الہیوں میں جمع ہوئی پھر منتشر ہوئی۔ چند روز کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ضد الہیوں میں جمع ہوئی۔ اس کے بعد حسب معمول منتشر ہو کر صالح اور ان کے الہیوں یعنی عاترہ قحط میں جمع ہوئی۔ بعد ازاں چند روز منتشر رہ کر ابراہیم علیہ السلام اور ان کے الہیوں (نمرود)

میں جمع ہوئی پھر منتشر ہو کر ہارون اور ان کے معاصر ابلیس (فرعون) میں جمع ہوئی۔ اب لاہوتیت داؤد علیہ السلام اور ان کے ابلیس جالوت میں جمع ہوئی۔ اس کے بعد جو منتشر ہوئی تو اس نے سلیمان علیہ السلام اور ان کے ابلیس کے پیکروں کو حلول ہونے کیلئے منتخب کیا۔ اس کے بعد منتشر ہو کر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ابلیس میں مجتمعاً ظاہر ہوئی۔ عیسیٰ کے بعد وہ حواریوں میں تقسیم ہو گئی اور چند روز گزار کر حضرت علی مرتضیٰ اور ان کے معاصر ابلیس میں نمودار ہوئی اور اب وہی الوہیت خود شلفانی اور اس کے معاصر ابلیس میں نمایاں ہے۔ شلفانی کی یہ بھی تعلیم تھی کہ خدائے بدتر اپنے آپ کو ہر چیز، ہر پیکر اور ہر معنی میں ظاہر کرتا ہے اور ہر دل میں جو خیالات موجزن رہتے ہیں اور یہ حالت ہوتی ہے کہ گویا آنکھوں کے سامنے ہیں، یہ وہی خدا ہے۔ خدا دراصل ایک معنی کا نام ہے اور لوگ جس کسی کے محتاج ہوں وہی اس کا الہ (خدا) ہے چنانچہ اس لحاظ سے ہر شخص خدا ہو سکتا ہے کیونکہ جس سے کسی کو نفع پہنچے وہ اس کا رب ہے۔ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ میں فلاں شخص کا رب ہوں۔ وہ میرا رب ہے۔ فلاں فلاں کا رب ہے اور فلاں میرے رب کا رب ہے۔ یہاں تک کہ ربوبیت کا سلسلہ شلفانی تک پہنچ جاتا ہے اور وہ دعویٰ کرتا کہ میں رب الارباب ہوں کیونکہ اس کے زمانہ میں (معاذ اللہ) اس سے بڑی اور کوئی ربوبیت نہ تھی۔

بدترین رفض والحاد :-

شلفانی کا بدترین رفض اور حضرت علیؑ کی محبت کا غلو یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) خائن بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ ہارون نے موسیٰؑ کو اور حضرت علیؑ نے جناب محمد ﷺ کو لوگوں کی طرف بھجا کر ہماری شریعت کی دعوت دو۔ مگر ان دونوں نے ان کے ساتھ خیانت کی اور لوگوں کو غرض مفوض کی طرف بلانے کی جگہ اپنی دعوت دینی شروع کی۔ اس کے ساتھ ایک عجیب بات یہ تھی کہ شلفانی کے نزدیک جناب امام حسنؑ اور جناب امام حسینؑ حضرت علیؑ کے فرزند نہ تھے کیونکہ اس کے اعتقاد کے رو سے حضرت علیؑ الہ العالمین تھے اور اس کے زعم میں جس پیکر میں ربوبیت مجتمع ہو کر نمودار ہوتی ہے اس کا نہ کوئی باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی بیٹا۔ وہ تو خدا ہے اور خدا کی شان لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ہے۔ شلفانی کی تعلیم کے بموجب جنت اور دوزخ کا کوئی وجود نہیں بلکہ اس کے مذہب کے ماننے اور اس کی معرفت کا نام جنت تھا اور اس کے مذہب سے انکار کرنے اور اس کے اصول سے جاہل رہنے کا نام دوزخ۔ ملائکہ سے اس کے زعم میں ہر وہ شخص مراد تھا جو عارف حق اور اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو۔ شلفانی کہتا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی دوست کی مخالفت

کرے اور اس سے مقابلہ کرتا رہے وہ ماجور ہے کیونکہ ولی کے فضائل کا اظہار اس کے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی دشمن اس پر لعن طعن کرے چنانچہ جب ولی ہدف اعتراضات بنایا جاتا ہے اور لوگ ان اعتراضوں کو سنتے ہیں تو اس کے حالات کی جستجو کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہی مخالفت ظہور فضائل و کمالات کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لئے مخالف ولی سے افضل ہے۔ اسی بنا پر وہ جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام سے فرعون کو اور حضرت سرور کائنات ﷺ سے (معاذ اللہ) ابو جہل کو اور حضرت علیؓ سے حضرت معاویہؓ کو افضل بتاتا تھا۔

شلفمانی شریعت کے شرمناک احکام :-

یہ تو شلفمانی کے عقاید تھے۔ اب ذرا اس کے آئین مذہب کی شان ملاحظہ ہو۔ اس کا اعتقاد تھا کہ جناب محمد ﷺ کو رسول بنا کر کبراء قریش اور جہلہ عرب کے پاس بھیجا۔ ان کے دل میڑھے تھے۔ محمد ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ رکوع و سجود کریں، نماز پڑھیں۔ علیؓ نے محمد ﷺ کو اصحاب کف کی مدت خواب یعنی ساڑھے تین سو سال تک مہلت دیدی اور اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی کہ اتنا زمانہ تک محمد ﷺ کی شریعت ہی پر عمل کیا جائے لیکن اس مدت کے گزرتے ہی ان کی شریعت مسترد ہو جائے گی اور اس کی جگہ نئی شریعت عرصہ وجود میں آئے گی۔ مگر ساڑھے تین سو سال کی مدت کے پورے ہونے میں ابھی اٹھائیس سال باقی تھے کہ دربار خلافت نے الوہیت کا وہ سارا کھیل ہی بگاڑ دیا جو شلفمانی صاحب کے پیکر ناسوت میں سے عجیب و غریب قسم کی ایسی صدائیں بلند کر رہی تھی۔ شلفمانی کے مسائل شریعت یہ تھے کہ غسل جنابت اور نماز روزہ بالکل چھوڑ دیا جائے۔ یہ تکلیف محمد ﷺ نے عربوں کو ان دنوں دی تھی لیکن عہد حاضر میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ موجودہ دور میں تو یہ تکلیف لوگوں کے مناسب حال ہے کہ اغیار کو اپنی بیوی سے ہم بستر ہوتے دیکھیں اور غصہ نہ آئے چنانچہ عورتیں مطلقاً ہر شخص کیلئے حلال طیب ہیں۔ بندے پر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کیلئے دولتیں جمع کر دی۔ پس ہر انسان اپنے ذوی الارحام اور محرمات ابدیہ تک کے ساتھ مقاربت کر سکتا ہے بلکہ اہل حق (شلفمانی) کے پیروؤں کو چاہئے کہ ہر شخص جو دوسرے سے افضل ہو اپنے سے کم درجہ والوں کی عورتوں سے جسے اللہ مقاربت کرے تاکہ ان میں اپنا نور پہنچائے اور کوئی اس سے انکار کرے گا وہ کسی آئندہ زندگی میں عورت کے پیکر میں پیدا کیا جائے گا۔ شلفمانی نے اس شرمناک موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام ”کتاب الحساسہ السادہ“ رکھا تھا۔ غرض شلفمانی شہوت پرستی کے رواج دینے میں اپنے کسی پیشرو سے کم نہیں تھا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس آئین کے رائج کرنے میں اس نے مزدکی

کے بھی کان کاٹ لئے تھے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس ناہنجار نے فعل خلاف وضع فطرت یعنی عمل قوم لوط کو بھی جائز کھا تھا۔ اس سے معلوم ہو گا کہ یہ شخص محض زندقہ ہی نہیں تھا بلکہ بول درجہ کا شہوت پرست اور بد معاش بھی تھا جس کا نصب العین یہ تھا کہ دنیا شہوت پرستی، زنا کاری اور اغلام کا گولہ بن جائے۔ گو حضرت علیؓ خود بھی ان اہل طالب تھے لیکن اس لحاظ سے کہ آل ابو طالب میں سے اکثر نے امامت کے دعویٰ کئے تھے۔ خلفائی کے نزدیک تمام طالبوں اور عباسیوں کا قتل کرنا موجب ثواب تھا۔ خلاصہ یہ کہ اس شخص نے دین اسلام اور خلافت آل عباس کے استیصال کیلئے بارود بھانے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔

خلفائی کا قتل :-

خلفائی اور اس کے اخس پیروؤں کے مقدمہ کی تحقیقات خاص خلیفہ راضی باللہ کے دربار میں ہوئی تھی۔ ان صحبتوں میں فقہاء و قضاة کے علاوہ بعض سپہ سالار بھی شریک ہوتے تھے۔ آخر فقہاء نے فتویٰ دیدیا کہ خلفائی اور اس کا رفیق ابن ابی عون مباح الدم ہیں اور ان کی فرد قرار دواؤ جرم میں براء کا کوئی پہلو نہیں نکل سکتا چنانچہ خلفائی اور ابن ابی عون بروز سہ شنبہ 2 ذی قعدہ 322ھ کو مصلوب کئے گئے۔ جب صلیب پر دونوں کی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تو لاشیں جلادی گئیں۔ ان کے پیرو جائے اس کے کہ اٹھائیس سال گزرنے کے بعد اس دن کا جلوہ دیکھیں جس دن (معاذ اللہ) شریعت مصطفویٰ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کو مٹانے کا خلفائی خواب پورا ہوتا اور اس کی جگہ خلفائی شریعت جاری ہوتی۔ بھاگ بھاگ کر منہ چھپانے لگے لیکن باوجود اس کے ان کے یقین و اذعان میں کوئی فرق نہ آیا۔ خلفائی کے مصلوب ہوتے وقت اس کا معزز متبع حسن بن قاسم سائق وزیر اعظم شہر رقبہ میں تھا۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم بھیج دیا اور اس کا سر عبرت روزگار بننے کیلئے بغداد میں لایا گیا۔ ابن ابی عون جس نے تھپڑ مارنے کے عوض خلفائی کی واڑھی چوم کر اس کو اپنا خالق و رازق بتایا تھا، بہت بڑا ادیب اور بلند پایہ مصنف تھا۔ کتاب النواحي، والبلدان، کتاب الجولات المسجدة، کتاب التسمیات، کتاب بیت مال السردور، کتاب الدوادین، کتاب الرسائل اس کی مشہور تصنیفیں ہیں۔

باب نمبر 30

عبدالعزیز باسندی

عبدالعزیز موضع باسند علاقہ صفانیان کا رہنے والا تھا۔ اس نے 322ھ میں دعویٰ نبوت کر کے ایک پہاڑی مقام میں دام تزدیر بچھلایا۔ یہ شخص بڑا شعبہ باز تھا۔ پانی کے حوض میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالتا تو مٹھی سرخ دیناروں سے بھری ہوتی تھی۔ اس قسم کی شعبہ بازیوں اور نظر بندیوں نے ہزار ہا تہمتی داستان قسمت کے زور قیامان کو متلاطم کر دیا۔ لوگ دیوانہ وار اس کی طرف دوڑے اور اس کی خاک پاک کو نرمدہ چشم بنانے لگے۔ علماء امت صدائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے بموجب لبیک کو دوڑے اور گم کردگان راہ میں سے ان لوگوں کو صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت واقع ہوئے تھے، گرداب سے باہر نکال لائے لیکن جو لوگ شقی القلب اور دلدلہ ادگان زنج و ضلال تھے وہ قبول ہدایت کے بجائے الٹا علمائے ربانی کو اسی طرح گالیاں دینے لگے جس طرح آج کل کے مرزائی حاملین شریعت اور دوسرے ارباب صدق و صفا کے خلاف زبان طعن و تشنیع دراز کیا کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضرت مخبر صادق علیہ السلام نے ان نفس پرست علماء مکروہ خدیجہ شریعت اذیم السماء (زیر گردوں بدترین مخلوق) قرار دیا جو مرزائی مولویوں کی طرح دنیا کی خاطر لوگوں کے دین و ایمان پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ مرزائی علماء سونے ڈسٹرکٹ جیماولپور کی عدالت میں بھی حسب معتاد ان علمائے حق کی شان میں دریدہ دہنی کی جنہوں نے ان کے مقتداء مرزا غلام احمد صاحب کے کفر و ارتداد کی شہادت دی تھی اور الثامن والستون اسوۂ عمری علیہ السلام شریعت اذیم السماء بتایا۔ اس کے متعلق ڈسٹرکٹ جج نے اپنے فیصلہ مقدمہ میں کیا خوب لکھا کہ ”گوہان مدعیہ (علمائے اہل سنت و جماعت) پر مدعا علیہ (مرزائی) کی طرف سے کنایہ اور بھی کئی ذاتی حملے کئے گئے ہیں۔ مثلاً انہیں علمائے سوء کہا اور یہ بھی کہا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے خود ہی ایسے مولویوں کو جو ذریعہ البغایا میں مخاطب ہیں۔ بدر اور سور کا لقب دیا ہے اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ وہ آسمان کے نیچے سب سے بدتر مخلوق ہوں گے لیکن ملاحظہ مسل سے ہر عقلمند آدمی اندازہ لگا سکتا ہے کہ طرفین کے علماء میں سے ان احادیث کا صحیح مصداق کون ہے؟

باسندی کی صدائے دعوت اس نظام اور بلند آہنگی سے انہی کے اہل شاش اور بہت سے دوسرے لوگوں نے متابعت اختیار کر کے اپنی قسمت اس کے ساتھ والستہ کر دی۔ اب اس نے ان اہل حق کے خلاف ستیزہ کاری شروع کر دی جو اسے نبی نہ تسلیم کرتے تھے۔ ہزار ہا مسلمان اس کی ظلم رانی کے قاتل ہو کر روضہ رضوان کو چلے گئے۔ جب حکومت کو اس کی کام جوبیوں

اور اس کی روز افزوں جمعیت کی طرف سے خطرہ پیدا ہو چلا تو وہاں کے حاکم ابو علی بن محمد بن مظفر نے اس کی سرکوبی کیلئے ایک جمیش روانہ کیا۔ باندی بلند پہاڑ پر چڑھ کر متحصن ہو گیا۔ لشکر اسلام نے محاصرہ ڈال دیا۔ کچھ مدت کے بعد جب سامانِ ریحہ اختتام کو پہنچ گیا تو محصورین کی حالت دن بدن ابتر ہونے لگی اور طاقت جسمانی جواب دے بیٹھی۔ آخر لشکر اسلام پہاڑ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا اور طاغوتیوں کو مار مار کر ان کے دھوئیں بھیر دیئے۔ باندی کے ہزار باہر و نذر اجل ہو گئے۔ باندی بھی قعر ہلاکت میں پہنچ گیا۔ اسلامی سپہ سالار نے اس کا سر کاٹ کر ابو علی کے پاس بھیج دیا۔ یہ شخص کما کرتا تھا کہ میں مرنے کے بعد لوٹ کر دنیا میں آؤں گا۔ مدتِ طویل تک اس کے پیرومرزائیوں کی طرح اسلام کے شارعِ عام سے الگ ہو کر بیابانِ ظلمات میں سرگشتہ و حیران رہے آخر آہستہ آہستہ اسلام میں مدغم ہو گئے اور یہ فرقہ صفیہ ہستی سے بالکل نابود ہو گیا۔

باب نمبر 31

ابو الطیب احمد بن حسین متنبی

ابو الطیب احمد بن حسین اوایل ریعان سے مدعی نبوت تھا۔ 303ھ میں کوفہ کے محلہ کندہ میں پیدا ہوا۔ ابوالحسن محمد علی علوی کا بیان ہے کہ ابو الطیب کا باپ سقہ تھا جو غیدان کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ ہمارے محلہ والوں کا پانی بھر کر لاتا تھا۔

البتہ متنبی کی دادی صحیحۃ العصب ہمدانیہ تھی۔ وہ ہماری ہمسایہ اور کوفہ کی صالحات میں سے تھی۔ متنبی ہمیشہ اپنے نسب کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا اور جب کبھی اس سے نسب کے متعلق سوال ہوتا تو کہہ دیتا کہ بھئی! میں ایک اخبط القب شخص ہوں اور اس سے مامن نہیں ہوں کہ کوئی شخص میری جان ستانی کا قصد کرے لیکن جب اسے قبیلہ کلب میں کچھ مدت رہنے کا اتفاق ہوا تو ان دنوں وہ علوی (امیر المؤمنین علیؑ کی اولاد) ہونے کا مدعی تھا۔ ابو الطیب آغاز جوانی میں وطن مالوف کو الوداع کہہ کر شام چلا آیا اور فنون ادب میں مشغول رہ کر درجہ کمال کو پہنچا۔ اسے لغات عرب پر پورا پورا عبور تھا۔ بالکل متروک اور غیر مانوس لغات بھی اذہر تھے۔ جب کبھی اس سے لغات کے متعلق کوئی سوال کیا جاتا تو جواب میں کلام عرب کی ہر مار کر دیتا چنانچہ شیخ ابو علی فارسی صاحب الايضاح والتحملہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اس سے سوال کیا کہ فعلیٰ کے وزن پر کتنی شخصیں آتی ہیں؟ متنبی نے معاً جواب دیا کہ دو۔ حجبلی اور ظربی! شیخ ابو علی کا بیان ہے کہ اس کے بعد برابر تین دن تک کتب لغت کی ورق گردانی کرتا رہا۔ مگر مجھے ان دو کے سوا اس وزن کی کوئی اور جمع نہ مل سکی۔ حجبلی کی جمع ہے جل عربی میں چکور کو کہتے ہیں اور ظربی ظربان کی جمع ہے جو ملی کی قسم کے ایک سخت بد نو دار جانور کا نام ہے۔

طلب میں ایک شخص نے غضبانہ ہو کر اسے کبھی ماری۔ یہ کبھی بہت بڑی تھی۔ کبھی نے سر پھوڑ دیا اور منہ بھی زخمی ہوا۔ ابو الطیب لہو لہان ہو گیا۔ کبیدہ خاطر ہو کر حلب کو الوداع کہا اور 346ھ میں مصر چلا آیا کیونکہ کافور اخیدی والی مصر نے اس سے وعدہ کر رکھا تھا کہ میں تمہیں کسی جگہ کا عامل بنادوں گا۔ یہاں کافور اخیدی اور انو جور بن اخیدی کی مدح سرائی کا مشغلہ اختیار کیا۔ جب کافور نے اس کی تعلیم اور فن ترانیاں سنیں تو ایضاً عہد سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ جس شخص نے جناب خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا اس سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کل کو کافور کی مملکت میں شریک و سہم ہونے کا بھی دعویٰ کرے۔ جب کافور کی طرف سے ناامید ہوا تو 350ھ کے اواخر میں مصر سے فارس کا رخ کیا اور کافور کی جھوکر کے اپنے

جذبہ انتقام کی تسکین کی اور پھر واپس پہنچ کر عضد اللہ بن بویہ و یلمی کی عظمت اور جلالت قدر کا نغمہ چھیڑ دیا اور صلہ و انعام سے سرفراز ہوا اور آخر تک بیس اقامت گزریں رہا۔

ابو الطیب کا قتل :-

لوگوں کی توجہ و تھنصیح کرنا شعراء کا عام شیوہ ہے۔ کسی کی طرف سے دل میں ذرا بھی غبار کدورت پیدا ہوا جھٹ اس کو آسمان عزت سے اتار کر قعر مذلت میں گرانے کی سعی نامشکور میں منہمک ہوئے۔ ابو الطیب نے ایک قصیدہ میں ضبہ بن یزید یعنی نام ایک شخص کے خلاف دشنام طرازی کی غلاطی اچھالی تھی۔ اس قصیدہ کا ترجمہ یہ ہے :-

ترجمہ :- (قوم نے ضبہ سے اور اس کی ماں سے جو لٹکے ہوئے پستان والی ہے انصاف نہیں کیا) یہ سارا قصیدہ بچود و دشنام کا طومار ہے۔ ابو الطیب نے اس میں اپنی گندہ ذہنی کا مظاہرہ کر کے ضبہ اور اس کے اقرباء کے دلوں میں ناسور ڈال دیئے جب ضبہ کے ماموں نے جس کی ہمشیر کے خلاف دشنام دہی کی گندگی بھیری گئی تھی یہ قصیدہ سنا تو اس کا دل پارہ پارہ ہو گیا اور اس نے انتقام جوئی کا عزم مصمم کر لیا۔ ابو نصر محمد طلی کا بیان ہے کہ ضبہ کے ماموں کو ابو جمل فاتک اندی کہتے تھے۔ وہ میرا دوست تھا۔ ایک دن میرے پاس آکر ابو الطیب کا پتہ دریافت کرنے لگا۔ میں نے کہا تم اس کے متعلق بہت کچھ پوچھا پا چھی کر رہے ہو۔ آخر تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کہنے لگا کوئی برا ارادہ نہیں۔ میں نے کہا تم اس کے قتل کا قصد رکھتے ہو لیکن خون ریزانہ اقدام کسی طرح تمہاری شان کے لائق نہیں ہے۔ فاک کہنے لگا۔ واللہ! جس طرح ممکن ہو گا میں اس کا نقش ہستی مٹا کر رہوں گا۔ ہاں اگر کوئی ایسی چیز درمیان میں حائل ہو جائے کہ جس کا دفعیہ میرے امکان سے خارج ہو تو پھر مجبوری ہے میں نے کہا اے خدا اس خیال کو جانے دو اور اس کا فیصلہ منتقم حقیقی کے عدل و انصاف پر چھوڑ دو کسی شعر کی بنا پر شاعر کی جان لینا کسی طرح روا نہیں عمد جاہلیت میں ملوک کی اور اسلام میں خلفاء کی ہمیشہ بچو کی جاتی رہی لیکن کبھی سننے میں نہ آیا کہ کوئی شاعر بچو کی بنا پر موت کے گھاٹ اتارا گیا ہو۔

کہنے لگا ”اچھا جو خدا کو منظور ہو گا وہ ہو کے رہے گا“ اب فاتک ہر وقت ابو الطیب کی مراجعت کے انتظار میں چشم برہ تھا۔ آخر جب معلوم ہوا کہ کوفہ کی طرف واپس آ رہا ہے تو فاتک اسدی رمضان 354ھ میں اپنے بعض اقرباء کی رفاقت میں اس کی جان لینے کے ارادہ سے چل کھڑا ہوا۔ منتہی کے ساتھ بھی بہت سے آدمی تھے۔ راستہ میں ٹھہرنا ہو گئی۔ فاتک کی جماعت غالب رہی۔ جب ابو الطیب نے دیکھا کہ دشمن نے غلبہ پایا اور اس کی جماعت منہزم ہو چلی تو بھاگ کر جانے چاہنے کا قصد کیا۔ اس کے غلام نے کہا دیکھئے آپ کا یہ شعر بہت مشہور ہے :-

ترجمہ :- (گھوڑے، رات، دشت و ہیلان، حرب و ضرب، کاغذ اور قلم سب مجھے پہچانتے ہیں) اور اب آپ بھاگ رہے ہیں لیکن اطمینان رکھئے میں کسی سے اس فرار کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ یہ سن کر ابو الطیب فرار کا ارادہ فتح کر کے از سر نو مقابلہ پر آؤنا اور زخمی ہو کر قید حیات سے آزاد ہو گیا۔ اس طرح اس کا شعر ہی اس کی ہلاک کا باعث بن گیا۔ اس کے بعد فاتک کی انتقام کی آگ نے اس کے بچے اور غلام کی زندگی کا چراغ بھی گل کر دیا۔

باب نمبر 32

ابو علی منصور ملقب بہ الحاکم بامر اللہ

فصل 1- حاکم کے ذاتی حالات

ابو علی منصور ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں مصر کے تحت سلطنت پر بیٹھا اور حاکم بامر اللہ کا خطاب اختیار کیا۔ یہ شخص جو عید کا چھٹا فرمانروا تھا جو 386ھ سے 411ھ تک برسر حکومت رہا۔ علم نجوم میں اسے دخل تام تھا اور اس کے احکام و تاثیرات کو دل سے مانتا تھا۔ ظلم و جور کا خوگر تھا۔ سخت گیر اس درجہ کا تھا کہ ارکان سلطنت اس کی بیعت اور خوف سے لرزتے رہتے تھے۔ اس کے عہد سلطنت میں بہت سے شرفاء و اعیان نجوف جان و آبرو و شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سیوطی نے اس کو ”سرتاج زندیقان“ کا خطاب دیا ہے اور بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فرعون کے بعد مصر کے تحت حکومت پر حاکم سے بدتر کوئی فرمانروا نہیں بیٹھا۔ فرعون کی طرح اس نے بھی ربوبیت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے اپنے تئیں سجدے کرائے۔ اس نے حکم دیا تھا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ بسم اللہ الحاکم الرحمن الرحیم لکھا کریں۔ حاکم نے بہت سے تملیق حاشیہ نشین اپنے گرد جمع کر لئے تھے جو اسے خدا کہہ کر پکارتے تھے اور اس کی شان میں یا واحد یا اَحَد یا مُحَيٍّ یا مُمِيتٌ جیتے۔ اس کے ایک خوشامدی محمد بن اسماعیل نے ایک کتاب تالیف کی جس میں بیان کیا کہ ابو البشر کوم علیہ السلام کی روح سب سے پہلے علی علیہ السلام کے جسد مبارک میں منتقل ہوئی۔ اس کے بعد حاکم کے جسم پاک میں داخل ہوئی چنانچہ شاہ حاکم خداوند جل و علاء کا ایک منظر کامل ہے۔ یہ کتاب جامع قاہرہ میں پڑھی گئی اور ممالک محروسہ میں اس کی خوب اشاعت کی گئی۔ 396ھ میں حاکم نے حکم دیا کہ جہاں کہیں میرا نام لیا جائے بازار ہو یا کوئی اور مقام سننے والا کھڑا ہو کر سننے تو فوراً سر بسجود ہو جائے۔ اسی طرح حکم دیا کہ جب خطیب منبر پر میرا نام لے تو تمام لوگ میرے نام کی عظمت اور احترام کیلئے سر و قد کھڑے ہو جائیں اور صفیں باندھ کر سر سجدے میں رکھ دیں۔

صحابہ کرامؓ کو گالیاں اور علمائے اہل سنت و جماعت کی جانتانی :-

حاکم کو رخصت میں بڑا غلو تھا۔ اس نے نماز تراویح پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ مساجد کے دروازوں اور شارع عام پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں لکھوا کر آویزاں کر دیں۔ اپنے عمال کو حکم دیا کہ اصحاب رسول ﷺ کو علیؓ ردس الاشہاد گالیاں دی جایا کریں۔ اس نے

402ھ میں ملوخیہ نام ایک میوہ اور جرجیر (ترہ تیزک) کے کھانے کی ممانعت کر دی اور اس نئی کی علت یہ قرار دی کہ امیر معاویہؓ کو ملوخیہ کھانے کی رغبت تھی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا میلان طبع جرجیر کی طرف تھا۔ حاکم نے ان پھیلیوں کے کھانے سے بھی لوگوں کو جبرا روک دیا جن پر چھلکے نہ ہوں اور اس حکم کے بعد جن دکانداروں نے ایسی پھیلیاں فروخت کیں انہیں قتل کر دیا۔ علمائے حق سے سخت عناد رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مکان آراستہ کر کے علمائے اہل سنت و جماعت کو مدعو کیا۔ جب تمام حضرات تشریف لے آئے تو مکان کو منہدم کر دیا۔ تمام فقہاء و محدثین (کثر اللہ امثالہم) دب کر روضہ رضوان کو چلے گئے۔ 393ھ میں حاکم کے عامل دمشق اسود نام نے اہل سنت و جماعت کے ایک نامور عالم کو جو مغربی کے لقب سے مشہور تھا گرفتار کیا اور انہیں گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشریف کیا۔ ایک منادی ان کے آگے آگے ندا کرتا جا رہا تھا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو ابو بکرؓ اور عمرؓ سے محبت رکھے۔ اس تشریف کے بعد تیغ خون آشام سے ان کو بھری کی طرح ذبح کر دیا گیا۔ رب ذوالنہض شہید کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہمیں ان کے قدموں میں اٹھائے لیکن معلوم ہوتا ہے آغاز شباب کا عالم ہی اس ظلم آرائی اور خون آشامی کا جواب وہ تھا ورنہ اس کے بعد بھوں بھوں عمر اور تجربہ میں چنگلی پیدا ہوتی مگر اس قسم کی بیدادگری اور خفیف الحرقہ میں انخطاط پیدا ہوتا گیا چنانچہ چند سال کے بعد جب ایک مرتبہ اس سے شکایت کی کہ روانہ فی اہل سنت و جماعت سے نماز تراویح اور نماز جنازہ پڑھنے کی حالت میں تعرض کیا اور پتھر برسائے تو اس نے اسی وقت ایک فرمان لکھوایا جو آئندہ جمعہ کو جامع مصر میں پڑھا گیا۔ اس فرمان کا خلاصہ یہ ہے ”اے گروہ مسلمانان! ہم ائمہ ہیں اور تم امت ہو۔ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں سے میل جول کرو۔ جو لوگ رسالت کا اقرار کریں اور دو شخصوں میں نفاق نہ ڈالیں وہ سب اسی اخوت اسلامی میں داخل ہیں۔ گزشتہ واقعات نسیا مٹا کر دیا جائے۔ صائم اپنے حساب سے روزے رکھیں اور افطار کریں۔ اہل روایت روزہ دار ہونے کی وجہ سے افطار کرنے والوں سے تعرض نہ کریں۔ نماز چاشت اور نماز تراویح سے کوئی مانع نہ ہوگا۔ نماز جنازہ پر پانچ تکبیریں کہنے والے کہیں اور چار تکبیریں کہنے والے چار سے نہ روکے جائیں۔ مؤذن اذان میں حی علیٰ خیر العمل پکاریں اور جو مؤذن اذان میں یہ کلمہ نہ کہے اسے ستیانہ جائے۔ اصحاب کو گالیاں نہ دی جائیں اور ان کی تعریف کرنے والوں سے مواخذہ نہ کیا جائے اور اس بارہ میں جو شخص ان کا مخالف ہے وہ مخالف رہے۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے اعتقادات میں دخل اندازی نہ کرے۔“

ایک حق پرست عالم کی حق گوئی :-

لوپر لکھا جا چکا ہے کہ حاکم اختارہ کا حکمران اور جابر تھا لیکن عجیب روزگار دیکھو کہ پختگی عمر کے ساتھ ساتھ تکبر و جور کا دریائے جوش بھی سنجیدگی اور رواداری کے بہت سے نشان نیچے اتر آیا۔ ان خلکان ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ حاکم اعیان دولت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ایک خوشامدی حاشیہ نشین نے قرآن پاک کی آیت۔ ترجمہ :- (مجھے اپنی ربوبیت کی قسم ہے کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام معاملات و نزاعات میں آپ کو حکم نہ بنائیں اور پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس میں کسی قسم کی ناگواری بھی محسوس نہ کریں بلکہ کما حقہ اس کو تسلیم کر لیں اور اس مجلس میں آیت کا پڑھنے والا حاکم کی طرف اشارہ کرتا جا رہا تھا جب وہ آیت پڑھ چکا تو ایک حق پرست عالم حق جنہیں ان شجر کہتے تھے کھڑے ہو گئے اور اس خیال کی تردید میں یہ آیت پڑھنے لگے۔

ترجمہ :- (تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو وہ بلاشبہ اپنی اجتماعی قوت سے ایک افواہی سی کمبھی کو پیدا نہیں کر سکتے، وہ تو ایسے عاجز و درماندہ ہیں کہ اگر کمبھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ ایسے عابد و معبود دونوں ہی ضعیف و بے بس ہیں۔ ان لوگوں نے خدائے ذوالجلال کا اجلال جلال ملحوظ نہیں رکھا حق تعالیٰ قوی اور سب پر غالب ہے) یہ سن کر حاکم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور ان مشجر کو انعام دینے کا حکم دیا اور خوشامدی کو کچھ نہ دیا۔ اس کے بعد ان مشجر کے ایک دوست نے اس کو رائے دی کہ تمہیں حاکم کے کینہ و عناد کا علم ہے گو اس وقت تم سے مواخذہ نہیں بلکہ الٹا انعام دیا ہے لیکن اس کے دل میں تمہاری طرف سے بغض پیدا ہو گیا ہے اس لئے اغلب ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی حیلہ بنا کر تمہیں آزار پہنچائے گا۔ پس قرین صواب یہ ہے کہ یہاں سے کسی دوسری جگہ چل دو۔ ان مشجر نے فوراً راج کی تیاری کر دی۔ جب جہاز میں سوار ہو کر جا رہے تھے تو راستہ میں سو گئے۔ ان کے دوست نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا حال ہے؟ کہا کہ خدائے غفار نے جمیل نیت اور حلال رزق کی برکت سے میری مغفرت فرمادی۔

حاکم کا فرقہ دُروز اور اس کے عقاید کفریہ :-

اوپر لکھا گیا ہے کہ محمد بن اسماعیل نام ایک شخص نے یہ عقیدہ اختراع کیا تھا کہ شاہ کردگار کا ایک منظر کامل ہے اور اس کی ذات میں الوہیت کی شان پائی جاتی ہے۔ بدعت آمیز عقیدت حاکم کو کچھ ایسی پسند آئی کہ اپنی رعایا میں سے بعض لوگوں کو دواود ہش سے اور بعض کو

اپنے بادشاہی رعب سے اس مشرکانہ عقیدہ کا پابند مانے لگا۔ اس طرح جو لوگ محمد بن اسماعیل کے ہم عقیدہ منائے گئے ان کو دربار میں عمدہ دیا گیا۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ اسی عقیدے پر راسخ ہو گئے۔ وادی یم میں آج تک بہت سے ایسے دیہات پائے جاتے ہیں جو حاکم کی رجعت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ حاکم لوٹ کر آئے گا اور روئے زمین کی بادشاہت کرے گا۔ دروز اپنے لئے موحّد کا لقب زیادہ پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ توحید کو ان کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکا۔ 408ھ میں حاکم کو حمزہ بن علی نام ایک اچھا ایرانی داعی مل گیا۔ یہ شخص نہایت فصیح و بلیغ اور بڑا فطرتی شخص تھا۔ حاکم نے اس کی ذات میں غیر معمولی قابلیت کے جوہر دیکھ کر اس کو اپنا وزیر بنالیا۔ اس نے حاکم کے دعوؤں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس طرح حاکم کے پیروکار اسے مظہر الہی یقین کرنے لگے۔ حمزہ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ یورپ میں چھپا ہوا ہے جو بہت مقبول ہوا۔ اس میں اس نے ذکر کیا ہے کہ خدا نے برگزیدہ ہستیوں کو اوتاروں کی صورت میں ظاہر کیا جن کی تعداد اسی ستر ہے۔ ان میں علی مرتضیٰ افضل ہیں۔

ان ستر اوتاروں میں سے آخری اوتار حاکم بامر اللہ ہے۔ اب کوئی نیا اوتار ظاہر نہیں ہو سکتا کیونکہ ذات خداوندی نے حاکم کی صورت میں آخری مرتبہ دنیا میں اپنا جلوہ دکھایا لیکن جب اہل عالم کی پریشانیاں اور مشکلات غایت کو پہنچ جائیں گی تو حاکم دنیا پر حکومت کرنے اور اپنے مذہب کو راسخ کرنے کیلئے دوبارہ ظاہر ہو گا اور لبد الآبائیک فرمانروائی کرے گا۔ اس وقت تمام مذاہب کے پیرواس کے تابع فرمان ہوں گے۔ مخالف طاقتیں پا جو لاں حاضر کی جائیں گی اور ان کو جزیہ دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ دروز ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد بن عبد اللہ (حضور سید کائنات ﷺ) کے بعد ایمان کو اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جناب محمد ﷺ (معاذ اللہ) صرف قرآن کی تزیل یعنی ظاہری اور لغوی معنی کو سمجھ سکے تھے اور اس کے حقیقی اور مرادی معنی صرف حاکم بامر اللہ ہی سمجھا تھا۔ جس میں شان الوہیت پائی جاتی تھی گو دروز مسلمان کہلاتے ہیں لیکن اسلامی شعار سے ان کو بہت کم حصہ ملا ہے۔ وہ حضرت سید الاولین و الآخرین ﷺ سے کچھ زیادہ حسن عقیدت نہیں رکھتے۔ صوم و صلوة سے نا آشنا ہیں۔ لحم خنزیر اور شراب بے تکلف کھاتے پیتے ہیں۔ ان کے نکاح و ازدواج میں اسلامی رسوم کی کوئی جھلک نہیں دکھائی دیتی۔ البتہ ختنہ کرنے کا رواج پایا جاتا ہے۔

حاکم کا قتل :-

حاکم کے قتل کے متعلق روایتیں مختلف ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس نے اپنی ہمسر بنت الملک پر یہ الزام لگایا تھا کہ سہ سالار سے اس کی آشنائی ہے اور اس کو ڈانٹا اور گالیاں دیں بہن نے اس

کے قتل کا عزم مصمم کر لیا چنانچہ حاکم ایک رات سوار ہو کر ستروں کی تحقیق و تفتیش کیلئے اور بقول خود احکام خداوندی حاصل کرنے کی غرض سے کوہ معظم پر گیا دفعتاً بنت الملک کے دو حبشی غلاموں نے وہاں پہنچ کر اسے قعر ہلاک میں ڈال دیا اور لاش بنت الملک کے پاس اٹھالائے اس نے لاش اپنے صحن خانہ میں گاڑ دی۔ ابن خلدون اور بعض دوسرے مورخوں نے اس کے حادثہ قتل کو یوں لکھا ہے۔ حاکم کے کانوں تک خبر پہنچی کہ اس کی بہن کے پاس اجنبی مرد آمدورفت رکھتے ہیں۔ اس بنا پر حاکم نے اپنی بہن کو دھمکایا اس نے ناراض ہو کر ابن دواس سپہ سالار کو بلا بھیجا اور اس سے کہنے لگی کہ میرا بھائی بد عقیدہ ہو گیا ہے اور اس کی بد اعتقادی سے مسلمانوں کے قدم ڈنگار ہے ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس کو ٹھکانے لگا دو لیکن خبردار کہ یہ راز افشاء نہ ہونے پائے ورنہ تیری اور میری دونوں کی خیر نہیں۔ اگر تم اس خدمت کو حسن اسلوب سے انجام دو گے تو تمہیں بڑا عروج نصیب ہو گا اور ایک بڑی جاگیر کا مالک بنادوں گی“ ابن دواس جو پہلے ہی سے کھٹکا ہوا تھا بے تامل اس کام پر مستعد ہو گیا اور دو شخصوں کو اس کی جانشانی پر متعین کر دیا۔ حاکم عموماً رات کے وقت گدھے پر سوار ہو کر شرکاء چکر لگایا کرتا تھا۔ اس نے کوہ معظم پر ایک مکان بنا رکھا تھا جہاں جا کر کوآب کی روحانیت جذب کرنے کیلئے تیار ہا کرتا تھا چنانچہ 17 شوال 411ھ کو حسب معمول رات کے وقت اپنے گدھے پر سوار ہو کر نکلا۔ دو سوار ساتھ ہوئے۔ اس نے دونوں سواروں کو بھگا کر واپس کر دیا۔ اس کے بعد پھر کبھی لوٹ کر نہ آیا۔ چند روز تک اراکین سلطنت اس کی آمد کے منتظر رہے۔ بالآخر قاضی اور دوسرے مصاحب تلاش کو نکلے اور جب کوہ معظم پر چڑھے تو اس کی سواری کے گدھے کو دیکھا، آگے بڑھے تو حاکم کا پھٹا ہوا کپڑا ملا۔ جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ چھریوں کے زخم لگائے گئے ہیں۔ جب کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا تو اراکان دولت جمع ہو کر اس کی بہن بنت الملک کے پاس گئے۔ جو امور سلطنت میں یکتا تھی اس کے حکم پر ابن دواس حاضر ہوا۔ بنت الملک کی رائے سے حاکم کے خور و سال پچھلے علی نام کو سریر سلطنت کیا گیا۔ بیعت لینے کے بعد ”الظاہر لا عزاز دین اللہ“ کا خطاب اختیار کیا۔ بیعت کے دوسرے دن ہی سپہ سالار اور فوجی سرداروں کے ساتھ بنت الملک کے پاس حاضر ہوا۔ بنت الملک نے اپنے خادم کو اشارہ کیا۔ اس نے لپک کر ابن دواس کو تلوار پر اٹھالیا اور انہیں عمدیداروں کی موجودگی میں قعر عدم میں پہنچا دیا۔ بنت الملک نے کہا ”یہ حاکم کے خون کا بدلہ ہے کسی نے دم نہ مارا۔“

علامہ مقریزی نے بہن یا سپہ سالار کی شرکت قتل کو بالکل غلط اور بے جیاد ٹھہرایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”محرم میں ایک آدمی گرفتار ہوا۔ جس نے اقرار کیا کہ ہم چار آدمیوں نے جو مختلف بلاد میں منتشر ہو گئے تھے حاکم کو قتل کیا۔ اس نے حاکم کے جسم کے بعض خشک ٹوٹھڑے بھی نکال کر دکھائے۔ اس سے دریافت کیا گیا کہ تم نے حاکم کو قتل کیوں کیا؟ تو کہنے لگا کہ اس کی بے دینی

کی بنا پر۔ مجھے اللہ اور اسلام کی خاطر غیرت آگئی۔ پھر پوچھا گیا کہ تم نے اسے کس طرح قتل کیا تھا تو اس نے ایک چھری نکالی اور کہنے لگا دیکھو میں نے اس کو یوں قتل کیا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے چھری اپنے سینے میں گھونپ لی۔ یوں خودکشی کر کے ہلاک ہو گیا۔ یہ واقعہ قتل کر کے مقریزی لکھتے ہیں کہ قتل حاکم کا صحیح واقعہ یہ ہے۔ یوں کہنا کہ اس کی بہن نے اسے قتل کر لیا بالکل بے اصل اور غیر صحیح ہے۔ علی بن حاکم کی تحت نشینی کے بعد سلطنت کی مگر ان ہوئی اور چار برس تک زمام حکومت اپنے دست اختیار میں رکھ کر رہے اے عالم آخرت ہو گئی۔

فصل 2- عبیدی قلمرو پر عباسی پرچم

عبید اللہ اور اس کی اولاد و اتحاد میں سے تیرہ بادشاہ دو سو ستر سال 297ھ سے 567ھ تک شمالی افریقہ اور مصر کے فرمانروا رہے جن میں سے حاکم بامر اللہ چھٹا تھا۔ حاکم کے بعد آٹھ اور تاجدار برسر حکومت رہے۔ خلیفہ مستقی باللہ عباسی کے آغاز خلافت میں دولت، عبید کا ٹھناتا ہوا چراغ ہمیشہ کیلئے گل ہو گیا اور 567ھ میں خلیفہ مستقی کے نام کا خطبہ مصر کی جامع مسجد میں پڑھا گیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عبید کے آخری تاجدار عاضد الدین اللہ کے عہد سلطنت میں تمام اختیارات جہانبانی وزیر شاہور کے ہاتھ میں تھے اور بادشاہ وزیر کے ہاتھ کی کٹ پتلی بنا ہوا تھا۔ اتفاق سے ضرغام نام ایک شخص ملنے آیا اور شاہور کو منہزم کر کے خود وزیر بن بیٹھا۔ ضرغام نے عنان وزارت سنبھالتے ہی رعایا پر ظلم و ستم کرنا شروع کیا اور بہت سے امراء اعیان دولت کو اس خیال سے قعر ہلاکت میں ڈال دیا کہ کوئی شخص اس سے باز پرس کرنے والا باقی نہ رہے۔ شاہور مصر بھاگ کر شام پہنچا۔ ان دنوں سلطان نور الدین محمود زنگی خلافت ماب کی طرف سے شام و مصر کا حیران تھا۔ شاہور سلطان نور الدین سے بصد منت التماس کرنے لگا کہ اگر آپ اپنے لشکر کی مدد سے مجھے مصر کی وزارت پر بحال کرادیں تو میں فوجوں کی تنخواہ وضع کرنے کے بعد مصر کے مداخل کا تیسرا حصہ آپ کی نذر کیا کروں گا اور آپ کے فوجی افسر سید الدین کوہ کو مصری افواج سپہ سالار بنادوں گا۔ ان ایام میں اسد الدین شیر کوہ اور اس کا بھائی نجم الدین ایوب اور بھتیجا صلاح الدین ایوب سلطان نور الدین کی سرکار میں مختلف عہدوں پر ممتاز تھے۔ صلیبی لڑائیاں برپا تھیں اور فرنگیوں نے بلاد اسلامی میں سخت دھاچہ کڑی چار کھی تھی۔ سلطان نور الدین کی خواہش نہ تھی کہ مصری معاملات میں دخل دے لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اگر شاہور کی درخواست مسترد کردی تو یہ فرنگیوں سے مدد مانگے گا اور وہ جاکر مصر پر تسلط ہو جائیں گے۔ عون و نصرت کا وعدہ کر لیا چنانچہ جمادی الاولیٰ 559ھ میں اسد الدین شیر کوہ کو مصر روانہ کیا اور خود فوج لیکر اس احتمال پر دمشق کے مضامفات میں روانہ کیا کہ اگر فرنگی شیر کوہ سے تعرض کریں تو ان کو مار ہٹائے۔

شاہ در کی محالی وزارت اور عہد شکنی :-

جب ضرغام کو معلوم ہوا کہ شاہ در سلطان نور الدین کی فوج لارہا ہے تو اس نے اپنے والی ناصر الدین کو مصری فوج کے ساتھ مدافعت کیلئے روانہ کیا۔ شیر کوہ فوج لئے شہر بلیس پہنچا تو ادھر سے ناصر الدین آمو جو ہوا۔ دونوں فوجوں میں ٹڈ بھڑ ہوئی اور ناصر الدین نے منہزم ہو کر قاہرہ میں جادام لیا۔ شیر کوہ نے قاہرہ پہنچ کر اس کی فوج کو دوبارہ ہزیمت دی اور شاور کو کرسی وزارت پر مستحکم کر دیا لیکن اس کے بعد شاور نے بد عہدی اور بے وفائی کی اور جو وعدے سلطان نور الدین سے کر آیا تھا ان سے تخلف کیا اور جب شیر کوہ نے وہ وعدے یاد دلائے تو جواب تک دینے سے پہلو تھکی کی۔ اس وقت یورپ کے صلیبیوں نے سواحل مصر و شام پر قبضہ جمار کھا تھا۔ اس کے قرب و جوار کے صوبوں کو دبا لیا تھا اور مصری مقبوضات میں بھی نفوذ کر رہے تھے جب شاور نے دیکھا کہ شیر کوہ شام واپس جانے کیلئے تیار نہیں اور ان وعدوں کے ایفا پر مصر ہے جو اس نے سلطان نور الدین سے کئے تھے تو اب یہ احسان فراموش شخص فرنگیوں کے سامنے کچھ شرطیں پیش کر کے ان سے درخواست کرنے لگا کہ ”وہ اگر شیر کوہ کو مصر سے نکال دیں“ اہل یورپ جو مدخلت کی کوشش کرتے رہتے ہیں اس درخواست پر بہت خوش ہوئے۔ اس سے قطع نظر فرنگیوں کو معلوم تھا کہ اگر شیر کوہ نے مصر میں قدم جمالئے تو مصر پر عمل و دخل کرنے کے مسیحی منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ اس دعوت کو لبیک کہا اور جھٹ ایک جہاز لیکر میاط سے آپہنچے۔ شیر کوہ کی جمعیت بہت قلیل تھی اس لئے وہ شہر بلیس چلا گیا۔ فرنگی اور مصری فوجیں بلیس پہنچیں اور جا کر شہر کا محاصرہ کر لیا باوجودیکہ نہ کوئی خندق تھی اور نہ شہر پناہ شیر کوہ نے اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ ان کے دانت کھٹے کر دیئے۔ جب محاصرہ کو تین مہینے گزر گئے تو محاصرین کے پاس خبر آئی کہ حارم کے مقام پر سلطان نور الدین سے فرنگیوں نے معرکہ شروع کر رکھا تھا۔ اس میں فرنگیوں کو ہزیمت ہوئی اور سلطان حارم پر قبضہ کر کے قلعہ بانیاں کی طرف بڑھ رہا ہے فرنگیوں کو یقین ہوا کہ اب سلطان نور الدین ضرور کمک بھجے گا یا مدد کیلئے خود آئے گا۔ اس سے قطع نظر انہیں یہ بھی خطرہ تھا کہ سلطان نور الدین حارم کی لڑائی سے فارغ نہ ہو کر کہیں فرنگی مقبوضات پر بل نہ بول دے۔ ان وجوہ کی بنا پر انہوں نے واپس جانے کا قصد کیا اور شیر کوہ کو پیغام بھیجا کہ اگر تم اہل مصر سے کوئی تعرض نہ کرو اور چپ چاپ شام کو واپس چلے جاؤ تو ہم محاصرہ اٹھا لیتے ہیں چونکہ سامان رسد اور ذخائر ختم ہو چکے تھے اور شیر کوہ کو معلوم نہ تھا کہ سلطان نور الدین نے فرنگیوں کو ہزیمت دی ہے اس لئے فرنگیوں کی یہ شرط منظور کر لی۔ اور اسد الدین شیر کوہ نے شام کی طرف مراجعت کی۔

فرنگیوں کی ہزیمت :-

شام پہنچ کر اسد الدین شیر کوہ برآمد مصر رہا کہ اس مصر پر تاخت کرنے کیلئے روانہ کیا جائے۔ نور الدین رضامند نہ ہوتا تھا کیونکہ خود شام کے ارگرد میں صلیب سے مصر کے پراپتھے۔ آخر 562ھ میں سلطان نے اسد الدین شیر کوہ کو دو ہزار سوار دیکر مصر آنے کی اجازت دی۔ شیر کوہ نے خشکی کا راستہ اختیار کیا اور فرنگی دیار کے داہنی طرف سے دریائے نیل کو عبور کیا۔ جب شاور کو معلوم ہوا کہ اسد الدین شیر کوہ آ رہا ہے تو اس نے فرنگیوں کو آگاہ کر دیا کہ مبادا شیر کوہ مصر پر قبضہ کر لے اور ان کی دیرینہ آرزوئیں طاق اہمال پر رکھی رہ جائیں، فوجیں لیکر ربيع الآخر 562ھ کو شیر کوہ کے سامنے منصف آراء ہوئے۔ شیر کوہ نے جاسوس بھیج کر دشمن کی جمعیت معلوم کی تو بتایا گیا کہ فرنگی افواج کی تعداد کا کوئی حدود حصر نہیں ہے۔ شیر کوہ اپنی قلت سپاہ کو دیکھ کر سوچنے لگا کہ مقابلہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ آخر اپنی فوج سے مشورہ کیا۔ اکثر نے یہ رائے دی کہ دریائے نیل کو شرقی جانب سے عبور کر کے شام واپس جائیں کیونکہ یہاں کسی ملک کے پہنچنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی اور اگر ہم مغلوب ہو گئے تو پھر بھاگ کر جان چانے کی امید نہیں۔ یہ سن کر شرف الدین برغش نام ایک فوجی امیر جو سلطان نور الدین کا مملوک تھا کہنے لگا کہ جو شخص قتل یا قید سے ڈرے گا گھر میں بیوی کے پاس رہنا چاہئے۔ اس کے یہاں آنے کی قطعاً ضرور نہیں تھی۔ اس کے بعد اگر ہم واپس چلے گئے تو سلطان نور الدین کو کیا جواب دیں گے۔ وہ کہہ چکا کہ تم مصر کو فرنگیوں کے ہاتھ میں چھوڑ آئے؟ شیر کوہ نے کہا یہی رائے صائب ہے اور میں اسی پر عمل کروں گا۔ شیر کوہ کے بھتیجے صلاح الدین نے بھی جو بعد میں صلاح الدین فاتح بیت المقدس کے نام سے مشہور ہوئے شرف الدین کی رائے کو پسند کیا اور سب لوگ اسی رائے سے متفق ہو گئے کہ نبرہ آزمایا ہوئے بغیر واپس نہ جانا چاہئے۔ شیر کوہ نے اپنے لشکر کو آراستہ کیا۔ فوج میں جس قدر شجاع اور بہادر تھے ان کو اپنے لئے الگ کر لیا۔ صلاح الدین کو قلب لشکر پر متعین کیا اور اس کو سمجھا دیا کہ مصری اور فرنگی یہ سمجھ کہ تم مقابلہ پر حملہ آور ہو گے لیکن تم مقابلہ نہ کرنا۔ ترتیب سے پیچھے ہٹنا شروع کر دینا۔ جب میں دیکھوں کہ فرنگی لشکر قابو میں آگیا تو کمین گاہ سے نکل کر ہلے بول دوں گا۔ اس وقت تم بھی پلٹ کر دشمن پر حملہ کر دینا۔ یہ کہہ کر شیر کوہ کار آزمودہ جنگجوؤں کو ساتھ لیکر کمین گاہ میں چلا گیا۔ غرض لڑائی چھڑی۔ فرنگی اور مصری یہ یقین کر کے کہ شیر کوہ قلب لشکر میں ہو گا قلب ہی پر حملہ آور ہوئے۔ صلاح الدین نے برائے نام مقابلہ کر کے ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ فرنگی اس کے تعاقب میں بڑھے۔ یہ دیکھ کر اسد الدین شیر کوہ نے اچانک حملہ کر دیا۔ فرنگی اس غیر متوقع حملہ سے بدحواس ہو گئے۔

سلطان نور الدین سے شاہ مصر کی درخواست کہ مصر کو فرنگیوں سے چھائیے :-

فرنگی فوج 10 صفر 554ھ کو مصر پہنچی اور آتے ہی قاہرہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس مرتبہ فرنگی شاور کی دعوت پر نہیں آئے تھے۔ بلکہ از خود مصر پر عمل و دخل کا تہیہ کر کے ادھر کا رخ کیا تھا۔ شاور نے فرنگیوں کے قابض ہو جانے کے خوف سے شہر مصر میں آگ لگادی اور اہل شہر کو حکم دیا کہ سب لوگوں قاہرہ کو منتقل ہو جائیں۔ شہر میں بھاگڑیج گئی اور لوٹ مار شروع ہو گئی۔ لوگ بالکل تباہ ہو گئے۔ جائیداد منقولہ لٹ گئی اور غیر منقولہ آگ کی نذر ہو گئی۔ ہزار ہا خانماں برباد کھلے میدانوں میں پڑے تھے۔ چون ہزار تک مصر کی عمارتیں نذر آتش رہیں۔

ان دردناک حالات کا مشاہدہ کر کے شاہ عاصد نے سلطان نور الدین کے نام پیغام بھیجا کہ مسلمانوں تباہ حال ہیں۔ ان میں فرنگیوں کے اند فاع کی طاقت نہیں ہے اور ساتھ ہی ایک جنمبی میں زنانہ بال ملفوف کر کے لکھا کہ یہ بال میری بیویوں کے ہیں جو حرم شاهی سے بچھ گئے ہیں وہ آپ سے استغاثہ کرتی ہیں کہ ازمائے خدا ہمیں فرنگیوں کے دست ہیداد سے چھائیے۔ اب فرنگیوں نے محاصرہ میں بڑی سختی کر دی۔ شاور نے فرنگی سپہ سالار کے پاس پیغام بھیجا کہ میں نے پہلے بھی آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا اور اس دفعہ بھی میں آپ کا تابع فرمان اور ہر طرح طے ہی خواہ ہوں البتہ مجھے نور الدین اور عاصد کی طرف سے کھٹکا ہے اس لئے راہ کرم آپ میری قدیم دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے محاصرہ اٹھا لیجئے۔ فرنگیوں کو اس وقت روپیہ کی اشد ضرورت تھی اس کے علاوہ دیکھ رہے تھے کہ اہل مصر ان کے قبضہ مصر سے ناخوش ہیں اور اگر بالفرض جبراً و تیراً عمل و دخل کر لیا تو بھی سلطان نور الدین انہیں مصر سے نکال دے گا۔ اس لئے مطالبہ کیا کہ اگر ایک لاکھ دینار تاوان دو تو ہم محاصرہ اٹھا کر چلے جاتے ہیں شاور نے کھلا بھیجا کہ خزانہ بالکل خالی ہے اور اتنی بڑی رقم کا فوری انتظام قطعاً ناممکن ہے اس لئے اگر آپ محاصرہ اٹھا لیں تو میں اس رقم کی فراہمی کا انتظام کروں۔ فرنگی محاصرہ اٹھا کر شہر سے تھوڑے فاصلہ پر چلے گئے اور شاور نے اہل قاہرہ سے زبردستوں کر شروع کیا۔ مگر اہل مصر میں سے جتنے سرمایہ دار اور آسودہ حال لوگ تھے وہ سب لٹ چکے تھے اور جائیدادیں تباہ ہو گئیں تھیں یہاں تک کہ نان شبینہ تک کے محتاج ہو گئے تھے اور قاہرہ میں زیادہ تر اہل فوج اور غلام لوگ رہتے تھے

جن سے کچھ حاصل حصول کی امید نہ تھی۔ شاور نے فراہمی زر کی بہت کوشش کی مگر پانچ ہزار دینار بھی جمع نہ ہو سکا۔ اس سے پہلے عمائد اعیان مصر نے شاور کی بے خبری میں سلطان نور الدین کو لکھ بھیجا تھا کہ اگر آپ ہمیں نصاریٰ کی دستبرد سے چائیں تو مصر کے تمام محاصل آپ کی تذر کئے جائیں گے۔ اور شیر کوہ کو مصری افواج کا قائد اعظم بنادیا جائے گا۔ سلطان نور الدین کو شاہ عاضد کی چھٹی مصر میں پہنچی۔ سلطان نے اسد الدین کو مصر آنے کا حکم دیا۔ اور فوجی ملبوسات، سواری اور اسلحہ کے علاوہ دو لاکھ دینار نقد عطا کیے اور چھ ہزار گھڑ چڑے بہادر ساتھ کئے اور اپنی طرف سے ہر سوار کو بیس بیس دینار انعام دیئے۔ اور اسد الدین شیر کوہ کے ہمراہ صلاح الدین یوسف بن ایوب اور بعض دوسرے نامی گرامی اعیان سلطنت کو بھی ساتھ کر دیا۔ شیر کوہ فتح و اقبال مندی کے پھریرے اڑاتا ہوا مصر کی طرف بڑھا۔ جب قریب پہنچا تو فرنگی اس کے آنے کی خبر سن کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ شیر کوہ 7 جمادی الآخر کو قاہرہ پہنچا۔ اور شاہ عاضد سے ملاقات کر کے ایک گراں بہا خلعت پیش کیا۔ شیر کوہ کی آمد پر اہل مصر نے بڑی خوشیاں منائیں اس نے اہل شہر کے زخمی دلوں پر ہمدردی کا مہم رکھا اور مصری فوج کو انعام و اکرام سے نوازا۔ چونکہ شیر کوہ کے ساتھ بڑی جمعیت تھی شاور کسی طرح دم نہ مار سکا۔ اور جب اسے معلوم ہوا کہ شیر کوہ شاہ عاضد اور امراء دولت کی طلبی پر آیا ہے تو متعلق و چالپوسی کا شبیدہ اختیار کیا۔ ہر روز سوار ہو کر شیر کوہ کے پاس جاتا اور بہت دیر تک بیٹھا رہتا۔ اب شاور نے ارادہ کیا کہ اسد الدین شیر کوہ اور اس کے ساتھیوں کی دعوت کر کے ان کو اسیر کرے پھر شامی سپاہ کو مصری فوج میں شامل کر لے اور اس متحدہ سپاہ کی مدد سے فرنگیوں کو مار بھگائے۔ شاور کا یہنا بڑا غیور مسلمان تھا۔ اس نے باپ کو سمجھایا کہ اس سوداے خام کو دل سے نکال دو شیر کوہ تمہارے دھوکے میں نہیں پائے گا۔ اور اگر وہ اس فریب میں آگیا اور تم نے اس پر قابو پا کر نذر اہل کر دیا تو پھر اہل فرنگ اگر مصر کی اینٹ سے اینٹ جادیں گے اور تمہیں بجائے لینے کے دیے پڑ جائیں گے۔ شاور نے کہا پنا! اگر میں ایسا نہ کروں تو شیر کوہ ہم سب کو ہلاک کر دے گا۔ بیٹے نے کہا چاہے لیکن اگر ہم مسلمان ہونے کے باوجود بلاد اسلامی میں قتل ہو جائیں تو یہ اس سے برا نہیں اچھا ہے کہ ہم شیر کوہ اور اس کے ساتھیوں کی جان لے کر فرنگیوں کو مصر کا مالک بنادیں۔ جو نئی فرنگیوں کو خبر لگے گی کہ تم نے شیر کوہ کو قید کر لیا ہے تو وہ فوراً آدھمکیں گے۔ ایسی حالت میں اگر خود شاہ عاضد بھی جا کر نور الدین سے ہزار منت سماجت کرے تو وہ ایک سوار بھی بھیجنے پر رضا مند نہ ہوگا۔ غرض بیٹے کے سمجھانے سے شاور اس خیال خام سے درگزر کر۔ اب صلاح الدین یوسف اور بعض دوسرے شامی افسروں نے صلاح کی کہ شاور کا قصہ پاک کر دیا جائے لیکن شیر کوہ نے انہیں اس اقدام سے روک دیا ایک مرتبہ شاور حسب معمول اسد الدین کے لشکر میں گیا اور

دیکھا کہ شیر کوہ خیمہ میں نہیں ہے۔ شاور نے اس کے متعلق دریافت تو صلاح الدین یوسف اور بعض دوسرے سرداروں نے بتایا کہ وہ لام شافعی کے مزار مبارک کی زیارت کرنے گیا ہے اور ہم بھی وہیں جا رہے ہیں یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ شاور بھی ساتھ ہو لیا۔ ان لوگوں نے راستہ میں شاور کو قید کر لیا۔ شاور کے اردلی بھاگ گئے جب شاہ عاصد کو معلوم ہوا کہ شاور قید کر لیا گیا ہے تو بہت خوش ہوا اور شیر کوہ کے پاس پیغام بھیجا کہ شاور کو قتل کر کے اس کا سر میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ شاور ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد شیر کوہ قصر شاہی میں گیا۔ شاہ عاصد نے خلعت اور قلمدان وزارت پیش کیا۔ اور الملک المنصور، امیر جیوش کا خطاب دے کر تمام سیاہ و سپید کا مالک بنادیا۔

صلاح الدین یوسف کی وزارت مصر :-

مگر افسوس ہے کہ چشم فلک کو شیر کوہ کی یہ کامرانی ایک آنکھ نہ بھائی اور اس نے دو مہینہ اور پانچ دن کی وزارت کے بعد 22 جمادی الآخر 564ھ کو امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی شاہ عاصد نے اس حادثہ کے بعد اس کے لائق برادر زادہ صلاح الدین یوسف بن ایوب کو وزارت عظمیٰ کے منصب پر مامور کیا اور ملک ناصر کا خطاب دیا۔ صلاح الدین اور اس کا چچا اسد الدین شیر کوہ اپنے تئیں سلطان نور الدین ہی کے نائب تصور کرتے تھے جس نے ان دونوں کو مصر بھیج کر یہیں اقامت گزین ہونے کی ہدایت کی تھی۔ صلاح الدین یوسف کا باپ نجم الدین اور اسد الدین شیر کوہ کر دتھے۔ اوائل میں بغداد آ کر مجاہد الدین بہروز کو توال کے پاس نوکر ہوئے تھے۔ مجاہد الدین نے ابن ایوب کو فہم و ذکا اور حسن سیرت میں ممتاز پا کر قلعہ ٹکریت کا محافظ مقرر کر دیا اور شیر کوہ کو بھی ساتھ کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دونوں بھائی سلطان نور الدین کے پاس آ ملازم ہوئے۔ یہاں تک کہ ترقی کرتے کرتے مقررین سلطانی میں داخل ہو گئے الغرض جب صلاح الدین کا قدم استقلال مصر میں اچھی طرح جم گیا تو مخالفوں کی کمر ہمت نوٹ گئی اور شاہ عاصد کے قوائے حکمرانی بالکل مضطرب ہو گئے۔ اس وقت صلاح الدین یوسف تو سلطنت کے سیاہ و سپید کا مالک تھا اور اس کا نائب قراقرش جو امرائے اسدیہ کے اعیان میں سے تھا۔ شاہ عاصد کے محل سرائے پر قابض و متصرف تھا۔ ان ایام میں سلطان نور الدین زنگی نے شام سے یہ پیغام بھیجا کہ شاہ عاصد کا خطبہ بر طرف کر کے دولت عباسیہ کے نامور تاجدار خلیفہ مستعفی باللہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ صلاح الدین یوسف اس خوف سے کہ مبادا اہل مصر سرتابی کریں اس حکم میں لیت و لعل کرنے لگا۔ لیکن جب سلطان نور الدین نے اسے ایک عتاب آمیز چٹھی لکھی تو صلاح الدین نے اقتضائے امر کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ حسن اتفاق سے

انہی دونوں عاصد کا مزاج اعتدال سے منحرف ہوا اور وہ یکبارگی صاحبِ فراش ہو گیا۔ صلاح الدین نے اس معاملہ میں اعیانِ دولت سے مشورہ کیا۔ بعض نے موافقت اور بعض نے مخالفت کی۔ اتفاق سے امیرِ العالم نام ایک عجمی شخص آگیا۔ یہ لیت و لعل دیکھ کر کہنے لگا۔ لو سب سے پہلے میں ہی اس کارِ خیر کا افتتاح کرتا ہوں چنانچہ پہلے ہی جمعہ میں خطبہ سے پہلے منبر پر چڑھ گیا اور خلیفہ مستنصر بالله عباسی کے حق میں دعائے خیر کرنے لگا۔ کسی نے چوں و چراند کی۔ دوسرے جمعہ میں سلطان صلاح الدین نے خطیبوں کا حکم دیا کہ عاصد کے بجائے خلیفہ بغداد مستنصر بالله کے نام کا خطبہ پڑھا جائے چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ کسی شخص نے مخالفت کی جرات نہ کیا۔ عاصد کا مرض دن بدن اشتداد پکڑتا گیا آخر عاشورہ کے دن داعی اجل کو لبیک کہہ کر رات ہی ملکِ بقا ہوا اور دولتِ موعید منقرض ہو گئی۔ سلطان صلاح الدین نے قصرِ شاہی اور اس کے تمام ذخائر و نفائس پر قبضہ کر لیا۔ شاہی خزانہ اور قصرِ شاہی میں اس قدر بیش قیمت اسباب تھا کہ بقول ابنِ خلدون نہ آج تک آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں نے سنا۔ یا قوت، زمرہ، طلائی زیورات، طلائی و نقرئی ظروف، بیش قیمت ملبوسات کی بڑی بہتات تھی۔ ان سب کے علاوہ ایک لاکھ تیس ہزار کتابیں ملیں۔ خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھا جانے کی دیر تھی کہ دولتِ عید یہ کے آثارِ حکومت نیست و نابود کر دیئے گئے اور خلافتِ عباسیہ کا پرچم فضائے مصر پر لہرانے لگا اور اس زمانہ سے مصر میں حکومتِ ابوبیہ کی داغ بیل پڑی۔

باب نمبر 33

نوید کامرانی

سلطان نور الدین کاتب کو حکم دیا کہ ایک تہیجنت نامہ لکھے جو دار الخلافہ بغداد اور تمام دوسرے بلاد اسلامیہ میں پڑھا جائے۔ اس کا مضمون یہ تھا۔ ”وہ خداوند ذوالجلال جو حق کو سر بلند اور باطل کو سرنگوں فرماتا ہے۔ صد ہزار حمد و شکر کا مقام ہے کہ جس کے فضل و احسان نے ان بلاد میں اب کوئی ایسا منبر نہیں چھوڑا جس پر مولانا امام مستضی باللہ عباسی کے اسم گرامی کا خطبہ نہ پڑھا گیا ہو۔ تمام مسجدیں عبادت کرنے والوں کے لیے کھل گئیں۔ بدعت کے مرکز ٹوٹ گئے۔ کفر کے مستقر ویران ہو گئے اور جو مقامات قریباً ڈھائی سو سال سے جھوٹے مدعیوں اور کفر پرورد جالوں کے رخص و الخاد کا جولا نگاہنے ہوئے تھے ان پر آل عباس کی خلافت حقہ قائم ہو گئی جو سنت نبوی کے سچے حامی اور رخص و بدعت کے دشمن ہیں۔ الغرض ہمارے یتیمہ دواو نے ظلم و مہداد کی جڑیں کاٹ دیں اور انصاف و داورسی کا پرچم فضائے مصر پر از سر نو لہرانے لگا۔ جب یہ پیام سعادت ایام مدینہ اسلام بغداد میں پہنچا تو لوگ جوش انبساط سے پھولے جامہ میں نہ ساتے تھے۔ ہر طرف خوشی کے چہرے تھے۔ بواشاں دار جشن مسرت منایا گیا۔ تمام بازار سجائے گئے۔ بغداد ایک طلسم حیرت مہا ہوا تھا۔ خلیفہ نے سلطان نور الدین کو خلعت و تشریفات اور صلاح الدین کو علم و پرچم سے سرفراز فرمایا اور خطیبوں کو بھی انعام و اکرام سے سر بلند کیا۔ علامہ ابن جوزی نے ”النصر علی مصر“ اسی واقعہ کے متعلق ایک مستقل تصنیف کی ہے۔ تھوڑے دن کے بعد باطنیوں اور خانہ ان بنی عبید کے ہوا خواہوں نے از سر نو عبیدی سلطنت کی داغ بیل ڈالنی چاہی اور مصر کے چند امراء بھی اس سازش میں شریک ہو گئے لیکن سلطان صلاح الدین کو اس سازش کی بروقت اطلاع ہو گئی۔ اس نے تمام بد سگال سازشیوں کو قصرین کے درمیان دار پر چڑھا دیا۔ اور اس طرح تمام مرنے والے ہمیشہ کے لیے مٹ گئے۔

سلطان صلاح الدین کا عروج و اقبال اور سلسلہ فتوحات

یہاں ضمنیہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ شاہ عاضد کی موت کے بعد سلطان صلاح الدین کو خود مختار بادشاہ کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ جب اقبال یادری کرتا ہے تو ترقی کے اسباب خود خود جمع ہو جاتے ہیں۔ چند ہی روز میں حجاز کے مقامات مقدمہ سلطنت مصر کے حیطہ اقتدار میں آ گئے۔ 68ھ میں سلطان صلاح الدین نے طرابلس کو تار منوں کے قبضہ سے چھوڑ لیا۔ 569ھ میں اپنے بھائی توران شاہ کو یمن کا گورنر مقرر کیا۔ اس کے بعد اپنے آقائے سابق سلطان نور الدین کے انتقال پر شام اور حلب پر بھی قبضہ کر لیا۔ 581ھ میں فتح کیا اور بہت سے چھوٹے چھوٹے تاجداروں نے

طوق اطاعت گلے میں ڈالا۔ اس طرح سلطان صلاح الدین ان ممالک کا دریائے فرات سے دریائے نیل تک پھیلے ہوئے ہیں باستثناء ان قلعہ جات کے جو فرنگیوں کے ہاتھ میں تھے۔ فرمانروا بن گیا۔ 583ھ میں سلطان نے فرنگیوں کو بڑی بڑی ہزیمتیں دیں۔ بہت سے شہر جن پر انہوں نے قبضہ جما رکھا تھا چھین لیے۔ خصوصاً بیت المقدس سے جو کافورے سال سے فرنگیوں کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ ان کو بے دخل کر دیا۔ نصاریٰ نے بیت المقدس میں جو کچھ بنا لئے تھے ان سب کو گرا دیا۔ اور ان کی جگہ دینی مدارس جاری کر دیئے۔ البتہ تمامہ کے گرجا کو محض امیر المومنین فاروق اعظمؓ کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے حال رہنے دیا۔ دول یورپ کو بیت المقدس کے ہاتھ سے نکل جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس نقصان کی تلافی کے لیے رچر ڈاول شاہ انگلستان اور فلپ اعظم شاہ فرانس بڑی زبردست تیاریاں کر کے بیت المقدس کے چھوڑانے کے لیے روانہ ہوئے۔ ڈیڑھ سال تک بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن ناکام و نامراد واپس جانا پڑا۔ 589ھ میں سلطان صلاح الدین نے اپنی جان جہان آفرین کے سپرد کر دی۔ خدائے پاک نیک نداد بادشاہ پر اپنی رحمت کاملہ نازل فرمائے۔ باوجود عالمگیر بادشاہت و حکمرانی کے سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال کے وقت ایک گھوڑا 'ایک زرہ' ایک دینار اور 33 درم زر نقد چھوڑا۔ اس کے سوا اس سلطان البر و البحر کا کوئی ترکہ نہیں تھا۔ سلطان کی رحلت پر ایک بیٹا عماد الدین عثمان مصر کا بادشاہ ہوا۔ دوسرا بیٹا نور الدین علی شام میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ تیسرے بیٹے غازی نے حلب کی عثمان فرمانروائی ہاتھ میں لی۔ سلطان صلاح الدین یوسف ابن ایوب نے جس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی کہتے ہیں اس کے نوبادشاہ مصر میں، تیسرہ فرمانروا شام میں اور تین تاجدار حلب میں بادشاہی کرتے رہے۔

باب نمبر 34

بانی ر فض و شیعیت کی اغوا کوشیاں

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کی بصیرت افروزی کے لیے رافضی فرقہ کے بانی و موسس عبد اللہ ابن سبا کے حالات و واقعات بھی مختصر ا عرض کر دیئے جائیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ جب خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے عہد سعادت میں یہود و نصاریٰ، مجوس اور مت پرستوں کے بلاد و امصار عنایتِ آسمانی سے صحابہ کرامؓ اور ان کے تابعان عظام کے ہاتھوں فتح ہوئے اور کفار گنہگار کو قتل، اسیری اور مہم و تاراج کی ذلت میں گرفتار ہونا پڑا تو یہ لوگ غیظ و غضب کے عالم میں مار دم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھاتے تھے لیکن کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ حضرات شیخین یعنی امیر المومنین ابو بکر صدیق اور امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے آواں سعید میں انہوں نے غلہ حمیت اور شدتِ عصبيت کی وجہ سے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ لڑائیاں کیں لیکن چونکہ نصرت

آسمانی ہر وقت ملتِ موحدین کی پشت پناہ تھی ذلت و خسران کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ ناچار خلیفہ ثالث امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے ایام خلافت میں مکرو حیلہ کے اسلحہ سے مسلح ہونے لگے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض اعدائے دین نے کلمہ اسلام سے گویا ہو کر منافقانہ اسلام قبول کیا اور باز آستین بن کر مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور بغض و عناد کی آگ مشتعل کرنی شروع کی۔

اس فتنہ گر جماعت کا سرگروہ ایک نہایت عیار شخص عبد اللہ بن سبا نام کا یمن کا ایک یہودی تھا۔ اس کے سلسلہ تلمیذ کی سب سے پہلی کڑی یہ تھی کہ خاندانِ نبوت اور دوہاں مصطفوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے انتہائی محبت کا اظہار کیا اور اپنی ساری ہمت اس کوشش میں صرف کر دی کہ لوگ اہلبیت اطہار سے محبت کریں۔ اور ان کی عون و نصرت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں۔ چونکہ یہ تحریک اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھی۔ اس لیے کافہ اہل اسلام میں بہت مقبول ہوئی اور ہر خاص و عام نے گمان کیا کہ جو کچھ یہ کہتا ہے خلوص اور خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہے۔ لیکن اہل حق کو معلوم نہ تھا کہ وہ اسلام کا نہایت خطرناک دشمن ہے اور مسلمانوں کے خلاف نہایت خوفناک جال بچھا رہا ہے۔ جب عبد اللہ بن سبا لوگوں کو اس دام فریب میں گرفتار کر چکا تو اب اس نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ جناب علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) افضل البشر بعد

الانبیاء ہیں۔ حضور سید عالم (ﷺ) کی جناب میں انہیں سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ اب وہ ان احادیث کے ساتھ جو امیر المومنین علی مرتضیٰ کی شان میں وارد ہیں اپنی طرف سے بہت سی موضوع و مختصر روایتیں شامل کر کے ان کو شرت دینے لگا اور جب دیکھا کہ اس کے دام افتادہ لوگ خلفائے ثلاثہ پر حضرت علیؑ کی فضیلت کے قائل ہو گئے تو اس نے اپنے احباب خاص کی ایک جماعت کو اپنے اس راز سرست کی تعلیم دینی شروع کی کہ جناب علی مرتضیٰ پیغمبر خدا (ﷺ) کے وصی تھے۔ آنحضرت (ﷺ) نے انہیں نبص صریح خلیفہ مقرر فرمایا تھا لیکن صحابہؓ نے غلبہ پا کر اور (معاذ اللہ) مکرو حیلہ سے وصیت نبوی (ﷺ) سے بے اعتنائی کی۔ خدا اور رسول کی اطاعت سے منہ موڑ کے علی مرتضیٰ کا حق غصب کر لیا اور طمع دنیاوی سے مغلوب ہو کر دین سے برگشتہ ہو گئے۔ اسی کے ساتھ اس نے فدک کے متعلق اس گفتگو میں جو امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ اور سیدۃ النساء جناب فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہما میں ہوئی اور انجام کار صفائی اور حسن اسلوب سے طے ہو گئی تھی۔ رنگ آمیزی شروع کی اور اپنے مخصوص احباب کو تاکید کر دی کہ اس راز کو فاش نہ ہونے دیں اور سمجھا دیا کہ اگر احمقانہ لوگوں سے اس قسم کی گفتگو ہو تو میرا نام ہر گز ظاہر نہ کرنا کیونکہ اس جد و جہد سے میری غرض محض اظہار حق ہے نہ کہ نام و نمود۔

ابن سبا کا بصرہ سے اخراج

ابن سبا نے مدینہ منورہ میں اپنی حق فراموش جماعت تیار کرنے کے بعد دوسرے اسلامی بلاد میں جا کر فتنہ انگیزی اور فساد پروری کا قصد کیا۔ 33ھ میں بصرہ پہنچا اور مسلمانوں کو راہ حق سے منحرف کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہوا۔ ان دنوں جناب عبداللہ بن عامر امیر المومنین عثمانؓ کی طرف سے بصرہ کے عامل تھے۔ انہوں نے سبائی فتنہ انگیزی کے حالات سنے تو انہیں سبکدوش سمجھا اور پوچھا تم کون ہو؟ کہنے لگائیں یہودی تھا لیکن اب دین اسلام کو برا حق یقین کر کے مسلمان ہو گیا ہوں۔ ابن عامر نے کہا میں نے تمہاری نسبت ایسی ایسی باتیں سنی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم بڑے مفید اور عدوئے اسلام ہو اس لیے مناسب ہے کہ میرے حدود و عمل سے جلد نکل جاؤ۔ ورنہ تمہاری گردن مار دوں گا۔ اب ابن سبا نے بصرہ سے کوفہ کا عزم کیا۔ وہاں سے بھی اپنی مغویانہ سرگرمیوں کی وجہ سے نکالا گیا۔ کوفہ سے مصر کی راہ لی وہاں پہنچ کر اس نے ایک نیا مسئلہ یہ اختراع کیا کہ جناب مسیح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرح حضرت سرور دو جہان (علیہ التحیۃ والسلام) دوبارہ تشریف لانے والے ہیں اور کہتا تھا کہ مجھے ان لوگوں کی عقل و فہم پر حیرت ہے۔ جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے رجوع کرنے کو مانتے ہیں لیکن انہیں جناب محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی رجعت سے انکار ہے اور ساتھ ہی یہ کہنا شروع کیا کہ ہر نبی کا وصی ہوتا ہے اور محمد (ﷺ) کے وصی علی بن ابی طالب ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو پیغمبر خدا کا وصی نہیں

مانتا۔ اس کے بعد یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) نے (معاذ اللہ) بلا استحقاق خلافت رسول پر قبضہ جمار کھا ہے۔ دنیا میں بے وقوفوں اور شرارت پسند لوگوں کی کمی نہیں۔ مصر میں بھی اس نے اوباش قسم کے لوگوں کو جمع کر کے ایک جماعت بنائی۔ خلیفہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف نشر یہ کرنے کے لیے مناد بھی تیار کئے اور ان کو مختلف دیار و امصار میں بھیجتے وقت ہدایت کی کہ جہاں جاؤ سب سے پہلے عامۃ الناس کا دل ہاتھ میں لینے کے لیے بظاہر امر معروف و نہی منکر کا طریقہ اختیار کرو۔ اور جب عوام کی ہمدردی حاصل کر چکو تو امر معروف و نہی منکر کی آڑ میں (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کے اعمال کے خلاف بے پناہ پروپیگنڈا شروع کرو اور اس کے ضمن میں خلیفہ ثالث کے خلاف بھی عام جذبہ منافرت پیدا کرتے رہو۔ یہ مناد ابھرہ کو فہ 'شام' مصر ہر جگہ پھیل گئے اور امر معروف و نہی منکر کی آڑ میں حکام کے خلاف منافرت پھیلانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام بڑے بڑے شہروں کے باشندے 35ھ میں اپنے اپنے اعمال کی شکایتیں لے کر مدینہ منورہ پہنچے اور اہل مدینہ کے پاس اپنی نام نہاد مظلومی کے سوسے بہانے لگے۔ یہ دیکھ کر امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے تفتیش حالات کے لیے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ابھرہ 'حضرت عمار بن یاسرؓ کو مصر' حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو شام اور حضرت محمد بن مسلمہؓ انصاریؓ کو کوفہ روانہ فرمایا۔ یہ حضرات تحقیق حالات کے بعد مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے اور آکر بتایا کہ تمام شکایتیں بے جیاد اور جھوٹی تھیں۔

علیؓ کی زبان مبارک سے حضرات شیخینؓ کی ثنا

قضائے کردگار سے امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ کے آخری دور خلافت میں مصر کی ایک شوریدہ سر جماعت نے امیر المومنین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ان سب نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آگ پر تیل ڈالنا شروع کیا اور دوسرے دشمنان ملت کو بھی جو کوفہ اور نواح عراق میں پھیلے ہوئے تھے مدینہ منورہ میں بلا لیا۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے فتنہ انگیزی کی وہ ہتھیار جنہیں صولت اسلام کی وجہ سے استعمال نہ کر سکتے تھے تیز کرنے شروع کئے اور خلیفہ برحق جناب عثمان ذوالنورینؓ کو جرحہ شہادت پلوا دیا۔ جب امیر المومنین علیؓ مر تقضیٰ نے اور تک خلافت کو زینت بخشی تو ان منافقوں نے اپنے تئیں جناب علیؓ مر تقضیٰ کرم اللہ وجہ کے نحس مخلصین کی جماعت میں لاکھڑا کیا اور اپنے آپ کو شیعان علیؓ (گروہ علیؓ) کے نام سے ملقب کرنے لگے۔ اب ان سب نے اپنے جث باطن کو بے شکے ظاہر کرنا شروع کیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ امیر المومنین علیؓ نے کسی مصلحت سے اپنا دار الخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ کو منتقل کر لیا تھا۔ ان سب کے دستار دامن بھی عسکر خلافت میں شامل ہو کر کوفہ پہنچ گئے اور سبائی تعلیمات کا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ چند روز کے بعد خود ان سب بھی کوفہ پہنچ گیا۔ یہاں اس نے سب سے پہلے اس مسئلہ کی تبلیغ شروع کی کہ صحابہؓ میں حضرت علیؓ

مر تقضیٰ سب سے افضل ہیں۔ جب ابن سبا نے دیکھا کہ کوفہ کے فوجی سپاہی اس مسئلہ کو سمجھ قبول سے سننے لگے ہیں تو اس نے امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ اور امیر المومنین عمر فاروقؓ کے خلاف دریدہ دہنی کا شیوہ اختیار کیا اور حضرات شیخینؓ اور دوسرے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے خلاف جذبہ نفرت پھیلانے لگا۔ حضرت سید بن غفلہؓ کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے لشکر گاہ میں چند آدمی دیکھے جو حضرات شیخینؓ پر طعن و تشنیع کر رہے تھے۔ میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ ”امیر المومنین! میں آپ کی فوج میں گیا تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کے حق میں ایسی باتیں کہہ رہے تھے جو ان دونوں بزرگوں کے شایان شان نہیں اور عجب نہیں کہ ان کی یہ جسارت اس خیال پر مبنی ہو کہ آپ کے دل میں بھی شیخینؓ کی طرف سے کچھ غبار کدورت ہے ورنہ کبھی ممکن نہ تھا کہ حضرات شیخینؓ کی شان میں یوں علانیہ دریدہ دہنی کی جاتی۔ حضرت علیؓ مر تقضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ ان حضرات کی طرف سے میرے دل میں کدورت کا کوئی ادنیٰ شائبہ ہو۔ میرے باطن میں دونوں حضرات کا وہی جذبہ محبت موجود ہے جو خود سرور عالم و عالمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا موج زن ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ خدا اس پر لعنت کرے جس کے دل میں ان حضرات کے متعلق حسن ظن کے سوا کوئی اور جذبہ مخفی ہو۔ یہ دونوں تو پیغمبر خدا ﷺ کے بھائی اور وزیر تھے۔ خدا ان دونوں پر اپنی رحمت کا یقین برسائے۔ اس کے بعد امیر المومنین علیؓ نے پیروان ابن سبا کی فتنہ انگیزیوں کے خلاف متعدد خطبے دیئے اور اس جماعت کے خلاف ہر طرح سے نفرت و بیزاری کا اظہار فرمایا۔ باوجودیکہ آپ نے بعض فتنہ انگیزوں کو جسمانی سزائیں دیں اور وقافہ مسلمانوں کو سبائی فتنہ سے دامن کش رہنے کی تاکید فرمائی تاہم یہ مفسد جماعت اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہی۔

ابن سبا کے پیرو زندہ آگ میں جلا دیئے گئے

جب ابن سبا نے دیکھا کہ ہزار ہا لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی اور بہت سے مسلمان فاسد العقیدہ ہو چکے تو اب اس نے یہ کہہ کر فتنہ انگیزی شروع کی کہ جناب علیؓ مر تقضیٰ سے ایسے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو مقدور لعنری سے خارج ہیں اور بتایا کہ خوارق عادات، قلب اعیان، اخبار غیب، احیائے اموات، میان حقائق الہیہ و کونیہ، محاسبات دقیقہ، جوہرات حاضره، بلاغت عبارت، فصاحت الفاظ، زہد و تقویٰ، شجاعت مفرطہ وغیرہ امور آپ سے اس کثرت و تنوع سے صادر ہوتے ہیں کہ جن کا منہبہ انسان کے مبلغ فہم سے بالاتر ہے۔ اس کے بعد ایک مجلس خاص میں جناب علیؓ مر تقضیٰ کے مناقب میں بہت کچھ رنگ آمیزیاں کیں اور حفظ اسرار کی تاکید کرتے ہوئے اپنے دام افتادوں کو بتایا کہ یہ تمام باتیں جو آپ سے ظاہر ہوتی ہیں آپ کی الوہیت کے خواص ہیں اور لاہوت ناسوت کے لباس میں جلوہ فرما ہے۔ اس دن سے پیروان ابن سبا حضرت علیؓ مر تقضیٰ کو (معاذ اللہ)

خدا کہنے لگے۔ جب امیر المومنین علیؑ کو اس سبائی شر انگیزی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان سب اور اس کے پیروؤں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ کچھ تو بھاگ گئے اور جو مل سکے ان کو آپ نے عبرت روزگار بننے کے لیے زندہ آگ میں جلادیا۔

یہ حرمان نصیب کوفہ سے بھاگ کر مدائن پہنچے لیکن وہاں بھی اپنی مفسدہ پردازی سے باز نہ آئے۔ سبائی ساد آذر بخان و عراق میں پھیل گئے۔ چونکہ امیر المومنین اس وقت مہمات خلافت کے علاوہ خوارج کی سرکوفی اور شامیوں کی لڑائی میں الجھے ہوئے تھے اس بنا پر ان اشرار کی طرف توجہ نہ فرما سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان سب کا مذہب ان علاقوں میں جڑ پکڑ گیا اور انجام کار اس نے شیعہ مذہب کے نام سے اپنے تئیں روشناس کرایا۔

لشکر مرتضوی کی چار گانہ تقسیم

انجام کار امیر المومنین علیؑ کے لشکری سبائی تعلیمات کے رد و قبول کی وجہ سے چار فرقوں میں منقسم ہو گئے اول شیعہ مخلصین یعنی اہل سنت و جماعت جو تمام اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے محبت رکھتے اور ازواج طاہرات سے خلوص و عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کا آئینہ دل اکابر امت کے لیے کینہ سے بالکل پاک ہے۔ یہی لوگ جناب علی مرتضیٰ کی روش پر قائم اور ان کے سچے پیرو ہیں۔ ان کا دامن سبائی فحش و نجاست سے پاک رہا۔ جناب امیر المومنین علیؑ نے اپنے خطبوں میں ان حضرات کی مدح و تحسین فرمائی اور ان کی روش کو پسند فرمایا۔ دوسرے شیعہ تفضیلیہ جو جناب علی مرتضیٰ کو تمام صحابہ پر تفصیل دیتے تھے۔ گو اس فرقہ نے ان سب کا اثر پوری طرح قبول نہ کیا تاہم اس کی پیروی کر کے اہل حق کے زمرہ سے خارج ہو گئے۔ جناب علی مرتضیٰ نے ان کو ہمیشہ تنبیہ کی کہ اگر کسی شخص کی نسبت معلوم ہو گا کہ وہ مجھے شخص (یعنی امیر المومنین ابو بکر صدیق اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما) سے افضل کہتا ہے تو میں اسے افترا کی حد اسی کوڑے لگاؤں گا۔ تیسرا فرقہ شیعہ سید یعنی دشنام گو جنہیں تبرائی بھی کہتے ہیں۔ یہ بد نصیب فرقہ تمام صحابہ کو ظالم اور غاصب بلکہ کافر و منافق یقین کرتا ہے اور اس نے تمام اکابر صحابہ کو اپنے سام طعن کا ہدف بنا رکھا ہے۔ جب کبھی اس گروہ کے خیالات امیر المومنین کے سمع مبارک تک پہنچتے تو آپ خطبہ دیتے ایسے ناپاک خیالات سے تشبیہ فرماتے اور ان لوگوں سے ہزاروں کا اظہار کرتے۔ چوتھا فرقہ غلات شیعہ ہیں۔ یہی ان سب کے شاگرد و شید ہیں۔ لوگ امیر المومنین علی کی خدائی کے قائل ہیں۔ جب مخلصین شیعہ یعنی اہل سنت و جماعت نے ان لوگوں پر یہ لائل و براہین سے ثابت کر دیا کہ جناب علی مرتضیٰ میں بے شمار ایسے آثار و دلائل موجود ہیں جو الوہیت کے منافی اور آپ کی بشریت کو مستلزم ہیں تو بعض غلات نے صریح الوہیت کے عقیدہ سے برگشتہ ہو کر یہ بے ہودہ خیال پیدا کر لیا کہ روح لاہوتی جناب علی مرتضیٰ کے بدن ناسوتی میں حلول کیا ہے۔

اصفر بن ابوالحسین تغلبی

اصفر بن ابوالحسین تغلبی اس عین کار بنے والا تھا۔ جو حرائل اور نصیبین کے درمیان ایک شر ہے۔ اس نے اس میں نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ کہنا شروع کیا کہ کتابوں میں جس موعود کے آنے کی پیشین گوئی ہے وہ میں ہی ہوں۔ اس سے اس کی مراد غالباً مسیح موعود ہوگی۔ اصفر نے دعویٰ نبوت کے بعد طرح طرح کے شعبدے دکھا کر لوگوں کو اپنا گردیدہ بنانا چاہا۔ بے شمار جلا اور تعلیم یافتہ لوگ اس کے حلقہ مریدین میں داخل ہو گئے۔ جب جمعیت بڑھنے لگی تو دل میں ملک گیری کا شوق سرسرایا اور حرب و ضرب کی تیاریوں میں مصروف ہوا۔ اصفر سے پہلے جتنے جھوٹے مدعی گزرے وہ اپنی جماعت کو ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام ہی کے خلاف استعمال کرتے رہے۔ لیکن اصفر نے اپنے پیش روؤں کا طریقہ چھوڑ کر اپنا رخ نصاریٰ کی طرف پھیر دیا۔ چنانچہ اس کا لشکر بڑے ترک و احتشام سے رومیوں کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ روم کی سرحد پر بڑی گھمسان لڑائی ہوئی جس میں رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اصفر بے شمار مال غنیمت لے کر واپس آیا۔ اور اس کی عظمت کا جھنڈا بڑی شان و شوکت سے اڑنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد اصفر نے نصاریٰ کے خلاف پھر علم عربہ جوئی بلند کیا۔ جو رومیوں کو مزہم کر کے واپس آیا۔ کچھ دن کے فصل سے پھر عثمان عزیمت روم کی طرف موڑی اور رومیوں کو پامالی کر کے اتنے مال غنیمت کے ساتھ مراجعت لئی کہ جس کی کوئی حد و نہایت نہ تھی۔ ایک مرتبہ اس کی فوج اس کثرت سے رومی عورتوں کو قید کر لائی کہ اس کے لشکر میں بڑی بڑی حسین لڑکیاں تھوڑے تھوڑے پیسوں میں فروخت ہوئیں۔ جب شاہ روم نے دیکھا کہ اصفر ہر مرتبہ چپ چاپ روم پر آچڑھتا ہے اور اس سے پیشتر کہ مدافعت کے لیے کوئی زبردست فوجی اجتماع عمل میں لایا جائے سرحدی شروں کو تاخت و تاراج کر جاتا ہے تو اس نے نصر الدولہ بن مروان حاکم دیار بحر و سیافارقین کے پاس پیغام بھیجا کہ تم سے ہمارے مراسم اتحاد استوار تھے لیکن اصفر نے تمہاری مملکت میں رہ کر کئی مرتبہ خوزیرانہ اقدام کیا ہے اور جو جو ستیزہ کاریاں اور ظلم آرائیاں کی ہیں وہ تم سے مخفی نہیں ہیں۔ اگر تم یہاں مودت و اتحاد سے دست بردار ہو چکے ہو تو ہمیں اس سے مطلع کرو تاکہ ہم بھی اپنی صوابدید پر عمل کریں۔ ورنہ اس شخص کا کچھ مدارک کرو۔ جس وقت شام روم کا ایلی نصر الدولہ کے پاس پہنچا تو اتفاق سے ٹھیک اسی وقت اصفر کا قاصد بھی ایک خط لے کر نصر الدولہ کے پاس آیا۔ جس میں رومیوں کے خلاف اس کے ترک غزا پر اعتراض کیا تھا۔ نصر الدولہ نے دیکھا کہ اگر رومیوں کی شکایت کا کوئی مدعا نہ ہو تو وہ اس کی مملکت پر چڑھ دوڑیں گے۔ اس کے علاوہ ازراہ مثال اندیشی اس مسئلہ پر بھی غور کرنے لگا کہ اگر ابھی سے اصفری فتنہ کا سدباب نہ کیا گیا تو یہی شخص

جو آج رومیوں کو پریشان کر رہا ہے کل کو ہمارے گلے کا بار ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر بنو نمیر کے چند آدمیوں کو بلایا اور انعامات وافرہ سے ممنون احسان کر کے کہنے لگا کہ اصفہر نے رومیوں کو ہمارے خلاف برائیچیزی کر دیا ہے اور ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان سے عمدہ برآہو سکیں۔ اس لیے جس طرح من پڑے اس کو جا کر ٹھکانے لگا دو یا زندہ گرفتار کر لاؤ۔ بنو نمیر کے جوان اصفہر کے پاس جا کر اس کے مریدوں میں داخل ہو گئے۔ اور حاشیہ نشینی اختیار کر کے تھوڑی ہی مدت میں غیر معمولی تقرب حاصل کر لیا۔ ایک مرتبہ اصفہر سوار ہو کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں بنو نمیر کے جوانوں کے سوا اس کے ساتھ کوئی اور شخص نہ تھا۔ انہوں نے موقع پا کر اس کو گرفتار کر لیا اور پاجو لاں نصر الدولہ کے پاس لے آئے۔ نصر الدولہ نے اس کو زندانِ بلا میں ڈال کر شاہ روم کو اس کی اطلاع دے دی۔ اس کے بعد اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہو سکا۔ قریب یہ ہے کہ حالتِ جہنم میں اس سر اے فانی سے منقطع ہو کر دارِ آخرت کو چلا گیا ہو گا۔

باب 36

ابو عبد اللہ ابن شہاس صمیری

453ھ میں ایک شخص جسے ابو عبد اللہ ابن شہاس کہتے تھے قصبہ صمرہ میں ظاہر ہوا۔ جو ولایت بصرہ میں ہے۔ خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ اس کے باطلی نے نہ صرف عوام کا لالچ کو خیرہ سر کر دیا۔ بلکہ اچھے اچھے تعلیم یافتہ اور صحیح العقول انسان بھی ماؤف الدماغ ہو گئے۔ خصوصاً اہل صمرہ تو اسی کو (معاذ اللہ) خالق کردگار سمجھ کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ میں نے کتاب ”المبدء والمآل“ میں ابن شہاس کے حالات مفصل درج کئے ہیں۔ “لیکن افسوس ہے کہ خاکسار اقم المحروف اس کتاب پر دسترس نہ پاسکا۔ غالباً یہ کتاب آج کل بالکل ناپید ہے۔ ابن شہاس کا باپ ابو محمد علی بن حسین بغدادی معروف بہ شہاس ایک مشہور کبوتر باز تھا۔ ابن شہاس کے آدمی بھی تمام بڑے بڑے اسلامی شہروں میں موجود تھے۔ جو نامہ کبوتروں کے ذریعہ سے اپنے اپنے شہر کے واقعات لکھ کر ابن شہاس کے پاس بھیجتے رہتے تھے۔ مثلاً جو کوئی شخص ان کے پاس آیا تو انہوں نے جھٹ کاغذ کے ایک پرہ پر یہ اطلاع لکھ کر فلاں شخص مجھ سے ملنے آیا ہے لکھ کر کبوتر کو اڑا دیا۔ اوہر صمرہ میں یہ انتظام تھا کہ نامہ بر کبوتر اپنے شہر سے اڑ کر ابن شہاس کے مکان کی چھت پر آتے تھے۔ ابن شہاس کا ایک خادم وہاں ہر وقت موجود رہتا وہ کبوتر کے پاؤں سے رقعہ کھولتا اور نیچے آکر چپ چاپ ابن شہاس کو دے جاتا۔ اسی طرح سارا دن کبوتروں کی ڈاک لگی رہتی تھی۔ اور ابن شہاس دعوے غیب دانی کے ساتھ دن بھر حاضرین کو دیار و احوال کی خبریں سنایا کرتا۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اچانک پکار اٹھتا کہ فلاں شہر میں یہ حادثہ رونما ہوا۔ فلاں مقام پر یہ واقعہ پیش آیا۔ چونکہ بعد کو یہ اطلاعات ہمیشہ صحیح ثابت ہوتی تھیں اس لیے لوگ اس کو علامہ الغیب اور رب العین تصور کرتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ ابن شہاس کے کسی نمائندہ نے اس کے پاس اپنے شہر سے اطلاع بھیجی کہ فلاں فلاں افراد میں نزاع ہو گئی ہے۔ ابن شہاس متحاصمین کے نام ایک ایک چٹھی لکھ کر نامہ بر کبوتر کے ذریعہ سے اپنے نمائندہ کے پاس بھیج دیتا ان چٹیوں میں لکھا ہوتا تھا کہ تم لوگ آپس میں مصالحت کر لو۔ ورنہ تم پر میرا صاعقہ عذاب نازل ہو گا۔“ ابن شہاس کا نمائندہ یہ چٹیاں متحاصمین کے پاس پہنچا دیتا۔ وہ اپنے خانہ ساز خدا کا فرمان پڑھ کر مرعوب ہو جاتے اور یہ خیال کر کے کہ اپنے

”خالق و رازق“ کا اتہال امر نہ کریں گے تو ہلاک و برباد ہو جائیں گے آپس میں صفائی کر لیتے۔ مگر معلوم نہیں کہ کسی مسلمان حکمران کی شمشیر خارا شکاف نے اس کی خدائی کا خاتمہ کیا تھا یا نہیں؟

باب 37

حسن ابن صباح حمیری

فصل 1۔ ابن صباح کے ابتدائی حالات

حسن بن صباح جو مہبط وحی ہونے اور خدائے برتر سے احکام پانے کا مدعی تھا ایک ایسے خوفناک فرقہ کا بانی ہے جس کی خفیہ سازشوں اور جاں ستانیوں کا تصور بدن پر رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ یہ شخص شہر طوس میں جو علاقہ خراسان کا ہے میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ علی اسماعیلی مذہب کا پیرو اور شہر رے میں یو دو باش رکھتا تھا۔ جو عراق عجم کا ایک شہر ہے۔ علی کا نسب یہ ہے۔ علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صباح حمیری۔ چونکہ حسن کا مورث اعلیٰ صباح ایک مشہور آدمی ہو گزرا تھا۔ اس لیے اس نے حسن بن علی کہلانے کے بجائے حسن بن صباح کہلانا پسند کیا۔ حسن کا باپ علی بزرگ شری اور عیار شخص تھا۔ ان دنوں رے کی حکومت ابو مسلم رازی کے ہاتھ میں تھی جو ایک نہایت سلیم الفطرت اور متدین حاکم تھا چونکہ علی اپنے رخص و زندقہ میں بدنام تھا۔ ابو مسلم رازی کو جو فرقہ حق اہل سنت و جماعت کا پیرو تھا۔ اس سے نفرت تھی۔ اور علی ہر وقت اس کے سامنے اپنے عقائد کی صفائی ظاہر کرتا اور جھوٹی قسمیں کھا کر اسے یہ باور کرانے کی کوشش کیا کرتا کہ میں ایک صحیح العقیدہ مسلمان ہوں اور مذہب حق اہل سنت و جماعت کا پیرو ہوں۔ ان ایام میں اہل سنت و جماعت کے ایک بڑے عالم امام موفق نیشاپور میں مسند درس و افتاضہ پر متمکن تھے اور اطراف و اکناف ملک کے لوگ ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر چشمہ علوم و فنون سے سیراب ہو رہے تھے۔ علی نے اپنے رخص و الخاد کا الزام دور کرنے کے لیے اپنے بیٹے حسن کو نیشاپور لے جا کر امام موفق کے درس میں داخل کرادیا۔ حسن اس سے پیشتر کئی سال تک عبد الملک بن عطاش نام ایک اسماعیلی سے تحصیل علم کرتا رہا تھا۔ امام موفق کی تعلیم و تربیت میں خدائے برتر نے یہ خوبی رکھی تھی کہ ان کے شاگرد عموماً کسی نہ کسی درجہ پر پہنچ جایا کرتے تھے اور یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ امام موفق کا تلمذ جاہ و حشم کا ضامن ہے۔

مکتب کا معاہدہ

خواجہ حسن طوسی (جو بعد کو سلجوقی سلطنت کا وزیر اعظم ہو کر نظام الملک کے لقب سے

ممتاز ہوا) اور حکیم عمر خیام نیشاپوری بھی حسن بن صباح کے ہم درس تھے۔ ان تینوں میں باہم بڑی الفت تھی۔ تینوں ایک ساتھ رہتے اور باہم مل کر سبق کی تکرار کیا کرتے تھے۔ ایک دن حسن بن صباح اپنے دوستوں سے کہنے لگا یہ مشہور بات ہے کہ امام موفق کے شاگرد بڑے رتبہ پر پہنچتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہم تینوں جاہ و دولت کے مرتبہ پر نہ پہنچیں تو ہم میں سے ایک نہ ایک ضرور پہنچے گا۔ اس لیے آپس میں عہد کریں کہ ہم میں سے حق تعالیٰ جس کو معزز و باہر ادا کرے اور عزت و جاہ کے درجہ پر پہنچائے وہ اپنے دونوں رفیقوں کو بھی اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے اور کسی معاملہ میں اپنی ذات کو دوسروں پر ترجیح نہ دے۔ تینوں نے یہ معاہدہ بڑی گرجوشتی سے قبول کیا اور باہم عہد و پیمان ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد یہ رفقاء فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ سے چلے گئے۔ حسن بن صباح اپنے باپ کے پاس رہے پانچا۔ تھوڑے دن کے بعد ابو مسلم کو معلوم ہوا کہ ابن صباح کے پاس مصر کے عبیدی فرمانبرداروں کے داعیوں کی ایک جماعت آئی تھی۔ ابو مسلم نے ابن صباح کی گرفتاری کا حکم دیا۔ پولیس نے بہتری تلاش کی لیکن اس کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔ ابو مسلم نے بطریق فراست فرمایا کہ یہ شخص عنقریب ضعفائے عوام کو گمراہ کرے گا۔ چنانچہ آگے چل کر قارئین کرام کو معلوم ہو گا کہ یہ پیشین گوئی کس طرح حرف بحرف پوری ہوئی۔ نیشاپور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہر شخص قسمت آزمائی کے میدان وسیع میں نکل کر سمند تدبیر پر سوار ہوا۔ خواجہ حسن بمقام مرو سلطان ملک شاہ کے دادا اجری بیگ سلجوقی کے دربار میں پہنچا اور رسائی حاصل کر کے ترقی کے زینے طے کرتے کرتے سلجوقیوں کا وزیر اعظم ہو گیا۔ اس طرح دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کی باگ باتھ میں رکھ کر نظام الملک طوسی کے معزز لقب سے دنیا میں چمکا۔

حسن صباح اور نظام الملک

جب حسن صباح مدرسہ میں ہم مکتبوں سے عہد و پیمان کر کے باہر نکلا تو کچھ مدت تک معاش کی خاطر ملک کے مختلف مقامات میں غریب الوطنی کی خاک چھانتا پھرا مگر کسی جگہ کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا اور نہ کوئی ایسا مشغلہ سمجھ میں آیا جو اس کی اولوالعزمیوں کا کفیل ہو۔ آخر سخت حرمان و یاس کے عالم میں اپنے ہم مکتب نظام الملک کی نسبت سنا کہ وہ خلعت وزارت سے آراستہ ہو کر سلجوقیوں کے سیاہ و سپید کا مالک ہو گیا ہے۔ فوراً وہاں پہنچ کر قسمت آزمائی کی ٹھان لی۔ چنانچہ حسن صباح خواجہ کے پاس 465ھ میں نیشاپور آیا۔ نظام الملک نے اس کی خاطر و مدارت میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہ کیا۔ اور بساط میزبانی کو اتنی بلندی پر جا بھایا کہ اس سے رفیع تر مقام نہ تھا۔ ایک دن حسن صباح خواجہ سے کہنے لگا کہ آپ اسما ب یقین اور ارباب تحقیق میں سے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ وزارت ایک متاع قلیل ہے۔ اس لیے مجھے خوف ہے کہ آپ حظوظ فانیہ کے جال میں پھنس کر

وعدہ خلافی پر نہ اتر آئیں اور یسین فاضون عہد اللہ کے مرتکب نہ ہوں۔ نظام الملک نے کہا حاشا وکلا میں نقص عمدہ نہ کروں گا۔ نہ صرف جاہ و منصب بلکہ میرے تمام الماک میں بھی تم برابر کے حصہ دار ہو۔ غرض نظام الملک نے اس کی بادشاہ سے ملاقات کرائی اور اس کی عقل و دانش فضل و کمال کی تعریفیں کر کے اسے سلطان ملک شاہ کا معتمد خاص مقرر کرا دیا۔ نظام الملک کی نیک نفسی دیکھو کہ اس نے اپنے عمدہ کا کس قدر پاس کیا اور عمدہ بھی ایسا جو مذاق کے طور پر عالم طفلی میں ہم مکتبوں میں ہو گیا تھا جب کہ انسان پر کوئی تکلیف اور ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ نظام الملک نے جو عمدہ ابن صباح کو دلایا وہ اختیار و اعتبار میں وزارت سے کم نہ تھا لیکن حسن تو ایسے اختیارات چاہتا تھا جن میں کسی دوسرے کی شرکت نہ ہو۔ اس لیے اسے اس بات کی تمنا ہوئی کہ خواجہ نظام الملک اسے کسی طرح اپنی وزارت میں شریک کرے تاکہ موقع پا کر خود بلا شرکت غیرے وزیر اعظم بن جائے۔ لہذا یہ بد سرتشت محسن کشی پر اتر آیا اور ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہنے لگا کہ کسی طرح نظام الملک کو سلطان کی نظروں سے گرا کر اوج حشم پر پہنچ جائے۔

حساب بار برداری

ایک مرتبہ سلطان حلب گیا وہاں ایک قسم کا سنگ رخام پیدا ہوا تھا جس کے برتن بنائے جاتے تھے۔ سلطان نے حکم دیا کہ پانسو من سنگ رخام اصفہان پہنچایا جائے۔ حلب کے افسر نقل و حمل نے دو عربوں سے کہ اونٹوں کے ساتھ اصفہان جا رہے تھے کہا کہ پانسو من سنگ رخام اصفہان لے جاؤ۔ ان میں سے ایک کے چھ اور دوسرے کے چار اونٹ تھے۔ انہوں نے پانسو من پتھر باہم تقسیم کر لیا۔ (وہاں کا من چالیس تولہ آٹھ ماشہ کا ہوتا ہے) لیکن ان دونوں کے اونٹوں پر پہلے بھی پان پانسو من اسباب لدا تھا۔ جب پتھر اصفہان آگیا تو سلطان نے اس بات پر خوش ہو کر کہ اونٹ والے بہت جلد پتھر لے آئے انہیں ایک ہزار دینار انعام دیئے۔ انہوں نے نظام الملک سے درخواست کی کہ وہ دونوں میں انعام تقسیم کر دے۔ چنانچہ نظام الملک نے چھ اونٹ والے کو چھ سو اور چار اونٹ والے کو چار سو دینار دے دیئے۔ جب ابن صباح کو اس تقسیم کی اطلاع ہوئی تو کہنے لگا کہ نظام الملک نے تقسیم انعام میں سخت غلطی کی ہے۔ چھ اونٹ والے پر ظلم ہوا ہے۔ کیونکہ اسے آٹھ سو اور چار اونٹ والے کو دو سو دینار ملنا چاہیے تھا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر سلطان تک پہنچی۔ اس نے نظام الملک کو طلب کیا اور اسے دیکھ کر مسکرایا اور ابن صباح سے کہا کہ تقسیم انعام کی توجیہ کرو۔ ابن صباح نے کہا کہ جہاں پناہ کل اونٹ دس ہیں اور کل وزن پندرہ سو من ہے اس لیے ڈیڑھ ڈیڑھ سو من وزن ہر ایک اونٹ کے حصہ میں آیا۔ اب جس کے چھ اونٹ ہیں وہ نو سو من لایا جس میں سے سو من اس کا ذاتی اور چار سو من سرکاری ہے اسی طرح جس شخص کے چار اونٹ ہیں وہ چھ سو من لایا۔ جس میں

سے پانچ سو من اس کا اپنا اور سو من سرکاری ہے۔ اور ہزار دینار پانسو من کے لیے دیا گیا ہے پس دو سو دینار فی سو من کا صلہ ہے۔ اس حساب سے چھ اونٹ والے کو آٹھ سو دینار اور چار والے کو دو سو دینار ملنا چاہیے۔ سلطان کے دل میں نظام الملک کی بڑی وقعت تھی اور نہ چاہتا تھا کہ وہ طول اور کبیدہ خاطر ہو۔ اس لیے سلطان نے اس بات کو مذاق میں اڑا دیا۔ لیکن نظام الملک سمجھ گیا کہ ابن صباح کی اس فتح نے سلطان کے دل پر کیا اثر ڈالا ہے؟

دربار شاہی سے اخراج

ایک مرتبہ ابن صباح ارکان سلطنت کے درمیان بیٹھا ہوا مختلف امور پر تبادلہ خیالات کر رہا تھا۔ اس دوران میں کہنے لگا کہ حضرت سلطان المعظم بیس سال سے حکمران ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ممالک محروسہ کے جمع و خرچ سے بھی واقف ہوں۔ یہ آواز شدہ شدہ سلطان ملک شاہ کے کان تک پہنچی۔ اس بنا پر سلطان نے ایک دن نظام الملک سے پوچھا کہ ایک ایسا کھل چھٹا کتنے دن میں تیار ہو سکتا ہے جس سے تمام سلطنت کا بیس سالہ حساب معلوم ہو سکے؟ نظام الملک کہنے لگا۔ خداوند نعمت! حضور کی سلطنت کا شجر سے لے کر روم اور مصر تک پھیلی ہوئی ہے، اگر میں بڑی کوشش کروں تو دو سال میں مرتب کر سکتا ہوں۔ حسن ابن صباح حصول نفوذ کا یہ موقع ہاتھ سے کہاں جانے دیتا۔ کہا جہاں پناہ میں ایسی فہرست صرف چالیس روز میں پیش کر سکتا ہوں بھر طیکہ دفتر وزارت اور اس کا تمام عملہ میرے سپرد کر دیا جائے۔ ملک شاہ کو تعجب ہوا اور نظام الملک جس نے اس مار آستین کو خود اپنے آغوش عاطفت میں پالا تھا۔ ابن صباح کی اس مکرر محسن کشی اور غدار کی پر خون جگر کھاتے ہوئے خاموش رہ گیا۔ اور سلطان نے امتحانیہ خدمت ابن صباح کے سپرد کر دی۔ چالیس دن کے بعد حسن تمام مسودات لے کر حاضر دربار ہوا۔ نظام الملک بچا رہا اس وقت عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ وہ ایک کونے میں سما ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ چھٹا پسند آگیا تو میں عمدہ وزارت سے معزول کر دیا جاؤں گا۔ ملک شاہ نے مسودات کی ورق گردانی کر کے بعض جزئیات کے متعلق حسن سے سوالات کرنے شروع کئے اور ایسی ایسی مشکافیاں کیں کہ ابن صباح ان کا بالکل جواب نہ دے سکا اور مضطربانہ بادشاہ کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ خواجہ نظام الملک موقع کو غنیمت سمجھ کر آگے بڑھا۔ اس نے عرض کیا۔ خداوند عالم! انہی مشکلات کو ملحوظ خاطر رکھ کر اس خاکسار نے دو سال کی مدت مانگی تھی۔ اتنی بڑی وسیع و عریض شہنشاہی کا جمع و خرچ چالیس دن میں صحت کے ساتھ کیونکر مرتب ہو سکتا ہے؟ ملک شاہ جو پہلے بھی ابن صباح کے خلاف متعدد شکائتیں سن چکا تھا اور اس سے متفرس ہو رہا تھا سخت برہم ہوا اور ارادہ کیا کہ اسے زندان کے عبرت گاہ میں بھیج کر اس کی ناخجاریوں کی قرار واقعی سزا دے مگر نظام الملک کی سفارش سے اتنے ہی پر اکتفا کیا کہ سخت ہے

آبروئی کے ساتھ دربار سے نکلوا دیا لیکن سلطان نہیں جانتا تھا کہ یہی شخص آئندہ چل کر اس کے حق میں کس قدر خوفناک دشمن ثابت ہو گا۔ ورنہ اسے مطلق العنان نہ چھوڑتا۔

”دستور انور راء“ میں خواجہ نظام الملک نے خود لکھا ہے کہ حسن بن صباح نے حقیقت میں بڑا کام کیا تھا کہ اتنی قلیل مدت میں تمام ممالک محروسہ کا حساب آمد و خرچ مرتب کر لیا۔ مگر چونکہ اس نے ازراہ حدود و نقص عمدیہ سب کارروائی کی تھی خدا کے فضل و کرم سے بادشاہ کے سامنے اسے جلالت اٹھانی پڑی۔ اور اگر وہ خدا نخواستہ ملک شاہ کو مطمئن اور شاد روح کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو مجھے وزارت سے یقیناً بسکدوش کر دیا جاتا لیکن داستان مذہب میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الملک نے کسی ترکیب سے حسن بن صباح کے یہاں سے کاغذات منگا کر اوراق کو بے ترتیب کر دیا تھا۔ اور صاحب تذکرہ دولت شاہاں کا بیان ہے کہ نظام الملک کے رکابدار نے حسن بن صباح کے نوکر کو گناہ کر حساب کے اوراق منتشر کر دیئے تھے یہی وجہ تھی کہ ان بن صباح سلطان کے کسی سوال کا صحیح جواب نہ دے سکا۔

ان بن صباح مصر میں

حسن بن صباح کا سلجوقی دربار سے ذلت آمیز اخراج کو اس کے لیے نہایت ہمت شکن تھا لیکن حقیقت میں یہی واقعہ اس کی آئندہ کامیابیوں کا پیش خیمہ تھا۔ ہر چند کہ ان بن صباح کی رقبیانہ حوصلہ مند یوں نے اسے نظام الملک کے مقابلہ میں سخت ذلیل کیا لیکن اس واقعہ نے اس کو نظام الملک اور دولت سلجوقیہ کا دشمن بنا دیا۔ دربار سے نکل کر وہ اصفہان پہنچا اور سلطان ملک شاہ اور نظام الملک کے خوف سے اپنے دوست ابو الفضل اصفہانی کے مکان پر پناہ گزین ہوا۔ ابو الفضل نے میزبانی کا حق ادا کیا اور اس کی دل جوئی اور مدارات میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ ایک مرتبہ دوران گفتگو میں ان بن صباح ابو الفضل سے کہنے لگا۔ اگر مجھے دو موافق دوست مل جائیں تو میں ابھی اس ترک (ملک شاہ) کو اس کی سلطنت اور اس کے وزیر کی وزارت کا خاتمہ کر دوں۔ ابو الفضل سمجھا کہ میرے دوست کو سفر کی صعوبتیں اٹھانے کی قسم کا لٹو لیا ہو گیا ہے۔ دسترخوان پر ایسی غیر معمولی چرب غذائیں لانے کا حکم دیا کہ جن سے دل و دماغ کو تقویت پہنچے۔ ان بن صباح اپنے دوست کا مطلب تازہ کیا اور اصفہان سے چلا ہوا۔ حسن اصفہان سے نکل کر عازم رہے ہوا۔ رے پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اسماعیلی مذہب کا داعی الکبیر یہیں رہتا ہے جو اسماعیلی مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیے مبلغ نوکر رکھتا ہے۔ اطراف و اکناف ملک میں بھیجتا ہے۔ داعی الکبیر سے مل کر درخواست کی کہ مجھے تبلیغ کی خدمت مفوض فرمائی جائے۔ داعی الکبیر نے اسے ذی استعداد دیکھ کر اس خدمت پر مامور کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد داعی الکبیر نے اس کو مصر بھیجا۔ وہاں ان دنوں امیر الجیوش کی سلطنت تھی جو بظاہر

اسماعیلی اور درپردہ باطنی تھے۔ حسن کی وہاں بہت قدر و منزلت ہوئی۔

مصر سے اخراج

لیکن کچھ دنوں بعد وہاں ایک سازش میں ملوث پایا گیا اس بنا پر امیر الجیوش نے اس کو قلعہ دمیاط میں قید کر دیا۔ اتفاق سے اسی دن قلعہ کا ایک نہایت مضبوط برج گر پڑا۔ لوگوں نے اس کو حسن کے باطنی تصرف پر محمول کیا۔ یہ دیکھ کر امیر الجیوش بے فروختہ ہوا اور اس کو قلعہ سے نکال کر چند عیسائیوں کے ہمراہ ایک جہاز پر بٹھلایا اور افریقہ کی طرف خارج کر دیا۔ اتفاق سے سمندر میں طوفان آگیا۔ تمام مسافر عالم سراسم سمی میں موت کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن حسن کے چہرہ پر خوف و ہراس کا کوئی اثر نہ تھا۔ جہاز کپتان نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے کہ اور مسافر تو طوفان کی دہشت انگیزیوں سے بے اوسان ہو رہے ہیں اور تم بالکل مطمئن بیٹھے ہو؟ حسن نے جواب دیا کہ مجھے خدا نے اطلاع دی ہے کہ جہاز کو اور اس کے کینوں کو کچھ نقصان نہ پہنچے گا تھوڑی دیر میں واقعی سمندر پر سکون ہوا اور طوفان جاتا رہا۔ لوگ حسن کے بڑے گرویدہ ہوئے۔ کپتان بھی بڑا معتقد ہو گیا اور حسن کی خواہش کے بموجب افریقہ لے جانے کی بجائے اسے ساحل شام پر ہی اتار دیا۔ حسن نے فی الحقیقت یہ سوچ کر پیشین گوئی کر دی تھی کہ اگر جہاز غرق ہو گیا تو پھر یہ اعتراض کرنے والا کوئی نہ رہے گا کہ تمہاری پیشین گوئی جھوٹی نکلی اور اگر اتفاق سے جی نکل گئی تو اپنے تعلق باللہ کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ جہاز سے اتر کر وہ حلب بغداد، خوزستان ہوتا ہوا اصفہان پہنچا اور ان تمام بلاد و امصار میں اسماعیلی مذہب کی دعوت دیتا رہا۔

شاہ دور اور بعض دوسرے قلعوں پر باطنیوں کا قبضہ

اس اثنا میں حسن بن صباح کا استاد زادہ اور بعض دوسرے باطنی چند مضبوط قلعوں پر قابض ہو گئے۔ یہ لوگ سب سے پہلے جس قلعہ پر متصرف ہوئے وہ فارس کے قریب تھا۔ جب یہاں ان کی جمعیت بڑھنے لگی تو انہوں نے قلعوں کو لوٹنا شروع کیا۔ چند ہی روز میں ان کی چیرہ دستیایں ان اطراف میں عام ہو گئیں۔ انہوں نے قلعہ اصفہان کو دبا لیا۔ اس قلعہ کو شاہ دور کہتے تھے۔ اسے سلطان ملک شاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ احمد بن عطاش باطنی نے حاکم قلعہ سے جو سلطان ملک شاہ کی طرف سے وہاں متعین تھا۔ غیر معمولی راہ و رسم پیدا کی اور اسی کے پاس قلعہ میں رہنے لگا۔ احمد کا باپ عبد الملک بن عطاش ابن صباح کا استاد اور فرقہ باطنیہ کا پیشوا تھا۔ باطنیہ کے دل میں احمد کی اس کے باپ کی وجہ سے بڑی عزت تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے بہت سارے پیہ جمع کر کے اس کی نذر کیا تھا۔ اور نہایت گر مجوشی سے اپنا مقتدا بنایا تھا۔ احمد انہی نمایاں خدمات کی وجہ سے والئی قلعہ کی

آنکھوں میں اس قدر عزیز و محترم ہوا کہ اس نے اس کو تمام سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا۔ جب حاکم قلعہ کا انتقال ہوا تو احمد بن عطاش قلعہ شاہور کا والی ہو گیا۔ اس نے وہاں عمل و دخل کرتے ہی اپنے تمام ہم مذہب جنہیں حکومت نے اس جگہ قید کر رکھا تھا رہا کر دیئے۔ ان لوگوں کی آزادی کے بعد ملک کا امن و امان مفقود ہو گیا۔ قافلے دن دہاڑے لٹنے لگے۔

فصل 2۔ ابن صباح کی سیاسی سرگرمیاں

قلعہ الموت

حسن بن صباح نے اصفہان آنے کے بعد اپنے چند مناد اس غرض سے قلعہ الموت کی طرف بھیج دیئے تھے کہ اس کے گرد و نواح میں اسماعیلی مذہب کا نشر یہ کریں۔ قلعہ الموت (بردزن جروت) شہر قزوین اور دریائے خزر کے مابین واقع ہے اور یہ علاقہ طالقان کے نام سے مشہور ہے۔ الموت کی وجہ تسمیہ کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ ویلیمی سلاطین میں سے کسی نے شکار کے لیے عقاب اڑایا تھا۔ عقاب شکار مار کر بہت بڑی بلندی پر جاگرا۔ جب بادشاہ اور اس کے مضاحب اس کے تعاقب میں اوپر چڑھے تو اس کو ایک نہایت موزوں اور محفوظ مقام سمجھ کر یہاں ایک عالیشان قلعہ تعمیر کر لیا اور اس کا نام آلہ موت رکھا جو کثرت استعمال سے الموت ہو گیا۔ ویلیمی زبان میں آلہ موت کے معنی ”عقاب کی تعلیم گاہ“ کے ہیں۔

قلعہ الموت پر قبضہ

اسماعیلی مناد قلعہ الموت کے چاروں طرف نہایت زبردست نشر یہ کر رہے تھے اور خود صباح الموت کے قریب قیام کر کے لوگوں کے دلوں پر اپنے ریاکارانہ زہد و اتقاء کا سکہ جما رہا تھا۔ ان کوششوں کے نتیجے میں بہت سے لوگ حسن کے تابع و منقاد ہو گئے۔ ہزار ہا آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب حسن کی جمعیت ترقی پذیر ہوئی تو حاکم علاقہ اس سے بہت متردد ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ رات کے وقت قلعہ سے ایک دستہ فوج لپا اور رات کی تاریکی میں اچانک حسن کو زیر حراست کر کے قلعہ میں لے گیا۔ لیکن ابن صباح قلعہ میں داخل ہونے کے بعد ایسی چال چلا کہ حاکم علاقہ جسے ممدی علوی کہتے تھے۔ قلعہ الموت سے بالکل بے دخل ہو گیا۔ یہ سرزمین جعفری نام کے امیر کے زیر حکومت تھی جس نے ایک علوی کو اپنی نیابت پر سرفراز کر رکھا تھا۔ ابن صباح علوی سے کہنے لگا کہ میرے نزدیک دوسرے شخص کی مملوکہ زمین میں عبادت جائز نہیں ہے۔ اور یہ مقام گوشہ عافیت میں واقع ہونے کی وجہ سے مجھے بہت مرغوب ہے۔ اس لیے درخواست ہے کہ عبادت

آہلی کے لیے اس قلعہ کی صرف اتنی زمین میرے نام پر بیع کر دو جس پر ہیل کا ایک چرسہ محیط ہو سکے۔ میں اس کے لیے تین ہزار دینار سرخ آپ کی نذر کر سکتا ہوں۔ وہ شخص طمع نفسانی سے فریب میں آگیا اور یہ دیکھ کر کہ نہایت نفع بخش سودا ہے اور اتنی سی زمین دے دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بیعنامہ کی تکمیل کر دی۔ حسن نے ہیل کی ایک کھال منگوا کر اس کی نہایت باریک دھجیاں اور تیسے کاٹ کر ان کو باہم جوڑ دیا اور اس سے ایک بڑا حلقہ بٹایا کہ جس نے سارے قلعہ کو احاطہ میں لے لیا۔ قلعہ دار یہ پچائش دیکھ کر حیرت زدہ ہوا اور کہنے لگا یہ تم کیا کر رہے ہو؟ میں نے صرف نماز کا مصلیٰ بچھانے کی خاطر صرف اتنی زمین فروخت کی ہے جو ایک چرسہ کے اندر آجائے۔ حسن نے کہا کہ میری چرسہ سے یہی مراد تھی کہ جس شکل میں بھی چرسہ جتنی جگہ پر محیط ہو سکے وہ سب اس بیع میں داخل ہے۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ میں کوئی ایسا احق نہیں تھا کہ گز ڈیڑھ گز جگہ کے لیے تین ہزار دینار زر سرخ دینے کو تیار ہوتا۔ قلعہ گیر فوج کے بہت سے آدمی جو در پردہ حسن کے مرید ہو چکے تھے۔ تائید کے لیے کھڑے ہو گئے اور قلعہ دار سے کہنے لگے اتنی بڑی بزرگ ہستی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی۔ آپ نے یقیناً اتنی رقم میں سارے قلعہ کا سودا کیا ہو گا۔ الغرض ممدی علوی کو بادل ناخواستہ خاموش ہونا پڑا۔ اب زر ثمن کے لیے حسن نے اپنے ایک مرید مظفر نام کو جو دامغان کا حاکم اور در پردہ باطنی تھا لکھ بھیجا کہ میں نے یہ قلعہ ممدی علوی سے تین ہزار دینار میں خرید لیا ہے۔ آپ ممدی کو تین ہزار دینار دے دیجئے۔ چنانچہ مظفر نے قیمت ادا کر دی اور مظفر اور حسن کے دوسرے مریدوں کی کوشش سے قلعہ خالی کر لیا گیا۔ ممدی کے اس چکمہ میں آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک دفعہ ممدی حسن کے خیالات معلوم کرنے کے لیے باتوں ہی باتوں میں کہنے لگا کہ شرع میں بوقت ضرورت حیلہ کرنا جائز ہے۔ حسن نے جواب دیا کہ شریعت مصطفوی علیہ التحیہ والسلام کا مدار راستی پر ہے اس لیے حیلہ حالات مجبوری میں بھی جائز نہیں اور جو لوگ شریعت میں حیلہ کرتے ہیں حق تعالیٰ انہیں قیامت کے دن اسی طرح جتلائے محن کرے گا جس طرح دوسرے مجرم کیفر کردار کو پچنچیں گے۔ اس اظہار خیال کی بنا پر ممدی کو حسن کی طرف سے پوری طرح اطمینان تھا کہ اس کے مزاج میں کسی قسم کے شر اور حیلہ و فریب کو دخل نہیں۔ حالانکہ حسن نے یہ اظہار خیال محض ریاکارانہ اور ممدی کو دام فریب میں پھانسنے کی غرض سے کیا تھا۔ جب اُن صبح کو الموت جیسا مستحکم اور محفوظ قلعہ مل گیا تو اس نے صوبہ رودبار اور قزوین میں بڑے استقلال سے اپنے مذہبی خیالات کی تبلیغ شروع کی۔ اس صوبہ کے بہت سے لوگ بطیب خاطر اور بہت سے جبرا و قرا داخل مذہب کئے گئے اور مذہب کی آڑ میں تمام صوبہ رودبار اور کوہستان میں حسن صباح کی حکومت قائم ہو گئی حسن نے قرب و جوار کے بے مصرف قلعوں کو مرمت کرایا۔ بعض مقامات پر جدید قلعے تعمیر کرائے۔ قلعہ الموت کو بحیثیت مستقر حکومت خوب مستحکم کیا اور اس کے چاروں

طرف عالیشان محل تعمیر کرائے اور باغات لگوائے۔

ابن صباح کی جنت

قلعہ الموت اور اس کے گرد و پیش میں قوت و استقلال حاصل کر لینے کے بعد ابن صباح پر ہر وقت یہ دھن سوار تھی کہ کسی طرح سلطان ملک شاہ اور (اپنے محسن) نظام الملک طوسی کا قلع فتح کر دے لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوچتا تھا کہ ایسے جلیل القدر دشمنوں کا استیصال عام مادی اسباب کے ذریعہ سے بالکل محال ہے۔ اس لیے بہت دن تک کسی ایسی تدبیر پر غور کرتا رہا جو حصول مقصد کی کفیل ہو چنانچہ اس نے جانا نازوں کی ایک جماعت تیار کی اور اپنے دعا کے ذریعہ سے ان کی لوح دل پر یہ بات مرحوم کرا دی کہ شیخ الجبل یعنی حسن بن صباح تمام دنیا کا مالک اور وار دنیا میں بڑا قادر و متصرف اور فعال لما یرید ہے۔ اس تعلیم و تلقین کے علاوہ اس نے ایک ایسی تدبیر کی جس کی وجہ سے اس جماعت کو جان سپاری پر آمادہ کرنا بالکل چٹکی جانے کا کام تھا۔ اس نے قلعہ الموت کے ارد گرد نظر فریب مرغزاروں اور جاں غش نہایت گاہوں میں نہایت خوبصورت محل 'برج اور کو شکیں تعمیر کرائیں۔ عالیشان محلات کی پاکیزگی اور خوشنمائی 'باغوں اور مرغزاروں کی نزہت و تروتازگی دیکھنے والے کے دل پر جادو کا اثر کرتی تھی۔ ان کے بچوں پہ جنت کے نام سے ایک نہایت خوش سواد باغ بنوایا جس میں وہ تمام سامان میا کئے جو انسان کے لیے موجب تفریح ہو سکتے ہیں مثلاً اشیائے ؟؟ ہر قسم کے میوہ دار درخت 'پھول 'چینی کے خوبصورت ظروف 'بلوری 'طلائی اور نقری سامان 'پیش قیمت فرش و فروش ان کے اسباب 'تعیات پر تکلف سامان خورد و نوش 'چنگ و چغمانہ 'نغمہ و سرود 'جنت کی دیواروں پر نقش و نگار کا نہایت نازک کام بنوایا۔ ان لوگوں کے ذریعہ سے محلات میں پانی 'دودھ 'شراب اور شہد جاتا تھا۔ ان سب لذائذ و نعمات کے علاوہ دل بہلانے کے لیے پری تمثال کسن ناز نہیں موجود تھیں۔ ان ماہوش اچھوتوں کی سادگی 'وضع اور ان کے حسن و جمال کی دلربائی معا دیکھنے والے کو یقین دلاتی تھی کہ یہ عالم سفلی کے سوا کسی اور ہی عالم کے نورانی پیکر ہیں۔ کوشش کی گئی تھی کہ داخلہ کے بعد زائر کے دل میں فرحت و انبساط کا ایسا شیریں اثر پیدا کیا جائے کہ وہ اس فرحت و مسرت کو دنیاوی نہیں بلکہ آخروی یقین کرے۔ یہاں کے حور و غلمان کا تمام کاروبار بالکل رازداری سے انجام پاتا تھا۔ ہر وہ چیز جس کے باہر سے میا کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اس حسن اسلوب سے فراہم کی جاتی تھی کہ کسی کو کبھی سراغ نہ لگ سکتا تھا۔ حسن نے اپنے مریدوں کو تین جماعتوں پر تقسیم کر رکھا تھا ایک توداعی و مناد تھے جو در دراز ممالک میں خفیہ خفیہ لوگوں کو اس کے مذہب کی دعوت دیتے تھے۔ دوسرے رفیق جن کو حسن کا معتمد علیہ ہونے کی عزت حاصل تھی۔ تیسرا گروہ فدائیوں کا تھا۔ جس کے لیے یہ جنت بنائی گئی تھی۔ ابن صباح علاقہ طالقان اور

رودبار وغیرہ کے خوبصورت تندرست اور قوی بیکل نوجوان جو سادہ لوح ہوتے اور ان میں ہر میان کے باور کرنے اور جلد ایمان لانے کی صلاحیت نظر آتی فدائیوں کی جماعت میں بھرتی کرتا۔ ان کا عام لباس یہ تھا۔ سفید پوشاک سرخ دستار اور کمر بند ہاتھ میں تیریا چھڑی اور کمر میں چھری۔ یہ وہ لوگ تھے جو حسن کے ہر ایک حکم کی بلا عذر آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے۔ بھنگ جسے عربی میں حبشش کہتے ہیں شاید ان لایام میں ایک غیر معلوم چیز تھی۔ اور غالباً حسن بن صباح ہی پہلا شخص ہے جس نے دانشمندی سے بھنگ سے وہ کام لیا جو اس سے پہلے شاید کسی نے نہ لیا ہوگا۔ جب فدائی سپاہی امیدداری کا دور ختم کرتے تو حسن اسے بھنگ کے اثر سے بے ہوش کر کے جنت میں بھجوا دیتا جہاں وہ جان پرور حوروں کی گود میں آنکھ کھولتا۔ اور اپنے آپ کو ایسے عالم میں پاتا جہاں کی خوشیاں اور مسرتیں شاید بڑے بڑے شاہان عالم کو بھی نصیب نہیں۔ یہاں وہ انواع و اقسام کی سیرگاہوں کی سیر کرتا۔ حوروں کے حسن سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا۔ ان کی صحبت اس کی جانتانی کرتی۔ ان ماہ و شوں میں بیٹھ کر مئے ارغوانی کے جام اڑاتا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ غذائیں اور بہترین قسم کے میوے کھاتا۔ اور ہر طرح کے تعیشات میں رہتا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد جب ان محبت شعار حوروں کی الفت کا نقش اس کے دل پر اتنا گہرا پڑ لیتا کہ پھر مدت العمر کبھی نہ بھول سکے تب وہی حوریں بھنگ کا ایک جام پلا کر اسے شیخ الجبل کے پاس بھجوا دیتیں۔ جہاں آنکھ کھول کر وہ اپنے تئیں شیخ کے در پر پاتا۔ اور جنت کے چند روزہ قیام کی خوشگوار یاد اس کو سخت بے چین کر دیتی۔ ان صباح اس کو جنت میں بھیجے جانے کی امید دلاتا اور کہتا کہ جنت کے دائمی قیام کی لازمی شرط جاں ستانی اور جان سپاری ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص جس کے لیے حظوظ و لذات کا اثر اتنا مضبوط پڑ چکا تھا اور حوروں کی ہم نشینی کی تصویر ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی حسن کے احکام کی تعمیل میں کس طرح کوتاہی کر سکتا تھا؟ چنانچہ جب ان صباح کو کسی دشمن کا قتل کرنا منظور ہوتا تھا تو نوجوان کو حکم دیتا کہ جا فلاں شخص کو قتل کر کے قتل ہو جا۔ مرنے کے بعد فرشتے تجھے جنت میں پہنچا دیں گے۔ فدائی اقتبال اور اپنے حوصلہ سے بڑھ کر سرگرمی اور مستعدی دکھاتا تا کہ کسی طرح جلد جنت میں پہنچ کر وہاں کی مسرتوں سے ہمکنار ہو۔ یہی خطرناک لوگ تھے جن سے خون آشامی کا کام لیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو جس کے قتل کا اشارہ ہوتا وہ وہاں کوئی روپ بھر کر رسائی اور آشنائی پیدا کرتے۔ اس کے معتمد علیہ جتے اور موقع پاتے ہی اس کا کام تمام کر دیتے۔ یہی وہ فدائی تھے جن کی وجہ سے دنیا بھر کے امراء و سلاطین ان صباح کے نام سے کانپتے تھے۔ ان کی قسادت قلبی اور خو خوار کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کو ملی کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ ملی غضب کے وقت آپے میں نہیں رہتی اور مخالف پر سخت بے جگری کے ساتھ حملہ کرتی ہے۔ یہی حال ان کا تھا کہ جس کے قتل کا ایک دفعہ حکم مل جاتا تھا اس کو کبھی زندہ نہ چھوڑتے تھے۔ میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ فدائیوں کے علاوہ ان صباح کی دو اور جماعتیں بھی

تھیں۔ داعی اور رفیق۔ جس طرح فدا یوں کو بی کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ اسی طرح رفیقوں کے لیے بادام، شہد اور کھونٹھی کا ناشتا تیار کر لیا جاتا۔ جب یہ چیزیں کھا کھا کر رفیقوں کا دماغ گر جاتا۔ تو ان صبح ان سے کہتا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے اہل بیت پر ایسا ایسا ظلم ہوا ہے۔ پھر ان کو اہل بیت اطہار کی مظلومی کے سچے جھوٹے واقعات سنا کر جوش دلایا جاتا۔ اس کے بعد کہا جاتا کہ خاریجیوں کے فرقہ ازراۃ نے بنو امیہ کے قتال میں اپنی جانیں فدا کیں تو کیا ممکن تھیں کہ تم برسر حق ہو کر جان دینے میں حیل کرو اور جان پر کھیل کر اپنے امام کی مدد نہ کرو۔ یہ رفیق بھی فدا یوں کی طرح ہر وقت مرنے کے لیے کمر بستہ رہتے تھے۔ دونوں جماعتوں میں فرق یہ تھا کہ جہاں تیغ و سنان کی لڑائی ہوتی وہاں رفیق جاکر اپنے امام پر جاٹھاری کا حق ادا کرتے اور جہاں دھوکے سے جان ستانی مقصود ہوتی وہاں فدا یوں کو بھیج کر مطلب براری کی جاتی۔

سلطان ملک شاہ کی سفارت

جب حسن بن صباح نے قلعہ الموت پر قبضہ کر کے گرد و پیش کے شہروں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا اور اس کے پیروؤں کی جمعیت بھی دن بدن بڑھنے لگی تو سلطان ملک شاہ اور خواجہ نظام الملک کو لا محالہ اپنی توجہ ادھر معطوف کرنی پڑی لیکن نظام الملک نے فوج کشی کے بجائے حکمت عملی سے کام نکالنا چاہا۔ اور اس کی یہ تدبیر کی کہ 483ھ میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت ان بن صباح کے پاس بھیجی گئی۔ جس کا یہ منشاء تھا کہ حسن کو سلطان کی شاہانہ سلطنت سے ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کیا جائے۔ ایٹلی نے الموت پہنچ کر حسن سے گفتگو کی اور اس کو تمام نشیب و فراز سمجھایا مگر وہ اطاعت پر کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ جب ایٹلی بے نیل مرام واپس جانے لگا تو حسن نے ایٹلی کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ جا کر ملک شاہ سے کہہ دیجئے کہ ہم کو نہ ستائے اور اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرے کہ ہمارے لشکر کا ہر سپاہی جان بازی میں فرو ہے۔ اس کے نزدیک دوسرے کی جان لینا اور اپنی جان دینا ایک معمولی بات ہے۔ یہ کہہ کر حسن نے ایٹلی کے سامنے اپنے دعویٰ کا عملی ثبوت پیش کرنا چاہا۔ چنانچہ ایٹلی کی موجودگی میں اس قطار سے جو سامنے کھڑی تھی خطاب کر کے کہا میں چاہتا ہوں کہ تمہیں تمہارے مولیٰ کے پاس بھیج دوں۔ تم میں سے کون شخص اس کے لیے آمادہ ہے؟ ان میں سے ہر نوجوان جلدی سے آگے بڑھا اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں اس کے لیے آمادہ ہوں۔ سلطان کا ایٹلی سمجھا کہ شاید وہ ان کے ہاتھ کوئی پیغام بھیجے گا۔ اب اس نے ایک فدائی سے کہا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر دو۔ اس نے معاچھری نکال کر اپنے دل پر ماری اور مردہ ہو کر گر پڑا۔ دوسرے سے کہا کہ اپنے تئیں قلعہ کی فصیل پر سے گر دو۔ وہ قلعہ سے نیچے کو دڑا اور پاش پاش ہو گیا۔ تیسرے سے کہا کہ پانی میں ڈوب مرو۔ اس نے بھی فوراً حکم کی تعمیل کی۔ غرض تینوں فدائی ایٹلی کے دیکھتے

دیکھتے جان سپاری کر کے شیخ الجبل پر قربان ہو گئے۔ جب اہلجی یہ ہیبت ناک منظر دیکھ چکا تو حسن نے اس سے سوال کیا کہ کیا ملک شاہ کی فوج میں ایک سپاہی بھی ایسا لے سکے گا جو میرے بس ہزار فداویوں کی طرح اس درجہ جان نثار ہو؟ اہلجی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا لیکن وہ حسن کے پیروؤں کی جان بازی پر سخت حیرت زدہ تھا۔ اتنے میں خود حسن کے دو بچے کسی مذہبی حکم کی خلاف ورزی کرنے کے الزام میں حسن کے سامنے پیش کئے گئے۔ حسن نے حکم دیا کہ ان کے کوڑے لگاؤ۔ معاً اس حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ دونوں اسی صدمہ سے اہلجی کے سامنے تڑپ تڑپ کر طعہ اجل ہو گئے۔ جب اہلجی نے واپس جا کر یہ ہولناک چشم دید واقعات ملک شاہ اور خواجہ نظام الملک سے بیان کئے تو انہوں نے دو سال کے لیے فوج کشی کا خیال ترک کر دیا۔ انہی ایام میں امجدہ آدمیوں نے سادہ کی عید گاہ میں نماز عید پڑھی۔ یہ مقام اصفہان کے قریب ہے کو توال شہر نے بھانپ لیا کہ یہ باطنی ہیں۔ ان کو گرفتار کر کے مجلس میں ڈال دیا لیکن جب ان کے خلاف کوئی جرم ثابت نہ ہو سکا تو ان کو چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے سادہ کے ایک متوفی کو جو اصفہان میں تھا اپنے مذہب کی دعوت دی۔ اس نے اس دعوت کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ باطنیوں نے اس خوف سے کہ یہ جا کر حکام سے شکایت لگائے گا اس کو قتل کر دیا۔ جب خواجہ نظام الملک وزیر اعظم کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے کو توال کو تاکید کی کہ جس طرح ممکن ہو قاتل کا سراغ لگاؤ۔ آخر ایک باطنی جو بوجھ کا کام کرتا تھا گرفتار ہوا۔ اس کا نام طاہر تھا۔ جب جرم ثابت ہو گیا تو اس کو قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ اس اثنا میں ان صباح کے پیروؤں نے تین کے پاس ایک اور قلعہ پر قبضہ کر کے اس کو مضبوط کر لیا۔ ان ایام میں کرمان کا ایک بہت بڑا قافلہ قائن کی طرف آیا۔ باطنیوں کو اس کا پتہ چل گیا۔ باطنی قلعہ سے نکل کر اس پر حملہ آور ہوئے۔ قتل و جہب کا بازار گرم کیا۔ تمام اہل قافلہ کو موت کے گھاٹ اتار کر تمام مال و اسباب قلعہ میں لے آئے۔ اہل قافلہ میں سے صرف ایک آدمی بچ گیا جس نے اس واقعہ ہانکہ کی اطلاع قائن میں آکر دی۔

خواجہ نظام الملک کا حادثہ شہادت

یہ دیکھ کر نظام الملک نے 485ھ میں ایک لشکر جہادین صباح کی پامالی کے لیے روانہ کیا۔ سب حسن کو اس فوجی نقل و حرکت کا علم ہوا تو اس نے ایک فداوی کو بھیجا کہ نظام الملک کی جان لے لے۔ نظام الملک سلطان ملک شاہ کے ساتھ بغداد جا رہا تھا۔ جب نصف مسافت طے ہو گئی تو ملک شاہ نے چند روز کے لیے نہادندہ میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ آج نظام الملک نے روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز ادا کی۔ اور حسب معمول نماز کے بعد فقہاء و علماء سے باتیں کرتا رہا۔ اثنا گفتگو میں نہادندہ کا تذکرہ شروع ہوا۔ خواجہ نے فرمایا کہ یہ مقام 20ھ میں

بھرموٹین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوا تھا۔ پھر ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات بیان کئے جنہوں نے معرکہ نہاند میں جام شہادت پیا تھا۔ اس گفتگو کے بعد خواجہ نے نماز تراویح پڑھی اور بعد فراغ ایک منصفہ پر ہوار ہو کر حرم سرگوروانہ ہوا۔ جب قیام گاہ پر پہنچا تو فرمایا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں ارباب ایمان کی ایک کثیر جماعت جرعت شہادت پی کر روضہ رضوان کو چلی گئی تھی۔ فطوبی لمن کان معہم ابھی سوار ہی تھا کہ اتنے میں ایک ویلی نوجوان تھ کی طرح بڑھا اور مستغیث کی حیثیت سے اپنی عرضی چھینکی۔ جب خواجہ عرضی اٹھا کر پڑھنے لگا تو ویلی نے خواجہ کے دل میں چھری بھونک دی۔ حملہ کے ساتھ ہی تمام لشکر میں کھرام مچ گیا۔ جب یہ غلغلہ سلطان ملک شاہ کے سمع مبارک تک پہنچا تو وہ سخت غم زدہ ہوا۔ روتا ہوا آیا اور خواجہ کے سر ہانے بیٹھ گیا۔ قاتل جس کا نام ابو طاہر تھا حملہ کر کے ایک خیمہ کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ خواجہ کے غلاموں نے اسے کوگر قتل کر لیا۔ خواجہ نے حکم دیا کہ اس کو میرے قصاص میں قتل نہ کرنا لیکن غلاموں نے اس کی گردن مار دی۔ تھوڑی دیر میں خواجہ نے بھی وادی مرگ میں قدم رکھ دیا۔ بعد ازاں شہرہ آفاق مدرسہ نظامیہ جس میں امام محمد غزالی بھی مدرس رہ چکے ہیں۔ اسی نظام الملک مرحوم کا بنوایا ہوا تھا۔ 459ھ میں اس مدرسہ کی تکمیل ہوئی تھی۔ خواجہ نظام الملک کے حادثہ قتل پر باطنیہ کی کن آئی اور وہ اس کا مایب تجربہ پر بہت خوش ہو رہے تھے کہ سلاطین اور ارباب اقتدار کے پنجہ تشدد سے محفوظ رہنے کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ فوجوں سے معرکہ آرا ہونے کی بجائے خود فوجیں بھیجے والوں کی جان لے لی جائے۔

قلعہ الموت پر لشکر کشی

خواجہ نظام الملک کے واقعہ شہادت سے پہلے قلعہ الموت پر فوج بھیجی جا چکی تھی۔ امیر ارسلان سپہ سالار نے قلعہ کا محاصرہ کر کے اہل قلعہ کو بہت نقصان پہنچایا۔ اس وقت قلعہ میں حسن کے پاس صرف ستر آدمی تھے اور قریب تھا کہ وہ گرفتار ہو جائے لیکن اسی وقت ابو علی نے قزوین سے تین سو باطنی سپاہیوں کی ایک جمیعت بطور کمک روانہ کر دی۔ انہوں نے امیر ارسلان کی فوج پر شبخون مارا۔ لشکر سلطانی کو بہت نقصان پہنچا۔ اور باطنیوں نے بہت سامان غنیمت حاصل کیا۔ جب سلطان ملک شاہ کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو اس نے ایک اور سپہ سالار قزل ساروق کو ایک زبردست فوج کے سم تھ روانہ کیا۔ قلعہ کے باہر لڑائی ہوئی اور قریب تھا کہ اہل قلعہ حسن کو تنہا چھوڑ کر فرار ہو جائیں۔ مزیدوں کی مدد حوائی دیکھ کر لن صباح نے کہا کہ وحی الہی نے حکم دیا ہے کہ کوئی شخص قلعہ سے باہر جانے کا قصد نہ کرے۔ مزیدوں نے باہر جانے کا خیال چھوڑ دیا اور از سر نو مدافعت کرنے لگے۔ اس اثنا میں سلطان ملک شاہ کا پیمانہ حیات بھی آب فنا سے لبریز ہو گیا اور جام

مرگ نوش کر کے اس سرائے فانی سے رخصت ہوا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ابن صباح کے ایک فدوی نے زہر دے کر بادشاہ کو شہید کیا تھا۔ ایسی حالت میں جنگ کا جاری رہنا اور قلعہ کو مسخر کرنا مشکل تھا۔ فوجیں واپس آگئیں اور یہ مہم ناکام رہی۔

باطنیہ کا مزید قلعوں پر عمل و دخل

اس کے بعد قلعہ ملاذ خاں پر بھی باطنیہ کا عمل و دخل ہو گیا۔ یہ قلعہ جو فارس اور خوزستان کے مابین واقع تھا مدت سے ہزنوں اور مفسدوں کا مآسٹن و ملجاء ہوا تھا۔ قزاق قافلے لوٹ کر اس میں پناہ گزین ہو جایا کرتے تھے۔ آخر عضد الدولہ بن یوہ نے اس قلعہ کو سر کیا اور جس قدر ڈاکو یہاں سکونت پذیر تھے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ جب یہ قلعہ سلطان ملک شاہ کے حیطہ تصرف میں آیا تو اس نے ایک رئیس میرانز کو بطور جاگیر مرحمت فرمایا تھا۔ میرانز نے اپنی طرف سے ایک افسر کو اس قلعہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ باطنیوں نے حاکم قلعہ سے مراسم پیدا کئے اور قلعہ کے فروخت کر ڈالنے کی تحریک کی لیکن جب اس نے بیع سے انکار کیا تو پھر باطنیہ نے خدع کا جال پھیلانا چاہا۔ چنانچہ کہلا بھجوا کہ ہم چند علماء کو آپ کے پاس بھیجتے ہیں تاکہ تم پر ہمارے مذہب کی حقیقت آشکارا ہو۔ حاکم قلعہ نے یہ درخواست منظور کر لی۔ باطنیوں نے چند جان نثار رفیقوں کو علماء کے لباس میں اس کے پاس بھیجا۔ انہوں نے قلعہ میں داخل ہو کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کلید بردار پر یک ایک ٹوٹ پڑے اور قلعہ کی کنجیاں چھین لیں۔ اس کے بعد اچانک والی قلعہ کو بھی جادو چاؤر اسے رقرار کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کامیابی کے بعد ابن صباح نے قلعہ طیس پر تصرف کر لیا۔ پھر تہستان کے دو مشہور قلعوں کی تسخیر کے درپے ہوا۔ قدرت نے کامیابی کا سامان بھی خود ہی مہیا کر دیا۔ حاکم تہستان فاسق اور زانی واقع ہوا تھا۔ اس نے منور نام وہاں کے ایک رئیس کی نہایت حسینہ و جلیلہ ہمیشہ کو جبراً گھر میں ڈال لینے کا قصد کیا۔ منور نے ابن صباح سے مدد مانگی۔ باطنی تو آج کل کے فرنگیوں کی طرح خدا سے چاہتے تھے کہ انہیں مداخلت کا حیلہ ملے۔ باطنی وہاں اچانک جا پہنچے اور تہستان کے قلعوں پر اپنی کامیابی کا جھنڈا گاڑ دیا۔ اسی زمانہ میں قلعہ طالعجان پر بھی قابض ہو گئے۔ اس قلعہ کا حاکم ایک ترک سردار تھا۔ ابن صباح کے دو تعلیم یافتہ گرگے حاکم قلعہ کے پاس گئے اور بڑی مستعدی و تندہی سے اس کی چال بازی اور خدمت گزاری اختیار کی۔ رفتہ رفتہ اس قدر رسوخ ہو حالیا کہ حاکم قلعہ کے دل و دماغ پر پوری طرح حاوی ہو گئے۔ مآل نا اندیش حاکم نے قلعہ کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں۔ انہوں نے ابن صباح کو اطلاع دی۔ ابن صباح نے اپنے استاد زادہ احمد بن عطاش کے پاس پیغام بھجوا کہ جا کر قلعہ پر حالت عقلت قبضہ کر لو۔ احمد لشکر لے کر آپہنچا۔ حاکم قلعہ اس اچانک حملہ سے بہ حواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ابن عطاش نے قلعہ پر قبضہ کر کے تمام قلعہ گیر فوج

کو تہ تیغ کر دیا۔ اس قلعہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد باطنیہ کی قوت بہت بڑھ گئی۔ اہل اصفہان ان سے
دبنے لگے۔ یہاں تک کہ باطنیہ کو خراج دینا قبول کیا۔

باطنیہ کے دوسرے قتل

خواجہ نظام الملک کی جاں ستانی میں ابن صباح کو جو کامیابی ہوئی اس نے اس کے لیے
کامرانوں کا دروازہ کھول دیا۔ اس شخص نے اعداء کو بچا دیکھانے کے لیے اس ذلیل و شرمناک طریق
قتل کو نہایت کارگر پایا۔ چنانچہ اب اور جہاں کسی نے ذرا مخالفت کی کسی فدائی کی جھری نے اسے
حوالہ اجل کر دیا۔ اس طرح مسلمان سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں فدائی خون آشامی کی نذر ہونے
لگے۔ ان لوگوں کی اذیت تمام ممالک اسلامیہ میں عام ہو گئی۔ کیونکہ ان کا مذہب ہی اعتقاد یہ تھا کہ غیر
مذہب کے پیروؤں کو قتل کرنا بڑا کارِ ثواب ہے۔ اس بنا پر باطنی اشتیاء دنیا کی ممتاز ترین ہستیوں کو
صفحہ عالم سے معدوم کرنے لگے۔ اس مقصد کے لیے باطنیوں کا ایک گروہ مکانوں کی دہلیزوں
میں چھپا ہوتا۔ اور جب موقع ملتا اپنا شرمناک مقصد حاصل کر لیتا۔ یہ لوگ عامۃ المسلمین سے کہیں
زیادہ ملت اسلام کے علماء قضاۃ، وزراء اور والیان ملک کی جان کے لاگو تھے۔ چنانچہ 489ھ میں ابو مسلم
رازی حاکم رے کو خون ہلاک سے کھٹکوں کیا۔ اسی سال امیر اثر ملک شامی امیر بخش اور امیر سیاہ پوش کو
بھی خاک و خون میں تڑپا کر خلد آباد کو بھیج دیا۔ 490ھ میں طغرل بک کے ندیم امیر یوسف اور سلطان
ملک شاہ کے غلام امیر ارعش، سلطان برکیارق کے وزیر عبدالرحمن سمیری، طغرل بک کے ندیم
برحق، سلطان برکیارق کے دوسرے وزیر ابو الفتح دہستانی، امیر سرزین ملک شامی اور بادی علی گیلانی
کی جان لی۔ 491ھ میں سنقر قہ والئی دہستان، سکندر صوفی قزوینی، ابو الفطر مجید فاضل اصفہانی
باطنی ستم آرائی کا نشانہ بنے۔ 492ھ میں پیروان ابن صباح نے اتامک مودود حاکم دیاربکر، ابو جعفر
شاہی رازی، ابو عبید مستوفی، ابو القاسم کرخی، ابو الفرح قراغین کو قتل کیا۔ 493ھ میں قاضی کرمان،
امیر بلاک بک سرمر اصفہانی، اور قاضی عبداللہ اصفہانی کو دارالآخرت میں بھیجا۔ ان جان ستانیوں کے
لیے باطنی فدائی بہ تبدیل لباس و وضع جاتے اور موقع پا کر اپنے مشارالہ کو قتل کر کے جھٹ
خود کشی کر لیتے۔ ایک چال یہ تھی کہ باطنی کسی امیر کے پاس جا کر ملازمت اختیار کرتا۔ اور جو نئی
موقع ملتا حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیتا۔ باطنیوں نے عساکر اسلامی کے سپہ سالاروں کو بھی
دھمکیاں دیں کہ تم لوگ اسماعیلیہ کی مخالفت میں اقدام نہ کرنا ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو
فلاں فلاں کا ہوا۔ اس بنا پر افران فوج شب و روز حتیٰ کہ بستر خواب پر بھی مسلح رہنے لگے۔

سلطان ملک شاہ کے تین بیٹے تھے۔ برکیارق، محمد اور سنجر۔ سلطان کے آنکھیں بند کرتے
ہی بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ آخر 492ھ میں علماء نے مداخلت کر کے برکیارق اور محمد میں

مصالحت کرا دی۔ شام، عراق، موصل، آذربائجان اور آرمینیا کی مملکت محمد کے حصہ میں آئی اور بقیہ ممالک برکیارق کے حیطہ و تصرف میں آئے۔ ان خانہ جنگیوں کی وجہ سے حسن بن صباح اور زیادہ زور پکڑ گیا۔ چنانچہ وہ آٹھ سال میں تمام رودبار قہستان، خور، خوسف، قاسن، زوزن اور تون پر قابض و متصرف ہو گیا۔ جب سلطان ملک شاہ کے فرزند اکبر برکیارق کو خانہ جنگی سے فرصت ملی تو اس نے علماء اور عامہ برایا کی شکایت پر 494ھ میں باطنیہ کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ باطنی لوگ ہر جگہ قتل کئے جانے لگے۔ ان صباح نے سلطان کا یہ حکم سنا تو سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا اور حکم دیا کہ مسلمانوں کے قتل میں پہلے سے زیادہ مستعدی کا اظہار کیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایک باطنی کے عوض میں دس دس مسلمانوں کی جانیں لی گئیں۔ تب بھی ان صباح کا کبجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ یہ زمانہ نہایت خوفناک تھا۔ شیخ الجبل کے جاسوس ہر شہر میں ہر مسلمان خاندان میں پہنچ کر خون خرابہ کر رہے تھے۔ کوئی مخالف ایسا نہیں تھا جس کا نام شیخ الجبل کی فہرست مقتولین میں رہ گیا ہو اور وہ چ رہا ہو امراء، عبا کے نیچے زہ پہننے لگے۔ یہاں تک کہ خود سلطان نے عمائد سلطنت کو اجازت دے دی کہ وہ دربار میں اسلحہ لگا کر آیا کریں۔ خوف و ہراس کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص تنہا گھر سے باہر نہ نکلتا اور اگر کوئی شخص مقررہ وقت پر گھر نہ پہنچتا تو یقین کر لیا جاتا کہ وہ باطنی خون آشامی کا شکار ہو گیا۔ اور لوگ عزاداری کے لیے اس کے مکان پر آجمنے ہوتے۔ ایک دفعہ ایک مؤذن کو اس کے باطنی ہمسایہ نے پکڑ لیا۔ مؤذن کے گھر کی عورتیں چیخنے چلانے لگیں۔ باطنی اسے جھری دکھا کر گھر کی چھت پر لے چڑھا۔ مؤذن دیکھ رہا تھا کہ اس کے گھر کی عورتیں واویلا کر رہی ہیں۔ لیکن کاردار ہنہ نے اتنا مرعوب کر رکھا تھا کہ ذرا بھی اس کی زبان کو جنبش نہ ہوئی۔ اتنے میں پولیس اہل رحمت کی طرح آپہنچی اور باطنی کو گرفتار کر کے مؤذن کو اس کے بچہ ظلم سے بچایا۔ اصفہان میں اس فرقہ نے سب سے زیادہ دھما چوکری چار کھی تھی۔ یہ لوگ مسلمانوں کو اچک کر قتل کر دیتے۔ اور نعش کو کھتے میں ڈال دیتے۔ اصفہان میں مسلمان مفقود ہوتے رہتے تھے لیکن ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ آخر اہل اصفہان نے ان مقامات کا کھوج لگانا چاہا۔ جہاں باطنی فرقہ نے یہ اندھیر چار کھا تھا۔ آخر ایک مکان میں ایک عورت پائی گئی جو ہر وقت ایک بوری پر بیٹھی رہتی تھی۔ اور دن بھر وہاں سے ٹلتی نہیں تھی۔ آخر لوگوں نے اسے گھسیٹ کر وہاں سے الگ کیا اور بوری اٹھا کر دیکھا تو نیچے ایک گڑھ پایا جس میں مسلمانوں کی چالیس نعشیں تھیں۔ لوگوں نے اس عورت پر بل بول دیا اور اس کو دارالبوار میں بھیج کر گھر کو آگ لگادی۔ اسی طرح کسی باطنی کے مکان پر کسی اجنبی کے کپڑے پائے گئے۔ دیکھنے والے نے لوگوں سے اس کا تذکرہ کر دیا۔ ہر شخص کو یقین ہوا کہ کسی مقتول مسلمان کے کپڑے ہیں۔ شہر میں بلوچ گیا اور ہر مسلمان انتقام کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک جم غفیر نے اس شخص کے مکان پر دھاوا بول دیا اور اندر جا کر دیکھا کہ ایک کنواں لاشوں سے پٹ رہا ہے۔ آخر تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ اس

کوچہ میں باطنی لوگ بدو باش رکھتے ہیں۔ باہر پھانک پر ایک اندھا بیٹھا رہتا تھا۔ جب وہ محسوس کرتا کہ کوئی شخص آ رہا ہے تو آنے والے سے کتا کہ ذرا میری لائمی پکڑ کر کوچہ میں پہنچا دو۔ وہ اسے کوچہ میں لے جاتا باطنی بھیڑیے جھٹ اندر کھینچ کر اس کا کام تمام کر دیتے اور لاش کنوئیں میں پھینک دی جاتی۔ یہ دیکھ کر شیخ مسعود بن محمد نجدی فقیہ شافعی انتقام پر آمادہ ہوئے۔ ایک جم غفیر ہتھیار لے کر ساتھ ہو لیا۔ نجدی صاحب نے شہر سے باہر گڑھے کھدوائے۔ ان میں آگ جلائی گئی۔ باطنی پکڑ کر لائے جاتے اور آگ کے گڑھوں میں دھکیل دیئے جاتے۔ شہر ابر کے قریب قلعہ دسم کوہ پر بھی باطنیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ یہاں کے کاروبار ہندو فدا کی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کو قتل و غارت کر جاتے اور لوٹ کا مال لے کر قلعہ میں چلے جاتے۔ مظالموں نے سلطان برکیارق سے فریاد کی۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور آٹھ مہینہ کی جدوجہد کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ عراق میں بھی باطنیوں نے بڑی دھماچو کڑی مچا رکھی تھی۔ انہوں نے بے شمار کلمہ گوؤں کو خاک ہلاک میں ترپا دیا۔ ان شداء میں اہل سنت و جماعت کے ایک مشہور امام شیخ الشافعی ابو الفرج رازی دینی صاحب البحر بھی تھے جنہیں ایک سیاہ دل باطنی نے خاص دار الخلافہ بغداد میں جرحہ شہادت پلایا۔ غرض عام اسلام میں ہر شخص ان کے اچانک حملوں سے خوف زدہ تھا۔ امراء کی طرح اب عامۃ المسلمین نے بھی کپڑوں کے نیچے زر ہیں پہننی شروع کر دیں۔ 498ھ میں باطنیہ طرثیث سے نکل کر رے پہنچے۔ اور حجاج کے قافلہ کو جس میں خراسان، ماوراءالنہر اور ہندوستان کے زائرین حرم تھے لوٹ لیا۔ اس کے بعد مضافات رے میں عام غارتگری شروع کر دی۔ اس تاخت و تاراج میں کثیر التعداد مسلمان کام آئے اور بقیۃ السیف کا تمام مال و اسباب لٹ گیا۔ 499ھ میں ایک باطنی لمحہ نے قاضی ابو العلاء صاعد بن ابو محمد نیشاپوری کو جامع مسجد اصفہان میں شہید کیا۔

وزیر فخر الملک کا واقعہ شہادت

حسن بن صباح نے 485ھ میں اپنے محسن خواجہ نظام الملک طوسی کی جان لی تھی اس کے قریباً پندرہ سال بعد یعنی 500ھ میں خواجہ مرحوم کے فرزند اکبر فخر الملک ابو المظفر علی کی زندگی کا چراغ ٹھل گیا۔ جو سلطان سنجر بن سلطان ملک شاہ سلجوقی کا وزیر تھا۔ عاشوراء کے دن فخر الملک نے روزہ رکھا اور صبح کے وقت اپنے احباب سے کہا کہ آج رات میں نے حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ مجھ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ جلدی سے آؤ تاکہ ہماری پاس پہنچ کر ہی روزہ افطار کرو۔ اور قضائے کردگار سے چارہ نہیں جو کچھ اس ذات برتر نے مقدر کیا ہے لا محالہ اس کا ظہور ہوگا۔ حاضرین نے کہا خدا آپ کو سلامت رکھے۔ مصلحت وقت یہ ہے کہ آج دن رات آپ گھر سے باہر کہیں نہ جائیں۔ خواجہ فخر الملک اس روز برابر نماز اور تلاوت قرآن میں مصروف رہا اور

بہت سال صدقہ خیرات میں خرچ کیا۔ عصر کے وقت مردانہ مکان سے نکل کر حرام سرائے میں جانے کا قصد کیا۔ باہر نکلا تو ایک شخص بلند آواز سے چلایا کہ بس مسلمان ختم ہو گئے۔ کوئی ایسا نہیں رہا جو مجھ مظلوم کی فریاد رسی کرے۔ فخر الملک نے ازراہ مرحمت اس کو اپنے پاس بلا کر استفاد فرمایا کہ تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ اس نے ایک تحریری عرضداشت نکال کر فخر الملک کے ہاتھ میں دے دی۔ جب اس کا مطالعہ کرنے لگا تو اس نمائشی دادخواہ نے جو ایک باطنی سفاک تھا پیٹ میں چھری گھونپ دی۔ وزیر نے اسی وقت جرعہ مرگ پئی لیا۔ سلطان سبخر کو اس حادثہ ہالکہ کا سخت صدمہ ہوا۔ باطنی گرفتار کر لیا گیا۔ اس باطنی نے دیکھا کہ میں تو مارا ہی جاؤں گا کیوں نہ چند اور مسلمانوں کو بھی لے مروں۔ جب سلطان سبخر کے سامنے پیش ہوا تو کہنے لگا کہ مجھے تو آپ کے مصاحبوں میں سے فلاں فلاں نے قتل کی ترغیب دی تھی۔ سلطان نے عالم آشفنگی میں پہلے ان جرم نا آشنا مصاحبوں کی جان لی اور پیچھے اس باطنی کو ہلاک کر لیا۔

باطنیہ کی بد حالی اور باطنی قلعہ کا انہدام

ان صبح کے اسماعیلی استاد کا نام عبد الملک بن عطاش تھا۔ اس کا بیٹا احمد بن عبد الملک قلعہ شاہ در کا حکمران تھا۔ احمد نے بھی مسلمانوں کے خلاف بڑا دودھ بھار کھا تھا۔ یہ دیکھ کر سلطان محمد نے 500ھ میں قلعہ شاہ در پر جو اصفہان کے قریب واقع تھا۔ بہ نفس نفیس یورش کی۔ اس قلعہ اور پہاڑ کا فاصلہ چھ کوس کا تھا۔ ان صبح نے اس جگہ کو بہت مضبوط کر رکھا تھا۔ سلطان احمد نے امرائے لشکر کو باری باری جنگ کا پر روانہ کیا اور نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ مدت تک حملے کرتا رہا۔ باطنی طول جنگ اور شدت محاصرہ سے گھبرا گئے اور فقہائے اہل سنت و جماعت کے پاس اپنے متعلق ایک استفتا روانہ کیا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

کیا فرماتے ہیں سادات فقہاء ائمہ دین اس گروہ کی ہمت جو حق تعالیٰ پر قیامت پر اس کی کتبوں اور رسولوں پر ایمان رکھتا ہے اور ما جابہ رسول اللہ ﷺ کو حق جانتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے لیکن محض مسئلہ امامت میں اختلاف کرتا ہے۔ کیا سلطان وقت کو اس کی موافقت اور رعایت جائز ہے اور اگر وہ فرقہ اطاعت کرے تو کیا اس کی اطاعت قبول کرنا اور اسے ہر اذیت سے چھانا شرعاً روا ہے؟ اکثر علمائے اہل سنت نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور بعض نے توقف اختیار کیا۔ آخر فقہائے اہل سنت و جماعت ایک مجلس میں جمع ہوئے۔ شیخ ابو الحسن علی بن عبد الرحمن سجستانی نے جو شافعی مذہب کے بڑے عالم تھے قتل باطنیہ کے وجوب کا فتویٰ دیا اور برملا کہہ دیا کہ اس فرقہ کی طرف سے محض اقرار باللسان اور تلفظ بالشہاد تین کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ جب ان سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ اگر تمہارا امام ایسے امور مباح کر دے جسے شریعت اسلام نے حرام قرار دیا ہے یا ایسی چیزوں کو ناجائز کہے

جسے شریعت مطہرہ حلال اور جائز ٹھہراتی ہے تو کیا تم شریعت کا حکم مانو گے یا اپنے امام کا؟ تو وہ صاف لفظوں میں جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے امام کے حکم کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں باطنیہ کا قتل بالاتفاق مباح ہو جاتا ہے۔ اب باطنیوں نے سلطان سے درخواست کی کہ آپ اپنے علماء کو ہمارے مذہبی پیشواؤں سے گفتگو کرنے کے لیے روانہ فرمائیے۔ سلطان نے قاضی ابو العلاء سعد بن یحییٰ شیخ الحنفیہ کو جو اصفہان کے قاضی تھے چند دوسرے علماء کے ساتھ روانہ فرمایا۔ مگر چونکہ باطنیہ کا حقیقی مقصد محض قضیہ کو طول دینا تھا اس لیے حیلے حوالے کرنے لگے اور علماء واپس چلے آئے۔

مسئلہ تکفیرین لمحدین

حقیقت یہ ہے کہ فتویٰ ہمیشہ سوال کے تابع ہوتا ہے۔ جن علمائے حق نے باطنیہ کی اذیت کو ناجائز بتایا وہ حاملین شریعت جنہوں نے راہ توقف اختیار کی انہیں سوال کی نوعیت نے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا کیونکہ جو شخص کہے کہ میں خالق کردگار پر اس کے رسولوں پر اس کی کتابوں پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوں۔ باقی ایمان دلائل کا فقدان اس کے مومن قرار دیئے جانے پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرے تو ایسی حالت میں توحید و رسالت کا اقرار اور ملائکہ کتب سماوی بحث بعد الموت کا اذعان اس کے لیے کچھ بھی فائدہ بخش نہ ہوگا۔ مثلاً ختم نبوت کا اقرار ضروریات دین میں داخل ہے۔ اگر کوئی شخص توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ ختم نبوت کا منکر یا مدعی نبوت ہو تو بالا جماع خارج از اسلام ہے۔ چنانچہ علامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

(ترجمہ) ہمارے نبی (حضرت خاتم النبیین ﷺ) کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔

مرزائیوں نے بھی مقدمہ بہاولپور میں جو 1926ء سے 1935ء تک رہا۔ یہی عذر لنگ پیش کیا تھا کہ ہم خدا پر اور اس کے رسولوں کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ بہاولپور کے فاضل جج نے دلائل فریقین پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے کس طرح امت مرزائیہ اور اس کے بانی کو مرتد و خارج از اسلام قرار دیا۔ باطنیہ اور مرزائیہ ایک ہی تھیلی کے چٹے ہیں۔ جس طرح باطنی زنادقہ حسن بن صباح کے قول کو حکم شریعت پر ترجیح دیتے تھے اسی طرح مرزائی ملاحدہ بھی اپنے مقتداء کے اوہام باطلہ کے مقابلہ میں حضور سید الاولیاء و آخرین ﷺ کے ارشادات مبارکہ کو کوئی وقعت نہیں دیتے چنانچہ باقی فرقہ مرزا غلام احمد صاحب نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ جو حدیث رسول اللہ میرے (شیطان) الہام کے خلاف ہو اسے میں (معاذ اللہ) ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتا ہوں۔ الغرض جو شخص خدا اور اس کے ملائکہ و رسل و کتب سماویہ اور یوم

آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلمان ہے بھر طیکہ اس کے دوسرے عقائد حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ تعلیمات حقہ کے خلاف نہ ہوں ورنہ وہ خارج از اسلام ہوگا کیونکہ نومن ببعض و نکفر ببعض کے اصول پر عمل کرنے والا دائرہ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ میں نے مسئلہ تکفیر طہرین کو اپنی زیر تالیف کتاب ”فلسفہ اسلام“ میں شرح و بسط سے لکھ دیا ہے۔

ابن صباح کے استاد زادہ کی گر فٹاری اور ہلاکت

علماء کی مراجعت کے بعد سلطان محمد محاصرہ میں شدت کرنے لگا۔ بالآخر باطنی امان کے خواستگار ہوئے اور درخواست کی کہ اس قلعہ کے عوض میں انہیں قلعہ خالنجان مرحمت ہو اور قلعہ مذکور سے نکل کر قلعہ خالنجان میں منتقل ہونے کے لیے ایک مہینہ کی مہلت مانگی۔ یہ قلعہ اصفہان سے دس کوس کے فاصلہ پر تھا۔ ایک مرتبہ باطنی اس پر قابض ہو گئے تھے لیکن بعد کو انہیں بے دخل کر دیا گیا تھا۔ سلطان محمد نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ باطنی مال و اسباب سینے میں مصروف ہوئے۔ ہنوز مدت مقررہ پوری نہ ہوئی تھی کہ چند باطنیوں نے سلطان محمد کے ایک افسر پر حملہ کر دیا۔ مگر حسن اتفاق سے یہ امیر ان کے حملہ سے بچ گیا۔ سلطان محمد کو اس کی خبر لگی تو اس نے از سر نو محاصرہ کر لیا۔ باطنی اپنی حرکت پر سخت متاسف ہوئے۔ اظہارِ ندامت کے بعد عضو تقصیر کی التجا کی اور اس درخواست کے ساتھ قلعہ ناظر و طہس چلے جانے کی اجازت چاہی کہ سلطان محمد اپنے چند فوجی دے دے ہمارے ایک حصہ فوج کو قلعہ ناظر پہنچانے پر مامور کرے اور بانی ماندہ اشخاص کو ایک گوشہ میں نظر بند و محبوس رکھے۔ جب یہ حصہ فوج قلعہ ناظر میں پہنچ جائے تو دوسرے حصہ کو جو قلعہ میں محبوس ہے حسن ابن صباح کے پاس قلعہ الموت میں بھیج دے۔ سلطان محمد نے اپنی فراخ دلی سے ان کی یہ درخواست بھی منظور فرمائی۔ چنانچہ باطنیوں کا سپلا دستہ فوج شاہی لشکر کی نگرانی میں قلعہ ناظر و طہس کو روانہ ہوا۔ سلطان نے قلعہ کے سہار کرنے کا حکم دیا۔ شاہی فوج نے اس حکم کی نہایت مستعدی سے تعمیل کی۔

ابن صباح کے استاد زادہ کی ہلاکت

حسن ابن صباح کے استاد کا پڑا احمد بن عطاش قلعہ کے ایک برج میں چھپ رہا۔ بعض سپاہی دوڑ کر سلطان کے پاس آئے اور اس محفوظ مقام کا جہاں احمد بن عطاش متمکن روپوش ہو گیا تھا پتہ بتایا۔ ایک افسر سلطان کے ایماء سے چند سپاہیوں کو لے کر اس برج پر چڑھ گیا۔ اور جس قدر باطنی وہاں ملے سب کو قتل کر ڈالا۔ مقتولوں کی تعداد اسی بیان کی جاتی ہے۔ جب احمد گر فٹار ہو کر سامنے

لایا گیا تو سلطان نے کہا۔ ”تم نے تو پیشین گوئی کر رکھی تھی کہ عوام و خواص میرے گرد جمع ہوں گے اور اصفہان میں میری عظمت و شوکت کا نظارہ ہے گا لیکن وہ پیشین گوئی جھوٹی ہوئی۔ احمد نے جواب دیا کہ میری پیشین گوئی صحیح ہوئی لیکن ”بر طریق حکومت“ بلکہ ”بر طریق فضیلت۔“ سلطان ہنس پڑا۔ آخر اصفہان کے کوچہ و بازار میں مشت کر اکر اس کو ہلاک کر دیا۔ اس کے ساتھ اس کا جوان بیٹا بھی مارا گیا۔ دونوں کے سر اتار کر دار الخلافہ بغداد بھیجے گئے۔ احمد کی بیوی نے یہ حالت دیکھ کر اپنے آپ کو ایک بلند مقام سے نیچے گرا دیا اور ہلاک ہو گئی۔ سلطان محمد کا وزیر سعد الملک جو درپردہ احمد کا معین و مددگار تھا سلطان کے قتل کی سازش میں ملوث پایا گیا۔ اس لیے اس کو بھی پھانسی دی گئی۔ غالباً وہ باطنی ہو گا۔ سعد الملک کی ہلاکت کے بعد سلطان نے قلمدان وزارت خواجہ نظام الملک مرحوم کے خلف ابو نصر احمد کے سپرد کر دیا۔ 503ھ میں ابو نصر احمد بذات خود فوج لے کر قلعہ الموت پر یلغار کرنے کے لیے بڑھا لیکن بوجہ شدت سرمایہ واپس آنے پر مجبور ہوا۔ آٹھ سال کے بعد 511ھ میں قلعہ الموت پر مکرر فوج کشی ہوئی۔ اس مہم کا قائد امیر نوعمین شیرگیر تھا۔ برابر ایک سال تک محاصرہ جاری رہا۔ جب رسد تمیز گئی اور اہل قلعہ کی بد حالی ناگفتہ بہ حالت تک پہنچ گئی تو ان صباغ نے عورتوں اور بچوں کو در خواست انان کے ساتھ سلطان محمد کی خدمت میں بھیجا لیکن ان صباغ کی فرد قرار دو جرم کچھ ایسی مختصر و خفیف نہ تھی کہ وہ کسی رعایت کا مستحق ہو سکتا۔ سلطان نے اس درخواست کو مسترد فرما دیا لیکن چونکہ قضا و قدر کی قوت قہرمان نے تسخیر قلعہ سے پہلے ہی سلطان محمد کو آغوشِ لہد میں سلا دیا، فوج محاصرہ اٹھا کر واپس چلی آئی اور قلعہ بدستور ان صباغ کے عمل و دخل میں رہ گیا۔

سلطان سنجر کے سرہانے ان صباغ کا خنجر اور خط

سلطان محمد کے انتقال پر 512ھ میں اس کا چھوٹا بھائی سلطان سنجر صاحب تاج و تخت ہوا۔ سلطان ملک شاہ کے بعد یہ بادشاہ اپنے دونوں بھائیوں سے زیادہ شجاع اور صاحب اقتدار تھا۔ وسعت ملک اور حربی قوت میں بھی ان پر فائق تھا۔ سلطان سنجر نے ارادہ کیا کہ تسخیر الموت کا جو کام ہر مرتبہ تشبہ تکمیل رہ جاتا ہے اس کو انجام تک پہنچائے۔ چنانچہ جمیز لشکر کا حکم دے دیا اور بذات خود فوج لیکر روانہ ہو گیا۔ یہ سن کر ان صباغ گھبرا یا کیونکہ شاہی لشکر کا مقابلہ اس کے حیظ امکان سے خارج تھا۔ اس کے فدائی تو چوروں اور رہزنوں کی طرح صرف چھریاں مارتا جانتے تھے۔ لہذا حسن بن صباغ نے یہ چالاکی کی کہ کسی خاص غلام یا حرم کو گانٹھ کر سلطان کی خواب گاہ کے سرہانے ایک خنجر زمین میں گروا دیا۔ علی الصبح جب سلطان نے ایک خنجر زمین میں پیوست پایا تو پریشان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ دستہ خنجر کے اوپر ان صباغ کا ایک خط بھی ہمدھا ہوا ملا جس میں لکھا تھا۔

ہاں! اے سلطان خنجر بہر ہیز کہ اگر رعایت خاطر تو منظور نہ ہو دے دے کہ خنجرے بر زمین سخت
فروید بر سینہ نرم تو سہل تر بود کہ فرو بدو

(ترجمہ) اے سلطان خنجر! ہماری اذیت سے باز آؤ۔ اگر تمہارا پاس خاطر منظور نہ ہو تا تو سخت زمین
میں خنجر پیوست کرنے کی نسبت تمہارے نرم سینہ میں اس کا چھو دینا زیادہ آسان تھا۔

خنجر اور خط کو دیکھ کر سلطان یہ سمجھا کہ میری فوج اور میرے سپرہ داروں میں ضرور
ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں ان صباہ سے نسبت ارادت حاصل ہے ورنہ کس کی مجال تھی کہ میری
خواب گاہ میں قدم رکھتا؟ سلطان خنجر خط پڑھنے کے بعد دل ہی دل میں کانپ رہا تھا۔ وہ اس واقعہ سے
اس قدر مرعوب ہوا کہ کسی طرح فوج لے کر پیش قدمی کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ اسی دن ان
صباہ کا قاصد بھی لشکر گاہ میں آپہنچا اور صلح کا خواستگار ہوا۔ سلطان پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا ہذا جان
کے خوف سے جنگ پر صلح و آشتی کو ترجیح دی۔ اور ان معمولی شرطوں پر صلح ہو گئی۔

1- اسماعیلی فرقہ کوئی جدید فوجی عمارت کا اضافہ نہ کرے۔

2- جدید اسلحہ اور منجنیقیں نہ خریدے۔

3- آئندہ اس فرقہ میں کوئی نیا شخص مرید نہ کیا جائے۔

لیکن ان صباہ کے لیے یہ شرطیں کسی حیثیت سے بھی مضرت رساں نہ تھیں کیونکہ اس
وقت تک پچاس سے زائد قلعے باطنیوں کے قبضہ میں آچکے تھے جو سب مستحکم اور کار آمد تھے۔ اس
بنا پر ان صباہ کو کسی مزید تعمیر و تشدید کی ضرورت نہ تھی۔ دوسری شرط بھی مضرت نہ تھی۔ کیونکہ ان
صباہ کے باطنی پیروؤں کے لیے صرف ایک چھری کافی تھی جو ہر وقت ان کے پاس رہتی تھی اور
اس معاہدہ کے بعد بھی رہ سکتی تھی۔ تیسری شرط کو بظاہر سخت تھی لیکن فی الحقیقت اس میں بھی کچھ
مضائق نہ تھا۔ حسن کا خود پہلے سے اس پر عمل در آمد تھا۔ کیونکہ اسماعیلی داعی ہر شخص سے مخفی
بیعت لیتے تھے۔ جس کا حال کسی پر کھل نہیں سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اگر اس دفعہ کی پابندی کی جاتی
تو بھی کچھ نقصان نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت باطنی فوج کی تعداد جو قرب وجوار میں پھیلی ہوئی تھی ستر
ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

ایک باطنی سفاک کے ہاتھوں وزیر ابو طالب کا قتل

516ھ میں سلطان محمود بن سلطان خنجر کے وزیر ابو طالب کمال سمیری باطنی معرکہ
آرائی کا نشانہ بن کر دار آخرت کو چلا گیا۔ ابو طالب کمال ہمدان جانے کے لیے سلطان کے ساتھ نکلا
تھا۔ بہت بڑا لشکر ساتھ تھا۔ وزیر نے مدرسہ کے راستے سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ چونکہ راستہ بہت تنگ تھا
اور پیادے آگے بڑھ گئے۔ ایک باطنی موقع پا کر وزیر پر حملہ آور ہوا۔ پیٹ میں چھری گھونپ دی اور

بہت سے زخم لگا کر بڑی پھرتی سے دجلہ کی طرف بھاگا۔ سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا۔ اتنے میں ایک اور مسلمان نے اس کو چمڑی سے ہلاک کر دیا جب سپاہی واپس آرہے تھے تو دو باطلینوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ یہ سپاہی ان سے بچ کر واپس آئے تو وزیر کو دیکھا کہ بحری کی طرح مذبح پر ہے۔ اور اس پر تیس سے زیادہ زخم ہیں۔ اس کے بعد تمام باطلی گرفتار ہو کر چاہ ہلاک میں ڈال دیئے گئے۔

موت

ان واقعات کے بعد ابن صباح نے 28 ربیع الآخر 518ھ کو جام مرگ نوش کر لیا۔ اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ پینتیس سال تک قلعہ الموت پر نہایت کامیابی سے حکومت کرتا رہا۔ ابن صباح کے پیروؤں کو جو ترقی نصیب ہوئی ”تاریخ آل سلجوق اصفہانی“ میں اس کا باعث محکمہ جاسوسی کا فقدان بتایا ہے اور لکھا ہے کہ سلطان وٹلم اور ان سے پیشتر جو حکمران تھے ان کا معمول تھا کہ تمام ملک میں خبر رسانی کے لیے جاسوس مقرر کرتے تھے اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس کے صحیح واقعات و مہم سلطان کے گوش زد نہ ہوتے رہتے ہوں۔ مگر سلطان الپ ارسلان نے جو سلطان ملک شاہ کا پیشرو تھا اپنے عہد میں یہ محکمہ توڑ دیا تھا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ فرقہ باطنیہ اندر ہی اندر ترقی کرتا گیا۔ اور سلطنت کو اس کی سازشوں اور خفیہ کارستانیوں کا اس وقت علم ہوا جب ابن صباح نے قزوین اور رودبار وغیرہ کے قلعوں پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔ ابن صباح نے اپنے عہد حکومت میں قریباً سو قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا جن میں سے یہ دس قلعے نہایت عظیم الشان تھے۔ الموت، گردک، لاسر، شاہ ور، دسکمو، خانجان، استون آوند، آروہن، الناطر، خلادخان۔ ان میں سے چوتھا قلعہ اصفہان کے پاس تھا پانچواں شہر ابھر کے متصل، چھٹا (اصفہان سے پانچ فرسنگ کے بعد پر۔ ساتواں شہر رے اور اہل کے بائیں، نوواں خوزستان میں، دسواں شہر آرجان کے متصل واقع تھا۔ ان کے علاوہ صوبہ رودبار اور قہستان وغیرہ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعے تھے سب ملا کر مجموعی تعداد سو کے قریب تھی۔

ابن صباح بحیثیت بانی فرقہ

ان اسماعیلی فرقوں کی تعداد جنہوں نے مختلف ملکوں اور وقتوں میں مختلف ناموں سے خروج کیا کم از کم اکیس تک پہنچتی ہے جن میں سے حسن بن صباح کا فرقہ حسنی سب سے آخری مسلم آزار فرقہ ہے جس سے عالم اسلام کو ساٹھ پڑا۔ پہلا فرقہ ملقب بہ اسماعیلی تو اصل ہے باقی اس کی شاخیں ہیں جو اپنے دعائے کی طرف منسوب ہو کر کسی خاص عقیدہ کے ماتحت کسی نام سے شہرت پذیر ہوئیں۔ دوسرا مبارک کی جو محمد بن اسماعیل کے غلام مبارک کی طرف منسوب ہوا جس نے کوفہ میں

اسامیٰ مذہب کی اشاعت کی۔ تیسرا ہائی جو بابک خرمی کا بیروہ ہے۔ چوتھا عمرہ جو سرخ لباس پہننے کے باعث اس نام سے مشہور ہوا۔ پانچواں میمون بن عبد اللہ بن میمون قداح ابو ازی کا بیروہ تھا۔ چھٹا خلقی جو عبد اللہ بن میمون کے نائب خلف کی طرف منسوب ہوا۔ ساتواں قرمطی جو حسان اشعث معروف بہ قرمط کی طرف منسوب ہے۔ آٹھواں برقی جو محمد بن علی برقی سے نسبت رکھتا ہے۔ برقی نے 255ھ میں بمقام ابو ازی خروج کیا۔ اور خوزستان اور بصرہ پر قبضہ کر کے ہزار ہالوگوں کو داخل مذہب کر لیا۔ آخر 270ھ میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے اسے سولی دی گئی اس نے اپنے عقائد میں مزدکی اور بابکی اصول بھی شامل کر لیے تھے۔ نواں جتالی جو ابو سعید جتالی کی طرف منسوب ہے۔ دسواں مدودی جو عبید اللہ مددی بانی دولت مندو عبیدی کی طرف منسوب ہے۔ اس فرقہ کو سعیدی بھی کہتے ہیں۔ گیارہواں فضلی علی بن فضل یعنی کی طرف منسوب ہوا۔ بارہواں بیضیہ جو ملک شام میں اس نام سے مشہور ہوا۔ تیرہواں حسنی جو حسن بن صباح کی طرف منسوب ہوا۔ اسی طرح اسماعیلیوں کے یہ نام بھی مشہور ہوئے۔ (14) تعلیمیہ (15) فدائیہ (16) حاشین (17) باطنیہ (18) صباحیہ (19) حمیریہ (20) ملاحدہ (21) زہاریہ۔ چونکہ عبیدی فرمانروا مستحسنی والی مصر کے عہد حکومت میں اس کے چٹے نزار نے اس سے بیعت نہ کرنے پر اسماعیلیہ کے ہواخواہوں کو قتل کیا تھا اور حسن بن صباح نے جو اس کے پاس رہتا تھا اس کے بعد کے اسماعیلی آئمہ کی امامت سے مصر میں انکار کیا تھا اس بنا پر اس کا گروہ نزاع کے نام سے موسوم ہوا۔

فصل 3۔ ابن صباح کے جانشین

ابن صباح کی موت کے بعد قلعہ الموت میں اس کے سات جانشین ایک سو چھتیس سال یعنی 654ھ تک حکمران رہے جن کی مختصر کیفیت درج ذیل ہے۔

1۔ کیا بزرگ امید

ابن صباح کی وصیت کے بموجب کیا بزرگ امید جو اس کا رفیق تھا۔ 518ھ میں شیخ اجل ہوا۔ ابو علی اس کا وزیر قرار پایا اور حسن قصرانی سپہ سالار متعین ہوا۔ اس کے عہد میں بہت سے حکمرانوں نے باہم اتفاق کر کے ارادہ کیا کہ باطنی گروہ کا خاتمہ کر دیں۔ چنانچہ سلطان سنجر کا چچا اور جانشین سلطان محمود قلعہ الموت پر چڑھ گیا اور اس کو فتح کر کے باطنیوں کو مری طرح پامال کیا۔ مگر سلطان محمود کے انتقال کے بعد کیا بزرگ پھر الموت پر قابض ہو گیا اور اس کی حکومت قزوین تک پھیل گئی۔ اس کے عہد میں تین جلیل القدر بادشاہ باطنی خون آشامی کا شکار ہوئے اور بہت سے دوسرے اکابر ملت بھی فرشیہ اجل کے حوالے کر کے آغوشِ لحد میں سلا دیئے گئے۔

شاہ موصل کی شہادت

519ھ میں قاضی ابو سعد محمد بن نصیر بن منصور ہروی کو ایک باطنی نے ہمدان میں نذرانہ پیش کیا۔ اس کے بعد ایک باطنی نے قسیم الدولہ آق سنقر بر سنی شاہ موصل رحمۃ اللہ علیہ کو اس وقت جامع مسجد موصل میں جام شہادت پلایا جبکہ وہ عامۃ المسلمین کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے گیا تھا۔ بادشاہ نے شہادت کی رات خواب میں دیکھا کہ کتے اس پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ چند کتوں کو تو اس نے ہلاک کر دیا ہے لیکن بعض آکر زخمی کر گئے ہیں۔ بادشاہ نے صبح کو یہ خواب اپنے مصاحبوں سے بیان کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ چند روز تک محل سرائے سے باہر نہ نکلے۔ بادشاہ نے کہا۔ ”آج جمعہ ہے کچھ ہی کیوں نہ ہو میں نماز جمعہ نہیں چھوڑوں گا۔“ عمائد سلطنت نے بہتر استنبھایا کہ آپ نماز جمعہ کے لیے نہ جائیے۔ محل ہی میں نماز ظہر ادا کر لیں مگر چونکہ پیمانہ حیات لبریز ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے منظور نہ کیا اور تلاوت کے لیے مصحف مقدس لے کر بیٹھ گئے۔ جب قرآن مجید کھولا تو سب سے پہلے اس آیت پر نظر پڑی۔ وکان امر اللہ قدر المقدور (امر الہی پہلے سے مقدر ہوتا ہے) سمجھ گیا کہ اب میرا وقت پورا ہو چکا۔ تلاوت کے بعد حسب عادت سوار ہو کر جامع مسجد گیا۔ بادشاہ کا ہمیشہ معمول تھا کہ شروع وقت میں جاتا اور پہلی صف میں بیٹھتا۔ اس زمانہ میں مسلمان والیان ملک اور ان کے امراء و وزرا عموماً خدا پرست، متشرع و دین دار ہوتے تھے اور ان کے دل میں یہ اعتقاد راسخ تھا کہ موت وقت معمو سے مقدم و موخر نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا پر اپنی حفاظت جان کے لیے کوئی اہتمام نہ کرتے تھے۔ جو نبی بادشاہ جامع مسجد میں جا کر بیٹھا اچانک اسی قدر باطنی چاروں طرف سے حملہ ہوئے جس قدر کہ بادشاہ نے خواب میں دیکھے تھے۔ ان کی تعداد دس سے کچھ زیادہ تھی۔ بادشاہ نے بھی مدافعت کی اور تین حملہ آوروں کو زخمی کیا لیکن انہوں نے اتنے زخم پہنچائے کہ بادشاہ گر پڑا۔ اور دم بھر میں دم توڑ کے جان دے دی۔ اس وقت جامع مسجد میں خون کا دریا بہہ رہا تھا۔ یہ بادشاہ بڑا عابد متقی تھا۔ پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرتا تھا۔ تجدد بھی قصائد کرتا۔ علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں کہ شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم نے میرے والد مرحوم سے بیان کیا تھا کہ یہ بادشاہ رات کا اکثر حصہ عبادت الہی میں گزارتا تھا۔ میں نے ایام سرما میں بارہا دیکھا کہ بستر سے اٹھ کر چپ چاپ ایک کبل اوڑھتا اور لوٹا لے کر پانی کے لیے دریائے دجلہ پر جاتا۔ میں اصرار کرتا کہ میں پانی لا دیتا ہوں مگر مجھے ہر دفعہ یہ کہہ کر سلا دیتا کہ اس وقت موصل میں کتنی سردی پڑ رہی ہے۔ میں سو جاتا اور وہ خود ہی جا کر پانی لایا کرتا۔ جب بادشاہ نے عالم آخرت کا سفر کیا اس وقت شاہزادہ عز الدین مسعود فرنگیوں سے حلب میں لڑ رہا تھا کیونکہ ان دنوں عالم اسلام میں ملیں لڑائیاں برپا تھیں۔ بادشاہ کے مصاحبوں نے اس کے پاس حلب خبر بھیجی۔ شاہزادہ حلب کا انتظام

کر کے موصل پہنچا اور تخت نشین ہوا۔ عزالدین مسعود نے قاتلوں کا سراغ لگانے کا حکم دیا۔ ان کا تو کچھ پتہ نہ چلا۔ البتہ یہ ثابت ہو ا کہ قاتل فلاں باطنی کے مکان پر آکر ٹھہرے ہوئے تھے۔ باطنی کو گرفتار کر کے اس سے بہتر پوچھا گیا کہ قاتل کون لوگ تھے اور کہاں ہیں؟ اس نے مرنا قبول کیا مگر اپنی قوم کا راز افشا کرنا گوارا نہ کیا۔ اس سے انعام اکرام کے بھی وعدے کئے گئے لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ آخر اس کی گردن مار دی گئی۔ کاش ہندوستان کے وہ مسلمان اس واقعہ سے سبق آموز ہوں جنہیں خوف و امید کی ادنیٰ ادنیٰ تحریک قوم فروشی پر آمادہ کر دیتی ہیں۔ اور کفر کی خاطر اسلام کو زخمی کرتے ہوئے خدا سے نہیں شرماتے۔ اور ابو العجبی دیکھو کہ ان فرنگی سوراہوں کو جو حلب میں شاہزادہ عزالدین مسعود سے برسر پیکار تھے۔ شاہ موصل کے واقعہ شہادت کا پہلے ہی سے علم تھا۔ والی نے ان سے سن کر عزالدین مسعود کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارے والد محترم پر ایک سخت حادثہ گزرا ہے۔ اس کے بعد موصل سے بھی اس واقعہ ہالک کی اطلاع پہنچ گئی۔ اسے ثابت ہوتا ہے کہ فرنگی اور باطنی ہمراز تھے۔ مسلمانوں کو بیک وقت دو خون آشام و دشمنوں کا مقابلہ درپیش تھا۔ ایک یورپ کے صلیبیوں کا دوسرے باطنی لمحدین کا۔ کچھ دنوں کے بعد سراغ رسالوں نے شاہ موصل کے اٹھ حملہ آوروں کا پتہ لگا لیا اور آٹھوں گرفتار ہو گئے۔ سات فدوی تو مارے گئے مگر ایک بھاگ کر بچ گیا۔ اس کی ماں کو پہلے اس کے قتل کئے جانے کی خبر ملی تھی جس پر اس نے بڑی خوشیاں منائیں۔ لباس فاخرہ پہن کر خوشبو لگائی اور عید کے سے ٹھاٹھ کے ساتھ بیٹھی ہی تھی کہ معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے۔ فوراً بال نوح ڈالے۔ کپڑے پھاڑ کر پھینک دیئے اور سر پر راکھ ڈال کر کہنے لگی۔ افسوس میرا پندار جہ شہادت سے محروم رہا۔ اس کے بعد رو رو کر کہتی تھی کہ ہائے میری کوکھ سے ایسا تالاق فرزند پیدا ہوا جسے شہادت سے جان پیاری ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فریب خوردگان باطنیت اپنے خیالات میں کس درجہ راسخ تھے اور شیخ الجیل نے ان سحرزدگان ضلالت پر اپنی مطلب براری کا کیا کچھ افسوس پھنک رکھا تھا؟ کاش ہماری ماؤں بہنوں میں بھی خدمت ملی کا وہ جذبہ پیدا ہوتا جو ایک باطل پرست عورت کے دل میں موجزن تھا۔

سلطان سنجر کے وزیر اور دوسرے امراء کی جانستانی

520ھ میں سلطان سنجر کے وزیر ابو نصر احمد بن فضل نے باطنیہ کے خلاف عزا کرنے کا حکم دیا اور فرمان جاری کیا کہ جہاں کہیں کسی باطنی پر قابو ملے اسے تنگ شمشیر کے حوالے کر دیں اور اس کا مال و متاع لوٹ لیں۔ ابو نصر احمد نے ایک تفکر تو طریثیت کی طرف مہجاءو باطنیوں کا ایک اہم مرکز تھا اور ایک جیش ضلع نیشاپور کے موضع بہق کے خلاف روانہ فرمایا جو باطنیوں کا ایک قصبہ تھا اور جہاں کا سردار حسن بن سمین نام ایک نہایت بد باطن باطنی تھا۔ وزیر نے دونوں

لشکروں کو حکم دیا کہ جو باطنی بھی کہیں مل سکے اسے زندہ نہ چھوڑو۔ دونوں لشکر اپنی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر اسلام نے شہنشاہ پہنچ کر وہاں خوب قتل عام کیا۔ حسن بن سہیم قصبہ سے نکل کر باہر کی طرف بھاگا۔ لیکن جب یقین ہو گیا کہ وہ لشکر اسلام سے کسی طرح بچ نہیں سکتا تو ایک مسجد کے مینار پر چڑھ کر زمین پر کود پڑا اور گرتے ہی پاش پاش ہو گیا۔ اسی طرح طریثیت والے لشکر نے بھی وہاں پہنچ کر باطنیوں کو خوب قتل کیا اور بہت سامان غنیمت لے کر واپس آئے۔ اس واقعہ پر باطنیوں کی آتش انتقام شعلہ زن ہوئی۔ ابو نصر احمد کی زندگی کا چراغ گل کرنے کی ناپاک کوششیں شروع ہو گئیں۔ آخر 521ھ کے اوائل میں باطنیوں کو وزیر ممدوح کی جان ستانی کا موقع مل گیا۔ اور وزیر ممدوح کو درجہ شہادت پر فائز ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ 523ھ میں باطنی فدائیوں نے شیخ عبداللطیف نجدی اصفہانی کو جو شافعی مذہب کے ایک ممتاز عالم تھے قتل کر کے اپنی بد اعمالیوں میں اضافہ کیا۔ 524ھ میں انہوں نے مصر کے عبیدی تاجدار ابو علی آمر بادشاہ کا اللہ کو خود اس کے دار السلطنت قاہرہ میں عالم فنائین پہنچا دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن صباح کے پیرو اسے اسمعیلیہ کا جائز وارث و امام تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ زار کی امامت کے معتقد تھے جسے بعض سازشوں کی بنا پر مصر کی خاندانی سلطنت حاصل نہ ہو سکی تھی۔ 526ھ میں بنو فاطمہ میں سے ابو ہاشم نام ایک بزرگ نے امامت کا دعویٰ کیا۔ بہت سے آدمیوں نے اس کی متابعت کی۔ کیا بزرگ نے انہیں کلاما بھیجا کہ میری اطاعت کرو۔ امامت کا دعویٰ تمہیں کسی طرح زیب نہیں دیتا اس لیے بہتر ہے کہ اس خطرناک دعویٰ سے باز آجاء۔ ابو ہاشم نے اس پیغام کا جواب درشت لہجہ اور عتاب آمیز الفاظ میں دیا۔ کیا بزرگ نے ان پر لشکر کشی کی اور شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ باطنی بھڑیوں نے ان کی مشکلیں کس لیں اور زندہ آگ میں جلا دیا۔ اسی سال قاضی ابو سعید ہر دی باطنیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ 527ھ میں علامہ حسن گورگانی ذبح کر دیئے گئے۔ ان کے باطنی قاتل کا نام ابو منصور ابراہیم خیر آبادی تھا۔ 528ھ میں ابو عبد اللہ نام ایک باطنی نے سید دولت شاہ علوی حاکم اصفہان کو تنگ اجل کے حوالے کیا۔ اسی سال دو باطنیوں نے جن کا نام ابو عبیدہ اور محمد دہستانی تھا۔ آق سنقر حاکم مراغہ پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اسی سال شمس تبریزی ایک عالم نے دو باطنیوں کے ہاتھ سے جن کو ابو سعید قاضی اور ابو الحسن فرمائی کہتے تھے جرعہ مرگ نوش فرمایا۔

نصاری کو دمشق پر قبضہ دلانے کی باطنی سازش

بہرام نام ایک سیاہ دل باطنی بغداد میں اپنے حقیقی مسلمان ماموں ابراہیم اسد آبادی کو جام شہادت پلا کر شام بھاگ گیا تھا۔ وہاں جا کر وہ اسماعیلی مذہب کے مناد کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ اور اوہر اوہر کے لوہاشوں اور لشکروں کو جمع کر کے اپنی ایک جماعت بنالی۔ چونکہ باطنیوں کا

معمول تھا کہ ذرا کسی مسلمان سے ان بن ہوئی اور اہل ایمان کے خلاف جو روئے نفاذ کا طوفان برپا کر دیا۔ اس لیے حلب کے حاکم ایلیغازی کو ان کی جان و مال کے تحفظ کی اس کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ بہرام کو دشمن بنانے سے احتراز کرے اور میل ملاقات کا سلسلہ قائم رکھے۔ اسی خیال کے ماتحت ایلیغازی نے بہرام کی درخواست کے بموجب ^{طغتمین} عامل دمشق کے پاس سفارش کر دی کہ بہرام کو دمشق میں قیام کرنے کی اجازت دے۔ ^{طغتمین} نے بہرام کو دمشق آنے کی اجازت دی۔ ابوطاہر بن سعد مرغینانی نے بھی بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے بجائے بہرام اور اس کے پیروؤں کو ہر طرح کی اخلاقی اور مالی امداد دی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہرام بڑا زور پکڑ گیا۔ اور اس کی جمعیت پہلے سے دو چند ہو گئی۔ گو حکام نے بہرام اور اس کی جماعت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا لیکن عامۃ المسلمین جو فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کے پیرو تھے باطنیوں کی آمد سے سخت کبیدہ خاطر تھے۔ انہوں نے باطنیوں کا مقاطعہ کر کے ان کا بری طرح قافیہ بچک کر رکھا تھا۔ اور یہ اعداء اللہ انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ بہرام نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے مقاطعہ اور عدم تعاون نے باطنیوں کو بہت کچھ پریشان کر رکھا ہے تو ^{طغتمین} سے کہنے لگا براہ کرم مجھے شہر سے باہر کوئی قلعہ دے دو تاکہ میں اور میرے پیرو اس میں اطمینان کی سانس لے سکیں۔ ^{طغتمین} نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ قلعہ بانیاس باطنیہ کو دے دیا جائے۔ بہرام دمشق میں اپنے مذہب کی دعوت کے لیے ایک باطنی کو جسے مزدقانی کہتے تھے چھوڑ کر قلعہ بانیاس میں چلا گیا۔ قلعہ میں پہنچ کر اس کی قوت اور شوکت میں مزید ترقی ہوئی اور گرد و نواح کے تمام باطنی اس قلعہ میں آگئے یہاں آئے ہوئے تھوڑے دن کے بعد بہرام نے پہاڑی علاقہ میں قدموس اور بعض دوسرے قلعوں پر بھی قبضہ جما لیا۔ بلبلک کے مضافات میں وادی تیم کے اندر ایک بڑی آبادی تھی جس میں نصیریہ زور دس محبوبس وغیرہ مختلف مذاہب وادیان کے لوگ آباد تھے۔ جن کے امیر کا نام ضحاک تھا۔ جب بہرام کی جمعیت بڑھ گئی تو وہ 522ھ میں ضحاک پر چڑھ دوڑا۔ گھمسان لڑائی ہوئی۔ بہرام مارا گیا اور اس کے پیرو دی طرح ہزیمت کھا کر سخت بد حالی کے ساتھ قلعہ بانیاس میں واپس آئے۔ اسماعیل نام ایک باطنی اس کا جانشین ہوا۔ مزدقانی نے اسماعیل کی ہر طرح سے اعانت کی۔ اس اثناء میں مزدقانی نے بھی دمشق میں بہت سے جہلا کٹھے کر کے بہت بڑا اجتماع لایا اور شہر میں بڑا اثر و رسوخ پیدا کیا۔ یہاں تک کہ تاج السلوک حاکم دمشق سے بھی اس کا حاکم فائق رہتا تھا۔ یہ وہ دن تھے جبکہ صلیبی لڑائیاں برپا تھیں اور یورپ کے ہر ملک سے فوجوں کے بادل اٹھ اٹھ کر اسلامی ممالک کی طرف بڑھ رہے تھے۔ فرنگی بہت دفعہ دمشق پر حملہ آور ہوئے مگر ہر دفعہ مارا کر ہٹا دیئے گئے۔ اب مزدقانی کی شیطنت دیکھو کہ اس مار آتین نے فرنگیوں سے ساز باز کر کے ان سے کچھ قول و اقرار لیا۔ اور وعدہ کیا کہ تم چپ چاپ و مشق آجاؤ میں تم کو یہاں قابض کر ادوں گا۔ نصرانی عمل و دخل کے لیے جمعہ کا دن مقرر

ہو گیا۔ اب مزدقانی نے یہ انتظام کیا کہ شر کی باطنی جمعیت کے علاوہ قلعہ بانیاں سے بھی بہت بڑی جمعیت طلب کی اور کھلا بھیجا کہ باطنی لوگ نماز جمعہ کے وقت چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں منقسم ہو کر تمام دروازوں سے شہر میں آجائیں۔ تجویز یہ کی کہ جب مسلمان نماز جمعہ کے لیے شہر کی جامع مسجدوں میں جا چکیں تو باطنی تمام مسجدوں کا محاصرہ کر لیں۔ اتنے میں نصاریٰ اگر شہر پر قبضہ کر لیں۔ اتفاق سے تاج الملوک کو اس سازش کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے مزدقانی کو بلا بھیجا اور تخیلہ میں لے جا کر اس کی گردن مار دی اور اس کے سر کو قلعہ کے دروازہ پر لٹکا کر منادی کرادی کہ جو باطنی جہاں ملے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ مسلمان پہلے ہی باطنی اعدائے دین کے خلاف دانت پیس رہے تھے۔ باطنیوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ اس دن سات ہزار باطنی عالم فناء میں پہنچائے گئے۔ یہ دیکھ کر اسمعیل باطنی حاکم قلعہ کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ مسلمان قلعہ بانیاں پر بھی چڑھ دوڑیں گے اور باطنیوں کو ہلاک کر کے قلعہ چھین لیں گے۔ اس نے نصاریٰ کے پاس پیغام بھیج کر قلعہ بانیاں ان کے حوالے کر دیا اور خود اپنی جمعیت لے کر کسی دوسری جگہ چلا گیا۔ اب فرنگی شہر دمشق سے بالکل قریب آگئے اور شہر پر حملہ کرنے کے لیے بہت بڑی جمعیت فراہم کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر تاج الملوک نے عربوں اور ترکمانوں کو مقابلہ کے لیے جمع کیا۔ آٹھ ہزار سواروں کی جمعیت فراہم ہوئی۔ نصاریٰ ماہ ذی الحجہ میں شہر کی طرف بڑھے اور دمشق کو محاصرہ میں لے لیا لیکن مسلمانوں نے انہیں بہت جلد شہر سے مار بھگایا۔ بے شمار فرنگی ہلاک ہوئے۔ تھوڑے دن کے بعد قلعہ بانیاں بھی ان سے چھین لیا گیا۔

خلیفہ بغداد کا جاں گسل حادثہ شہادت

باطنی چہرہ دستیوں کا سب سے ہولناک منظر خلیفہ مسٹر شد باللہ عباسی کا حادثہ قتل ہے۔ یہ خلیفہ 512ھ میں مسند آرائے خلافت ہوا۔ بڑی جری پر شکوہ باہمت اور صاحب الرائے تاجدار تھا۔ امور خلافت کو نہایت حسن اسلوب سے انجام دیا۔ ارکان شریعت کو مضبوط اور سنن نبویہ کا احیا فرمایا۔ خود یہ نفس نفیس شریک جنگ ہوتا تھا۔ اہماء میں بہت موٹا لباس پہنتا تھا۔ نہایت عابد و زاہد تھا۔ اپنے محل سرائے میں عبادت کے لیے الگ جگہ بنا رکھی تھی۔ جو نئی امور خلافت سے فارغ ہوتا عبادت خانہ میں آکر یاد الہی میں مصروف ہو جاتا۔ اس کے علم و فضل کی نسبت اتنا کہ دنیا کافی ہے کہ علامہ ابن الصلاح اور امام تاج الدین سبکی نے اس کو کتاب طبقات الشافعیہ میں زمرہ علماء میں شمار کیا ہے۔ شیخ ابو جرح شاشی نے فقہ شافعی میں ایک کتاب تصنیف کر کے خلیفہ مسٹر شد کے نام نامی سے معنون کی اور عمدۃ الدنیاء الدین کا خطاب پایا۔ نہایت خوشخط تھا۔ اس فن میں تمام خلفاء بنو عباس سے گوے سبقت لے گیا۔ اکثر کاتبوں کو اصلاح دیا کرتا تھا۔ رعایا کا بڑا محبوب تھا۔ اس کی جرات

ہبت، شجاعت اور اس کے حملے مشہور ہیں۔ 529ھ میں خلیفہ اور سلطان مسعود (بن سلطان محمد بن سلطان ملک شاہ) میں کسی بات پر ان بن ہوئی اور یہاں تک مخالفت ہو گئی کہ حرب و قتال تک نوبت پہنچی۔ امیرج کے مقام پر دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ خلیفہ کی فوج کے بڑے بڑے سپہ سالار سلطان سے مل گئے۔ فوج نے نمک حرامی کی اور اکثر نے ساتھ چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ کو ہزیمت ہوئی لیکن خلیفہ میدان جنگ میں نہایت پامردی سے ڈٹا رہا۔ بھاگ کر جان چھانا قطعاً گوارا نہ کیا۔ آخر خلیفہ اور قاضی القضاۃ علماء اور عمائد سلطنت گرفتار ہو گئے اور بعد ان کے پاس ایک قلعہ میں قید کر دیئے گئے۔ جب یہ وحشت ناک خبر بغداد پہنچی تو اہل شہر اپنے سروں پر خاک ڈالتے اور نالہ و شیون کرتے ہوئے نکلے اور عورتیں سر کے بال کھولے اپنے محبوب اور ہر دل عزیز خلیفہ کے لیے بین کرتی پھریں۔ اس روز اضطراب کا یہ عالم تھا کہ بغداد کی کسی مسجد میں نماز باجماعت ادا نہ ہوئی۔ اسی روز عراق میں سخت زلزلہ آیا۔ لوگ اس سے اور بھی خوف زدہ ہوئے اس کے بعد متواتر پانچ چھ مرتبہ زلزلہ کے زبردست جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ سلطان سب نے اپنے بچے سلطان مسعود کو لکھا کہ اس خط کے پہنچنے ہی تم خود خلیفہ کے پاس جاؤ اور زمین خدمت چوم کر اس سے عفو و تقصیر کی درخواست کرو اور اپنے آپ کو مجرم اور گنہگار ظاہر کرو۔ جس روز سے تم نے خلیفہ کو قید کیا آندھی، بجلی اور زلزلے برپا ہیں۔ فوجوں میں سخت تشویش ہے بلاد امصار میں انقلاب عظیم رونما ہے۔ یہ ایسی ارضی و سماوی علامتیں ہیں کہ جن کے دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں۔ مجھے خدائے قہار کی طرف سے اپنی اور تمہاری جان کا خوف ہے۔ پھر بغداد کی جامع مسجدوں میں نماز جمعہ کا ادا نہ کیا جانا اور خطبوں کا موقوف رہنا کتنا بے انصاف ہے۔ میں اس بار عظیم کا کسی طرح متحمل نہیں ہو سکتا۔ بھر ہے کہ تم اپنی غلطی کی فوراً تلافی کرو اور خلیفہ المسلمین کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ ان کے مقام پر پہنچاؤ اور جیسا کہ ہمارے آباؤ اجداد کا معمول رہا ہے خلیفہ کے سامنے جا کر زانوئے ادب نہ کرو۔ سلطان مسعود نے اپنے چچا کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ خلیفہ کے پاس جا کر زمین خدمت چومی اور گڑگڑا کر معافی مانگی۔ اتنے میں سلطان سب نے امیر قزاق کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس غرض سے سلطان مسعود کی طرف روانہ کیا کہ وہ سلطان مسعود کو سمجھا دے کہ خلیفہ کی واپسی کی کوشش کرے۔ باطنی لوگ بہت دن سے خلیفہ المسلمین کی جان کے درپے تھے لیکن کوئی موقع نہ ملتا تھا۔ اس فوج میں جو سلطان سب نے روانہ کی چودہ یا سترہ باطنی بھی شامل ہو گئے۔ سلطان مسعود نے خلیفہ اور اس کے ارکان سلطنت کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ سوار کر کے بغداد کی طرف روانہ کرنے کا انتظام کیا۔ ابھی یہ چلنے والے تھے کہ اتنے میں خبر پہنچی کہ امیر قزاق سلطان سب کے قاصد کی حیثیت سے آرہا ہے۔ خلیفہ نے اس کی آمد کے انتظار میں تھوڑی دیر کے لیے روانگی ملتوی کر دی۔ سلطان مسعود اور اس کے امراء امیر قزاق کی ملاقات میں مصروف ہو گئے۔ خلیفہ کا خیر

لشکر سے الگ ایستادہ تھا۔ باطنی خیمہ میں گھس کر خلیفہ پر حملہ آور ہوئے اور چاروں طرف سے چھریوں کے وار کرنے لگے۔ خلیفہ شہید ہو گیا۔ ان ناکاروں نے نہایت بے رحمی سے خلیفہ کی جان لی۔ اس کے بعد اپنی بہیمیت کا یہ ثبوت دیا کہ ناک کاں بھی کاٹ لئے اور خلیفہ کو برہنہ چھوڑ دیا۔ یہ خوفناک حادثہ 17 ذوالقعدہ 529ھ کے دن رونما ہوا۔ لشکر کو اس حادثہ کی اس وقت اطلاع ہوئی جب وہ اپنا کام کر چکے تھے۔ آخر سب حملہ آور گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ سلطان مسعود تعزیت کے لیے بیٹھا۔ لوگ اتار دئے کہ شور و ادوا سے ہنگامہ قیامت برپا ہو گیا۔ جب یہ ہولناک خبر بند اور پہنچی تو وہاں کسرام کھنچ گیا۔ ارباب ایمان پر بارالم ٹوٹ پڑا۔ لوگ پابند ہنہ کپڑے پہاڑتے ہوئے اور غورتیں بال بھیرے گالوں پر طمانچے مارتی ہوئی لکلیں اور شہر میں ہر جگہ صف ماتم چھ گئی۔ خلیفہ مسترشد باللہ کی شہادت کے بعد اس کے فرزند راشد باللہ نے فوج لے کر باپ کا انتقام لینے کے لیے 531ھ میں قلعہ الموت پر چڑھائی کی لیکن اٹائے راہ میں دوپہر کے وقت جبکہ وہ اپنے خیمہ میں استراحت فرما تھا چار فدائیوں نے خیمہ میں گھس کر اس کا کام تمام کر دیا۔ قلعہ الموت میں آٹھ روز تک اس قتل کی خوشی منائی گئی۔ شب دروز ڈھول اور جھانجھیں چاکیں۔ انہی ایام میں دو باطنیوں نے جو محمد کرخی اور سلیمان قزوینی کے نام سے موسوم تھے شہر قزوین کے مفتی اعظم شیخ حسن ابو القاسم کرخی کو شہید کر کے شہر نموشاں میں بھجوا دیا۔ کیا بزرگ چودہ دس دو مہینہ حکومت کر کے 532ھ میں مر گیا۔

2۔ محمد بن کیا بزرگ امید

کیا بزرگ کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا محمد جانشین ہوا۔ یہ بالکل جاہل و ناخواندہ تھا لیکن باطنی الحاد و زندہ کی پیروی میں ان مباح اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ اس کے عہد میں بھی خوزری علی حالہ جاری رہی۔ فدائی لوگ جہاں کہیں کسی مسلمان کو پاتے اس کو لوٹ کر قتل کر دیتے۔ لیکن یہ لوگ مقتولین کے مال و متاع پر خود ہرگز تصرف نہیں کرتے تھے بلکہ جو کچھ ہاتھ لگتا شیخ الجبل کے خزانہ عامرہ میں بچھا دیتے تھے اور یہ الفاظ ہر وقت ان کی زبان پر تھے۔ ”ہم دنیائے دنی اور اس کی لذات فانیہ کے خواہشمند نہیں ہیں بلکہ ہم طالب مولیٰ ہیں۔ صفحہ ہستی کو مخالفوں کے خار وجود سے پاک کرنا ہمارا نصب العین ہے۔“ چونکہ قہستان کے قاضی صاحب ہمیشہ باطنیہ کے کفر کے فتوے لکھا کرتے تھے اس لیے 533ھ میں ابراہیم و امغانی نام ایک باطنی نے حملہ کر کے ان کو وحشت سرائے دنیا سے عالم عقبیٰ میں بھج دیا۔ تھوڑے دن کے بعد اسی باطنی نے دار السلطنت جارجیا (گرجستان) کے قاضی تھکس کو جام شہادت پلایا۔ 534ھ میں ایک باطنی اسماعیل خوارزمی نے ہمدان کے قاضی صاحب کی جان لی۔ رحمہم اللہ۔

باطنی مقتولین کی کھوپڑیوں کا منارہ

534ھ میں باطنیوں نے سلطان سبخر کے خادم خاص جوہر کو قتل کر کے شرف شہادت پر مشرف کیا۔ جوہر کو سلطنت میں بڑے بڑے اختیارات حاصل تھے۔ تمام فوجی افسر اس کی خدمت کرتے تھے۔ بڑے بڑے امراء و دروساء اس کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے۔ سلطان نے اپنی مملکت کا بہت سا حصہ اس کی ملک کر دیا تھا۔ عباس حاکم رہے جوہر ہی کا غلام تھا۔ چند باطنی زمانہ لباس پہن کر مستغیث کی حیثیت سے جوہر کے دولت کدہ پر آئے۔ جوہر ان کو ستم رسیدہ عورتیں سمجھ کر فریاد رسی کے لیے کھڑا ہو گیا۔ وہ موقع پا کر پہل پڑے اور چھریاں مار کر ٹھکانے لگا دیا۔ جوہر کا غلام عباس فوج لے کر باطنیوں پر چڑھ دوڑا۔ جو باطنی ملا اس کو ہلاک و پامال کیا۔ عباس نے باطنیہ کے قلع قمع میں جو کام کیا شاید اس سے بڑھ کر کسی اور سے نہ بن پڑا ہو گا۔ عباس نے اپنے آقا کے قتل کئے جانے کے بعد باطنیوں کی سرکوبی و پامالی ہی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے لیا۔ چنانچہ تادم واپس انہی کے خلاف غزائیں مصروف رہا۔ عباس نے ان کی آبادیوں کو لوٹ کر ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ایک روایت میں ہے کہ امیر عباس نے ہزار ہا باطنی قتل کئے اور ان کی کھوپڑیوں کا مینار بنوایا۔ جس پر مؤذن اذان دیتا تھا۔ اسی سال باطنیوں نے عین الدولہ خوارزم شاہ کی جان لی۔ 535ھ میں ایک باطنی نے جس کو حسین کرمانی کہتے تھے امیر ناصر الدولہ بن مہملہل کو خون ہلاک سے ٹکڑوں کیا۔ 535ھ میں امیر کر شاشب والی کرمان کو جرحہ شہادت پلایا۔ 538ھ میں باطنیوں نے سلطان محمد کے پوتے شاہزادہ داؤد بن سلطان محمود کو چھریاں مار مار کر مار ڈالا۔

امراء اسلام کے ہاتھوں باطنیوں کی رسوائی و بربادی

محمد بن کیا بزرگ کے آخری ایام دولت ہی میں باطنی ترقی کا دور ختم ہو گیا اور زوال و انحطاط نے اس کی جگہ لے لی۔ ماہ ربیع الاخر 549ھ میں سات ہزار اسماعیلی قہستان سے عازم خراسان ہوئے اور وہاں کے ایک حکمران فرخ شاہ بن محمود کاشانی سے چھپر خانی شروع کر دی۔ امیر فرخ شاہ نے اپنی حرلی کمزوری کا دوا بیل کر کے امیر محمد بن انز کے پاس جو خراسان کے اکابر امراء میں ایک بڑا بہادر حکمران تھا باطنیہ کے قلع قمع میں اشتراک عمل کرنے کا پیغام بھیجا۔ محمد بن انز اپنی فوج لے کر آپہنچا۔ اب فرخ شاہ اور ابن انز نے مل کر باطنیوں کا مقابلہ شروع کیا اور مارتے مارتے ان کا بڑی طرح صفایا کیا۔ باطنیہ کے تمام سردار مارے گئے اور لشکر بھی تباہ ہو گیا۔ بقیۃ السیف میں سے اکثر باطنی قید کر لیے گئے۔ اسی طرح 552ھ میں رستم بن علی شاہ مازندران نے اپنی فوج کے ساتھ کوچ کر دیا۔ لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ کہاں کا قصد ہے؟ شاہ مازندران تنگ راستوں اور غیر معروف

وادیوں میں سے ہوتا ہوا قلعہ الموت کے پاس جا پہنچا۔ باطنیوں کی آبادی میں پہنچ کر قتل و مہرباں ہزار گرم کر دیا۔ باطنی مقابلہ پر آئے لیکن ذلیل ہو کر پسپا ہو گئے۔ رستم شاہ کو بہت سامان غنیمت ہاتھ آیا۔ اس کے علاوہ باطنی عورتیں اور بچے بھی قید کر لیے اور ان سب کو طبرستان لاکر برسر بازار فروخت کر دیا لیکن اسی سال عالم اسلام میں اس ہولناک خبر سے سناٹا چھا گیا کہ باطنیوں نے خراسان کے عازمان حج کو نہایت بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حاجیوں کا قافلہ خراسان سے روانہ ہوا تھا جب یہ حضرات بسطام سے آگے بڑھے تو باطنیوں کی ایک زبردست جمعیت سے ٹکرا پڑے۔ باطنی کثیر التعداد اور سامان جنگ سے آراستہ تھے انہوں نے بے دریغ عازمان حج کو قتل کرنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر حجاج نے بھی مقابلہ کیا۔ بہت دیر تک لڑائی ہوتی رہی دونوں طرف سے بے شمار آدمی مارے گئے۔ آخر عازمان حج مغلوب ہو گئے اور بقیۃ السیف نے امان مانگی۔ باطنیوں نے ہتھیار لے کر ان کو قید کر لیا۔ پھر ایک ایک کر کے ان قیدیوں کی گردن مارنی شروع کر دی۔ چند آدمی بھاگنے میں کامیاب ہو گئے باقی ماندہ عفریت اجل کے حوالے کر دیے گئے۔ اس لڑائی میں خراسان کے بہت سے علماء صلحا اور زہاد جرحہ شہادت پائی کر ریاض الجنۃ کو چلے گئے اس میدان میں جہاں شہدائے گور و کفن پڑے تھے دوسرے دن ایک پیر فانی آیا اور مقتولین و مجروحین کے ارد گرد چکر لگا کر کہنے لگا۔ ”اے ایمان دارو! اے حاجیو! میں مسلمان ہوں۔ ملحد بنے دین لوگ چلے گئے۔ جو کوئی پانی پینا چاہے میں اسے پلا سکتا ہوں اور ہر طرح سے خدمت کو حاضر ہوں۔“ ان میں سے جو جو ایسے مجروح جن میں کچھ رقی باقی تھی اس سے ہم کلام ہوئے وہ اس بڑھے ہمیزے کی تیغ جھاک نشانہ بن گئے۔ ”جاو دیکھ باطنی اشتیاء امرائے اسلام کے ہاتھوں ہر جگہ ذلیل و پامال ہو رہے تھے لیکن شر انگیزی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی اور جان ستانی ان کی زندگی کا اہم ترین مقصد تھا۔ اس فتنہ و فساد سے کسی طرح باز نہیں آتے تھے۔ ان کی فتنہ انگیزی کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ قہستان میں ترکمانوں کا ایک قبیلہ بودباش رکھتا تھا۔ 553ھ میں ایک ہزار سات سو باطنی اپنے قلعوں سے نکل کر اس قبیلہ پر حملہ آور ہوئے۔ اتفاق سے قبیلہ کا کوئی مرد اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ باطنیوں نے وہاں پہنچ کر خوب لوٹ مچائی۔ جس قدر اموال کو فتنل کر سکتے تھے ان کو لے چلے اور باقی ہر چیز کو آگ لگا دی اور قبیلہ کی تمام عورتوں اور بچوں کو قید کر کے مراجعت کی۔ جب ترکمان واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ نہ کوئی مکان ہے نہ مکین اور نہ مال مویشی ہیں اور نہ اثاث الیبت۔ آخر معلوم ہوا کہ باطنی آکر لوٹ مار کر گئے ہیں۔ ترکمان ان کی تعاقب میں چلے اور ان کو ایسے وقت میں جالیا جب کہ باہم مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ ترکمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کر کے ہلہ بول دیا اور اس قدر تلوار چلائی کہ باطنیوں کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ سترہ سو میں سے صرف نو باطنی بچے۔ باقی سب علف تیغ اہل اسلام بن گئے۔ ترکمان اپنے

اہل و عیال اور مال و منال کو لے کر مراجعت فرما ہوئے۔ محمد بن کیا زرگ چوبیس برس آٹھ مہینے حکومت کر کے 556ھ میں راہی ملک عدم ہوا۔

3- حسن بن محمد معروف بہ حسن ثانی

محمد بن کیا زرگ کے بعد اس کا بیٹا حسن بن محمد معروف بہ حسن ثانی نے تاج حکمرانی سر پر رکھا۔ یہ شخص چالاکیوں میں ان صباغ کا ہم پایہ تھا۔ فرقہ اسمعیلیہ میں حسن ثانی کی اتنی عزت تھی کہ اس کا نام بھی زبان پر لانا بے ادبی خیال کیا جاتا تھا۔ اس لیے نام کی جگہ ”علیٰ ذکرہ السلام“ کہتے تھے۔ اس نے مسند نشینی کے بعد 27 رمضان 557ھ کو دربار عام کرنے کا اعلان کیا اور ان امراء اور ممتاز لوگوں کے نام جو اس کی قلمرو میں سکونت پذیر تھے حکم بھیجا کہ تمام لوگ بلدۃ الاقبال میں جمع ہوں۔ (باطنیوں نے قلعہ الموت کا نام بلدۃ الاقبال رکھ دیا تھا) چنانچہ دور و نزدیک کے تمام بڑے بڑے باطنی جمع ہوئے۔ قلعہ کی عید گاہ میں ایک منبر رکھا گیا۔ منبر کے چاروں طرف علم سرخ، سبز، زرد اور سفید رکھے گئے۔ حسن ثانی نے منبر پر چڑھ کر ایک خط نکالا اور کہنے لگا کہ یہ خط امام مستور حضرت امام مہدی علیہ السلام نے میرے نام بھیجا ہے۔ اس کا خط کا مضمون یہ تھا کہ ”حسن ہمارا نائب ہمارا اپنی اور وزیر ہے۔ جو لوگ ہمارے مذہب کے پیرو ہیں وہ ہر بات میں اس کی اطاعت کریں خواہ وہ بات روحانی ہو یا جسمانی۔ اس کے حکم کو حکم خدا اور وحی منطوق یقین کریں۔ جس امر سے باز رکھے اس سے اجتناب کریں۔ جس کام کا حکم دے اس کی بلا تا مل تعمیل کریں۔ اس کے امر و نہی کو یوں سمجھیں کہ گویا ہم بذات خود امر و نہی کر رہے ہیں۔“ یہ نامہ پڑھ کر حسن کہنے لگا کہ ان لوگوں پر فضل و رحم کے دروازے کھل گئے ہیں جو میری اقتدا و اتثال امر کریں گے۔ میں امام زمان ہوں۔ میں نے آج کے دن سے تمام تکالیف شریعہ کو خلق خدا سے اٹھا دیا ہے۔ احکام شریعت نافذ کر دیئے ہیں یہ زمانہ قیام قیامت کا ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ باطن میں خدا کی محبت رکھیں اور ظاہر میں جو چاہیں کریں کوئی پابندی نہیں۔ حسن بن صباح نے اپنے باطنی مسلک میں بعض ظاہری احکام بھی داخل کر رکھے تھے چنانچہ یہ لوگ روزہ رکھتے تھے۔ حسن ثانی نے منبر سے اتر کر فریضہ صوم توڑ دیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کی پیروی میں روزہ افطار کر دیا۔ تمام شرعی قیود اٹھ گئے۔ عید کی سی خوشی منائی گئی اور اس دن کا نام عید القیام رکھا گیا۔ اکثر مورخوں کے قول کے بموجب یہ وہی دن تھا جس میں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ (کرم اللہ وجہہ) نے کوفہ میں ابن ملجم شقی کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ باطنیہ کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰ کا یوم شہادت بڑا خوشی کا دن تھا کیونکہ ان کے زعم میں قید خانہ دنیا سے چھوٹ کر عالم عقبیٰ میں جانا ارواح کاملہ کی لذت اور خوشی کا باعث ہے۔ باطنی لوگ قیود مذہب سے پہلے ہی آزاد تھے اس دن سے بالکل مطلق العنان ہو گئے۔ سب

لوگوں نے سارا دن طرح طرح کی آزادیوں اور شہوت پرستیوں میں بسر کیا۔ چونکہ ہر قسم کی مذہبی پابندیاں اٹھ چکی تھیں باطنیہ میں فسق و فجور کی گرم بازاری ہوئی۔ شراب اور زناکاری گھر گھر پھیل گئی۔ باطنی حسن ثانی کو قیامت سے بھی تعبیر کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں قیامت اسی وقت قائم ہوگی جبکہ رسوم شرعیہ اٹھادی جائیں گی اور حسن ثانی نے تمام تکلیفات شرعیہ کو ہر طرف کر دیا تھا۔ چنانچہ کسی باطنی شاعر کا قول ہے۔

برداشت غل شرع بتائید ایزدی

مخدوم روزگار علی ذکرہ السلام

حسن ثانی چار برس حکومت کر کے 559ھ میں اپنے سالے حسن نامور کے ہاتھ سے مارا

گیا۔

4۔ محمد ثانی بن حسن

محمد ثانی بن حسن ثانی نے عمان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے باپ کے قصاص میں قاتل اور اس کے خاندان کے تمام زن و مرد کو ہلاک کر دیا۔ اس کے عہد کا ایک قصہ مشہور ہے کہ امام فخر الدین رازنیؒ و عظمیٰ میں فرمایا کرتے تھے۔ **لله سماعی لیتہ لعنہم الله و غذلہم الله** (اسماعیلی اس مسئلہ کے خلاف ہیں خدا ان پر لعنت کرے اور ان کو ذلیل کرے) جب یہ خبر محمد ثانی کو پہنچی تو اس نے ایک فدائی کو روئے بھیجا۔ یہ فدائی امام صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہو گیا اور برابر کئی مہینہ تک دوسرے طلبہ کی طرح درس میں شریک ہوتا رہا۔ سات مہینہ کے بعد اس نے ایک دن امام کو تنہا پایا مگر اگر کہ سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اور خنجر گلے پر رکھ دیا۔ امام صاحب سخت پریشان تھے کہ میرے شاگرد نے یہ کیا حرکت کی اور کیوں کی؟ امام نے خوف زدہ ہو کر پوچھا آخر تم کیا چاہتے ہو؟ باطنی فدائی نے کہا سیدنا محمد بن حسن بعد سلام فرماتے ہیں کہ عوام کے کئے مخالفانہ قول کی ہم کو کچھ پروا نہیں ہوتی۔ کیونکہ عامۃ الناس کی باتیں نقش بر آب کا حکم رکھتی ہیں مگر آپ جیسے فاضل روزگار کا ایک ایک مخالفانہ لفظ ہمارے لیے تیر و نشتر ہے۔ کیونکہ آپ کا کلام صفحہ روزگار پر ہمیشہ باقی رہے گا۔ دوسرے ہمارے بادشاہ نے آپ سے التماس کی ہے کہ آپ ہمارے قلعہ الموت میں تشریف لا کر ملاقات فرمائیں۔ امام فخر الدینؒ نے فرمایا کہ وہاں میں تو نہیں جاسکتا۔ البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی کلمہ تمہارے بادشاہ کے خلاف میری زبان پر نہ آئے گا۔ اس کے بعد فدائی امام صاحب کے سینے سے اترا اور گلے سے خنجر ہٹا کر کہنے لگا کہ تین سو مشقال سونا اور دو بیس چادریں میرے حجرے میں رکھی ہیں وہ آپ منگالیں۔ سیدنا محمد بن حسن کی طرف سے یہ ایک سال کا وظیفہ ہے اور آئندہ بھی اسی قدر تنخواہ کسی کے توسط سے آپ کو ملتی رہے گی۔ یہ کہہ کر حجرے سے نکلا اور

چلا گیا۔ امام رازیؒ نے آخر تک اس عہد کو نبھایا۔ باطنیوں کے متعلق امام صاحب کے طرز عمل میں جو غیر معمولی تغیر رونما ہوا اس نے لوگوں میں اشتباہ پیدا کر دیا۔ آخر ایک شاگرد نے تغیر کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں ان لوگوں کو برا کہنا پسند نہیں کرتا جن کے دلائل خاردار اور ارادے بہت تیز ہیں۔

لیکن میرے خیال میں یہ قصہ بالکل جھوٹ، افتر اور من گھڑت ہے۔ اس کا واضح امام رازیؒ کا کوئی عدویا اہل علم کا دشمن ہے۔ جس نے اکابر اسلام کو بدنام کرنے کے لیے ایسا مضحکہ خیز افسانہ تراشا۔ ہمارے آئمہ متدین ایسے کمزور نہ تھے کہ جان چانے کی خاطر باطل سے دب جاتے۔ ان مقتدیان ملت پر ایسی بدگمانی کرنا سخت معصیت ہے۔

وزیر نظام الملک مسعود کی جاں ستانی

چونکہ باطنیوں کی سرسبزی اسلام اور اہل اسلام کے زوال و انحطاط کو مستلزم تھی اس لیے شاہان اسلام ان دشمنان دین کے قلع قمع کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتے تھے۔ 596ھ میں سلطان خوارزم شاہ نے جو خوارزم، رے، خراسان اور شہرستان کے ان پہاڑی علاقوں کا بادشاہ تھا جو غیشاپور اور خوارزم کے درمیان واقع ہیں باطنیوں سے قتال کرنے کا عزم فرمایا۔ قزوین کے پاس باطنیوں کا ایک بڑا قلعہ تھا جسے ارسلان کشاہ کہتے تھے۔ اس کو فتح کر کے قلعہ الموت کی تسخیر کے لیے روانہ ہوا۔ باطنیوں نے اس کے انتقام میں علامہ صدر الدین محمد بن وزان کو جو رے میں شافعی مذہب کے ایک بڑے امام تھے جام شہادت پلا دیا۔ بادشاہ علامہ ممدوح سے بڑا مانوس تھا۔ خوارزم شاہ کو اس واقعہ ہالک کا اتنا صدمہ ہوا کہ الموت کا عزم فسخ کر کے خوارزم چلا گیا۔ باطنیوں نے اس کے ساتھ ہی خوارزم شاہ کے وزیر نظام الملک مسعود بن علی پر حملہ کر کے اس کو خلد آباد کی طرف روانہ کر دیا۔ بادشاہ نے وزیر کے پیٹھ قطب الدین کو حکم دیا کہ وہ فوج لے کر جائے اور باطنیوں سے اپنے باپ کا انتقام لے۔ قطب الدین نے چھوٹے ہی باطنیوں کے ایک قلعہ ترشیش کو جا گھیرا۔ جب باطنی محاصرہ سے تنگ آئے تو مصالحت کی سلسلہ چھانی شروع کی۔ بہت دن تک نامہ و پیام رہا لیکن قطب الدین نے کسی شرط کو منظور نہ کیا۔ انہوں نے کھلا بھیجا کہ اگر محاصرہ اٹھا لو تو ایک لاکھ دینار حاضر کرتے ہیں۔ چونکہ اس اثناء میں قطب الدین کو خود ہی واپس جانے کی بعض مجبوریاں پیش آگئیں اس لیے ایک لاکھ دینار لیکر چلا گیا۔

وزیر نظام الملک مسعود بن علی بواصالح و متقی اور حسن سیرت میں یگانہ روزگار شافعی المذہب تھا۔ پہلے شہر مرو میں صرف حنفی مذہب کی ایک عظیم الشان مسجد تھی جسے جامع حنفیہ کہتے تھے۔ وزیر نظام الملک نے ایک شافعی مسجد بھی تعمیر کرائی۔ وزیر ممدوح نے خوارزم میں بھی ایک

جامع مسجد اور شاندار مدرسہ تعمیر کرایا۔ جس کے ساتھ ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی وقف کیا۔ خوارزم شاہ کے حملہ کے چار سال بعد یعنی 600ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے علاء الدین محمد بن ابوالعلیٰ کو جو بلاد غوریہ کا حاکم تھا باطنیوں کے تمس ننس کا حکم دیا۔ علاء الدین نے باطنیوں کے شر قائن پر تاخت کی اور شر کو محاصرہ میں لے لیا۔ محصورین کی حالت دن بدن مخدوش ہونے لگی۔ لیکن جب علاء الدین نے سلطان شہاب الدین غوری کے انتقال کی خبر سنی تو ساٹھ ہزار دینار لے کر صلح کر لی۔ یہاں سے محاصرہ اٹھا کر باطنیہ کے قلعہ کا خاک پر جا پڑا اور اس کو فتح کر کے بہت سامان غنیمت اور باطنی قیدیوں کے ساتھ مراجعت کی۔ یاد رہے کہ یہ سلطان شہاب الدین وہی شہاب الدین محمد غوری ہے جس نے 1193ء میں راجہ پر تھی راج والہ دہلی واجیر کو شکست دے کر ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم کی تھی۔ رحمہ اللہ۔

اتیفش اور سلطان جلال الدین کے ہاتھوں باطنی ملاحدہ کی سرکوبی

جب سلاطین آل سلجوق کے نظام حکومت میں اختلال راہ پذیر ہوا اتیفش نے رے اور ہمدان میں چتر حکومت سر پر رکھا تو اس نے سب سے پہلے عنان عزیمت باطنی ملاحدہ کی سرکوبی کی طرف معطوف فرمائی۔ چنانچہ 602ھ میں باطنیوں کے ان قلعوں پر جو رے کے قرب و مجاورہ میں تھے لشکر کشی کی۔ بے شمار ملاحدہ کو قتل اور قید کیا۔ اور پانچ قلعوں کو بزور تیغ فتح کر کے قلعہ الموت کا قصد کیا۔ مگر اتفاق سے ایسے عوائق و موانع حائل ہوئے کہ جن کی وجہ سے قلعہ مذکور محض نہ ہو سکا۔ اس کے بعد سلطان جلال الدین بن علاء الدین خوارزم شاہ نے ہندوستان سے واپس جا کر 664ھ میں باطنیوں پر فوج کشی کی اور جس طرح اس گمراہ فرقہ نے امرائے اسلام کی جان لی تھی اسی طرح اس نے بھی اس فرقہ کے سرداروں کو خوب تہ تیغ کیا اور ان کے شہروں اور قلعوں کو تاخت و تاراج کیا۔ قلعہ الموت کے قرب و جوار کے قلعے اور نیز وہ باطنی قلاع جو خراسان میں جلال الدین کے یتیم حملوں سے تباہ و ویران ہو کر کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے۔ جس زمانہ سے تاتاریوں نے حملہ کیا تھا انہی ایام سے فرقہ باطنیہ نے بلاد اسلامیہ کی طرف قدم بڑھائے تھے مگر جلال الدین ان کی سرکوبی کے لیے غیب سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جس کے یتیم حملوں نے باطنیوں کی کماحقہ گوشمالی کردی اور جسم اسلام کے اس تکلیف دہ ناسور کا قرار واقعی مٹا دیا۔

5۔ جلال الدین محمد ثانی ملقب بہ حسن ثالث

حسن ثانی بڑا عیاش اور فاسق حکمران تھا۔ اس لیے اس کے بیٹے جلال الدین محمد ثانی نے اس کو زہر دے کر ہلاک کر دیا اور 605ھ میں خود قلعہ الموت میں تخت نشین ہوا۔ اس حکمران نے

مسند حکومت سنبھالتے ہی باطنی فرقہ کے چائے اہل سنت و جماعت کی پیروی اختیار کی۔ اسی بنا پر یہ تاریخ میں جلال الدین نو مسلم کے نام سے مشہور ہے لیکن مورخ کا بیان ہے کہ جلال الدین لو اکل ہی سے فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کا پیرو تھا۔ اور باپ کی بداعتدالیوں ہی نے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو تخت حکومت کو ایک لاد مذہب اور فاسد العقیدہ حکمران کے وجود سے پاک کرے۔ اس نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی اپنے سنی اللذہب ہونے کا اعلان کیا اور علمائے اہل سنت کو قلعہ الموت میں مدعو کر کے ان کی خدمت گزاری کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ اس کے عہد حکومت میں مسجدیں آباد ہوئیں۔ تلاوت کا رواج ہوا۔ تعلیم قرآن کے لیے مدارس و مکاتب جاری ہوئے۔ جلال الدین نے اپنے ہم عصر سلاطین کے پاس اپنی بھیج کر اطلاع دی کہ میں باطنی طریقہ اور اسماعیلی مسلک سے بیزار اور شریعت اسلام کا سچا پیرو ہوں اور اسی مسلک حق کو سلطنت میں رائج کر رہا ہوں کہ حضور سید عالم ﷺ نے جس کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ بعض علمائے قزوین نے کہا کہ شاید یہ شخص اس اعلان سے مسلمانوں کو دھوکا دے رہا ہو۔ جب جلال الدین کو اس کا علم ہوا تو اس نے علمائے قزوین کو قلعہ میں بلوایا اور مجمع عام میں حسن بن صباح کی تمام کتابیں جن میں کفر و زندقہ بھرا ہوا تھا جمع کر کے آگ میں جلوادیں اور خدا پرست حکمران جس طرح خود نماز اور دوسرے ارکان اسلام کا پابند تھا اسی طرح دوسروں کو بھی پابند بنانے میں کوشاں رہا۔ اس نے اپنی والدہ کو سمجھا دیا کہ مسلمان کیا اور والدہ اور بیوی کو اپنے قافلہ کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ روانہ کیا۔ بغداد کے عباسی خلیفہ الناصر الدین اللہ نے اس قافلہ کی یہاں تک عزت کی کہ قلعہ الموت کا علم شاہ خوارزم زبردست بادشاہ کے جھنڈے سے بھی آگے کر دیا۔ یہ قافلہ جس قلمرو سے نہی گذر تا وہاں کے حکمران بڑے جوش سے اس کا خیر مقدم کرتے۔ اس کے بعد خود جلال الدین نے اسلامی بلاد و امصار کی سیاحت کی۔ ڈیڑھ سال کی موت سیر و سیاحت کی نذر کر دی۔ دوران سفر اس ملک میں گیا بڑی عزت کی گئی اس کی اسلام پرستی اور دینداری پر دنیائے اسلام کو تو بڑی خوشی ہوئی لیکن باطنی لوگ دشمن ہو گئے۔ تاہم گیارہ سال تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کرتا رہا۔ 616ھ میں اسے دارالبخارا میں بھجوا دیا گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ جلال الدین کا عہد حکومت عالم اسلام کے لیے پیام امن تھا چنانچہ اس کے گیارہ سالہ ایام حکمرانی میں کوئی مسلمان کسی باطنی کے ہاتھ سے نذر اجل نہیں ہوا۔

6۔ علاء الدین محمد ثالث

علاء الدین محمد بن جلال الدین ملقب بہ محمد ثالث پھر نو سال حکمران ہوا۔ ایک دفعہ اپنی حکومت کے اہم دور میں بیمار ہوا۔ کسی نا تجربہ کار طبیب نے فصد تجویز کی۔ فصد میں اتنا خون لیا گیا کہ علاء الدین کو بالکل لیا کی بیماری عارض ہوئی۔ اس بنا پر لمبو و لعب اور بے فکریوں میں چلا گیا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مہمات سلطنت کے متعلق ایک لفظ بھی زبان پر لاتا تو فوراً خاک ہلاک پر ڈال دیا جاتا۔ اس وجہ سے عمان حکومت ارکان سلطنت کے ہاتھ میں تھی۔ عمائد سلطنت نے جلال الدین مرحوم کے انتقال کے بعد شریعت اسلامی کی جگہ از سر نو باطنی آئین و رسوم جاری کئے۔ سلطان جلال الدین بن خوارزم شاہ کے ایک امیر کبیر کو شہید کر دیا۔ سلطان جلال الدین نے اس امیر کو شہر کچہ اور اس کے مضافات کی حکومت عطا رکھی تھی۔ یہ امیر حسن سیرت اور نیک کرداری میں سرآمد و زگار تھا۔ سلطان جلال الدین کو ہمیشہ بدعت اور برائی سے باز رہنے کی تلقین کیا کرتا۔ سلطان جلال الدین کو اس کے مارے جانے کا بڑا اصرار ہوا۔ اور اس کا بدلہ لینے کے لیے علاقہ گرد کوہ پر چڑھا جو خراسان میں باطنیوں کا مرکزی علاقہ تھا۔ سلطان نے وہاں پہنچ کر ہزاروں باطنیوں کو قتل کیا۔ ان کے بلاد کی اینٹ سے اینٹ چا دی اور بے شمار باطنی عورتوں اور مردوں کو قید کر کے مرجعت کی۔ علاء الدین تقریباً پینتیس سال تک برسر حکومت رہا۔ آخر 652ھ میں اس کے ایک خادم حسن ماہندرانی نے اس کو قتل کر دیا۔

7۔ رکن الدین خورشاہ

رکن الدین خورشاہ باپ کی ہلاکت کے بعد 652ھ میں حکمران ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں باطنی اقتدار نے آغوشِ مادر میں منہ چھپایا اور بغداد کی عباسی خلافت کا آفتاب اقبال بھی غروب ہوا۔ ان ایام میں بغداد اور الموت دونوں جگہ کی وزارتیں شیعی وزیروں کے ہاتھ میں تھیں۔ خلافت آل عباس کی وزارت اب علوی کو مفوض تھی اور قلعہ الموت کا قلمدان خواجہ نصیر الدین طوسی کے ہاتھ میں تھا۔ ان دونوں حکومتوں کا خود ان کے وزیروں ہی کی سازشوں سے خاتمہ ہوا۔ اور خورشاہ کے سر پر حکومت پر بیٹھے قریباً بیڑہ سال ہی گزرا تھا کہ 654ھ میں تاتاری افواج کا نڈی دل قلعہ الموت پر چڑھ دوڑا۔ ان دنوں تاتاریوں کا بادشاہ منقو خاں تھا۔ منقو خاں نے اپنے بھائی ہلاکو خاں کو فوج گراں کے ساتھ باطنیوں کی پامالی کے لیے روانہ کیا۔ ہلاکو خاں نے آکر قلعہ الموت فتح کیا اور رکن الدین خورشاہ شیخ الجبل کو گرفتار کر کے منقو خاں کے پاس بھیجا دیا۔ راہ میں کسی شخص نے

اس کو قتل کر ڈالا۔ تاتاریوں نے قلعہ کے تمام ذخائر جو ابن صباح کے زمانہ سے جمع تھے پر قبضہ کر لیا۔ الغرض تاتاریوں نے باطنیہ کی ایرانی حکومت کا ایک سو آکھتر سال کے بعد خاتمہ کر دیا اور ان کے اس معرکہ میں بارہ ہزار باطنی قتل ہوئے۔ اسی طرح شام اور مصر میں سلطان ملک الفاہر نے باطنیوں کا قلع قمع کر دیا۔ 54ھ۔ اور خدا کا ملک کا رہند فدائیوں کی شراکیزیوں سے مامون ہوا۔ بیان کیا گیا ہے کہ جوں کے امام ہرہائی نہیں سر آغا خاں بالقایہ اسی رکن الدین خورشاہ کی اولاد سے نور شاہ کی اولاد سے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

باب 38

رشید الدین ابو الحشر سنان

محمد ثانی بن حسن ثانی باطنی کے عہد حکومت میں شام کے اسماعیلیوں نے الموت سے قطع تعلق کر کے رشید الدین ابو الحشر کو جو سنان کے لقب سے مشہور تھا اپنا سردار بنالیا تھا۔ سنان نے خود نبوت کا دعویٰ کیا اور ایک الہامی کتاب معتقدین کے سامنے پیش کی۔ یہ شخص اپنے آپ کو ایک اوتار اور مظہر ایزدی بتاتا تھا۔ باطنی لوگ اس کے بڑے معتقد تھے۔ ایک مرتبہ سنان نے اپنا ایک سفیر بیت المقدس کے عیسائی فرمانروا شاہ اموری کے پاس بھیجا۔ لیکن وہاں ایسی افواہیں پھیل رہی تھیں کہ سفیر متعصب عیسائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ سنان نے قاتل کی حواگی کا مطالبہ کیا لیکن اس کو انکار کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شام کے باطنیوں اور فلسطین کے عیسائی حکمرانوں میں جھگڑ گئی۔ اس سے پیشتر باطنی لوگ مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ اب عیسائیوں کے بھی دشمن ہو گئے اور فدائیوں کی چھریاں ان پر تیز ہو گئیں۔ اس سلسلہ میں فرانس کا ایک بڑا حاکم کنراڈ نام ایک فدائی کے خنجر کا نشانہ بنا۔ اسی طرح یورپ کا ایک نامی گرامی فرمانروا جبکہ شاہی اٹلی کے شہ میلان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ ایک فدائی کی چھری سے مارا گیا۔ کنراڈ کی ہلاکت کے بعد کاؤنٹ شامین فلسطین کے سفر کو گیا اور اٹھائے راہ میں شہر مصیات میں سنان کا مہمان ہوا۔ سنان نے اسے دھس اور برج دکھائے۔ ایک برج جو سب سے بڑا تھا اس کے ہر زینہ پر دو دو سپاہی ادب سے کھڑے ہوئے تھے قربانی کے تذکرہ پر سنان نے اپنے مسیحی مہمان سے کہا کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہمارے جیسے اطاعت شعار دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہیں۔ یہ کہہ کر سنان نے اپنے دعویٰ کا عملی ثبوت پیش کرنا چاہا اور جھٹ برج کے ایک زینہ پر اشارہ کیا۔ اس اشارہ کے ساتھ ہی دو سپاہی جو وہاں کھڑے تھے نیچے کی طرف کود پڑے اور زمین پر گر گئے یہی پاش پاش ہو گئے۔ یہ عبرتناک تماشا دکھا کر سنان بولا کچھ انہی پر منحصر نہیں۔ یہ جتنے سپاہی سفید لباس میں کھڑے ہیں اشارہ کروں تو سب کے سب گر کر جا میں دے دیں گے۔ یہ نظارہ دیکھ کر نصرانی حکمران انگشت بدندان رہ گئے اور کہنے لگا مجھ پہ کیا موقوف ہے واقعی دنیا کے کسی تاجدار کو ایسی جانباز رعایا نصیب نہ ہوگی۔ جب کاؤنٹ شامین مصیات سے رخصت ہونے لگا تو سنان اس سے کہنے لگا کہ اگر آپ کا کوئی دشمن ہو تو بتا دیجئے۔ میرے فدائی بہت جلد اس کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ یہ فدائی سلطان صلاح الدین ایوبی قاری بیت المقدس رحمتہ اللہ علیہ کی جان ستانی میں بہت کوشاں رہے۔ لیکن خدائے عزیز و برتر نے انہیں کبھی کامیاب نہ ہونے دیا۔ ملک شام میں سلطان صلاح الدین کی فتوحات نے باطنیوں کی قوت کو

بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اس لیے ان کے نزدیک سلطان ان کے مذہب کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ایک مرتبہ فدائی خنجر باندھ کر سلطان کی جان لینے کو روانہ ہوئے۔ شہر حلب کے باہر جب کہ سلطان اپنے کیمپ میں قیام فرماتا تھا یکے بعد دیگرے چار فدائی خنجر لے لے کر چھپے لیکن حق تعالیٰ نے ان کو اس ناپاک کوشش میں نامراد رکھا۔ بعض تو ایک مرتبہ بالکل سلطان کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گئے لیکن سلطان نے ان کے ہاتھ پکڑ لئے۔ بہر حال یہ سلطان صلاح الدین کی کرامت سمجھنی چاہیے ورنہ یہ خونخوار فدائی جس کے پیچھے پڑتے جان لئے بغیر جہنم نہ لیتے تھے۔ سلطان صلاح الدین کو فرنگیوں کی جنگ سے فرصت نہ تھی تاہم جب سیاہ دل باطنیوں نے اس کی جان لینے کی کوشش کی تو سلطان نے فرنگیوں کی طرف سے عنان توجہ پھیر کر باطنیوں کی سرکوبی کا قصد فرمایا۔ چنانچہ جاتے ہی باطنیوں کے شہروں کو لوٹ کر ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس کے بعد قتل و غارت کرتا اور ان کی آبادیوں کو خاک سیاہ کر تا مصیبت پہنچا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ مصیبت الموت کے بعد باطنیوں کا سب سے بڑا قلعہ تھا۔ سلطان نے محاصرہ کر کے منجینیقیں نصب کر دیں۔ جب محاصرہ نے طول کھینچا اور محصورین کی حالت زیادہ ابتر ہونے لگی تو سنان نے سلطان صلاح الدین کے ماموں شہاب الدین حارمی والی حماہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ازراہ کرم تم سلطان کے پاس ہماری شفاعت کرو۔ اور پیچھاؤ کر کے محاصرہ اٹھوادو۔ حارمی نے اس درخواست کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ بے التفاتی پر باطنی قاصد نے حارمی کو قتل کی دھمکی دی اور یو لا ہمارا سردار سنان کہتا ہے کہ اگر سلطان صلاح الدین ہماری ایذا رسانی سے باز نہ آیا تو جس طرح بن پڑا ہم اس کے ماموں کی جان لے لیں گے۔ حارمی ان فقرہوں میں آگیا اور سلطان صلاح الدین کو پیغام بھیجا کہ خدا کے لیے تم ان کا پیچھا چھوڑ دو ورنہ میری جان کی خیر نہیں۔ ماموں کی منت ساجت پر سلطان کا دل نرم ہو گیا اور محاصرہ اٹھا کر مسر چلا گیا۔ 55۔

محمد بن عبد اللہ بن تو مرت حسنی

فصل 1۔ مسئلہ ظہور مہدی علیہ السلام

محمد بن تو مرت مہدی موعود ہونے کا مدعی تھا۔ چونکہ بعض لوگ ظہور مہدی علیہ السلام سے انکار کرتے ہیں اس لیے یہاں اس مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ امام محمد بن عبد اللہ معروف بہ مہدی علیہ السلام کا ظہور اوائل اسلام سے آج تک ایک مسلم الثبوت مسئلہ چلا آتا ہے اور علمائے اسلام آئمہ و مجتہدین اور محدثین متدین میں سے کسی نے ان کے عقیدہ قدوم کی صحت سے انکار نہیں کیا۔ محمد بن حسن اسنوی کتاب مناقب شافعی میں لکھتے ہیں کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور اور آپ کے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد ہونے کے متعلق حضرت خیر البشر ﷺ سے جو حدیثیں مروی ہیں وہ درجہ تواتر تک پہنچتی ہیں اور رسالہ توضیح میں لکھا ہے کہ قاضی محمد بن علی شوکانی سے بعض علماء نے دریافت کیا کہ وہ حدیثیں جو ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق وارد ہیں متواتر ہیں یا نہیں؟ قاضی شوکانی نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت مہدی کی حدیثیں بلا شک و شبہ متواتر ہیں کیونکہ جہاں تک تتبع و تلاش کو دخل ہے۔ ان کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے بلکہ اصطلاحات مجردۃ فی الاصول کے بموجب اس سے کم تعداد کے لیے بھی تواتر کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان پچاس حدیثوں میں صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ آثار صحابہ بھی جن میں ظہور مہدی آخر الزمان کی تصریح ہے کثیر التعداد ہیں یہ لکھ کر قاضی شوکانی نے ایک ایک اثر کو گنوا ہے اور ان کی تعداد اٹھائیس تک پہنچا کر لکھا ہے کہ یہ آثار بھی احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہیں کیونکہ واقعات مستقبل کے متعلق اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ 56۔

غرض حضرت مہدی علیہ السلام کے حق میں جو احادیث وارد ہیں وہ باوجود اختلاف روایات جمہور کے نزدیک مسلم ہیں۔ اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اخیر زمانہ میں یقیناً اہل بیعت نبوت میں سے ایک جلیل القدر ہستی ظاہر ہوگی۔ جس کا نام نامی محمد بن عبد اللہ ہوگا۔ وہ ملت اسلام کی تائید کریں گے۔ تحت عدل و انصاف پر بیٹھیں گے۔ ممالک اسلامیہ پر انہیں غلبہ حاصل ہوگا۔ اور روئے زمین کے مسلمان ان کی متابعت کریں گے۔ البتہ ابن خلدون مورخ نے احادیث مہدی میں کلام کیا ہے اور بہت سے علماء نے ان کا جواب دیا ہے اور گولن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں ظہور امام سے انکار نہیں کیا تاہم ان کے طرز انتقاد سے ان کا مسلک نمایاں صورت میں واضح ہے لیکن

دیکھنا یہ ہے کہ ابن خلدون کا افکار اس مسئلہ کے صحیح یا غلط ہونے پر اثر انداز ہے یا نہیں؟ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر فن اپنی بحث و نظر کے لیے ایک خاص جماعت رکھتا ہے اور ہر عالم و مصنف کی علمی حیثیت کا ایک خاص دائرہ ہوتا ہے۔ اور اس سے باہر اس کی وہ حیثیت نہیں رہتی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ محدث و فقیہ تھے لیکن مورخ نہ تھے۔ پس کسی تاریخی مسئلہ میں ان کا قول بمقابلہ مؤرخوں نہ ہوگا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ و کلام کے ماہر، شریعت طاہرہ کے رازدان، تصوف و سلوک کے بہترین عارف لیکن محدث نہ تھے۔ اس لیے محدثین اور ارباب نقد کے مقابلہ میں ان کا کوئی پایہ نہیں۔ پس فن تاریخ کی بحث ہو تو عارف لیکن کی سند لائیے۔ ادب کے مسائل میں آئمہ ادب کی طرف رجوع کیجئے۔ اگر کوئی مسئلہ علم حدیث سے متعلق ہو تو اس کا مورخ کے لیے آئمہ حدیث کا منت کش ہونا پڑے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مسئلہ تو حدیث کا ہو اور اس کے لیے فلسفہ کے اقوال تلاش کئے جائیں یا بحث تو منطق و فلسفہ کی ہو اور آپ اس کے لیے امام بخاری و مسلم کی سند تلاش کرتے پھریں۔ لوگ اس نکتہ کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور پھر سخت مملکت غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ابن خلدون انشاء و ادب کی بجائے تاریخ نویسی میں نہایت بلند پایہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر آپ بزم تاریخ میں داخل ہوں گے تو وہ آپ کو ہزار ہا شرکائے مجلس میں صدر نشین نظر آئیں گے لیکن باوجود اس کمال فن کے انہیں علم حدیث در جال میں کچھ بھی درجہ امتیاز حاصل نہیں چنانچہ امام سخاویؒ ”الضوء الملامع فی اعیان القرن التاسع“ میں ترجمہ ابن خلدون میں لکھتے ہیں۔ ترجمہ (ابن خلدون علوم شریعت میں مہارت نہ رکھتے تھے)

ظہور مہدی علیہ السلام کا مسئلہ آغاز اسلام سے متواتر چلا آتا ہے۔ تو اب یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہر قول و فعل جو کافہ اہل اسلام اور اجماع سلف کے خلاف ہو وہ ناقابل التفات ہے۔ ابن خلدون نے ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق چند احادیث نقل کر کے ان میں سے اکثر حدیثوں کے راویوں پر بعض شبہات پیدا کر دیے ہیں۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ ایسے شبہات تو بخاری و مسلم کے بعض روایہ پر بھی پیدا ہوتے ہیں تو خود ہی اس کا یہ جواب دیا ہے کہ شیخین کے رجال پر ایسے جروح و شبہات مضر نہیں کیونکہ ان کی حدیثوں کو قبول عام حاصل ہے۔ اس بیان سے مورخ کا ایک مسلہ اور کلیہ قاعدہ یہ نکل آیا کہ اجماعیات میں راویوں کا مجروح ہونا مضر نہیں۔ جس طرح بخاری و مسلم کی حدیثیں اجماعی ہیں اسی طرح ظہور مہدی علیہ السلام کا عقیدہ بھی اجماعی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پس احادیث مہدی پر جروح و شکوک ہرگز مضر نہیں۔ اور جروح بھی ایسے جو محض ظنی و اختلافی ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ کوئی حدیث بھی جرح سے نہ بچ سکے لیکن حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کے بارہ میں جو احادیث وارد ہیں ان میں کئی ایک ایسی بھی ہیں جن پر ابن خلدون باوجود کوشش و جستجو کے کوئی اعتراض نہیں کر سکے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ وہی

کما رایت لم یخلص منها منالقد الا القلیل (حضرت ممدی علیہ السلام کے بارے میں ایسی حدیثیں قلیل ہیں جو تنقید سے بچ سکی ہوں) گو اس ادعائے قلت سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم ان خلدون کے ان الفاظ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی اور انہوں نے خود اس کا اعتراف کر لیا کہ بعض حدیثیں اس پایہ کی بھی ہیں جو جرح کی کسی طرح متحمل نہیں۔ رہا یہ کہ قادیان مرزا غلام احمد صاحب کا یہ بیان کہ ”تکلیف میں حضرت ممدی کے نام کی تصریح نہیں اس لیے حضرت ممدی کا ظہور ایک ظنی چیز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظہور ممدی علیہ السلام کی خبر بخاری اور مسلم سے پیشتر صحابہ میں شائع ہو چکی تھی اور قدامت امت حضرت رسول اکرم ﷺ کی اس پیشین گوئی پر بھی ایسا ہی ایمان و اعتقاد رکھتے تھے جیسا کہ دوسرے معتقدات ایمانیہ پر۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر بالفرض بخاری و مسلم احادیث ممدی سے بالکل سکوت اختیار کرتے تو بھی کچھ مضائقہ نہ تھا۔ حالانکہ ظہور ممدی علیہ السلام کی روایتیں بخاری مسلم میں بھی موجود ہیں اور گونام سے ساکت ہیں لیکن ان میں خلیفہ آخر الزمان کے صفات مذکور ہیں کہ وہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ظاہر ہوں گے۔ اور جناب مسیح لکن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں ان کا اقتدار کرینگے اور نام کا مذکور نہ ہونا تو کوئی ایسی بات نہیں کہ جس کے لیے ظہور امام سے انکار کیا جائے۔ اور شبہ و شبہ کی گنجائش ہو۔ کیونکہ نام تو کسی ضعیف اور غیر مرفوع روایت سے بھی معلوم ہو جاتا تو کافی تھا لیکن باوجود اس کے خود احادیث صحیحہ میں جو ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کی ہیں۔ آپ کا اسم گرامی محمد بن عبد اللہ مصرح موجود ہے۔ غرض نام تو کہیں بھی مذکور نہ ہوتا تو بھی یہ عقیدہ اسی طرح مسلم الثبوت اور یقینی تھا۔ جس طرح اب نام کی تصریح کے ساتھ ہے۔ دیکھو جناب یوسف صدیق علیہ السلام کے جمال جہاں آراء کی قوت جماعی نے زلیخا کو کس طرح مغلوب و مقہور کیا تھا۔ اس داستان عشق و محبت کو وہ غیر معمولی شہرت و نمود حاصل ہے کہ قرآن حکیم جیسی روحانی و آسمانی کتاب بھی اس کے تذکرہ سے خالی نہیں۔ رہا ان مقدس میں عاشقہ خستہ جگر کو مراۃ العزیز (عزیز کی بیوی) کہ کے یاد کیا گیا ہے۔ زلیخا یا اعیلام نام نہیں بتایا۔ کیا قرآن کی اس عدم تصریح کی وجہ سے زلیخا کے وجود سے انکار کر دو گے؟

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا رسالہ ”مؤثرۃ الظنون عن مقدمہ ابن خلدون“ ایک نہایت بیش بہا تصنیف ہے جس میں ابن خلدون کے ہر استدلال کا با حسن وجہ بطلان ثابت کیا ہے۔ مولانا مدوح اس رسالہ میں لکھتے ہیں۔ ”محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی امر متن یا سند میں مبہم ہو اور دوسری حدیث میں کوئی مفسر موجود ہو اور قرآن تو یہ ہے۔ دونوں حدیثوں کا متحد اور مترادف ہونا ثابت ہوتا ہو تو مبہم کو مفسر پر محمول کریں گے۔ پس ایسی

حالات میں کہ صحیحین کی احادیث میں امام کے صفات تو موجود ہیں نام مذکور نہیں تو غیر صحیحین کی حدیثوں سے جن میں حضرت مہدی علیہ السلام کے صفات کے ساتھ آپ کے نام کی بھی تصریح ہے نام کا بھی علم و یقین ہو جائے گا اور صحیحین اور غیر صحیحین کی حدیثیں ایک دوسری کا عین سمجھی جائیں گی۔ علاوہ بریں محدثین کرام کا ان مبہم حدیثوں کو باب المہدی میں ذکر کرنا سب بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بخاری و مسلم کی احادیث غیر مصرحہ باسم المہدی حضرت مہدی علیہ السلام ہی سے متعلق ہیں۔ چنانچہ خود ابن خلدون نے کسی محدث کا قول بھی نقل کیا ہے۔ وقد یقال ان حدیث الترمذی وقع تفسیراً لما رواه مسلم فی صحیحہ

مہدی علیہ السلام کے علامات مختصہ

مہدی علیہ السلام کے بھی علامات مختصہ ہیں جن کے ذریعہ سے وہ جھوٹے مہدیوں سے مبرا ہیں۔ احادیث صحیحہ کی رو سے سچے مہدی علیہ السلام کی جو علامتیں اور خصوصیتیں ثابت ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

- 1۔ ان کا اسم گرامی محمد اور ان کے والد محترم کا نام نبی عبد اللہ ہوگا۔
- 2۔ خاندان نبوت کے چشمہ چراغ ہوں گے یعنی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔
- 3۔ عرب کے حکمران ہوں گے۔
- 4۔ ان کا ظہور مکہ معظمہ میں ہوگا۔ مسجد الحرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی جائے گی۔
- 5۔ بسیط ارض کو عدل و انصاف سے معمور کر دیں گے۔
- 6۔ سات سال تک مسند آرائے خلافت رہیں گے۔
- 7۔ ان کے عہد مبارک میں اسلام کا لالہ بالا ہوگا اور سطوت اسلام تمھارے عروج کو پہنچ جائے گی۔
- 8۔ داود ہش میں بے مثل اور یکساں ہوں گے۔ گنتی کئے بغیر مال و زر تقسیم کریں گے۔
- 9۔ ان کے آخری ایام دولت میں مال و زر کی اتنی فراوانی ہوگی کہ کوئی زکوٰۃ قبول کرنے والا بھی نہ ملے گا۔
- 10۔ شہر قسطنطنیہ کو جو اس سے پیشتر نصاریٰ کے عمل و دخل میں چلا گیا ہوگا۔ نصاریٰ سے واپس لیں گے۔
- 11۔ یورپ کی مسیحی طاقتوں کے خلاف ان کی بہت سی لڑائیاں ہوں گی جن میں وہ مظفر و منصور رہیں گے۔

12۔ حضرت مسیح بن مریم (علیہا السلام) بعد از نزول ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

فصل 2۔ دعوائے مہدویت اور استعماری سرگرمیاں

محمد بن عبد اللہ بن تومرت 485ھ میں سوس میں پیدا ہوا۔ جو بلاد مغرب کا ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد و اتحاد میں سے تھا۔ عالم و فاضل فنیج و بلینج اور علوم عربیہ کا ماہر تھا۔ عبادت الہی میں راغب اور تقشف القطاع میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ زہد و تہل کا یہ عالم تھا کہ ہاشمی چھڑی اور چھوٹے سے مشکیزے کے سوا کوئی چیز اس کی ملک میں نہ تھی۔ باوجود ورع و تقویٰ کے 514ھ میں اس نے مہدویت کا دعویٰ کر دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرہیزگاری و عبادت گزاری کا مقصد ہی یہی تھا کہ جب اوج و عروج کو زہد و انقضاء کے دامن میں چھپا کر سرسبز کرے۔ حضرت مہدی علیہ السلام کے علامات مختصہ میں سے جو بارہ مشہور علامتیں فصل سابق میں مذکور ہوئیں ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ذات میں ان میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی تھی لیکن اس کے باوجود وہ سلاطین و جرات پر قدم رکھ کر مہدی آخر الزمان بن بیٹھے اور نہایت دیدہ دلیری سے لکھ مارا کہ ”وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت تقدیر الہی میں مقرر کیا گیا ہے جس کی بعثت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم ﷺ نے دی تھی وہ میں ہی ہوں۔“

57۔ تو پھر ظاہر ہے کہ محمد بن عبد اللہ بن تومرت جس کا نام صرف اپنا اور باپ کا نام ہی حضرت مہدی علیہ السلام اور ان کے والد محترم کے ناموں سے ملتا تھا بلکہ حضرت مہدی علیہ السلام کی طرح اسے بنو فاطمہ میں پیدا ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ وہ بھلا دعوائے مہدویت سے کیونکر باز رہ سکتا تھا؟ ہمارے مرزا غلام احمد صاحب نے محض تنگ دستی اور مفلوکا لہالی سے مجبور ہو کر تقدس و اتقا کی دکان کھولی تھی اور اس دکان آرائی سے بجز شکم پری اور زرا اندوزی کے ابتدا کوئی بلند مقصد ان کے پیش نظر نہ تھا اور وہ چارے مدت العمر (1) خود ستائی (2) انگریزی خوشامد (3) حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ و سلام کو زمرہ اموات میں شامل کرنے میں ناکام کوشش (4) علمائے امت کے خلاف سب و دشمنی اور (5) خواہشات نفسانی کی تکمیل کے سوا کوئی تعمیری کام نہ کر سکے لیکن بعض جمہور نے مدعی اپنے، عموں کی بدولت بڑے عروج کو پہنچے ہیں۔ چنانچہ عنقریب آپ کو معلوم ہو گا کہ محمد بن تومرت نے دعوائے مہدویت ہی کے صدقہ سے ایک عظیم الشان سلطنت کی جلیو ڈالی تھی جو اسلامی تاریخوں میں سلطنت موحدین کے نام سے مشہور ہے۔ بعض لوگوں نے لکن تومرت کو امام ابو حامد محمد غزالی کا شاگرد بتایا ہے اور لکھا ہے کہ جب امام غزالی مدرسہ نظامیہ بغداد میں مسند درس و افتادہ پر سعادت افروز تھے تو ان تومرت ان کے حلقہ درس میں پہنچا اور تین برس تک آپ کی خدمت میں رہا۔ ”لیکن

علامہ ابن اثیر نے اس بیان کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ امام غزالی سے اس کی ملاقات ہی ثابت نہیں۔ 58۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ طابعلی کے ایام میں ابن تومرت کو علم جفر کی ایک کتاب مل گئی جس کا اس نے نظر تنقیق سے مطالعہ کیا۔ جب اس کتاب کے متعدد احکام پر پوری طرح حاوی ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ سوس میں ایک شخص پیدا ہو گا جو خاندان بنو فاطمہ کا چشم و چراغ ہو گا۔ وہ داعی الی اللہ ہو گا اور اس کا مستقر ایک ایسا مقام قرار پائے گا جس کے نام میں حروف تینوں (م ل ن) مشتمل ہوں گے۔ اسے ایک شخص کی رفاقت حاصل ہو گی جس کے نام میں حروف ع ب و م و ن (عبد المؤمن) ہوں گے۔ اس اطلاع کے بعد وہ اس شہر اور اس نام کے آوی کی تلاش میں ہمہ تن انتظار رہا۔ ابن تومرت مضافات سوس میں پیدا ہوا تھا اور اس کی آرزو تھی کہ کسی طرح وہی وہ شخص ہو جو سوس میں پیدا ہونے والا اور فاطمی النسل ہو گا۔

قاہرہ سے اخراج، جہاز رانوں نے سمندر میں لٹکا دیا

محمد ابن تومرت نے اپنے مقاصد کی تکمیل کا راز امر معروف و نہی منکر (نیکی کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا) میں مضمر دیکھا۔ اور یہ عمل کچھ نقص و ریا پر موقوف نہیں تھا بلکہ یہ چیز ابتداء ہی سے فطرۃ اس کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ لکن تومرت معاصی و منکرات کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ ذرا سی غیر مشروع بات پر ارباب مودودی الاقدار اور المستعان حکومت سے لڑ بھٹتا۔ بڑے بڑے صاحبان جبہ و دوستار سے الجھ جاتا۔ اپنے جذبات کے اظہار میں اس قدر جری تھا کہ نہ کسی والئی ملک کا خوف اس کو مرعوب کرتا تھا اور نہ بڑے بڑے فاضل کا پاس و لحاظ مانع تھا۔ حکومت مصر نے اسے اسی قسم کی آزادانہ خود سریوں کی بدولت خارج البلاد کیا۔ جہاں جاتا ملا متیں سنتا گالیاں کھاتا۔ گر اپنے کام سے باز نہ آتا۔ عربی میں نہایت فصیح و بلیغ تقریر کرتا تھا۔ جہاں کہیں اس کی مخالفت کا شور ہوتا تھا۔ وہاں ہزار ہا حامیاں شریعت اس کے طرفدار بھی ہو جاتے تھے۔ متاع دنیوی سے اس درجہ فارغ تھا کہ سفر میں ایک چھتری اور ایک چھوٹے سے مشکیزے کے سوا کوئی چیز ساتھ نہ ہوتی تھی۔ قاہرہ سے نکلا گیا تو اسکندریہ کی راہ لی۔ وہاں بھی امر و معروف و نہی منکر کے سلسلہ میں کئی واقعات پیش آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ متولی اسکندریہ نے اسے ان بلاد سے خارج کر دیا۔ وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر مغرب کا رخ کیا۔ جہاز میں بھی احکام شرع کے نافذ کرنے پر لوگوں سے اکثر مار پیٹ کی نوبت آئی۔ جہاز میں بہت کم لوگ ایسے تھے جو فریضہ صلوٰۃ کے پابند ہوں۔ ابن تومرت نے ان سے ترک صلوٰۃ پر لڑنا شروع کیا۔ آخر جہاز رانوں نے تنگ آکر اسے سمندر میں لٹکا دیا۔ اور وہ نصف یوم تک پانی میں لٹک کر سمندر کی نیلگوں موجوں سے دوچار رہا۔ مگر قدرت الہی سے اسے کوئی گزند نہ پہنچا۔ اہل جہاز نے یہ دیکھ کر ایک غلام کو پانی میں اتارا۔ وہ ابن

تو مرت کو پھر جہاز میں بھیج لایا۔ لوگوں نے اس امر کو کرامت پر محمول کیا اور اہل جہاز کے دلوں میں اس کی عظمت و بزرگی کا سکہ جم گیا اور ایسا رعب بیٹھا کہ کسی کو علانیہ مخالفت کی جرأت نہ رہی۔ اور جو کچھ خفیف سی ناراضگیاں باقی رہیں وہ بھی آنا فانا ب گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس روز یہ مہدیہ کے ساحل پر اترا ہے تو جہاز میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو نماز کا پابند نہ ہو یا کسی دن تلاوت قرآن میں تاغہ کرتا ہو۔

مہدیہ میں ورود اور شہر میں ہل چل

ان ایام میں امیر یمنی بن تمیم مہدیہ کا حاکم تھا۔ ان تو مرت نے ایک مسجد میں قیام کیا جو شہر کی ایک سڑک کے کنارے واقع تھی۔ اب اس نے یہ دتیرہ اختیار کیا کہ مسجد کے ایک جھروکے میں جو سڑک کی طرف تھا بیٹھ جاتا۔ گذر نیوالوں کی طرف دیکھتا رہتا اور جہاں کسی کو کسی نام شروع فعل کا مرتکب دیکھتا۔ فوراً تر کر اس سے دست و گریبان ہو جاتا۔ دو تین دن کے بعد کوچہ و بازار میں آمد و رفت شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز کے اندر بہتوں کی قیسیں پھاڑ ڈالیں۔ بہتوں کے قرنا توڑے اور بے شمار تنبورے چھین چھین کر زمین پر دے مارے۔ سینکڑوں شراب کے خم لٹکھائے۔ کئی ظروف چکنا چور کئے۔ غرض سارے شہر میں ایک آفت مچا دی۔ ان اوالعزمیوں سے اس کی شہرت ہو گئی۔ لوگ معتقد ہونے لگے۔ عامۃ المسلمین ازراہ قدر شناسی آنکھوں پر بٹھانے لگے۔ چند ہی روز میں دھوم مچ گئی کہ ایک بڑے عالم قنبر وارد مہدیہ ہوئے ہیں۔ طلبہ نے چاروں طرف سے ہجوم کیا۔ سلسلہ درس و تدریس شروع ہو گیا۔ شدہ شدہ اس کی شہرت حاکم کے کان تک پہنچی۔ اس نے دربار میں بلوایا بڑی قدر و منزلت کی اور بہت کچھ حسن عقیدت کا اظہار کر کے رخصت کیا۔ ان تو مرت کو ایک جگہ قرار نہ تھا کیونکہ وہ تو دراصل علم جفر کے بتائے ہوئے رفیق اور شہر کا متلاشی تھا۔ غرض کچھ عرصہ کے بعد مہدیہ کو الوداع کہہ کر جایہ میں پہنچا۔ وہاں بھی تعلیم و تدریس اور وعظ و تلقین کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور امر معروف و نہی منکر پر بڑی سختی سے کاربند ہوا۔ دن بدن جمعیت بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ حاکم جایہ کو اس کی جمعیت نے بہت کچھ خوفزدہ کر دیا۔ ان دنوں ارباب حکومت ان لوگوں سے عموماً خوف زدہ رہتے تھے جو مرجع انام ہو جاتے تھے۔ حاکم جایہ نے اسے وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ وہاں سے نکل کر مغرب کی راہ لی۔ اور ملالہ نام ایک گاؤں میں اترا۔ یہیں عبدالمومن سے اس کی ملاقات ہوئی۔ جو طلب علم کے لیے مشرق کی طرف جا رہا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ عبدالمومن سے اس مقام پر ملا تھا جسے فزراہ کہتے ہیں۔

عبدالمومن کی شخصیت

عبدالمومن کی پیدائش موضع تاجرہ میں ہوئی جو ترکستان کے مضافات میں ساحل بحر پر

واقع ہے۔ اِن خلکان کا بیان ہے کہ عبدالمومن کا باپ علی کمار تھا جو مٹی کے برتن بنا کر ہر اوقات کرتا تھا۔ ایک مرتبہ عبدالمومن ایام طفلی میں سو رہا تھا اور اس کا باپ برتن بنانے میں مصروف تھا۔ اس اثنا میں علی نے اوپر کی طرف کھنکھاہٹ کی آواز سنی۔ سر اٹھا کر کیا دیکھتا ہے کہ سیاہ بادل کے چھوٹے سے ٹکڑے کی شکل میں شد کی مکھیوں کا جھنڈ ٹھیک اس کے مکان کی طرف آرہا ہے۔ مکھیوں نے نیچے آکر عبدالمومن کو اس طرح ڈھانپ لیا کہ وہ بالکل نظر نہیں آتا تھا۔ عبدالمومن کی ماں یہ دیکھ کر چیخنے چلانے لگی۔ علی نے اس کو خاموش کیا اور کہا کچھ خطرے کی بات نہیں بلکہ میں تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوں کہ یہ کیا کرشمہ قدرت ہے؟ پھر اس نے مٹی اتار کر ہاتھ دھوئے اور کپڑے پہن کر یہ دیکھنے کے لیے کھڑا ہو گیا کہ مکھیوں کی آمد کا کیا انجام ہوتا ہے؟ تھوڑی دیر میں کھیاں اڑ گئیں اور علی نے لڑکے کو بیدار کیا۔ وہ بالکل صحیح سالم تھا۔ اس کے بعد علی اپنے ایک ہمسایہ کے پاس جو بڑا عالم تھا گیا اور لڑکے پر مکھیوں کی آمد کا ذکر کیا۔ اس عالم نے بتایا کہ ”کسی دن تمہارا لڑکا بڑا عروج حاصل کرے گا اور جس طرح شد کی مکھیوں نے اس کے گرد ہجوم کیا ہے اسی طرح اہل مغرب اس کی اطاعت پذیری پر مجتمع ہوں گے۔“ 59۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب عبدالمومن بڑا ہوا تو فزارہ میں اسے تین لڑکوں کے پڑھانے کی خدمت تفویض ہوئی۔ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ وہ امیر المسلمین علی بن یوسف کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہا ہے۔ عبدالمومن کا بیان ہے کہ میں علی سے زیادہ دیر تک کھاتا رہا اور میں نے محسوس کیا کہ میرا نفس بسیار خوری کی طمع کرتا ہے۔ چنانچہ وہ پیالہ میں نے اس کے سامنے سے اچک لیا۔ اور تنہا کھانا شروع کیا جب بیدار ہوا تو وہاں کے ایک مشہور عالم عبدالمصنعم بن عثیر سے وہ خواب بیان کیا انہوں نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم کسی دن امیر المسلمین پر دھاوا کر کے اس کے کچھ حصہ ملک میں اس کے شریک ہو جاؤ گے۔ اور بعد میں تمام ملک کو مسخر کر کے بلا شرکت غیرے اس کے فرمانروا ہو گے۔“ جب اِن تومرت ملا۔ پہنچا تو وہاں ایک خوش جمال نوجوان کو سڑک پر جاتے دیکھا جس کے چہرے پر ذہانت و نکات کے مادہ دولت و اقبال کا ستارہ بھی چمکتا نظر آیا۔ اس نوجوان کی شکل و صورت میں کچھ ایسی انفریبی تھی کہ محمد بن تومرت اپنے جذبات کو کسی طرح مخفی نہ رکھ سکا۔ بے اختیار اس کے قریب چلا گیا اور کہا میاں صاحبزادے! تمہارا نام کیا ہے؟ خوش جمال نوجوان نے جواب دیا۔ عبدالمومن ”اس نام کے سنتے ہی وہ بے اختیار چونک پڑا اور دل میں کہنے لگا۔ اسی درشاہوار کی تلاش میں تو مدتوں سے سرگرداں ہوں۔ اِن تومرت کو عبدالمومن کی دید سے اتنی خوشی ہوئی کہ گویا دونوں جہان کی دولت مل گئی اور اب اسے متوقع دولت و سلطنت کے حصول کا کامل وثوق ہو گیا۔ اب اس نے عبدالمومن سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ جواب ملا غریب خانہ کو میہ میں

ہے۔ پھر دریافت کیا کہ کہاں کا قصد ہے؟ اس نے بتایا کہ علم کے شوق میں بغداد وغیرہ مشرقی ممالک کو جا رہا ہوں۔ ”ابن تومرت نے کہا: صابرا! علم و فضل، دولت و ثروت سب چیزیں تمہارے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ خدائے تمہیں دین و دنیا کی دولت بخشی ہے اور میرے ساتھ چلو۔ عبدالمومن اس سے پیشتر خواب بھی دیکھ چکا تھا جس سے اسے یقین آگیا کہ میں کسی دن حکومت و ثروت سے ہمکنار ہوں گا۔ ابن تومرت کی باتوں کو نہایت توجہ اور دلچسپی سے سننے لگا۔ ابن تومرت نے عبدالمومن کو یقین دلایا کہ وہ عنقریب بہت بڑا بادشاہ ہونے والا ہے۔ الغرض عبدالمومن نے اپنی تقدیر اس سے وابستہ کر کے اس کی رفاقت اختیار کی۔

بادشاہ کو ابن تومرت کے قتل کر دینے کا مشورہ

کچھ دنوں تک ملالہ میں تعلیم و تدریس اور دعوت الی الخیر کا سلسلہ جاری رہا۔ ان دنوں کئی آدمی اس کے مرید ہوئے۔ اب اس نے مراکش کا قصد کیا۔ یہی وہ سلطنت تھی جس کو شکار بنانے کا عزم تھا۔ کیونکہ ان دنوں سرزمین مغرب میں اس سے بڑھ کر کوئی پر شکوہ سلطنت نہ تھی۔ حتیٰ کہ اس عہد کے فرماں روا بیان اسپین بھی مراکش کی عظمت کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ محمد بن تومرت اپنے رفقاء سمیت کسمان میں جو اس زمانہ میں مراکش کا دار السلطنت تھا۔ یہاں اپنی عادت کے موافق شہر سے باہر ایک مسجد میں قیام کیا جس کو مسجد کہتے تھے اور اپنی عادت کے بموجب علماء و فضلاء اور حکومت کے عہدہ داروں پر شرعی نکتہ چیدیاں شروع کر دیں اور اس کے ساتھ ہی وعظ میں بادشاہ ابو الحسن علی بن یوسف بن تاشقین پر بھی جو نہایت نیک نفس تاجدار تھا۔ احسن و طعن کا دروازہ کھول دیا۔ یہ بادشاہ نہایت صالح، خدا ترس، قائم اللیل اور صائم النہار تھا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی کثرت عبادت اسے مہمات سلطنت کے سرانجام دینے کی ہی مصلحت نہ دیتی تھی۔ اسی بنا پر کچھ دنوں سے نظام حکومت میں کسی قدر اختلال پیدا ہو گیا تھا۔ جب محمد بن تومرت کی سرگرمیاں اور اس کے اقوال و مزمعومات مالک ابن وہیب اندلسی وزیر اعظم کے گوش گزار ہوئے تو اپنے جو دست طبع سے ابن تومرت کے دلی ارادوں کا حال معلوم کر لیا اور امیر المسلمین کو اس کے قتل کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ شخص خمیر مایہ فساد معلوم ہوتا ہے اس کے مکر و فریب سے بے خوف نہ رہنا چاہیے۔ مگر خدا ترس بادشاہ نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ پھر وزیر یا تدبیر نے بادشاہ سے کہا کہ اچھا اگر آپ اس شخص کے قتل پر رضامند نہیں ہیں تو اس شخص کو مدت العمر نظر بند رکھا جائے۔ ورنہ یقین ہے کہ یہ شخص بہت جلد سلطنت میں انقلاب کر دے گا۔ بادشاہ نے کہا ہم کسی شخص کو اس وقت تک نعت آزادی سے کیونکر محروم کر سکتے ہیں جب تک اس کا جرم ثابت نہ ہو؟ اس کے بعد جمعہ کا دن آیا تو محمد بن تومرت مع اپنے مریدوں کے مسجد جامع میں پہنچا۔ اس کے مرید تو ادھر ادھر بیٹھ گئے۔ مگر خود

خاص اس جگہ پر جا کے کھڑا ہوا جو بادشاہ کے لیے مخصوص تھی۔ وہ عمدہ دار جس کے ہاتھ میں مسجد کا انتظام تھا۔ ان تومرت کے پاس جا کر کہنے لگا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہ جگہ صرف شاہ اسلام کے لیے مخصوص ہے؟ اس پر ان تومرت نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ان المساجد للہ (مسجدیں صرف اللہ کی ہیں) حاضرین اس جسارت پر انگشت بدندان رہ گئے۔ اب تو ان تومرت نے لوگوں کی طرف رخ کر کے ایک پر جوش تقریر شروع کر دی جس میں ناشروع باتوں کی خوب تردید کی۔ یہ تقریر ہو ہی رہی تھی کہ بادشاہ آگیا اور لوگ حسب معمول آداب شاہی جا لانے لگے۔ یہ دیکھ کر محمد بن تومرت بادشاہ کی جگہ پر جہاں کھڑا تھا بیٹھ گیا۔ بادشاہ نہایت عادل اور نیک نفس تھا۔ اس نے اس بات کی کوئی پروا نہ کی اور دوسری جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی۔ نماز کے اختتام پر جیسے ہی امام نے سلام پھیرا ان تومرت کھڑا ہو گیا اور بادشاہ کو خطاب کر کے کہنے لگا۔ ”اے بادشاہ! رعایا پر جو مظالم ہو رہے ہیں۔ ان کی خبر لے۔ مانا کہ ان کی آواز تیرے کان تک نہیں پہنچی۔ مگر فردائے قیامت کو اس احکم الحاکمین کے سامنے تجھے رعایا کے متعلق ہر قسم کی جواب دہی کرنی پڑے گی اور تو یہ کہہ کر ہرگز نہ چھوٹ سکے گا کہ مجھے خبر نہ تھی۔ تو غریبوں اور بے کسوں کی جان و مال کا ہر طرح سے ذمہ دار ہے۔ بادشاہ نے اس کی تقریر سے خیال کیا کہ شاید کوئی عالم ہے اور کچھ حاجت رکھتا ہے۔ اس بنا پر جاتے وقت حکم دیا کہ اس عالم سے دریافت کرو۔ اگر کوئی غرض ہو تو پوری کی جائے۔ مقرض ہے تو قرض ادا کیا جائے۔ نادر ہے تو بیت المال سے امداد کی جائے۔“ بادشاہ کو اس وقت تک معلوم نہیں تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس کے قتل کرنے کا وزیر نے مشورہ دیا تھا۔ جب محمد بن تومرت کو بادشاہ کے اس حکم کی اطلاع ملی تو کہنے لگا کہ بادشاہ کو میرا پیغام پہنچا دو کہ میری غرض دنیاۓ دنی نہیں۔ میرا نصب العین تو مسلمانوں کی بھلائی اور اسلام کی خدمت ہے۔“

شاہزادی اور اس کی لونڈیوں کو زد و کوب

ان ایام میں مراکش میں شاہزادیوں بہت کم پردے کی پابند تھیں۔ اس کی شاید یہ وجہ تھی کہ اسپین کے نصاریٰ کا مسلمانان مراکش کے ساتھ بھرتی اختلاط رہتا تھا لیکن کتاب الدعا میں اس چہرہ کشائی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس زمانہ میں وہاں یہ دستور تھا کہ مرد چروں پر نقاب ڈالے رہتے تھے اور عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں۔ گو یہ بات قرین قیاس نہیں ہے مگر ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ بہر حال ایک دن بادشاہ علی بن یوسف کی بہن اپنی لونڈیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار بے نقاب شہر کی کسی سڑک پر سے گذری۔ محمد بن تومرت کی غیرت بھلا اس بے جاہلی کو کیونکر گوارا کر سکتی تھی۔ اپنے مریدوں کے جھرمٹ میں سے نکل کر عورتوں کے غول پر بازی طرح چھٹا اور اکثر لونڈیوں کو مار پیٹ کر زخمی کر دیا۔ مارتا جاتا تھا اور کتا تھا کہ مسلمان عورتیں اور یوں بے پردہ سیر کرتی پھریں

دوب مرنے کا مقام ہے۔ خود شاہزادی کے گھوڑے پر اتنے ڈنڈے پڑے کہ وہ بہت زیادہ بھڑکا اور شاہزادی اس کی پیٹھ پر سے گر کر زخمی ہو گئی۔ اب تو مرت تو ان کو مار پیٹ کے چل دیا اور لوگ مجروح شاہزادی کو اٹھا کر محل سرائے شاہی میں لے گئے۔ یہ خبر محلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی اور لوگ ان تو مرت کی جرات و دلیری پر عیش عیش کرنے لگے۔ جب بادشاہ کو ان تو مرت کی ان ستیزہ کاریوں کا علم ہوا تو اسے دربار میں بلا بھیجا اور کہا صاحب! آپ نے یہ کیا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے؟ ان تو مرت نے کہا کہ میں ایک مسکین شخص ہوں۔ آخرت کا طلب گار ہوں۔ امر معروف اور نہی منکر میرا مشغلہ ہے۔ اے بادشاہ! امر معروف اور نہی منکر یوں تو ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن آپ اس کے سب سے زیادہ مامور ہیں۔ کیونکہ کل قیامت کے دن آپ سے اس کے متعلق سخت باز پرس ہوگی اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی مملکت میں بدعات و منکرات کا شیوع ہے اس لیے آپ پر فرض ہے کہ احیاء سنت کریں اور بدعت کو مٹا دیں۔ چنانچہ خود خداوند عالم نے تارکین امر معروف و نہی منکر کے حق میں فرمایا ہے۔ (ترجمہ) اس برائی سے جس کے وہ مرتکب ہوتے تھے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ ان کا یہ فعل بہت برا تھا۔

بادشاہ ان کلمات سے بڑا متاثر ہوا اور حکم دیا کہ تمام سربراہان اور دروہ فقہاء اور اصحاب حدیث جمع کئے جائیں جب علمائے دربار جمع ہوئے تو کہا کہ اس سے میرے سامنے منظرہ کرو تاکہ معلوم ہو کہ ان ہنگامہ خیزیوں سے اس کی کیا غرض ہے؟ محمد بن تو مرت دوبارہ دربار شاہی میں بلایا گیا۔ قاضی محمد بن اسود نے ان تو مرت سے کہا۔ ”کیا یہ صحیح ہے جو مشہور ہو رہا ہے کہ تم بادشاہ کو برا بلا سکتے پھرتے ہو؟ اور بادشاہ بھی وہ جو عدل گستر، رعایا پرور، نیک نفس، تقویٰ شعار، خوابشات نفسانی کا دشمن اور احکام خداوندی کا پابند ہے؟“ اس کے جواب میں ان تو مرت نے کہا۔ ”واقعی میں نے بادشاہ کے خلاف ایسے کلمات کہے۔ باقی رہا یہ کہ بادشاہ متقی پر بیزار اور خدا ترس ہے میں اس کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا۔ کیا وہ بادشاہ بھی متقی کہلا سکتا ہے جس نے تمہاری باتوں کا اعتبار کر لیا اور جو کچھ تم لوگ کہہ دیتے ہو اسی کو دوجی الٰہی سمجھنے لگتا ہے حالانکہ خوب جانتا ہے کہ وہ سلطنت کے ہر عیب اور خرابی کا جواب دہ ہے۔ کل قیامت کو بادشاہ یہ کہ نہ کر چھوٹ جائے گا کہ مجھے اس کی اطلاع نہیں ہوئی۔ اس کے بعد کن تو مرت نے کہا۔ قاضی صاحب! کیا آپ کو معلوم ہیں کہ اسلامی عملداری میں خنزیر مارے مارے پھرتے ہیں۔ شراب فروخت کی جا رہی ہے۔ یتیموں کے مال پر دست اٹھاواں دراز ہے۔ سینکڑوں بیوائیں رات کو بھوکی سوتی ہیں، بے شمار یتیم ہیں جن کے سر پر دست شفقت پھیرنے والا کوئی نہیں۔ یہ تقریر ایسی منوثر اور دل دوز تھی کہ بادشاہ نے آبدیدہ ہو کر خجالت و ندامت سے سر جھکا لیا اور دل میں کہا واقعی یہ سچ کہتا ہے۔

مراکش سے اخراج

اب ابن تومرت کو تور خست کر دیا گیا اور علماء و اراکین سلطنت میں مشورہ ہونے لگا کہ اس شخص کی شوریدہ سری کا کیا علاج کیا جائے۔ علامہ مالک بن وہیب وزیر اعظم نے بادشاہ سے کہا کہ اس شخص کی باتوں سے ہوئے بغاوت آتی ہے۔ اس لیے اس کی طرف سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیے اور اگر اس کا قتل خلاف مصلحت ہے تو کم سے کم اسے حراست میں رکھا جائے اور اس کے مصارف کے لیے ایک دینار سرخ روزانہ مقرر کر دیا جائے۔ خطرہ ہے کہ کہیں اس کا ہاتھ شاہی خزانہ تک نہ پہنچ جائے۔ ایک اور وزیر نے یہ رائے دی کہ اس کو خارج البلد کر دینا کافی ہے۔ بادشاہ نے آخری رائے سے اتفاق کیا اور کہا میں اس سے زیادہ کوئی سزا نہیں دے سکتا۔ خصوصاً ایسے صاحب علم ناصح کو جس کی ہر بات از روئے انصاف حق و صدق پر مبنی ہے۔ غرض فرمان شاہی کے بموجب ابن تومرت اپنے پیروؤں سمیت مراکش سے خارج کر دیا گیا۔ تلمسان سے نکل کر یہ چھوٹا سا قافلہ شہر اغمات میں پہنچا۔ یہ شہر بھی مراکش ہی کی عملداری میں واقع تھا۔ ابن تومرت یہاں چند روز اقامت گزیر رہا۔ اس جگہ عبدالحق بن ابراہیم نام ایک شخص سے جو شہر کا ایک بڑا رئیس تھا دوستی ہو گئی۔ اس نے مشورہ دیا کہ اگر تم سلطنت کے خلاف کچھ کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اغمات میں نہیں رہنا چاہیے۔ یہ شہر کسی طرح تمہاری حفاظت نہ کر سکے گا۔ ایسی کاروائیوں کے لیے موزوں ترین مقام ایک کوہستانی قصبہ ہے جو پہاڑوں کے دشوار گزار درروں میں واقع ہے اور یہاں سے ایک دن کی راہ ہے۔ ابن تومرت نے اس قصبہ کا نام پوچھا تو رئیس نے بتایا کہ اس کو تین مل کہتے ہیں۔ تینمل کا نام سننے ہی ابن تومرت کی باچھیں کھل گئیں اور مارے خوشی کے اچھل پڑا۔ کیونکہ یہی اس شہر کا نام تھا جو علم جفر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا تھا۔ اب اسے حصول مقصد کا یقین ہو گیا فوراً کوچ کیا اور تینمل کی راہ لی۔

ممدویت کا دعویٰ

اہل تینمل نے محمد بن تومرت اور اس کے پیروؤں کو علماء اور درویشوں کے لباس میں دیکھ کر ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور خاطر مدارت سے پیش آئے۔ یہاں لوگوں کا بھڑت رجوع ہوا۔ قبیلہ الصامدہ کے تمام سردار چند ہی روز کے اندر اس کے حلقہ اراوت میں داخل ہو گئے۔ ابن تومرت نے مقامی زبان میں جس میں وہ فصیح ترین شخص مانا جاتا تھا وعظ و تذکیر کا سلسلہ شروع کیا۔ یہاں تک کہ اس کی بزرگی و منہیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اسی کے ساتھ تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ جب دیکھا کہ باشندگان تینمل اور اہل مضافات پر اس کا جادو چل چکا تو آغاز دعوت کا عزم

کیا۔ اور اپنے مناد ہرونی قبائل کی استمالت قلوب کے لیے روانہ کئے۔ ان تو مرت کے مبلغ تمام کو ہستان میں پھیل گئے۔ یہ لوگ وہاں کے باشندوں کے سامنے ہر وقت امام منتظر حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کی روایتیں بیان کر کے ان کی آتش شوق کو مشتعل کرتے اور کہتے کہ حضرت مہدی علیہ السلام بہت جلد ظہور فرما ہوں گے۔ جب یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو ان تو مرت نے جامع مسجد میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں وہی محمد بن عبد اللہ المعروف مہدی ہوں جس کے ظاہر ہونے کی صدیوں پہلے جناب خاتم الانبیاء ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ اور میرے سوا کوئی نہیں جس کی ذات پر احادیث مہدی صادق آسکیں۔ یہ سنتے ہی عبدالمومن وغیرہ دس خاص مرید تائید کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ حضور! مہدی آخری الزمان کے تمام صفات آپ کی ذات میں مجتمع ہیں۔ آپ حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد ہیں۔ نام بھی محمد ہے۔ اب آپ کے سوا کون ہے جو مہدی منتظر ہو سکے۔ یہ کہہ کر ان تو مرت سے مہدویت کی بیعت کرنے لگے۔ دوسرے لوگ بھی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ ہر شخص بیعت کو ذریعہ نجات و فلاح دارین یقین کر کے پروانہ دار گر تا تھا۔ اس دن سے ان تو مرت لوگوں سے اپنی مہدویت اور امامت کبریٰ کی بیعت لینے لگا۔ آغاز بیعت کے بعد ان تو مرت اور اس کے منادوں نے جو زبردست پروپیگنڈا کیا اس سے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ ان تو مرت ضرور مہدی موعود ہے۔ چنانچہ تمام قبائل نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور بہت کم لوگ ایسے رہ گئے جنہوں نے اس کو مہدی موعود تسلیم نہ کیا ہو۔ ان تو مرت نے کہا کہ میں اس چیز پر بیعت لیتا ہوں جس پر حضور سید الخلق نے اصحاب احبار سے بیعت لی تھی۔ پھر ان کے لیے اپنی دعوت کے متعلق بہت سے رسالے تالیف کئے۔ وہ اکثر مسائل کلامیہ میں امام ابو الحسن اشعری کا پیرو تھا مگر مسئلہ اثبات صفات باری تعالیٰ کی نفی اور چند دیگر مسائل میں معتزلہ کا ہم نوا تھا۔ ان تو مرت اپنے پیروؤں کو موحدین کے لقب سے یاد کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ دنیا میں تمہارے سوا کوئی موحد نہیں ہے۔ ان کی دس مختلف جماعتیں قائم کی تھیں جن میں سے اولین جماعت مساجدین کی تھی جنہوں نے اس کی دعوت کو بلا توقف لبیک کہا تھا۔ ان کا نام الجماعت رکھا۔ ایک جماعت کو مہمیں کہتے تھے۔ یہ تمام طبقے کسی ایک قبیلہ سے مرتب نہ کئے تھے۔ بلکہ مختلف قبائل پر مشتمل تھے۔ ان تو مرت اپنے پیروؤں کو مومنین کہا کرتا تھا۔ اور اس کا بیان تھا کہ سطح ارض پر تمہارے برابر کوئی شخص کامل الایمان نہیں۔ تم ہی وہ جماعت ہو جس کی خبر صادق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس حدیث میں خبر دی تھی کہ میری امت کا ایک نہ ایک گروہ حق کی حمایت میں قتال کر کے غالب آتا رہے گا۔ اور اسے کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ یہاں تک کہ امر خداوندی آ پہنچے۔ تم ہی وہ جماعت ہو جس کے ذریعہ حق تعالیٰ کا نہ دجال کو قتل کر ائے گا۔ تم ہی میں وہ امیر ہے جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی سی عبادت کرتا ہے۔ غرض معاملہ روز افزوں اعتقاد کے ساتھ ان

تو مرث کے مطیع ہوتے گئے۔ ان کے دلوں میں اس کا ادب و احترام اس درجہ راسخ ہوا کہ اگر وہ ان میں سے کسی کو اس کے باپ بھائی یا فرزند عزیز کو قتل کرنے کا بھی حکم دیتا تو وہ بے دریغ اس کی تعمیل کرتا۔

انن تو مرث کا ایک دلچسپ معجزہ

جن ایام میں ملالہ کہ مقام پر انن تو مرث عبدالمومن سے ملاقی ہوا۔ انہی دنوں عبد اللہ و نشریسی نام ایک ذی علم آدمی بھی اس کا شریک حال ہوا تھا۔ کتاب الاستقصاء میں اس کا نام ابو محشر بشیر و نشریسی لکھا ہے۔ لیکن عبد اللہ و نشریسی زیادہ مشہور ہے۔ و نشریسی یزاد بن فصیح و بلع لغات عرب و اہل مغرب کا اور قرآن مجید اور موطا امام مالک کا حافظ تھا۔ انن تو مرث اس کی ذہانت اور جودت طبع دیکھ کر عرش عرش کرتا تھا اور سوچا کرتا تھا کہ اس شخص کی قابلیت سے کوئی کام نکالنا چاہیے چنانچہ جب دیکھا کہ و نشریسی ہر طرح سے محرم راز ہو گیا تو اس سے کہا کہ وہ لوگوں کے سامنے گونگان جائے اور اپنی علمی اور ذہنی قابلیت اس وقت تک ظاہر نہ کرے جب تک کہ بطور معجزہ اس کے اعظمی کی ضرورت نہ ہو۔ و نشریسی اختیاد درجہ کا مستقل مزاج تھا۔ اس نے اپنے مخدوم و مطاع کا منشا معلوم کر کے ایسی چپ سادھی کہ لوگ اسے جاہل مطلق گونا بلکہ دیوانہ خیال کرتے تھے۔ یہ شخص میلے پچیلے کپڑے پہنے رہتا تھا۔ مکروہ وضع و ہیئت بنا رکھی تھی کہ کوئی شخص پاس بیٹھنے کا روادار نہ تھا۔ انن تو مرث کی خواہش تھی کہ تینل اور اس کے گرد و نواح میں کوئی ایسا شخص نہ رہ جائے جو اس کی مدد و یت کا منکر ہو اور اس آبادی کو ان تمام لوگوں کے خار و وجود سے پاک کر دیا جائے جو وحدت قوی کی راہ میں حائل ہیں۔ اس غرض کی تکمیل کے لیے ایک دن و نشریسی سے کہنے لگا: اب تمہارے کمال کا وقت آگیا اور اسے سب تدبیر سمجھا دی۔ چنانچہ جب انن تو مرث نماز صبح کے لیے مسجد میں آیا کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص نہایت فاخرہ لباس زیب تن کئے محراب مسجد میں کھڑا ہے اور اس کی خوشبو سے مسجد مہک رہی ہے۔ اس وقت لوگوں کا مجمع تھا۔ پوچھنے لگا۔ ”حضرت آپ کون ہیں؟“ کہنے لگا کہ یہ خاکسار عبد اللہ و نشریسی ہے۔ پوچھنے لگا آپ کو یہ درجہ کس طرح ملا؟ تم تو مومن تھے اور مجنون تھے۔ کہنا درست ہے لیکن الحمد للہ آج خدائے قدیر نے مجھے تمام جسمانی و روحانی نقصان سے پاک کر دیا۔ رات کو ایک فرشتہ آسمان سے اتر کر میرے پاس آیا۔ اس نے میرا سینہ شق کر کے ساری کٹافیتیں اور ساری نقائص نکال ڈالے اور مجھے ملائکہ مقربین کی طرح بالکل معصوم بنا کر میرے دل کو علوم و حکمت سے بھر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں جو کل تک جاہل مطلق اور گونا گونا تھا آج ایک ہر دست عالم کلام پاک اور موطائے مبارک کا حافظ ہوں۔ یہ سن کر انن تو مرث مصنوعی نسوے بہا کر کہنے لگا۔ میں کس زبان سے اس ارحم الراحمین کا شکریہ ادا کروں کہ اوہوں کو تو دعائیں مانگتے اور

ایڑیاں اور گھٹنے رگڑنے سے کچھ ملتا ہے لیکن خدائے رحیم وودود اس عاجز کی تمام خواہشیں بلا طلب پوری فرماتا ہے۔ چنانچہ اس عاجز کی جماعت بھی ایسے ایسے برگزیدہ لوگ بھی شامل کئے ہیں جن پر ملائکہ مقربین آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور جس طرح ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مختار ﷺ کا سینہ مبارک شق کر کے اس کو علوم و حکمت سے معمور فرمایا گیا۔ اسی طرح اس عاجز کی جماعت کے ایک فرد کا سینہ بھی شق کیا گیا اور رسول پاک ﷺ کی طرح اس کا خزینہ دل بھی قرآن حکمت اور علوم لدنیہ سے مالا مال کیا گیا۔ اس کے بعد اپنی سحر مانی سے کام لیتے ہوئے و نشریسی سے کہنے لگا۔ ”بھائی! یہ دعویٰ ایسا نہیں کہ بے تحقیق اور بلا دلیل مان لیا جائے اس کا کوئی ثبوت ہونا چاہیے۔ حاضرین نے بھی اس کی تائید کی۔ اب اس سے امتحان چند سورتیں پڑھنے کو کہا گیا۔ اس نے یہ سورتیں نہایت تجوید و ترتیل کے ساتھ سنا دیں۔ اسی طرح موطا وغیرہ کتب حدیث کا امتحان لیا گیا۔ و نشریسی سب میں کامیاب نکلا۔ تمام لوگ جو و نشریسی کو اس کے آغاز قدم سے برابر گونگا دیوانہ اور جاہل مطلق یقین کرتے آ رہے تھے اس نوق العادۃ واقعہ پر نحو حیرت ہوئے اور اس کو ”مدی موعو (ان تومرت) کے معجزہ کا اثر تسلیم کرنے لگے۔

تین رازدار ”فرشتوں“ کا کنوئیں میں بٹھایا جانا

اب ان تومرت نے و نشریسی سے کہا اے بزرگ! یہ تو بتا دے کہ میں سعید ہوں یا شقی؟ و نشریسی نے جواب دیا کہ اے ان تومرت! آپ مدی قائم بامر اللہ ہیں جو آپ کی پیروی کرے گا وہ سعید اور جو مخالفت کرے گا وہ شقی ازلی اور جنمی ہے۔ اس کے بعد فاضل و نشریسی نے کہا کہ وائب العظایا نے حضور کے تصدیق سے اس خاکسار کو ایک اور نعمت بھی عطا کی ہے۔ پوچھا وہ کیا؟ عرض کیا کہ خاکسار کے باطن میں ایک ایسا نور رکھ دیا ہے کہ جس سے اہل جنت اور اصحاب نار کو فوراً پہچان لیتا ہوں اور خدائے غیور نے اس نور کے عطا کرتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس مقدس جماعت میں دوزخیوں کا شامل رہنا قطعاً نادر ہے۔ لہذا ارشاد ہوا کہ دوزخیوں میں سے ہر ایک کو فردا فردا پہچان کر ہلاک کر دو اور چونکہ اطلاق و استہلاک کا معاملہ نہایت نازک اور قابل احتیاط تھا اس لیے خدائے برتر نے تین فرشتے میری تصدیق کے لیے نازل فرمائے ہیں جو اس وقت فلاں کنوئیں میں موجود ہیں۔ یہ سن کر مدی نے کنوئیں پر جانے کا ایک وقت مقرر کر دیا اور اس غرض کے لیے پہلے سے اپنے تین رازدار مرید اس میں بٹھا دیئے۔ ان ارباب ایمان کے اسماء گرامی کی ایک فہرست پہلے سے مرتب کر لی گئی تھی جنہیں ان تومرت کی مدد ویت سے انکار تھا۔ یا اس کی مخالفت کرتے تھے۔ ان تومرت وقت معبود پر سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے ساتھ کنوئیں کی طرف گیا۔ یہ کنوئیں ایک وسیع میدان میں واقع تھا۔ لوگ ایسی حالت میں کنوئیں کی طرف جا رہے تھے کہ جہروں کا رنگ فاق تھا۔ دل امید و

ہم کی کشمکش میں جتنا تھے اور ہر شخص اس خیال سے خوف زدہ تھا کہ دیکھیں آج کون شخص ذلت و رسوائی سے قتل ہو کر ننگ خانہ ان ٹھہرنا اور جنم کے عذاب میں جھونکا جاتا ہے۔ وہ میدان اس وقت عرصہ قیامت مٹا ہوا تھا۔ ہر شخص نفسی نفسی پکار رہا تھا۔ نہ باپ کو بچنے کی خبر تھی اور نہ بچنے کو باپ یا بھائی کی اطلاع۔ ادھر قبائل میں کسرام چاہا ہوا تھا کہ دیکھیں کوئی مرد اپنے گھر کی خبر گیری کے لیے واپس بھی آتا ہے یا سب دوزخ کو جا آباد کرتے ہیں۔ غرض تمام لوگ کنوئیں پر پہنچے۔ ممدی نے پہلے دو گانہ نماز ادا کیا۔ اس کے بعد ان تین ”فرشتوں“ سے جو کنوئیں کی یہ میں اترے تھے با آواز بلند کہا۔ ”اے ملائکہ! عبد اللہ و نشریسی کا دعویٰ ہے کہ خدائے برتر نے مجھے جنتی اور دوزخی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت عطا کر کے حکم دیا ہے کہ تمام دوزخی چن چن کر قتل کر دیئے جائیں کیا یہ بیان صداقت پر مبنی ہے؟ ان تینوں کنوئیں نشین مریدوں نے پکار کر کہا عبد اللہ نہایت صادق البیان ہے۔“ اس جواب سے لوگوں کا اعتقاد اور بھی راسخ ہو گیا۔ ان تو مرث نے دیکھا کہ عالم سفلی کے یہ فرشتے اوپر آگئے تو فشاء راز کا احتمال رہے گا اس لیے ان کو عالم بالا میں بھیج دینا مناسب ہے۔ و نشریسی وغیرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ یہ کنواں نزول ملائکہ کی وجہ سے مقدس مقامات میں داخل ہو گیا ہے اور اگر یوں ہی کھلا چھوڑ دیا گیا تو اس میں ناپاک چیزوں کے گرنے اور اس کے نجس ہونے کا خطرہ رہے گا اور اگر کبھی ایسا ہوا تو قوم پر قراللی نازل ہو گا۔ اس لیے اس کو پاٹ دینا مناسب ہے۔ چنانچہ سب نے اس خیال کی تائید کی اور سب کے اتفاق رائے سے وہ کنواں فوراً پاٹ دیا گیا جو چاہا بیل کے مفروضہ ملائکہ کی طرح ان بے گناہوں کا دائمی مجس قرار پایا۔ معلوم نہیں کہ تینوں راز دار مریدوں کی ہلاکت ان کی رضامندی سے معرض عمل میں آئی یا ان سے مکرا و غدا ایسا سلوک کیا گیا۔ بصورت اول مریدان صادق الاعتقاد کا اس طرح سے جان دینا کچھ تعجب انگیز نہیں چنانچہ حسن بن ابن صباح کے باطنی مذاکاروں کے کارنامے اس حقیقت کے گواہ ہیں۔ اب قتل و استہلاک کا خون آشام بنگامہ شروع ہوا۔ و نشریسی جس کے پاس منکریں و مخالفین ممدی کی فہرست موجود تھی میدان میں کھڑا ہو گیا اور بہشتیوں اور دوزخیوں کے نام پکارنے لگا۔ یہ شخص اپنے موافقوں اور ہم مشروں کو جنتی قرار دے کر دابنی طرف کھڑا کرنا اور فہرست سے مخالف کے نام و کچھ دیکھ کر انہیں جہنمی کا لقب دینا اور بائیں جانب کھڑا کرتا۔ کئی جلاوتیغ بہت کھڑے تھے جو اصحاب الشمال کو فوراً قتل کر دیتے تھے۔ کئی دن تک یہ قیامت برپا رہی۔ یکے بعد دیگرے ایک ایک قبیلہ بلایا جاتا اور ارباب ایمان جنتی کہہ کر دارالخلد کو بھیج دیئے جاتے۔ غرض سینکڑوں ہزاروں عاشقان حق یہ تیغ کئے گئے۔ بقیہ السیف اس کے یکے جان نثار اور مخلص مرید تھے۔

شہابی تحصیل داروں کا قتل عام

اب انن تومرت نے یہ دتیرہ اختیار کیا کہ ہر وقت سلاطین وقت کو خاظمی، ظالم اور دشمنان دین و ملت ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا اور کہتا کہ انہوں نے احکام الہی کے اجراء میں کوتاہی کی ہے۔ اس لیے نہ صرف ان کی اطاعت حرام ہے بلکہ ان کے خلاف غزا و جہاد فرض ہے۔ اور ہر ملا کہتا کہ میں سلطنت کی اینٹ سے اینٹ مجادوں گا اور یہ کہ جو کوئی دنیا اور عقبی میں سرفراز و کامگار ہونا چاہتا ہے وہ اس جہاد میں جان دے گا۔ اس تحریک کا یہ اثر ہوا کہ ہزار باسجدیت مند جان بازی و سرفروشی پر آمادہ ہو گئے۔ اب انن تومرت سلطان مراکش کے خلاف علم مصاف بند کرنے کے لیے حیلہ تلاش کرنے لگا۔ وہ اکثر دیکھتا تھا کہ خود تو اہل کوہ سانولے ہیں اور ان کی اولاد گر بہ چشم اور بھورے رنگ کی ہے۔ ایک دن ان سے دریافت کرنے لگا کہ اولاد اور والدین کے اختلاف رنگت کی کیا وجہ ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے سکوت کیا اور ندامت سے سر جھکا لئے۔ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ سلطان کے غلام ہر سال تحصیل خراج کے لیے ان پہاڑوں پر آتے ہیں جو عموماً یونانی ردی اور افرنجی ہیں۔ بادشاہ کو تو غالباً اس کی خبر نہ ہوگی مگر وہ لوگ ہماری بڑی رسوائی کرتے ہیں۔ آتے ہی ہمیں ہمارے گھروں سے خارج کر دیتے ہیں اور ہماری عورتوں کو بے عزت کر ڈالتے ہیں اور ہمیں ان کی دست برد سے چنے کی قدرت نہیں۔ اسی وجہ سے ہماری عورتوں کی بعض اولاد ان غلاموں کے رنگ پر ہوتی ہے۔ انن تومرت طیش میں آکر کہنے لگا تمہارے لیے ایسی شرمناک زندگی سے مر جانا بہتر ہے اور مجھے حیرت ہے کہ تمہارے ایسے شجاع و جانباز لوگ ایسی بے عزت اور بے غیرتی پر کیوں خاموش رہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں بھلا لشکر سلطانی سے مقابلہ کرنے کا کیوں مکر حوصلہ ہو سکتا تھا۔ کہنے لگا اچھا اگر کوئی شخص اس معاملہ میں تمہاری دادرسی کرے تو اس کا ساتھ دو گے؟ انہوں نے کہا ساتھ دینا کیسا ہم اس کے حکم پر اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ مگر ایسا فریاد رس کہاں مل سکتا ہے؟ انن تومرت تو خدا سے یہی چاہتا تھا ان سے وعدہ کیا کہ میں تم کو اس مصیبت سے نجات دلاؤں گا۔ انہوں نے اس کی سر پرستی نہایت شکریہ کے ساتھ قبول کی۔ انن تومرت نے ان کو سمجھایا کہ اب کی مرتبہ جب بادشاہ کے غلام یہاں آئیں اور تمہاری عورتوں سے اختلاط کا قصد کریں۔ تو تم ان کے پاس شراب کی بوتلیں رکھ دینا اور جب وہ پی کر نشہ میں سہاڑا ہو جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔ غرض جب بادشاہ کے غلام حسب معمول خراج سلطنت کی تحصیل کے لیے آئے تو انہوں نے ان کو خوب شراب پلائی۔ جب بدست ہو گئے تو انن تومرت کو خبر کی۔ اس نے حکم دیا کہ سب کو قتل کر ڈالو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔ سب غلام مار ڈالے گئے البتہ ایک غلام جو حسن اتفاق سے کسی کام کے لیے اپنی فرود گاہ سے باہر گیا تھا ہر ہی خبردار ہو گیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اور دار السلطنت میں پہنچ کر بادشاہ کو صورت حال سے مطلع کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہی محمد بن تومرت جو یہاں سے نکالا گیا تھا وہاں پہنچ کر سب کا پیٹھ لمانا ہوا ہے اور اسی کے حکم سے

یہ کارروائی عمل میں آئی ہے۔ اب بادشاہ کی آنکھیں کھلیں۔ اپنی مال ٹانڈیشانہ رواداری اور سہل انگاری پر بہت پچھتایا اور تسلیم کیا کہ مالک بن وہیب کی رائے واقعی نہایت صائب تھی۔

شاہی فوج کی ہزیمت

ان تو مرت کو یقین تھا کہ شاہی فوج انتقام کے لیے ضرور آئے گی اس لیے اس نے یہ ہوشیاری کی کہ اپنے پیروؤں کی ایک زبردست جمعیت پہاڑوں پر دروں کی دونوں طرف بٹھادی اور حکم دیا کہ جیسے ہی بادشاہی فوج آئے تم لوگ پوری قوت اور شدت کے ساتھ پتھر لڑھکانا شروع کر دینا اور اتنی سنگباری کرنا کہ ایک شخص بھی زند سلامت واپس نہ جاسکے۔ ان تو مرت کا یہ خیال صحیح نکلا چنانچہ بادشاہ نے اس خوزیزی کی سزا دینے کے لیے ایک لشکر جرار روانہ کیا جو فوراً امر اکش سے چل کر تینمل کی گھاٹیوں میں گھسا۔ جو شاہی فوج دروں میں سے گزرنے لگی۔ اوپر سے اتنی سنگ باری ہوئی کہ ہزار ہا سوار پتھروں کے نیچے کچل کچل کر ہلاک ہو گئے۔ اسی حالت میں رات کی سیاہ چادر نے اس ہنگامہ آرائی کو موقوف کر دیا۔ اور سچی کھچی فوج نہایت بے ترتیبی کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی۔ جب یہ ہزیمت خوردہ لشکر دار السلطنت میں پہنچا اور بادشاہ کو اس شکست کی اطلاع ہوئی تو سخت بدحواس ہوا اور اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ آئندہ ان تو مرت سے کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ اس شاندار فتح نے موحدین کے دل بڑھا دیئے اور انہیں بیش از پیش اس بات کا یقین ہوا کہ واقعی ان کا مقتداء سچا ممدی موعود ہے۔ اب ان تو مرت نے موحدین کا ایک لشکر جرار مرتب کیا۔ اور ان سے کہا کہ ان کافروں اور دین ممدی کے منکروں کی طرف جاؤ جن کو مرابطون کہتے ہیں ان کو بدکرداری سے اعراض اعمال حسنة کے احیاء ازالہ بدعت 'قیام سنت اور اپنے ممدی معصوم کے اقرار کی دعوت دو۔ اگر تمہاری دعوت کو قبول کریں تو تمہارے بھائی ہیں ورنہ ان کے خلاف جہاد کرو۔ سنت نبوی (ﷺ) نے ان کے خلاف جہاد کرنا تم پر فرض کر دیا ہے۔ اس نے عبدالمومن کو سرعہ کرنا کہ تمام موحدوں کے امیر ہو۔ اس دن سے عبدالمومن کو امیر المومنین کہنے لگے۔ یہ لشکر مراکش کی طرف روانہ ہوا۔ پرچہ نویسوں نے موحدین کی نقل و حرکت کا سارا حال دار السلطنت کو لکھ بھیجا۔ چنانچہ یہ ابھی دار السلطنت سے دور ہی تھے کہ بھیرہ نام ایک مقام پر مرابطون کی ایک فوج گراں آتی دکھائی دی۔ بادشاہ کا پوتا ابو جبر بن علی اس کا سرعہ کرنا تھا۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو عبدالمومن نے اپنے ممدی کے حکم سے؟؟؟ کی دعوت کے لیے اپنا قاصد بھیجا مگر شاہی لشکر نے اس دعوت کو سخت نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اب عبدالمومن نے امیر المسلمین علی بن یوسف کو دعوت ممدی کے موضوع پر ایک مراسلہ بھیجا۔ امیر المسلمین نے اس کے جواب میں مسلمان بادشاہ کی عدول حکمی اور شرف جماعت کی وعیدیں جو احادیث نبویہ میں

وارد ہیں لکھ کر بھیجیں اور خوزیری و فتنہ انگیزی کے بارے خدا یاد دلایا۔ مگر عبدالمومن ان باتوں کو کچھ خاطر میں نہ لایا۔ بلکہ اس جواب کو امیر المومنین کی کمزوری پر محمول کیا۔ اب جاناہوں نے ہتھیار سنبھالے اور لڑائی شروع ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ موحدون کو سخت ذلت آفرین شکست ہوئی۔ عبدالمومن چند دوسرے آدمی چھوڑ کر موحدین کا سارا لشکر تہ تیغ ہو گیا۔ جب اس ہزیمت کی خبر لندن تو مرت کو ہوئی تو اس نے اپنے مقتولوں کو جنت الفردوس کی بھارت دی اور جب عبدالمومن پہنچا تو اس سے کہنے لگا کہ لڑائی میں شکست ہوئی کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر کہہ ہائے جنگ میں ہمیشہ یکن رہا ہے کہ آج کوئی غالب ہے اور کل کو کوئی اور۔ مگر انجام کار تم ہی غالب رہو گے۔

مردوں سے مکلام ہونے کا معجزہ

اب ابن تو مرت نے موحدین کو پھر منظم کرنا شروع کیا اور اس کی جمعیت از سر نو بڑھنے لگی۔ آخر ہزار موحدین کے لشکر کے ساتھ بذات خود مراکش پر دھاوا کرنے کا قصد کیا۔ لیکن چونکہ پہلی لڑائی میں شکست ہوئی تھی اور موحدین کی بہت بڑی تعداد میدان جانتاں کی نذر ہوئی تھی۔ اس لیے بہت سے لوگ خصوصاً تینیل کے ساتھ لوگ جاتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ یہ دیکھ کر ابن تو مرت نے کہا کہ جس کسی کو اغواء کلتہ اللہ کی خاطر ہمارا ساتھ دینا منظور ہو وہ ہماری مناقت کرے ورنہ خدا خود حزب اللہ کا مددگار ہے۔ خدائے ممکن اس مرتبہ ہمیں ایسی عظیم الشان فتح دے گا کہ مختلفین بعد کو عدم رفاقت کی وجہ سے سرشار ہوں گے اور اب کی مرتبہ میدان جنگ میں جا کر ہر شخص اپنے کانوں سے سنے گا کہ مردے قبروں میں سے ہمیں فحی بھارت دیتے ہیں۔ یہ سن کر وہ لوگ بھی ساتھ چلنے پر آمادہ ہوئے جنہیں شریک جنگ ہونے میں تامل تھا۔ اب ابن تو مرت نے یہ انتظام کیا کہ اس میدان جنگ کے پاس جا کر پڑاؤ ڈالا جہاں اس سے پیشتر اس کے لشکر کو شکست ہوئی تھی۔ اور عبدالمومن کے ذریعہ سے چند قبریں کھدوا کر اپنے ہنسنے والے ہزار ہزاروں کو ان میں زندہ دفن کرادیا۔ اور ہوا کی آمدورفت کے لیے قبروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ رکھوا دیے۔ لوگوں نے قبروں میں سے مردوں کی آوازیں سنیں تو انہیں ابن تو مرت کے معجزے اور میدان جنگ میں اپنی فتح کا یقین آگیا۔ لیکن ابن تو مرت کو شکست ہوئی اور وہ مختلف علاقوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر بوجہ بھاری اس نے لوگوں سے کہا کہ میرا وقت آخر قریب ہے۔ یہ سن سب لوگ رونے لگے۔ چنانچہ تھوڑے دن کے بعد مرض موت میں گرفتار ہوا۔ عبدالمومن کو اپنا جانشین اور امام صلوٰۃ مقرر کیا اور دنیائے رفتی و گذشتنی کو الوداع کہہ کر امانت حیات ملک الموت کے سپرد کر دی۔ اس نے مرنے سے پہلے عبدالمومن کو یہ مژدہ سنایا کہ اعلیم مراکش عنقریب تمہارے عمل و خل میں آئے گی اور تم تمام اسلحہ و خزانہ سلطانی کے مالک بن جاؤ گے۔

ان تومرت کے اخلاق وعادات

محمد بن تومرت فضائل اخلاق کا مجسمہ تھا۔ مال غنیمت، بیت المال اور قومی محاصل و مداخل میں سے اس نے مدت العمر ایک جبہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کیا۔ ہر اوقات کی یہ صورت تھی کہ اس کی بہن چرخہ کات کر سوت بچا کرتی تھی۔ اسی پر بھائی بہن دونوں کی گذراوقات کا مدار تھا۔ ان تومرت آٹھ پہر میں ایک ہلکی سی روٹی پر اکتفا کرتا۔ جس کے ساتھ تھوڑا سا کھن یا روغن زیتون ہوتا تھا۔ جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور اس کے سامنے مال غنیمت اور محاصل کے ڈھیر لگے رہتے تھے تو اس وقت بھی اس نے اپنی سہلہ غذا میں کچھ اضافہ نہ کیا۔ مدت العمر حضور ربہا اور شادی نہ کی۔ ایسا زاہد اور تارک الدنیا تھا کہ جب اسے اہداء میں ایک شاندار فتح ہوئی اور اس کے پیروؤں نے امیرانہ ٹھانڈھ بنانا چاہا تو بہت ناخوش ہوا اور تمام مال غنیمت جمع کر کے نذر آتش کر دیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ جو کوئی دنیا کا طالب اور خطوط فانی کا دلدادہ ہے وہ یہاں سے چلا جائے۔ یہاں صرف آخرت ہے جس کا نفع عاقبت میں ملے گا۔ ان تومرت سنت اولیٰ کی طرح حدود شرعی کی نگرانی میں تشدد پر تیار رہتا تھا۔ شراب خواری پر نہایت سخت سزائیں دیتا۔ ایک مرتبہ ایک شخص حالت بدمستی میں ان تومرت کے پاس لایا گیا۔ اس نے سزا کا حکم دیا۔ ایک ذی عزت حاشیہ نشین یوسف بن سلیمان نے کہا حضور والا! اگر اس پر اس وقت تک براہِ رخصتی کی جائے جب تک یہ نہ بتا دے کہ اس نے کہاں سے شراب پی تو یقین ہے کہ اس فتنہ کا استیصال ہو جائے گا۔ یہ سن کر ان تومرت نے منہ پھیر لیا۔ یوسف نے مکرری کہا تو پہلے کی طرح پھر روگردانی کی۔ جب اس نے تیسری مرتبہ ایسا ہی کہا تو ان تومرت نے جواب دیا کہ اگر بالفرض ملزم نے یہ کہہ دیا کہ میں نے یوسف بن سلیمان کے گھر سے شراب پی ہے تو پھر کیا کرو گے؟ یہ جواب سن کر یوسف نے سر جھکا لیا لیکن بعد کو یہ راز فاش ہونے پر سب کو حیرت ہوئی کہ یوسف ہی کے نوکروں نے اسے شراب پلائی تھی۔ چنانچہ اس واقعہ کو ممدی (ان تومرت) کے کشف و کلمات پر محمول کیا گیا۔ ان تومرت میں جہاں بیسیبوں خوبیاں تھیں وہاں دعوائے مہدویت سے قطع نظر اس میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ اس نے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر ہزار ہا بے گناہ کلمہ گوؤں کو تیغ بے دریغ کے سپرد کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ ان قیم نے اسے حجاج بن یوسف سے بھی زیادہ سفاک اور جفاکیش لکھا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اس نے جو جانفیں جھوڑے وہ عدل و انصاف کا پیکر اور ترویج اسلام میں حضرات خلفائے راشدین کا دھندلا سا عکس تھے۔ ان تومرت نے متعدد کتب تصنیف کی تھیں۔ ایک توحید اور عقائد پر مشتمل تھی جس کا نام ”مرشدۃ“ تھا۔ ایک کا نام ”کنز العلوم“ تھا۔ ایک ”اعزایطوب“ کے نام سے موسوم تھی۔ مؤخر الذکر کتاب الجرائز میں چھپ چکی ہے۔

عبدالوہاب کی خلافت

کسی داعی کی وفات کے بعد اس کے پیروؤں کو سب سے پہلی مشکل جو پیش آتی ہے وہ انتخاب خلیفہ کا مسئلہ ہے۔ ان تو مرت کے مرنے پر یہ خطرہ شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا کہ اس کی جماعت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ واستکان اسوہ محمدی (ﷺ) میں سے عشرہ مبشرہ سب سے زیادہ جلیل القدر و عظیم المرتبہ اصحاب ہیں۔ اسی تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے ان تو مرت نے بھی اپنے دس بڑے حواری بنائے تھے۔ اس کے مرنے کے بعد ان دس ممتاز حواریوں میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ خلیفہ بن جائے۔ یہ سب مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں اپنی اپنی قوم کے متعلق ”رہ کشی“ شروع ہوئی۔ ہر امیدوار کا قبیلہ اپنے آدمی کی تائید پر تلا ہوا تھا اور کوئی قبیلہ غیر قبیلہ کی خلافت و اطاعت پر راضی نہ تھا۔ بہت سی کشمکش کے بعد عبدالوہاب من پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ان کا مدی اس کو اپنے مرض موت میں نماز کا امام مقرر کر گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عبدالوہاب غریب الدیار تھا۔ قبائل کی باہمی آویزش سے یہی بہتر سمجھا گیا کہ ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنا دیا جائے جس کا تعلق کسی قبیلہ سے نہ ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبدالوہاب نے اپنے خلیفہ بنائے جانے کے متعلق حیلہ سازی سے بھی کام لیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اس نے ایک طوطا اور شیر پال رکھا تھا۔ طوطے کو اس نے یہ سبق پڑھا رکھا تھا کہ جو نبی ایک لکڑی اس کے سامنے کھڑی کی جائے وہ یوں کہنے لگے۔ (نصرت و تمکین امیر المومنین عبدالوہاب من کے ساتھ ہے) اور شیر کو یہ سکھا رکھا تھا کہ جو نبی عبدالوہاب من کو دیکھے دم ہلانے اور اس کے پاؤں چاٹنے لگے۔ جب ان تو مرت کے سپرد خاک کئے جانے کے بعد اس کے تمام پیرو ایک مقام پر جمع ہوئے تو عبدالوہاب من نے ایک خطبہ دیا جس میں موحدین کو اختلاف و نزاع کے خوفناک عواقب و نتائج سے متنبہ کرتے ہوئے محبت و آشتی کی تلقین کی۔ جب عبدالوہاب من خطبہ دے رہا تھا تو اس کے اہماء جو جب اس کا سائیں وہاں طوطا اور شیر لے آیا۔ سائیں نے لکڑی اٹھائی تو طوطا عبدالوہاب من کی نصرت و تمکین کی رٹ لگانے لگا اور شیر دم ہلاتا ہوا عبدالوہاب من کی طرف بڑھا اور اس کے پیرو چاٹنے شروع کر دیے۔ یہ دیکھ کر حاضرین کو سخت حیرت ہوئی۔ اور عبدالوہاب من کی یہ کرامت دیکھ کر سب لوگ اس کی خلافت پر متفق ہو گئے۔

عبدالوہاب من کے فتوحات اور سلطنت موحدین

ان تو مرت کی موت کے بعد عبدالوہاب من مدت تک تجنیز لشکر میں مصروف رہا۔ جب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو 534ھ میں دوبارہ مراکش پر حملہ آور ہوا اس لڑائی میں اس کا بلہ بھاری رہا۔

اس وقت سے عبدالمومن کے فتوحات کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ 537ھ میں اس نے سپاہ مرالطین کو منہزم کر کے سلطان علی بن یوسف کی زندگی کا چراغ گل کر دیا اور دو سال کے بعد اور ان تلمسان، فیض، سیوہ سمات اور سالی پر قابض ہو گیا۔ 541ھ میں مراکش کا دوبارہ محاصرہ کر کے خاندان مرالطین کی شاہی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ اس خاندان کا آخری تاجدار اسحاق بن علی بن یوسف موحدین کے ہاتھ سے دارالبقا چاہنچا۔ 540ھ میں عبدالمومن نے ایک لشکر سپانیہ (اسپین) بھیجا اور پانچ سال کی مسلسل جنگ آزمائی کے بعد سارا اسپین اس کے علم کے زیر نگین آ گیا۔ مراکش اور سپانیہ پر قابض و متصرف ہو کر اس نے اپنی عثمان توجہ مشرقی سمات کی طرف پھیر دی۔ 547ھ میں الجزائر کا حمادیہ خاندان بھی عبدالمومن کے ہاتھوں تخت و دیکھم سے محروم ہوا۔ 553ھ میں اس نے زیری خاندان کے جانشین نارمنوں کو یونس (تونس) سے نکال دیا۔ اس کے بعد طرابلس الغرب کو مسخر کیا۔ اس فتح کے بعد مصر سے لے کر بحر الکاہل کے تمام ساحلی ممالک اور سپانیہ پر اس کا بھریے اڑنے لگا۔ غرض اب عبدالمومن سے بڑا بادشاہ افریقہ میں موجود نہ تھا۔ حضرات انیرنگ ساز قدرت کی عجوبہ نمایاں دیکھئے کہ یہ عبدالمومن اسی غریب گھمار کا لڑکا ہے جو مٹی کے برتن بنا کر اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالا کرتا تھا۔

عبدالمومن نے 547ھ میں ابن رشد اندلسی کو قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض کیا۔ اندلس سے مراکش تک کے تمام علاقے اس کے حدود قضا میں داخل تھے۔ عبدالمومن نے ابن تومرت کی موت کے بعد اس کی مہدویت کے سارے افسانے طاق نسیان پر رکھ دیئے اور اپنی سلطنت کو منہاج نبوت پر قائم کر کے خالص اسلامی سلطنت بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابن تومرت کی مہدویت کا دل سے کبھی قائل نہ تھا۔ عبدالمومن کے عہد سلطنت میں نور اس کے بعد میں موحدین کا دوبارہ ہمیشہ فقہاء و محدثین کے ہاتھ میں رہا اور تمام ممالک محروسہ پر اسی مقدس گروہ کے خیالات محیط تھے۔

صحف عثمانی میں

عبدالمومن نے 528ھ ہی سے امیر المومنین کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ یہ لقب صدر اسلام میں صرف مشرق کے خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس کے حق میں استعمال کیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے عبید اللہ ممدی نے اس لقب میں مزاحمت کی اور خلفائے بنو امیہ و بنو عباس کی طرح امیر المومنین کہلانے لگا۔ عبید اللہ کے بعد عبدالمومن نے یہ لقب اختیار کیا۔ امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں قرآن عزیز کی چار عتقیں کر اکر مکہ معظمہ، بصرہ، کوفہ اور شام میں بھجوا دی تھیں۔ ان میں سے شامی نسخہ قرطبہ (اسپین) چلا گیا تھا۔ جب عبدالمومن

نے اسپین پر عمل و دخل کیا تو 11 شوال 552ھ کو یہ نسخہ مراکش لے آیا۔ چونکہ ایک مرتبہ عبدالمومن کی جان لینے کی کوشش کی گئی اور قلمرو میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو اس کی حمایت کا دم بھرتا اس لیے اس نے اسی دن ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے تمام قرابت داروں کو اپنے دارالسلطنت میں بلا لے۔ چنانچہ 557ھ میں نہ صرف اس کے دور نزدیک کے تمام رشتہ دار بلکہ ہزار ہا اہل وطن بھی تکمیل چلے آئے۔ عبدالمومن کو ان کی وجہ سے بڑی تقویت ہوئی لیکن اس سے اگلے سال تین سال کی عمر پوری کر کے آغوشِ لحد میں جاسویا اور تین سال میں لندن تو مرت کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ اس بادشاہ کے اقبال و تجمل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سینکڑوں شرفیج کئے۔ بیسیوں لڑائیاں لڑیں۔ بڑی بڑی فوجوں سے مدد بھیجی ہوئی۔ جزیرہ پہلی شکست کے جو ان تو مرت کی زندگی میں کھائی تھی کبھی ہزیمت کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ عبدالمومن کی اولاد میں بارہ بادشاہ قریباً ایک سو گیارہ سال تک سریر سلطنت پر متمکن رہے۔ جن میں سب سے پہلا حکمران عبدالمومن کا پوتا یوسف تھا۔ جس نے قریباً تین سال تک سلطنت کر کے 580ھ میں انتقال کیا۔ اور اس کی جگہ اس کا پوتا منصور اورنگ زیب شہنشاہی ہوا۔ منصور بھی اپنے دادا کی طرح نہایت اعلیٰ حوصلہ اور اولوالعزم بادشاہ تھا۔ موحدین کی سلطنت اس کے عہد حکومت میں مہمائے عروج کو پہنچ گئی تھی۔ یہ بادشاہ سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کا ہم عصر تھا اس کی طبیعت میں عجب و جاہ پسندی کا مادہ اس درجہ سرایت کر گیا تھا کہ بعض اوقات اس کے عزم اور عقل و فہم پر بھی غالب آجاتا تھا۔ چنانچہ جن ایام میں شاہانِ یورپ نے متفق ہو کر بیت المقدس کو اسلام کے اثر سے آزاد کرانا چاہا اور یورپ کے تمام ملکوں سے فوجوں کا سیلاب عظیم بیت المقدس کی طرف امنڈ آیا تو سلطان صلاح الدین نے اسلام کی اخوت عمومی کا لحاظ کرتے ہوئے منصور کو بھی شرکتِ جہاد کی دعوت دی اور لکھ بھیجا کہ سارا یورپ اسلام کی مخالفت میں اٹھ کھڑا ہوا ہے اس لیے ضروری ہے کہ تم اپنا لاؤ لشکر لے کر اسلام کی حمایت میں بیت المقدس کی طرف بڑھو۔ گو منصور ہر طرح سے امداد کے قابل تھا۔ امداد دینا بھی چاہتا تھا لیکن اتنی سی بات پر بردہم ہو کر خدمتِ اسلام اور تائیدِ ملت سے محروم رہا کہ سلطان صلاح الدین نے اپنے خط میں اس کو امیر المومنین کے لقب سے مخاطب نہیں کیا تھا۔ 60۔

ابن ابی زکریا طہامی

ابن ابی زکریا طہامی ایک فاسق فاجر نوجوان تھا۔ جس نے دیوبیت کا دعویٰ کیا۔ ہرونی نے اس کے کچھ حالات بیان کئے ہیں مگر نہ زمانہ بتایا ہے اور نہ مقام خروج ہی پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ ابن ابی زکریا کو دعوائے خدائی کے بعد بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ بہت لوگ اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر اس کو معبود برحق یقین کرنے لگے۔ اس نے جو آئین جاری کیا اس میں حکم تھا کہ تمام مرنے والوں کے شکم چاک کر کے اندر خوب صاف کریں اور اس میں شراب بھر کر سی دیں۔ اس کے مذہبی قوانین کا باہگین ملاحظہ ہو کہ اس نے آگ بجھانے کی ممانعت کر دی تھی۔ حکم تھا کہ جو کوئی آگ کو ہاتھ سے بجھائے اس کا ہاتھ قطع کیا جائے اور جو پھونک مار کر بجھائے اس کی زبان کاٹی جائے

اس کے مذہب میں انعام یعنی لواطت جائز تھی۔ یہ حکم تھا کوئی شخص اس فعل میں مبالغہ و شدت سے کام نہ لے۔ جو شخص اس فعل میں غیر محتاط ثابت ہوتا ہے زمین پر لٹا کر منہ کے بل بیس گز تک گھسیٹا جاتا تھا اور اس کے آئین مذہب میں لواطت نہ صرف جائز تھی بلکہ واجبات میں داخل تھی اور اس کا تارک قتل کا مستوجب تھا۔ چنانچہ اگر کسی شخص کی نسبت ثابت ہو جاتا کہ وہ انعام سے پہلو تھی کرتا ہے تو اسے قصاب سے ذبح کروادیا جاتا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ شخص دنیا کو بے حیائی اور فحش کاری گوارہ بنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے پیروؤں کو آگ کی پرستش اور تعظیم کی بھی تاکید کر رکھی تھی۔ اس شخص کی شیطنت کا ایک نہایت دل آزار پہلو یہ تھا کہ انبیاء سلف اور ان کے اصحاب پر (معاذ اللہ) لعنت کرتا اور کہتا تھا کہ وہ سب گم کردگان راہ اور (عیاذ باللہ) پر فن و عیار تھے۔ ہرونی لکھتے ہیں کہ اس قسم کے اس کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں جن کی شرح کتاب اخبار المبیضہ والقرامطہ میں کرچکا ہوں۔ ان بد اعمالیوں کو شروع ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ خدائے شدید العتاب نے اس پر ایک ایسے شخص کو مسلط کیا جس نے اس پر قابو پاتے ہی جبری کی طرح ذبح کر دیا اور اس طرح اس کی سیہ کاریوں کا شجر خبیث کشت زار عالم سے بالکل مستاصل ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے پیرو بھی خاکِ حلاک پر ڈال کر کیفر کردار کو پہنچادیئے گئے۔ 61۔

باب 41

حسین بن حمدان خصبی

حسین بن حمدان ایک خانہ سازی تھا جو خصب نام عراق کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا کتاب الدعاة میں اس شخص کا زمانہ متعین کرنے میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ پہلے تو یہ لکھا ہے کہ دولت عباسیہ کے اواخر میں ظاہر ہوا جس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا ظہور ساتویں صدی کے اوائل یا وسط میں ہوا۔ کیونکہ بغداد کا آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ تاتاری غارتگروں کے ہاتھوں 656ھ میں وحشت سرائے عالم سے رخصت ہوا تھا۔ آگے چل کر بتایا ہے کہ امیر سیف الدولہ بن حمدان نے اس کو قید کیا۔ حالانکہ احمد بن حسین متنبی شاعر کے ممدوح امیر سیف الدولہ بن حمدان نے حسب بیان ابن خلکان 338ھ میں انتقال کیا تھا۔ غرض دونوں مدتوں میں قریباً تین سو سال کا بعد ہے۔ صاحب کتاب الدعاة نے حسین بن حمدان کو فرقہ نصیریہ کا موسس بتایا ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ صواعق محرقہ کے بیان کے بموجب فرقہ نصیریہ کا بانی ایک شخص محمد بن نصیر فری تھا۔ بہر حال خصبی کے مختصر حالات یہ ہیں کہ یہ شخص ایک غالی شیعہ تھا۔ اس نے مدعی نبوت ہونے کے بعد بغداد اور لہرہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ حکام نے اس پر سختی شروع کی اس لیے بھاگ کر پہلے سوریہ اور پھر دمشق چلا گیا۔ موخر ذکر مقام پر بھی اپنی من گھڑت نبوت کی ذیلی جانی شروع کی۔ حکام نے اس کو پکڑ کر قید خانہ میں ڈال دیا۔ مدت تک قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتا رہا۔ اس دوران میں اس نے داروغہ جمیل پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ آخر اسے اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں تک کہ داروغہ اس کی نبوت پر ایمان لا کر ہر وقت اس کا کلمہ پڑھنے لگا۔ پھر یہاں تک گردیدہ ہوا کہ نوکری تک چھوڑ دی۔ اور یہ دونوں بھاگ کر حلب چلے گئے۔ ان دنوں حلب امیر سیف الدولہ بن حمدان کے زیر حکومت تھا۔ یہاں بھی اس نے اپنی دعوت کی طرح ڈالی۔ لیکن سیف الدولہ نے اسے زیادہ دن تک انگو اکو شیوں کی مہلت نہ دی۔ چند ہی روز بعد گرفتار کر کے جہن میں ڈال دیا حالت قید میں ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ سیف الدولہ کو معلوم ہوا کہ یہ ایک غیر معمولی قابلیت کا انسان ہے قید سے نکال کر اپنے ملاحوں اور حاشیہ نشیوں میں داخل کر لیا۔ اس کے بعد خصبی نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام ہدایہ رکھا۔ اور اس کو سیف الدولہ کے نام نامی پر معنون کیا۔ کتاب الدعاة میں اس کے جو حالات درج ہیں ان سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ سیف الدولہ

بھی انجام کار اس کے ہتھیانہ ہتھیاروں کا گھائل ہو گیا تھا۔ یا کم از کم اس کی انگوٹھیوں میں مداخلت کرتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف شر و مضافات حلب میں اس کا مذہب جز پکڑ گیا۔ بلکہ کوہ حمہ اور لاذقیہ میں بھی اس کو بڑی مقبولیت نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ اس کے مرنے سے پہلے اس کے پیروؤں کی تعداد تین لاکھ سے بھی متجاوز ہو گئی اور اس کی موت کے بعد اس کے پیرو بڑھتے بڑھتے پانچ لاکھ تک پہنچ گئے۔ کتاب الدعاة میں لکھا ہے کہ اس کے پیرو آج بھی دمشق، حمہ، حلب، عراق، سورہ اور کیلیجہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے پیروؤں کی طرح اس کی تعلیمات بھی الحاد و زندہ سے ہمکنار ہیں۔ اس نے حج کی فرضیت اڑادی اور بتایا کہ اولاد علیؑ کے سوا کسی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ میرے پیرو میری تعلیمات کا علی الاعلان اظہار نہ کریں۔ بلکہ نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس کی تبلیغ کریں اور بوالعجبی دیکھو کہ اس نے عورتوں کو اوامر دین سے مطلع کرنا حرام کر دیا تھا۔ 62۔

باب 42

ابو القاسم احمد بن قسی

ابو القاسم احمد بن قسی شروع شروع میں جمہور مسلمین کے مذہب و مسلک پر کاربند تھا۔ لیکن پھر ہمارے مرزا غلام احمد صاحب کی طرح تاویل بازی کی خاک اڑانی شروع کر دی اور عام زندیقوں کی طرح نصوص پر اپنی نفسانی خواہشات کا روغن قاز ملنے لگا۔ آخر بڑھتے بڑھتے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بہت لوگوں نے اس کی متابعت کی۔ جب علی بن یوسف بن تاشفین شاہ مراکش کو اس کا علم ہوا تو اس نے اسے بلا بھیجا۔ وہاں جا کر صاف لفظوں میں اپنی نبوت کا اقرار نہ کیا۔ بلکہ خن سازی سے کام لے کر بادشاہ کو مطمئن کر کے چلا آیا۔ اس کے بعد اس نے شلبہ کے پاس ایک گاؤں میں مسجد تعمیر کرائی اور اپنے باطل کو شہرت دینے لگا جب جمعیت زیادہ ہوئی تو مقامات شلبہ المیلہ اور مزیلہ پر قبضہ کر لیا لیکن تھوڑے دن کے بعد خود اس کا ایک فوجی سردار محمد بن وزیر نام اس کا مخالف ہو گیا اور فوج لے کر اس نے فرنگیوں سے مدد مانگی۔ اس لیے تمام پیر و اس سے برگشتہ ہو گئے اور اس کے قتل و استہلاک پر اتفاق کر لیا۔ ان ایام میں مراکش کی حکومت علی بن یوسف کے ہاتھ سے نکل کر عبدالمومن کے عنان اختیار میں چلی گئی تھی۔ یہ شخص بھاگ کر عبدالمومن کے پاس پہنچا۔ عبدالمومن نے کہا میں نے سنا ہے کہ تم نبوت کے مدعی ہو؟ کہنے لگا کہ جس طرح صبح صادق بھی ہوتی ہے اور کاذب بھی اسی طرح نبوت بھی دو طرح کی ہے۔ صادق و کاذب۔ میں نبی ہوں لیکن نبی کاذب ہوں۔ ذہبی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمومن نے اس کو قید کر دیا۔ اس کے سوا اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہو سکا۔ ابن قسی 550ھ اور 560ھ کے درمیان کسی سال مراہے۔ شیخ ابو الحسن سہد کا بیان ہے کہ میرے دل میں شیخ ابو القاسم احمد بن قسی کے خلاف غبار کدورت تھا۔ اس کے مرنے کے بعد ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ میں نے ابن قسی کو زد و کوب کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہے یہ دیکھ کر ابن قسی نے کہا مجھے چھوڑ دے کیونکہ خدا نے مجھے دو جمہوں سے بخش دیا ہے۔ میں نے پوچھا وہ وجوہ کیا ہیں؟ کہنے لگا ایک تو میں ظلم قتل ہو اور دوسرے کتاب ”خلع النعلین“ تصنیف کی۔ 63۔ اگر یہ بیان صحیح ہے اور خواب بھی سچا تھا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن قسی تاب ہو کر مرا تھا۔

باب 43

علی بن حسن شمیم

ابو الحسن علی بن حسن بن عمر معروف بہ شمیم مشہور شاعر ادیب اور نحوی الوہیت کا مدعی تھا۔ اس کا مولد و منشا معلوم نہیں۔ بغداد آکر ابو محمد بن خشاب وغیرہ ادیبوں سے علم ادب کی تحصیل کی۔ اس کو اشعار عرب بکثرت یاد تھے خود شعر خوب کہتا تھا۔ حسب بیان ذہبی ایک ادیب کا بیان ہے کہ میں 594ھ میں آمد کے مقام پر پہنچا اور دیکھا کہ اس کے لوگ اس کے بڑے گردیدہ ہیں۔ میں اس کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ بڑا ضعیف العمر ہے اور جسم بالکل نحیف ہو چکا ہے۔ اس کے سامنے کتابوں کا ایک جزدان رکھا تھا جس میں سب اسی کی تصنیفات تھیں۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور کہا کہ میں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے علوم میں سے کچھ اقتباس کروں کہنے لگا تمہیں کون سا علم

مرغوب ہے؟ میں نے کہا ادب۔ بلا ادب میں میری تصانیف بکثرت ہیں اور حالت یہ ہے کہ پہلے لوگوں نے تو اپنی کتابوں میں دوسروں کے اقوال بھر لئے لیکن میری کتابوں میں جو کچھ درج ہے وہ میرے ہی نتائج فکر ہیں۔ اس کے بعد متقدمین کو طعن و تشنیع کرتے ہوئے خود ستانی کرنے لگا۔ پہلے لوگوں کو شعر پڑھ پڑھ کر کہتا کہ فلاں گدھے نے یوں بکا اور فلاں اس طرح بھونکا۔ غرض دوسروں کی تحقیر اور اپنی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ میں نے کہا اچھا کچھ اپنا کلام بھی سنائیے۔ اس نے اپنے اشعار پڑھے۔ میں نے خوب داد دی اور تحسین میں بہت مبالغہ کیا۔ جیسے عجب ہو کر کہنے لگا کہ سوائے استحسان کے تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے کہا اچھا کیا کروں؟ کہنے لگایوں کرو اور اٹھ کر رقص کرنے لگا۔ تالیاں جاتے اور ناچتے ناچتے تھک گیا۔ پھر بیٹھ کر کہنے لگا کہ کائنات میں صرف دو خالقوں کا وجود ہے ایک خالق آسمان میں ہے اور ایک زمین پر۔ آسمان پر تو اللہ ہے اور زمین پر میں۔ پھر بولا کہ عوام میری خالقیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کلام کے سوا میں کسی چیز کی تخلیق پر قادر نہیں ہوں۔ ابن التجار کہتے ہیں علی بن حسن شمیم بڑا ادیب شاعر اور علوم عربیہ کا ماہر تھا لیکن ساتھ ہی پرلے درجے کا احمق اور بے دین تھا۔ اور لطف یہ کہ مجسمہ حق ہونے کے باوجود ہر شخص کا مذاق اڑاتا تھا اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ دنیا میں نہ کبھی میری مثل کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ لدا آباد تک پیدا ہوگا۔“ 64۔

باب 44

محمود واحد گیلانی

جو معاندین اسلام و دشمنان دین خاک ایران سے اٹھے۔ ان میں محمود واحد گیلانی ممتاز حیثیت رکھتا ہے یہ شخص موضع مہوان علاقہ گیلان کا رہنے والا تھا۔ اس نے دعوائے مہدویت کے ساتھ 600ھ میں ظہور کیا۔

ایرانی شجر عناد کا ایک نفرت انگیز ثمر

محمود اپنی ذات کو شخص واحد اور تمام انبیائے کرام یہاں تک کہ مغر موجودات حضرت سید الاولین و الاخرین علیہ السلام سے بھی افضل بتاتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ جناب محمد ﷺ کا دین منسوخ ہو گیا۔ اب یہ محمودی دور ہے۔ ارض و سما میں محمود ہی کا دین چلتا ہے۔ کتا تھا کہ عربوں کے لیے جناب محمد ﷺ کی ذات گرامی باعث صد فخر و مباہات تھی اور اس فضیلت کی وجہ سے اہل عرب کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن میری بعثت پر عرب کا وہ فخر ایک قصہ پارینہ ہو گیا۔ چنانچہ بڑے ناز و تجتر سے کہا کرتا تھا۔

رسید نومت رندان عاقبت محمود گزشت آل کہ عرب طعنہ بر عجم مے زد

لیکن یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ محمود گیلانی جیسے ہزاروں بوالہوس آسمان شہرت پر نمودار ہوئے اور شباب ثاقب کی طرح چمک کر آنا فنا غائب ہو گئے اور بعض ہرزہ دربان کوئے نادانی کسی قدر اوج و عروج سے بھی ہسکنار ہوئے بھی تو ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو کوئے محمد ﷺ کے کتوں کی بھی براہری کر سکتا۔ گو محمود خود ستائیوں اور ژاژ خانیوں میں ہمارے مرزا غلام احمد صاحب سے بھی گوئے سبقت لے گیا تھا لیکن اس کی شہرت اور بقائے دوام کا یہ عالم ہے کہ کوئی شخص اس کے نام تک سے آشنا نہیں لیکن اسی محمود کے ایک ہم وطن حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضور سید کائنات ﷺ کے در کی غلامی اور آپ کی کشف برداری کے طفیل وہ مقبولیت عام اور شہرت دوام نصیب ہوئی کہ آٹھ نو صدیاں گزر جانے کے باوجود عرب و عجم میں ان کی عظمت کا ذکر نہ چ رہا ہے اور ان کے مقابلہ میں کسی شخص کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ محمود گیلانی کس کھیت کی مولیٰ تھا؟

کب پیدا ہوا اور کب مرا؟ محمود کا وجود اور اس کا مذہب دراصل اس قدیم مخالفت و عدولت کا ایک مظہر تھا جو ایرانیوں کو عربوں کے ساتھ علی العموم چلی آتی ہے۔ محمود نے علانیہ کوشش کی کہ عرب کی فوقیت پر خط تشبیح کھینچ کر ایران کو دنیا کا مذہبی مرجع بنائے۔ اس تحریک کی بنیاد مذہب شیعہ نے جس کا گوارہ سر زمین ایران ہے پہلے ہی ڈالنی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ نجف کربلا کو حرمین شریفین پر اور آب فرات کو آب زمزم پر فضیلت دے دی گئی جیسا کہ مستند شیعہ مجتہدوں کی تحریک سے ظاہر ہوتا ہے۔

محمود کے دوسرے خرافات

اب دوسرے محمودی خرافات ملاحظہ ہوں۔ کہتا تھا کہ جب جسد محمد ﷺ کمال کو پہنچ گیا تو میں پیدا ہوا چنانچہ قرآن کی آیت عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا (اے محمد! آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔ 78:17) میں میری ہی بعثت کا ذکر ہے لیکن سنا جاتا ہے کہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان بھی آج کل اپنے تئیں اس آیت کا مصداق ٹھہرا رہے ہیں لیکن انہی دو پر کیا موقوف ہے۔ معلوم نہیں ابھی قیامت تک کتنے اور زندیق اپنے آپ کو اس آیت کا مصداق ٹھہراتے رہیں گے۔ محمود گیلانی اپنے دعویٰ کی تشریح یہ کرتا تھا کہ عناصر میں قوت پیدا ہوتی ہے تو اسے معدنی صورت حال ہوتی ہے پھر اس کی استعداد مزید ترقی کرتی ہے تو اس پر صورت نباتی فائض ہوتی ہے پھر قوت کو اور ترقی و نمو حاصل ہوتا ہے۔ تو اسے صورت حیوانی ملتی ہے پھر ان عناصر کی قوت اس سے بھی اور آگے ترقی کرتی ہے تو اسے انسانی صورت بخشی جاتی ہے۔ پھر ان عناصر نے جن کو صورت انسانی حاصل ہو چکی تھی ایسی ترقی کی کہ اس سے انسان کامل ظہور میں آیا۔ اسی طرح جسد انسانی کے اجزاء حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ترقی میں تھے۔ یہاں تک کہ ان کو درجہ محمدی عطا ہوا۔ اس کے بعد جب یہ اجزاء صاف و شفاف ہو کر انتہائی کمال کو پہنچ گئے تو محمود کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ اسی دعویٰ کی بنا پر کہتا تھا۔

از محمدؐ گریز در محمود کا ندرال کاست و اندرین افزدو

محمود کا بیان تھا کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا تھا۔ انا و علی من نور واحد (میں اور علیؑ ایک ہی نور سے پیدا ہوئے ہیں) اور یہ بھی علیؑ سے فرمایا تھا۔ لحمک لحمی و جسمک جسمی (اے علیؑ! تمہارا اور میرا گوشت اور تمہارا اور میرا جسم ایک ہی ہیں) یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کے اجزائے اجزاء کی صفات و قوت مل گئی تو اس سے محمد ﷺ اور علیؑ کرم اللہ وجہہ کا جسم تیار ہوا پھر ان دونوں بزرگوں کے اجزائے جسم جمع ہوئے تو ان سے جسم محمود بنا۔ محمود خاک کو نقطہ کہتا تھا۔ اس کے نزدیک تمام عناصر خاک سے پیدا ہوئے اور نقطہ

خاک ہی واجب اور مبد اول ہے۔ اس کا یہ بھی قول تھا کہ سورج آگ ہے، چاند پانی اور آسمان ہوا ہے۔

محمود بنود کی طرح تناخ کا قائل تھا اور اس کا اعتقاد تھا کہ آدم اور عالم کے دور سے چونسٹھ چونسٹھ ہزار سال میں تمام ہوتے رہیں گے اور کتنا تھا کہ جب ذی روح مکر مٹی میں مل جاتا ہے تو اس کے بدن کے اجزاء نباتات یا جمادات کی صورت میں ظہور کرتے ہیں اور وہ نباتات انسان یا جانور کی غذائیں کر پھر وہی حیوان یا انسان پیدا ہوتا ہے۔ اور جب کوئی جسم انسانی سے حیوانی میں اور حیوانی سے نباتی میں اور نباتی سے جمادی میں یا اس کے برعکس تناخ کرتا ہے تو اس کے اگلے جنم کی باتیں دوسرے جنم میں پہچان لی جاتی ہیں اور اس شناخت کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے پچھلے جسم میں اس کے جو عادات ہوتے ہیں ان سے اگلے جنم کے عادات معلوم ہو جاتے ہیں۔ واحد یہ کی اصطلاح میں ایسی شناخت رکھنے والے آدمی کو محصی کہتے ہیں اور اسی بنا پر انمول نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی مجلس میں آئے اور موالیہ ملائے میں سے جس چیز کا نام اس شخص کے منہ سے نکلے تو سمجھ لینا چاہیے کہ پہلے جنم میں وہ وہی چیز تھا کتنا تھا کہ پیدائش اول میں امام حسینؑ حضرت موسیٰؑ تھے اور یزید فرعون تھا۔ اس جنم میں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رود نیل میں غرق کر دیا۔ اس پیدائش میں حضرت موسیٰؑ امام حسینؑ ہو گئے اور فرعون یزید بنا اور یزید نے امام حسینؑ کو فرات کا پانی نہ دیا۔ اور انہیں شہید کر دیا۔ اور کتنا تھا کہ کتنا پہلی پیدائش میں قزلباش تھا۔ اور اس کی میز بھی دم تلوار ہے۔ اس کے نزدیک لوہے کا کمال کو پہنچ جانا یہ ہے کہ اس سے کوئی نبی یا ولی شہید کیا جائے اور کتنا تھا کہ تمام فریب پیشہ حاجی جو عبا کی کربلائی (ایک قسم کا دھاری دار کپڑا) پہنے پھرتے ہیں اور مکرو ترویج ان کا خاصہ ہے جب مرے گئے تو آئندہ جنم میں اگر جسم انسانی میں منتقل ہوں گے تو گھری بنائے جائیں گے اور اگر جسم نباتی میں انتقال کیا تو دھاری دار ترویج بنیں گے۔ اور اگر پتھر کے جسم میں منتقل ہوئے تو سنگ سلیمانی بنائے جائیں گے۔ کتنا تھا کہ کرم شب تاب یعنی جگنو مشعلی ہے جو ہندو تریج نزول کر کے اس جسم میں آیا ہے اس کا دعویٰ تھا کہ حیوانات نباتات اور جمادات میں سے جن کا رنگ کالا ہے وہ پہلے سیاہ فام تھے اور جو اب سفید ہیں وہ سپید رو آدمی تھے۔ محمود نے تمام آیات قرآنی کی تاویل و تحریف کر کے اپنے مذہب پر استدلال کیا۔ اور مرزا یوں کی طرح نصوص کی ایسی ریک اور لچر تاویلیں کیں کہ جن سے سلف اور خلف کے کان ہرگز آشنا نہ تھے لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی طعنا نہ جسارت ہر دروغ باف مدعی کا خاصہ شاملہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اہل ضلالت کے مذہب کی بنیاد ہی ان بعید تاویلوں پر قائم ہے کیونکہ اگر وہ قرآن وحدیث کے مطلب ومفہوم کے نگاہ سے احتراز کریں تو ان کی دکانداری ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔

واحدی لوگ گو خال خال دنیا کے بہت سے حصوں میں پائے جاتے ہیں مگر ایران میں

زیادہ ہیں۔ یہ لوگ اپنے تئیں مخفی رکھتے ہیں۔ ان کا قبلہ آفتاب ہے اس لیے وہ آفتاب کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ ان میں ایک دعارنج ہے جسے آفتاب رو ہو کر پڑھتے ہیں۔ ان کا سلام اللہ اللہ ہے۔ اس فرقہ کے ممتاز آدمی امین کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ درویش صفاء، درویش بقائے واحد، درویش اسماعیل، میرزا تقی، شیخ لطف اللہ، شیخ شہاب، تراب اور کمال اس فرقہ کے مشہور امین تھے۔ بلکہ جتنے علماء و صلحائے امت محمود کے عہد میں تھے یا جو اس کے بعد ہوئے ان سب کو بھی وہاں کے لوگ محمود ہی کے پیروں میں تھے۔ ایک واحدی کا قول ہے کہ خواجہ حافظ شیرازی کا بھی (معاذ اللہ) یہی مذہب تھا چونکہ محمود زیادہ تر ساحل رودارس پر رہتا تھا۔ خواجہ حافظ نے اپنے اس شعر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اے صباگر بجزداری ہر ساحل رودارس ہوسہ زن ہر خاک آل وادی و مشکیں کن نفس

شاہ عباس صفوی کے ہاتھوں فتنہ واحدیہ کا قلع قمع

جب واحدیوں کی شرانگیزیوں زیادہ وسعت پذیر ہوئیں تو شاہ عباس بن شاہ صفوی نے دار و گیر کا سلسلہ شروع کیا اور ان میں سے ہزاروں کو دارالبوار پہنچادیا۔ واحدی کہتے ہیں کہ باوجود اس اخذ و بطش کے شاہ عباس نے بھی تراب اور کمال سے یہ مذہب حاصل کیا تھا۔ مگر پھر دنیا داری اور شہرت کی غرض سے ان دونوں کو مروا ڈالا۔ شاہ عباس اپنے آپ کو پہچان گیا لیکن کامل نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اس نے دنیا کی خاطر اور اپنے آپ کو آشکارا کرنے کی غرض سے واحدیوں کو قتل کرا دیا۔ لیکن اس کے برخلاف واحدی امین کا مقولہ تھا کہ شاہ عباس امین کامل تھا وہ جس کسی کو دیکھتا کہ دین واحد میں پوری طرح رسائی نہیں حاصل کر سکا تو اسے ہلاک کرا دیتا۔ امین مذکور کا بیان ہے کہ شاہ عباس میری صحبت میں رہا۔ ایک مرتبہ کہنے لگا کہ میں آپ کو اصفہان لے چلوں گا۔ میں نے اصفہان جانا پسند نہ کیا تو مجھے سفر ہند کا زارہ اور توشہ دے کر رخصت کرا دیا۔ واحدی کہتے ہیں۔ شاہ عباس پاپیادہ مشہد آیا تو تراب سے کہنے لگا کہ مجھے پیدل چلنے کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچ رہی ہے۔ تراب نے جواب دیا کہ یہ تمہاری دنات طبع ہے کیونکہ یہ امام جس کے لیے تم جاہ پیا ہو۔ اگر پیوستہ حق ہے تو اسے اس کے مزار میں ناحق تلاش کرتے ہو۔ اور اگر حق سے پیوستہ نہیں تو تم اس سے کیا توقع رکھ سکتے ہو؟ اس سے بہتر یہ ہے کہ تم زندہ امام کی خدمت میں پہنچو۔ شاہ عباس پوچھنے لگا۔ زندہ امام کہاں ہے کمال نے کہا۔ زندہ امام میں ہوں۔ شاہ عباس بولا۔ اچھا میں تجھے نشانہ ہندوق بتا ہوں۔ اگر گولی نے کوئی اثر نہ کیا تو میں تمہاری طرف رجوع کر لوں گا۔ تراب نے جواب دیا کہ تمہارے امام رضاؑ ایک دانہ انگور سے جان بحق ہو گئے تھے میں ہندوق کی گولی کھا کر کیونکر زندہ رہ سکتا ہوں؟ شاہ عباس نے تراب کو گولی کا نشانہ بنا کر نذرانہ اجل کرا دیا۔ اور چونکہ کمال نے بھی تراب کی ہمنواشی اختیار کی تھی اس کو بھی اسی کے ساتھ ملحق کرا دیا۔ 66۔

عبدالحق بن سبعین مری

قطب الدین ابو محمد عبدالحق بن ابراہیم بن محمد بن نصر بن محمد بن سہین مری نبوت کا مدعی تھا۔ اس کے پیرو سبیینہ کہلاتے ہیں۔ ملک مغرب کے ایک قصبہ مریہ میں ظاہر ہوا۔ اکابر صوفیہ کی طرح اس کا کلام بھی بڑا غامض و دقیق تھا۔ چنانچہ امام شمس الدین ذہبی ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی القضاۃ تقی الدین بن دقین العید چاشت سے لے کر ظہر تک ابن سبعین کے پاس بیٹھے رہے۔ اس اثنا میں وہ مسلسل گفتگو کرتا رہا۔ علامہ تقی الدین اس کلام کے مفرد و الفاظ تو سمجھتے تھے لیکن مرکبات ان کے مبلغ فہم سے بالاتر تھے۔ عبدالحق ایک کلمہ کفر کے باعث ملک مغرب سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ امر نبوت میں بڑی وسعت اور گنجائش تھی لیکن ابن آمنہ (حضرت خاتم الانبیاء ﷺ) نے لانی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہ بنایا جائے گا) کہہ کر اس میں بڑی تنگی کر دی۔ امام سخاوی لکھتے ہیں کہ یہ شخص اسی ایک کلمہ کی بنا پر ملت اسلام سے خارج ہو گیا تھا حالانکہ رب العالمین کی ذات برتر کے متعلق اس کے جو خیالات تھے وہ کفر میں اس سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ یہ تو عقاید کا حال تھا۔ اعمال کے متعلق امام سخاوی فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک صالح آدمی نے جو سبیینوں کی مجلسوں میں رہ چکا تھا بیان کیا کہ یہ لوگ نماز اور دوسرے مذہبی فرائض کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ جب عبدالحق وطن سے نکلا تو اس وقت اس کی عمر تیس سال کی تھی اس وقت طلبہ اور اس کے پیروؤں کی ایک جماعت بھی اس کے ہمراہ تھی۔ جن میں بڑے بڑے آدمی بھی داخل تھے۔ جب دس دن کی مسافت طے کی تو مرید اسے ایک حمام میں غسل کے لیے لے گئے۔ حمام کا خادم اس کے پیر ملتے وقت پوچھنے لگا کہ آپ لوگ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مریہ کے۔ خادم نے کہا وہی مریہ جہاں ابن سبعین نامی ایک زندقہ ظاہر ہوا ہے؟ ابن سبعین نے اپنے مریدوں کو اشارہ کر دیا کہ کوئی شخص اس سے تکلام نہ ہو۔ ابن سبعین نے کہا ہاں ہم اسی مریہ کے رہنے والے ہیں۔ اب یہ خادم ابن سبعین کو گالیاں دینے اور اس پر لعنتیں برسانے لگا۔ ابن سبعین نہایت ضبط و تحمل کے ساتھ خادم سے باتیں کرتا جاتا تھا۔ اور وہ اسے گالیاں دیئے جارہا تھا۔ یہ دیکھ کر عبدالحق کے ایک مرید کا پیانہ صبر لبریز ہو گیا اور عالم غیظ میں کہنے لگا۔ تیرا براہو تو اسی شخص کو گالیاں دے رہا ہے کہ جس کی تو خدمت میں مشغول ہے اور حق تعالیٰ نے تجھے ایک ادنیٰ غلام کی حیثیت سے اس کے پیروں کے نیچے ڈال رکھا ہے۔ یہ سن کر خادم شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا اور کہنے لگا استغفر اللہ۔ ابن سبعین میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ محتاجوں کا مرلی اور مسکینوں کا خدمت

گزار تھا۔ اور قبیہوں اور بیواؤں کی کفالت میں اسے بڑی دلچسپی تھی۔ زندگی کے آخری دور میں ابن سبعین مکہ معظمہ چلا گیا حاکم مکہ کو کوئی مرض تھا۔ ابن سبعین کے علاج معالجہ سے وہ تندرست ہو گیا اس لیے وہ اس کی بہت عزت و توقیر کرنے لگا۔ شیخ صفی الدین ہندی کا بیان ہے کہ 666ھ میں اس سے مکہ معظمہ میں میری ملاقات ہوئی اور علم فلسفہ میں باہم گفتگو رہی۔ مجھے کہنے لگا کہ تمہیں مکہ جیسے مقدس مقام میں نہیں رہنا چاہیے۔ میں نے کہا پھر تم یہاں کیوں اقامت گزریں ہو؟ بولا کہ یہاں کا قیام میرے مقدر ہو چکا ہے کیونکہ حاکم مجھے چاہتا ہے اور شرفائے مکہ سے میرے مراسم قائم ہیں اور حاکم یمن بھی میرا معتقد ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص سیمیا اور کیمیا جانتا تھا۔ اور اس نے سونا بنانا کر اسی ہزار دینار اہل مکہ پر خرچ کئے تھے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً کتاب الاحاطہ لابد للعارف منہ رسالت العہد، بجلدۃ فی الجوبہر۔ ان کتابوں کے الفاظ فصیح اور معنی بلیغ تھے۔ 668ھ میں اس نے فصد کھلوایا لیکن خون کو بدنہ کر سکا۔ آخر اتنا خون نکل گیا کہ جانبر نہ ہو سکا۔ 67۔

احمد بن عبد اللہ ملثم

ابو العباس احمد بن عبد اللہ بن ہاشم معروف بہ ملثم رمضان 658ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوا۔ جب بڑا ہوا ابو الہدیٰ تعلیم کے بعد شیخ تقی الدین بن دقین العید کی خدمت میں فقہ شافعی کی تحصیل اور سماع حدیث میں مشغول ہوا، یہاں تک شیخ تقی الدین کے حلقہ درس میں حدیث نبوی سناتا رہا۔ علاوہ ازیں انماطی سے صحیح مسلم اور شیخ تقی الدین بن دقین سے متعدد بڑی بڑی کتابیں سنیں۔ ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد اس نے عبادت و ریاضت کا طریقہ اختیار کیا۔ جو شخص و نژاد کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ ابلیس کی طرف سے اس کو اپنا آلہ کار بنانے کی کوششیں شروع ہو جاتی ہیں۔ جنوں مختلف نوری شکلوں میں رونما ہوتا ہے اور طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر اور مدارج علیا کے مژدے سن کر راہ حق کی تلاش کی کوشش کرتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر کسی مسیئس مرشد کا ظل عاطفت سر پر تو آئین ہو تو عابد شیطانی دام تزیں سے محفوظ رہتا ہے۔ ورنہ وہ ایسی بری طرح بٹختی دیتے ہیں کہ عابد صراط مستقیم کی جبل متین کو ہاتھ سے چھوڑ کر ہلاکت کے اسفل السالطین میں جا پڑتا ہے۔ اگر عابد کسی ہادی طریقت کے برکت انفا سے محروم ہو تو جنود ابلیس سے محفوظ ہونے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ کتاب و سنت اور مسلک سلف صالح کی میزان حق کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ ہر چیز کو قرآن و حدیث سے دیکھے اور اپنے تمام انکشافات کو منجانب اللہ یقین کرنے سے پہلے اس کو سوتی پر کس کر دیکھ لیا کرے۔ لیکن مشکوک بہت سے عابد نوری شکلیں دیکھتے اور طرح طرح کی دل آویز صدا میں سنتے ہیں تو تمام توانائے عقیدہ کھو بیٹھتے ہیں۔ اور کتاب و سنت اور مسلک سلف صالح کے معیار حق کو طاق نسیان پر رکھ کر اپنی بد بختی سے شیاطین کے آگے کٹ پتی طرح ناپنے لگتے ہیں۔ جب احمد پر شیاطین نے حسب معاد پنجہ اغوار اور عامۃ عباد کی طرح اس کا مزاج بھی اعتدال سے منحرف ہو گیا۔ چنانچہ 689ھ میں بڑے لمبے چوڑے دعوے کر دیے۔ پہلے تو کہنے لگا کہ میں نے بار بار خداوند عالم کو خواب میں دیکھا ہے یہ تو خیر کچھ بعید نہ تھا کیونکہ اہل اللہ رب العالمین کو خواب میں بے کیف دیکھا کرتے ہیں لیکن اس کے بعد اس نے یہ رٹ لگانی شروع کی کہ مجھے حالت بیداری میں ساتون آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ میں آسمانوں کو عبور کر کے سدرۃ المنتقی تک اور وہاں سے عرش اعظم تک پہنچا۔ اس وقت جبریل امین اور ملائکہ کا ایک جم غفیر میرے ساتھ تھا۔ خدا تعالیٰ مجھ سے تمکام ہوا اور مجھے بتایا کہ تم مہدی مد عود ہو۔ ملائکہ نے مجھے بڑی بڑی بخارتیں دیں۔ اور خود سرور کائنات ﷺ مجھ سے ملاتی ہوئے اور فرمایا کہ تم میرے فرزند ہو اور تم ہی مہدی موعود ہو۔ آپ نے مجھے

نکم دیا کہ اپنی مسدویت کا اعلان کر دو۔ اور لوگوں کو حق تعالیٰ کی طرف بلاؤ۔ جب احمد کے ان بلند بانگ دعوؤں کا شرہ ہوا تو حاکم قاہرہ نے اس کو گرفتار کر کے زندان بلا میں ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے قید خانہ میں جا کر اس کا گلا گھونٹ دینے کا ارادہ کیا تو اس کا ہاتھ خشک ہو گیا انہی ایام میں اس کے استاد قاضی القضاۃ شیخ تقی الدین بن دقیق العید اس کے پاس مجلس میں گئے اور دیکھا کہ اس نے پانی کا گھڑ اور کھانے کے برتن توڑ دیئے ہیں اور لوگوں پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ قاضی صاحب نے اس کو دیوانہ قرار دے کر رہا کر دیا۔ جب شیخ نصیر فحی کو اس کا علم ہوا تو انہیں سخت ناگوار ہوا۔ انہوں نے ہیرس سے جو ان کا معتقد تھا۔ اس کی شکایت کی اور اسے مشورہ دیا کہ جام زہر پلا کر اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا۔ مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد اس کو پاگل خانہ میں بھیج دیا گیا۔ وہاں بھی شراب میں ملا کر اس کو زہر دیا گیا۔ لیکن پھر بھی کچھ اثر نہ ہوا اور جب وہی شراب ایک واجب القتل قیدی کو پلائی گئی تو وہ معالاک ہو گیا لیکن مقام مسرت ہے کہ کچھ زمانہ کے بعد ہوئے موافق نے اسے توبہ کی توفیق ارزانی فرمائی۔ اور اس نے اعلان کر دیا کہ میں وہ مدی نہیں ہوں جن کے ظہور کی حضرت مخبر صادق علیہ السلام نے بشارت دے رکھی ہے بلکہ میں صرف مدی بہ معنی ہدایت یافتہ ہوں۔ آخر 740ھ میں مر گیا۔ اس وقت اس کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔ 68۔

باب 47

عبداللہ راعی شامی

یہ ایک شامی چرواہا تھا جس کا نام اور زمانہ معلوم نہیں ہو سکا۔ میں نے اپنی طرف سے اس کا نام عبداللہ تجویز کر دیا ہے۔ شہر طبریہ میں رہتا تھا اور وہاں کے باشندے اسے عموماً چرواہا کہہ کر ہی پکارتے تھے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میں وہی شخص ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کو جس کے ظہور کی بشارت دی گئی تھی۔ علامہ عبدالرحمن بن ابوجبر دمشقی معروف بہ جابری نے لکھا کہ اس کے پاس ایک لائٹھی تھی جس سے خوارق عادات ظہور میں آتے تھے اور امانت زمانہ کی عقل ان خوارق پر حیران تھی۔ اس لائٹھی میں متعدد اعجازی تصرفات ودیعت تھے۔ جب اس کو گرمی کے وقت زمین میں گاڑتا تو معا ایک درخت بن جاتا۔ جس میں آناٹا ناشائیں اور پتے نمودار ہوتے اور یہ اپنی جڑوں سمیت اس کے سایہ میں بیٹھ جاتا۔ اس کا ایک خاصہ یہ تھا کہ درندوں اور جنگلی جانوروں کو اس سے ایک شعلہ نکلتا

دکھائی دیتا جس کی وجہ سے یہ راعی وحوش اور درندوں کو جدھر چاہتا بکریوں کی طرح ہانک لے جاتا تھا۔ اور شیر چیتا وغیرہ کسی درندہ کی مجال نہ تھی کہ اس کے حکم سے سرتابی کرے۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام کی طرح اس لائچی میں یہ خاصیت بھی ودیعت تھی کہ جب اس کو زمین پر ڈالتا تو ایک بڑا اثر دہا بن کر اس کے سامنے دوڑنے لگتا۔ جو بڑی لکھتے ہیں کہ کوئی شخص اس لائچی کا راز معلوم نہیں کر سکا۔ 69۔

باب 48

عبدالعزیز طرابلسی

ابن عماد نے لکھا ہے کہ عبدالعزیز ایک پہاڑی شخص تھا جس نے 717ھ میں مدویت کا دعویٰ کیا۔ بہت سے جملاء خصوصاً نصیر یہ فرقہ کے پیروؤں نے اس کی متابعت اختیار کی۔ یہاں تک کہ اس کی جمعیت تین ہزار تک پہنچ گئی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح یہ بھی کئی رنگ بدلتا رہتا تھا۔ کبھی تو کہتا کہ میں محمد مصطفیٰ ﷺ ہوں۔ کبھی کہتا کہ میں علی مرتضیٰ ہوں اور کبھی مدی منتظر بن بیٹھتا۔ اس شخص کا دعویٰ تھا کہ نصیر یہ کے سوا دنیا بھر کے ادیان باطل ہیں۔ اس کے پیروں نے کبیر کی جگہ یہ آواز بلند کرتے تھے۔ لا الہ الا علی، لا حجاب الا محمد، لا باب الا سلمان (علیؑ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد ﷺ کے سوا کوئی حجاب نہیں اور سلمانؑ فارسی کے سوا کوئی دروازہ نہیں) یہ شخص یتیمخین یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی بے شمار مسجدیں مسمار کر دیں۔ اس کے پیرو مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر اس کے پاس لاتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے معبود کو سجدہ کرو۔ جو کوئی اس ناپاکار کے سامنے سر نہ سجود ہو جاتا اس کی جان غشی کی جاتی ور نہ معاف تیغ مار دیا جاتا۔ جب حاکم طرابلس کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے اس کی سرکوبی کے لیے لشکر روانہ کیا۔ فوج نے آکر اس کو نہایت ذلت کے ساتھ قتل کیا۔ اور اس کی جماعت کو تباہ و برباد کر دیا۔ 70۔

اولیس رومی

علامہ علی قاریؒ نے کتاب ”المغرب الوردی فی مذہب المہدی“ میں جو انہوں نے 965ھ میں مکہ معظمہ میں تالیف کی لکھا کہ ایک شیخ نے جسے اولیس کہا کرتے تھے۔ (ترکی) سلطان بائزید کے عہد سلطنت میں ممدویت کا دعویٰ کیا اس کے اسی خلیفہ تھے۔ ایک دن خلفاء کو جمع کر کے کہنے لگا۔ ”مجھے کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ میں مہدی ہوں۔ تم بھی اپنے باطن کی طرف توجہ کرو اور جو کچھ تم پر ظاہر ہو اس سے مجھے اطلاع دو۔“ خلفاء اپنی اپنی جگہ توجہ باطنی کرتے رہے آخر سب نے آکر بیان کیا کہ ہمارے نزدیک آپ اس دعویٰ میں حق پر ہیں۔ اس کے بعض خلفاء نے سلطان بائزید سے یہ واقعہ عرض کیا۔ سلطان بڑا دیدار بادشاہ تھا۔ اس نے سن کر کہا۔ ”بہتر ہے کہ تم لوگ خراج کرو۔ میں ہر طرح سے تمہارے ساتھ ہوں۔ اور ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہوں۔“ لیکن جب اولیس نے تھوڑے دن کے بعد از سر نو باطن کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ انعام ربانی نہ تھا بلکہ القائن شیطانی تھا۔ جھٹ د دعویٰ ممدویت سے رجوع کیا۔ اپنے خلفاء کو اس کی اطلاع کرائی اور سلطان کو بھی اس سے مطلع کر دیا۔ 71ھ تاہم غنیمت ہے کہ جلد تنبھل گیا اور نہ نہ صرف خود بلکہ آباد تک درط خسران میں پڑا رہا تب تک جب تک اس کے اغوا و اضلال کا کوئی شائبہ معمورہ عالم میں پایا جاتا اس کے پیروؤں کی گمراہی کا وبال بھی اس پر پڑتا۔ لیکن اولیس کے مقابلہ میں ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی گمراہی کا وبال بھی اس پر پڑتا۔ لیکن اولیس کے مقابلہ میں ہمارے مرزا غلام احمد پھٹے دم واپس تک انہی میں سرگشتہ و حیران رہے اور ان سے ٹکنا کبھی نصیب نہ ہوا۔ بعض لوگ کہیں گے کہ اولیس کی ہدایت یابی اور مرزا صاحب کی شقاوت پسندی قضا و قدر سے وابستہ تھی۔ میں اس نظریہ کو صحیح تسلیم کرتا ہوں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ خوئی قسمت کو خلوص و حسن نیت سے اور شرمیلی تقدیر کو سوء نیت سے گمراہ تعلق ہے۔ اولیس اور مرزا صاحب کے نصب العین اور زاویہ بانے نگاہ میں تین فرق تھا۔ اولیس بے چارہ رب غفور کا مخلص بندہ تھا۔ خدائے کردگار کی نصرت بخششیوں نے اس کے خلوص اور حسن نیت کی برکت سے اسے شیاطین کے پتھرا غموائے نجات دلائی لیکن اس کے مقابلہ میں ہمارے مرزا صاحب کو وہ للہیت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ان کی زندگی کا نصب العین دنیا پرستی اور عیش و راحت تھا۔ اور وہ از سر تاہم خواہشات نفسانی اور حظوظ

فانی کے غلام تھے۔ چنانچہ اس کا اندازہ اس حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب نے حنب میان الفضل کی ایک لڑکی عائشہ بیگم بنت شادی خان کو پیر دبانے پر متعین کر رکھا تھا۔ پلو مر کپنی لاہور سے پورٹ وائن منگوا کر تے تھے اور حضرت ”مسح موعود“ صاحب کے لیے جو پلاؤ تیار کیا جاتا تھا اس میں کھی کی جگہ روغن بادام ڈالا جاتا تھا۔

باب 50

احمد بن ہلال حسانی

احمد بن ہلال حسانی وقت کا ایک مشہور زندقہ تھا جو اثنی عشرین کے بعد ظاہر ہوا۔ اس نے دمشق میں نشوونما پایا۔ آٹھویں صدی کے اختتام پر حلب پہنچا اور قاضی شرف الدین انصاری سے کتابیں پڑھیں۔ یہاں سے قاہرہ جا کر کچھ مدت اقامت گزریں رہا۔ قاہرہ سے حلب واپس آیا اور بھتہ مطلق ہونے کا دعویٰ کیا اور ساتھ ہی آئمہ کبار کی شان میں دریدہ دہنی کرنے لگا۔ یہ شخص کتا تھا کہ میں براہ راست خدائے برتر سے علوم حاصل کرتا ہوں اور میں ہی دائرہ کائنات کا نقطہ ہوں۔ اس سے بہت سے کفریات صریحہ بیان کیئے گئے ہیں کتا ہے کہ مجھے حالت بیداری میں آسمانوں کی سیر کرائی جاتی ہے۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ تمام انبیاء سے حالت بیداری میں میرا اجتماع ہوتا ہے اور بیداری ہی میں ملائکہ سے ہم کلام ہوتا ہوں۔ اور کہا کرتا تھا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو مقام تعلیم اور محمد (ﷺ) کو مقام تکمیل عطا کئے گئے لیکن مجھے یہ دونوں مقام بخشے گئے ہیں۔ بالیں ہمہ نہ تو نماز کا پابند تھا اور نہ اسے شریعت ہی کی پروا تھی۔ بہت لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی۔ اس کے فتنے نے نہایت خوفناک صورت اختیار کر لی۔ آخر 9 شوال 823ھ کو دست اجل نے اس کا مینوا آویا اور خدا کی مخلوق اس کے فتنے سے مامون ہوئی۔ 72۔

باب 51

سید محمد جوئی پوری

سید محمد جوئی پوری مدعی مہدویت کی ولادت 847ھ میں بمقام جون پور ہوئی۔ جو صوبہ اودھ کا ایک مشہور شہر ہے۔ اس کے پیر و جو مہدویہ کہلاتے ہیں اپنے مقتداء کو ”میراں سید محمد مہدی موعود“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سید محمد کے باپ کا نام سید خاں اور والدہ کا نام بقول مولف مطلع الولایت بی بی اخلاک تھا لیکن متاخرین مہدویہ نے کچھ زمانہ کے بعد جب کہ محمد جوئی پوری کے آباؤ اجداد کا جاننے والا کوئی نہ رہا۔ محمد کے باپ کا نام سید عبداللہ لکھنا شروع کر دیا تاکہ اس کا دعویٰ مہدویت حضور سرور عالم ﷺ کی اس پیش گوئی کے رو سے باطل نہ ٹھہرے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ امام آخر الزمان کا نام میرے نام سے ملتا ہوگا اور ان کے والد کا نام میرے والد کے اسم گرامی سے مطابقت رکھے گا بلکہ برہان الدین مہدوی مولف شواہد الولایت نے تو ماں کا نام بھی آمنہ تجویز کر کے

اپنے پیر مغاں کو پوری طرح مہدیت کے قالب میں ڈھال دیا۔ حالانکہ خود سید محمد نے مدت العمر کبھی اس بات کا دعویٰ نہ کیا تھا اس کے والد کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہے بلکہ اس کے برعکس جب لوگوں نے اس سے سوال کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے تو یہ کہا ہے کہ بیواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسمایی (مہدی کا نام میرے نام سے اور ان کے والد کا نام میرے والد کے نام سے ملتا ہوگا) اور تمہارے باپ کا نام سید خاں ہے تو جواب دیا کہ ”کیا خدائے قادر و توانا اس بات کی قدرت نہیں رکھتا وہ سید خاں کے بچے کو منصب مہدویت پر سرفراز فرمائے؟ اسی طرح ایک مرتبہ اس کے ایک حریف نے اسے اپنے استدلال سے مغلوب کرنا چاہا تو سید محمد سخت بدہمی کے عالم میں کہنے لگا کہ تم خدا سے جنگ کیوں نہیں کرتے کہ اس نے سید خاں کے لڑکے کو مہدی بنا دیا؟ سید محمد موزون اندام کشیدہ قامت اور نہایت خوب و تھا۔ عین ہی سے طباعت اور فطانت کا جو ہر چہرہ صفت پر چمک رہا تھا۔

”اسد العلماء“ کا خطاب

کہتے ہیں کہ سید نے سات ہی سال کی عمر میں کہ آغاز اور اک وشعور کا زمانہ ہے کہ کلام الہی حفظ کر لیا اور بارہ کے سن میں تمام معلوم درسیہ سے فراغت پا کر دستار فضیلت باندھ لی۔ سید عنقوان شباب ہی سے برجستہ گوئی اور حسن تقریر میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ شیخ دانیال چشتی ”اور علمائے وقت نے اس کی وقت نظری اور ادبی موشگافیوں کو ملحوظ رکھ کر اسے ”اسد العلماء“ کا خطاب دیا۔ ان ایام میں ہندوستان کی فضا پر اہل تصوف کے خیالات چھائے ہوئے تھے اور صوفیانہ مذاق کی کرم بازاری تھی اس لیے اب سید کو اہل طریقت کے چشمہ فیض سے سیراب ہونے کا شوق دامعیر ہوا چنانچہ شیخ دانیال چشتی ”کے دست حق پرست پر خانوادہ چشتیہ میں بیعت کی اور ایک مدت تک محنت شاقہ اٹھا کر جو یائے حق رہا۔ اس اور اک سعادت سے پیشتر تو صرف علوم قالی میں کمال پیدا کیا تھا۔ شیخ کے فیضان محبت نے اس جوہر کو اور جلا دے کر علوم حالی میں بھی مالامال کر دیا۔ اب سید ملائق دنیوی سے آزادی ہو کر انتہائی تقبل و انقطاع کے ساتھ ہر وقت یاد الہی میں مصروف رہنے لگا۔ ذکر و فکر کے سوا کسی کام کے ساتھ دلچسپی نہ تھی۔ عقیدت مند پر واندہ ہر طرف سے ہجوم کر کے حلقہ ارواح میں داخل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ سید کی ذات مرجع خواص و عوام بنگلہ سید اوائل میں کسی سے بدیہ و نذرانہ قبول نہ کرتا تھا اور بزرگان سلف کی طرح نہایت عمرت کے ساتھ رز زبھر کرتا تھا اس کی پوشش و خورش فقیرانہ تھی۔ اس کی ہر ادا سے بزرگانہ انکسار اور درویشی کی نان نمایاں تھی۔ اور باوجودیکہ سلاطین اسلام اس کی خدمت و ملازمت سے شرف اندوز سعادت دونا چاہتے تھے اور دعوت دیتے تھے کہ ان کی مملکت میں قدم رنجہ فرمائیں مگر سید نے حیران دشت کی سنت پر عمل کرتے ہوئے سلاطین اور اہل ثروت سے راہور سم پیدا کرنا پسند نہ کیا۔

راجہ دلیپ رائے اور حاکم داناپور

اس وقت دہلی میں خاندان تغلق کا آفتاب اقبال لب بام تھا۔ احمد آباد گجرات میں سلطان محمود دیکرہ جیسے بااقبال بادشاہ کی تلوار چمک رہی تھی۔ دکن میں خاندان بہمنیہ کا ستارہ اوج پر تھا۔ مالوہ میں سلطان غیاث الدین اور احمد نگر میں احمد نظام الملک جری سریر آرائے سلطنت تھے۔ ان کے علاوہ چند ایسی خود مختار ریاستیں تھیں جو زیادہ تر ہندو راجاؤں کے قبضہ اقتدار میں تھیں۔ جو پور کا علاقہ رناست داناپور کی عملداری میں داخل تھا۔ جہاں کا مسلمان حاکم ایک ہندو راجہ دلیپ رائے نام کا باجھار تھا ان ایام میں امیر حسین والئی داناپور کی محبوب ترین خواہش یہ تھی کہ وہ کسی طرح آزادی و خود مختاری کی نعمت سے کام لگا کر ہو اور گونا گونا خانہ دل حریت و خود مختاری کی انگٹوں سے لبریز تھا لیکن اپنی بے سروسامانی اور قلت سپاہ کا احساس رکھتے ہوئے کسی طرح سرتابی کی جرات نہ ہوتی تھی۔ امیر حسین نے سید محمد کے فضل و کمال کا شرہ سنا تو دل میں زیارت کا شوق سرسرایا۔ چنانچہ ایک روز وہ سیر و شکار کے بہانے جو پور آیا اور سلک مریدین میں منتظم ہو کر عنایت و التفات میں ممتاز ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ جو پور آیا اور سید سے کہنے لگا کہ خاکسار کی دلی تمنا یہ ہے کہ حضور کے قدموں میں پڑا ہوں۔ لیکن اس صورت میں امور سلطنت کا انصرام محال ہے چونکہ ایک لمحہ بھی مفارقت گوارا نہیں اس لیے یا تو حکم ہو کہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر کے یہاں چلا آؤں اور حضور کی کفش برداری اختیار کروں اور اگر اس عرضداشت کو شرف پذیرائی نہ عطا جائے تو پھر درخواست کروں گا کہ حضور پر نور خاکسار نکمیر زکے غربت کدہ کو اپنے قدم بہتکتروم سے منور فرمائیں۔ سید نے اس کے جذبہ محبت اور اخلاص عقیدت سے متاثر ہو کر موخر الذکر التماس کو قبول کر لیا اور اس کے ساتھ داناپور جا کر ایوان سلطانی میں سکونت اختیار کی۔ سید کو داناپور میں تبلیغ و اشاعت اسلام کا بہت ذریعہ موقع مل گیا چنانچہ اس کی تبلیغی سرگرمیوں کی بدولت داناپور اور مضافات کے ہزار ہا ہندو شرف اسلام سے مسعد ہوئے۔ یہ سب خبریں دلیپ رائے کو پہنچی تھیں لیکن وہ زہر کا گھونٹ پی کر خاموش رہ جاتا۔ دلیپ رائے ایک اعلیٰ درجہ کا منتظم سپہ سالار اور انتہا درجہ کا مدبر فرمانروا تھا۔ بہادری و وسالت اس کا ذاتی جوہر تھا۔ دشمن کا خوف و ہراس کے پاس نہ پھٹکتا تھا لیکن وہ امر جس کی بدولت اس نے نمایاں شہرت حاصل کر رکھی تھی۔ وہ اس کی مذہبی راسخ الاعتقادی اور مت پرستی کا شغف تھا۔ گو ہندوستان کے کئی ایک علاقوں میں اسلام کا بڑھتا ہوا سیلاب کفر و دشمنیت کے خشک خاکشاہ کو بہا لے جا رہا تھا تاہم اس کی عملداری میں ہر ہندو کا گھر بیت العنیم تھا۔ اس مت پرستانہ رسم کہن کے موسس و موجد برہمن تھے۔ جنہیں مسلمانوں سے دلی نفرت و عداوت تھی۔ کیونکہ

اہل توحید نہ صرف شرک اور بت پرستی کی مذمت کرتے بلکہ جب کبھی موقع ملتا ہے شکنی سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ان ایام میں ہر ایک معرکہ پر جو ہندو راجاؤں اور مسلم سلاطین میں ہوتا تھا۔ رنگ چڑھا ہوتا تھا۔ راجہ دلیپ رائے اپنی شجاعت کے نشہ میں چور تھا اور اس کے سپاہی بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بھر رہے تھے تاہم اسے اس بات کا یقین تھا کہ جانبازی کے میدان میں اہل توحید سے گوئے سبقت لے جانا کوئی آسان کام نہیں۔ علاوہ ازیں اس کے چاروں طرف مسلمان بادشاہ حکمران تھے جو اسے سرائٹھانے کا موقع نہ دیتے تھے۔ دلیپ رائے نے ہزار جتن کئے کہ اس کی قلمرو میں کوئی ہندو حلقہ اسلام میں داخل نہ ہو لیکن اس کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔

راجہ دلیپ رائے سے جنگ آزما ہونے کی تحریک

ایک دن سید محمد مرید ان باصفا کے حلقہ میں بیٹھا ہوا توحید کے محاسن اور کفر و شرک کے عیوب بیان کر رہا تھا۔ اس وقت امیر حسین بھی موجود تھا ایک ایک سید کا چہرہ سرخ ہو گیا اور ایک بے خودی طاری ہو گئی۔ اس حالت جذبہ میں حسین کی طرف نظر بھر کر دیکھا اور کہا۔ اے امیر! ارباب حکومت کو خدا نے اعداء کے لیے تیار کر دی ہے۔ مگر آج صفی ہستی پر تجھ سے زیادہ محروم القسمت انسان کوئی نہ ہو گا کہ تیری ذات سے اسلام رسوا ہو رہا ہے۔ اور تو طاغوت پرستی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا کفر کے غلبہ و تفوق کا باعث بنا ہوا ہے۔ امیر سید کو غضب میں دیکھ کر سہم گیا۔ حاضرین بھی عالم ہر اس میں ایک دوسرے کا منہ ٹکٹے لگے۔ سید کے رخ انور پر ایسا جلال آ رہا تھا کہ نظر اٹھا کر دیکھنا نہ جاتا تھا۔ سید نے دنیا کی بے ثباتی اور اہل دنیا کی بوالہوسی کا ذکر کرتے ہوئے جماد فی سبیل اللہ کی فریضت بیان کرنی شروع کی اور آیات و روایات کے حوالوں سے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے یہ تصویر کھینچ دی کہ مسلمان اس سرائے فانی میں محض اس واسطے بھیجا گیا ہے کہ عزت کے ساتھ غالب رہ کے جئے ورنہ جان دے دے۔ اس کے بعد سید بآواز بلند کہنے لگا۔ اے عیش پرست کالو اور اے نفس مارہ کے غلامو! اٹھو اور کمر ہمت کو مضبوط باندھو اور سب مل کر خدا کے برتر کی راہ میں سر بھٹ ہو جائیں اور ملک خدا کو کفر و شرک کی ظلمتوں سے پاک کر کے نور توحید سے منور کر دیں اس پیام میں حق و صداقت کی جو روح تھی اس نے بآ کام کیا۔ تمام حاضرین نے اس پیام کے سامنے سر نیاز جھکا دیا۔ پیغام برقی قوت و سرعت کے ساتھ اکناف ملک میں پھیل گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ تین دن کے اندر تیس ہزار جوانوں کا لشکر امیر حسین کے جھنڈے تلے مرنے مارنے کو تیار ہو گیا۔ امیر نے اس جمعیت کے ساتھ گوڑ کی طرف پیش قدمی کی جو راجہ دلیپ کی ریاست کا صدر مقام تھا۔ سید محمد بھی اپنے ڈیڑھ ہزار فقراء کے ساتھ جنہیں فوجیر اگیاں کہتے تھے۔ عقب لشکر میں روانہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ غلت پسندی اس جوش و ولولہ کا نتیجہ تھی جو شوق جماد میں پیدا

ہو گیا تھا ورنہ اگر نوجوان سید ایک تجربہ کار سالار کے اوصاف حزم و احتیاط سے عاری نہ ہوتا تو وہ اس بے سروسامانی کے عالم میں اس قلیل فوج کے ساتھ ایک خونخوار دشمن پر حملہ آور ہونے کی کبھی ترغیب نہ دیتا اس میں شبہ نہیں کہ اگر چندے اور توقف کیا جاتا تو اس سے وہ گونہ اسلامیان کی جمعیت شوق شہادت میں فراہم ہو سکتی تھی لیکن سید کا جوش جہاد اسے صبر و انتظار کی کشمکش میں پڑنے کی ہر گز اجازت نہ دیتا تھا۔ امیر حسین گوبادی النظر میں اس بات کو سمجھتا تھا کہ دشمن اس کی قلیل التعداد فوج کو مار مار کر بالکل نابود کر دے گا لیکن ہمت و جرات محض خلوص عقیدت پر مبنی تھی۔ وہ لطیفہ نبی کا منتظر تھا اور اسے اس بات کا یقین تھا کہ باطنی تصرف اسے ضرور فائز المرام کرے گا اور سچ پوچھو تو سید کی نظر بھی فوج اور مادی طاقت پر نہ تھی بلکہ اس کا انحصار بھی اللہ چوک کی غیبی امداد پر تھا کہ فتح و شکست اور عزت و ذلت جس کے دست اختیار میں ہے۔ راجہ دالیپ رٹے کو اعلان جنگ نے چو نکا دیا۔ مگر بہادر راجہ کی جبین استقلال پر ذرا شکن نہیں پڑی۔ اس نے امراء کو جمع کیا فوج آراستہ کی اور معارح و ضرب کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ بیدار مغز راجہ کو اس روز سیاہ کا پیشتر ہی سے علم تھا وہ ہر وقت فوج کو سر و سامان سے آراستہ رکھتا تھا۔ گو اسے اپنی حرفی طاقت پر پورا بھروسہ تھا اور کامل امید تھی کہ جس وقت چاہے گا دالنی وانا پور کی طاقت کو کچل دے گا۔ مگر جب اس کی نظر چاروں طرف ان ممالک کی طرف اٹھتی تھی جہاں بڑے بڑے پر شکوہ مسلمان بادشاہ برسر اقتدار تھے اور باوجود باہمی اختلافات کے ایسے موقع پر متفق ہو جاتے تھے تو اسے سلطان حسین کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ جب راجہ نے حسین کی آمد آمد سنی تو جاسوس دوڑائے جب پتہ لگا کہ سلطان حسین تیس ہزار کی جمعیت سے آ رہا ہے تو سخت حیرت زدہ ہوا۔ کیونکہ اسے امید نہ تھی کہ سلطان حسین جیسا کار آزمودہ حکمران اس قلیل فوج کے ساتھ برسر مقابلہ ہونے کی جرات کرے گا۔ غرض راجہ نے بھی کالی بلا کی طرح اپنی جگہ سے جنبش کی اور دالنی وانا پور کے مقابلہ میں بڑھتا چلا آیا۔ جب اہل توحید کو معلوم ہوا کہ راجہ کی فوجیں سیاہ آمدھی کی طرح بڑھتی آرہی ہیں تو وہ بھی مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ راجہ کی فوج کا نظارہ نہایت مسیب تھا۔ خوفناک کوہ پیکر ہاتھی اور ستر ہزار جری سپاہی اور ہزاروں جرار سوار راجہ کے ہر کاب تھے راجہ کی فوج اس دھوم دھام اور آرائش و نمائش سے نکل کر دیکھنے والے محو حیرت رہ گئے۔ اب دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں اور ہنگامہ رزم گرم ہوا دونوں طرف کے بہادر دیر تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ امیر حسین نے اس جنگ میں بڑے بڑے معرکے کئے اور گود دشمن کی غیر معمولی قوت کو دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ تاہم کمال جانبازی کے ساتھ وہ دواو شجاعت دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد حسین سید کی طرف بار بار دیکھ کر زبان حال سے اس کو دشمن کی خوفناک جمعیت اور اس کے جان ستان حملوں کی طرف متوجہ کرنے لگا۔ لیکن سید کی یہ حالت تھی

کہ وہ غنیم کی حرلی قوت اور شجاعانہ مہم جوئی کو ہر گز خاطر میں نہ لاتا تھا۔

راجہ دلیپ رائے کا قتل

تھوڑی دیر میں امیر حسین کی کمرہست ٹوٹ گئی اور اس کے آدمی دلیپ رائے کے پر زور حملوں کی تاب نہ لا کر نہایت ابتری اور سر اسبستگی کے عالم میں پسپا ہونے لگے۔ حسین عالم اضطراب و بدحواسی میں سید کی طرف آیا جو فوج بیراگیاں کو لئے ایک طرف سوار کھڑا تھا۔ فوج بیراگیاں کی ہیئت کذائی گو نہایت مضحکہ خیز تھی لیکن یہی بے سروسامان گروہ دراصل اسلامی جمعیت کی روح رواں تھی اور یہی وہ مقدس گروہ تھا جس نے امیر حسین کی کشتی اقبال کو ڈونے سے چلایا اور اسلام کی لاج رکھ لی۔ حسین نے سید کو اشارہ کیا کہ بھاگ کر جان چالیں۔ مگر سید نے خشنناک ہو کر منہ پھیر کر نہایت زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہ دیکھ کر ڈیڑھ ہزار صوفیوں نے بھی اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ دشت گونج اٹھی یہ لوگ سید کا اشارہ پاتے ہی گھوڑے اٹھا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور برق خاف کی طرح دشمن کو دفن کر دیا۔ ہزیمت خوردہ اسلامی فوج کے لیے یہ ایک غیبی کمک تھی جس کے آتے ہی حوصلے بلند ہو گئے وہ پسپا ہوتے ہوتے پھر ٹھہر گئی اور ترت مجتمع ہو کر حریف کے قلب پر بلند بول دیا۔ جس سے اسلامی فوج کی دھاک بیٹھ گئی آخر دلیپ رائے اپنے بہادر راجپوتوں کو لٹکارا اور ایسا پر جوش خطبہ دیا کہ ہر راجپوت مرنے مارنے کے لیے تیار ہو گیا۔ آخر دونوں فوجیں لڑتے لڑتے باہم اتنی قریب آگئیں کہ معاملہ تیر و تفنگ سے ہٹ کر دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ سید محمد اسی جوش و خروش کے ساتھ غنیم پر حملے کر رہا تھا۔ گواس کے پیروؤں کی تھوڑی سی جمعیت گھٹتے گھٹتے اب ایک ہزار رہ گئی تھی۔ تاہم اس کے پے درپے حملوں نے غنیم کی صفیں الٹ دیں۔ صوفیوں نے اتنی تلوار چلائی کہ ہنود کی فوج گراں کے دھوئیں بکھیر دیئے۔ آخر سید دلیپ رائے کی قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب سید اور راجہ حریف مقابل تھے۔ راجہ کا شمشیر بھٹ ہاتھ سید پر حملہ کرنے کے لیے بلند ہوا۔ مگر وار خالی گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کا ہاتھ ہوا میں ملا کہ نے تمام لیا تھا۔ اس اثناء میں سید نے نہایت پھرتی سے تلوار کا ایک ہاتھ اس طرح سے مارا کہ پہلی ہی ضرب نے دلیپ رائے کی قسمت کا فیصلہ کر دیا اور وہ بے جان ہو کر گر پڑا۔ لشکر نے اپنے سر پر سردار نہ دیکھا تو اس میں تلاطم مچ گیا۔ اور سپاہی بے سروسامان بھاگ نکلے۔ امیر حسین نے سجدہ شکر ادا کیا کہ بجوی بات، مانے والادہی خدائے کردگار ہے۔ اسلامی سپاہی نے غنیم کو خوب پامال کیا۔ بہت سے امیر امیر ہوئے اور غنیمت بے حساب اہل توحید کے ہاتھ لگی۔ اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر حسین کو نہ صرف اپنی عملداری میں مطلق العنان حکومت نصیب ہو گئی بلکہ مقتول راجہ کی تمام ولایت پر بھی اس کا عمل دخل ہو گیا۔ اب سید محمد کا حلقہ ارادت اس قدر وسیع ہوا کہ چند ہی برس

میں اس کے ارد امتندوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو کر لاکھوں تک پہنچ گئی۔ دیپ رائے کے اکثر قرابت دار مسلمان ہوئے اور سید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اشاعت اسلام کی راہ میں جس قدر عوائق و موانع تھے اس فتح کے بعد دور ہو گئے۔ اسیران جنگ میں راجہ کا ایک ہمشیر زادہ بھی داخل تھا۔ جو دستگیر کر کے سید محمد کے سامنے پیش کیا گیا۔ چند روز کے بعد خواہر زادہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ سید نے اس کا نام میاں دلاور رکھا۔ میاں دلاور کچھ عرصہ ذکر و فکر میں مصروف رہ کر فرقہ خلافت سے بھی ممتاز ہوا۔ وقائع حرب کے سلسلہ میں یہ ایک عجیب و غریب حکایت بیان کی جاتی ہے کہ جب سید کی شمشیر خارا شکاف نے راجہ کو موت کے گھاٹ اتار اور جسم دو نیم ہو کر زمین پر گر پڑا۔ تو دیپ رائے کا دل سینہ سے باہر نکل آیا۔ کہتے ہیں کہ رائے کے دل پر اس صدمہ کی شبیہ منقوش تھی جس کی وہ ہمیشہ عبادت کیا کرتا تھا۔ یہی امر سید کے جذبہ واستغراق کا ذریعہ بن گیا۔ کہ جب معبود باطل اس قدر اثر رکھتا ہے تو معبود حقیقی کی تاثیر کیسی ہونی چاہیے۔ سات برس تک سید کو دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی ہر وقت جذب واستغراق کی حالت طاری تھی۔ البتہ نماز و ہجکانہ کے وقت کچھ ہوش آ جاتا تھا۔ ممدویہ کہتے ہیں کہ اس سات برس کی مدت میں ایک دانہ انانج اور ایک قطرہ آب سید کے حلق میں نہ گیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ ممدویہ کہتے ہیں کہ ایک روز سید کی زوجہ محترمہ نے کہا کیا سبب ہے کہ ہر وقت بے ہوش رہتے ہو اور قفل نہیں کرتے ہو؟ جواب دیا کہ تجلی الوہیت کی اس کثرت سے ہوتی ہے کہ اگر ان کا ایک قطرہ کسی ولی کامل یا نبی مرسل کو دیا جائے تو مدت العمر کبھی ہوش میں نہ آئے۔

کچھ مدت بعد سید کی بیوی کا پیمانہ حیات آب مرگ سے لبریز ہو گیا۔ جب راحت جاں رفیقہ حیات نے گرداب فنا کی گود میں جا بسیر کیا تو سید نے امور خانہ داری کے محضموں سے نجات پا کر فتوحات میں تقسیم باسویہ کا طریقہ جاری کیا وہاں سے احمد نگر آیا۔ یہ شہر سلطنت نظام شاہیہ کا پایہ تخت تھا جو دہلی کی پانچ ہمسرا اسلامی سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ یہ مقام پیشتر ہی ممدویت کی تحریک سے آشنا ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے دار السلطنت احمد نگر میں سید کا استقبال نہایت گرم جوشی سے ہوا۔ لوگوں کے دلوں پر سید کی عظمت یہاں تک چھائی کہ خود سلطان احمد نظام شاہ کجری سید کا مرید ہو گیا۔ کسی بادشاہ کا ایک فقیر بے نوا و مسافر خستہ پا کے ہاتھ بیعت کرنا بہت کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ کے حسن عقیدت کی وجہ سے سید کا آستانہ مرجع خاص و عام بن گیا۔ قریب قریب ساری رعایا سید کے حلقہ ارادات میں آگئی۔ بادشاہ کے قبول ممدویت کا سحرانہ اثر یہاں تک جاری و ساری ہوا کہ اچھے اچھے عقلائے دہر اپنے قوائے ذہنیہ کو بدعت و ضلالت کے ممدوی مندر پر قربان کر بیٹھے اور مذہب ممدویہ دکن میں بالا استقلال قائم ہو گیا۔ ممدوی لکھتے ہیں کہ بادشاہ اس وقت تک اولاد سے محروم تھا فرزند کی آرزو میں سید کے پاس آکر دعا کا طالب ہوا۔ سید نے دعا کی۔ نمل امید بارور ہوا۔ بیگم کو حمل کے آثار نظر آنے لگے اور چند ماہ کے بعد بادشاہ کے پاس یہ نوید جانفزائیں پہنچی کہ مشکوئے معلیٰ میں وارث تاج و تخت پیدا ہوا۔ یہی مولود بعد کو برہان نظام الملک کے نام سے احمد نگر کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ فرقہ ممدویہ سے کمال حسن اعتقاد رکھتا تھا یہاں تک کہ سید محمد کے انتقال کے بعد اس نے شاہ نظام، میاں دلاور اور میاں نعمت وغیرہ کو جو سید جو پوری کے انخص مرید تھے گجرات کا ٹھہرا ڈاڑے احمد نگر مدعو کیا اور کمال اعتقاد سے سید محمد کے پوتے میراں جی کو اپنی قبر طلعت لڑکی نذر کر کے اپنی دامادی کا اعزاز بخشا۔ اس کٹھالی سے ممدویہ کا پایہ رفعت فرقہ فرقہ تک بلند ہو گیا اور ممدویت سلطنت کی آغوش میں تربیت پانے لگی۔ اہل ملک کی اس بے راہروی کو دیکھ کر علمائے حق لمو کے گھونٹ پیتے تھے۔ مگر کوئی بس نہیں چلتا تھا۔

گلبرگہ اور احمد آباد سے اخراج

معلوم ہوتا ہے کہ سید ایک مقام پر بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ بعض مقامات سے تو وہ خارج البلد کیا جاتا تھا لیکن بعض سے خود ہی رخصت ہو جاتا تھا کیونکہ اس کا نصب العین تو اطراف و اکناف ملک میں پھر کر اپنی خانہ ساز ممدویت کی تبلیغ کرتا تھا۔ اس لیے وہ احمد نگر میں بھی نہ ٹھہر اور یہاں سے کوچ کر کے شہر احمد آباد ہدیہ پایہ تخت برید شاہیہ میں آیا۔ اس وقت ملک قاسم برید یہاں کے تخت سلطنت پر جلوہ فرما تھا۔ یہاں ملا ضیاء اور قاضی علاء الدین نے بیعت کی اور سید کے ہمراہ ہو لیے یہاں سے سید نے عنان عزیمت گلبرگہ کو پھیر دی جو خانہ ان بہنہ کا پایہ تخت تھا۔ یہاں آکر اس نے

سید گیسو دراز چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر جو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ تھے فاتحہ پڑھی۔ ایک مختصر سے قیام کے بعد جب علماء نے سلطان سے شکایت کی کہ اس شخص کے جھوٹے دعوؤں نے ایوان مذہب میں تزلزل ڈال دیا ہے تو یہاں سے بھی اخراج کا حکم ملا۔ گلبرگہ سے روانہ ہو کر قصبہ رائے پاک سے ہوتے ہوئے ہندو باھول پہنچا اور وہاں سے 901ھ میں بیعت اللہ کے شوق زیارت میں جہاز پر سوار ہوا۔ بعد طے منازل حرم محترم میں پہنچا۔ یہاں جناب سرور عالم ﷺ کی یہ مشہور پیش گوئی یاد آئی کہ لوگ مہدی کے ہاتھ پر رکن اور مقام کے درمیان بیعت کریں گے۔ اس لیے سید محمد نے بھی اس مقام پر کھڑے ہو کر دعویٰ من اتبعنی فہو مومن (جس کسی نے میری پیروی کی وہ مومن ہے) کا کیا۔ یہاں نظام الدین اور قاضی علاء الدین نے آمنا صدقہ کا اور جھٹ بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اور اس طرح سید محمد کو اس پیشین گوئی کا مصداق ٹھہرایا گیا۔ یہاں سے سید کو نین جناب ابو البشر آدم علیہ السلام کے مرقد منور کی زیارت کو گیا اور کہا کہ میں نے آدم علیہ السلام سے معاف کیا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ خوش آمدی صفاء آوردی وہاں سے ہند دیو گھاٹ پر اتر کر شہر احمد آباد گجرات آیا اور مسجد تاج خاں سالار میں فروکش ہوا۔ یہاں ڈیڑھ سال تک رہنے کا اتفاق ہوا۔ اسی مسجد میں ایک روز مجمع عام میں بڑے طمطراق سے دعویٰ مدویت کیا۔ برہان الدین اور ملک گوہر نے مرید و تارک الدنیا ہو کر رفاقت اختیار کی۔ ملک برہان الدین کو مدویہ خلیفہ ثالث اور موخر الذکر کو خلیفہ چہارم قرار دیتے ہیں۔ ہندوستان کی خاک پر ستش و عقیدت کے خمیر لیے بنی ہے اور یہاں کے باشندے خوش اعتقادی میں تمام دنیا سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس لیے سید جہاں جاتا تھا لوگ پروانہ وار ہجوم کرتے تھے۔ احمد آباد میں ہزار ہا مزدور زن سید کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ جب اس کے دعویٰ مدویت اور اغوائے خلق کا چرچا زبان زد خاص و عام ہوا تو علماء و مشائخ گجرات نے بے حد مناقشہ کیا اور سلطان محمود گجراتی سے شکایت کی کہ ایک شیخ نووارد لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہا ہے اور اس کے وجود سے بے شمار مفاسد و مضرات پیدا ہو رہے ہیں۔ بادشاہ نے اخراج کا حکم دیا۔ اور اس طرح ایک بڑھتا ہوا طوفان آنا فنانارک گیا۔ یہاں سے نکل کر ایک گاؤں سولہ سانچ نام میں اترا۔ یہاں ایک پیباک و سفاک رہزن نعمت نام جو ایک حبشی کو قتل کر کے مفرد رہ رہا تھا اگر سید کی جماعت میں داخل ہوا۔

شہر والہ سے اخراج

یہاں سے روانہ ہو کر شہر شہر والہ پیران پٹن علاقہ گجرات میں لب خوض مقام کیا۔ یہاں بھی ڈیڑھ سال تک اقامت گزریں رہا۔ لطف یہ ہے کہ سید جدھر کا رخ کرتا تھا۔ ہر طرف سے طلبہ مناظرہ و مباحثہ کے لیے اٹھ پڑتے تھے۔ باوجودیکہ سید یہاں مناظرہ میں بری طرح مغلوب و

مقبور ہوا۔ تاہم ایک دنیا پرست مولوی میاں خوندیر حاضر خدمت ہو کر مرید و توبیت پذیر ہوا اور ملک نجن بر خوردار اور ملک الہ دہ اور ملک حماد بھی دامنِ ممدویت سے وابستہ ہو کر ہمراہ ہوئے۔ جب مبارز الملک نے دیکھا کہ اس کے اکثر اعزاء و اقارب سید محمد کے دامِ تسخیر میں گرفتار ہو گئے ہیں اور ہزار ہا مخلوق سیلِ الحاد و بدعت کی نذر ہوئی تو سلطان محمود کی طرف سے ایک فرمانِ ثانی صادر کرا کے پیرانِ پٹن سے بھی سید کو خارج کرادیا اور سید محمد کی عادت تھی کہ جب کسی حاکم کی طرف سے حکمِ اخراج پہنچتا تو کہنے لگتا کہ مجھے خدا کا حکم یہاں سے رخصت ہونے کے لیے پہلے ہی سے آچکا ہے اس لیے میں خود خود حسب ارشادِ خداوندی جاتا ہوں۔ پیرانِ پٹن سے نکل کر وہاں سے تین کوس کے فاصلے پر قصبہ بدلی میں نزول کیا۔ اور ایک موقع پر کہا کہ مجھے برابر اٹھارہ سال سے خدا کا بلا واسطہ حکم ہوتا رہا کہ ممدویت کا دعویٰ کر لیکن میں حکمِ الہی کو اتار ہا۔ اب مجھے یہ حکم ہوا کہ اے سید ممدویت کا دعویٰ کھاتا ہوئے تو کہلا نہیں تو ظالمان میں کا کروں گا۔ "اس لیے میں صحتِ عقل و حواس و دعویٰ کرتا ہوں کہ انا مہدی مبین مراد اللہ۔ اور اپنے جسم کا چہرہ اور انگلیوں سے پکڑ کر کہا جو شخص اس ذات کی ممدویت سے منکر ہوگا۔ وہ کافر ہے دین ہے۔ مجھے خدا نے تر سے بیواسطہ احکام ملتے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے علمِ اولین و آخرین اور بیانِ یعنی معانی قرآن کا نعم اور خزانہ ایمان کی کنجی عطا کی جو شخص تجھ پر ایمان لایا وہ مومن موحّد ہے اور جو منکر ہوا وہ کافر ہے۔ اسی طرح بہت سی باتیں رب الارباب کی طرف منسوب کیں۔ اسی وقت مجمعِ مریدان باخلاص کی زبان سے آئنا صدقہ کی صدائیں ہوئی۔ جب یہ خبر شہرِ نردالہ جو وہاں سے تین کوس کے فاصلے پر تھا زبان زدِ خاص و عام ہوئی کہ نردالا سے خارجِ اہلحد ہونے کے بعد اب سید قصبہ بدلی میں ممدویت کا دعویٰ کر رہا ہے تو چند علماء قصبہ مذکور میں آئے اور سید کو بہتر اسبھایا کہ وہ اس ہرزہ درائی سے باز آئے لیکن اس نے ایک نہ سنی حاملینِ شریعت مایوس ہو کر احمد آباد آئے اور بادشاہ کو اس قضیہ سے مطلع کر کے یقین دلایا کہ یہ شخص لوگوں کو ضلالت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لیے اس کے شر سے خلقِ خدا کو چھانا لاہ ہے۔ غرض یہاں سے بھی خارج ہو کر آوارہ و شت اوبار ہوا چلتے وقت عالمِ آشفگی میں کہنے لگا کہ اگر میں حق پر تھا تو میرا اتباع کیوں نہ کیا؟ اور اگر باطل پرست تھا تو کیوں قتل نہ کیا کہ جہاں جاؤں گا لوگوں کو گمراہ کرتا پھر دوں گا اور اس کا وبال ان کی گردن پر رہے گا جو میرے قتل و استہلاک سے مجتنب رہے۔ اب سید جالور پہنچا۔ اس جگہ کے بے شمار باشندے اس کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ جالور سے ناگور اور ناگور سے ولایتِ سندھ کے شہر نصر پور میں داخل ہوا۔ یہاں پہنچ کر میاں نعمت اور میاں خوند میر کو تو گجرات واپس جانے کی خود اجازت دی لیکن سید کے کثیر التعداد پیرو جو آپ دینِ جدید کی سختیوں کو جھیلنے جھیلنے سخت پیر اور بد اعتقاد ہو گئے تھے۔ ترکِ رفاقت کر کے گجرات کو واپس چلے آئے۔ سید محمد نے ان کو لاکھ ڈرایا دھمکایا کہ تم جادہ سداوے

منحرف ہو کر منافق و مرتد ہوئے جاتے ہو مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ اور سید حارثہ مہجرات کا لیا۔ لی
فی شکر خاتون سید کی ایک اہلیہ بھی انہی میں داخل تھی۔

چور اسی مہدویہ کی عالم گرسنگی میں ہلاکت

نصر پور سے شہر ٹھٹھہ دار الحکومت سندھ میں آیا۔ چونکہ علمائے سندھ حدود مہدویت
کے آغاز سے ہی لوگوں کو جو پوری فتنہ سے متنبہ کر رہے تھے۔ سندھ میں مہدویت کو کوئی فروغ
نسیب نہ ہو بلکہ اس بنا پر کہ سید کے قدم سے پیشتر ہی یہاں اس کے خلاف غیظ و غضب کی لہر دوڑ
رہی تھی اور تعذیب و تعزیر کی تنہدات سے بے قرار تھی۔ لوگوں نے سید اور اس کے رفقاء کو
فاقوں مارنے کی ٹھان لی۔ اس قرارداد کے بموجب سید کے پاس پیغام بھیجا کہ اہل سندھ کو بے دین
کرنے سے باز آؤ ورنہ یاد رکھو کہ اتانج کا ایک دانہ بھی تمہارے حلق میں نہ پہنچے دیں گے۔ سید نے اس
پیغام کی کوئی پروا نہ کی۔ اور حسب معتاد لوگوں پر اپنی مہدویت کے جال ڈالنے شروع کئے۔ لوگوں
نے عدم تعاون کے اصول پر عمل کرتے ہوئے محدود آذوقہ کا واحد ذریعہ بھی بند کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا
کہ سید کے رفقاء میں سے چور اسی آدمیوں نے گرسنگی اور فاقہ کشی کے مصائب میں ایزیوں رگڑتے
رگڑتے جان دے دی۔ سید نے آتش رنج و غم کو ٹھنڈا کرنے کے لیے بھارت دی کہ فاقہ کش جان
سپاروں کو انبیاء و مرسلین الواعزم کے مدارج و مقامات عطا ہوئے ہیں۔ جب علمائے حق نے دیکھا کہ
سید بدستور قوانین الہیہ کا نظام درہم برہم کر رہا ہے اور اسلامی جماعت کا شیرازہ بھیرنے کی کوششیں
جاری ہیں تو انہوں نے ناچار بادشاہ سے اس کی شکایت کی۔ شاہ سندھ کے بغوات و مرفقات کی
اطلاع پا کر اس قدر برہم ہوا کہ اس نے سید اور اس کے تمام رفقاء کے حق میں حکم قتل صادر کیا لیکن
دریا خان مصاحب سلطانی کی سعی سے فرمان قتل حکم اخراج سے تبدیل ہو گیا۔ مہدویت نے یہاں جو
طرز دعوت اختیار کیا تھا وہ خود ایک خونی منظر کا اشارہ کر رہا تھا مگر غیبت ہے کہ جان بخشی ہو گئی۔
انجام کار سید نے دیکھا کہ اس پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ لوگ ہر جگہ خشونت و درشتی سے پیش
آتے ہیں اور ہندوستان کی کوئی اسلامی سلطنت اسے اپنے یہاں پناہ دینے پر آمادہ نہیں تو اس نے کسی
دوسری ولایت کے آغوش عاطفت میں بیٹھ کر اپنی مہدویت کے زہریلے جراثیم پھیلانے کا قصد
کیا۔ چنانچہ سندھ کو الوداع کہ کر خراسان کا رخ کیا۔ خراسان فارس و عراق کے مشرقی حصہ کو کہتے
ہیں۔ مہدویوں کا بیان ہے کہ اس وقت بھی قریباً نو سو آدمی سید کے ہمراہ ہم رکاب تھے جن میں
سے تین سو ساٹھ ایسے منتخب تھے جب کا لقب اصحاب و مہاجرین خاص تھا۔ غرض یہ قافلہ ہزار خرابی
و بربادی قدم قدم پر پہنچا۔ اس وقت سید کی حالت بہت زبون تھی۔ اور کوہ مصائب بادلوں سے بھی بلند تر
ہو گیا تھا۔ جب مرزا شاہ بیگ حاکم قندھار سید کے دعاوی سے مطلع ہوا تو حکم دیا کہ سید ہندی کو جمع

کے دن مسجد جامعہ میں طلب کر کے علمائے اسلام سے بحث کرائی جائے چنانچہ حسب الحکم پیادے دوڑے اور سید کو کمر بند سے پکڑ کر جبراً و قہراً اس غلت سے لے چلے کہ جو تاپسننے کی بھی مہلت نہ دی۔ اور جب مریدوں نے ہمراہی کارِ ارادۂ ظاہر کیا تو انہیں سختی سے روک دیا۔ جب سید محمد مسجد میں داخل ہوا تو علمائے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی لیکن سید کی طرف سے نہایت بغض و انکساری کے ساتھ جواب دیا گیا۔ شہ بیگ حاکم قندھار جو جوان بہت سالہ تھا سید کے میان پر فریفتہ ہو گیا اور اس کے حسن اخلاق فرد قتی اور سحر میانی سے گرویدہ ہو کر نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔

فراہ میں ورود اور سفر آخرت

سید محمد نے علمائے قندھار کے چنگل سے مخلص پاکر شہر فراہ کی راہ لی۔ اس وقت سید کے سر پر اندوہ و غم کے بادل منڈلا رہے تھے اور اس کی یکسوی قابل رحم تھی۔ لیکن ہر کس کہ جنہیں کند چنناں آید پیش فراہ میں بھی نہایت سخت باز پرس ہوئی اور سختی کا ہر تاؤ کیا گیا۔ پہلے ایک عمدہ دار نے جو نہایت ہیبت ناک اور آشفستہ مزاج تھا آکر سید محمد اور اس کے رفقاء کے تمام اسلحہ چھین لئے اور گوشہ کمان ہر ایک کے سر پر رکھ کر ایک ایک کو شمار کر کے کہنے لگا کہ کل کے روز تم سب زندانِ بلا میں ڈالے جاؤ گے تاکہ لوگ تمہارے خباثت و رذائل سے محفوظ رہیں۔ اس کے بعد ذوالنون حاکم شہر سید کی حالت معلوم کرنے کے لیے بذات خود آیا لیکن ملاقات کے بعد سید کا معتقد ہو کر علماء کو ہدایت دی کہ اس کی مددویت کا امتحان کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ پھر علمائے اسلام سے مناظرہ و مباحثہ کی ٹھہری۔ چنانچہ کئی دن تک آپس میں بحثیں ہوتی رہیں۔ امیر ذوالنون نے یہ تمام ماجرا امیرزا حسین بادشاہ خراسان کی خدمت میں لکھ بھیجا اور اس نے خراسان کو ہندوستان کی وبائے عالمگیر سے پاک رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے چار سربر آوردہ عالم بغرض مناظرہ روانہ کئے۔ یہ چاروں حضرات علم و فضل کے ستون اور میدانِ مناظرہ کے شہسوار ہوں گے لیکن ایسے شخص کے مقابلہ میں جس کی ساری عمر مذہبی اکھاڑوں اور جھگڑوں قضیوں میں گزری تھی اور مرزائی مناظرین کی طرح جس کے چوبیس گھنٹے اسی سوچ چار میں گزرے تھے کہ فریقِ مقابل کے استدلال میں کیا کیا انجمنیں پیدا کی جاسکتی ہیں اور حضرت شارح علیہ السلام کے ارشادات گرامی کو مسترد کرنے کے لیے بساطِ مناظرہ میں کون کون سے مہرے کام دے سکتے ہیں خود علمائے ہندوستان کے طلب کئے جانے کی ضرورت تھی۔ اگر یہاں سے ایک آدھ مناظرہ بھی چلا جاتا تو جاتے ہی سید کا ناطقہ بند کر دیتا۔ سید محمد مرزا غلام احمد صاحب کی طرح سخن سازبوں اور تاویل بازیوں کے ہتھیار چلا کر برابر مقابلہ کرتا رہا۔ اور علمائے خراسان اس کو ساکت و مغلوب کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ جب فراہ میں تین مہینے گزر چکے تو خوند میر اور میاں نعمت جو نصر پور سے اپنے وطن کو واپس گیا تھا وہاں محمود فرزند سید

محمد کے ہمراہ فراہ کو آیا۔ ان کے آنے کے بعد سید چھ مہینے تک اور زندہ رہا آخر وہ دن آگیا جس کا دھڑکا ہر ایک ذی روح کو اس عالم رفتی و گزشتی میں لگا ہوا ہے۔ یعنی سید نے بروز پنجشنبہ 910ھ میں جب کہ اس کی عمر تیرہ سال کی ہوئی سالہا سال کی خانہ بدوشی کے بعد غریب الوطنی و در ماندگی کے عالم میں تو سن حیات کی باگ ملک آخرت کی طرف موزدی اور اس وقت موت کا پیغام سید کے لیے عین نوید حیات تھا۔ کیونکہ سید اپنے دعویٰ مہدویت کے بعد سے جسمانی اور روحانی صدے اٹھاتے اٹھاتے سخت بد حال ہو گیا تھا۔ مصنف شواہد الولاہیت جو مہدوی ہے لکھتا ہے کہ سید بروز انتقال ایک مہدوی کے گھر میں تھا اور عادت یہ تھی کہ نومت ازواج کی شناخت کے لیے زمین میں میخیں گاڑ رکھی تھیں۔ جب ان میخوں پر سایہ پڑتا تھا تو ایک بیوی کے گھر سے دوسری کے مکان پر جانے کی باری آتی تھی۔ اس روز جب سایہ منج پر پہنچا تو کہا مجھے بی بی ملک کے گھر لے چلو۔ بی بی ملک وہاں موجود تھی اس نے عرض کی کہ آپ تکلیف کی حالت میں ہیں اور میں خود یہاں موجود ہوں تاہم ملک نے اپنی باری بخش دی۔ آپ بیس رہیں اور جانے کی زحمت نہ اٹھائیں۔ خدام و مریدین نے بھی نہایت الحاح و اسرار کے ساتھ یہی درخواست کی۔ سید نے جواب دیا تم نے تو اپنا حق بخش دیا لیکن شرع محمدی کی حد کو جس کے لیے رب العزت نے فرمایا کون بخش سکتا ہے؟ اس کے بعد دو تین مرتبہ بی بی ملک نے بھی نہایت تضرع و دسوزی سے یہی بات عرض کی لیکن سید نے قبول نہ کی اور کہا کہ برادران ملت ہماری رعایت کرتے ہیں۔ شریعت مصطفوی کا پاس و لحاظ نہیں کرتے۔ الغرض بہرہ زار وقت و پریشانی اپنے تئیں بی بی ملک کے قیام گاہ پر پہنچایا اور تھوڑی دیر کے بعد شہر خوشاں کی راہ لی جہاں بڑی بے چارگی اور بے بسی کے ساتھ کج کج میں سلا دیا گیا۔ ایک قوی عذر کی موجودگی میں سید نے شریعت اسلامی کا نام لے کر بی بی ملک کے گھر جانے پر جواصر ار کیا اس سے اس واقعہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جبکہ حسب روایت امام بخاریؒ ایک کو فی نے حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا کہ اگر کوئی شخص حالت احرام میں کبھی مار دے تو اس پر دم (فدیہ) لازم آتا ہے یا نہیں؟ حضرت ان عمرؓ نے فرمایا کہ اہل عراق مجھ سے کبھی مارنے کے متعلق دریافت کرتے ہیں اور یہ وہی اہل عراق ہیں جنہوں نے ابن رسول اللہ ﷺ (حضرت امام حسینؓ) کو قتل کیا ہے۔ حالانکہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا حسین (رضی اللہ عنہما) میرے باغ دنیا کے دو پھول ہیں۔ جب سید نے اسلام کے شارع عام دچھوڑ کر اور اسلامی راستے سے روگردانی کر کے ایک نئے فرقہ کی بنیاد ڈالی تو ایسے نام نہاد تقویٰ کا انداز بالکل لایعنی تھا۔ اس کے بعد سرکاری عہدہ داروں نے ملک الہ داورید سید جو نیوری سے جو خوند میر کا تر بیت یافتہ تھا کہا کہ تم لوگوں نے بادشاہ وقت سے مقابلہ کیا ہے اس لیے تم لوگ اس ملک میں ہر گز اقامت گزیر نہیں ہو سکتے اس لیے ملک الہ داد بھی نہایت اضطراب و پریشانی کے عالم میں وہاں سے نکل بھاگا اور مارواڑ پہنچ کر موضع پاؤڑک میں دائرہ باندھ کر رہنے لگا۔ وہاں ان لوگوں کو

بڑے بڑے مصائب و نوازل سے پالا پڑا۔ یہاں تک کہ فاقوں مرنے لگے لیکن حالت یہ تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے احوال و مقامات باطنی کا دعویٰ کر کے ہی تسلی و تفسفی کی آنکھیں روشن کر لیتا تھا۔ شاہان اسلام کے محکمہ احتساب نے انہیں کبھی ایک جگہ ٹھہر کر انگوٹھیوں کا موقع نہ دیا۔ اس لیے اطراف و اکناف ملک میں منتشر ہو کر دم تڑو بڑھاتے اور سادہ لوح عوام کو اپنے ”نقدس“ کے سبز باغ دکھا کر گمراہ کرتے لیکن ظاہر ہے کہ شاہان شریعت پناہ اس قسم کی اختلاف انگیز و فتنہ خیز تحریک کا بار آور ہونا کیونکر مکرگوار کر سکتے تھے جو فساد فی الدین کے ساتھ سیاسیات میں بھی ہلاکت آفرین انقلاب پیدا کر سکتی تھی۔ اس آتش فتنہ کی چنگاریاں ہجرات لور و کن سے اڑا کر دہلی تک جا پہنچیں بلکہ ایک جگہ لگالہ میں بھی گرا۔ لیکن ارباب حکومت کی بروقت مداخلت نے ان شراروں کو زیادہ بھڑکنے نہ دیا۔ یہاں ان دو ممتاز سربراہان مددویوں کے حالات درج کئے جاتے ہیں جن کے انقطاع و ہجرت الی اللہ کے حالات تواریخ ہند کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک عبد اللہ نیازی ہے اور دوسرا شیخ علانی۔

عبد اللہ نیازی افغان

شیخ عبد اللہ نیازی اور شیخ علانی پہلے حنفی چشتی تھے۔ پھر اغوائے شیطانی نے ان کو ممدویت کے پہلو میں لاٹھلایا۔ پس ترک و انقطاع کے متعلق ان کے جو جذبات و امیال تھے وہ خانوادہ چشت کے فیضان صحبت کے شرمندہ احسان تھے۔ ممدوی لوگ ان حالات کو اتباع ممدویت کا اثر بتایا کرتے ہیں مگر یہ انتہاء درجہ کی کج فہمی تھی۔ اگر ترک و انزوا کی یہ کیفیت انہیں قبول ممدویت کے بعد حاصل ہوئی ہوتی تو اس کی ممدویت کا فیض خیال کیا جاسکتا تھا لیکن یہ تو پہلے ہی سے اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ پس میں ممدویہ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اگر کسی ممدوی نے اہل سنت و جماعت کے مشائخ طریقت کی صحبت نہ اٹھائی ہو اور اس کے احوال و مواجید اہل اللہ کے حالات و کیفیات سے مطابقت رکھتا ہو تو اس کا نام پیش کریں۔ نیازی شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ ہی طرح علانی بھی پہلے ہی سے فضائل کمالات سے متصف تھا۔ چنانچہ خواجہ نظام الدین احمد ”طبقات اکبری“ میں لکھتے ہیں۔ ”شیخ علانی کہ ارشد اولاد شیخ حسن و بضائل و کمالات اتصاف داشت قائم مقام پدر گشتہ بار شاہ طالبان مشغول شد“ 60۔ پس ان دونوں کی ذات پر فخر کرنا عقل و خرد کا منہ چڑا ہے۔ بعض حضرات اس حقیقت سے آنکھیں بند کر کے سخت ٹھوکر کھاتے ہیں۔

میاں عبد اللہ نیازی افغان حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ ہی سے خدا شناسی کی آنکھیں روشن کی تھیں۔ عبد اللہ حج بیت اللہ کو گئے۔ واپسی پر جو پوری کے کسی خلیفہ سے ملاقات ہوئی۔ اس کے نعروں میں آکر ممدویت کو قبول کر لیا لیکن یہ ان کی غلطی تھی کہ

حضرت سلیم چشتی کو اطلاع دیئے بغیر مہدوی پنتھ اختیار کر لیا۔ اگر ان سے مشورہ لے یا کر کم از کم اپنے شہادت ان کے سامنے پیش کرتے جنہوں نے ان کو درط ہلاکت اور قصر ضلالت میں گرایا تھا تو بچ جاتے آخر خوردائی کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہو کے رہا۔ شیخ عبداللہ نے مہدوی مذہب اختیار کر کے قصبہ میانہ ریاست بے پور میں آبادی سے دور ایک باغ کے پاس سکونت اختیار کی۔ دل عشق و محبت کی حرارت سے گداز اور تقصوف سے فطری لگاؤ تھا۔ اس لیے ایک مبتدع فرقہ میں داخل ہو جانے کے باوجود بے نفسی کی اب تک یہ حالت تھی کہ خود حوض سے گھڑے بھر کر سر پر اٹھالاتے۔ نماز کے وقت راہ گیروں کسانوں اور دوسرے لوگوں کو جو ادھر آ نکلتے جمع کر کے نماز باجماعت ادا کرتے اور جس کسی کو ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں تامل ہو تا اس کی تالیف قلب کے لیے کچھ اپنے پاس سے دے کر اپنے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے۔ جب شیخ علائی دکن کی طرف جلاوطن کیا گیا چنانچہ آگے چل کر انشاء اللہ بیان کیا جائے گا تو سلطان سلیم شاہ من شیر شاہ نیاز یوں کا فتنہ رفع کرنے کے لیے اگرہ سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ جب میانہ کے بالمقابل بھر سور کی منزل پر پہنچا تو مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری نے بادشاہ سے کہا کہ فتنہ صغیر یعنی شیخ علائی سے تو کچھ مدت کے لیے نجات ملی لیکن فتنہ کبیر یعنی شیخ عبداللہ نیازی جو شیخ علائی کا پیر اور نیاز یوں میں ایک ممتاز و سربر آوردہ شخص ہے ہنوز سلطنت کو چشم نمائی کر رہا ہے۔ سلطان سلیم شاہ نیاز یوں کے خون کا پیاسا تھا۔ یہ سن کر اس کی آتش حشم شعلہ زن ہوئی اور حاکم میانہ کو جو شیخ عبداللہ نیازی کا مرید تھا حکم دیا کہ وہ شیخ کو حاضر کرے۔ حاکم میانہ شیخ عبداللہ کے پاس گیا اور کہنے لگا میری یہ رائے ہے کہ آپ یہاں سے کسی طرف کو چل دیں میں کوئی بھانہ کر دوں گا شاید بادشاہ کو دوبارہ اس طرف آنے کا اتفاق نہ ہو اور آپ کو بھول جائے۔ لیکن میاں عبداللہ نے اس تجویز کو نہ پسند کیا اور کہا کہ بادشاہ غیور واقع ہوا ہے اگر میں زیادہ دور چلا جاؤں اور وہاں سے میری طلبی ہو تو اور زیادہ پریشانی کا سامنا ہو گا۔ بادشاہ ابھی دس ہی کوس کے فاصلہ پر ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ابھی جا کر ملاقات کر لوں۔ مرضی مولیٰ تو یہاں بھی اور وہاں بھی حال و استقبال میں مساوی ہے۔ غرض شبشب میانہ سے روانہ ہوئے اور حاکم میانہ کے ہمراہ علی العبا ج بادشاہ کے کوچ کے وقت لشکر سلطانی میں پہنچ گئے۔ اس وقت بادشاہ سوار ہو چکا تھا۔ شیخ عبداللہ بے باکانہ گردن اٹھائے سامنے جا کھڑے ہوئے اور السلام علیک کہا۔ حاکم میانہ نے جو شیخ کو بادشاہ کے غضب سے بچانا چاہتا تھا شیخ کی گردن پکڑ کر نیچے کو جھکا دی اور کہنے لگا کہ بادشاہوں کو یوں نہیں یوں سلام کرتے ہیں۔ اس پر شیخ عبداللہ برافروختہ ہو کر کہنے لگا۔ میں تو سلام مسنون کا پابند ہوں۔ اس کے سوا میں کوئی سلام نہیں جانتا۔ لشکریوں نے سلیم شاہ کے ایماء سے شیخ کو بیٹھا شروع کیا۔ جب تک حواس جا تھے کلام الہی کی یہ آیت ورد زبان تھی۔ ربنا اغفر لنا و ذنوبنا و نسبت اقدامنا و انصرانا علی القوم الکفرین سلیم شاہ نے پوچھا کیا کرتا ہے؟ مخدوم

الملک نے جواب دیا کہ آپ کو اور مجھے کافر کہتا ہے۔ بادشاہ کو اور زیادہ طیش آیا اور مکرر زرد کو ب کا حکم دیا۔ شیخ عبداللہ کی بہت دیر تک مرمت ہوتی رہی۔ پھر سلیم شاہ لشکر سمیت روانہ ہوا اور لوگ شیخ عبداللہ کو اٹھالے گئے۔ شیخ عبداللہ نے میانہ کو ہمیشہ کے لیے الوداع کر دیا۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد ہمایوں بادشاہ نے ایران سے مراجعت کی اور خاندان سوری کا چراغ سلطنت گل کر کے ہندوستان کو از سر نو اپنے حوزہ تصرف میں لایا۔ شیخ عبداللہ نے میانہ سے رخصت ہو کر جہان گروی اختیار کی۔ دیر تک اطراف و اکناف عالم کی سیاحت میں مصروف رہے لیکن انجام کار قائد توفیق الہی نے آخر عمر میں ممدویت سے تائب کر کے اہل حق کی صف میں لاکھڑا کیا۔ اور سر ہند میں عزت گزین ہو کر یاد الہی میں مصروف ہوئے۔ اگر شیخ علانی اس وقت تک زندہ ہو تا تو بہت بڑی امید تھی کہ اپنے پیرومرشد کی توبہ و انامت کے پیش نظر وہ بھی ممدویت سے تائب ہو جاتا لیکن انیسویں صدی کے ایسے وقت میں دنیا سے گذر گیا جبکہ شیخ عبداللہ بنو ز ممدویت کے گرداب میں غوطے کھا رہے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد جلال الدین اکبر بادشاہ نے شیخ عبداللہ کو سر ہند سے طلب کیا اور تنہائی میں صحبت رکھی۔ بادشاہ نے شیخ عبداللہ سے ان کے ممدوی ہونے کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے ممدویت سے اظہار برائہ کیا اور کہا کہ شروع شروع میں مجھے یہ فرقہ بہت بھلا معلوم ہوا تھا اس لیے ممدوی طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد جب حقیقت حال منکشف ہوئی تو میں ہزار ہو کر علیحدہ ہو گیا۔ بادشاہ نے انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ اس کے بعد 993ھ میں جب اکبر شاہ عازم انک ہو ا تو سر ہند پہنچ کر شیخ عبداللہ نیازی کو دوبارہ بھلا بھجا اور کچھ زمین مدد معاش کے طور پر دینی چاہی لیکن انکار کیا۔ اکبر نے زبردستی فرمان معافی لکھ دیا۔ مجبوراً فرمان لے لیا لیکن بہت بلند تھی زمین پر قبضہ کر کے اس سے خود ہرگز مستمع نہ ہوئے اور ساری عمر توکل و قناعت میں گزار دی۔ آخر 1000ھ میں عمر کی نوے منزلیں طے کر کے موت سے ہم آغوش ہو گئے۔ 61۔ (رحمہ اللہ)

شیخ علانی ممدوی

شیخ علانی کے والد شیخ حسن جو حضرت خواجہ سلیم چشتیؒ کے خلیفہ تھے۔ سلطان سلیم شاہ بن شیر شاہ افغان سوری کے عہد سلطنت میں میانہ کے اندر سجادہٴ مشیخت و ارشاد پر متمکن تھے۔ جب ان کا وصال ہوا تو ان کا فرزند شیخ علانی جو علمی و عملی فضا ئل سے متصف تھا عالم شباب میں باپ کی جگہ مسند ارشاد پر بیٹھا۔ لیکن سوا اتفاق سے انہی ایام میں میاں عبداللہ نیازی نے مذہب ممدویہ اختیار کرنے کے بعد قصبہ میانہ میں دو دہاں اختیار کر لی۔ ایک دن باغ جوانی کے اس نونال کا بھی اس باغ کی طرف گزر ہوا جس کے پاس میاں عبداللہ سکونت پذیر تھے۔ وہاں شیخ عبداللہ نیازی سے ملاقات ہو گئی۔ ان کا طور طریقہ دیکھا تو ترک دنیا کا اور ہی سماں نظر آیا۔ پہلی ہی نظر میں گھائل ہو کر ان سے

مبارک کی بھی دربار میں آمد و رفت شروع ہو گئی۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے مبارک سے کہا کہ جہاں علماء باہم مختلف الحیال ہوں وہاں کون سا مسلک اختیار کرنا چاہیے؟ اس ناچار کو شر انگیزی کا سنہری موقعہ ہاتھ آگیا۔ کسے لگا کہ بادشاہ عادل خود مجتہد ہیں اختلافی مسائل میں حضور جو مصلحت وقت دیکھیں حکم فرمائیں حضور کو ان ملاؤں سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اکبر نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر ان ملاؤں سے مجھے کلی نجات دلا دو۔ مبارک یہ پٹی پڑھا کر واپس آیا اور جھٹ ایک مسودہ تیار کر کے اکبر کے پاس پہنچ دیا۔ اس محضر میں لکھا تھا کہ عادل بادشاہ مطلقاً مجتہد پر فضیلت رکھتا ہے اور وہ اس بات کا مجاز ہوتا ہے کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں روایت مرجوح کو ترجیح دے دے۔ معاملات شرعی میں اسے ہر طرح کا تصرف حاصل ہے اور کسی کو اس کی رائے سے اختلاف و انکار کی مجال نہیں کیونکہ امام عادل مذہبی معاملات کو مجتہدین سے بہتر سمجھتا ہے۔ پس جو شخص اس کی رائے سے اختلاف کرے وہ دنیا و عقبیٰ میں عذاب و عقاب کا سزاوار ہے۔ امام عادل اپنی طرف سے کوئی ایسا حکم بھی نافذ کر سکتا ہے جو نصوص اور احکام قطعی الثبوت کے خلاف ہو بے طریقہ اس کی نظر میں اس کے اندر خلق کی رفاہیت ہو۔ اور ایسے اجتہادی احکام میں ہر شخص پر امام عادل کا اتباع واجب ہے۔ اور اس امام عادل سے مراد اکبر کی ذات تھی۔ علماء کو اس محضر پر دستخط کرنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ اسلام اور علماء اسلام کے حق میں اس فتنہ کو بھی وہی حیثیت تھی جس میں علماء ماموں عباسی کے عہد میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اکبری محضر پر مخدوم الملک شیخ عبدالنبی صدر الصدور، قاضی القضاۃ قاضی جمال الدین ملتانی، صدر جہاں شیخ مبارک ناگوری اور غازی خاں بدخشی کی مہریں اور دستخط ثبت کرائے گئے۔ ان میں سے بعض نے تو طیب خاطر سے اور بعض نے طوعاً و کرہاً دستخط کئے تھے لیکن وہ علمائے راجحین جن کے دین کی راہ میں قدم ہمت استوار تھے انہوں نے اس کی تصدیق کرنے سے انکار کیا اور انکار کے صلہ میں اپنے تئیں ہر قسم کی جسمانی اور روحانی عقوبتیں سہنے کے لیے پیش کر دیا۔

مجتہد اعظم تھر تھر کانپنے لگا

لیکن اس ستم ظریفی کا بھی کوئی ٹھکانا ہے کہ ایک جاہل مطلق جو لکھنے پڑھنے سے بالکل بے بہرہ ہے۔ مجتہد اعظم بن بیٹھے اور اسے نصوص اور قطعی الثبوت احکام میں ترمیم و تنسیخ کا حوصلہ ہو۔ بعض لوگوں میں علمی کم مائیگی کے باوجود خطابت کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ لیکن اکبر اس قوت و استعداد کا مالک نہ تھا۔ چنانچہ بدایونی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اکبر نے سنا کہ حضرت ختمی مآب ﷺ

اور خلفائے راشدین جمعہ کا خطبہ کو دیا کرتے تھے اور ذوی القریٰ مثلاً امیر تیمور صاحب قرآن اور مرزا الف بیگ وغیرہم خود خطبہ دیا کرتے تھے۔ اپنی خطابت کا عملی ثبوت پیش کرنے کے لیے غرہ جمادی الاول 987ھ کو جمعہ کے دن جامع مسجد جو قصر شاہی کے پاس تھی منبر پر جا چڑھا اور خطبہ دینا

چاہا لیکن مشکل ایک دو لفظ منہ سے نکالے تھے کہ زبان بند ہو گئی اور بدن پر عرش طاری ہو گیا۔ آخر سخت تشویش و اضطراب کے عالم میں تھر تھر کانپتے ہوئے فیضی کے یہ دو شعر دوسروں کی مدد سے پڑھ کر منبر سے اتر آیا۔ اور حافظ محمد امین خطیب کو امامت کا حکم دے دیا۔ وہ بیت یہ ہیں۔

خداوندے کہ مارا خسروے داد
دل دانا و بازوئے قوی داد
بعدل و داد مارا رہمنوں کرد
بجز عدل از خیال باروں کرد
بود و صفش زحد فہم برتر
تعالیٰ شانہ اللہ اکبر

مبارک کا تیار کردہ محضر اسلامی احکام کے سر اسر منافی تھا۔ اس لیے علمائے دربار کا فرض تھا کہ وہ عواقب نتائج سے خالی الذہن ہو کر اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیتے۔ جان چلی جاتی مگر اس محضر کو مسترد کرتے لیکن انہوں نے اکبر کے دباؤ میں آکر دستخط کر دیئے اور خود اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودی۔ اس محضر کی رد سے نہ صرف حاملین شریعت عضو معطل بن کر رہ گئے بلکہ سرے سے شریعت مطہرہ ہی بالائے طاق رکھ دی گئی۔ کیونکہ احکام شرع کی جگہ اکبر کا حکم نافذ ہو گیا۔ یہ پہلی فتح تھی جو مبارک اور اس کے بیٹوں کو اپنے حریف علماء کے مقابلہ میں نصیب ہوئی۔ اس دن سے ابو الفضل اور فیضی دربار کے سیاہ و سپید کے مالک ہو گئے۔ علماء کی مسند عزت الٹ گئی۔ اور مبارک کے گھر میں خوشی کے شادیاں بچنے لگے۔

اسلام سے علانیہ بغاوت

اکبر نے یہ فتویٰ حاصل کر کے نہایت بے باکی کے ساتھ اپنے گمراہ مصاحبوں کی مدد سے احکام الہی میں قطع و برید شروع کر دی۔ اور انسانی عقل نارسا کو وحی الہی پر ترجیح دی گئی۔ اسلام پر تفریض کرتے ہوئے دین حق کو تقلیدی مذہب سے تعبیر کرنے لگے۔ اور یہ کہنا شروع کیا کہ اہل علم اور اصحاب بھیرت تمام ادیان میں موجود ہیں اور ارباب ریاضت و کشف و کرامات دنیا کے ہر گروہ میں پیدا ہوتے ہیں اور حق و صدق ہر جگہ دائر و سائر ہے۔ پس اسے ایک ہی دین و ملت میں جسے ظاہر ہوئے ابھی ہزار سال کا زمانہ بھی نہیں گذرا کیوں محدود رکھا جائے؟ ایک کے اثبات اور دوسروں کی نفی سے ترجیح بلا مرجع لازم آتی ہے۔ مگر ان نادانوں نے اتنا نہ سمجھا کہ حق و صدق تمام مذاہب میں موجود ہے تو اختلاف کی صورت میں کسی نہ کسی مسلک کو غلط قرار دینا ناگزیر ہو گا مثلاً اہل اسلام مانتے ہیں کہ دنیا کا موجودہ نظام ایک نہ ایک دن تباہ ہو جائے گا۔ اور لوگوں کو عالم آخرت میں ان کے

عملوں کی جزائے گی۔ بنود کا خیال ہے کہ اعمال کی جزا دنیا ہی میں بصورت تناسخ ملتی رہتی ہے اور ملتی رہے گی۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں مختلف عقیدوں میں سے ایک نہ ایک ضرور غلط ہے۔ ایسی حالت میں یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ تمام مذاہب سچے ہیں۔ اسی طرح یہ خیال بھی لغو ہے کہ اسلام اس وقت سے عرصہ وجود میں آیا جبکہ سید العرب و انعم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مبعوث ہو کر اس عالم ظلمانی کو منور فرمایا کیونکہ اسلام اس وقت سے چلا آتا ہے جبکہ حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کو خلافت ارضی کا منصب عطا فرمایا گیا تھا۔ مگر اہی کی طرف ایک اور قدم یہ تھا کہ اکبر کے دل میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے سوء ظن پیدا کرنا شروع کر دیا گیا۔ اس فساد و عقیدہ کی وجہ یہ تھی کہ ایک شخص ملازمدی جسے ملازیدی کہا کرتے تھے خراسان کی طرف سے آکر حضرات صحابہ کے حق میں بہت کچھ دریدہ دہنی کرنے لگا۔ اور کمال ڈھنائی سے بہت سے ناروا باتیں ان نفوس قدسیہ کی طرف منسوب کیں۔ یہ اتهامات سن کر بادشاہ صحابہ کرام کی طرف سے بد عقیدہ ہو گیا۔ یزدی نے چاہا کہ بادشاہ کو رافضی بنائے لیکن جب ابو الفضل اور حکیم ابو الفتح اور ہر بر کو معلوم ہوا تو وہ آدمی کے اور بادشاہ سے کہنے لگے جہاں پناہ! آپ سنی شیعہ کے قصوں میں نہ پڑیے سرے سے نبوت وحی معجزہ و کرامت وغیرہ ہی بے بنیاد اور ملاؤں کے ڈھکولے ہیں۔ یہ سن کر جاہل بادشاہ کو خود مذہب کی طرف سے شک پڑ گیا۔ ابو الفضل نے بادشاہ سے کہا کہ نماز 'روزہ' حج' زکوٰۃ سب تقلیدی اور غیر معقول چیزیں ہیں دین کا مدار تو نقل کے بجائے عقل پر ہونا چاہیے۔ لیکن ایسے عقل فروشوں کو معلوم نہیں کہ اگر انبیاء کی تعلیمات سے دست بردار ہو جائیں تو خسران اخروی سے قطع نظر خود دنیا میں بھی انسان بہائم و وحوش سے زیادہ بدتر ہو جاتا ہے۔

عقل انسانی کی یہ حالت ہے کہ اس کا کوئی صحیح معیار ہی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ انسان جس جماعت اور جس قسم کی صحبت میں نشوونما پاتا ہے اسی کے قالب میں اس کے قوائے عقلیہ ڈھل جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں نقلی اور تقلیدی ہیں چنانچہ آجکلے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ ابو الفضل اور دوسرے اشیاء نے اکبر کو احمق بنا کر جو معضکہ عقلی مذہب بنام دین الہی بنایا تھا اور جس کی بنا محض چند ملحدانہ خیالات اور عقلی ڈھکولوں پر رکھی تھی وہ اکبر کی آنکھیں بند ہوتے ہی کس طرح قصر گمنامی میں مستور ہو گیا؟

رنڈیوں کی کثرت

اکبر شاہ نے اپنے جلوس کے اٹھائیسویں سال اعلان کیا کہ بعثت پیغمبر ﷺ کو ہزار سال کا زمانہ جو دین محمدی کی مدت بقا تھی گزر چکا اس لیے (معاذ اللہ) اسلام کے احکام و ارکان باطل ہو گئے واران کی جگہ اکبری دربار کے ضوابط و قواعد نافذ ہوتے ہیں۔ ہجرت کے ہزارویں سال جو سکے

تیار ہوئے حکم دیا کہ ان پر ہزار سال کی تاریخ ثبت کریں۔ رعایا کے لیے اکبر بادشاہ کو سجدہ کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ سبے خواری جائز ہو گئی لیکن اس جواز کی یہ شرط قرار دی گئی کہ مستی مفرط نہ ہو اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص شراب نوشی میں حد اعتدال سے تجاوز کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ اعتدال کی رعایت ملحوظ رکھنے کے لیے شراب فروشی کی سرکاری دکان کھولی گئی۔ اور آب حرام کا سرکاری نرخ مقرر ہو گیا۔ بایں ہمہ بڑے بڑے فتنے اور فساد رونما ہوتے رہتے تھے۔ دین اکبری میں زنا بالکل جائز فعل تھا اور اس دور حکومت کی ایک بڑی برکت یہ تھی کہ ہزاروں لاکھوں عورتوں نے عفت و حیا کی چادر اتار کر فاسقانہ زندگی اختیار کر لی۔ چنانچہ لیلائے اکبر کے قیس جناب محمد حسین آزاد صاحب بڑے فخر سے لکھتے ہیں کہ ”بازاروں کے برآمدوں میں رنڈیاں اتنی نظر آنے لگیں کہ آسمان پر اتنے تارے بھی نہ ہوں گے۔ خصوصاً دار الخلافہ میں۔“ (درباری اکبری ص 76) فتح پور میں خلیفہ المسلمین نہیں رہتا تھا اس لیے دار الخلافہ سے آزاد صاحب کی مراد دار الحکومت یعنی چاہیے۔ آسمان کے ستاروں کے ساتھ تشبیہ دینے سے آزاد صاحب کی غرض ایک تو اظہار کثرت تھی۔ دوسرے شاید یہ بھی مقصد ہو اکبری دور کی رنڈیاں کوئی قہر ڈکلا س عورتیں نہیں تھیں بلکہ یہ عشوہ فروش جھمکاتے تاروں کی طرح منور و درخشاں تھیں اور یہ کہ جس طرح ستارے آسمان کی زیبائش کا باعث ہیں اسی طرح یہ رنڈیاں اکبری دور حکومت کی زینت و آرائش تھیں۔ میرے خیال میں یہ لکھتے وقت آزاد صاحب کے منہ سے محبت و شیفگی کی رال ٹپک پڑی ہوگی اور دل سے آرزوئے دید کے جیشے پھوٹ پڑے ہوں گے۔ کاش حسرت نصیب آزاد صاحب اپنی تاریخ ولادت سے تین صدیاں پیشتر عالم شہود میں آجاتے تاکہ انہیں اکبری عہد حکومت کے اس خوان ینما سے سعادت اندوز حلاوت ہونے کا موقع مل سکتا۔ الغرض شرف فتح پور سے باہر ایک بازار تعمیر کر کے اس میں رنڈیاں ٹھکانی گئیں۔ اور اس جگہ کا نام ”شیطان پورہ“ رکھا گیا۔ اس اہتمام کے لیے ایک داروغہ متعین کیا گیا تاکہ جو کوئی ان سے صحبت کرے یا ان میں سے کسی کو اپنے مکان پر لے جائے اپنا نام درج کروائے۔ اگر کوئی اچھوٹی اور نار سیدہ رنڈی چپکے میں داخل ہوتی تھی اور اس کا خواستگار مقرر بارگاہ میں سے کوئی رئیس ہوتا تھا تو اس کے لیے داروغہ کو براہ راست بادشاہ سے اجازت لینا پڑتی تھی۔ واڑھی منڈانا بھی شریعت اکبری کا ایک موکد حکم تھا۔ ریش تراشی کی تسخیر انگیز دلیل یہ پیش کی گئی کہ واڑھی خصلوں کی رطوبت جذب کر لیتی ہے۔ اور اس طرح قوت مردانگی کمزور ہو جاتی ہے۔ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ اہداء ملازمت میں حکیم ابو الفتح نے میری واڑھی مقدار معوودہ سے چھوٹی دیکھی تو میر ابو الغیث بخاری کی موجودگی میں مجھ سے کہنے لگا کہ تمہارے لیے واڑھی کا کم کرنا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ میں نے کہا کہ حجام نے غلطی سے زیادہ کاٹ دی ہے۔ کہنے لگا۔ اچھا آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا کیونکہ نہایت نازیبا حرکت ہے اور چہرہ بد نما ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خود اس

نامح نے اکبری احکام کے ماتحت داڑھی بالکل صفا چٹ کرادی۔
دین اکبری میں خنزیر کی طرف دیکھنا عبادت تھا

دین اکبری میں کتا اور خنزیر دونوں جانور حلال و طیب تھے۔ یہ جانور حرم سلطانی میں شاہی محل کے نیچے بندھے رہتے۔ ہر صبح ان کی طرف دیکھنا عبادت تھا۔ واقعی یہ لوگ اسی قابل تھے کہ علی الصباح ان کی پہلی نظر کتے اور خنزیر پر پڑتی۔ ہنود نے اکبر بادشاہ کو یقین دلایا تھا کہ خنزیر بھی ایک اوتار ہے اور وہ ان دس مظاہر میں سے ایک ہے جن میں (معاذ اللہ) ذات باری نے حلول کیا ہے۔ بعض امراء کا یہ معمول تھا کہ اپنے کتوں کو دسترخوان پر اپنے ساتھ کھانا کھلاتے بصورت ہے۔ عکند ہم جنس با ہم جنس پر داز۔ اور عقل و خرد کے بعض دشمن بڑے فخر و مباہات سے کتے کی زبان اپنے منہ میں لے کر چوستے تھے مگر یہ کوئی نئی بات نہ تھی کتے کتوں کا منہ چاٹنا ہی کرتے ہیں۔

غسل جنات کی فرضیت بھی اڑا دی گئی۔ اس پر دلیل یہ پیش کی گئی کہ انسان کا خلاصہ نطفہ منی ہے جو نیلویں اور پاکوں کا تخم آفرینش ہے۔ یہ بالکل بے معنی بات ہے کہ پیشاب اور پاخانہ سے تو غسل واجب نہ ہو اور منی جیسی لطیف شے کے اخراج سے غسل ضروری ہو جائے۔ بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ پہلے غسل کریں اس کے بعد جماعت میں مشغول ہوں۔ اس کے متعلق معلوم ہو کہ طہارت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو حدث سے پاک ہونا۔ دوسرے بدن یا کپڑے یا جگہ کی نجاست سے پاکیزگی حاصل کرنا..... تیسرے بدن پر جو چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں ان سے طہارت حاصل کرنا۔ جیسے مونے زیر ناف یا ناخن یا میل کچیل۔ شریعت اسلام نے طہارت کبریٰ یعنی غسل کو تو حدث اکبر یعنی جنات کے لیے اس بنا پر مقرر کیا کہ جنات قلیل الوقوع اور کثیر التکوث ہے تاکہ انس کو ایسی ناپاکی میں مبتلا ہونے کے بعد ایک عمل شاق یعنی غسل سے تنبیہ ہو جائے اور طہارت صغریٰ یعنی وضو کو حدث اصغر یعنی پیشاب یا پاخانہ کے لیے مقرر فرمایا کیونکہ وہ کثیر الوقوع اور اس میں انس کو فی الجملہ تنبیہ ہو جاتی ہے جن لوگوں کے دلوں میں انوارِ مسلکیہ کا ظہور ہو چکا ہو وہ ناپاکی اور نجاست کی روح کو خوب متمیز کر سکتے ہیں۔ ان کے نفوس کو خود بخود اس حالت سے جس کا نام حدث ہے سے نفرت ہوتی ہے۔ اور اس حالت سے جس کو طہارت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ سرور اور انشراح صدر محسوس ہونے لگتی ہے۔ جماعت کے بعد غسل ایک ایسا عمل ہے جس پر ملل ساہو یہود نصاریٰ مجوس وغیرہ بھی ہمیشہ سے عمل پیرا چلی آئی ہیں۔ 65۔ پیشاب اور پاخانہ کا تعلق ہمارے جسم سے نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مختص القام فضلات ہیں اس لیے ان سے فراغت حاصل کرنے کے بعد انہی دو نجس مقامات کو دھو لینا کافی سمجھا گیا۔ مگر جماعت کا تعلق تمام جسم سے ہے اس لیے کہ بعد از حیات کی حکمت نوازی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس کے بعد تمام جسم کو دھویا جائے۔ عضو تناسل

جو ایک نجس مقام میں داخل ہو کر کثافت آلود ہو جاتا ہے۔ بظاہر اسی کا دھولینا کافی تھا۔ لیکن اس لحاظ سے کہ فعل جماع میں تمام اعضاء ابر کے شریک ہو کر متاثر ہوتے ہیں۔ غسل ضروری قرار دیا گیا۔ اکبری شرع میں خنزیر اور شیر کا گوشت کھانا مباح تھا۔ لباحث و علت یہ قرار دی گئی کہ ان کے کھانے سے انسان میں شجاعت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ شجاعت و سالت میں خنزیر خور قومیں دوسروں سے فائق نہیں ہیں۔ دنیا میں چین کے اندر خنزیر سب سے زیادہ کھایا جاتا ہے لیکن ان کا شمار دنیا کی پست و کم ہمت اقوام میں ہے۔ لحم خنزیر فساد عقل کا مورث ہے۔ اور اس کا کھانے والا دیوث و بے غیرت ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اور بہت سی دوسری مضر تہیں جو کتب طب میں مذکور ہیں اس میں موجود نہ ہوتیں تو بھی اس کا کھانا کسی طرح روانہ تھا کیونکہ سور نہایت کثیف جانور ہے۔ اس کو نجاست خوری میں جو شغف و انساک ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے خون کا ہر قطرہ اور جسم کا ہر عضو نجاست ہی سے نشوونما پاتا ہے اور شیر کا گوشت کھانے والا اس حد تک درشت خو، سبک دل اور قسی القلب ہو جاتا ہے کہ انجام کار اس میں اور خونخوار بھیڑیے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

اسلامی عبادات کا تمسخر

اکبر کے شریعت گروں نے چچا پھو بھی ماموں اور خالہ کی بیٹیوں سے شادی کرنا ممنوع قرار دیا تھا کیونکہ اس سے ان کے زعم میں میلان کم ہوتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ مجبوس کے بعض فرقوں میں ماں بہن خالہ پھو پھمی جیسی محرمات سے بھی شادی جائز ہے۔ اس کے برعکس ہنود میں دور کے رشتہ داروں سے بھی ازدواجی تعلقات قائم نہیں کئے جاتے لیکن یہ دونوں قومیں افراط و تفریط سے ہمکنار ہیں۔ صحیح اور معتدل طریقہ وہی ہے جس کی طرف اسلام نے رہنمائی فرمائی ہے۔ چچا پھو پھمی وغیرہ کی بیٹیوں کی طرف قریباً میلان ہوتا ہے اور جن عورتوں کی طرف میلان نہیں ہوتا ان سے شادی کرنے کی خود شریعت حق نے ممانعت فرمادی ہے۔ آئین اکبری میں مستطیع مردوں کے لیے سونے چاندی کا زیور اور ریشم لباس ضروری قرار دیا تھا حالانکہ یہ زنانہ زینت کی چیزیں ہیں۔ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ میں نے محروسہ کے اکبری مفتی کو دیکھا کہ اس نے خالص ریشم لباس پہن رکھا تھا۔ میں نے کہا شاید آپ کو اس کے جواز کی کوئی سند مل گئی ہو گی؟ کہنے لگا۔ ”ہاں جس شرمیں ریشم لباس رائج ہو جائے وہاں اس کا پہننا مباح ہے۔“ لیکن یاد رہے کہ یہ مسئلہ خود اس کا اپنا دماغی اختراع تھا۔ شریعت محمدی نے مرد کے لیے ریشم لباس کسی حالت میں جائز نہیں رکھا۔ نماز روزہ کو پہلے ہی سہاقط کیا جا چکا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ ملا مبارک نام ایک ولد الزنا نے جو ابو الفضل کا شاگرد و شاگرد تھا ایک رسالہ لکھ کر تمام مذہبہ اسلامی عبادات کا تمسخر اٹھایا۔

اہل ارتداد میں یہ رسالہ بہت مقبول ہوا۔ اور مؤلف پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے گئے۔
ہجری تاریخ پر طرف کر دی گئی اور ملوک عجم کی طرح اکبر کی ابتداء جلوس یعنی 963ھ سے تاریخ
شروع کی گئی۔ ذرشتیوں (پارسیوں) کی طرح عیدیں سال میں چودہ مقرر کی گئیں۔ اس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ مسلمانوں کی عیدوں کی رونق جاتی رہی۔ البتہ جمعہ کا دن حال رہنے دیا گیا تاکہ ضعیف
العمر لوگ جا کر اکبر شاہی خطبہ سن لیا کریں برس اور مہینہ کا نام سال الہی ماہ الہی رکھا گیا۔ مردوں پر
اس غرض سے ہزار کی تاریخ ثبت کی گئی کہ وہ (معاذ اللہ) انفراس دین تین محمدی ﷺ پر دلالت
کرے۔ عربی زبان فقہ 'تفسیر' حدیث کا پڑھنا پڑھانا اور جاننا عیب میں داخل ہو گیا اور علوم نجوم طب
ریاضی شعر گوئی 'تاریخ و افسانہ کی ترویج ہوئی۔ عربی زبان کے خاص حروف مثلاً طائغین صاد و صنادو
طائف تلفظ سے ہر طرف کر دیئے گئے۔ عبد اللہ کو لہذا اللہ اور قوم کا کوم تلفظ کیا گیا۔

اسلامی عقائد مثلاً نبوت کلام 'رویت تکلیف ذکر و عبادت کا استہزا کیا جاتا اور اگر کوئی
مسلمان منوانا چاہتا تو اکبری ملاعنہ اسے شکار عذاب میں کس دیتے تھے۔ پیغمبر خدا ﷺ کی شان پاک
میں دریدہ دہنی کی جاتی تھی۔ ارباب تصنیف خطبہ کتاب میں حمد الہی کے بعد بادشاہ کے لیے
یڈوے القاب لکھتے تھے اور کسی کی مجال نہیں تھی کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کا اسم گرامی لکھ سکے۔
گوندہب کا مذاق اڑایا جاتا تھا تاہم ابلسنت و جماعت کے مقابلہ میں رخص کی تائید کی جاتی تھی۔ اس
بنا پر شیعہ غالب اور اہل سنت مغلوب تھے۔ اور عام حالت یہ تھی کہ اختیار خانہ 'اشرار اہلین مقبول
مردود 'مردود مقبول' نزدیک دور دور نزدیک ہو گئے تھے۔ عامۃ الناس بات بات میں اللہ اکبر
کے نعرے لگاتے تھے اور یہ تکبیر خالق کردگار کی تکبیر نہیں تھی بلکہ اکبر اکبر کے نام کی تکبیر بندہ کی
جاتی تھی۔

اہل علم و فضل کا میخواری پر مجبور کیا جانا

جالس نوروزی میں اکثر علماء و صلحا فاضلیوں اور مفتیوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے اور قدح
نوشی پر مجبور کرتے تھے۔ رندوں کی بزم میں بے خوار شراب نوشی کے وقت کہتے تھے کہ میں اس
پیا۔ کو کوری فقہا کے ساتھ پیتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکبری دور الحاد میں لوگوں کا ایمان بھی بہت
کچھ کمزور ہو گیا تھا۔ گو سرکاری علماء و اہل میں جام بادہ کو حالت مجبوری اور سخت نفرت و استکراہ کے
ساتھ منہ سے لگاتے تھے لیکن آہستہ آہستہ یہ حالت جاتی رہی۔ چنانچہ ابو الفضل اکبر نامہ
میر پیتھیسویں جلوس کے زیر عنوان لکھتا ہے کہ اس مہینہ کے جشن میں شراب کا دور چل رہا تھا۔
میر صدر جہاں مفتی میر عبدالحی اور میر عدل نے بھی ایک ایک ساغر اڑایا۔ یہ دیکھ کر عتیق خدیو (اکبر)
نے یہ شعر پڑھا۔

درود رپادشاہ خطا بخش و جرم پوش قاضی قزلباش کش شد و مفتی پیالہ نوش 66۔
غرض یہ بھی تاثیر زمانہ کا ایک شعبہ تھا کہ مولوی کملانے والے لوگ بھی علیٰ رؤس
الاشہاد منہیات و محرمات کے مرتکب ہوتے تھے لیکن وہ علماء جن کے قدم ہمت دین کی راہ میں
استوار تھے وہ اب بھی پہاڑ کی چٹان سے زیادہ مضبوط تھے۔

ابوالفضل کی طرح اس کا باپ مبارک بھی بڑا مہذب و بے دین تھا۔ ایک مرتبہ وہ بادشاہ کے
سامنے بیربر سے کہنے لگا کہ جس طرح تمہاری کتابوں میں تحریفات ہیں اسی طرح دین اسلام میں بھی
بہت تحریفات ہو چکی ہیں اس لیے اسلام شایان اعتماد نہیں رہا۔ لیکن یہ ناہنجار اتنا نہ سمجھ سکا کہ اگر دین
اسلام بھی تحریفات سے ہمکنار ہے تو پھر دنیا میں کوئی مذہب بھی ایسا نہیں رہ جاتا جو بے داغ اور
قابل اتباع ہو۔ اکبری ملاحدہ نے اکبر شاہی دین اختراع کیا تھا۔ لیکن ہر ذی ہوش اس حقیقت کو تسلیم
کرے گا کہ وہ محض فواحشات کا مجموعہ اور بد معاشیوں کا مصدر و معدن تھا۔ اس سال قاضی جلال
الدین ملتانی کو فتح اللہ خاں بد خشی کے ساتھ جو نہایت متعصب اور بد مذہب رافضی تھا بدین خیال
دکن بھیج دیا گیا کہ وہاں کے حکام کو رافضی میں بڑا تعصب و غلو ہے۔ وہ لوگ قاضی جلال الدین کو
انواع عقوبت و رسوائی کے ساتھ قہر بلاکت میں ڈال دیں گے لیکن جب انہی رافضی نے دیکھا کہ
قاضی جلال الدین اسلام میں راسخ قدم اور کذابوں کے خلاف کلمہ حق کے اظہار میں سیف قاطع
ہیں تو رافضی کو چھوڑ کر ان کے معتقد ہو گئے۔ یہاں تک کہا کہ انہیں مدد و معاش کے لیے متعدد گاؤں
دیئے اور ان کی خدمت گزاری کو سعادت اور ان کی خاک پا کو سرمہ چشم یقین کرنے لگے۔ اکبری
دین میں دوسرے فواحش کی طرح جو ابھی حلال تھا۔ دربار میں ایک قمار خانہ قائم کیا گیا اور
قمار بازوں کو خزانہ عامرہ سے سو پر روپیہ قرض دیا جاتا تھا۔ شیخ تاج الدین نام ایک مبتدع کو اہل
تصوف کے شطیحات پر بڑا عبور تھا۔ بادشاہ کو اس کا حال معلوم ہوا۔ اس کو بلا بھیجرات کو اس سے
شطیحات سنا کرتا۔ اسی طرح مسئلہ وحدت وجود جو عوام الناس کو لاجت و الحاد کی طرف لے جاتا ہے اور
درمیان میں لایا گیا اور اس پر مہذبانہ استدلال کئے جانے لگے۔ اور لطف یہ کہ گم کردگان راہ ان
خرافات و کفریات کو دین الہی کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

لاہور میں خزیروں کی لڑائی

اکبر نے منادی کرا دی تھی کہ کوئی مسلمان پندرہ سال کی عمر سے پہلے اپنے بیٹے کا ختنہ نہ
کرے۔ تاکہ اس عمر پر پہنچ کر وہ اپنے لیے جس دین کو چاہے پسند کر لے۔ پادری بنیرے کا بیان ہے
کہ اکبر بادشاہ نے 3 ستمبر 1595ء کو پادری منہیر و کے نام ایک خط لاہور سے بھیجا جس میں لکھا کہ
میں نے اس ملک میں اسلام کا نام و نشان نہیں چھوڑا یہاں تک کہ لاہور میں ایک بھی ایسی مسجد نہیں

رہی جسے مسلمان استعمال کر سکیں تمام مسجدیں میرے حکم سے اصطلب اور گودام بنادی گئی ہیں۔ اکبر بادشاہ فتح شیر کے بعد لاہور چلا آیا تھا اور سالہا سال یہیں رہ کر فتنہ انگیزی میں مصروف رہا۔ پادری بیڑے لکھتا ہے کہ لاہور میں جمعہ کے دن جو مسلمانوں کا متبرک دن ہے اکبر کے سامنے چالیس پچاس خنزیر لاکر باہم لڑائے جاتے تھے۔ اس نے ان کے اگلے دانتوں پر سونے کے پترے چڑھا رکھے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سوروں کی لڑائی کا مقصد محض اسلام کی تحقیر تھی کیونکہ مسلمان خنزیر کو نہایت ناپاک سمجھتے ہیں۔ 67۔ یہ بد نصیب جس قعر ہلاک میں خود پڑا تھا دوسروں کو بھی اسی ورطہ میں ڈالنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اکبر اور اس کے ندیم قطب الدین خاں اور شہباز خاں سے جو اعلیٰ عہدہ دار تھے کہنے لگے کہ دین اسلام کی تقلید چھوڑ دو۔ انہوں نے اس سے انکار کیا۔ قطب الدین خاں اکبر سے کہنے لگا کہ دوسرے ملکوں کے بادشاہ مثلاً سلطان روم وغیرہ جو دین اسلام کے عاشق زار ہیں۔ یہ باتیں سنیں گے تو کیا کہیں گے۔ ”اکبر کہنے لگا کہ تو سلطان روم کا نمائندہ بن کر اس کی طرف سے ہمیں دھمکی دیتا ہے؟ اور معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں سے جا کر سلطان کے پاس کوئی عہدہ حاصل کر لو گے۔ اُس کی خیال ہے تو اچھا ہیں چلے جاؤ۔ جب شہباز خاں کو دین اسلام سے دستبردار ہونے کی ترغیب دی گئی تو وہ بڑا جھڑوا۔ وہ لعین دین حنیف کے خلاف زبان طعن دراز کرنے اور علمانہ گالیاں دینے لگا۔ شہباز خاں کی رگ غیرت جوش میں آگئی اور ڈانٹ کر کہا اے کافر ملعون! تو بھی اسلام کو مطعون کرنے کا منہ رکھتا ہے؟ اچھا ہم تجھے سمجھ لیں گے۔ غرض دربار میں بہت ہلچل مچی۔ اور تو تو میں میں ہوئی۔ اکبر شہباز خاں سے بالخصوص اور دوسروں سے بطریق اجمال کہنے لگا کہ میں ابھی حکم دیتا ہوں کہ نجاست بھری جوتی لا کر تمہارے منہ پہ ماریں۔ یہ سن کر قطب الدین خاں اور شہباز خاں دربار سے چلے آئے۔ ایک مرتبہ اعظم خان جو خان اعظم کے لقب سے مشہور تھا۔ گجرات سے فتح پور آیا اور یہ دیکھ کر کہ دربار اکبری کا مذہبی زمین و آسمان ہی کچھ سے کچھ ہو گیا ہے اسے سخت حیرت ہوئی آخر اس سے نہ رہا گیا۔ اہل دربار کے دروغانہ اقوال و افعال پر بے تحاشہ اعتراض کر کے صدق گوئی اور نبی منکر کا حق ادا کیا۔ اکبر کو یہ ”مداخلت“ سخت ناگوار ہوئی۔ حکم دیا کہ خان اعظم اتنے دن تک کورنش کے لیے نہ آئے اور اس پر اس غرض سے چوکیدار مقرر کر دیئے کہ عمائد سلطنت میں سے کوئی اس شخص سے ملاقات نہ کرے۔ اس کے بعد محض اس ”جرم“ میں کہ کلمہ حق زبان پر لایا۔ معزول کر کے اسے آگرہ بھیج دیا۔ وہ بے چارہ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اپنے باغ کے ایک زاویہ تنہائی میں جا بیٹھا۔ غرض اس سیل الجام میں کشتی شکرستان اسلام کا جلوہ ماویٰ بجز ذات رب العالمین کے اور کوئی نہ تھا۔

اکبر کے مرید

اکبر نے مشائخ طریقت کے نام فرمان جاری کیا کہ کوئی شخص کسی سے بیعت نہ لے۔ اور اگر کسی کی نسبت معلوم ہوتا کہ وہ پیری مریدی کرتا ہے یا اس کے ہاں مجلس سماع قائم ہوتی ہے تو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جاتا تھا۔ کمالہ کی طرف جو اس زمانہ میں کالے پانی کا حکم رکھتا تھا باطن کر دیا جاتا۔ مشائخ کی جگہ بادشاہ لوگوں سے خود بیعت لینے لگا۔ اکبر کے مرید جو چیلے کھلاتے تھے ترک چہارگانہ کا اقرار کرتے تھے۔ ترک مال، ترک جان، ترک ناموس، ترک دین جو شخص صفات چہارگانہ سے متصف ہوتا تھا وہ اعلیٰ درجہ کا مکمل مرید خیال کیا جاتا تھا اور جس میں ایک یا دو یا تین صفات ہوتے تھے وہ چوتھائی آدمی یا پون مرید ہوتا تھا۔ میر برکاد عموماً تھا کہ صفات چہارگانہ کا حامل اور پورا مرید ہوں۔ لیکن اس کی اخلاقی حالت یہ تھی کہ بہن 60 - بیٹی تک سے بھی درگزر نہیں کرتا تھا۔ بارہ بارہ آدمیوں کی ٹولی آکر اکبر کے ہاتھ پر بیعت کرتی تھی۔ بعض مشائخ طریقت میں شجرہ کا رواج ہے۔ اکبر شجرہ کی جگہ مریدوں کو اپنی تصویر دیتا تھا اس تصویر کا پاس اور زیر زیارت رکھنا بہت کچھ رشد و سعادت اور ترقی الہیہ کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔ مرید اس تصویر کو ایک غلاف میں لپیٹ کر جو باہر سے مرصع ہوتا تھا عمامہ کے اوپر ڈالے رہتے تھے۔ اکبر نے اسلامی سلام کو بھی ہر طرف کر دیا تھا۔ سلام کی جگہ معمول تھا کہ جب اکبری مرید آپس میں ملاقات کرتے تو ان میں سے ایک اللہ اکبر کہتا دوسرا اس کے جواب میں جل جلالہ پکارتا۔ یہ لوگ جس وقت اور جہاں کہیں اکبر کو دیکھتے سر بسجود ہو جاتے اور صرف انہی ارادت مندوں پر موقوف نہیں۔ رغایا میں سے ہر شخص سجدہ کا مامور تھا۔ سجدہ کو چھ لوگ زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ رعایا کو سجدہ پر سخت مجبور کیا جاتا تھا۔ حالانکہ یہ دنیا کے خالق و رازق اور اعظم الحاکمین کا اصل حق ہے۔ اسلام نے مساوات کا جو اصول قائم کیا ہے اس کے رو سے بادشاہ و رعایا، امیر و غریب، اعلیٰ و ادنیٰ سب کا ایک درجہ ہے لیکن اکبر کے دربار میں بجز طریقہ مہودیت کے کوئی شخص کچھ عرض معروض نہیں کر سکتا تھا۔ شعراء اکبر کی مدح و توصیف لکھ کر لاتے تھے اور اسے خدا سے واحد کا ہمسرہ ماننے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا جاتا تھا۔ اکبر ان لوگوں کو اپنی آنکھوں پر بٹھاتا تھا جو اسے خدا سے بڑھ کر مظهر بتاتے یا دین حنیف سے اظہار براہ کرتے تھے۔ انجام کار آمد کو وہ دینی نے یہاں تک خوفناک صورت حال اختیار کر لی کہ بہت سے اہل ارتداد جیسے میرزا پانی حاکم ٹھٹھہ اور دوسرے اعداء اللہ نے اس مضمون کے خطوط لکھ کر اکبر کے پاس بھیج دیے کہ میں جو کلاں بن کلاں بن کلاں ہوں طوع و رغبت اور شوق قلبی کے ساتھ دین اسلام سے کہ مجازی اور عقیدہ کی ہے اور اپنے گناہوں سے اہل اہل حاصل کیا تھا اظہار میرا کرنا ہوں اور اس سے کلیتہً منقطع ہو کر دین اعلیٰ اکبر شاہی میں داخل ہوتا ہوں اور اخلاص کے چہارگانہ مراتب ترک مال ترک جان ترک ناموس ترک دین کو قبول کرنا ہوں۔ اس مضمون کے لغت نامے جن لوگوں نے لکھ کر مجتہد جدید (اکبر) کو پہنچے تھے وہ بھاری آہنی میں بڑے معزز و محترم تھے۔

اکبر کا سب سے بڑا مرید

اکبر کا سب سے بڑا مرید جو فی الحقیقت اس کا گرد تھا ابو الفضل تھا۔ ابو الفضل کا باب شیخ مبارک ابتدا سندھ سے نقل مکانی کر کے ناگور چلا آیا تھا۔ جواہیر سے شمال مغرب میں واقع ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد مبارک نے دریائے جہنا کے بائیں کنارے سے جا کر آگرہ کے بالقابل بود باش اختیار کر لی تھی۔ اس کے دونوں بچے فیضی اور ابو الفضل بیس پیدا ہوئے تھے۔ مبارک مذہباً ممدوی تھا۔ یعنی سید محمد جوئیوری کو ممدی موعود مانتا تھا۔ فیضی 975ھ میں دربار اکبری میں پہنچ کر سلک امراء میں منسلک ہوا۔ اس کے سات سال بعد یعنی 982ھ میں فیضی کی سعی و سفارش سے اس کا چھوٹا بھائی ابو الفضل بھی درباریوں میں آ شامل ہوا۔ یہی ابو الفضل اکبر کا گراہ کنندہ تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو الفضل سے راستہ میں میری ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ ادیان و ملل عالم میں سے کس دین و ملت کی طرف تمہاری طبیعت کا میلان ہے۔ کہنے لگا میری خواہش ہے کہ کچھ عرصہ وادی الحاد کی سیر و سیاحت کروں۔ میں نے کہا کہ اگر عقد مناکحت کی قید بر طرف کر دو کیا مضائقہ ہے چنانچہ کہا گیا ہے۔

برداشت نخل شرع بتائید ایزدی از گردن زمانہ علی ذکرہ السلام

یہ سن کر جنس دیا اور جواب دیئے بغیر چلا گیا۔ جس طرح ابو الفضل کے دل میں اہل ایمان کے خلاف غبار کدورت بھرا تھا اسی طرح درباب ایمان کو بھی اس سے بڑی نفرت تھی۔ چنانچہ حکیم الملک ابو الفضل کو فضلہ کہا کرتا تھا۔ اکبر کو معلوم ہوا تو اس نے حکیم الملک کے لیے جلا وطن کا حکم دیا۔ بے چارے بری طرح نکالے گئے۔ گو ابو الفضل پیروان مذاہب کو اچھا نہیں جانتا تھا لیکن چونکہ اہل سنت و جماعت کا بغض اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اہل سنت کے مقابلہ میں ہر باطل مذہب کی تائید ضروری خیال کرتا تھا۔ ملا احمد نام ایک رافضی ابو الفضل کے متوسلین میں سے تھا جو ابو الفضل کی شہ پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو علی روس الا شہاد گالیاں دیتا تھا۔ ایک مرتبہ اکبر لاہور آیا ہوا تھا۔ ملا احمد صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے خلاف سب و شتم کی غلاظت اچھالنے لگا۔ ایک غیور مسلمان میرزا فولاد بیگ برلاس نے اس کو کسی بہانہ سے بلا کر عفریت شمشیر کے حوالے کر دیا۔ اس واقعہ کی دو تاریخیں نکالیں گئیں۔ ایک یہ تھی ”آن زبے خنجر فولاد“ دوسری یہ تھی ”خوک سقری“ بدایونی لکھتے ہیں کہ وہ کتنا کئی دن تک حالت نزع میں دم توڑتا رہا۔ اس اثناء میں اس کا چہرہ مسخ ہو کر سور کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ بہت لوگوں نے اس کو اس حالت میں دیکھا۔ میں بھی گیا تو اسے خنزیر کی شکل میں پایا۔ اکبر بادشاہ نے حکم دیا کہ میرزا فولاد کو با تھی کے پاؤں سے باندھ کر شہر میں پھرائیں۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور ہر قوم نے جنت الفردوس کی راہ لی۔ قاتل

مقتول سے تین چار روز پہلے زیر خاک پہنچا۔ ابو الفضل نے اس کی قبر پر محافظ مقرر کر دیئے بائیں ہاتھ اہل لاہور نے اس کے جسم نپاک کو قبر سے نکال کر جلا دیا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ ابو الفضل نے علماء صلحا، ضعفا، یتامی و مساکین سب پر چر کے لگائے تھے۔ جس کسی کو سرکار کی طرف سے مدد معاش ملتی تھی اور وظائف مقرر تھے سب ہند کرا دیئے۔ اکثر یہ ربائی پڑھا کرتا تھا۔

فصل 3۔ ہندو پن کا اظہار اور مشرکانہ رسوم کی پیروی

اپنے اختراعی دین کے علاوہ اکبر بہت سی باتوں میں ہندو کا ہمرنگ و ہم نوا تھا۔ ان کے اصول و ہرم اپنے مذہب میں داخل کر دیئے تھے۔ پرکھوتم نام ایک برہمن دار السلطنت میں آیا۔ اکبر اس کو خلوت میں لے گیا۔ اور اس سے موجودات کے ہندی نام سیکھے۔ اسی طرح ایک برہمن کو جو ممبھارت کا ممبر و مفسر تھا ایک چارپائی پر بٹھا کر اوپر کو اٹھوایا اور اپنی خواب گاہ کے پاس معلق رکھ کر اس سے ہندی افسانے سیکھے اور اس سے مت پرستی، آتش پرستی، آفتاب پرستی اور تعظیم کو اکب کی تعلیم لی۔ اسی طرح ہر بھما، مہادیو، ہشن، کشن، رام وغیرہ دیوتاؤں کی پوجا کرنے کا طریقہ معلوم کیا۔

آفتاب کی پرستش

بیر بر نے یہ بات اکبر کے ذہن نشین کی تھی کہ آفتاب مظہر تام ہے۔ غلہ زراعت، میوہ اور گھاس وغیرہ نباتات اسی کی تاثیر سے پکتی ہیں۔ دنیا کی روشنی اور اہل علم کی زندگی اسی سے وابستہ ہے۔ پس آفتاب سب سے زیادہ عبادت کے لائق ہے۔ عبادت کے وقت مغرب رو ہونے کے جانے مشرق کی طرف منہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح آگ، پانی، پتھر، درخت اور گائے اور اس کے گوشت، تنک، جملہ مظاہر کا احترام اور قنقہ اور زہار کی جلوہ گری چاہیے۔ اور بتایا کہ علماء و فضلاء کے ارشاد کے بموجب آفتاب نیر اعظم، تمام عالم کا عطیہ بخش اور بادشاہوں کا مرئی ہے۔ ان باتوں کا اکبر کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اس روز سے نوروز جلالی کی تعظیم ہونے لگی۔ اس دن ہر سال بڑا جشن منایا جاتا تھا۔ اکبر اور اس کے وزیر اس دن ایسا لباس پہنتے تھے جو سب سے زیادہ میں سے کسی کو کب کی طرف منسوب تھا۔ آدھی رات اور طلوع آفتاب کے وقت تسخیر آفتاب کی اس دعا کا ورد کیا جاتا تھا جو اکبر نے برہمنوں سے سیکھی تھی۔ علی الصباح بیداری کے بعد شرق رویہ کھڑکیوں میں جا بیٹھتا تھا کہ پہلے آفتاب کے درشن ہوں۔ حکم دیا تھا کہ تعظیم آفتاب کے لیے مردوں کو قبر میں شرق رویہ رکھیں۔ سلطان خواجہ جو اکبر کے خاص الخاص مریدوں میں سے تھا اس کی قبر ایک خاص وضع پر بنائی گئی اور لاش کو بدیں محل نیر اعظم کے مقابلہ میں رکھا گیا کہ اس کی روشنی جو گناہوں کو محو کرتی ہے۔ ہر صبح جسم پر پڑتی رہے۔ کہتے ہیں کہ جب سلطان خواجہ کو قبر میں لٹا چکے تو اس کے منہ پر آگ کا شعلہ بھی پھرایا گیا تھا۔ شاید

اور گھاس وغیرہ نباتات اسی کی تاثیر سے پکتی ہیں۔ دنیا کی روشنی اور اہل علم کی زندگی اسی سے وابستہ ہے۔ پس آفتاب سب سے زیادہ عبادت کے لائق ہے۔ عبادت کے وقت مغرب رو ہونے کے بجائے مشرق کی طرف منہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح آگ، پانی، پتھر، درخت اور گائے اور اس کے گوشت تک جملہ مظاہر کا احترام اور قشقہ اور زنا کی جلوہ گری چاہیے۔ اور بتایا کہ علماء و فضلاء کے ارشاد کے بموجب آفتاب نیر اعظم، تمام عالم کا عطیہ بخش اور بادشاہوں کا مربی ہے۔ ان باتوں کا اکبر کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اس روز سے نوروز جلالی کی تعظیم ہونے لگی۔ اس دن ہر سال بڑا جشن منایا جاتا تھا۔ اکبر اور اس کے وزیر اس دن ایسا لباس پہنتے تھے جو سبعہ سیارہ میں سے کسی کو کب کی طرف منسوب تھا۔ آدھی رات اور طلوع آفتاب کے وقت تغیر آفتاب کی اس دعا کا ورد کیا جاتا تھا جو اکبر نے برہمنوں سے سیکھی تھی۔ علی الصباح بیداری کے بعد شرق رویہ کھڑکیوں میں جا بیٹھا تھا کہ پہلے آفتاب کے درشن ہوں۔ حکم دیا تھا کہ تعظیم آفتاب کے لیے مردوں کو قبر میں شرق رویہ رکھیں۔ سلطان خواجہ جو اکبر کے خاص الخاص مریدوں میں سے تھا اس کی قبر ایک خاص وضع پر بنائی گئی اور لاش کو بدیں محل نیر اعظم کے مقابلہ میں رکھا گیا کہ اس کی روشنی جو گناہوں کو محو کرتی ہے۔ ہر صبح جسم پر پڑتی رہے۔ کہتے ہیں کہ جب سلطان خواجہ کو قبر میں لٹا چکے تو اس کے منہ پر آگ کا شعلہ بھی پھرا گیا تھا۔ شاید اس کا مقصد ہوگا کہ آگ ان کے گناہوں کو جھلس دے جو منہ نے کئے۔ جب اکبر کے پیردوؤں کے سامنے آفتاب کا ذکر آتا تھا تو یہ گم کردگانِ راجتِ عظمتہ و عزشانہ کہہ اٹھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفتاب کو خالق کون و مکان یا کم از کم خالق پچوں کا مظہر گمان کرتے تھے۔ جس طرح لوگ باقاعدہ پانچ وقت خدائے واحد کی پرستش کرتے ہیں۔ اسی طرح دین اکبری کے پیر و روزانہ چار مرتبہ آفتاب کی پوجا پاٹ میں مصروف رہتے تھے۔ یہ چار اوقات یہ تھے: سحر، دوپہر، شام اور نیم شب۔ آفتاب کے ایک ہزار ایک ہندی نامہ و پیر کے وقت محصور قلب پڑھے جاتے تھے۔ طریق عبادت یہ تھا کہ دونوں کانوں کو پکڑ کر تھوڑا سا اٹھتے تھے۔ ہانگوش کو مٹھیوں سے آہستہ آہستہ کوٹتے تھے۔ عبادت کے وقت اسی قسم کے بعض اور تمسخر انگیز حرکتیں بھی ان سے اکثر ہوتی تھیں۔ اکبر اور اس کا ہر چیلہ داڑھی منڈاتا۔ اور قدامت پسند ہندو کی طرح پیشانی پر قشقہ لگاتا تھا۔ بھدر اکا بہت پابند تھا۔ محمد حسین صاحب آزاد لکھتے ہیں کہ مریم سکانی باؤ شاہ کی والدہ مرگئیں۔ امرائے دربار وغیرہ چندرہ ہزار آدمیوں نے بادشاہ کے ساتھ بھدر اکیا۔ انالینی خان اعظم مرزا عزیز کو کلاتش خاں کی ماں مرگئی اس کا بڑا ادب تھا اور نہایت خاطر کرتے تھے۔ خود (اکبر) اور خان اعظم نے بھدر اکیا۔ خبر پہنچی کہ لوگ بھی بھدرہ کروا رہے ہیں۔ کہلا بھیجا کہ اوروں کو کیا ضرورت ہے۔ اتنی دیر میں چار سو سو اور منہ صفا چٹ ہو گئے۔ 68۔ کاش آزاد صاحب اس وقت فتح پور میں موجود ہوتے اور انہیں بھی اپنے محبوب حقیقی اکبر شاہ کے ساتھ بھدر کرانے کا شرف حاصل ہو سکتا۔ مگر عجب

نہیں کہ آزار صاحب نے اس واقعہ کی یاد میں بیس لاکھ روپے بھجوائے پھر راکر لیا ہو اور ”منہ صفا چٹ“ ہونے کی سعادت تین صدیاں بعد ہی حاصل کر لی تھی۔ آٹھ سو میں دوسرے فقارہ جایا جاتا تھا۔ ایک نصف شب میں اور دوسرا طلوع آفتاب کے وقت۔ مسجدوں اور صومعوں پر پروہت قاضی و متصرف ہو گئے۔ مساجد میں نماز باجماعت کی جگہ جماع ہوتا تھا۔ جمعہ کے روز جو مضحکہ خیز اذان دی جاتی تھی اس میں حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کا مذاق اڑانے کے لیے حی علی یللا کہا جاتا تھا۔ اکبر کے چیلے آفتاب کی عبادت کرتے وقت جب تک جھروکہ میں سے بادشاہ کا چہرہ نہیں دیکھ لیتے تھے مسواک نہیں کرتے تھے اور ہاتھ منہ نہیں دھوتے تھے۔ اس وقت تک پانی اور ناشتا بھی حرام تھا۔ ہر کس و ناکس کو بارعام تھا کہ وہ بادشاہ کے درشن کے انتظار میں ہو۔ جو نئی اکبر نیر اعظم کے ہزار اور ایک نام پڑھنے کے بعد برآمد ہوتا تمام لوگ سر بسجود ہو جاتے۔ برہمنوں نے اکبر کے بھی ہزار اور ایک نام مدون کر دیئے تھے۔ یہ لوگ اپنے اسلاف کی زبانی ہندی شعر پڑھ پڑھ کر اکبر کو سناتے تھے اور ان کا مطلب یہ بتاتے تھے کہ ہندوستان میں ایک عظیم القدر بادشاہ پیدا ہو گا جو برہمنوں کا احترام اور گائے کی پوجا کرے گا اور معمورہ عالم کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ بادشاہ بالکل جاہل و ناخواندہ تھا۔ وہ بوسیدہ و کرم خوردہ کتابیں لالا کر اسے دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے بزرگ ان کتابوں میں آپ کی تعریف لکھ گئے ہیں۔ یہ سن کر اکبر کی باچھیں کھل جاتی تھیں۔ اکبر برہمنوں کی تعلیم سے متاثر ہو کر قیامت کا منکر ہو گیا تھا۔ برہمنوں نے اسے یقین دلایا تھا کہ تحلیل بدن کے بعد طریق تناسخ کے بغیر روح کی بقا بالکل محال ہے۔

تناسخ کا عقیدہ

جب محرم 990ھ میں اعظم خاں بنگالہ سے فتح پور وارد ہوا تو اکبر اس سے کہنے لگا کہ ہمیں حقیقت تناسخ کے قطعی دلائل مل گئے ہیں۔ شیخ ابو الفضل وہ دلائل تمہارے ذہن نشین کرے گا۔ یقین ہے کہ تم ان کو سن کر قائل ہو جاؤ گے۔ لیکن ابو الفضل اسے مطمئن نہ کر سکا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تناسخ کے جو دلائل آریہ لوگ یا ان کے ہم خیال بیان کیا کرتے ہیں وہ تاریکیوں سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ اکبر تالو کے بال منڈاتا اور دوسرے حصہ ہر کے بال رکھتا تھا۔ برہمنوں کی تعلیم کے بموجب اس کا گمان تھا کہ کالموں کی روح پیشانی کی راہ سے جو ہم و گمان کی گزر گاہ ہے نکلا کرتی ہے۔ برہمنوں نے اکبر کو بتایا تھا کہ جب تمہاری روح اس کالبد سے نکلے گی تو ایک ذی شوکت صاحب اقتدار حکمران کے جسم میں داخل ہوگی۔ عجیب نہیں کہ ہندو ہیرا گڑھ کو ہندو سنگھ کے جسم میں اسی اکبر الکفر کی روح آکھسی ہو۔ چونکہ جوگی لوگ جوق در جوق آتے رہتے تھے اور اکبر ان کے ”فیض صحبت“ سے ”سعادت اندوز“ ہوتا تھا۔ اکبر نے ان کے قیام کے لیے ایک محلہ آباد کر دیا تھا جسے جوگی

پورہ کہتے تھے۔ بادشاہ رات کے وقت اپنے چند ندیموں کے ساتھ جوگی پورہ جاتا۔ ان کے پاس اور ان کے جمولات حقائق اور مخصوص جوگیانہ اشغال لیکھتا۔ سال میں ایک مرتبہ جوگیوں کا میلہ لگتا جسے سیورات کہتے ہیں۔ اکبر ان کے پاس جا کر ہم نوالہ و ہم پیالہ ہوتا تھا۔ جوگیوں نے اکبر کو یقین دلایا تھا کہ تم عمر طبعی سے چار چند عمر پاؤ گے۔ اس بشارت کے بعد ان کی تقلید و موافقت کے خیال سے اکل و شرب اور مہاشرت میں کمی کر دی تھی۔ خصوصاً گوشت کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ عمر طبعی اسی سال ہی لی جائے تو اکبر عمر طبعی کو بھی نہ پہنچ سکا کیونکہ وہ 1542ء میں پیدا ہوا اور 1605ء میں مرا۔ اس طرح اس نے کلمہ 63 سال کی عمر پائی۔ یہ صحیح ہے کہ اکل و شرب اور مہاشرت کی تحفیف و تغلیل ایسے اسباب ہیں جن کو قیام صحت بقائے جوانی اور قوت جسمانی میں بہت کچھ دخل ہے لیکن یہ چیزیں عمر کو کسی طرح بڑھا نہیں سکتیں۔ ان دنوں گجرات کا ٹھیادڑ میں نوساری نام ایک شہر پارسیوں کا مذہبی مرکز تھا۔ پارسی لوگ زرتشت (یا زردشت) کے پیرو ہیں۔ ان لوگوں کو اکبر کی لاندہی اور الحاد پسندی کا علم ہوا تو وہ اس کوشش میں فوج پور پہنچے کہ اسے پارسی مذہب کا پیرو بنالیں۔ انہوں نے آکر اسے بتایا کہ دنیا میں دین زرتشت ہی حق ہے اور آگ کی تعظیم بہت بڑی عبادت ہے انہوں نے اکبر کو جو زرتشتیہ کی طرح اپنے ہر نئے خواستگار سے تعلق پیدا کر لیتا تھا اپنی طرف مائل کر لیا۔

آتشکدہ کا قیام اور آگ کی پرستش

اکبر نے حکم دیا کہ ملوک غم (ججی حکمرانوں) کی روش کے مطابق آتشکدہ قائم کیا جائے چنانچہ ابو الفضل کے اہتمام میں ایک آتشکدہ جاری کیا گیا۔ جس میں رات دن کے چوبیس گھنٹے بدیں خیال آگ محفوظ رکھی جاتی تھی کہ یہ بھی آیات اللہ میں سے ایک آیت اور انوار خداوندی میں سے ایک نور ہے۔ جب سے ہندو راجاؤں کی لڑکیاں حرم میں آئی تھیں محل میں ہوم کا معمول ہو گیا تھا۔ ہوم سے مراد وہ آتش پرستی ہے جو ہندو طریق عبادت کے بموجب ہو۔ پہلے تو اکبر اور اس کے پیروؤں میں صرف آفتاب پرستی معمول تھا۔ لیکن پارسیوں کی آمد کے بعد آگ کی بھی پرستش ہونے لگی۔ چنانچہ پچیسویں سال جلوس میں لیا م نوروز کے اندر آفتاب کی طرح آگ کو بھی علانیہ عہدہ کیا گیا۔ تمام مقربان بارگاہ شمس اور چراغ روشن کرتے وقت تعظیماً سر و قد کھڑے ہو جاتے تھے۔ معمول تھا کہ آٹھویں سنبھہ کی عید کے دن تمام اعیان دولت ہند کی رسم کے موجب پیشانی پر قشقہ لگا کر قصر شاہی میں جاتے وہاں برہمن موجود ہوتے۔ وہ عمائد سلطنت میں سے ہر ایک کو جو اہر دار مالابطور تہرک عطا کرتے۔ لوگ نہایت حسن اعتقاد کے ساتھ اس کو ہاتھوں لپیٹ لیتے۔ اس کے بعد امراء بھی مروارید اور زرد جواہر برہمنوں کی نذر کرتے۔ اس وقت

حالت یہ تھی کہ ہنود عیسائی پارسی وغیرہ وغیرہ اسلامی ادیان کے مذہبی سرگروہ جو کچھ بھی کہہ دیتے ایسے نص قاطع شمار کیا جاتا لیکن ملت فیضی کے تمام احکام ان سرعشکان کوئے ضلال کی نظر میں (معاذ اللہ) نامعقول اور ناقابل اتباع تھے۔ جلوس کے چھتیسویں سال کے آغاز میں اکبر نے اعلان کیا کہ گائے بھینس گھوڑے اور اونٹ کا گوشت حرام ہے۔ کوئی شخص قصاب کے ساتھ کھانا نہ کھائے۔ جو شخص کسی قصاب کے ساتھ کھانا تناول کرے گا۔ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر قصاب کی بیوی اپنے شوہر کے ساتھ کھانا کھائے گی تو اس کا انگوٹھا قطع کیا جائے گا۔ یہ بھی اعلان ہوا کہ اتوار کے دن مطلقاً کوئی جانور ذبح نہ ہو۔ ماہ آبان کے اٹھارہ دن اور ہنود کے خاص خاص دنوں میں ممالک محروسہ کے اندر جانور ذبح کرنے کی خاص طور پر ممانعت کی گئی۔ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرتا اس کو عبرت ناک سزا دی جاتی اور اس کا خانماں برباد کر دیا جاتا۔ اکبر نے خود ایک سال تک گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ اور اس کی خواہش تھی کہ ہندو گوشت سے دست بردار ہو جائے۔ اصل یہ ہے کہ بڑے بڑے ہندو راجاؤں کی لڑکیاں قصر شاہی کی زینت بنی ہوئی تھیں۔ اکبر کے مزاج پر حاوی ہو گئی تھیں۔ انہیں گاؤ خوار و ریش دار مرد سے سخت نفرت تھی۔ اس لیے ان کے پاس خاطر سے نہ صرف ان چیزوں سے پرہیز کرتا تھا بلکہ ان کی خوشنودی طبع کی خاطر ہنود کے رسم و رواج کا پابند ہو گیا تھا۔ اس جذبہ نے یہاں تک افسوسناک حالت اختیار کر لی تھی کہ محمد احمد مصطفیٰ اور اس قسم کے دوسرے اسماء گرامی بیرونی ہندوؤں اور اندرونی اہل حرم کی رعایت سے قابل نفرت ہو گئے تھے۔ مقربان بارگاہ میں سے جن جن لوگوں کے نام اس وضع کے تھے ان کو بدل دیا گیا۔ مثلاً محمد امین کو امین الدین یا محمد خاں کو یار خاں اور محمد رحمت کو رحمت خاں لکھتے اور بولتے تھے۔ واقعی یہ لوگ اس قابل نہ تھے کہ ان مقدس ناموں سے موسوم ہوتے۔ اچھا ہوا کہ یہ نام نجاست کی آلودگی سے پاک ہو گئے۔ خنزیر کی گردن میں پیش بہا جواہر کا لٹکانا انتہا درجہ کا ستم ہے۔ یہ بھی حکم تھا کہ ہندو عورت کو مسلمان ہونے سے روکا جائے اور اگر مسلمان ہو جائے تو اسے جبراً و قہراً اس کے ہندو اقربا کے حوالے کیا جائے۔ اکبر نے جو ہندو پنٹھ کی پیروی اور ہندو نوازی کا مسلک اختیار کیا ظاہر ہے کہ اس کے سایہ حمایت میں ہندوؤں کے تسلط و اقتدار اور جو روستم کا مقیاس الحمرات کس درجہ تک پہنچ گیا ہوگا۔ ملک کی نوے فیصد معاش پہلے ہی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ اکبر نے انہیں باقی ماندہ پانچ فیصد پر بھی حاوی کر دیا۔ ضروریات لشکر کی فراہمی سب ہنود کے ہاتھ میں تھی۔ دوسری سرکاری ضروریات کے بھی ہندو ہی اجارہ دار تھے۔ فرش فروش سواریاں دربار اور قصر شاہی کے سامان آرائش سب ہندوانے تھے۔ غرض اس نے ہندوانی ریت و رسوم کا رنگ دے کر ہر چیز کو ہندو بنادیا۔

فصل 4۔ دعوائے نبوت و مہدویت اور علماء پر تشدد

اکبر پختہ مغزی کے جوہر سے بالکل عاری تھا جس طرح سرخ کپڑا اہل کو غضبناک کر دیتا ہے اسی طرح کلمہ حق اس کو از خود رفتہ اور مغلوب الغضب کر دیتا تھا۔ ایک طویل پر شکوہ فرمائی روانی اور تعلق شعار مصاحبوں کی خوشامد نے اس کا دماغ نشہ باطل سے معطل اور اس کے جذبات بیجاں خود پرستی سے مجنونانہ کر دیئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل دربار میں سے کوئی شخص اس کو دینداری اور توجہ الی اللہ کی ترغیب دینے کا حوصلہ کر بیٹھتا تھا تو یہ عالم غیض میں نہایت طریق پر ناصح سے انتقام لیتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیخ عبدالنبی نے جن کی نسبت ابو الفضل نے اکبر نامہ میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالنبی صدر کہ کوئس کے شیخ الاسلامی بنام لوی زوندہ۔ 69۔ اور خود اکبر کسی زمانہ میں ان کی جوتیاں اپنے ہاتھ سے سیدھی کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کوئی کلمہ حق اکبر سے کہہ دیا۔ مغلوب الغضب درندے کی طرح شیخ پر جھپٹ پڑا اور سرد دربار اپنے ہاتھوں سے ان کے چہرے پر گھونٹے اور کئے مارنے شروع کر دیئے کہ ان کا ہر حال کر دیا۔ آخر شیخ عبدالنبی کہنے لگے کہ اس فضیلت سے تو بہتر ہے کہ چھری لے کر مجھے ذبح کر ڈالو۔ خدائے اعظم الحاکمین دنیاوی حکام کو اس لیے حکومت سپرد کرتا ہے کہ وہ اس کو اپنے ظل عاطفت میں جگہ دیں لیکن اس کینہ جو بھیڑیے نے اسی جفاکاری پر اکتفا نہ کیا بلکہ سالہا سال پیشتر جو خلعت دی تھی نہایت خساست کے ساتھ اس کا حساب مانگنے لگا۔ آخر قید کر دیئے گئے اور ایک رات قید خانہ میں گلا گھونٹ کر ان کو قید زندگی سے آزاد کر دیا گیا۔

اکبر کی خوشامد پسندی

الغرض یہ کم حوصلہ بادشاہ بھی بات سن کر آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ البتہ لٹار اور خوشامد پسند انتہا درجہ کا تھا۔ اس لیے خوشامدی الہکار اس کی خوشنودی خاطر کے لیے اسے ہر وقت آسمان رفعت پر چڑھا چڑھا کر بیوقوف بناتے رہتے تھے۔ اور یہ کوڑ مغر خوشامد کو حق الیقین جان کر اسی پر عمل درآمد شروع کر دیتا تھا۔ چنانچہ بعض عالم نما جلانے اکبر سے کہا کہ صاحب زمان مہدی علیہ السلام جو ہندو مسلمانوں کے اختلاف و انشقاق کو مٹانے کے لیے دنیا میں مبعوث ہونے والے تھے وہ حضرت ہی کی ذات گرامی ہے تو اسی پر یقین کر بیٹھا۔ ایک شخص شریف نام کے جو برعکس نمنہ نام زندگی کا نور کا مصداق تھا محمود لٹواری کے رسائل سے استشاد کرتے ہوئے اکبر سے کہا کہ ان میں صاف لکھا ہے کہ 990ھ میں باطل کا مٹانے والا ظاہر ہوگا۔ چنانچہ شریف نے جو الفاظ پیش کئے ان سے حساب نو سو نوے عدد نکلتے تھے۔ یہ سن کر اکبر کے دل کا کنول کھل گیا اور اس کو انعام و اکرام سے بہت کچھ نوازا۔ اسی طرح خواجہ شیرازی لقب ایک جفر دان ملحد کہیں سے ایک رسالہ لے آیا اور

کہا کہ احادیث صحیحہ کے بموجب ایام دنیائی عمر سات ہزار سال ہے اور چونکہ یہ مدت گزر چکی ہے۔ اس لیے اب حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے ظاہر ہونے کا وقت ہے۔ یہ سن کر اکبر بہت خوش ہوا اور اس کو انعام و بخشش سے مالا مال کر دیا لیکن یاد رہے کہ کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے بلکہ یہ محض اسرائیلی ڈھکوسلہ ہے۔ شریف نے اکبر کے مہدی مدعو ہونے کے موضوع پر ایک رسالہ بھی لکھ مارا۔ شیعوں نے بھی اسی قسم کے بعض خرافات امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے نقل کر کے اکبر کو مہدی بنانے کی کوشش کی۔ بعض لوگوں کی زبان پر یہ رباعی تھی جو حکیم ناصر خسرو کی طرف منسوب ہے۔ رباعی

ورنہ صد دہشتا دونه از حکم قضا
آئندہ کو اکب از جوانب یک جا
در سال اسد ماہ اسد روز اسد
از پردہ بروں خرامند آن شیر خدا
تا ہم ناصر خسرو کی یہ رباعی بھی دام افتادگان الحاد کے درد زبان تھی۔ رباعی
ورنہ صد و تسعین دو قرالی می نیم
وز مہدی و دجال نشان سے نیم
یالک بدل گرد و دیا گرد و دین
سرے کہ نہال است حیاں می نیم

کثیر التعداد عورتوں والا مہدی کذاب

محمد شاہ ربیعہ کا نام بوجہ کثرت کے خواری بدنام ہے لیکن میرے نزدیک اکبر اس سے زیادہ حیاش تھا۔ کتاب ”اکبر اینڈ دی جیزٹس“ میں لکھا ہے کہ اکبر کی محل سرا میں قریباً سو حرمیں تھیں۔ یہ وہ عورتیں ہیں جو باقاعدہ حرم میں داخل تھیں لیکن ان لڑکیوں کا تو شاید کوئی شمار ہی نہ ہوگا جن سے اکبر شیعہ اصول کے ماتحت متہ کرتا رہتا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ عبدالواسع نام ایک شخص کی بیوی حسن و جمال میں بے عدیل تھی۔ اکبر کی اس پر نظر پڑ گئی۔ لٹو ہو گیا۔ عبدالواسع کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنی عورت کو طلاق دے دے۔ اس پھارے نے طلاق دے دی۔ وہ عقیفہ حرم شاہی میں داخل کر لی گئی۔ ایک مرتبہ اکبر دہلی آیا اور دائیوں اور خواجہ سراؤں کو اس غرض سے محلوں میں پھیلایا دیا کہ گھروں میں پھر کر صاحب جمال باکرہ لڑکیوں کا پتہ لگائیں۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے شہر میں ہلچل مچ گیا اور لوگوں پر ہول عظیم طاری ہوا۔ خدا جانے کتنے بے گناہوں پر کیا کچھ آفتیں ڈھائی گئی ہوں گی اور لوگوں کی عزت و عصمت اور ناموس پر کیا کچھ گزری ہوگی۔ جن ایام میں

اکبر کو مہدی بنانے کی کوششیں ہو رہی تھیں ایک دنیا طلب خوشامدی نے کہیں سے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پرانا کرم خوردہ رسالہ حاصل کر کے اس پر غلط جھول لکھ لیا کہ صاحب زمان مہدی علیہ السلام کی کثیر التعداد بیویاں ہوں گی اور داڑھی منڈاؤے گا۔ اسی طرح خلیفۃ الزمان علیہ السلام کی بعض اور من گھڑت صفات درج کر کے اکبر کے حضور میں پیش کیا۔ اکبر بہت خوش ہوا اور اس کو باریافتگان پایہ قرب کے مسلک میں مسلک کر لیا۔ اسی طرح ایک حاجی صاحب نے شیخ امان پانی پتی رحمۃ اللہ کے برادر زادہ ملا ابو سعید کی کتابوں میں سے ایک پر اتار سالہ حاصل کیا اور اپنے دماغ سے یہ حدیث گھڑ کر اس میں درج کر لی کہ ایک صحابی کا پینا داڑھی منڈوا کر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اہل جنت کی یہی وضع ہوگی۔ بہر حال یہ وہ اسباب تھے جنہوں نے اکبر کو دعوائے نبوت پر مائل کیا۔ چنانچہ مدعی نبوت بن بیٹھا لیکن جس طرح مرزا غلام احمد نے ظلی نبی اور بروزی نبی کی من گھڑت اصطلاحوں کی آڑ لے کر دعویٰ نبوت کیا اسی طرح اکبر نے بھی اپنے حق میں کوئی اور لفظ جو نبوت کا مرادف تھا استعمال کرنا شروع کیا۔

علماء کا قلع قمع اور جلاوطن

اکبر کی کفر پسندیوں کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ملک میں آتش غیظ شعلہ افکن ہوتی اور حامیان دین اسلام اکبر کے خلاف علم مخالفت بلند کرتے۔ چنانچہ غیر مسلمان ملک کے مختلف حصوں میں مدت العمر ستیزہ جو رہے لیکن چونکہ حکیم علی الاطلاق جل اسہ کو یہی منظور تھا کہ اکبری فتنہ کو پوری طرح نشوونما پانے کا موقع دیا جائے اس لیے کوئی مخالفت سرسبز نہ ہو سکی۔ مخالفت کا سب سے زیادہ زور بنگالہ میں تھا جہاں کے اکبر گورنر کو قتل کر دیا گیا۔ 987ھ میں اکبر نے ملا محمد یزدی کو پوربی اضلاع کا قاضی القضاہ بنا کر جوینور روانہ کیا اس نے جا کر فتویٰ دیا کہ بادشاہ مرتد ہو گیا ہے اسے لیے اس کے خلاف جہاد واجب ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد معصوم کابلی، محمد سعد خاں فرخودی، میر معز الملک، نیات خاں، عرب بہادر اور دوسرے عمائد اٹھ کھڑے ہوئے اور اکبری حکومت کے خلاف مصاف آرائی شروع کر دی۔ اکبر نے کسی تقریب پر میر معز الملک اور ملا محمد کو جوینور سے فتح پور طلب کیا۔ جس صوبے میں کہ وہ اس سے پیشتر علم مخالفت بلند کر چکے تھے کسی طرح مناسب نہ تھا کہ بادشاہ کے بلاؤے کی تعمیل کرتے۔ دونوں ازراہ نادانی چل پڑے۔ جب فیروز آباد پہنچے تو اس اثنا میں وہاں اکبر کا حکم پہنچ گیا کہ ان کے سواروں سے علیحدہ کر کے دونوں کو کشتی میں بٹھائیں اور دریائے جمنائیں سے نکال کر گوالیار کی طرف لے جائیں۔ اس کے بعد اکبر نے دوسرا حکم بھیجا کہ دونوں کو دریا میں ڈبو دیں۔ آخر ملاحوں نے دونوں کو ایک پرانی کشتی میں بٹھا کر قعر آب میں پہنچا دیا اور دونوں کی کشتی عمر

گرداب فنائیں غرق ہو گئی۔ اس کے بعد اکبر کو ممالک محروسہ کے جن جن علماء سے بے اخلاصی کا ادنیٰ وہم بھی ہوا ان کو نماں خانہ عدم میں بھیج دیا۔ علمائے لاہور کے لیے جلاوطن کی سزا تجویز کی گئی چنانچہ یہ حضرات لاہور سے اس طرح پر آئندہ منتشر ہوئے جس طرح تسبیح نوٹنے سے اس کے دانے بکھر جاتے ہیں۔ قاضی صدر الدین لاہوری جو علم و فضل میں مخدوم الملک سے بھی بڑھے ہوئے تھے بھڑوچ کے قاضی بنادیئے گئے۔ مولانا عبدالشکور لاہوری کو جو نیور کی قضا سپرد کی گئی۔ ملا محمد معصوم کو بہار کا قاضی بنایا گیا۔ شیخ منور لاہوری مالوہ کی طرف جلاوطن کئے گئے۔ شیخ معین الدین لاہوری کو جو مشہور واعظ مولانا معین کے نواسہ تھے کبر سنی کی وجہ سے حکم جلاوطنی سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ وہ لاہور ہی میں رہے یہاں تک کہ 950ھ میں سفر آخرین اختیار کر لیا۔ صمیم الملک گیلانی کا بھی ان لوگوں میں شمار تھا جو مذہب و مسلک میں ناموافق خیال کئے جاتے تھے۔ ان کو مکہ معظمہ بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد بار بار فرامین بھیج کر انہیں واپسی کا حکم دیا لیکن انہوں نے ان فرمانوں کی طرف التفات نہ کیا۔ آخر اسی بلدہ مطہرہ میں اپنے تئیں حق کے سپرد کر دیا۔ اکبر نے ارباب طریقت کی توہین و ایذا رسانی میں بھی کوئی کسر اٹھانہ دیکھی۔ حکم دیا کہ صوفیاء و مشائخ کے دیوان کی پر تال ہندو دیوان کریں۔ ان پریشانیوں میں وہ پچارے سب حال و قال بھول گئے چونکہ علمائے امت کی طرح صوفیائے کرام بھی حامی دین تھے۔ حاکمین شریعت کی طرح وہ بھی اکبری جو رستم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ محمد حسین صاحب آزاد نے اس اکبری کارنامہ کو بہت سراہا ہے اور عالم مسرت میں لکھا ہے کہ ”انہی دنوں میں اکثر سلسلوں کے مشائخ بھی حکومت سے اخراج کے لیے انتخاب ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کو ایک قندھاری کارواں کے سلسلے میں روانہ کر دیا۔ کارواں ہاشمی کو حکم دیا کہ انہیں وہاں چھوڑ آؤ۔ کارواں مذکور قندھار سے ولایتی گھوڑے لے آیا کہ کارآمد تھے اور انہیں چھوڑ آیا۔ کہ مجھے تھے بلکہ کام بگاڑنے والے۔“ 70۔ لیکن اگر یہ حضرات خدا نخواستہ الحاد دیدہ نی میں اکبری ہمنوائی اختیار کرتے اور جناب محمد حسین صاحب آزاد کی طرح دین و ملت سے آزاد ہوتے تو آزاد صاحب کی بارگاہ معلیٰ سے ان پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے جاتے لیکن چونکہ یہ حضرات حامیان دین مبین تھے انہیں اسلام کی توہین گوارا نہ تھی۔ اس لیے یہ آزاد صاحب کی نظر میں سخت مجر اور کام کے بگاڑنے والے تھے۔ انہی ایام میں اکبر نے ایک شیخ طریقت کو جنہیں شیخ کاس کہتے تھے پنجاب سے طلب کیا۔ یہ اپنی خانقاہ سے شاہی قاصدوں کے ساتھ بمقتضائے احتیال پیادہ روانہ ہوئے ان کا تحفہ ان کے پیچھے لارہے تھے۔ فتح پور میں شیخ جمال مختیار کے ہاں فروکش ہوئے اور اکبر کے پاس پیغام بھیجا کہ آج تک کسی بادشاہ کو میری ملاقات باہرکت اور شمر خیر ثابت نہیں ہوئی۔ اکبر اس پیغام کو سن کر گھبرا ااور ان کو بغیر ملاقات کے فوراً فتح پور پر رخصت کر دیا۔ 75۔

فصل 5۔ گو آکا مسیحی مشن اور اس کی ناکام جدوجہد

اگر کوئی نوخیز و طرحدار عورت اپنے شوہر سے قطع تعلق کر کے آوارگی کی زندگی اختیار کر لے تو ہر ناکام محبت کو طمع و امعیر ہوتی ہے کہ اسے آغوش وصل میں لے کر متنع و کامگار ہو۔ اکبر نے سعادت اسلام سے محروم ہو کر اس ذات گرامی کے نور سے اقتباس کرنا چھوڑ دیا جس کی بدکت قدم نے سمک سے سماک تک کفر و ظلمت کا نام نہ چھوڑا تھا تو تمام غیر اسلامی مذاہب کے منہ سے رال پکڑنے لگی کہ جس طرح ہو اس ترنوالہ کو منہ میں ڈالیں۔ چنانچہ آپ نے اوپر پڑھا کہ کس طرح برہمنوں اور مجوس کے مذہبی مقتداؤں نے اس صید پر تو سن ڈال کر اپنے کام و دہان کی توضیح کی؟ بمبئی سے جنوب کی طرف جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر گو آنام اہل پرنگال کی ایک مشہور بندرگاہ ہے جب گو آکے پر معجزی گورنر کو معلوم ہوا کہ اکبر نے اسلام سے علاقہ توڑ کر بد مذہبی کے دامن میں پناہ لی ہے تو اسے بھی یہ ہوس و امعیر ہوئی کہ اکبر کو نصرانی بنا کر ہندوستان میں تثلیث کی حکومت قائم کرے۔ چنانچہ اس کوشش میں چند پادری دارالسلطنت فتح پور روانہ کئے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن مغربی اقوام نے ہندوستان آکر اپنی بستیوں قائم کیں ان میں سے اہل پرنگال کو فخر اولیت حاصل ہے۔ پر معجزوں نے بابر بادشاہ کی چڑھائی سے بھی سولہ سال پہلے یعنی 1510ء میں گو آ پر قبضہ کیا تھا۔ پادریوں کا پہلا مشن 17 نومبر 1579ء کو گو آ سے چل کر بتاریخ 28 فروری 1580ء فتح پور پہنچا۔ اس مشن کا سرگروہ پادری مانسیر بیٹ تھا۔ اکبر نے بڑی گرجاؤں سے اس وفد کا استقبال کیا۔ اور ابوالفتح اور حکیم علی جیلانی کو ان کی مہمانداری تفویض کی۔ اکبر نے وفد کو جو اعزاز بخشے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے اپنے منجھلے بیٹے مراد کی اتالیقی مانسیر بیٹ کے تفویض فرمائی۔ یہ وفد قریباً دو سال تک مصروف دعوت رہا۔ آخر اپریل 1582ء کو بے نیل مرام واپس چلا گیا۔ اس کے بعد خود اکبر نے گورنر گو آ کے نام چٹھی بھیج کر ایک اور وفد بھیجے جانے کی خواہش کی۔ اس درخواست کے بموجب دوسرا مشن ایک سخت بد لگام پادری ریوڈو لفونام کی سرکردگی میں بھیجا گیا۔ اکبر نے پہلی ہی مجلس میں پادری سے کہا کہ میں یہ سن کر حیرت زدہ ہوں کہ آپ لوگوں کے زعم میں ایک خدا کی تین شخصیتیں ہیں اور خدا رحم مادر سے پیدا ہوا اور اسے یسود نے قتل کر دیا۔ پادریوں سے اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ ہی پڑا۔ اس لیے انہوں نے رفع خیالات کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا نغمہ چھیڑ دیا۔ خیر یہ مجلس جوں توں گذری۔ دوسری نشست میں پادری ریوڈو لفونے اپنی سیاہ باطنی اور بد گوہری کا خوب مظاہرہ کیا اور جانے اس کہ مسیحیت کی صداقت کا کوئی پہلو پیش کر سکتا اس نے بازاری لفظوں کی طرح حضرت سرور دو جہاں ﷺ کی ذات گرامی کے

خلاف دریدہ دہنی شروع کیوی اور حضور ﷺ کی شان اقدس میں ایسے ناپاک الفاظ استعمال کر کے فرومانگی کا ثبوت دیا کہ کوئی حیا دار آدمی کسی معمولی سے مذہبی پیغمبر کے خلاف تو درکنار کسی شریف آدمی کے حق میں بھی استعمال نہ کرے گاچہ جائیکہ دونوں جہان کے اس جہاد مادی کی شان اقدس میں گستاخی کی جائے جو دنیا کی نصف ارب آبادی کا محبوب ترین مقتدا ہے۔ عفونت بیان پادری کے اس لفظ گستاخی کی تصدیق کرنا چاہو تو انگریزی موسومہ بہ ”کونٹری لوف فادرمان سیرٹ“ مطبوعہ کنک کا صفحہ 37 دیکھ لو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجلس علمائے اسلام کے وجود سے خالی تھی ورنہ پادریوں کی بطالت فروشوں کی تصویر ہر شخص کے سامنے آ جاتی۔ ایسی حالت میں بے چارے پادریوں کی کیا بساط تھی کہ اہل حق کے سامنے لب کشائی کر سکتے۔ جب مجلس درخواست ہوئی تو بادشاہ پادریوں کو اپنے ساتھ لے گیا اور کہنے لگا کہ میں تمہاری باتوں سے بہت مسرور ہوا لیکن میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے لب و لہجہ میں محتاط رہو کیونکہ تمہارے مد مقابل کندہ ناتراش شریروں کے ہیں۔ (جہا ارشاد ہوا شریروں کو ہر شخص شریعہ نظر آتا ہے) شاہ مرتد کی اس نصیحت کا یہ مطلب تھا کہ تم نے جو دس سر عام پیغمبر اسلام (ﷺ) کی توہین کی تو آئندہ اس سے باز رہو۔ رد و لطف نے کہا کہ ہم آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ہم مسلمانوں سے ڈرتے ہیں بلکہ محض اس بنا پر کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہمارے لیے ضروری ہے۔ اس کے بعد اکبر نے پادری سے کہا کہ تمہاری اور باتیں تو بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ قادر مطلق جو زمین و آسمان اور تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے وہ تمہیں بھی نور ایک بھی کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اور اس کے یہاں ایسے فرزند کا تولد کیوں کر ممکن ہے جو رحم مادر سے پیدا ہوا ہو؟ پادری یہ سن کر دم بخود رہ گیا آخر کہنے لگا کہ خدا سے دعا کرو کہ وہ تمہارے دل پر اس مسئلہ کی حقیقت آشکارا کر دے۔ اس جواب سے ظاہر ہے کہ موجودہ اہمیت کی دیواریں محض خیالی ٹھکانہ کیوں کی جہادوں پر کھڑی ہیں اور اس کو صداقت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ پادری لوگ گواہی دے دور و دست مقام سے محض گالیوں کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ہی اکبر اور اس کے درباریوں کا کشور دل فتح کرنے چلے آئے تھے۔ باوجودیکہ ریوڈ لٹونے اکبر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ طریق گفتگو میں محتاط رہے گا لیکن اس ”باجیا“ پادری نے اس وعدہ کا قطعاً اظہان کیا چنانچہ آئندہ مجلس میں یہ سینہ سیاہ پادری ہلکوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان پاک میں رشام دہی کی پیش از پیش غلاظت اچھلا نکلا۔ اگر میرے بیان کی تصدیق چاہو تو کتاب مذکور کا انا لیسواں صفحہ پڑھ جاؤ۔ کاش اکبر کی جگہ کوئی مسلمان حکمران ہوتا تو اس بدنام پادری کو اس کے کھڑکے والے ٹھکانے بغیر دم نہ لیتا۔ اور تعجب ہے کہ حکومت ہند نے اسے علیحدہ محل آواز لگانے کی اجازت دی۔ لیکن کھڑکے میں جھپکے ہوئے 1922ء میں شائع ہوئی اب تک موجود کتب میں نہیں کیا۔ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ہر

اعتراض سننے اور اس کا جواب دینے کے لیے تیار ہیں مگر طیکہ اعتراض کرنے والا دائرہ انسانیت میں رہ کر اعتراض کرے۔ گو سنجیدہ جواب بد گامی کا منہ بند نہیں کر سکتا تاہم ہمارا اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم گالیوں کا جواب گالیوں سے دے کر لفظوں کے ہتھکنڈے استعمال ہوں۔

آگ میں داخل ہو کر صدق و کذب کے امتحان کا اسلامی مطالبہ

اس وقت یہ حالت تھی کہ ایک طرف تو سیاہی مائل پادری برہان مقدس (قرآن) اور دین ضیف اور دنیا عاقبت کے سردار سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان مقدس میں بد زبانی کر کے اپنی مسیحیت کی قلعی محمول رہے تھے۔ دوسری طرف مرتدین کا ہتھکڑیاں گرہ ہر بات میں اہل تثلیث کی تائید کے پیش زنی میں مصروف تھا۔ ایسی حالت میں مظلوم و سید و ریش مسلمان حاضرین کے لیے ہرگز اس کے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ صد اہت اسلام کے ثبوت میں کوئی ایسا باطل انداز قانع طریق عمل اختیار کریں جو اہل باطل کی خدع پرورد آرزوؤں کا گور غریباں بن جائے۔ مسلمانوں نے حسب بیان پادری مانسٹرٹ اکبر سے کہا کہ سچے دین اور آسمانی کتاب کی صداقت کے امتحان کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ آگ جلائی جائے ایک پادری بائبل لے کر اور ہم میں سے ایک قوی قرآن مجید لے کر اس پر آگ کے بلند شعلوں میں کھڑا رہے۔ ان میں سے جو شخص اپنی کتاب مسیحیت زندہ سلامت نکل آیا اس کا دین سچا ہے اور جو وہں جل کر ہلاک ہو گیا اس کا مذہب جھوٹا ہے۔ اکبر نے اس تجویز کی تائید کی اور پادریوں سے کہا کہ یہ محکم امتحان بالکل فیصلہ کن ہے مگر باطل کی کیا پالیسی تھی کہ اس جان ستان تجویز کو منظور نہ کرتا۔ پادریوں نے کہا کہ مسیحیت کی صداقت ظہور کرنے کے لیے کسی اعجازی امتحان کی ضرورت نہیں۔ اکبر نے کہا: اچھا جانے دو یہی گفتگو جو ہو چکی کافی ہے۔ حاضرین نے بلا شاہ سے کہا کہ آگ میں داخل ہونے کی تجویز نہایت موزوں اور فیصلہ کن ہے اسی پر عملدرآمد ہونا چاہیے۔ ان کی یہ خواہش شاید اس یقین پر مبنی تھی کہ مسلمان آگ میں جل کر بے ہوش و نجان ہو جائیں گے اور فتح باسرا مسیحیت کے سر پر ہو گا۔ خلافت کے یہ خیال بالکل باطل تھا۔ ایسے نازک امتحان میں خدائے قادر و توانا بالیقین اپنے سچے دین کی لاج رکھ لیتا۔ آگ آتش نمرود کی طرح مسلمانوں پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جاتی اور مشرک عیسائی ہمیشہ کے لیے خاک ذلت میں ملا دیے جاتے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل باطل اس امتحان کے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ طور آگ کا کام سن کر پادریوں کی روح فنا ہو رہی تھی۔ پادری ریوڈو لٹو ایک طویل لٹھال کی قصہ خوانی کے بعد کہنے لگا: ہمیں اعتراض ہے کہ ہم لوگ بسا اوقات گناہوں کے ہر تکتب ہوئے ہوئے ہیں اور اب بھی گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ہم گنہگار ہیں اس لیے اعجازِ شامی کی جزا تک نہیں کر سکتے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ہمیں معلوم نہیں کہ ہم خدا کے محبوب ہیں یا ان کے ولستہ میں روزے لٹکائے ولستہ اس سے قطع نظر

اس امر کا امتحان کرنے کے لیے کہ یہ بائبل کلام الہی ہے یا نہیں؟ اس کو آگ میں لے جانا مسیح کی تعلیم اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے۔ اس لیے اس بادشاہ! آپ کو اعجاز بیینی کی خواہش کر کے ان یسودیوں کے نقش قدم پر نہ چلنا چاہیے جن کو مسیح (علیہ السلام) نے ان الفاظ میں سرزنش فرمائی تھی کہ شریر اور حرامزادے مجھ سے معجزہ طلب کرتے ہیں۔ اور یہ مسلمان جو آگ میں داخل ہونے کی شرط لگا رہے ہیں مجھے ان کے متعلق یقین ہے کہ ان میں سے ایک بھی اپنے مذہب اور اپنے پیغمبر کا اس درجہ شیدائی اور معتقد نہ ہو گا کہ ایسے جاننا نہ امتحان کو اپنے درہمت پر لے۔ واقعی یہ چیز مسلمانوں کی فطرت میں داخل ہے کہ یہ معجزات کا مطالبہ کریں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر مذہب کا کوئی صالح و متقی آدمی کوئی معجزہ دکھائے گا تو یہ لوگ کہنے لگیں گے کہ یہ تو جادو ہے۔ اور پھر اسے قتل کر دیں گے۔ اکبر نے کہا۔ آپ لوگ مطمئن رہیں آپ کا کوئی بال تک میکا نہیں کر سکتا۔ اصل یہ ہے کہ یہاں ایک مولوی ہے جو اپنے تقدس کی ڈینگیں مارا کرتا ہے حالانکہ وہ بہت سے گناہوں کا بھی مرتکب ہو چکا ہے۔ اس نے قرآن کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ میں اس کو اس عجب و پنداری کی سزا دوں۔ اگر آپ حضرات اپنے مذہب کا کوئی پیرو پیش کر سکیں جو اس امتحان میں پورا اترے تو مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی۔ میری آرزو ہے کہ آپ لوگ اس کام کی تکمیل میں میری مدد کریں۔ پادری ریوڈولفو نے کہا ہم اس کام میں آپ کو کچھ مدد نہیں دے سکتے۔

78۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ جلانے کی نوبت نہیں آئی لیکن عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں 989ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ شیخ قطب جلیسری نام ایک مہذب کو شیخ جمال اختیار کے ذریعہ سے بلا کر پادریوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا گیا۔ بہت سے ممتاز و ذی اقتدار لوگ بھی جمع کئے گئے۔ شیخ قطب نے کہا کہ آگ جلاؤ تاکہ میں اور میرا فریق مقابل آگ میں داخل ہوں۔ دونوں میں سے جو زندہ سلامت نکل آئے گا وہ برسر حق ہو گا۔ چنانچہ آگ جلائی گئی۔ شیخ قطب نے جا کر فرنگی پادری کو کمر سے پکڑ لیا اور آگ کی طرف کھینچ کر کہنے لگا کہ ہاں بسم اللہ! چلو آگ میں داخل ہوں۔ لیکن کسی پادری کو آگ کی طرف رخ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ بادشاہ نے غضب ناک ہو کر شیخ قطب اور چند دوسرے فقراء کو بھڑکی طرف جلا وطن کر دیا۔

گر جوں اور تبلیغی مشنوں کا قیام

پادریوں نے اپنی ہزیمت کے بعد بادشاہ سے کہا کہ انہیں اجازت دی جائے کہ جو لوگ عیسائی ہونا چاہیں ان کو عیسائی بنائیں اور نیز ایک خیراتی ہسپتال جاری کریں۔ اکبر نے دونوں درخواستیں منظور کیں اور پادریوں سے کہا کہ اگر کوئی شخص تمہارے کام میں مزاحم ہو تو اس کی اطلاع دو۔ پادری کچھ عرصہ تک اپنے کام میں مصروف رہے۔ اس کے بعد گوآ واپس جانے کی

اجازت چاہی لیکن اکبر نے اجازت نہ دی اور کہا میں چاہتا ہوں کہ تمہارے مذہب کی خوبیاں مجھ پر واضح ہوتی رہیں۔ اکبر بہت دن تک پادریوں کو اپنے قبول نصرانیت کے سبب باغ دکھاتا رہا۔ لیکن پادریوں کی مسلسل کوششوں کے باوجود آفتاب پرستی چھوڑ کر دائرہ مسیحیت میں داخل نہ ہوا۔ اس اثنا میں پادریوں نے ملک میں جا جا کر جے اور تبلیغی مشن قائم کئے۔ پانچ سال اسی حالت میں گزر گئے۔ انجام کار گو آسے پادریوں کے نام حکم آیا کہ تمہیں اکبر بادشاہ کے پاس گئے پانچ سال گزر گئے اور تم نے وہاں کی زبان بھی سیکھ لی اگر بادشاہ دائرہ مسیحیت میں داخل ہوتا ہے تو بہتر درہ واپس چلے آؤ۔ یہ لوگ بادشاہ سے ملے اور کہا کہ یہ امر ہماری لیے سخت تکلیف دہ ہے کہ کوئی کام انجام دیے بغیر آپ کے دربار میں پڑے رہیں۔ اس لیے درخواست ہے کہ آپ حسب وعدہ دین مسیحیت کو قبول فرمائیے۔ اس پر نہ صرف آپ کی اپنی نجات منحصر ہے بلکہ آپ کو دیکھ کر جو لاکھوں کروڑوں ہندوگان خدا عیسائی ہوں گے ان کو بھی نجات ابدی نصیب ہوگی۔ اکبر ان دونوں لاہور میں تھا۔ کہنے لگا میں ابھی لاہور سے دکن جا رہا ہوں۔ وہاں جا کر گو آسے بالکل قریب ہی کسی مقام پر فردکش ہوں گا۔ میں اس جگہ دوسرے جھمیلوں سے فارغ رہ کر آپ لوگوں کی طرف زیادہ توجہ معطوف کر سکوں گا۔ لیکن آپ لوگوں نے یہ کیا کہا کہ ہم اتنی مدت تک یہاں بے مصرف پڑے رہے؟ کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اس ملک میں اسلامی سلطنت تھی اگر کوئی شخص منہ سے یہ الفاظ نکال دیتا تھا کہ یسوع مسیح (معاذ اللہ) خدا کا پنا ہے تو اسے اسی وقت قتل کر دیا جاتا لیکن اب تم نے جا جا کر جے اور تبلیغی مشن قائم کر لئے اور تم لوگ اپنی تبلیغ میں بالکل آزاد ہو اور کسی کی مجال نہیں کہ تمہاری طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ پادریوں نے تسلیم کیا کہ واقعی ہمارے قیام سے مسیحیت کو خاصی رونق نصیب ہوئی۔ پادریوں نے لاہور میں بھی گرجا بنا رکھا تھا۔ یہاں 1597ء تک سینٹس آدمی عیسائی بنائے جا چکے تھے۔ جن میں بڑی تعداد جا رہا رہا کٹوں کی تھی۔ 79۔

فصل 6۔ لاہور کی ہولناک آتشزدگی اور اکبر کی موت

مذکرہ صدر واقعات سے قارئین کرام اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ اکبر کا وجود شریعت الہی کی توہین اور دین خداوندی کی سب سے بڑی تذلیل تھا۔ اس نے اعلم العالمین کے آسمانی آئین سے سرکشی اختیار کر رکھی تھی اور خالق کردگار کو چھوڑ کر مخلوق پرستی کی گمراہی میں گرفتار تھا۔ بادشاہ سلطنت و فرمانروائی نے اسے اس درجہ متوالا کر رکھا تھا کہ اپنی چند روزہ عظمت کے مقابلہ میں خدا کی کبریائی اور رسولوں کی قدویت کو بالکل بھول گیا تھا۔ اس کی مملکت میں خدا کے نیک بندے ستائے جا رہے تھے۔ گمراہیاں اور تارکیاں تمام سطحِ ارضی پر چھائی ہوئی تھیں۔ دین حنیف کسی اور مظلومی

کی حالت میں جلتا تھا اور ملک فطرت میں ہر جگہ اہلبیس اور نفس شریہ کی حکومت جاری و ساری تھی۔ اس لیے ضروری تھا کہ مالک الملک عزاسہ کی طرف سے کبھی نہ کبھی اس کے جسد غفلت و بے حسی پر عبرت کا تازیانہ رسید کیا جاتا۔ چنانچہ 1597ء (1005ھ) سے لے کر یوم مرگ تک وہ برابر ہوم و مصائب میں مبتلا رہا۔ خدا کے وہ بدے نہایت خوش نصیب ہیں جو خدائی تنبیہ کے وقت سنبھل جاتے ہیں اور رب العلمین کے ساتھ اپنا رشتہ عبودیت استوار کرنے میں توقف و اہمال گوارا نہیں کرتے لیکن یہ نصیب اکبر ان حوادث و نوازل سے جو اس پر پڑے کچھ بھی سبق آموز نہ ہوا۔ ان پریشانیوں میں جن سے اکبر کو دوچار ہونا پڑا سب سے پہلی لاہور کی آگ تھی۔ ابو الفضل نے اکبر نامہ میں میاہیسویں جلوس کے زیر عنوان اس آگ کا اجمالی تذکرہ کیا ہے لیکن کتاب ”اکبر اینڈ دی جیئرس“ میں اس کو ذرا کھول کر بیان کیا ہے۔ مؤثر الذکر کتاب میں لکھا ہے کہ اکبر لاہور کے قصر شاهی کے مد آمدے میں تھا۔ شہزادہ سلیم اور تمام عمائد سلطنت موجود تھے نوروز کا جشن منایا جا رہا تھا کہ اتنے میں آسمان کی طرف سے ایک شعلہ نمودار ہو کر قصر شاهی کی طرف آیا سب سے پہلے شاہزادہ سلیم کے پر تکلف خیمہ کو اس سرعت کے ساتھ جلا کر خاک سیاہ کیا کہ کسی کو آگ بھجانے کے لیے وہاں تک پہنچنے کی مصلحت نہ دی اس کے بعد تمام خیموں کو اور شاهی محل کو جس میں چند تخت اور بڑی بڑی پیش قیمت چیزیں تھیں جلا دیں۔ ان تختوں میں ایک طلائی تخت بھی تھا۔ جس کی لاگت کا تخمینہ ایک لاکھ اشرفی (سولہ لاکھ روپیہ) کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ کے قصر خاص کی طرف بڑھا جو لکڑی کا بنا ہوا تھا اس کو آگ لگانا جلا کر کوئلوں کا ڈھیر بنا دیا۔ غرض تمام سرکاری عمارتیں آگ بھجھ گئی ہو گئیں۔ اکبر کو اس آتشزدگی کا بڑا قلق ہوا۔ کیونکہ تمام خزانے اور جواہرات اور یادگاریں بھی بھجھ ہو گئیں۔ اس رول چاہوئی ہو ناہور دوسری دھاتیں پکھیل کر لاہور کی گلیوں میں اس طرح بھجھ رہی تھیں جس طرح پانی بدر رو میں چلا دکھائی دیتا ہے۔ یہ آگ کئی دن کے بعد منسلک بھائی جا سکی۔ اس آگ نے اکبر کو اس درجہ وحشت زدہ کر دیا کہ لاہور سے جھٹ کشمیر کا رخ کیا لیکن وہاں پہنچنے کی دیر تھی کہ کشمیر میں ایسا ناگھیر قطر رونما ہوا کہ ماؤں نے اپنے بچسن بچوں تک کو جد کر دیا اور بھونٹے چھوٹے لڑکے تھوڑے تھوڑے پیسوں میں فروخت ہونے لگے۔ یہ مصیبت بنو زور نہ ہوئی تھی کہ اکبر دہلا پڑ گیا اور زندگی کی طرف ناامیدی ہو گئی۔ جب کچھ افادہ ہوا تو پھر لاہور آیا لیکن یہاں آگ نے اس کے بعد دکن سے اطلاع آئی کہ اس کا جوان بیٹا مراد جس کی عمر ستائیس سال کی تھی دامن فنا میں غاصب ہو گیا۔ اکبر کے دل پر اس کے مرنے کا ایسا گہرا زخم آیا کہ کسی مرہم سے التیام پذیر نہ ہوا۔ یہ سب سب اہل بیہوشی تھا کہ 1014ھ میں اکبر کا کشمیر اور اہل دیال بھی سرائے دنیا کو الوداع کہہ کر داغ طالعوت سے گریباں اور پھر فیضیایام میں خیر ملی کہ اکبر کا دستِ دلاست ابو الفضل بھی رخت زندگی باغیچہ کی ٹھکری پر اٹھیں۔ پھر وہاں سے گریباں اسے شاہزادہ سلیم (جہانگیر) نے قتل کر لیا تھا۔ یہ وہ

صدے تھے جنہوں نے اکبر کو غدار کر دیا۔ 80۔ لیکن اس کے دل پر بے حسی کی ایسی موٹی نہیں چڑھی ہوئی تھیں کہ توجہ الی اللہ کی توفیق نہ ہوئی اور وہ بدستور اپنی شقاوت پسندیوں کے گرداب میں پڑا رہا۔

عبرتناک حادثہ مرگ

یقیناً میں سے موت سب سے زیادہ بھئی چیز ہے اسی بنا پر قرآن حکیم میں موت کو یقین کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ پس ہر انسان کا فرض منہی ہے کہ وہ برائیوں اور بے مصلحتیوں سے اپنا دامن چائے اور ایسا سرمایہ جمع کرنے میں کوشاں رہے جو وطن اصلی میں کام آ سکے۔

اسے کہ دستت می رسد کارے بکن پیش ازاں کز تو نیا بد بچ کار

پس جو لوگ عیش و نعم کی شدت اشہاک میں خدا کو بھول بیٹھے ہیں اور دنیا میں خوف کا بچہ رہے ہیں وہ کل کو خوف کے پھل سے کانپ اٹھیں گے۔ اکبر کو فہم دینا نے موت کی طرف سے بالکل اندھا کر رکھا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ موت کا فرشتہ کسی وقت لچاٹ آفتودار ہو گا اور اس بات کا لحاظ کئے بغیر کہ یہ وقت کاسب سے بڑا بادشاہ ہے اس کا نینٹو آدبائے گا۔ عہد اکبری کے تمام مسلمان یا مرتد مورخ بدایونی ابو الفضل نظام الدین احمد وغیرہم اکبر کے لیام والہ ہیں سے پہلے پہلے ملک بھٹا کا سفر اختیار کر چکے تھے۔ اس لیے ان میں سے کوئی بھی اس کے حالات مرگ قلعہ بند نہ کر سکا۔ پس میں اس کے لیے ان پادریوں کے بیانات پر اعتماد کرتا ہوں جو اکبر کی موت کے وقت فتح پور میں موجود تھے اور جن میں ایک تو پانچ سال تک سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہا تھا۔ اکبر نے قریباً بیس سال تک ایوان مذہب میں تزلزل ڈالے رکھا۔ اس مدت میں کوئی شخص بالیقین معلوم نہ کر سکا کہ یہ شخص کس مذہب و مسلک کا پیرو ہے۔ تنازع اور بہت سے دوسرے عقائد میں ہنود کا ہمنوا تھا۔ اسے آنتاب پرستی سے زیادہ شغف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپی مورخ اسے عام طور پر آفتاب پرست لکھتے ہیں۔ بہر حال 17 اکتوبر 1605ء (1014ھ) کو وہ وقت آن پہنچا جبکہ اس کی اجل گریاں گیر ہو کر کشاں کشاں دارالجزا میں لے گئی۔ محمد قاسم فرشتہ نے لکھا ہے کہ اکبر کو دو دہائیوں کے مرنے کا اتنا صدمہ ہوا کہ رات دن اسی غم میں گھلتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ کمر در ونا توں ہوتے ہوتے اپنے اصلی مستقر کو چلا گیا لیکن پادری ایگزیریور نے جو جنشی 26 ستمبر 1606ء کو فتح پور سے گواہ بھیجی تھی اس میں لکھا تھا کہ اکبر کی موت زہر سے ہوئی۔ عام خیال یہ ہے کہ اکبر نے غلطی سے وہ جام زہری لیا جو اس نے دوسروں کے لیے مہیا کیا تھا۔

اکبر کا خاتمہ کس دین پر ہوا؟

سرنامس رو نے 1616ء میں اجمیر سے اطلاع دی تھی کہ اکبر حالت اسلام میں مرا۔ پادریوں نے جو اس وقت فتح پور میں موجود تھے۔ رپورٹ کی تھی کہ مسلمان بوقت نزاع اسے کلمہ شہادت پڑھ پڑھ کر سنا رہے لیکن اس نے کلمہ نہیں پڑھا البتہ ایک آدھ مرتبہ خدا کا لفظ زبان پر لایا۔ ایک روایت ہے کہ بموجب شاہزادہ سلیم (سلطان نور الدین جہانگیر) نے بیان کیا تھا کہ مفتی میرال صدر جہان کی تلقین کے بعد میرے والد نے صاف لفظوں میں زور سے کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام کا اقرار کیا۔ اس کے بعد صدر جہاں اس کے نکلیے کے ساتھ گئے ہوئے سورہ یس بار بار پڑھتے رہے۔ ایک فرانسیسی سیاح ہنز رڈوے لاول نے اکبر کی موت کے چھ سات سال بعد بیان کیا کہ اکبر نے پادریوں سے وعدہ کر رکھا تھا کہ میں عیسائی ہو جاؤں گا۔ ہنر طیکہ مجھے تمام عورتیں جن کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی رکھنے کی اجازت دی جائے لیکن ہنوز ایسے عہد کا وقت نہیں آیا تھا کہ وہ دنیا سے چل بسا۔ پادری انتھونی بونٹو جس نے آگرہ اور بجاپور میں کئی سال گزارے تھے۔ 1670ء میں لکھا تھا کہ بجاپور میں ہر شخص اس عقیدہ پر راجح تھا کہ اکبر عیسائی ہو کر مراچناچہ سلطان عادل شاہ الدہلی بجاپور نے ایک مرتبہ پادری مذکور سے کہا تھا کہ کیا یہ بیان درست ہے کہ اکبر عیسائی ہو کر مرا؟ تو پادری نے جواب دیا کہ خدا کرے وہ مسیحیت قبول کر کے مرا ہو لیکن اصل یہ ہے کہ اس نے ہمیں قبول مسیحیت کے وعدوں ہی میں رکھا۔ آخر اس کا خاتمہ دین اسلام پر ہوا لیکن اس کے برخلاف پادری ایگزویئر نے 1615ء میں لکھا تھا کہ اکبر بوقت مرگ نہ تو مسلمان تھا اور نہ عیسائی بلکہ ہندو تھا۔ چنانچہ 1735ء تک جبکہ پادری فگرے ڈو نے اس موضوع پر ایک مضمون شائع کیا اسی روایت نے عالمگیر حیثیت اختیار کر رکھی تھی کہ اکبر مرتے دم تک ہندو رہا اور اس کا خاتمہ مت پرستی پر ہوا۔ 81۔ بہر حال یہ چیز بالکل مشتبہ ہے کہ مرتے وقت وہ کس کا پیرو تھا۔ لیکن خاکسار رائم الحروف کی ذاتی رائے یہ ہے کہ یا تو وہ بدستور آفتاب پرست تھا یا ہر مذہب و ملت سے منقطع ہو کر دہر یہ قسم کا لا مذہب سارہ گیا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقتہ الحال معلوم ہوتا ہے کہ اسے غسل اور کفن بھی نصیب نہیں ہوا بلکہ اس کی لاش محض ایک چادر میں لپیٹ دی گئی۔ بعض لوگوں نے چاہا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے لیکن مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ نہ تو کوئی مسلمان اسے اپنے مذہب میں داخل کرنے پر آمادہ تھا۔ اور نہ عیسائی یا ہندو ہی اس کی لاش کے دعویدار بنتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ مسلمانوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ کسی ہندو یا عیسائی ہی کی طرف سے کوئی مذہبی رسم ادا ہوئی۔ شہزادہ سلیم اور خاندان کے بعض افراد خود ہی لاش چارپائی پر ڈال کر لے گئے۔ اور باغ میں لے جا کر سپرد خاک کر دیا۔ بہت کم لوگوں نے اس کی مشائیت کی۔ اکبر پر کسی نے ماتم نہ کیا۔ البتہ ایک شاہزادہ نے اسی دن شام تک ماتمی لباس پہنے رکھا۔ 82۔

باب 54- سید محمد نور بخش جو پنپوری

سید محمد نور بخش جو پنپوری اولیائے مغلوب الحال میں سے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے عالم حال و وجد میں دیکھا کہ کوئی شخص خطاب کر رہا ہے۔ اُنت مہدی یعنی تو مہدی ہے۔ وہ یہ سمجھے کہ میں مہدی موعود ہوں۔ مہدویت کبریٰ کا دعویٰ کر بیٹھے اور یہ کہنا شروع کیا کہ میں وہی ہوں جس کی بھارت جناب منجر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث صحیحہ میں دی ہے۔ ایک زمانہ تک اس دعویٰ پر قائم رہے۔ ہزار ہا لوگوں نے ان کی متابعت کی۔ آخر حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ اثنائے راہ میں ان کو کشف ہوا کہ وہ مہدی موعود نہیں بلکہ بایں مہدی ہیں کہ عبادت الہی کی طرف خلق خدا کی رہنمائی کرنے میں ہدایت یافتہ ہیں۔ اس کشف کے بعد دعویٰ مہدویت سے تائب ہوئے اور اپنے مریدوں اور ہمراہیوں کو بھی ہدایت کی کہ اس اعتقاد سے توبہ کریں اور کہا کہ سترج سے واپس چل کر اعلان عام کر دوں گا کہ میں مہدی موعود نہیں ہوں۔ لیکن اثنائے سفر میں سفر آخرت اختیار کر لیا۔ وہ مرید جو رفتائے سفر تھے جب وطن کو لوٹے تو انہوں نے آکر بتایا کہ سید نور بخش نے سفر واپسیں سے پیشتر دعویٰ مہدویت سے رجوع کیا تھا۔ بعض لوگ اس عقیدہ سے تائب ہوئے اور بعض پہلے عقیدہ پر اڑے رہے۔ 83- اول الذکر جماعت کو نور بخشی کہتے ہیں۔ مرزا حیدر نے تاریخ رشیدی میں لکھا ہے کہ میں پہلے اہل کشمیر تمام خفی الذہب تھے لیکن فتح شاہ کے زمانہ میں عراق سے ایک شخص جس کا نام شمس الدین تھا۔ کشمیر آیا اور اپنے آپ کو میر محمد نور بخش کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو مذہب نور بخشی کی دعوت دینے لگا۔ یہ مذہب کفر و زندقہ سے ہمکنار ہے۔ اس کے پیرو دروافض کی طرح اصحاب ثلاثہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہم) کو گالیاں دیتے ہیں۔ میر سید محمد نور بخش کو صاحب الزمان اور مہدی موعود یقین کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے تمام عبادات اور

معاملات میں بڑے بڑے تصرفات کئے ہیں حالانکہ میں نے بد خشاں وغیرہ مقامات میں جن نور بخشیوں کو دیکھا تھا وہ شریعت ظاہری سے آراستہ اور سنن نبویہ سے پیراستہ تھے۔ وہ لوگ جن میں اہل و جماعت سے متفق تھے۔ مرزا حیدر لکھتے ہیں کہ میر سید محمد نور عیش کی اولاد میں سے ایک شخص نے ان کا ایک رسالہ بھی مجھے دکھایا تھا۔ اس میں بعض باتیں خوب لکھی تھیں۔ مثلاً یہ کہ سلاطین، امراء اور جہاں گمان ہے کہ ظاہر سلطنت طہارت و تقویٰ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ یہ محض غلط ہے کیونکہ اعظم انبیاء در سل صلوات اللہ علیہ منصب پیغمبری کے ساتھ برسر حکومت تھے۔ اسی طرح حضرات یوسف، سلیمان، داؤد علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی فرما رہے تھے۔ شمس الدین نے نور عیشی مذہب میں تصرفات کر کے اپنے مذہب کی جو کتاب کشمیر میں رائج کی اس کو احوط (یا احوط) کہتے تھے۔ میں نے یہ کتاب بغرض تنقید کشمیر سے ہندوستان بھیجی۔ علمائے ہند نے اس کتاب کی نسبت یہ رائے ظاہر کی کہ اس کتاب کا مصنف باطل مذہب کا پیرو اور سنت مطہرہ سے دور ہے اسے فرقہ حق اہل سنت و جماعت سے کوئی واسطہ نہیں (خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ امت کے اختلاف مٹا دوں) بالکل جھوٹا ہے اس کتاب کا مولف زندقہ کی طرف مائل ہے جن لوگوں کو قدرت ہو ان پر لازم ہے کہ اس کتاب کو تلف کر دیں اور اس کے پیروؤں کو اس مذہب باطل سے ہٹا کر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مذہب حق کی متابعت پر مائل کریں۔ میرزا حیدر لکھتے ہیں کہ جب یہ فتویٰ میرے پاس کشمیر پہنچا اور میں نے اس کا اعلان کیا تو بہت سے نور عیشی تابع ہو کر حنفی مذہب میں داخل ہو گئے اور بعض تصوف کا لبادہ لوڑھ کر صوفی کلمانے لگے۔ حالانکہ وہ قلعہ صوفی نہیں بلکہ ملحد اور زندیق ہیں جن کا کام لوگوں کے متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔

تو سے نہ ز ظاہر نہ ز باطن آگاہ انکہ ز چہالت بہ بطالت آگاہ

باب 55۔ بایزید ملحد

بایزید کو خورد سالی سے تحقیق کا شوق تھا۔ اکثر لوگوں سے دریافت کیا کرتا تھا کہ زمین و آسمان تو موجود ہیں مگر ان کا پیدا کرنے والا کہاں ہے۔ ہمدردی و درویشی کا نام یہ خیر تھی۔ طفلی میں اگر اپنی زراعت کی نگرانی کے لیے جاتا تو دوسرے کا بیٹھکوں کے کھیت کی بھی خبر گیری کرتا۔ بیوہ اور بوڑھی عورتوں کو سودا سلف لا دیتا۔ ان کے گھرے بھر لاتا۔ تنکس و در ماندہ لوگوں کو کھانا پکادیتا۔ اگر محتاج ہوتے تو آتا بھی اپنے گھر سے پہنچا دیتا۔ اونی اعلیٰ سب کا خد متکار تھا۔ کبھی کسی کا سوال رو نہ کیا۔ اس کا مقولہ تھا کہ جس شخص کی ذات سے مسلمانوں کو فائدہ نہیں پہنچتا اس میں اور کتے ملی میں کیا فرق ہے؟ یہ شخص اوائل سے متعبد و پرہیزگار تھا۔ ہر وقت یاد الہی میں مصروف رہتا تھا۔ ان دنوں میں اس کے اقرباء میں سے خواجہ اسلمیل نام ایک صوفی جالندھر میں مسند ارشاد پر

ممکن تھا۔ بہت لوگوں نے اس کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل کیا۔ بایزید نے بھی اس کے حلقہ مریدین میں داخل ہونے کا قصد کیا مگر کہ اس کا باپ عبد اللہ مانع ہو اور کہنے لگا۔ ”میرے لیے یہ نیک و عار ہے کہ تم اپنے ہی خویشوں میں سے ایک فرد یا یہ شخص کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ بہتر ہے کہ ملتان جا کر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے کسی کو اپنا ہادی بناؤ۔ بایزید کہنے لگے کہ شیخی اور بزرگی کوئی موردی چیز نہیں ہے۔“ غرض کہیں بھی مرید نہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان نے اس پر پنجہ اغوا مارا اور تقدس کے دوسرے دو کاندھوں کی طرح اس کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر لیا۔ اس کے عربی الہام ”دہستان مذہب“ میں درج ہیں جو صاحب ان کو دیکھنا چاہیں وہ کتاب مذکور کی طرف رجوع کریں۔

ملحد کی صحبت کا اثر اور بیٹے پر باپ کا قاتلانہ حملہ

جب بڑا ہوا تو وطن مالوف کو الوداع کہہ کر ماں کے ساتھ اپنے والد کے پاس کالی کرم واقع کوہ ہائے رود کو چلا گیا۔ وہاں کوئی تجارت شروع کی۔ جب کچھ روپیہ جمع ہو گیا تو گھوڑوں کی خرید و فروخت کے لیے سمرقند گیا اور وہاں سے دو گھوڑے خرید کر ہندوستان لایا۔ کالجرج پتھج کر ملا سلیمان کالجری نام ایک ملحد کی صحبت میں رہا۔ ملحد کو رتناخ کا قاتل تھا۔ بایزید اس کے اثر صحبت سے تاحی العقیدہ ہو کر نعت ایمان سے محروم ہو گیا۔ جب کالجرج سے لوٹ کر کالی کرم پہنچا تو اپنے عقیدہ رتناخ کی نشرو توزیع شروع کر دی۔ عبد اللہ کو جو ایک راسخ الاعتقاد مسلمان تھا بیٹے کی یہ حرکت سخت ناگوار ہوئی۔ یہاں تک کہ غیرت دینی سے مجبور ہو کر بیٹے پر چھری سے حملہ کر دیا اور اسے بری طرح مجروح کیا۔ بایزید کالی کرم سے تنگبار کو چلا گیا اور وہاں سلطان احمد کے مکان پر رہنے لگا۔ جب علماء کو اس کی بد مذہبی کا حال معلوم ہوا تو مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو اس کی طرف سے سخت بدگمان کر دیا اس لیے تمام لوگ اس سے دور دور بھاگنے لگے۔ غرض اس جگہ اس کا کسی پر جادو نہ چل سکا۔ یہاں سے بے نیل مرام پشاور کی طرف گیا اور غور یا خیل پٹھانوں میں جا کر رہنے لگا۔ چونکہ اس علاقہ میں عمامہ عقدا کا حکم رکھتے تھے۔ مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ یہاں تک کہ اس سر زمین میں بلا شرکت غیرے بیروی و پیشوائی کا تاج و تخت حاصل کر لیا اور قریب قریب ساری قوم خیل اس کی مطیع ہو گئی۔ پھر ہشت نگر میں گیا یہاں بھی اس کی مشنیت کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ مگر علماء مباحثہ کرنے کے لیے امنت آئے۔ اخوند در دیزہ سے اس کا مناظرہ ہوا۔ بایزید مغلوب ہو گیا۔ مگر اس کے مرید ایسے خوش اعتقاد اور طاقتور تھے کہ اخوند در دیزہ کی تمام ترکوششیں رایگاں گئیں۔ جب بایزید کی مذہبی غارتگری کا حال محسن خاں نے سنا جو ان دنوں اکبر بادشاہ کی طرف سے کابل کا گورنر تھا تو وہ بہ نفس نفیس ہشت نگر آیا اور اسے گرفتار کر کے کابل لے گیا۔ مدت تک

وہاں زندانِ بلا کی مشقتیں ستارہاں۔ آخر رہا ہو کر بہشت گھر واپس آیا۔ اور اپنے تمام مریدوں کو جمع کر کے طوطی کے پہاڑوں میں گھس گیا۔ کچھ مدت تک مورچہ بندیوں میں مشغول رہا۔ وہاں سے تیراہ کی سیاحت کو آیا۔ اور وعظ و تذکیر کے فصول پھونک کر آفریدی اور کرنی پنہانوں کو بھی اپنے دام مریدی میں پھانس لیا۔ اہل سرحد کے دلوں میں اس کی عقیدت کی گرمی اس طرح دوڑنے لگی جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے۔

ایک عالم سے مذہبی چھیڑ چھاڑ

جس طرح ابلیس ہمارے مرزا غلام احمد صاحب کو اپنی نورانی شکل دکھایا کرتا تھا اور یہ بچارے اس کو اپنا معبود برحق یقین کیا کرتے تھے اسی طرح بابزید بھی ابلیس کے رخ انور کے شرف دیدار سے مشرف ہو کر اس کو (معاذ اللہ) خدائے برتر سمجھ بیٹھا تھا۔ چنانچہ اسی اذعان و یقین کی بنا پر لوگوں سے یہ سوال کیا کرتا تھا کہ تم لوگ کلمہ شہادت کس طرح پڑھتے ہو؟ وہ کہتے۔ اشهد ان لا الہ الا اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا پرستش کے لائق کوئی نہیں) بابزید کہتا کہ جس کسی نے خدا کو دیکھا اور پہچانا نہیں وہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں تو وہ اپنے قول میں جھوٹا ہے کیونکہ جو شخص خدا کو نہیں دیکھتا وہ اس کو پہچانتا بھی نہیں۔ مولانا زکریا نام ایک سرحدی عالم نے بابزید سے کہا کہ تمہیں کشف القلوب کا دعویٰ ہے مگر اس وقت میرے دل میں کیا ہے؟ بابزید نے ملحدانہ عیاری سے کام لے کر جواب دیا کہ میں تو یقیناً کاشف قلوب اور لوگوں کے خواطر و تخیلات سے آگاہ ہوں لیکن تمہارے اندر تو دل ہی نہیں ہے اگر تمہارے اندر دل موجود ہوتا تو میں ضرور اس کی اطلاع دیتا۔ مولانا زکریا نے کہا اچھا اس کا فیصلہ آسان ہے یہ قوم کے لوگ سن رہے ہیں۔ تم مجھے قتل کرو۔ اگر میرے سینہ میں سے دل برآمد ہوا تو پھر لوگ تمہیں بھی ہلاک کر دیں گے۔ بابزید کہنے لگے کہ یہ دل جس کو تم دل سمجھ رہے ہو یہ تو گائے بجزی اور کتے تک میں موجود ہے۔ دل سے مراد گوشت کا ٹکڑا نہیں۔ دل اور ہی چیز ہے چنانچہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا۔ قلب المؤمن اکبر من العرش و اوسع من الكرسي (مومن کا دل عرش سے زیادہ بڑا اور کرسی سے زیادہ وسیع ہے) مگر بابزید کا یہ بیان بالکل لغو ہے دل وہی گوشت کا لو تھڑا ہے جو صوفیائے عظام کی اصطلاح میں ”لطیفہ قلب“ کہلاتا ہے اور حدیث صحیح میں پیغمبر خدا (ﷺ) نے ارشاد فرمایا۔ کہ جسم میں گوشت کا ایک لو تھڑا ہے جب اس کی اصلاح ہو جائے تو سارے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور جب اس میں فساد رونما ہو تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ معلوم ہو کہ یہ دل ہے۔ حضرات صوفیہ طرح طرح کے افکار و اشغال قلب کی اصلاح میں کوشاں رہتے ہیں جب یہ اصلاح پذیر ہو جاتا ہے تو اس پر تجلیات الہیہ کا درود ہوتا ہے اور نور الہی کے نور سے جگمگا اٹھتا ہے۔

اسی دل کی آنکھوں سے اہل اللہ خدائے بچوں کو بے کیف دیکھتے ہیں۔ اسی دل پر خواب و خیالات اس طرح موجزن رہتے ہیں جس طرح سطح آب پر لہریں اٹھتی ہیں۔ چونکہ بایزید کو کشف قلوب کا دعویٰ تھا اس لیے مولانا زکریا اس سے اپنے دل کا راز دریافت کرنے میں حق بجانب تھے لیکن بایزید نے جیسا کہ دجالوں کا عام شعار ہے اس سوال کو باتوں ہی میں اڑا دیا۔ مومن کے دل کے عرش سے زیادہ بڑے اور کرسی سے زیادہ وسیع“ ہونے کا مقولہ جو بایزید نے رسول خیر البشر ﷺ کی طرف منسوب کیا تو یہ محض افتراء ہے۔ یہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا توار شاد گرامی نہیں۔ عین ممکن ہے کہ کسی صوفی کا قول ہو۔ اس کے بعد مولانا زکریا نے کہا کہ تمہیں کشف قبور کا دعویٰ ہے۔ ہم تمہارے ساتھ گورستان چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کوئی مردہ تم سے ہمکلام ہوتا ہے یا نہیں؟ بایزید کہنے لگا کہ مردہ تو یقیناً مجھ سے ہمکلام ہو گا اور میں اس کی باتیں سنوں گا لیکن مشکل یہ ہے کہ تم کچھ نہ سنو گے۔ اگر تم مردے کی آواز سن سکتے تو میں تمہیں گہر کیوں کہتا۔ اس جواب پر لوگ کہنے لگے کہ پھر لوگ کس طرح یقین کریں کہ تم حق پرست ہو؟ بایزید بلا کہ تم میں سے ایک شخص جو زیادہ بہتر اور فاضل ہو وہ میرے پاس رہے اور میرے آئین کے موافق عبادت و ریاضت چلائے اگر اسے کچھ نفع ہو تو میرا مرید ہو جائے۔ ہمارے مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اسی قسم کی ایک مضحکہ خیز شرط پیش کی تھی کہ جو کوئی میرا معجزہ دیکھنا چاہے وہ قادیاں آئے اور نہایت حسن اعتقاد کے ساتھ ایک سال تک قادیان رہے۔ اس کے بعد اپنا معجزہ دکھا دوں گا۔ ملک مرزا نام ایک شخص بایزید سے کہنے لگا کہ اے بایزید! الغویانی سے باز آؤ۔ اور مسلمانوں کو کافر اور گمراہ مت کہو۔ جو کوئی چاہے تمہاری پیروی اختیار کرے اور جو پسند نہ کرے وہ اپنی راہ پر گامزن رہے۔ بایزید بلا کہ کسی مکان میں جانے کا ایک ہی راستہ ہو بہت سے آدمی اس میں سو رہے ہوں اور اس گھر کو آگ لگ جائے اچانک ان میں سے ایک آدمی کی آنکھ کھل جائے کیا وہ دوسروں کو بیدار کرے یا نہیں؟ لیکن یہ تمثیل صحیح نہیں تھی۔ مسلمان خواب سے بیدار تھے ان کو خواب گرامی کا یہ مست بھلا کیونکر بیدار کر سکتا تھا۔ ع” آئیں کہ خود گمراہی است کر رہی کن؟ اس نے کہا۔ ”اے بایزید! اگر حق تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے تو بلا تامل کہو کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آتے ہیں اور میں مہدی ہوں۔ لیکن مسلمانوں کو کافر اور گمراہ مت کہو۔“

اکبر بادشاہ کا حریف مقابل

سردی عقیدت مندوں سے قوی پشت ہو کر بایزید نے سرحد میں اپنے قدم نہایت مضبوطی سے جمائے یہاں تک کہ اکبر شاہ کی اطاعت سے باہر ہو کر اس کا حریف مقابل بن گیا۔ اور مسلم کھلا ظلم ستیزہ کاری بلند کرتا ہوا بایزید اپنی تقریروں میں کہتا تھا کہ مغل ظالم اور جفا پیشہ

ہیں۔ انہوں نے افغانوں پر حد سے زیادہ ظلم توڑے۔ ان سب سے قطع نظر اکبر بادشاہ سخت بے دین ہے۔ اس لیے اس کی اطاعت ہر کلمہ گو پر حرام ہے۔ ان کی تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ آتش بیجان مشتعل ہوئی اور اکثر سرحدی قبائل اکبر سے منحرف ہو گئے۔ جب بایزید کی چہرہ دستیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو اکبر کے کان کھڑے ہوئے اور اس نے ایک لشکر جرار اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ لیکن شاہی لشکر خود ہی سرکوب ہو کر بھاگ آیا۔ اس فتح سے بایزید کے حوصلے اور زیادہ بڑھے۔ افغانوں کی نظر میں شاہی فوج کی کچھ حقیقت نہ رہی اور سرحدی علاقوں میں اکبری حکومت کے خلاف ایسے ایسے مفاسد پیدا ہوئے جو شب سیاہ سے بھی زیادہ تاریک تھے۔ اکبر یہ دیکھ کر گھبرا ایا لیکن وہ بھی ہمساتہ دھیر کا پکا شاطر تھا۔ اس نے اہل تیراہ کو زرو مال کے اسلحہ سے رام کر کے اپنے ڈھب پر لگا لیا۔ اب تیراہی ظاہر میں قوایزید کا کلمہ پڑھتے تھے مگر باطن سلطنت مغلیہ کے ہوا خواہ تھے۔ جب بایزید کو تیراہیوں کے مکر و نفاق کا علم ہوا تو اس نے بہتوں کو خون ہلاک سے گلکوں کیا اور بعض کو ملک بدر کیا۔ انجام کار اس کے پیر و تیراہ پر پوری طرح مسلط ہو گئے۔ اب اس نے ننگر پار پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور جن بستیوں نے اس کے حکم سے ذرا بھی سرتابی کی انہیں لوٹ کر برباد کر دیا گیا یہاں تک کہ سرحد میں کسی کوچوں و چراکی منجائش باقی نہ رہی مگر اس کی ان سفاکیوں کی وجہ سے فضا ئے ملک مکدر ہونے لگی اور بعض قبائل بایزید کی اطاعت سے منحرف ہو گئے مگر چونکہ اس کی شان و شوکت اور وسعت اقتدار غایت درجہ پر پہنچ چکی تھی اس لیے کوئی مخالفت بار آور نہ ہوئی۔ بایزید کا علم یکمئی کی دن بدن بلند ہوتے دیکھ کر اکبر بادشاہ ہر وقت انتقام کے لیے دانت پیس رہا تھا۔ آخر بایزید کے اسیتھصال کا عزم مصمم کر کے ایک اور فوج گراں روانہ کی اور صوبہ دار کابل کو بھی کابل کی طرف سے یورش کرنے کا حکم دیا۔ محسن خاں اور صوبہ دار کابل جلال آباد سے تیار ہو کر بایزید پر چڑھ آیا۔ اور ادھر سے افواج شاہی نے اس پر یورش کر دی۔ غرض ہنگامہ کار زار گرم ہوا۔ اور ہر طرف کشتوں کے پٹے لگ گئے۔ ہر چند کہ افغانستان کے مختلف حصوں سے سربجھ جانبا ز بایزید کی تائید میں اٹھے چلے آ رہے تھے لیکن چونکہ بایزید کا ستارہ رو بروال ہو گیا تھا۔ دو طرفہ فوجوں کے مقابلہ سے عمدہ مدد نہ ہو سکا اور شکست فاش کھائی۔ اگر بعض اتفاقی امور نے مساعدت نہ کی ہوتی تو اس بایزید کا خاتمہ ہی تھا۔ اس کے اکثر پیر و دارے گئے۔ اور بعض دشوار گزار پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔ خود بایزید نے ہشت گھر کی طرف بھاگ کر جان چھائی۔ اب بایزید از سر نو فراہی لشکر میں مشغول ہوا مگر عمر نے وفانہ کی اور موت کے فرشتے نے پیام اجل آسنایا۔ افغانستان کے سلسلہ کوہ میں بھت پور کی پہاڑی پر اس کی قبر ہے۔

بایزید کی اولاد 'جلالہ کی اکبر کی شاہی افواج سے معرکہ آریاں

بایزید اپنے بعد پانچ لاکھ اور ایک لاکھ چھوڑ کر مرا۔ بیٹھوں کا نام شیخ عمر کمال الدین

خیر الدین، جلال الدین اور نور الدین تھا۔ اور بیٹھی کو کمال خاتون کہتے تھے۔ بایزید کے بعد شیخ عمر باپ کا جانشین ہوا۔ پیر روشن کے تمام اصحاب اس کے پاس جمع ہو گئے اور اس کی جمعیت دن بدن بڑھنے لگی۔ چونکہ یوسف زئیوں کے پیشوا اخوند در دیزہ تھے اس لیے ان کی اور شیخ عمر کی کچھ زمانہ سے چشمک تھی۔ یوسف زئیوں نے جمع ہو کر دریائے سندھ کے کنارے شیخ عزیز پر حملہ کیا۔ اس معرکہ میں شیخ عمر اور اس کے کئی ایک مخلص احباب کا ر آئے۔ جلال الدین قید ہوا۔ خیر الدین میدان کار زار میں مردہ پایا گیا اور بایزید کا سب سے چھوٹا بیٹا نور الدین ہشت نگر کو بھاگ گیا۔ مگر وہاں کے گوجروں نے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اکبر بادشاہ نے جلال الدین اور اس کے تمام متعلقین کو یوسف زئیوں سے لے کر رہا کر دیا۔ جلال الدین وہاں سے فتح پور گیا۔ اور اکبر سے ملاقات کی۔ اکبر اسے جلالہ کہا کرتا تھا۔ جلالہ فتح پور سے واپس آکر حیراہ کے پہاڑوں میں رہزنی کرنے لگے اور کامل کار راستہ قطعاً مسدود کر دیا۔ یہ دیکھ کر اکبر نے 994ھ میں اپنے مشہور سپہ سالار راجہ مان سنگھ کو جو اس کی ایک ہندو بیوی کا بھتیجا تھا چند دوسرے فوجی افسروں کی رفاقت میں جلالہ سے لڑنے کو بھیجا۔ جلالہ کئی سال تک برسرِ مقابلہ رہا۔ ان محاربات کی تفصیل اکبر نامہ اور منتخب التواریخ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔ کچھ زمانہ کے بعد جلالہ کا بھائی کمال الدین پکڑا گیا۔ اکبر نے تادم واپس اس کو قید رکھا۔ جلالہ علاقہ غزنی میں قوم ہزارہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس کا سر اکبر کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے بعد بایزید کا پوتا احمد اومن عمر خلیفہ بنایا گیا۔ احواد 1035ھ میں سلطان نور الدین جغتایر کے لشکر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے مرید کہتے تھے کہ قرآن کی سورۃ قیل هو اللہ احد احد کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ ہزار ہا افغان اس کے پیرو تھے۔ پھر احمد او کا بیٹا عبد اللہ باپ کا جانشین ہوا۔ لیکن یہ ترک مخالفت کر کے سلطان شہاب الدین شاہ جہان کے دربار میں حاضر ہوا اور امرائے شاہ جہانی میں داخل ہو گیا۔ جلالہ کا ایک بیٹا الہد او شاہ جہاں بادشاہ کی طرف سے رشید خانی خطاب اور منصب چار ہزاری سے سرفراز ہوا تھا۔ 84۔

باب 56۔ احمد بن عبد اللہ سلجماسی

ابو العباس احمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ عباسی سلجماسی مغربی معروف بہ ابن ابی حلی مولف کتاب ”عذر الوسع ووجہ الرسائل“ ممدویت کا مدعی تھا۔ 967ھ میں بمقام سلجماسہ جو ملک مغرب میں ہے پیدا ہوا۔ غفوان شباب میں فاس گیا اور ابو القاسم بن قاسم بن قاضی اور ابو العباس احمد قدوسی اور سید محمد بن عبد اللہ تلمسانی ابو مجیر ابو محمد شقرون تلمسانی اور دوسرے علماء اکتساب علوم کرتا رہا۔ وہاں سے مشرق کا سفر کیا۔ حج کر کے مصر گیا اور سنہوری القانی طنانی طہیمیری اور دوسرے علمائے مصر سے علمی فیوض حاصل کئے۔ اس کے بعد اس نے حضرت ممدی مفتخر علیہ السلام کے ظہور کے متعلق ایک کتاب لکھی جس میں ان کے اوصاف اور علامات درج کئے۔ گو اس میں ضعیف روایتوں کی بھر مار تھی تاہم کتاب من حیث المجموع مفید ثابت ہوئی۔ یہ تالیف گو یا دعوائے ممدویت

کی تسدید تھی۔ آخر 1031ھ میں دعوائے مددیت کر دیا۔ ہزار ہالوگوں نے اس کی متابعت کی۔ اس شخص کی عادت تھی کہ روسائے قبائل و عمائد بلاد کی طرف خطوط بھیج بھیج کر ان کو نیکیوں اور سنت پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتا اور خط کے اخیر میں یہ لکھ دیتا کہ میں وہی مہدی منتظر ہوں جس کے ظہور کی حضرت مہر صادق علیہ السلام نے پیشین گوئی کی تھی جو شخص میری متابعت کرے گا وہ مظلوم کامگار ہوگا۔ اور جو کوئی تخلف کرے گا وہ قمر ہلاک میں جا پڑے گا۔ یہ شخص اپنے حاشیہ نشینوں سے کہا کرتا تھا کہ تم لوگ پیغمبر خدا علیہ السلام کے اصحاب سے افضل ہو کیونکہ تم ایک باطل زمانہ میں نصرت حق کے لیے کھڑے ہوئے ہو اور صحابہ کرامؓ از من حق میں کھڑے ہوئے تھے۔ جب اس کے پیروؤں کی تعداد بڑھ گئی تو اس نے امر معروف اور نہی اور منکر کا وعظ شروع کیا۔ اسی کے ساتھ مریدوں کو ملک گیری کی ترغیب دیتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ان مسلمانوں کو ستانا شروع کیا جو اس کی پیروی سے احتراز کرتے تھے۔ بہتوں کو لوٹا اور اکثر کو جلا وطن کر دیا۔ جب کوئی کہتا کہ حسب ارشاد نبوی علیہ السلام مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں تو کہتا کہ میرا غیظ و غضب محض اللہ کے لیے ہے۔

ان ایام میں مراسم کی سر زمین سلطان زید ان کے زیر تکلیف تھی۔ جب زید ان کے عامل حاج میر نے اس کی روز افزوں چیرہ دستیائیں دیکھیں تو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے نکلا۔ ان اہل محلی اس کے مقابلہ میں صرف چار سو مریدوں کو لے کر آیا۔ لڑائی ہوئی جس میں حاج میر کو ہزیمت ہوئی۔ لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ ان اہل محلی کے پیروؤں پر ہتھیار اثر نہیں کرتے۔ غرض دلوں پر اس کا رعب چھا گیا۔ اس فتح کے بعد اس نے بلا عزم امت سلیمانہ پر قبضہ کر لیا۔ وہاں ہر طرح سے عدل و انصاف کا شیوہ اختیار کیا۔ اور مظلوموں کی داور سی کی نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا اس کو بہت چاہنے لگی۔ اور اہل تھمان اور راشدیہ کے وفد اس کو مبارک باد دینے آئے۔ ان وفد میں فقیہ علامہ ابو عثمان سعید جزائری معروف بہ قدورہ شارح مسلم بھی تھے۔ جب سلطان زید ان کو اس ہزیمت کا علم ہوا تو اس نے اپنے بھائی عبداللہ بن منصور مروف بہ زبدہ کو فوج دے کر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ درعہ کے مقام پر دونوں لشکروں کی ٹکڑھیز ہوئی۔ عبداللہ بن منصور کو شکست ہوئی اور اس کی فوج کے تین ہزار آدمی مارے گئے۔ اس فتح کے بعد اہل محلی کی شوکت ثریا سے باتیں کرنے لگی۔ جب سلطان زید ان کے سپہ سالار یونس ایسی کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو وہ سلطان سے منقطع ہو کر ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ان اہل محلی کے پاس چلا آیا اور اس کو سلطان کے اسرار و خفایا سے مطلع کر کے کہا کہ تم زید ان پر چڑھائی کرو اس کا مغلوب کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ چنانچہ ان اب محلی لاؤ لشکر لے کر مراکش پر چڑھ گیا۔ سلطان زید ان ایک لشکر جرار لے کر مقابلہ پر آیا۔ پرنگالی نصاریٰ نے سلطان زید ان کی کمک پر بلا طلب ایک دستہ فوج روانہ کیا سلطان کو اس بات پر غیرت آئی کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار سے مدد لے۔ سلطان حسن سلوک سے پیش آیا اور پرنگالی قیدیوں کو رہا کر کے ان کو دستہ فوج کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ اب لڑائی شروع ہوئی۔ ان اہل محلی نے اس کو شکست دی اور شہر مراکش میں داخل ہو کر وہاں قابض و متصرف ہو گیا۔ زید ان جان بچا کر برابعدہ کی طرف بھاگ گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد سلطان زید ان ایک مشہور عالم فقیہ ابو زکریا یحییٰ بن عبداللہ داودی کے پاس گیا جو کہ عدن میں اپنے والد کی خانقاہ میں مقیم تھے۔ فقیہ یحییٰ کے پیروؤں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ زید ان نے جا کر کہا کہ آپ لوگ میری بیعت میں ہیں۔ اب میں آپ کے پاس اپنی حاجت لے کر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دشمن نے مجھے ملک سے بے دخل کر دیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔ فقیہ ابو زکریا یحییٰ نے اس دعوت کو لیکر کہا اور ہر طرف سے فوجیں جمع کرنے لگے۔ جب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو 8 رمضان 1022ھ کو مراکش کی طرف کوچ کر دیا۔ علامہ ابو زکریا یحییٰ نے موضع جیلیر مضافات مراکش کے یاس پہنچ کر کوہ مظل پر قیام کیا اور حرب و ضرب

کی تیاریاں شروع کیں دوسرے دن لڑائی شروع ہوئی۔ فقیہ کا لشکر دشمنوں کی صفوں میں گھس پڑا اور جو سامنے آیا اسے فنا کر دیا۔ غرض نسیم فتح فقیہ کے راہیت اقبال پر چلنے لگی۔ ابن ابی محلی کو ہزیمت ہوئی اور وہ میدان جانتاں کی نذر ہوا۔ فقیہ ابو زکریا نے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کر شہر کے صدر دروازہ پر لٹکا دیں۔ معاش حکم کی تعمیل ہوئی۔ اسی طرح اس کی فوج کے سر بھی کاٹ کاٹ کر شہر کے دروازوں پر لٹکا دیئے گئے اس کے بعد فقیہ صاحب مراکش کی مملکت سلطان زیدان کے سپرد کر کے واپس چلے آئے۔ ابن ابی محلی اور اس کے ساتھیوں کے سر بارہ برس تک مراکش کے دروازوں پر لٹکے رہے۔ ابن ابی محلی کے پیر دیکھتے تھے کہ حضرت مہدی علیہ السلام قتل نہیں ہوئے بلکہ کچھ عرصہ کے لیے نظروں سے غائب ہوئے ہیں۔

شیخ یوسی کامیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلی اپنے استاد مبارک کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں اچانک یہ کنسا شروع کیا کہ میں بادشاہ ہوں۔ میں بادشاہ ہوں۔ میں بادشاہ ہوں۔ استاد نے کہا احمد! مانا کہ تم بادشاہ ہو جاؤ گے مگر یاد رکھو کہ لوح و قلم کے بعد نہ تم زمین کو چھڑا سکو گے اور نہ پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکو گے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن ابی محلی صوفیوں کی ایک خانقاہ میں گیا اور کہتا شروع کیا کہ میں سلطان ہوں۔ میں سلطان ہوں۔ ایک صاحب وجد و حال صوفی اس کے جواب میں کہنے لگا۔ تین سال تین سال چوتھا نہیں۔ چنانچہ وہ تین ہی سال تک برسر حکومت رہا اور میان کیا جاتا ہے کہ جب یہ مکہ معظمہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا تو لوگوں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا آٹھی! تو نے کہا ہے اور تیرا قول حق ہے۔ (اور ہم ان پیام کو لوگوں میں بدلتے ہیں) جب یہ حالت ہے تو بار خدا! تو مجھے لوگوں میں دولت و حکومت دے۔ ابن ابی محلی نے بارگاہ خداوندی سے زوال

پذیر حکومت تو مانگی لیکن حسن عاقبت کا سوال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے اسے دولت سے تو چند روزہ سرفرازی بخشی لیکن حسن خاتمہ کا حال معلوم نہیں۔ ابن ابی محلی صاحب تصانیف تھا اس کی مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔ 'منہج السور فی الرد علی اہل الجور' 'وضح' 'قسطناس' 'اصلیت' 'دووج' 'ابو عمرو قسطلی کے رسالہ کار ذو غیر ذالک۔ 85۔

باب 57۔ احمد بن علی مجیر ثنی

یمن کے علاقہ میں ایک قصبہ مجیر ثنی ہے وہاں کارہنے والا تھا۔ مہدویت کا مذہبی تھا۔ اپنا درجہ کا ذکر ذی علم تھا۔ پہلے زیدی تھا پھر حنفی ہو گیا۔ منعاہ (یمن) میں عرصہ تک حنفی مذہب کا قاضی رہا ہے لیکن اخیر عمر میں راہ صدق و صواب سے ہٹ کر مہدی خطر بن بیٹھا۔ بعض شافعیہ سے منقول ہے کہ احمد بن علی کی غیر معمولی کادت ہی نے اس کی عقل ماری۔ اور جودت طبع ہی اس کے لیے وبال جان بن گئی۔ اسے روشنی طبع تو بہ من بلا شدی چنانچہ اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ میں ہی وہ مہدی ہوں جس کے ظہور کی غیبت خدا تعالیٰ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔ اپنے ایک قصیدہ میں جو سید احمد بن امام قاسم اور اپنے بزرگوار زوادہ حسین کے نام مرقوم تھا لکھتا ہے۔

من الامام المہدی امار لمرتضی المرشد

الی الملیک احمد ثم الحسین الارشد

اور کبھی مہدویت کا دعویٰ چھوڑ کر وہ ولید بن بیٹھتا تھا جس کا تذکرہ قرآن حکیم کی اس آیت میں ہے۔
(ترجمہ) جب لوگوں پر (قیامت کا) وعدہ (یعنی زمانہ) قریب آئے گا تو ہم ان کے لیے ایک (عجیب و غریب) جانور برآمد کریں گے جو ان سے تکلام ہو گا۔ اور کہے گا کہ (کافر) لوگ حق تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ (82:27)

یہ شخص شعر و سخن میں بھی اپنا جواب نہ دیکھتا تھا۔ اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

قاضی الجمال اتی یجود ذیولہ

کانبعصن حرکتہ النسیم الساری

لبس السواد فعاد بدر فی الدجی

لبس البیاض فکان شمس النهار

آخر عمر میں مکہ معظمہ چلا گیا اور وہیں 1056ھ میں موت کے دامن میں منہ چھپالیا۔ 86۔

باب 58۔ محمد مہدی ازکی

برزنجی ”اشاعہ لاشرط الساعہ“ میں لکھتے ہیں کہ جب میں صغیر سن میں تھا تو کوہ شہر زور کے ایک گاؤں میں جس کا امام ازک ہے۔ ایک شخص محمد نام ظاہر ہوا جو مہدویت کا مدعی تھا۔ بے شمار مخلوق اس کی پیروی ہو گئی۔ جب یہاں کے امیر احمد خاں کر د کو اس کے دعادی و باطلیل کی اطلاع ہوئی تو فوج لے کر چڑھ آیا۔ خانہ ساز مہدی خود تو بھاگ گیا لیکن اس کا بھائی گرفتار کر لیا گیا۔ احمد خاں کی فوج نے موضع ازک کو دیران کر کے اس کے بہت سے پیروؤں کو سخت بد حالی کے ساتھ ملک عدم میں بھیج دیا۔ غرض وہ سخت ذلیل و رسوا ہوا اور اس کی جمعیت پر آگندہ ہو گئی۔ دعوائے مہدویت کے علاوہ اس کے مقالات میں سخت الحاد و زندقہ بھرا ہوا تھا۔ اس لیے علمائے اکرام اس کے کفر پر متفق ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد احمد خاں کی فوج نے مہدی ازکی پر قابو پالیا۔ جب وہ گرفتار کر کے احمد خاں

کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے علمائے استصواب کیا۔ علماء نے بتایا کہ تجدید ایمان کرے اور بیوی کو از سر نو عقد نکاح میں لائے۔ چنانچہ اس نے سب کے سامنے اپنے عقائد کفریہ سے توبہ کی۔ اور نکاح دوبارہ پڑھوایا۔ لیکن اس کے بعد اپنے مریدوں سے کہنے لگا کہ میں نے اپنے دل سے رجوع نہیں کیا ہے۔ اوائل میں تو اس کا بھائی جو قید ہوا تھا اس سے بہت کچھ حسن عقیدت رکھتا تھا لیکن جب وہ فوج کے آنے کی خبر سن کر بھاگ کھڑا ہوا اور اس کی بدولت اس کے پیرو اور بستی والے ذلیل ہوئے تو بھائی اس سے بد اعتقاد ہو گیا۔ اس کے بعد نہ صرف اس کی صداقت کا منکر تھا بلکہ اسے اس دعوئے مہدویت اور الحاد پسندی پر سخت ملامت کیا کرتا تھا۔ برزنجی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ 1070ھ سے پیشتر میں اسے دیکھنے گیا تھا۔ میں نے اسے بواعلیہ کثیر الاجتہاد پر بیہیز گار اکل حلال کا پابند حرام و مشتبہ چیزوں سے متفر اور خلوت گزریں پایا۔

باب 59۔ سہباتائی سیوی

897ھ میں مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی ملک سپانیہ (اسپین) سے خارج کئے گئے تھے۔ اس زمانہ میں سلطنت آل عثمان کا عروج و عروج شباب پر تھا۔ یہود نے اسپین کو الوداع کہہ کر ترکی قلمرو کا رخ کیا اور دولت عثمانیہ کے ظل حمایت میں آکر شہر سلونیکا کو اپنا مستقر بنایا۔ چنانچہ آج تک ان یہود کی مادری زبان اسپینی زبان ہے۔ انہی یہودیوں میں سہباتائی سیوی یا سہباتائی زہبی نام ایک یہودی تھا جو سمرنا میں پیدا ہوا اور 1666ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ سہباتائی کا باپ سمرنا میں ایک انگریز تاجر کے کارخانہ کی دلالی کرتا تھا۔ مگر سہباتائی کو ایام طفلی سے تحصیل علم کا شوق تھا۔ اس لیے سلونیکا کے ایک یہودی مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ یہاں اس نے تورات اور تالمود کے تمام حصے پڑھے اور بنو زہدیرہ ہی سال کی عمر تھی کہ تحصیل علم سے فارغ ہو گیا۔

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

اب اس نے حصول شہرت کے لیے تذکیر و موعظہ کا سلسلہ شروع کیا۔ جب اچھی طرح شہرت ہو گئی تو چوبیس برس کی عمر میں یکایک مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور کہنے لگا کہ میں اسرائیلیوں کو اہل اسلام اور نصاریٰ کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ ہزار ہا مخلوق اسے مسیحا اور مظہر شان ایزدی تسلیم کرنے لگی لیکن چونکہ اس دعویٰ کے ساتھ ہی سہباتائی یسوا کے نام کا کلمہ علانیہ برسرِ مجمع عام زبان پر لایا اور یہود میں اللہ رب العزت کا وہ جلالی نام ہے جسے صرف یہود کا پیشوائے اعظم خاص مقام اقدس میں عید فصح کے موقع پر سال میں صرف ایک مرتبہ ورد زبان کر سکتا تھا اس لیے یہودی مخلوق میں تہلکہ مچ گیا۔ جب یہ خبر دبیوں کے دارالقضاء میں جو پوشیدہ پن کھاتا ہے پہنچی تو اس کے چند ارکان نے دارالقضاء کی جانب سے آکر سہباتائی کو ڈرایا دھمکیا اور کہا کہ اگر یہ گناہ تم سے پھر کبھی سرزد ہوا تو تم جماعت سے خارج کر دیئے جاؤ گے اور جو شخص

تمہیں قتل کرے گا وہ غمخوار اور جزیل کا مستحق ہو گا۔ سہا تائی بھلا ایسی دھمکیوں میں کب آنے والا تھا۔ کہنے لگا مجھے خدائے اسرار اعلیٰ نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے خاص طور پر اپنا جلالی نام ورد زبان کرنے کا مجاز کیا ہے۔ دیہیوں نے دیکھا کہ یہ شخص اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا تو اسے اپنی جماعت سے خارج کر کے اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ اس دن سے سہا تائی کے پیرو دون مہ (یعنی خارجی یا رافضی) کے مکروہ لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ مگر دومہ خود اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ اس تسمیہ کی شاید وجہ یہ ہو کہ دومہ بظاہر مسلمان بنے رہتے ہیں اور انہوں نے بہت سے اسلامی عقائد و اصول کو اپنے معتقدات میں داخل کر رکھا ہے۔ جب سہا تین پر کفر کے فتوؤں کی بھرمار ہوئی اور ہر راسخ العقیدہ یہودی اس کے خون کا پیاسا نظر آیا تو سرنا کو خیر باد کہہ کر یورپ کا رخ کیا۔ پہلے یورپی ترکی کے شہر سلونیکا میں پہنچا جہاں یہودی کی بہت زیادہ آبادی ہے۔ یہاں اس نے کسی قدر کامیابی کے ساتھ اپنے مذہب کی اشاعت کی۔ سہا تائی کے مسلک میں اس اصول پر بہت زور دیا گیا تھا کہ جو مرد اپنی بیوی سے ناخوش ہو یا اس کی ہم نشینی مرغوب خاطر نہ ہو۔ وہ اسے چھوڑ کر دوسری شادی کر لے تاکہ یہ خدائی اصول پورا ہو کہ شادی کی زندگی خوشگوار اور پرسرور ہونی چاہیے۔ چنانچہ اسی اصول کے ماتحت متعدد گھر گرجاں و عجمانہ خود اس کی آغوش عشق کی باجھہ از بنیں۔ اس کے حلقہ ارادت میں عیش و نشاط کی کھیتیاں ہر طرف لہلہاتی دکھائی دیتی تھیں۔ مریدین اپنی پرانی جو روؤں کو طلاق دیتے اور نئے نئے درہائے ناسفہ سے لذت اندوز ہونے کی دھن میں لگے رہتے تھے۔ خود سہا تائی بھی نئی نئی دلبیش بہم پہنچاتا اور پرانی عورتوں کو چھوڑتا جاتا تھا۔ جب اس کردہ میں عیش و عشرت کی گر مہا زاری ہوئی اور مطلقہ عورتوں کے جھگڑے عدالتوں میں جانے لگے تو اس وقت اس مذہب کی حقیقت عیاں ہوئی۔ ترکی حکام نے اس قسم کی طلاقوں پر سخت گیری شروع کی اور بہت سے ملزموں کو جبرت ناک سزائیں دیں۔ سہا تائی سلونیکا سے یونان گیا۔ وہاں سے اٹلی کی راہ لی اور شریک بورن میں ایک اور یہودیہ سے نکاح کیا۔ اس کے بعد اپنے خیالات کی تبلیغ و تلقین کرتا اور طرابلس الغرب اور شام ہوتا ہوا بیت المقدس میں آیا۔

اغیار کی غلامی سے نجات دلانے کے وعدے

چند روز بعد ناقص نام ایک یہودی سے ملاقات ہوئی جسے ہم مذاق پاکر اسے اپنے راز میں شریک کر لیا اور اب یہ دونوں اپنی تحفہ کو ششوں سے ہمہ تن ایک نیا مذہب قائم کرنے میں مصروف ہوئے۔ چنانچہ ناقص نے جس میں سہاٹی ہی کی سی جودت طبع و دیت تھی مسیح کا پیش رو بننے کی خدمت اپنے ذمہ لی۔ اور اس سے جدا ہو کر ہر طرف منادی کرنے لگا کہ مسیح موعود کے ظہور کا وقت آن پہنچا ہے اور وہ دولہا تم ہی میں موجود ہے۔ وہ لوگوں سے کہتا تھا۔ ”سنو اب تم لوگ شریعت کے ناکوار احکام سے آزاد ہو جاؤ گے۔ نہایت اطمینان اور گرمجوشی کے ساتھ حضرت مسیح موعود کا استقبال کرو۔ ان ایام میں عامہ یہود کے دل ایک اخلاقی و مذہبی انقلاب کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ اور ان میں 1888ء کے سال میں اہم اور عظیم الشان واقعات رونما ہونے کے متعلق بہت سی پیشین گوئیاں چلی آتی تھیں اس لیے بہت سے یہودی جملا اس کے پیرو ہو گئے۔ دوسری طرف خود سہاٹی کو جو شہر غزہ میں اپنے دین کی منادی کر رہا تھا۔ فلپاں کا میل ہوئی اور اس قرب و جوار کے یہودی غیر مذہب کی غلامی چھوڑنے اور آل اسرائیل کے جدید لوج و عروج کے اشتیاق میں اپنی معیشت کے مشاغل کو چھوڑ کر زہد و عبادت گزاری میں منہمک ہوئے اور بڑی بڑی فیاضیاں دکھانی شروع کیں۔ یہاں کے یہود نے قلمروئے عثمانیہ کے دوسرے حصوں کے یہود کو مطلع کیا کہ مسیح موعود جس کا انتظار تھا نمودار ہو کر ہم میں موجود ہے۔ ارض شام کے یہود نے بھی اس جوش و خروش سے اس دعویٰ کو تسلیم کیا تو سہاٹی کا حوصلہ بڑھا اور اب بڑی شان و شوکت سے اپنے وطن سرنا میں داخل ہوا اور خاص دار الخلافہ قسطنطنیہ کے یہود کو بھی اپنی طرف موعوم کیا۔ ناقص ان دنوں دمشق میں تھا۔ وہاں سے اس نے سہاٹی کو ایک خط لکھا جس میں اسے ”الحکم الحاکمین“ کے لقب سے خطاب کیا۔ طلب کے یہودیوں کے پاس بھی اس نے ہدایت نامے بھیجے جن کے ذریعہ سے اس کے لوگوں کو اپنے دعوؤں اور مسیح موعود کے اصول سے مطلع کیا۔ اب سلطنت عثمانیہ میں ہر گاؤں اور ہر شہر کے یہودی غیر معمولی خوشیاں اور مجنوناہ مسرتیں ظاہر کرنے لگے اور بچے بچے کا دل قوی انگلوں سے معمور ہوا۔ اس عقیدہ نے کہ اسرائیلیوں کو اغیار کی غلامی سے نجات دلانے والا مسیح موعود مبعوث ہو چکا عام شورش پیدا کر دی۔ دولت عثمانیہ کی مسلم اور نصرانی رعایا یہود کے اس غیر معمولی

جوش و خروش پر سخت حیرت زدہ تھی۔ اس خانہ ساز مسیح مدعو پر ایمان لانے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ بعض شہروں میں تجارتی کاروبار بالکل بند ہو گیا۔ یہود اس شوق میں کہ انہیں عنقریب غلامی سے نجات ملے گی اور حضرت مسیح موعود انہیں ساتھ لے کر بیت المقدس میں داخل ہوں گے۔ اپنے دنیوی معاملات اور تجارتی کاروبار سے بالکل دست بردار ہو گئے۔ آخر یہاں تک فوج پہنچی کہ سلطنت عثمانیہ میں دول یورپ کے سفیر جو موجود تھے۔ انہیں ان کی سلطنتوں نے حکم دیا کہ اس نئی مذہبی تحریک کے متعلق تحقیقات کر کے کیفیت پیش کریں۔ جس طرح ہندوستان میں تجارت ہندو کے دست اختیار میں ہے اسی طرح عثمانی قلمرو میں یہود کے ہاتھ میں تھی۔ عثمانی عدل نے قسطنطنیہ کے باب عالی میں شکایت کی کہ ہماری ولایتوں میں کاروبار تجارت بالکل بند ہو گیا۔ اب یہ تحریک ایک دہائی مرض کی طرح ممالک یورپ کی طرف بڑھنے لگی۔ اٹلی ہالینڈ اور جرمنی کے اکثر یہودی اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اپنی جائیدادوں کو بیچ کر یا یونمی چھوڑ کر حضرت ”مسیح موعود“ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ اب ان حالات سے بھی زیادہ خطرناک صورت یہ نمودار ہوئی کہ حالات ترک حکام کی اطاعت سے باہر ہونے لگے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ عنقریب مسلمان ہمارے غلام اور محکوم ہو جائیں گے۔

قسطنطنیہ کا مجس بحیثیت زیارت گاہ

انہی ایام میں سباتائی پھر سمرنا آیا۔ وہاں کے مذہبی مقتدا اور رنی سباتائی کو ”مسیح موعود“ تسلیم کرنے میں مذہب تھے۔ آخر سب سے بڑے رنی نے جو ”خانم ہاشی“ کہلاتا ہے اسے مشورہ کرنے کے یہاں اپنی صحبت میں بلا دیا۔ سباتائی بلاتامل اس کے پاس چلا گیا۔ اس کے پیروؤں کا ایک گروہ بھی ساتھ گیا۔ یہ لوگ گھر کے باہر ٹھہرے رہے۔ سباتائی کو بڑے رنی کے گھر سے نکلنے میں زیادہ دیر ہوئی تو انہوں نے خیال کیا کہ شاید رنی نے ”مسیح موعود“ کو زندہ دستی اپنے مکان میں بند کر رکھا ہے فوراً قاضی کی عدالت میں پہنچے اور کہا کہ ہمارے مسیح موعود کی رہائی کا فوراً ہندوستان کیا جائے ورنہ بغاوت ہو جائے گی۔ قاضی نے اس جھگڑے کا انحصار دیبیوں ہی کے محکمہ والوں پر محلول کیا۔ بڑا رنی کسی طرح سباتائی فتنہ کا استیصال کر دینا چاہتا تھا لیکن اس کے پیروؤں اور حامیوں کی تعداد اس قدر غالب تھی کہ ان کا کچھ زور نہ چلا اور مجبوراً اسے چھوڑتے ہی بنی۔ سمرنا سے اس نے قسطنطنیہ کا رخ کیا وہاں کے یہودی بھی جوش و خروش کے ساتھ اس پر ایمان لانے لگے۔ یہاں ایک ذی علم یہودی نحیا کو بہن نے تخیل میں سباتائی سے خواہش کی کہ اپنی مسیحیت میں مجھے بھی شامل کر لو۔ سباتائی نے اس سے قطعاً انکار کیا۔ نحیا اس کی شکایت لے کر وزیرائے سلطانی کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ اگر یہ جعلی مسیح فوراً پامال نہ کر دیا گیا تو سلطنت کے امن و امان میں سخت خلل پڑے گا۔ حکام اس

مسئلہ پر پہلے ہی غور کر رہے تھے۔ باب عالی کے حکم سے سباتائی قسطنطنیہ میں گرفتار کر کے قید کر دیا گیا۔ قسطنطنیہ کا محبس واقع قصر اہلی دوس اس کے بیروں کے لیے ایک بڑی زیارت گاہ بن گیا۔ لوگوں کے غول کے غول آتے اور قید خانہ کے ترک محافلوں کو بڑی بڑی رشوتیں دے کر اپنے مسیح کی زیارت کر جاتے۔ اب اس کا شرہ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ اس نے اسی محبس میں بیٹھے بیٹھے اپنے مذہب کی از سر نو تدوین کی اور نئے قواعد کو منضبط کیا۔ اس کے پرجوش پرووں نے یہ کارروائی کی کہ قدیم الایام سے جتنی پیشین گوئیاں کتابوں میں کی گئیں تھیں سب اسی سے واپس کر دیں اور تورات کے بت سے فقروں میں حسب دلخواہ تحریف و تبدیل کر کے ان میں اس کا نام شامل کر دیا اور محرف فقروں کو قطعات کے طرز پر چوکھٹوں میں لگا کر یا دوسرے طریقوں سے لکھ کر یسود میں نے گھروں آویزاں کیا۔

سلطان المعظم کے سامنے اسلام کا منافقانہ اقرار

یہ سلطان محمد رابع کا عہد خلافت تھا۔ قسطنطنیہ اس وقت تک دار الخلافہ نہیں بنا تھا۔ سلطان محمد کا مستقر خلافت ان ایام میں اور نہ (اڈر یا نوپل) تھا۔ جب سباتائی فتنہ نے خطرناک نوعیت اختیار کی تو سلطان المعظم نے سباتائی کے حاضر کئے جانے کا حکم دیا۔ جب وہ لدر نہ کے قصر شاہی میں تخت کے آگے حاضر ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ جب تم ”مسیح موعود“ ہو تو (مسیح علیہ السلام کی طرح) معجزے بھی دکھا سکتے ہو گے؟ اس نے فوراً جواب دیا کہ بے شک دکھا سکتا ہوں۔ سلطان نے کہا۔ اچھا میں اپنے تیر اندازوں کو حکم دیتا ہوں کہ تمہیں ہدف سامہائیں اگر تیروں نے تمہیں کوئی صدمہ نہ پہنچایا تو سمجھا جائے گا کہ تم واقعی مسیح ہو کیا تم یہ معجزہ دکھا سکتے ہو؟ بارگاہ خلافت کی یہ جان رہا تجویز سب کر سباتائی کے اوسان خطا ہو گئے اور گھبرا کر سوچنے لگا کہ اب چاہاؤ کی دوی صورتیں ہیں یا تو ترک سپاہیوں کے تیروں کا نشانہ بن کر جان دوں یا اسلام قبول کر کے جان چاہاؤ اتنے میں تیر اندازوں کا ایک دستہ بھی سامنے آ موجود ہوا۔ سباتائی تیر اندازوں کو ملک الموت یقین کر کے عرض پیراؤ کہ خلیفہ المسلمین ان تمام سرگرمیوں سے میرا حقیقی مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو خدا کی توحید اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی طرف بلاؤں اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے ان کو مانوس کروں۔ یہی پاک کلمہ میرا شعار ہے اور میری دلی آرزو ہے کہ روئے زمین کے اسرائیلیوں کو اس کا قائل اور پیر و بنا دوں۔ سلطان نے کہا جس قدر اطلاعیں باب عالی میں پہنچیں ان سے تمہارے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی۔ سباتائی عرض پیرا ہوا جہاں پناہ میں نے دل میں ٹھان رکھا تھا کہ جس وقت حضرت ظل سبحانی کے دربار میں رسائی ہوگی۔ اس وقت اپنے ایمان کو برملا ظاہر کروں گا۔ آخر سباتائی نے حلف اٹھایا کہ میں مسلمان ہوں اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

محض ہنگامہ آرائی اور لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے تھا۔ اس کے بیانات سن کر اس کے پیرو متقمم ہو کر سنانے میں آ گئے۔ بعض معتقدین تو منحرف ہو گئے اور جو سادہ لوح آج کل کے مرزائیوں کی طرح زیادہ راسخ الاعتقاد تھے۔ وہ سہاتائی کے اس حلقی بیان کی اسی طرح تادلیس کرنے لگے جس طرح مرزا غلام احمد صاحب کی عقیدت کیش امت ان کی جھوٹی پیشین گوئیوں کی تادلیس کیا کرتی ہے۔

قلعہ بلغراد کے لیام نظر بندی

سلطان نے مستقبل کے ممکن الوقوع فتنہ کی روک تھام کے لیے سہاتائی کو بلغراد کے قلعہ میں نظر بند رکھنے کا حکم دیا جو آج کل ملک سریا (سرویہ یا زچو سلاویہ) کا پایہ تخت ہے۔ اور ان دنوں ترکی قلمرو میں داخل تھا۔ یہ دیکھ کر کہ سہاتائی جان کے خوف سے مسلمان ہو گیا ہے مخالف یہودی اور دوسرے لوگ اس کے عقیدت مندوں پر لعن طعن کرنے لگے مگر سہاتائیوں کے دلوں پر اس کی مسیحائی کے نقش کچھ اس طرح مرتسم ہوئے تھے کہ ”حسن اعتقاد“ کی رسی کو کسی طرح ہاتھ سے نہ چھوڑا اور کہنے لگے کہ اسلام کا ظاہری اعتراف بھی حضور مسیح موعود کی ایک شان مسیحائی ہے۔ آخر 1878ء میں بلغراد ہی کے قید خانہ میں اپنے مریدوں کو داغ مفارقت دے گیا۔ مگر اس کے معتقدوں میں سے اکثر نے یہ کہنا شروع کیا کہ وہ مرا نہیں بلکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلا گیا ہے اور کسی روز پھر دنیا میں نزول فرما کر اعلائے کلمتہ اللہ کا حق ادا کرے گا۔ یہ خیال سہاتائیوں کے دلوں میں ایسے وثوق کے ساتھ قائم تھا اور ہے کہ سلونیکا کی زمین دوز مخفی عبادت گاہوں میں جو فرقہ دومہ نے بنا رکھی ہیں ہر وقت ایک نہایت صاف اور اجالا چھوٹا تیار رہتا ہے کہ ہمارے مسیحا صاحب عالم بالا کے سفر سے مراجعت فرمائیں گے تو انہیں اس قدر طویل سفر کی ماندگی دور کرنے کے لیے استراحت کی ضرورت ہوگی۔ پہلے یہ یقین تھا کہ مسیحا سلونیکا کے پھاٹکوں میں سے ”باب دروار“ سے شہر میں داخل ہوگا۔ مگر جس زمانہ سے سلونیکا میں ریل جاری ہو گئی۔ یہ خیال پختہ ہو گیا ہے کہ ان کا مسیح ریل پر سوار ہو کر آئے گا۔ چنانچہ اب تک سلونیکا کے آخری اسٹیشن پر ہر ریل گاڑی کی آمد کے وقت مسیحا کے استقبال کے لیے کوئی نہ کوئی دومہ موجود رہا کرتا ہے۔ بعینہ یہی حالت چند صدیوں پیشتر شیعوں کی صاحب الزمان مہدی علیہ السلام کے انتظار میں تھی جبکہ بغداد کے قریب شہر سرمن رائے کے غار پر ایک اعلیٰ درجہ کا گھوڑا ساز دسامان سے تیار روزانہ جلوس اور باجوں کے ساتھ جاتا اور مغرب کے بعد حضرت امام کے ظہور کا انتظار کر کے نامراد واپس آیا کرتا تھا۔ سہاتائی کی ہلاکت کے بعد اس کی ایک بیوہ نے بیان کیا کہ امام سہاتائی میرے بھتیجے یعقوب کو اپنا جانشین مقرر کر گیا ہے جسے میں نے دس سال کی عمر میں گود لیا تھا دومہ نے سہاتائی کی جگہ یعقوب کو اپنا بیٹا تسلیم کیا۔ یہ لوگ اسے بھی مقرر ربانی ماننے لگے۔

دون مہ کی مذہبی دورنگی

سلطان العظم کے سامنے سہاتائی کے اسلام قبول کرنے کا یہ انجام ہوا کہ دومہ ۱۰ خانوں میں عبادت کدے بنا کر وہاں تو اپنی مخصوص عبادت کرتے ہیں مگر یہ ظاہر مسلمان نظر رہے اور مساجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے سے نام رکھتے ہیں اور انہی کا سالہاس اور وضع دہشت اختیار کر رکھی ہے۔ عورتوں کی وضع بھی مسلم خواتین کی سی ہے۔ ان کے چروں پر بھی مسلمات کی طرح نقاب پڑی رہتی ہے۔ غرض ان کے تمدن و معاشرت میں اسلامی رنگ اس قدر نمایاں ہے کہ تمیز کرنا مشکل ہے۔ اہل اسلام کی طرح سہاتائی کے پیرو بھی حج کعبہ ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ یعقوب مذکور اپنے عقیدت مندوں کی ایک جماعت کے ساتھ حج کے لیے مکہ معظمہ آیا اور واپس جاتے ہوئے راستے میں طمعہ اجل ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بڑا شجاع متدائے امت قرار پایا۔ سہاتائیوں نے اسے بھی مظہر شان خداوندی تسلیم کیا۔ سلونیکا میں دومہ کے قریب ایک ہزار خاندان موجود ہیں جن کی کل تعداد قریباً دس ہزار نفوس کی ہے یہ لوگ جس طرح اپنے کنیسوں میں عبادت کو جاتے ہیں ویسے ہی مساجد میں بھی جا کر نماز پڑھتے اور شریک جماعت ہوتے ہیں۔ سہاتائی لوگ روزے بھی رکھتے ہیں۔ ان کے بعض روزے یہودی شریعت کے مطابق ہیں اور بعض اسلامی احکام کے موافق۔ ان کی دو شیزہ لڑکیاں عموماً مسلمان ہمسایوں سے شادی کرنا پسند کرتی تھیں۔ خصوصاً ترکوں کے ساتھ جن کے ہاتھ میں 1912ء کی جنگ بلقان سے پیشتر سلونیکا کی حکومت تھی لیکن انجام کار جب سہاتائیوں کو شدت سے یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کچھ زمانہ میں ان کی جماعت مسلمانوں میں شامل ہو کر بالکل معدوم ہو جائے گی تو انہوں نے نہایت سختی سے اس کی روک تھام کرنی چاہی۔ چنانچہ ساری قوم اس کوشش میں منہمک ہوئی کہ ان کی لڑکیاں دوسری قوموں میں شادی میا نہ کرنے پائیں۔ میان کیا جاتا ہے کہ اس ہمدش کے کچھ عرصہ بعد ایک دون مہ لڑکی کا ایک نوجوان ترک پر بے اختیار دل آس گیا۔ ترک بھی شادی کرنے پر راضی ہو گیا لیکن لڑکی کے اعراء و اقارب اس تعلق کے اس قدر خلاف تھے کہ جب کوئی تدبیر نہ بنی تو اس ترک کو چار ہزار پونڈ کی گراں رقم نذرانہ دے کر نکاح کے ارادہ سے باز رکھا۔ کہتے ہیں اگر دون مہ لڑکی کسی دوسری قوم والے کے ساتھ نکل جائے تو پہلے اس کے واپس بلانے میں کوئی تدبیر اور کوشش اٹھائیں رکھی جاتی اور جب وہ ہاتھ آ جاتی ہے تو ایک مخفی قومی عدالت کے سامنے اس کا مقدمہ پیش ہوتا ہے جس میں وہ ملزم ٹھہرائی جاتی ہے اور اگر تکاب جرم کی سزائیں اندروں خانے اس کا سفینہ حیات دریائے عدم میں اتار دیا جاتا ہے۔

دون مہ کے تین گروہ اور اس کے بعض معتقدات

جس طرح ہندوستان کے مرزائی دو جماعتوں میں منقسم ہیں اسی طرح سباتائی تین متماثر گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ اول سرنی (سرباوالے) کہلاتے ہیں۔ یہ کرامیہ یعنی معزز شریف کے لقب سے بھی مشہور ہیں کیونکہ اسپین سے آنے والے اسرائیلیوں میں سے اکثر معزز اور عالی نسب خاندان اسی جماعت میں شامل ہیں۔ ان لوگوں کی شناخت یہ ہے کہ ٹھڈیاں منڈاتے ہیں۔ دوسرے یعقوبی یعقوب مذکور کی طرف منسوب ہیں۔ تیسرے تونیو۔ اس گروہ کا بانی ایک دوسرا یعقوب ملقب بہ تونیو تھا۔ اور اسی کا اسلامی نام عثمان ثواب سے شہرت رکھتا تھا۔ ہر چند کہ ان تینوں گروہوں میں بالکل معمولی فروعی اختلافات ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک دوسرے فرقہ والوں کو اپنی مخفی عبادت گاہوں میں شریک نہیں ہونے دیتا۔ مدرجہ ذیل قولی عقائد میں تمام دون مہ متفق ہیں۔ (1) تمام انبیائے کرام رب العزت کے مظہر تھے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے نبی گذرے اسی ہستی مطلق کے مظہر تھے۔ (2) ان کا عقیدہ تھا کہ ساری دنیا پیروان سباتائی کے لیے ہے اور ترک حکمران صرف اس لیے پیدا کئے گئے ہیں کہ ان کی حفاظت کریں۔ ان کا مقولہ ہے کہ کوئی انڈا اچھلکے کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح پیروان سباتائی اصل انڈا اور ترک اس کا چھلکا ہیں۔ (3) کہتے ہیں کہ جنت کی بادشاہی کے وارث صرف پیروان سباتائی ہیں۔ دوسرے لوگ جنہم میں جائیں گے۔ اور ہمیشہ رہیں گے۔ (4) تمام یہود جو اب تک سباتائی پر ایمان نہیں لائے اس وقت ایمان لے آئیں گے جب انہیں حقیقت نظر آئے گی کہ موسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء سباتائی ہی کی روح کی چنگاریاں تھیں۔

باب 60۔ محمد بن عبد اللہ کرد

1075ھ میں کوہ عمادیہ علاقہ کردستان میں ایک شخص عبد اللہ نام ظاہر ہوا اس کا دعویٰ تھا کہ میں سادات حسینی میں سے ہوں۔ اس نے اپنے ایک درازدہ سالہ لڑکے کا نام محمد اور لقب مہدی رکھ دیا۔ اور کہا کہ یہی مہدی آخر الزمان ہے۔ بچے کو مدویت کی مسند پر بٹھا کر یہ شخص خود اس کی طرف سے بیعت لینے لگا۔ قبائل کے بے شمار لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ جن ایام میں سہبتائی یہودی نے مسیحیت کا دعویٰ کر کے ترکی قلمرو میں ادھم چار کھا تھا انہی دنوں میں مہدی کردی بھی ظاہر ہوا تھا۔ اس دجل؟؟؟ غریب سے عامۃ المسلمین سمجھنے لگے کہ شاید قیامت قریب آگئی کہ مسیح اور مہدی دونوں ظاہر ہو گئے۔ اس خیال کی بنیاد تھی کہ قیامت کی علامت کبریٰ میں سے اولین علامت ایک ہی زمانہ میں حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول اور جناب مہدی علیہ السلام کا ظہور ہے۔ جب عبد اللہ کی جمعیت زیادہ ہوئی تو اسے استعمار اور ملک گیری کی ہوس ہوئی اور اس نے اچانک ولایت موصل کے چند شہروں اور قصبوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ خبر سن کر والئی موصل نے جو سلطان محمد چہارم کی طرف سے اس سر زمین حکم تھا اس پر چڑھائی کی۔ عبد اللہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور رزم و پیکار میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ آخر کار مہدی اور اس کا باپ منزہم ہو کر گرفتار ہو گئے اور والئی موصل نے دونوں کو سہبتائی کے اظہار اسلام کے چند ماہ بعد پاجولاں استنبول بھیج دیا۔ جب باپ بیٹا سلطان محمد چہارم کے سامنے پیش کئے گئے تو عبد اللہ رو رہے تھے ہی اپنے اور اپنے بیٹے کے مہدی آخر الزمان ہونے کے دعویٰ سے دست بردار ہو گیا۔ چونکہ اس نے سلطان کے بعض سوالات کے جواب نہایت معقولیت سے دیئے۔ سلطان نے خوش ہو کر اس کی خطا معاف کر دی اور حکم دیا کہ آئندہ ان دونوں کو ان کے وطن جانے کی اجازت نہ دی جائے۔ کیونکہ انہوں نے مدویت کا جھوٹا دعویٰ کر کے ہزار ہا عوام کو گمراہ کیا اور دین مبین میں رخنہ اندازی کی۔ کچھ دنوں کے بعد سلطان معظم نے عبد اللہ کو خزانہ سلطانی کے محافظوں کی جماعت میں منسلک کر دیا۔ 87۔

باب 61۔ میر محمد حسین مشہدی

میر محمد حسین رضوی مشہدی معروف بہ ”نمود“ و ”فروغ“ مدعی دینی و بیگویت کو سلطان محی الدین عالمگیر اور انگلیز غازی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری دور حکومت میں اسباب غنا و ثروت کی تحصیل کا شوق ہندوستان کی طرف کھینچ لایا۔ ان ایام میں عہدۃ الملک امیر خان صوبہ دار کابل کی فیض گستری کا ایران بھر میں شہرہ تھا۔ میر محمد حسین بھی انہی امیدوں کو لیے عازم کابل ہوا۔ علوم متداولہ میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ اہل کابل نے اسے قدر دانی اور مردم شناسی کی آنکھوں پر بٹھایا۔ حسن اتفاق سے عہدۃ الملک کے مثنیٰ نے اپنا لاکا تعلیم و تربیت کے لیے اس کے سپرد کر دیا۔ اس ذریعہ سے عہدۃ الملک تک اس کی رسائی ہو گئی۔ رفتہ رفتہ امراء و اعیان کے دل میں اس کے علمی تجربہ کی دھاک بیٹھ گئی۔ عہدۃ الملک کی بیوی صاحبہ جی کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لیے اس نے ایک سید کی لڑکی لے کر پال رکھی تھی جو عہدۃ الملک کے پاس تھا۔ صاحبہ جی نے عہدۃ الملک سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی ذی علم و نیک اطوار سید ملے تو اس کے ساتھ اس کی شادی کر دوں گی۔ عہدۃ الملک نے محمد حسین کو اپنی بیوی کے بیان کردہ اوصاف سے متصف پا کر اس سے محمد حسین کے نسب کی بزرگی اور علمی قابلیت کی تعریف کر دی۔ صاحبہ جی یہ سن کر بہت خوش ہوئی اور لوازمات شادی مہیا کر کے لڑکی کو محمد حسین کے حوالہ نکاح میں دے دیا۔ اس تقریب سے اسے عہدۃ الملک کے دربار میں اور بھی زیادہ تقرب حاصل ہو گیا۔ اور اہل دربار کی نظر میں اس کی توقیر بڑھ گئی۔ ان تقریبات کی بدولت عہدۃ الملک کے لڑکوں سے بھی اچھے مراسم پیدا ہو گئے۔ خصوصاً ہادی علی خاں کو تو اس نے کچھ ایسے شعبہ دے رکھائے کہ وہ جدمر جاتا اس کی تعریف کے راگ گانے لگتا۔ بد قسمتی سے کچھ دنوں کے بعد عہدۃ الملک نے دنیا کو الوداع کہہ دیا۔ اب اس نے ارادہ کیا کہ دہلی چل کر قسمت آزمائی جائے اس مقصد کے لیے اس نے یہ تدبیر سوچی کہ کچھ تحائف دربار شاہی میں پیش کرنے کے لیے فراہم کئے جائیں تاکہ عالمگیر اورنگ زیب خوش ہو کر کوئی منصب عطا کرے۔ چنانچہ ہزار ہا روپے کے نفیس و بیش بہا عطریات کابل اور پشاور سے خرید کر دہلی کو روانہ ہو لیکن ابھی لاہور ہی میں پہنچا تھا کہ سلطان محی الدین عالمگیر رحمۃ حق میں واصل ہونے کی خبر آ پہنچی جس سے اس کی امیدوں کا چراغ گل ہو گیا اور تمام عطریات اور وارح طیبہ جو بادشاہ کے لیے فراہم کئے تھے لاہور میں فروخت کر کے فقیری لباس پہن لیا۔

شاگرد سے نیاز مذہب اختراع کرنے کی سازش

محمد حسین کا دماغ نغوت و خود بینی سے بھرا ہوا تھا اس لیے رائج الوقت مذہب کی پیروی کو باعث عار و ننگ سمجھ کر ایک نیا ڈھونگ رچانے کا قصد کیا۔ چنانچہ اپنے شاگرد ”رشید“ خشی زادہ سے کہا کہ ایک ایسی مشکل آن پڑی ہے کہ جس کی عقدہ کشائی تمہارے ہی ناخن تدبیر سے ممکن ہے۔ اگر تم تائید و نصرت کا وعدہ کرو تو تم پر وہ راز آشکار کروں غرض قول و قرار لے کر اس کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ ہم تم ایک نرا لامذہب جدید قواعد اور نئی زبان میں اختراع کر کے نزول وحی کا دعویٰ کریں۔ اور ایک نیا مرتبہ تجویز کریں جو نبوت اور امامت کے درمیان ہو تاکہ انبیاء اور اولیاء دونوں کی شان اپنے اندر پائے جانے کا دعویٰ درست ہو سکے۔ زرا اندوزی کا یہ ایک ایسا ڈھنگ ہے کہ اس سے بہتر اور آسان نسخہ آسمان تخیل سے زمین عمل پر نہیں آسکتا۔ دونوں استاد شاگرد ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ شاگرد نے بڑی گرجو خشی سے اس تجویز کو لبیک کہا۔ اب دونوں کی ہمتی فطرت اور مفہدہ پردازی کے جوہر اچھی طرح چمکنے لگے اور انہوں نے میدان تدریس میں اپنے اپنے مرکب تدبیر کو چھوڑ دیا۔ محمد حسین نے ایک کتاب لکھی جس کو فارسی کے جدید غریب الفاظ سے مزین کیا۔ اس میں متروک و غیر مانوس الفاظ کی خوب بھر مار کی۔ اور بہت سے پرانے فارسی الفاظ عربی طریقہ پر ترمیم کر کے درج کئے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد نزول وحی اور دجوغیت کا دعویٰ شروع کر دیا اور بیان کیا کہ یہ رتبہ نبوت اور امامت کے ماتن ہے اور کہا کہ ہر پیغمبر اولوالعزم کے نو دجوغ تھے چنانچہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے بھی نو دجوغ تھے۔ اول دجوغ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تھے دوسرے امام حسن، تیسرے امام حسین، چوتھے امام زین العابدین، پانچویں امام محمد باقر، چھٹے امام جعفر صادق، ساتویں امام موسیٰ اور آٹھویں امام علی رضاؑ تک امامت اور دجوغیت دونوں جمع رہیں۔ پھر یہ دونوں منصب علیحدہ ہو گئے۔ چنانچہ امام علی رضا کے بعد درجہ دجوغیت میری طرف منتقل ہو گیا۔ اور امامت امام محمد تقی کو تفویض ہوئی اور میں خاتم دجوغیت ہوں اور دجوغیت کی تعداد اس ترتیب کے ساتھ کہ جس کا اوپر ذکر آیا شیعہ لوگوں کے سامنے بیان کرتا تھا لیکن جب اہل سنت و جماعت سے ملتا تو خلفائے راشدین اور ان کے بعد بنی امیہ اور بنی عباس کے چار پرہیزگار اور نیک کردار خلفاء کے نام لے کر نواں دجوغ اپنی ذات کو بتاتا اور کہتا کہ مجھے کسی خاص مذہب سے کوئی سروکار نہیں بلکہ میں تو تمام مذہب کا چراغ روشن کرنے والا ہوں۔ اور یہ بھی کہا کرتا تھا کہ (معاذ اللہ) حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) کا جو حمل ساقط ہوا تھا اور جس کا نام محسن رکھا گیا تھا وہ میں ہی تھا۔

مذہبی اختراعات و محدثات

محمد حسین نے چند قاعدے مقرر کر کے بعض ایام مخصوصہ کو عید ہائے اسلام کی طرح قابل احترام اور جشن مسرت قرار دیا اور اپنے پیروؤں کو جن کا لقب فریادی رکھا تھا۔ یہ ہدایت کی کہ ان ایام معدودات کا احترام کریں اور کہا کرتا تھا کہ مجھ پر دو طرح سے وحی نازل ہوتی ہے۔ ایک تو قرص آفتاب پر جب ظہر کرتا ہوں تو اس پر کلمات منقوش نظر آنے لگتے ہیں ان سے اکتساب علم کر لیتا ہوں اور آخر کار اس کا نور اس قدر محیط ہو جاتا ہے کہ تحمل و برداشت مشکل ہو جاتی ہے بلکہ ہوش و حواس ہی جا نہیں رہتے۔ دوسرے اس طرح کہ ایک آواز سنائی دیتی ہے چنانچہ وہ کلمات جو ارواح مندوں سے بیان کرتا ہوں اسی آواز سے اخذ کرتا ہوں۔ اور جس روز اس کے حسب بیان اس پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی تھی اس کا نام روز جشن قرار دیا۔ اس روز نہایت دھوم دھام سے جشن منایا جاتا۔ اس کے پیر و جمع ہو کر خوشیاں مناتے۔ خوشبو لور غیر ایک دوسرے پر چھڑکتے۔ یہ خود روز جشن کو دو علم ساتھ لے کر تاتاری وضع کی ٹوپی سے کسی قدر اونچی ٹوپی اوڑھتا اور اپنے مریدوں کو ساتھ لئے ہوئے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ کوہستان کی جانب جہاں دیول رانی کی عمارات دھوئی بھیلاری کے نام سے مشہور ہیں جاتا اور عالم مسرت میں مجموعہ مجموعہ کر بیان کرتا کہ پہلی مرتبہ

مجھ پر خاص اسی جگہ وحی نازل ہوئی تھی اس مقام کو عار حرا سے تشبیہ دیتا اور کہتا کہ یہی تمہارے دھوک کا مہبط وحی ہے۔ یہی تمہاری قبلہ حاجات کے کسب سعادت کا گوارہ ہے۔ روز جشن سے چھ روز قبل شروع سے روزے رکھتا جن میں کسی سے بات نہ کرتا تاکہ اہم سادھ کے روزہ صحت سے مشابہت ہو جائے ایسے روزے حضرت زکریا اور مریم علیہما السلام سے بوقت تولد جناب مسیح علیہ السلام بھی مذکور ہیں۔ ساتویں روز جشن کو ختم کر دیتا اور اس نے اپنے پیروؤں پر نماز بھگانہ کی جگہ ہر روز تین بار دید یعنی اپنی زیارت فرض کی تھی۔ دید کا پہلا وقت طلوع آفتاب کے بعد تھا۔ دوسرا دوپہر کا وقت جبکہ آفتاب نصف النہار ہو متعین کیا۔ تیسرا غروب آفتاب کا وقت جب کہ کسی قدر شفق آسمان پر باقی ہو مقرر تھا اور دید کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خود مع اپنے خلفاء کے درمیان میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ مریدوں کو حکم تھا کہ اس کے چاروں طرف مربع صف بستہ کھڑے ہوں اس طرح کہ سب کے

منہ ایک دوسرے کے مقابل ہوں۔ پھر ہر صف اس کے طرف منہ کر کے چند کلمے جو اس کے اختراعی تھے پڑھتی۔ اس کے بعد یہ لوگ سر جھکا کر دابنی جانب کو گھوم جاتے تھے۔ اس طرح جو صف شمال کی طرف ہوتی تھی مغرب کی جانب۔ اور مغرب رخ کی صف جنوب رویہ ہو جاتی تھی۔ جب چاروں صفوں کے آدمی چاروں سمتوں کا مقابلہ تمام کر چکے تو زمین کی طرف دیکھنے لگتے۔ پھر آسمان کی طرف نظر اٹھاتے پھر شش جست کو دیکھتے اس اثناء میں انہی کلمات کا تکرار کرتے رہتے۔ جو ان کے پیرومرشد نے ان کے لیے تجویز کر رکھے تھے۔ اب زیارت ختم ہو جاتی اور سب منتشر ہو جاتے۔ محمد حسین نے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی نقالی کرتے ہوئے اپنے بھی چار خلیفہ مقرر کئے تھے۔ پہلا خلیفہ وہی منشی زاوہ جو اس کا شاگرد قدیم اور محرم راز تھا اور اس کا نام اپنی مختصر زبان میں ”دوجی“ رکھا تھا۔ میر باقر اسی نسبتی بھائی دوسرا خلیفہ تھا۔ اسی طرح دو خلیفہ اور تھے اور اپنے نام فریود نمود اللہ اور نمود و نمود رکھے تھے۔ اسی طرز پر اپنے اور اپنے پیروؤں کے عجیب و غریب نام تجویز کرتا رہتا تھا۔ جو شخص بھی اس کے حلقہ میں داخل ہوتا اسے اسی طرز کے انوکھے نام سے موسوم کرتا اور اس تسمیہ کو ”قولی نشان“ سے تعبیر کرتا۔ اس کے تین لڑکے تھے اول نما نمود دوم نفار سوم دید اور دو لڑکیاں نماہ کلاں اور نماہ خورد کے نام سے موسوم تھیں۔ اقربائے زوجہ کے نام نمایار اور نمودیار اور نماد وغیرہ تجویز کئے تھے۔ اور نفار کے بچے کا نام نمودید رکھا تھا۔ اور اس کے بعض عزیزوں کے نام حق نما، نمافر، نمود فر تھے۔ غرض اسی قسم کے اور بھی بہت سے مضحکہ خیز نام رکھے تھے۔

دہلی میں فریودی تحریک کا نشوونمو

فریودی تحریک کے لیے لاہور کی آب و ہوا کچھ زیادہ سازگار نہ ثابت ہوئی تو دہلی جا کر دھونی رمانے کا قصد کیا۔ وہاں پہنچ کر مستقل بودوباش اختیار کر لی۔ ان ایام میں بادشاہ لاہور آیا ہوا تھا۔ دہلی میں بے مزاحمت اپنا رنگ جمایا۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دہلی کی مذہبی فضا پر تغیر و انقلاب کا ایک نیا موسم چھا گیا۔ نمودنے ان ایام میں یہ ڈھنگ اختیار کر رکھا تھا کہ کسی سے کوئی نذر و نیاز قبول نہ کرتا۔ بلکہ اس رقم خطیر کی بدولت جو لاہور میں عطر کی فروخت سے حاصل ہوئی تھی مدت تک غلطی سے مستغنی رہا اپنے کو بڑا متمول ظاہر کرتا تھا۔ قاعدہ کی بات ہے کہ بے طمع فقیر کو بڑی وقعت و اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے زہد و تقدس کا اعتقاد دونوں میں اس طرح مسلط ہوا جس طرح ابر فضاے محیط پر چھا جاتا ہے۔ اس اثناء میں بہادر شاہ لاہور میں مر گیا اور اس کے بیٹوں میں سلطنت کے متعلق باہم جھگڑے قضیئے پڑ گئے ایسی حالت میں اس کے حال سے تعرض کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اب یہ بے دغدغہ اپنے مذہب کی ترقی و اشاعت میں مشغول ہوا اور جائے خاموشی سے کام کرنے کے اپنے دعوؤں کو اظہار و اعلان کے ساتھ پیش کرنا شروع کیا۔ بڑے بڑے مستند علماء و اہل باطل سے الجھنے کے عادی نہیں ہوتے۔ ان علمائے کرام کے عدم توجہ کو دیکھ کر عموماً ضعفائے اسلام ہی میدان مباحثہ میں اترتے ہیں۔ نمود کے مقابلہ میں بھی کم سواد مولوی صاحبان اترتے رہے جنہیں یہ مجاہد و مکارہ سے مغلوب کر لیتا اس وجہ سے عوام کا اعتقاد اس کی نسبت اور بھی راسخ ہو گیا۔ علاوہ انہیں امیر خان عمدۃ الملک کا لڑکا ہادی علی خاں جو آج کل دہلی میں تھا اس کے بڑے ہوا خواہوں میں تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی اچھے اچھے مدعیان بھیرت بھی اس کے گردیدہ ہو گئے تھے اور قاعدہ کی بات ہے کہ بڑے لوگ جس کام کو کرنے لگتے ہیں۔ وہ عوام کے لیے حجت و دلیل راہ بن جاتا ہے۔ ہر طبقہ کے لوگوں میں اس کے تقدس کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔ اور رفتہ رفتہ اس کی جماعت بےس بچیس ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کی کجروی اور عزت پسندی عاقبت میں جو رنگ لائے گی وہ تو ظاہر ہے لیکن دنیوی اور مادی نقطہ نظر سے اس نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح تقدس کی تجارت سے بہت کچھ نفع عاجل حاصل کیا اور کوئے گم نامی سے نکل کر مشاہیر عہد کی صف میں جلوہ گر ہو گیا۔

فرخ سیر بادشاہ کی خوش اعتقادی

اب تو فرخ سیر بادشاہ بھی لوگوں کے جوش عقیدت کو دیکھ کر اس کا معتقد ہو گیا۔ دہلی کے بزرگان دین اور مقتدیان ارباب یقین نے بہتری جدوجہد کی لیکن لوگوں کے اعتقاد کی گرجوشی میں فرق نہ آیا۔ فرخ سیر بادشاہ نے تخت دہلی پر قدم رکھتے ہی اس کی زیارت کا قصد کیا۔ چنانچہ چند امراء کو ساتھ لے کر اس کے کاشانہ زہد کی طرف روانہ ہوا۔ جب نمود کو اس کی اطلاع ملی کہ بادشاہ وقت بڑے اعتقاد سے ملاقات کو آ رہا ہے تو اس کا ساغر دل خوشی سے چھلک گیا اور بادشاہ اور ارکان سلطنت کے دلوں پر اپنے زہد و استغنا کا سکہ جمانے کے لیے جھٹ پٹ اپنے گھر کا دروازہ اندر سے مقفل کر دیا۔ جب امراء نے دروازہ کھولنے کی درخواست کی جواب دیا کہ جاؤ چلے جاؤ فقراء کو بادشاہوں اور امیروں سے کیا کام؟ تم لوگ کیوں ہمارے محل اوقات ہوتے ہو؟ جب بادشاہ بہت دیر تک منت ساجت کرتا رہا اور اس کے مریدوں نے بھی بہت کچھ عرض معروض کی تو دروازہ کھول دیا۔ بادشاہ نے بہت جھک کر اس کو سلام کیا اور بیعتضائے ادب دور ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ نمود نے ہرن کی کھال بادشاہ کے پیٹھنے کو دی اور یہ شعر پڑھا۔

پوست تخت گدا کی و شاہی ہمہ واریم آنچه سے خواہی

فرخ سیر اس کی بے نیازی اور استغنا کو دیکھ کر پھڑک گیا اور ہزار ہا روپیہ اور اثرفیاں جو نذرانہ کے طور پر لایا تھا نذر کر دیں۔ مگر اس گرگ باران دیدہ نے ان کو قبول نہ کیا اور کہا کہ کیا مسلمانوں کا بادشاہ ایک عزت نشین فقیر بے نوا کو دنیا کی طرف ملتفت کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتا؟ غرض نذرانہ قبول نہ کیا۔ آخر بادشاہ کے اظہار خلوص و نیاز مندی کی بنا پر اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے مصحف کے عوض میں ستر روپے لے لئے جو اس کی مقررہ قیمت تھی۔ فرخ سیر نے اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مصحف مقدس کو بڑی تعظیم کے ساتھ بوسہ دے کر اپنے سر پر رکھ لیا اور تھوڑی دیر کے بعد رخصت ہو گیا۔ نمود نے بادشاہ کی روانگی کے بعد یہ روپیہ بھی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ بادشاہ کے حسن اعتقاد اور نمود کے طرز عمل نے لوگوں کو اور بھی زیادہ والہ و شیفہ بنا دیا اور اب اس کے ماننے والوں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر کے لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔

گرفتاری کا فرمان اور وزیر کا عارضہ قونج میں مبتلا ہونا

فرخ سیر کے بعد محمد شاہ دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ محمد امین خاں اس کا وزیر تھا۔ جب وزیر باندھیر کو نمود کی اغوا کو شیاں کا علم ہوا اور اس نے ایمان و اسلام کی تڑپ رکھنے والے ہزاروں لاکھوں دلوں کو خون ہوتے دیکھا تو اس کو اسیر و دیکھ کر کے ارباب ایمان کی جراحت دل پر ہمدردی کا مرہم رکھنا چاہا۔ چنانچہ اس کو گرفتار کرنے کے لیے پیادے بھیج دیئے۔ لیکن تقدیر الہی کی

نیرنگیاں دیکھو کہ محمد امین اس کی گرفتاری کا حکم دیتے ہی مرض قونج میں مبتلا ہو گیا۔ لوگ اس علامات کو نمود کی کرامت اور اس کی بدعا کا اثر سمجھے۔ تاہم کو توال سپاہیوں کی جمیعت کے ساتھ اس کے دروازے پر پہنچا۔ اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو فوراً اندر سے پکڑ لاؤ۔ اور اگر چون و چرا کرے تو دست بدست دگرے پاب دست دگرے گھسیٹتے ہوئے باہر لاؤ۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ اس وقت لوگ نمود کے پاس سے چلے جایا کرتے تھے۔ جب سپاہیوں نے اس کی گرفتاری کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ اندر زنان خانہ میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی دل پر یکایک جھلی مری اور ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے لیکن حتی الامکان استقلال کی باگ ہاتھ سے نہ جانے دی۔ کو توال کو مکان میں بلایا اور ان کو کھانا بڑے لڑکے کے ہاتھ کو توال اور سپاہیوں کے واسطے زنان خانہ سے بھجوا دیا اور کہلا بھیجا کہ جب تم لوگ اس غریب کدہ پر آئے ہو تو کچھ ماحضر تناول فرماؤ تاکہ فقیر داخل اجر ہو جائے۔ کو توال نے جب اس نوجوان رعنا کے جمال زیبا کو دیکھا تو اس پر رحم آگیا اور تھوڑی دیر کے لیے اس کے باپ کو مہلت دے دی۔ اس اثناء میں امین خاں کا مرض قونج مشیت الہی سے اور زیادہ شدید ہوا۔ اس کی خبر ان سپاہیوں کو جو نمود کے مکان پر اس کی گرفتاری کی غرض سے بیٹھے تھے پہنچ گئی۔ وہ گھبرا کر محمد امین خاں کے پاس چلے آئے۔ یہ دیکھ کر فریادیوں کی جان میں جان آئی۔ محمد امین کو بدترین قسم کا قونج یعنی ایلاؤس کا عارضہ تھا۔ اس وقت وہ درد کے مارے لوٹ رہا تھا اور عالم بدہوشی طاری تھا۔ جب ذرافاقہ ہوا تو کو توال سے پوچھا کہ نمود کو پکڑ لائے۔ کو توال نے کہا کہ ہم حضور کی علامات کی خبر سن کر بدحواس ہو گئے اور واپس چلے آئے۔ محمد امین خاں نے غیر متزلزل خود اعتدالی اور ناقابل فتح قوت ارادی کے ساتھ کہا کہ اب تو بے وقت ہو گیا ہے صبح کو ضرور گرفتار کر لانا۔ اس دور ان بھاری شدت پکڑ گئی اور صبح تک حالت نے ناامیدی کے آثار دکھائے۔ ادھر ہادی علی خاں جو کابل سے اس کا مرید چلا آتا تھا لحظہ بہ لحظہ محمد امین کے جاں بلب ہونے کی خبریں نمود کو پہنچا رہا تھا۔ پہلے تو نمود نے دہلی سے بھاگنے کا قصد کر لیا تھا مگر اشد امراض کی خبریں سن کر رک گیا۔ محمد امین خاں کی حالت ساعت بہ ساعت نازک ہو رہی تھی اور نمود کا پڑ مردہ دل دمیدم بعاش ہوتا جاتا تھا۔ جب نمود نے اس کے قریب المرگ ہونے کی خبر سنی تو اپنے مکان سے باہر آکر مسجد میں جو اس کے گھر کے قریب واقع تھی بیٹھ گیا۔ اس کے مرید بھی محمد امین کی بھاری کی خبر سن کر اس کے پاس آجمع ہوئے۔

وزیر زادہ کی عذر خوانی اور نمود کا کبر و غرور

قمر الدین پسر محمد امین خاں نے جب اپنے والد کا یہ حال دیکھا تو بہت گھبرا دیا اور یقین ہو گیا کہ یہ نمود کی ناراضی کا اثر ہے۔ اپنے دیوان کے ہاتھ پانچ ہزار روپیہ اس کی نذر کے لیے بھیجا اور عفو تقصیر کی درخواست کے بعد تعویذ کی التجا کی۔ نمود کو پہلے ہی سے محمد امین کی حالت نزع کا علم ہو گیا تھا۔ بڑے غرور سے کہنے لگا کہ میں نے اس کافر کے جگر پر ایسا تیر مارا ہے کہ کسی طرح جانبر نہ

ہو گا اور میں بھی شوق شہادت میں اس مسجد میں آ بیٹھا ہوں اور میرے جد بزرگوار (امیر المومنین علیؓ) بھی مسجد ہی میں شہید ہوئے تھے۔ گو میرا شہید ہونا امکان سے باہر ہے کیونکہ ایک دفعہ پہلے ہی شہید ہو چکا ہوں۔ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ (معاذ اللہ) حمل سے ایک بار ساقط ہو چکا ہوں۔ دیوان نے وہ روپیہ نمود کی نذر کر کے قمر الدین کی طرف سے محمد امین خاں کے لیے معافی کی درخواست کی اور تعویذ بھی مانگا۔ نمود نے جواب دیا کہ گوشہ نشین گداؤں کو ستانے کا یہی ثمرہ ہے پانی سر سے گزر گیا اور تیر کمان سے نکل چکا۔ اب اس کا واپس آنا غیر ممکن ہے۔ جب دیوان نے بہت منت سماجت کی تو دوجی کو مخاطب کر کے کہا

میں جانتا ہوں کہ جب تک تو وہاں پہنچے گا وہ رخت زندگی باندھ کر ملک عدم کی جانب کوچ کر چکا ہو گا۔

دیوان ابھی راستہ ہی میں تھا کہ اسے محمد امین کے انتقال کی خبر مل گئی۔ اس حادثہ نے فریادی غم کر دگان راہ کے جسموں کو آب حیات تازہ خش دی۔ نمود کا کنول دل بھی کھل گیا کہ کشتی عزت و وقار نہ صرف ڈوبنے سے بچی بلکہ اس کی کلاہ دولت پر مزید چار چاند لگ گئے۔ اس ”کرامت“ کا دہلی میں بڑا چرچہ ہوا۔

خلیفہ کا شاگرد کو حصہ دینے سے انکار اور اس کا انجام

نمود کا کوس اتنا لاغیر محمد امین کی رحلت کے بعد دو تین سال تک غفلتہ انداز عالم رہا۔ آخر موت نے اسے یہ پیغام سنا کہ نفضائے پر شور و شیون میں سکون پیدا کر دیا کہ میری حکومت ہے۔ نمود کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا نما نمود مسند نشین ہوا۔ اس نے نذر و نیاز کے ان حصوں میں جو دوجی کے لیے کابل میں باہمی تصفیہ سے مقرر ہوئے تھے اور نمود مرتے دم تک باقاعدہ دیتا رہتا تھا۔ ازراہ کم اندیشی دست اندازی کرنی چاہی۔ اس بنا پر دوجی اور نما نمود کی آپس میں جھگڑ گئی۔ دوجی نے بہتری منت خوشامد کی اور لاکھ سمجھایا کہ میرے ساتھ جھگڑا کرنا خوب نہیں۔ مگر نما نمود کے سر پر حرص و طمع کا بھوت سوار تھا۔ کسی بات کو خاطر میں نہ لایا۔ دوجی نے اس نوجوان صاحب سجادہ کو تخلیہ میں یہاں تک سمجھایا کہ اول اول کابل میں مود نے کس لیے یہ پیش کی تھی کہ تقدس کی ایک دکان کھولیں اور ایک نیاند ب جاری کر کے زرا اندوزی کا ڈھنگ نکالیں اور بیان کیا کہ گو میں شروع ہی میں تمہارے باپ کا شریک کار ہو گیا تھا تاہم بہت دن تک کذب و زور کی تائید کرتے ہوئے ہچکچاتا رہا۔

آخر نفسانی خواہش غالب آئی اور ان حصوں کی طمع میں جو شروع میں مقرر ہوئے تھے۔ مدت تک تمہارے باپ کے جھوٹے دعویٰ کی تائید و تصدیق کرتا رہا اور نما نمود کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ جو رونق و ترقی بھی اس مذہب کو آج تک نصیب ہوئی اس میں اس خاکسار کی کوششوں کو زیادہ دخل تھا۔ پس اگر ضد چھوڑ کر وہ حصہ جو شروع سے میرے لیے چلے آتے ہیں بے تامل ادا کرنے کا وعدہ

کرد تو بھر در نہ ابھی بھاڑا پھوڑے دیتا ہوں۔ لیکن نمائندے اس کی نصیحت پر کان نہ دھرے۔ جب دوجی نے نفل آرزو کے تمام رگ دریٹے نمائندے کے پیشہ میدان کھٹے دیکھے تو ناچار اجتماع جشن کی تقریب پر جبکہ فرودی بھرت جمع ہوتے تھے اور دوسرے تماشاویوں کا بھی بڑا اجتماع ہوتا تھا کھڑے ہو کر ایک ہنگامہ خیز تقریر کی جس میں فرودی مذہب کی بنیادیں ہلا دیں۔ نمود کی عیاری اور اپنی شرکت کا سارا ماجرا اول سے آخر تک حاضرین کو سنا کر راز سر نہ کے چرے سے نقاب اٹھادی اور کہنے لگا دوستو! کیا تم میرا اور نمود کا خط پہچان سکتے ہو؟ بہت سے آدمیوں نے اقرار کیا کہ ہم دونوں کا خط پہچانتے ہیں۔ دوجی نے وہ جو نمود اور دوجی نے باہم صلاح و مشورہ سے مرتب کئے تھے اور دونوں نے اپنے اپنے قلم سے ان میں؟؟؟ کی تھی نکال کر دکھائے اور کہا یہ مذہب محض میری اور نمود کی عیاری سے عرصہ وجود میں آیا۔ اگر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں کسی اصلاح و ترمیم کی گنجائش نہ ہوتی۔ لوگوں نے ان مسودات کو غور سے دیکھا اور حرف بحرف دوجی کے بیان کی تصدیق کی۔ اسی وقت ہزار ہا آدمی جن کو خدائے واہب نے فطرت سلیمہ عطا کی تھی اس باطل مذہب سے منحرف ہو گئے لیکن جو شتی ازلی سحر زدگان قادیان کی طرح پتھر کا دل رکھتے تھے اس زریں موقع سے فائدہ اٹھا کر بھی چشمہ ہدایت سے سیراب نہ ہو سکے۔ اس واقعہ سے گمراہی کی دکان کا موسم بہار خزاں میں تبدیل ہوا۔ نمائندے کی کساد بازاری دیکھ کر مایوسیوں اور نامرادیوں کے حصار میں گھر گیا اور جب رہائی کی کوئی صورت نہ نکلی تو مجبوراً دوجی سے از سر نو رابطہ الفت و یگانگت قائم کرنا چاہا لیکن یہ کوشش بیکار تھی کیونکہ جو خوش نصیب لوگ بے اعتقاد ہو کر دام گمراہی سے نکل چکے تھے ان سے اس بات کی کبھی امید نہ ہو سکتی تھی کہ وہ دوبارہ اگر حلقہ پائے دام اپنے گلے میں ڈال لیں گے۔ فرودیوں کی جمعیت گھٹتے گھٹتے دس پندرہ ہزار تک رہ گئی اور آمدنی کے ذرائع مسدود ہونے لگے۔ ناچار نمائندے اس گاؤں میں جو باہی علی خاں نے اپنی جاگیر میں دواہ کے اندر دیا تھا جا رہا۔ کچھ دنوں کے بعد نمائندے تیر قضا کا شکار ہو گیا اور نضار اس کا جانشین مقرر ہوا۔ چونکہ اس مذہب کے زیر اقبال کو گمن لگ چکا تھا۔ نضار کی دکان مٹت کسی طرح نہ چل سکی۔ اکثر فرودی اس مذہب سے ریزا رہ کر اسلام کے سوا اعظم سے جا ملے۔ آخر نصف صدی سے بھی پہلے یہ مذہب کسمپرسی کی گور میں دفن ہو گیا۔ فقط دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العلمین نضار کے بعد نمود کے چند اقرباء دہلی چھوڑ کر حالت تباہ کمال پہنچے۔ وہاں نواب میرن بن نواب جعفر ولی خاں نے جو ان ایام میں وہاں کا ناظم تھا۔ ان مسافران خستہ پا کو آل رسول سمجھ کر اپنے آغوش عاطفت میں جگہ دی اور پانچ روپے روزانہ وظیفہ مقرر کر کے بسرواقت کی سبیل پیدا کر دی۔ 88۔

باب 62۔ مرزا علی محمد باب شیرازی

اگرچہ باطنیت مرتدانہ آزاد یوں کا دروازہ کھول کر خود غم میں مستور ہو گئی مگر اس کا ذہریلا اثر بابیت اور مرزائیت کی شکل میں آج تک باقی ہے۔ بابیت اور مرزائیت باطنی اصول زندگی کے نہایت آزاد مسلک ہیں خصوصاً بابیت تو بالکل باطنیت ہی کے کھنڈروں پر قائم کی گئی تھی۔ بابیت کا بانی مرزا علی محمد کیم محرم 1235ھ (20 اکتوبر 1819ء) کو شیراز میں متولد ہوا۔ اس کا باپ مرزا محمد رضا اوائل عمر ہی میں موت کا شکار ہو گیا تھا۔ اس لیے علی محمد اپنے ماموں مرزا علی کے پاس شیرازی میں جو یزازی کا کام کرتا تھا چلا آیا۔ حاجی مرزا جانی کاشانی نے جو باب کے ڈیڑھ دو سال بعد 1268ھ میں مقتول ہوا کتاب ”تکلیف الکاف“ میں لکھا کہ انبیاء کرام امی تھے اور باب بھی امی یعنی ناخواندہ تھا۔ 89۔ لیکن ”بیہائیوں کی کتاب“ ”دور بیہائی“ میں لکھا ہے کہ علی محمد باب نے عجم میں ابتدائی تعلیم شیخ محمد سے جن کا لقب عابد تھا حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد جب علی محمد کی عمر اٹھارہ سال کی تھی تو بوشہر میں پہلے ماموں کی شراکت میں تیل کا کاروبار شروع کیا لیکن تھوڑے دن کے بعد ماموں سے علیحدگی اختیار کر کے مستقلاً مصروف تجارت رہا۔ اس نے بوشہر ہی میں شادی کی۔ اس بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو مصفر سنی میں مر گیا۔ پانچ سال تک تجارتی مشاغل میں مصروف رہنے کے بعد نجف کا سفر کیا۔ ایک سال وہاں اقامت گزیر رہا۔ نجف سے کربلا جا کر تین مہینے رہا۔ یہاں سے ارض فاء میں وارد ہوا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس نے بعض محرکات کی بنا پر دعوائے مددویت کا عزم مصمم کر لیا۔ لیکن یہ سوچ کر کہ ابتدائی ہی سے مددویت کی رٹ لگائی تو شاید لوگ اس کے سننے کے لیے تیار نہ ہوں۔ نہایت ہوشیاری سے ارادہ کیا کہ پہلے صاحب الزمان ممدی علیہ السلام کا واسطہ اور ذریعہ بنوں۔ اور جس وقت اہل ایران اس دعویٰ سے مانوس ہو جائیں تو پھر ممدی موعود ہونے کا اعلان کر دوں۔ ہمارے مرزا غلام احمد صاحب بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے جب وہ دیکھ لیتے تھے کہ ان کے ہندوگان محور پہلے دعویٰ کے متحمل ہو گئے تو ایک قدم اور بڑھا کر ان کے گلے میں ایک اور دعویٰ کا طوق ڈال دیتے تھے۔ غرض اس قرارداد کے بعد مرزا علی محمد 1260ھ میں جبکہ اس کی عمر پچیس سال کی تھی شیراز آیا۔ اور اپنے تئیں باب (دروازہ) کے لقب سے متعارف کرانا شروع کیا۔ بابیت سے اس کی یہ مراد تھی کہ وہ ایک بزرگوار ہستی (ممدی علیہ السلام) کے فیوض کا واسطہ ہے جو ہنوز پردہ غیب میں مستور ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اسی مستور ہستی کو خطاب کرتے ہوئے لکھا کہ اے خدائے عزوجل کے منظر! میں تجھ پر فدا تو مجھے اپنی محبت کا غلام اپنی الفت کا بندہ بنالے اور مجھے یہ قوت فہم اور ارادہ دے کہ میں خدائے بزرگ و مدتر کو اپنی نجات اخروی کا حاکم و متولی سمجھوں کہ تو میرے لیے کافی ذریعہ سفارش ہے اور تیری غلامی میرے لیے باعث فخر اور موجب فوز و فلاح ہو۔

دعوائے مہدویت

چند روز کے بعد علی محمد نے مہدویت کا دعویٰ کر دیا جب اس کے دعویٰ کو شہرت ہوئی تو عقیدت شعار لوگ اس کے حلقہ مریدین میں داخل ہونے لگے۔

طبقہ علماء میں جو یہی پھیل رہی تھی اس نے حسین خان آجودان حاکم فارس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ باب کے سرگرم داعی ملا صادق مقدس کو تازیانہ کی سزا دے۔ اس کے علاوہ ملا صادق مرزا محمد علی بار فروشی اور ملا علی اکبر اردستانی تینوں کی داڑھیاں منڈوا کر انہیں کوچہ و بازار میں تشہیر کیا گیا۔ اس کے بعد حاکم فارس نے علماء کی صوبہ دہ پر باب کو طلب کیا اور علماء و فضلا کی موجودگی میں بڑی سرزنش کی۔ اس کے جواب میں باب نے بھی سخت کلامی کی۔ حاکم نے پیادوں کو اشارہ کر دیا۔ وہ لاتوں اور گھونٹوں سے باب کی تواضع کرنے لگے اور اہانت و تحقیر کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ زد و کوب کا اثر باب کے چہرے پر بھی نمایاں ہوا۔ آخر باب کے ماموں علی بزاز کی ضمانت و کفالت پر اس کو گھر بھیج کر خویش و میکانہ کی ملاقات سے روک دیا گیا۔ ایک دن شیراز کے قاضی نے جامع مسجد میں پا کر اس کو مسجد سے باہر ہو جانے کو کہا مگر باہر نکلنے کے بجائے وہ فوراً منبر پر چڑھ گیا اور ایک تقریر کر کے لوگوں کو اپنی مہدویت کی دعوت دینے لگا۔ بہت سے سامعین و حاضرین نے اس کے ہاتھ پر اسی وقت بیعت کر لی۔

شاہ کا باب کے پاس ایک مجتہد بھیجنا

جب محمد شاہ تاجدار ایران کو باب کے دعویٰ مہدویت اور اس کی روز افزوں جمعیت کا علم ہوا تو اس نے ایک شیعہ مولوی سید یحییٰ دارابی کو اس بات پر متعین کیا کہ شیراز کا باب سے ملاقات کرے اور اس کے دعویٰ کی حقیقت معلوم کر کے اطلاع دے۔ یحییٰ دارابی نے باب سے تین ملاقاتیں کیں۔ تیسری صحبت میں اس سے خواہش کی کہ سورہ کوثر کی تفسیر کرے۔ باب نے اسی مجلس میں سورہ کوثر کی تفسیر لکھ دی۔ یہ دیکھ کر دارابی اس کا گرویدہ ہو گیا اور مرزا الحنف علی پیش خدمت کو تمام واقعات بیان کرنے لیے بادشاہ کے پاس بھیج کر خود ایران کی سیاحت شروع کی اور تمام شہروں اور قصبوں میں پھر کر اس طمطراق سے باہلی مذہب کا نشر یہ کیا کہ شیعہ علماء نے اس کے جنون خلل دماغ کا حکم لگایا۔ ان ایام میں زنجان میں ملا محمد علی نام ایک شیعہ مجتہد کا طوطی بول رہا تھا۔ ملا محمد علی نے اپنے ایک معتمد کو تفصیل حالات کے لیے شیراز روانہ کیا۔ اس نے باب کی بعض تالیفات لے کر مراجعت کی۔ جب ملا مذکور نے باب کی تحریریں پڑھیں تو اس کا والد و شہداء ہو گیا۔ اور کتابوں کو طاق میں جمع کر کے کہنے لگا۔ طلب العلم بعد الوصول الی المعلوم مذموم (حصول مقصد کے بعد تحصیل علم مذموم ہے) اس کے بعد اپنے تمام مریدوں اور شاگردوں کو جمع کر کے منبر پر چڑھا اور لوگوں کو باہلی مذہب کی دعوت دینے لگا اور باب کے نام ایک مکتوب بھیج کر اس

کے دعویٰ کہ تصدیق کی۔ ملا محمد علی کی دعوت و تبلیغ نے اکثر اہل زنجان کو بابیت کا پیر و نادیا۔ زنجان کے شیعہ علماء لوگوں کو وعظ و نصیحت کی تمہیریں پلاتے تھے مگر اہل زنجان پر ملا محمد علی کا جادو چل چکا تھا۔ ان کی حرارت اعتقاد میں کچھ فرق نہ آیا۔ آخر مجبور ہو کر شاہ سے اس کی شکایت کی۔ شاہ نے ملا محمد علی کو طہران طلب کر کے علماء کی مجلس میں حاضر کیا۔ ملا محمد علی نے آج کل کے مرزائیوں کی طرح خوب کج بحثی کی۔ علماء نے بہتری کو ششیں کیں مگر اس کو مغلوب اور لاجواب نہ کر سکے۔ یہ حالت دیکھ کر بادشاہ نے ایک عصا اور پچاس تومان زر نقد دے کر اسے مراجعت کی اجازت دی۔ 90۔ علماء نے حسین خاں حاکم فارس سے کہا کہ تعذیب و تظہیح کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا گیا۔ پھر بھی یہ فتنہ کسی طرح دہتا نظر نہیں آتا۔ اب انفظائے فتنہ کی یہی ایک صورت ہے کہ باب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور یہ اقدام بدیں وجہ اور بھی ضروری ہے کہ باب کی جمعیت بہت بڑھ گئی ہے اور وہ خروج و بغی کا حوصلہ رکھتا ہے۔ حاکم فارس نے عبد الحمید خاں کو توال کو حکم دیا کہ نصف شب کے وقت باب کے ماموں کے گھر پر هجوم کر کے باب اور اس کے تمام پیروؤں کو گرفتار کر لے۔ کو توال نے پولیس کی جمعیت کے ساتھ چھاپہ مارا۔ وہاں باب اس کے ماموں اور سید کاظم زنجانی نام ایک باہی کے سوا کوئی نہ ملا۔ یہ تینوں دست بستہ حاضر کئے گئے۔ حسین خاں نے باب کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ شہر سے چلا جائے۔ باب نے شیراز کو الوداع کہہ کر اصفہان کا قصد کیا۔ یہ تو کتاب ”مقالہ سیاح“ میں مذکور ہے لیکن باب کے مرید خاص حاجی مرزا جانی کاشانی نے کتاب ”تقطع الکاف“ میں لکھا ہے کہ حاکم شیراز نے حکم دے رکھا تھا کہ باب کسی شخص سے ملاقات نہ کرے۔ حمام کے سوا کہیں باہر نہ جائے۔ نہ کسی کا کوئی نوشتہ وصول کرے اور نہ کسی تحریر کا جواب دے۔ ان امتناعی احکام کے باوجود باب لوگوں سے مخفی ملاقاتیں کرتا اور ہر دقت اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا۔ جب مخالفوں کو اس کا علم ہوا تو وہ 21 رمضان کی شب کو اس کے مکان میں گھس پڑے اور دشنام دہی کے بعد باب کو بہت مار پیٹا۔ اس کے بعد اس کے پیروؤں کو بھی زد و کوب کیا اس لیے باب نے شیراز کو الوداع کہنے کے قصد سے اپنے ایک مرید آقا محمد حسین اردستانی کو پچاس تومان (قریباً ہزار روپیہ) دے کر تین گھوڑے خریدنے کو کہا۔ اس نے گھوڑے خریدے اور باب نے اپنے دو فدائیوں کے ساتھ شیراز سے اصفہان کا راستہ لیا۔ حاجی مرزا جانی مولف ”تقطع الکاف“ آقا محمد حسین اردستانی کے اخلاص کے متعلق لکھتا ہے کہ تیرا ہی کے پاس تھے۔ شاہی لشکر نے محمد حسین کو گرفتار کر لیا اور اسے تیروں سمیت اپنے فوجی سردار کے پاس لے گئے۔ بابیوں نے اس وقت ایک قلعہ پر قبضہ کر رکھا تھا۔ سردار نے اس سے قلعہ اور قلعہ گیر بابیوں کے حالات دریافت کئے لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ فوج کے افسروں نے بہتیرا سرا مارا۔ لیکن اس نے مرسکوت نہ توڑی اس سے کہا کیا کہ اگر تو نہیں بتاتا تو ہم ابھی تیری گردن مارے دیتے ہیں۔ کہنے لگا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا

سعادت ہوگی کہ حضرت قائم علیہ السلام (باب) کی راہ میں مارا جاؤں۔ سردار پوچھنے لگا۔ ”اچھا بتاؤ تمہیں کس طرح ہلاک کیا جائے؟ کتنے لگاؤہ طریقہ اختیار کرو جو میرے حق میں سب سے زیادہ تکلیف دہ ہو۔“ بدوق اس کی داہنی آنکھ کے ساتھ ملا کر چلا دی گئی اور اس نے آنا فانا تضا کا جام پی لیا۔

حاکم اصفہان کی گرویدگی بابیت

جب باب اصفہان پہنچا تو معتد الدولہ منوچر حاکم اصفہان اس کا معتقد ہو گیا اور درپردہ اس کا مذہب قبول کر لیا۔ باب اہل اصفہان کو کھلے ہمدوں اپنی مہدویت کی دعوت دینے لگا۔ علماء اور تمام حامیان مذہب نے مخالفت کی۔ اور اصفہان میں بڑی شورش برپا ہوئی۔ آخر بعض آدمیوں نے اس کی سرکوبی کا قصد کیا۔ باب کو معلوم ہوا تو وہ ایک سرائے میں چھپ گیا۔ لوگوں نے اس پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن معتد الدولہ نے اس کی ہر طرح سے حفاظت کی چند روز کے بعد معتد الدولہ نے شیعہ علماء کو مغلوب و لاجواب کرانے کے خیال سے ایک مجلس مناظرہ قائم کی۔ شیعوں کی طرف سے مرزا سید محمد آغا محمد مہدی اور مرزا حسن مباحثہ کے لیے منتخب ہوئے۔ آغا مہدی نے باب سے سوال کیا کہ مجتہد لوگ خود ہی قرآن سے مسائل استنباط کرتے ہیں لیکن جنہیں اتنی قابلیت نہیں ہوتی وہ کسی مجتہد کی تقلید کرتے ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے کس گروہ میں شامل ہیں؟

باب: ”میں کسی کی تقلید نہیں کرتا“ اور نہ مجتہدین کی طرح قیاس سے کام لیتا ہوں بلکہ میرے نزدیک قیاس فقہی حرام و ناجائز ہے۔“

آغا مہدی: ”آپ کسی کی تقلید نہیں کرتے جس سے ثابت ہو گیا آپ مجتہد ہیں۔ لیکن آپ مجتہد بھی نہیں ہوتے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ جن مسائل پر آپ کا عمل ہے اور جن کا آپ حکم دیتے ہیں وہ قیاسی نہیں یقینی ہیں۔ لیکن چونکہ خدا کی حجت (مہدی علیہ السلام) غائب ہے لہذا جب تک امام آخر الزمان کا ظہور نہ ہو لے اور کوئی شخص خود ان کی زبان مبارک سے مسائل فقہ کو نہ لے وہ اس امر کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے مسائل مسخر جہ یقینی ہیں۔ پس آپ پر اپنے مسائل کے یقینی ہونے کا ثبوت لازم ہے۔“

باب: ”تیری کیا حقیقت ہے کہ مجھ جیسے شخص سے جس کا مقام قلبی ہے مباحثہ کر سکے۔ یہ باتیں تیری عقل کی رسائی سے دور ہیں۔ پس چائے اس کے کہ فضول بجو اس کرے اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا رہ۔“

مرزا محمد حسن: ”شاید آپ کو بھی اس سے انکار نہ ہو گا کہ جو شخص مقام قلب پر پہنچ جاتا ہے کوئی چیز

اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ جب آپ بھی اس مقام پر پہنچے تو ضرور ہے کہ جوابات آپ سے پوچھی جائے آپ اس کا جواب دیں۔“

باب: ”بے شک تمہارا خیال درست ہے۔ جو پوچھنا چاہو پوچھو جواب دوں گا۔“
محمد حسن: ”حدیث میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام ایک ہی رات میں بیک وقت چالیس آدمیوں کے مہمان ہوئے تھے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کو عقلی دلائل سے ثابت کیجئے۔“ اسی طرح چند اور امور کی نسبت جو عقلاً محال ہیں سوال کیا۔

باب: ”یہ باتیں نہایت دقیق ہیں اگر چاہو تو اس کو نہایت تفصیل سے لکھ دیتا ہوں۔“
محمد حسن: ”اچھا لکھ دیجئے۔“ باب نے لکھنا شروع کیا۔ اتنے میں کھانا آگیا اور سب لوگ کھانا کھانے لگے جس وقت لوگ فارغ ہو کر جانے لگے تو وقت باب نے اپنی تحریر ان کے حوالے کی۔ مرزا محمد حسن نے اس کا مطالعہ کر کے کہا یہ تو ایک خطبہ ہے جس میں کسی قدر حمد اور نعت اور باقی مناجات ہے۔ لیکن جن امور کی نسبت سوال کیا گیا تھا ان میں سے کسی کا جواب نہیں۔ ”بہت سے لوگ تو پہلے جا چکے تھے اور جو رہ گئے تھے وہ بھی چلتے پھرتے نظر آئے اور مباحثہ یوں ہی ناتمام رہ گیا۔ لیکن باوجودیکہ اس مباحثہ میں باب کو نیناد دیکھنا پڑا اور وہ ذلت سے ہمت ہار ہوا لیکن محنت اللہ کے پائے اعتقاد میں کچھ بھی تزلزل و نہمانہ ہوا۔ چونکہ وہ علانیہ باب کی تائید نہیں کر سکتا تھا اور عوام کا جوش دمیدم ترقی کر رہا تھا اس نے غضب آلود عوام کی تسکین کے لیے بظاہر تو یہ حکم دیا کہ باب کو طہران پہنچایا جائے لیکن درپردہ اپنے چند خاص سواروں کے ساتھ اصفہان سے باہر بھیج دیا۔ جب باب موضع مورچہ خوار میں پہنچا تو مخفی طور پر پھر اصفہان آجانے کا حکم دیا۔ اور اپنی خلوت خاص میں اس کو جگہ دی۔ باب کے چند پیروؤں اور معتمد الدولہ کے بعض خاص معتمد لوگوں کے سوا کوئی شخص اس راز سے آگاہ نہ تھا۔ باب معتمد الدولہ نے ملک عدم کو نقل مکان کیا اور مرنے سے پہلے اپنی ساری جائیداد باب کے نام بہہ کر گیا۔ جب معتمد الدولہ کے پاس نہایت عیش و راحت کے دن کاٹنے لگا۔ معتمد الدولہ نے باپ سے کہہ دیا تھا کہ آپ کو میرے مال و اسباب میں ہر طرح سے تصرف کرنے کا حق ہے۔ چار ماہ کی مدت اسے طرح گزر گئی۔ اتنے میں معتمد الدولہ بچے مرزا گرگین خان نائب الحکومت کو جو معتمد الدولہ کے بعد اصفہان کا حاکم مقرر ہوا تھا معلوم ہوا کہ باب خلوت میں موجود ہے تو باب کی موجودگی اور باب کے نام معتمد الدولہ کے جائیداد بہہ کر جانے کی کیفیت حاجی مرزا آقا سی وزیراعظم کو طہران لکھ بھیجی۔ وزیراعظم نے حکم دیا کہ باب کو بہ تبدیل وضع و ہیئت بھیجا جائے اور معتمد الدولہ کی جائیداد کا اس کو ایک حصہ بھی نہ دیں۔

قلعہ ماکو میں نظر بندی

مرزا گرگین خان نے باب کو بلا بھیجا اور کہا کہ یہاں کے لوگ آپ کے دشمن ہو گئے ہیں۔

خصوصاً طبقہ علماء آپ کے قیام اصفہان کے خلاف ہے۔ اس لیے قرین مصلحت یہ ہے کہ آپ طہران تشریف لے جائیں۔ باب نے کہا اچھا ہم چلے جائیں گے۔ حاکم نے کہا بہتر ہے کہ آج ہی رات تشریف لے جائیے۔ باب نے کہا۔ چونکہ اس وقت آدمی موجود نہیں ہیں اور سفر کا تدارک بھی نہیں ہے۔ حاکم نے کہا میں آدمی آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں۔ جو آپ کو تیاری سفر میں مدد دیں گے۔ غرض حاکم نے بارہ سولہ متعین کر کے حکم دیا کہ وہ باب کو جلد اصفہان سے لے جائیں چنانچہ بڑی عجلت کے ساتھ اسباب سفر درست کر کے باب کو رخصت کر دیا گیا۔ باب نے اصفہان میں بھی شادی کر لی تھی اس کو بیوی سے ملنے کی بھی اجازت نہ دی گئی۔ یہ ایسی قہر آمیز اور اندوہناک حالت تھی کہ باب عالم رنج و اضطراب میں مقاطعہ جوئی پر آمادہ ہوا اور کاشان تک کچھ نہ کھایا۔ باب کے چند پیرو جو رفتائے سفر تھے اپنے مقتداء کی فاقہ کشی پر سخت مضطرب ہوئے اور انہیں اندیشہ ہوا کہ کیسے گرسنگی سے ہلاک نہ ہو جائے۔ بڑی منتیں کیں لیکن باب نے کھانا تناول نہ کیا۔ آخر کاشان پہنچ کر شیخ علی خراسانی کی استدعا پر دودن کے بعد کھانا کھالیا۔ جب باب اصفہان سے چلا آیا تو راستہ میں وزیر اعظم کی طرف سے باب کو تبریز اور ماکو لے جانے کا دوسرا حکم آپہنچا۔ باب کو کاشان سے موضع خانیق اور وہاں سے تبریز پہنچایا گیا۔ یہاں آکر باب کو معلوم ہوا کہ ہماری منزل مقصود تبریز نہیں بلکہ ماکو ہے۔ باب نے اپنا ایک قاصد شہزادہ بہمن میرزا حاکم تبریز کے پاس بھیج کر اس سے درخواست کی کہ وہ تبریز ہی میں قیام کی اجازت دے۔ کیونکہ ہمیں ماکو کا سفر ناگوار ہے اور ساتھ ہی یہ بھی دھمکی دی کہ اگر تم انکار کرو گے تو خدا تم سے اس کا انتقام لے گا۔ حاکم تبریز نے جواب دیا کہ اس میں میری مرضی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ طہران سے جو حکم آتا ہے اسی کی تعمیل کی جاتی ہے۔ جب قاصد نے واپس آکر باب کو حاکم کا یہ جواب سنایا تو آہ بھر کر کہنے لگا میں قضاۃ الہی پر راضی ہوں۔ یہ لوگ چند روز تک تبریز سے باہر ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد سواروں نے آکر کہا کہ اٹھئے روانہ ہو جائیے۔ باب نے چلنے سے پہلے اپنے قاصد سے کہا کہ ایک دفعہ شاہزادہ بہمن میرزا کے پاس دوبارہ جا کر اتمام حجت کر دو اور اس سے کہہ دو کہ میں تبریز سے حرکت نہیں کروں گا۔ بجز اس صورت کے کہ مجھے قتل کر کے لے جائیں۔ قاصد نے باب کا پیغام پہنچایا۔ شاہزادہ اصلاً خاطر میں نہ لایا۔ اور قاصد افسردہ دل واپس آیا۔ سواروں نے روانگی کے لیے کہا۔ لیکن باب نے چلنے سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کر ایک سوار اس غرض سے آگے بڑھا کہ باب کو پکڑ کر اٹھائے اور گھوڑے پر لا دے۔ یہ رنگ دیکھ کر باب چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ آخر ماکو پہنچے اور اسے پہاڑ کے اوپر ایک قلعہ میں رکھا گیا۔ 91۔

”مہدی موعود“ کے اخلاق عالیہ کا نمونہ

بعض احباب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے مغلفات پڑھ کر یہ رائے قائم کیا

کرتے ہیں کہ قادیان کے ”مسجد موعود“ صاحب فن دشنام گوئی میں لکھنؤ کی بھٹیاریوں سی بھی گوے سبقت لے گئے تھے لیکن میں ان حضرات کو متنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کی دشنام دہی کچھ قادیانی مسجد موعود پر موقوف نہیں تھی بلکہ قریب قریب سارے جھوٹے مدعی گالیوں کے ناقابل مدافعت اسلحہ سے مسلح رہے ہیں۔ حاجی میرزا جانی کاشانی نے جواباب کے ممتاز ترین مریدوں میں تھا کتاب ”تخلیہ الکاف“ میں اپنے مہدی موعود کے اخلاق عالیہ کے چند نمونے درج کئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن ماکو کا ایک بہت بڑا عالم باب کے پاس آیا اور اس سے چند باتیں دریافت کیں۔ سوالات کے سلسلہ میں اس کے منہ سے کوئی ایسا لفظ نکل گیا جسے باب نے سوء اوب پر محمول کیا۔ باب نے آپے سے باہر ہو کر عصا اٹھایا اور اس کو بے تحاشا پینٹا شروع کیا۔ یہاں تک کہ عصا اس کے جسم پر ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد آقا سید حسین عزیز کو جو ہر وقت حضور میں حاضر رہتا تھا فرمایا کہ اس کتے کو مجلس سے نکال دو۔ وہ عالم مجلس سے نکال دیا گیا حالانکہ وہ بہت بڑا بار سونخ جہتہ تھا اور شرم ماکو میں جو قریباً تین ہزار خوانین تھے وہ سب اس کا احترام کرتے تھے۔ 92۔ حاجی مرزا جانی کاشانی نے ایک اور واقعہ لکھ کر بھی اپنے مہدی موعود کے اخلاق پر روشنی ڈالی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ علی خاں حاکم ماکو نے باب کو لوگوں سے ملنے اور خط و کتابت کرنے کی ممانعت کر دی تھی لیکن اس کے باوجود باب کے پاس عقیدت شعاروں کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور باب اپنے مذہب کی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہا۔ یہ دیکھ کر حاکم نے حکام بالا کو لکھ بھیجا کہ یہاں باب لوگوں سے کھلم کھلا ملتا ہے اور اس جگہ اس کی حفاظت کے سامان بھی ناکافی ہیں۔ اس لیے اسے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ باب کو سہ سالہ قیام کے بعد قلعہ چریق کو بھیج دیا گیا۔ جب باب ماکو سے روانہ ہوتے وقت سوار ہوا تو علی خاں حاکم ماکو معذرت کرنے لگا کہ میری حقیقی خوشی اسی میں تھی کہ آپ یہیں رہتے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے آپ کو یہاں سے منتقل ہونا پڑا۔ باب نے جواب دیا۔ اے ملعون! کیوں جھٹ جھٹا ہے؟ خود ہی لکھ بھیجتا ہے خود ہی عذر کرتا ہے۔ غرض چریق کا راستہ لیا۔ 93۔ قلعہ چریق شہر اردمیہ کے پاس ہے۔ اردمیہ کے حاکم کا نام یحییٰ خان تھا۔ باب چریق لا کر یحییٰ خاں کے سپرد کیا گیا اس وقت حالت یہ تھی کہ مجتہدین کے فتوؤں اور انواع و اقسام کی ضرب اور نفی و جس کے باوجود باہلی فرقہ روز بروز ترقی کر رہا تھا۔ کیونکہ حق کی طرح شجرہ باطل بھی برابر نشوونما پاتا اور برگ و بار لاتا ہے۔ اس وقت ایران میں ہر طرف عث و جدال کا بازار گرم تھا اور ملک کے طول و عرض میں کوئی مجلس ایسی نہ ہوگی جس میں باہلی تحریک کے سوا کوئی اور گفتگو ہوتی ہو۔ اس اثناء میں باب کے پیروؤں نے ملک کے مختلف حصوں میں فساد برپا کر کے بعض مقامات پر مسلسل کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ قلعہ چریق میں سہ ماہہ اقامت کے بعد تمبریز کے اجلہ علماء اور فضلاء

آذربائیجان نے شاہ اور دوسرے حکام طہران کو باب اور بابیوں پر غیر معمولی تشدد کرنے کے لیے لکھا۔ لیکن انہوں نے مناسب خیال کیا کہ باب کو علماء کے مقابلہ میں لاجواب کیا جائے۔ چنانچہ 1263ھ میں یعنی باب کے اوداعے مددویت کے تین سال بعد محمد شاہ والئی ایران نے اپنے ولی عہد ناصر الدین شاہ کو جو اس وقت آذربائیجان کا گورنر تھا لکھ بھیجا کہ باب کو قلعہ چریق سے بلا کر علماء سے اس کا مناظرہ کراؤ۔ اسی مضمون کا ایک خط حاجی مرزا آقا سی وزیر اعظم نے بھی ولی عہد کو لکھا جس میں شاہ کے حکم کی تعمیل پر بڑا زور دیا تھا۔ ولی عہد نے حکم دیا کہ باب کو تہریز میں حاضر کریں۔ جب باب تہریز آیا تو اس سے اتنی رعایت کی گئی کہ قید میں رکھنے کے بجائے کاظم خان داروند فرش کے مکان میں اتار آگیا۔

مناظرہ تبریز

دوسرے دن تہریز کا مجتہد اعظم ملا محمود جس کا خطاب نظام العلماء تھا ملا محمود مامقانی، مرزا احمد اور مرزا علی اصغر شیخ الاسلام اور دوسرے شیعہ مجتہدین بھی جمع ہوئے۔ باب بھی بلایا گیا اور مباحثہ شروع ہوا۔

نظام العلماء: ”آپ کس منصب کے مدعی ہیں؟“

باب: ”میں وہی ہوں جس کا ہزار سال سے انتظار کیا جا رہا تھا۔“

نظام العلماء: ”یعنی آپ صاحب الامر (مدعی علیہ السلام) ہیں؟“

باب: ”بے شک۔“

نظام العلماء: ”آپ کے مدعی موعود ہونے کی کیا دلیل ہے؟“

باب نے اپنی مددویت کے ثبوت میں قرآن کی بہت سی آیتیں اور بعض دوسری عبارتیں پڑھ دیں اور کہنے لگا کہ صرف یہی نہیں بلکہ قرآن کی ہر آیت میرے دعوے کی تصدیق کرتی ہے۔“

نظام العلماء: ”آپ کا کیا نام ہے؟ باپ کا کیا نام تھا؟ ولادت کہاں ہوئی؟ عمر کتنی ہے؟“

باب: ”میرا نام علی محمد ہے۔ والد کا نام مرزا رضا ہے۔ ولادت شیراز میں ہوئی اور عمر 35 سال کی ہے۔“

نظام العلماء: ”صاحب الامر کا نام محمدؑ ان کے والد کا نام حسن اور ان کی جگہ ظہور سرمن رائے اور ان کی عمر ہزار سال ہے۔ اس لیے آپ کسی طرح صاحب الامر نہیں ہو سکتے۔“ معلوم ہو کہ حضرت مدعی علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ شیعہوں کا ہے۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک حضرت مدعی علیہ السلام کا نام نبی محمدؐ والد کا نام عبداللہ ہوگا۔ اور مکہ معظمہ میں ظاہر ہوں گے۔“ شیعہ کہتے ہیں کہ مدعی موعود حضرت حسن عسکری کے فرزند محمد ہیں جو چین میں لوگوں کی نظروں سے مخفی ہو گئے

تھے۔ وہی وقت معبود پر ظاہر ہوں گے۔ لیکن اہل سنت و جماعت کے نزدیک مہدی علیہ السلام ہنوز پیدا نہیں ہوئے بلکہ اپنے وقت پر پیدا ہوں گے لیکن خیال رہے کہ شیعوں نے جو محمد بن حسن عسکریؑ کو مہدی موعود سمجھ لیا تو یہ ان کی من گھڑت تجویز ہے۔ یہ لوگ کسی صحیح حدیث سے اس دعویٰ کو ثابت نہیں کر سکتے۔ باب اپنی ذات میں حضرت مہدی علیہ السلام کی کوئی علامت اور خصوصیت ثابت نہ کر سکا۔ ناچار کرامت کی ڈیگیں مارنے لگا اور کہا میں اپنی ایک کرامت تم سے بیان کرتا ہوں کیا تم میری کرامت پر یقین کرو گے؟

حاضرین: ”ہاں کہئے۔“

باب: ”میری کرامت یہ ہے کہ میں ایک ہی دن میں ایک ہزار بیت لکھ سکتا ہوں۔“

حاضرین: ”اگر یہ بیان صحیح بھی ہو تو اس سے صرف اتنا ثابت ہو گا کہ تم ایک زود نویس کاتب ہو۔“

ناصر الدین شاہ: ”اگر تم کرامت دکھا سکتے ہو تو نظام العلماء کا بڑا چا پا زائل کر کے ان کو جو ان کر دو۔“

باب سے اس کا بھی کچھ نہ بن پڑا۔

نظام العلماء: ”ضحیفہ سجاد یہ کے نام سے جو کتابیں لکھی ہیں کیا وہ فی الواقع تمہاری تصنیف ہیں؟“

باب: ”یہ سب خدا کی پاک وحی ہے جو مجھ پر نازل ہوئی۔“

نظام العلماء: ”جب تم صاحب وحی ہو تو اس آیت کی تفسیر کرو۔ هو الذی یریکم البرق خوفا

وطمعا وینشئ السحاب الثقاک الخ (وہی خدا ہے تر (بارش میں) تم کو چلی دکھاتا ہے

جس (کے گرنے) کا ڈر بھی ہوتا ہے اور (بارش کی) امید بھی ہوتی ہے اور گراں بادل کو بلند کرتا ہے

اور رعد (کا منوکل فرشتہ) اس کی حمد و ستائش کے ساتھ یاد کرتا ہے اور دوسرے ملائکہ بھی رب

جلیل کے خوف سے حمد و ثنائیں مستغرق ہیں اور وہ (بادل سے نکلنے والی ناری) جلیاں بھی مسلط کرتا

ہے پھر جس کسی پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے لیکن (بایں ہمہ قدرت) منکر لوگ (پیغمبر خدا ﷺ سے

خدائے واحد کے متعلق مخالفت کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ نہایت قوی اور شدید البطش ہے

13:13) اور ساتھ ہی اس کی نحوی ترکیب بھی بتاؤ۔“

باب سوچنے لگا اور کچھ جواب نہ دیا۔

نظام العلماء: ”اچھا سورہ کوثر کی شان نزول بیان کرو۔ اور بتاؤ کہ اس سورہ سے پیغمبر علیہ السلام کی کیا

تسلی ہوئی جس کا سورہ میں ذکر ہے؟“

باب سے اس کا بھی کچھ جواب نہ بن پڑا۔

نظام العلماء: ”علامہ حلی کے اس قول کا کیا مطلب ہے۔ اذا دخل الرجل الخنثی و

الخنثی علی الانثی وجب الغسا علی الخنثی دون الذکر والا نثی باب نے

اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔

نظام العلما: ”اچھا تاؤ کہ فصاحت و بلاغت کی کیا کیا تعریف ہے؟ اور ان میں نسب اربعہ میں سے کس سے کیا نسبت ہے؟“

باب نے کچھ جواب نہ دیا۔

نظام العلما: ”اچھا تاؤ منطق کی شکل اول کیوں بد یہی ہے؟“

باب اس کا بھی جواب نہ دے سکا۔

نظام العلما ناصر الدین شاہ سے خطاب کر کے۔ ”جناب یہ شخص جملہ علوم سے عاری ہے کسی علم سے اس کو مس نہیں۔“

ایک مجتہد باب کو خطاب کیا۔ ”کیوں صاحب! خدا نے تو کلام الہی میں فان للہ خمس (اللہ کے لیے خمس ہے) فرمایا ہے اور تم نے اپنے کلام دجی میں خمس (پانچواں حصہ) کی جگہ ثلث (تیسرا حصہ) لکھا ہے کیا قرآن کی آیت منسوخ ہو چکی ہے؟“

باب: ”ثلث اس وجہ سے کہ وہ خمس کا نصف ہے۔“

یہ سن کر تمام حاضرین کھل کھلا کر ہنسے۔

لامحمد ما تانی: ”فرض کیا کہ ثلث خمس کا نصف ہے لیکن اس سے سوال کا جواب نہیں نکلتا۔ آپ بتائیے کہ جب خدائے قدوس نے قرآن میں خمس فرمایا تو پھر ثلث کیوں دیتا چاہیے؟“

کہنے لگا۔ ”میری ایک کرامت یہ ہے کہ میں فی البدیہہ خطبہ پڑھتا ہوں۔“ یہ کہہ کر پڑھنے لگا۔ الحمد للہ الذی السموات والارض (باب نے ت کو مفتوح اور ض کو مجرور پڑھا حالانکہ صحیح اس کے بالعکس ہے) یہ سن کر حاضرین ہنسنے ہنسنے لگوٹ گئے۔

ناصر الدین شاہ نے کہا اس جہالت و کوری کے باوجود تم صاحب الامر بنے پھرتے ہو؟ تم ایک مغبوط الحواس آدمی معلوم ہوتے ہو لہذا میں تمہارے قتل کا حکم نہیں دیتا۔ البتہ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ تم صاحب الامر ہونے کے دعویٰ میں جھوٹے ہو تنبیہ و تادیب لایہ ہے۔“ یہ کہہ کر پیادوں کو اشارہ کیا۔ حکم کی دیر تھی کہ مار پڑنے لگی۔ باب جان بچانے کے لیے پکارنے لگا تو بہ کر دم۔ تو بہ کر دم۔ جب اچھی طرح پٹ چکا تو اس کو دوبارہ قلعہ چریق میں بھیج دیا گیا۔ 94۔

فصل 2۔ بابیوں کی مسلح بغاوتیں

اور حرلی سرگرمیاں

جس زمانہ میں علی محمد باب ماکو اور چریق میں نظر بند تھا ان ایام میں اس کے پیروؤں نے

خوب ہاتھ پاؤں نکالے اور جان بچھ ہو کر مسلح بغاوتیں شروع کر دیں۔ باب نے ملا حسین بھڑویہ کو ماٹکو سے بغرض تبلیغ خراسان بھیجا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ محمد شان والئی ایران ملک بھاگو انتقال کر گیا تھا اور ناصر الدین شاہ نیا نیا اورنگ نشین سلطنت ہوا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ملا حسین بھڑویہ خراسان سے مازندران کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت دوسو تیس باہلی اس کے ہمراہ رکاب تھے۔ راستہ میں فیروز کوہ کے مقام پر فریضہ نماز ادا کر کے منبر پر چڑھا اور دنیائے دوں کی مذمت کر کے کہنے لگا۔ صاحبو! ہمارا واقعہ حضرت عبداللہ (امام حسینؑ) کے ماجرے سے مشابہت رکھتا ہے۔ شہادت فی سبیل اللہ کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں جس کسی نے طمع دنیوی کے لیے ہماری رفاقت اختیار کی ہو وہ وطن مالوف کو لوٹ جائے۔ تمام لوگ یقین رکھیں جو نئی ہم مازندران پہنچیں گے تیغ جفا کا لقمہ بن جائیں گے جو شخص جانا چاہے وہ ابھی جاسکتا ہے لیکن جو کوئی شہادت کا آب حیات پینا چاہے وہ ہمارا ساتھ دے۔ یہ سن کر تیس آدمی تو ترک رفاقت کر کے چلے گئے۔ دوسرے لوگوں نے ملا حسین کو یقین دلایا کہ شہادت اور جان نثاری کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں۔ ملا حسین اس جمعیت کو ساتھ لے کر بار فروش پہنچا۔ ”سعید العلماء“ نے جو حاکم شہر تھا اتنے مسلح بابیوں کو شہر میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی۔ انہوں نے جبر اشہر میں داخل ہونا چاہا۔ اہل شہر مزاحم ہوئے۔ آخر جھگڑا شروع ہوا اور بڑھتے بڑھتے کشت و خون تک نہایت پہنچی۔ اس ہنگامہ میں تین باہلی اور سات شہری کام آئے۔ اس کے بعد ایک اور جھڑپ ہوئی جس میں چند باہلی مارے گئے۔ باہلی یہاں سے چل کر قلعہ طبریہ کے مقام پر پہنچے۔ اس اثناء میں ملا محمد بابر فروشی بھی جو بابیوں میں ایک ممتاز شخصیت رکھتا تھا آکر ان سے ملحق ہو گیا۔ محمد علی نے ملا حسین کو مشورہ دیا کہ ”ایک قلعہ مانالو چنانچہ اس کے حدود بھی متعین کر دیئے۔ بابیوں نے قلعہ طبریہ کے قریب رات دن کی محنت و مشقت برداشت کی اور چند ہی روز میں ایک مختصر سا قلعہ تعمیر کر لیا۔ اس کے بعد بابیوں نے ارد گرد کے دیہات کی بے گناہ رعایا کو لوٹ کر دو سال کا آذوقہ قلعہ میں جمع کر لیا۔ ایک قلعہ ہاتھ میں آجانے کے بعد ان کی جرات یہاں تک بڑھی کہ ایک رات ایک گاؤں پر اچانک یورش کر کے وہاں کے ایک سو تیس جرم نا آشنا باشندوں کو تیغ جفا کی نذر کر دیا۔ اس گاؤں کے باشندوں میں سے صرف وہ لوگ بچ سکے جو قتل عام کے وقت گاؤں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ بابیوں کو مال و اسباب جو کچھ مل سکا اسے قلعہ میں لے آئے۔ اب قلعہ گیر بابیوں کی جمعیت بڑھنے لگی اور سینکڑوں سے ترقی کر کے ہزاروں تک پہنچ گئے۔ جب ان حالات کی اطلاع طہران پہنچی تو شہزادہ ممدی قلی خاں حاکم مازندران فیملہ کیا کہ وہ بابیوں پر دھاوا کرے۔ شاہ نے عباس قلی خاں لار جانی کو بھی شہزادہ کی عون و نصرت پر مامور کیا۔ شاہزادہ نے مازندران سے کوچ کیا اور باہلی قلعہ سے قریب آدو فرسنگ کے فاصلہ پر موضع واژ گرد میں قیام کیا اس

کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ کی جمعیت نہ تھی اس لیے گاؤں کے پاس ٹھہر کر عباس قلی خاں کی کمک بھیجی۔ کا انتظار کرنے لگا۔ اسی اثناء میں شاہزادہ نے بابیوں کے نام ایک چٹھی لکھی جس میں نصیحت کی تھی کہ شوریہ سری چھوڑ دو اس کے جواب میں ملا حسین اور حاجی محمد علی بار فردوسی نے لکھا کہ ہمیں دنیا اور اس کے خطوط فانیہ سے سروکار نہ ہے۔ ہمارا مقصد محض دینے ہے۔ ہماری جماعت بڑے بڑے علماء، سادات، مجاہد، متقیین و منتخب روزگار حضرات پر مشتمل ہے۔ یہ عاشقان حق راہ محبوب میں دنیا کے تمام مالوفات سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ اگر یہ نفوس قدسیہ بھی برسر حق نہیں ہیں تو پھر کون لوگ ایسے ہو سکتے ہیں؟ کون راہ ہدایت دکھائے گا؟ بہتر ہے کہ ہماری تہذیب و تمدن میرے باز آؤ۔ ورنہ جب تک جسم میں آخری سانس باقی ہے ہم برابر مقابلہ کرتے رہیں گے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم مارے گئے تو شہادت کی سعادت پائیں گے اور ہمارے دشمن سیدھے جہنم میں جائیں گے۔ ناصر الدین شاہ کی بادشاہت باطل ہے اس کے امراء جنم کا ایندھن ہیں۔ یہ سب ابد الابد آتش الہی میں معذب رہیں گے۔ بہتر ہے کہ دنیائے دنی کی طرف سے منہ موڑ کر ہمارے پاس چلے آؤ۔ اور حضرت قائم علیہ السلام (باب) پر ایمان لے آؤ۔ ظالم سے مظلوم کی۔

ممدی قلی خاں کے لشکر پر بابیوں کا شب خون

دوسرے دن باقی لوگ تین ہزار کی جمعیت سے ممدی قلی خاں کے لشکر گاہ پر شب خون مارنے کے قصد سے روانہ ہوئے۔ شاہی فوج نے ان کو آتے دیکھ کر گمان کیا کہ عباس قلی خاں کمک لے کر آیا ہے۔ بابیوں نے سب سے پہلے اسلحہ خانہ کا رخ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد نہایت چابکدستی کے ساتھ سرکاری بارود خانہ کو نذر آتش کر دیا۔ یہ دیکھ کر شاہی فوج بدحواس ہو گئی۔ باقی باز کی طرح ان پر چھپے اور قتل عام شروع کر دیا۔ اس واقعہ کو مولف نقطۂ ارسلان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ صدائے ہائے دہوئے و فریاد الخذر الخذر کفار جوش افلاک رسید انان شمشیر آن قوم ضلالت گزاردہ تار و پود وجود تا مسعود ایشاں را از ہم دریدند لشکریان روئے بہر میت گذاردہ پس اصحاب محبوب سائے خود را از قید کفار خلاص نمودہ۔ اس کے بعد بابیوں نے اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں شاہزادہ ممدی قلی خاں قیام پذیر تھا۔ اور اس پر تیر اندازی شروع کر دی۔ سوء اتفاق سے اس مکان میں دو اور شاہزادے سلطان حسین اور میر زلولہ فتح علی شاہ اور داؤد میر زائن خلل السلطان بھی موجود تھے۔ شاہزادہ ممدی قلی تو مکان پر سے کود کر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ اور دوسرے دونوں شاہزادے عالم سرا سمیع میں بالا خانہ میں جا چھپے۔ بابیوں کی شہوت قلبی دیکھو کہ انہوں نے مکان کو آگ لگا کر نہایت بے رحمی سے ان دونوں کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ اب بابیوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ اس اثناء میں ہزیمت خوردہ شاہی فوج پلٹ پڑی مگر محض مرتب کرنے کا موقع نہ

ملا۔ اور بابیوں نے پھر مار مار کر ان کو بھاگنے پر مجبور کیا لیکن اس جھڑپ میں ایک تیر بابیوں کے سردار ملا محمد علی بار فروشی کے منہ پر آگ لگ۔ منہ کے دانت دانہ ہائے انار کی طرح الگ الگ ہو کر گر پڑے۔ اور بار فروشی کا نصف چہرہ مجروح ہو گیا۔ مولف ”نقطۃ الکاف“ نے شاہی فوج کے نقصانات تین ہزار بتائے ہیں۔ چنانچہ لکھتا ہے۔ ”ذراں کار زار قریب سے صد نفر از ملا عین را جہنم فرستادہ بودند 95۔ مگر یہ میان سخت مبالغہ آمیز ہے کیونکہ اس وقت شاہی فوج کی کل تعداد ہی دو ہزار سے کسی طرح متجاوز نہ تھی۔

قشون دولت کا اجتماع اور باہلی قلعہ کا محاصرہ

باہلی غنیمت سے مالا مال ہو کر فتح و فیروز مندی کے نقارے جاتے ہوئے اپنے قلعہ میں واپس آئے۔ چند روز میں شہزادہ عباس قلی خاں سات ہزار فوج لے کر آ پہنچا۔ اور باہلی قلعہ کے سامنے مورچے اور خندقیں بنانے میں مصروف ہوا۔ اس اثنا میں بابیوں سے سرکاری فوج کی متعدد جھڑپیں ہوئیں۔ ایک رات ملا حسین بھڑویہ ملا محمد علی بار فروشی سے کہنے لگا کہ جب آپ کے مجروح چہرے پر نظر پڑتی ہے تو دل دو نیم ہو جاتا ہے۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ جا کر اس کا انتقام لوں۔ ملا محمد علی ملقب بہ قدوس نے اس کو رزم خورہ ہونے کی اجازت دی۔ ملا حسین اپنی ساری جمعیت لے کر قلعہ سے برآمد ہوا اور آتش حرب شعلہ زن ہوئی۔ بابیوں کی عادت تھی کہ لڑائی کے وقت خدائے کردگار عزاسبہ کی جگہ یا صاحب الزماں اور یا قدوس کہہ کر علی محمد باب اور ملا محمد علی بار فروشی سے مخفی استغاثت کیا کرتے تھے۔ ملا حسین بھڑویہ آغاز ہی میں سینے میں ایک جان ستان تیر کھا کر بری طرح مجروح ہو گیا۔ ملا حسین گھوڑے سے گرا ہی چاہتا تھا کہ ایک باہلی عقب میں سوار ہو کر اسے میدان جنگ سے نکال لے گیا۔ لیکن جو نمی صحن قلعہ میں پہنچا ملا حسین موت کا شکار ہو گیا۔ باہلی بھی مرزائیوں کی طرح مبالغہ اور غلط بیانی کے بڑے بہادر ہیں۔ مولف ”نقطۃ الکاف“ کا بیان ہے کہ پندرہ باہلی سواروں نے دشمن کی سات ہزار فوج کو بھگا دیا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ درین ہنگام پانزدہ سوار از قلعہ برآمد بچوں اژدہا دہن کشودہ خود را بقلب آں سپاہ ول سپاہ صد تن از ایشان را جہنم فرستادہ و حمۃ بچوں فرار بر قرار اختیار نمودہ۔ مولف ”نقطۃ الکاف“ لکھتا ہے کہ اس کے بعد باہلی دشمن کے لشکر میں آکر غنیمت کے لیے چار چوبہ تیار کرتے اور رات کے وقت قلعہ کے پاس لا کر اس کو نصب کرتے تھے۔ اس دوران میں شاہی فوج کے پاس طہران سے توپ خانہ بھی آ گیا۔ چنانچہ توپیں بھی قلعہ کے ارد گرد نصب کی جانے لگیں۔ لیکن کسی باہلی کو قلعہ سے نکلنے کی جرات نہیں تھی۔ جب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو شاہی لشکر نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت قلعہ میں بابیوں کے پاس دو سو سے زیادہ گھوڑے، چالیس پچاس گائیں اور تین چار سو بھڑی تھیں۔ کچھ

مدت کے بعد بابیوں کی رسد ختم ہو گئی اور باہر نکل کر سامان خوراک میا کرنے کی بھی کوئی صورت نہ رہی۔ جب گائیں اور بھیڑیں کھا چکے تو مجبوراً گھوڑوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ وہ بھی ختم ہو گئے۔ آخر چارپائیوں کی طرح گھاس کھانی شروع کر دی۔ مرزا محمد حسین اور بعض دوسرے بابیوں نے عالم اضطراب میں ملا محمد علی بار فروشی سے کہا کہ ہمارے آقا و مولیٰ دعا فرمائیے کہ (شاہی لشکر) پر عذاب نازل کرے اور ان بلا کشوں کو ان مصائب سے نجات دے۔

بار فروشی نے کہا کہ جب حضرت باب جو چاہتا ہے اپنے محبوبوں کے ساتھ شوفی کرتا ہے اس لیے دوستوں کو چاہیے کہ اس کی مشیت پر راضی رہیں۔ مرزا محمد حسین قتی جسے شروع میں یہ امیدیں دلائی گئی تھیں کہ بانی ظاہری سلطنت پر فائز ہوں گے اس جواب پر مطمئن نہ ہوا اور جب بار فروشی نے کہا کہ سلطنت سے باطنی سلطنت مراد تھی۔ تو محمد حسین پر بابیت کی قلبی کھل گئی اور بار فروشی سے کہنے لگا۔ کہ اگر اجازت ہو تو میں یہاں سے چلا جاؤں۔ یہ کہہ کر محمد حسین قتی چند آدمیوں کو ساتھ لے کر قلعہ سے برآمد ہوا۔ اور لشکر شاہی کے قریب پہنچ کر کہنے لگا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں مجھے شاہزادہ کے پاس لے چلو۔ چونکہ یہ شخص صاحب علم و فضل، عالی خاندان اور حاجی سید اسماعیل قتی کا داماد تھا۔ شاہزادہ نے اس کی بڑی آؤ بھکت کی۔ جب اس سے بابیوں کے حالات دریافت کئے گئے تو کہنے لگا کہ بانی لوگ دعویٰ تو بڑے بڑے کرتے ہیں لیکن عمل کسی پر نہیں ان کے عقاید بھی تاویل و باطن کے عقاید ہیں۔ چونکہ مجھے ان کی سچائی اور حقیقت کی طرف سے اطمینان نہ ہوا۔ میں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ 96۔

محصورین کی بد حالی، قلعہ پر شاہی فوج کا قبضہ

اب بابیوں کی قوی سخت مضحل ہونے لگے اور طاقت جسمانی و مہم جو اب دینے لگی۔ شاہزادہ نے قلعہ کی چاروں طرف چار برج تیار کر اکر ان پر توپیں چڑھائیں۔ برج اتنے بلند تھے کہ توپ کا گولہ آسانی سے قلعہ میں گر کر پھٹتا اور سخت نقصان پہنچاتا تھا۔ شاہزادہ نے قلعہ پر آنکھاری شروع کی تو بابیوں نے زمین کھودنی شروع کر دی اور زیر زمین خندقوں میں چھپنے لگے۔ بد قسمتی سے مازندران کی سر زمین ایسی مرطوب ہے کہ تھوڑی سی زمین کھودنے سے پانی نکل آتا ہے۔ اس لیے بلا کش محصورین کو پانی اور کچھڑ میں ہسر الینا پڑا۔ گھوڑے اور ان کی گھاس چٹ کرنے کے بعد بابیوں نے درختوں کے پتے کھانے شروع کر دیئے۔ جب وہ بھی ختم ہو لئے تو گھوڑوں کی چر میں زمین چھانی شروع کیں۔ جب یہ بھی نہ رہیں تو گرسنگی سے بے تاب ہو کر قلعہ سے باہر نکلنا چاہتے لیکن جب توپوں کی آنکھاری اور تیروں کی بارش ان کے استقبال کے لیے آموجود ہوتی تو مجبوراً قلعہ میں لوٹ جاتے۔ انجام کار محصورین نے انیس دن اس مصیبت سے کائے کہ آٹھ پہر میں ہر بانی

کو چائے کی جگہ گرم پانی کا ایک ایک پیالہ ملتا تھا۔ انجام کار ان کے شکم پیٹھ سے جا ملے۔ ہر وقت پانی اور کچھڑ میں رہنے کی وجہ سے ان کے کپڑے بھی گل گئے تھے۔ اس لیے ستر پوشی بھی مشکل ہو گئی۔ اب شاہی فوج نے یہ کام کیا کہ سرنگ لگا کر برج قلعہ کے نیچے کی زمین کو دو ڈالی۔ اور اس میں بارود بھر کر آگ دکھادی۔ برج قلعہ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ گیا۔ اسی طرح دیوار قلعہ کے نیچے بھی سرنگ لگا کر اور بارود بھر کر اس کو بھی اڑا دیا۔ اور دیوار منہدم ہو گئی۔ ایک باہلی آثارِ رسول بہمیزی شدت گرسنگی کی تاب نہ لا کر اپنے تئیں ساتھیوں کے ساتھ قلعہ سے چلا گیا۔ شاہزادہ نے سب کو قید کر لیا۔ اب بابیوں کے سردار ملا محمد علی بارفروشی نے شاہزادہ کو پیغام بھیجا کہ اگر ہمیں نکلنے کا راستہ دو تو ہم قلعہ خالی کر کے چلے جائیں۔ شاہزادہ نے اجازت دی۔ ملا محمد علی دو سو تئیں بابیوں کے ساتھ جو ہنوز زندہ تھے قلعہ سے برآمد ہوئے۔ شاہی فوج نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ شاہزادہ تمام بابیوں کو طوق و سلال میں جکڑ کر بارفروش لے گیا۔ وہاں منادی کی گئی کہ ملا محمد علی بارفروشی باہر میدان میں ہلاک کیا جائے گا۔ تماشاخی ہر طرف سے امنڈ آئے۔ غضب ناک شہریوں میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جس نے محمد علی کو دو ایک طمانچے یا گھونے رسید نہ کئے ہوں۔ لوگوں نے اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مدرسوں کے طلباء آکر اس کے منہ پر تھوکتے اور گالیاں دیتے تھے۔ آخر ہزار ذلت و رسوائی کے بعد اس کا سرقن سے جدا کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے باہلی بھی عفریت اجل کے حوالے کر دیئے گئے۔ جب باب کو محمد علی بارفروشی کے مارے جانے کی خبر ملی تو انیس شبانہ روز تارباہ۔ اس مدت میں اس نے غذا بہت ہی کم کھائی۔ 97۔

ہنگامہ تبریز

علی محمد باب نے سید یحییٰ کو بابیت کی تبلیغ کے لیے یزد بھیجا تھا۔ یہ شخص وہاں پہنچ کر بہت دن تک بابیت کی صداقت اور دوسرے ادیان و ملل کی بطلان پر تقریریں کرتا رہا۔ جب لوگ شیعہ مذہب چھوڑ چھوڑ کر باب کے حلقہ مذہب میں داخل ہونے لگے اور فتنہ عظیم برپا ہوتا نظر آیا تو حاکم یزد نے یحییٰ کو بلا بھیجا۔ اس نے آنے سے انکار کیا۔ پولیس گرفتاری پر متعین ہوئی اس نے جا کر اس کو زیر حراست کرنا چاہا۔ بابیوں نے پولیس پر حملہ کر دیا۔ جانیں سے متعدد آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ آخر یحییٰ یزد سے شیراز بھاگ گیا۔ اور وہاں پہنچ کر لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دینے لگا۔ آخر حاکم شیراز نے گرفتاری کا حکم دیا۔ اس نے یہاں سے بھی راہ فرار اختیار کی۔ اب اس نے تبریز جا کر بابیت کی ذیلی جانی شروع کی۔ جب تبریز کی فضاکدر نظر آئی تو حاکم نے یحییٰ کو حکم دیا کہ وہ تبریز سے چلا جائے۔ اس نے پہلے تو جانے سے انکار کیا لیکن جب دیکھا کہ اپنی قلیل جمعیت سے حاکم کا مقابلہ نہ کر سکے گا تو مسجد میں چلا گیا اور منبر پر چڑھ کر ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔

جس میں کہا۔ اے لوگو! میں رسول خدا (ﷺ) کا فرزند ہوں۔ آج تمہارے درمیان مظلوم اور ظالموں کے جنگل میں گرفتار ہوں۔ اس لیے تم سے عون و نصرت کا طالب ہوں۔ میرا اس کے سوا کوئی قصور نہیں کہ میں نے اپنی زندگی اعلاء کلمہ حق کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ میں لوگوں کو صحیح معنوں میں اسلام و ایمان کی طرف بلاتا ہوں۔ آج میری حالت وہی ہے جو جد بزرگوار حسین مظلوم کی تھی۔ آج جو کوئی مجھ مظلوم کی آواز پر لبیک کہے گا۔ میری امداد کرے گا اور مجھے ظالموں کے جنگل سے نجات دلائے گا۔ وہ جد بزرگوار کی شفاعت سے بہرہ مند ہو گا۔“ یحییٰ نے ایسے رقت آمیز کلمات سے اپنا درد دل بیان کیا کہ حاضرین آبدیدہ ہو گئے۔ بعض نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے کہا۔ اے ابن رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ کی جان اطہر کے قربان ہوں ہم مال و عیال اور جان سے حاضر ہیں۔ اس نواح میں ایک مخروب قلعہ تھا۔ یحییٰ اپنے پیروؤں کو ساتھ لے کر اس قلعہ میں جا ٹھہرا۔ حاکم تبریز کو خبر لگی تو اس نے ایک چھوٹی سی جمیعت کو ان کی گرفتاری پر مامور کیا۔ یحییٰ نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ بدافعہ کرو۔ یہ سن کر ہر بائی اس بات کی آرزو کرنے لگا کہ وہ راہ محبت کا سب سے پہلا شہید بنے۔ ان کا یہ شوق جان بازی اور جذبہ فدویت دیکھ کر یحییٰ کہنے لگا شہر و کیا دیکھتے ہو۔ ان کھمیوں کو منتشر کر دو۔ بائی ان پر ٹوٹ پڑے۔ جانین کے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ آخر بابائیوں نے اعداء کو بھگا کر فتح و فیروزی کے ساتھ قلعہ میں مراجعت کی۔ جب یہ خبر شیراز پہنچی تو شاہزادہ فرہاد میرزا نے فوج لے کر قلعہ کا رخ کیا لیکن تاخت سے پہلے یحییٰ کو بلا بھیجا کہ بہتر ہے کہ تم رزم و پیکار سے دست بردار ہو کر قلعہ سے باہر چلے آؤ۔ یحییٰ اپنے پیروؤں کو ساتھ لے کر قلعہ سے برآمد ہوا اور شاہزادہ سے آملا وہ دن تو عافیت سے گزر گیا۔ لیکن دوسرے دن بابائیوں کو خورشید فتنہ افق بلا سے طلوع ہوا تا نظر آیا۔ تمام بائی گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتارے گئے اور ان کے سر عبرت روزگار بننے کے لیے شیراز بھیج دیے گئے۔ 98۔

باب کے مشہور عقیدت مند حاجی میرزا جانی کاشانی مولف ”تقلید الکاف“ کا بیان ہے کہ جب سید یحییٰ جسے علی محمد باب نے اپنے مذہب کا نشریہ کرنے کے لیے یزد اور تبریز بھیج رکھا تھا۔ گرفتار ہوا تو حسن یزدی نام ایک اور بائی بھی سید یحییٰ کے ساتھ قید تھا۔ یہ دونوں تبریز کے قلعہ میں محبوس تھے۔ جب یحییٰ نے فرار کا ارادہ کیا تو حسن سے کہنے لگا۔ کاش! کوئی ایسا شخص ملتا جو میرا گھوڑا قلعہ سے باہر پہنچا دیتا۔ حسن کہنے لگا۔ ”جب حکم ہو میں اس خدمت کو انجام دوں گا۔“ یحییٰ نے کہا مگر مشکل یہ ہے کہ اس جرم کی پاداش میں تمہاری گردن مار دی جائے گی۔“ حسن کہنے لگا کہ میرے لیے حضرت تباب اور آپ کی راہ میں جان و دینا نہایت آسان ہے۔ بلکہ اس کے سوا تو میری زندگی کا مقصد ہی کچھ نہیں۔ جب حسن نے پہرہ داروں کو غافل پایا تو گھوڑا باہر لے گیا۔ لیکن معاصر گرفتار کر لیا گیا۔ جب حاکم کے سامنے لے گئے تو اس نے حکم دیا کہ اس کو توپ سے اڑا دو۔ جب حسن کی پیٹھ توپ

کے منہ سے باندھی گئی تو ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگا کہ یہ میری زندگی کے آخری لمحے ہیں۔ خدا کے لیے میری ایک درخواست قبول کرو۔ ”انہوں نے پوچھا۔ وہ کیا ہے؟ حسن بولا کہ پیٹھ کے بجائے میرا منہ توپ کی طرف رکھو۔ انہوں نے کہا اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ حسن کہنے لگا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ توپ کس طرح چلتی ہے اور راہ محبوب میں کس طرح لقمہ اجل مالتی ہے۔ 99۔ اس قسم کے واقعات سے معلوم ہوگا کہ بچوں کی طرح باطل کے پرستاروں میں بھی فدایت و جہاں سپاری کا جوہر ودیعت کیا گیا ہے۔

فتنہ زنجان

ملا محمد علی زنجانی باب کے ظہور سے پہلے نماز جمعہ ادا کیا کرتا تھا۔ لیکن جب باب نے کتاب ”فروغ دین“ میں لکھا کہ اب میرے اور اس شخص کے سوا جس کو میں اذن دوں ہر شخص کے لیے (معاذ اللہ) نماز جمعہ حرام ہے۔ تو ملا محمد علی نے نماز جمعہ ترک کر دی۔ لیکن جب باب نے اس کو اجازت دی تو نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد میں گیا۔ زنجان کے ایک ذی اثر آدمی نے اسے اپنی مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی لیکن ملا محمد علی نے اس امتناع کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس شخص نے جا کر حاکم سے شکایت کی۔ اس نے محمد علی کو بلا بھیجا۔ جب یہ گیا تو حاکم نے اسے حراست میں لے لیا۔ جب بابیوں کو اس کا علم ہوا تو وہ حاکم پر نرغہ کر کے محمد علی زنجانی کو چھوڑا۔ جب یہ خبر ضران پہنچی تو وہاں سے چند آدمی اس کی گرفتاری کے لیے بھیجے گئے۔ اس اثنا میں ملا محمد علی نے ہزار آدمی کی جمیعت بنم پنچا کر سرد اور اسلحہ جنگ مہیا کر لیے اور زنجان کے قلعہ پر قابض ہو کر محض دو گھنٹہ بابیوں نے اس کے علاوہ انیس مورچے بھی مائے اور نصف سے زیادہ حصہ شہر پر قبضہ کر کے ان مورچوں پر انیس انیس آدمی متعین کر دیئے۔ جب ان میں سے ایک ٹولی اللہ ابھی کتنی تھی تو دوسری ٹولیاں بھی خوش الحانی کے ساتھ یہی آواز بلند کرتی تھیں۔ مولف ”تھظہ الکاف“ لاف زنی کرتا ہے کہ یہ لوگ ایسے شیر مرد تھے کہ ان میں سے ہر ایک مرد چالیس چالیس آدمیوں کا مقابلہ کرتا تھا اور نہ صرف عورتوں بلکہ ان کے بچے بھی ہر طرح محاربتیں کا ہاتھ مٹا رہے تھے۔ عورتیں اور بچے فاختن اور دوسرے ذرائع سے سنگ اندازی کرتے تھے۔ جب حکام کو ان حالات کا علم ہوا تو بابیوں کی گوشالی کے لیے فوج بھیجی گئی۔ شاہی لشکر نے آتے ہی بابیوں کو محاصرے میں لے لیا۔ ملا محمد علی نے شاہی فوج کے افسر اعلیٰ کو لکھا کہ نہ تو ہمیں سلطنت کی خواہش ہے اور نہ آپ پر غلبہ پانا مقصود ہے۔ اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قدر سپاہ گراں ہمارے سر پر کیوں مسلط کی گئی ہے۔ اس کے بعد لکھا کہ اگر آپ محاصرہ اٹھا کر ہمیں جانے کی اجازت دیں۔ تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ مملکت ایران کو چھوڑ کر کسی دوسرے ملک کو چلے جائیں گے۔ قائم فوج نے جواب میں کھلا بھیجا کہ میرے لیے

تمہاری ہلاکت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ محمد علی زنجانی حکام کی طرف سے مایوس ہوا تو اس نے دول خارجہ کے سفراء سے خط و کتابت شروع کی اور ان سے درخواست کی کہ ہمیں اس ورطہ سے نجات دلائیے۔ سفیروں نے فوجی افسروں سے سفارش کی لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ جب بابائیوں کی واویلا حد سے بڑھ گئی تو رکی اور روسی سفیر بابائیوں کو دیکھنے آئے۔ ملا محمد علی نے ان سے بیان کیا کہ ہمارے درمیان ملکی منازعت کچھ نہیں۔ بلکہ ہم اہل اسلام ہیں مسلمانوں کا ہزار سال سے یہ عقیدہ چلا آتا تھا کہ ان کا امام مہدی جو غائب ہو گیا تھا ایک دن ظاہر ہو گا۔ کافر مسلمین اس کے لیے ہمیشہ چشم براہ تھے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ وہ امام منتظر ظاہر ہو گیا ہے اور وہ میرزا علی محمد باب ہے لیکن یہ لوگ ہماری تکذیب کرتے ہیں۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ جس دلیل سے تم نے مذہب اسلام قبول کیا ہے اسی دلیل سے تم مرزا محمد علی باب کا مذہب قبول کرو۔ لیکن کچھ توجہ نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ احادیث آئمہ ہی کو جواب علیہ السلام کے متعلق وارد ہوئی ہیں حق مان لو مگر کچھ اعتنا نہیں کرتے۔ پھر ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ اچھا حضرت کے علم، عمل، تقویٰ، توجہ الی اللہ، انتظام کا شیعی علماء کے علم و عمل سے مقابلہ کر لو مگر پھر بھی جواب نہیں دیتے۔ خلاصہ یہ کہ ہم جو بھی تجویز پیش کرتے ہیں وہ اس کی طرف سے کان بھرے کر لیتے ہیں۔ سفراء یہ بیان دے کر چلے گئے۔ اس کے بعد ایک دن ملا محمد علی زنجانی اپنے ایک مورچہ کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس اثناء میں اس کے ایک تیرہ برستان لگا۔ ساتھی اسے قیام گاہ پر اٹھالائے۔ آخر تیسرے دن ہست ہلاک پر دراز ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد بابائیوں نے اپنے تئیں شاہی فوج کے سپرد کر دیا۔ تمام باہلی پاز غیر طہر ان بھیج دیئے گئے۔ 100۔

باب کا اقام خود کشی

اس وقت بابائیوں نے ایران میں ہر جگہ ہل چل ڈال رکھی تھی۔ اس لیے ایمان سلطنت نے فیصلہ کیا کہ باب کو نذرانہ اجل کر دینا چاہیے۔ جب تک یہ زندہ ہے آئے دن فتنے اور فساد ہوتے رہیں گے۔ علماء نے بھی اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ آخر باب کو چریق سے تہیز لائے اور مجلس علماء میں دوبارہ لائے سید محمد حسین عزیز لور آقا محمد علی تبریزی بھی ساتھ تھے۔ علماء نے بہتر سمجھایا کہ تم اپنے الحاد و زندقہ اور دعویٰ مددویت سے توبہ کر کے سیدھا راستہ اختیار کرو۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔ حشمتہ الدولہ نے باب سے کہا کہ تمہیں حامل وحی ہونے کا دعویٰ ہے۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو دعا کرو کہ کوئی آیت ہزل ہو۔ باب نے فوراً سورہ نور کی ایک آیت کا کچھ ٹکڑا سورہ ملک کی ایک آیت کے ٹکڑے سے ملا کر پڑھ دیا۔ حشمتہ الدولہ نے وہ کلمات کہہوائ لیے۔ پھر باب سے پوچھا کہ کیا یہ وحی آسمانی ہے؟ بولا جی ہاں۔ حشمتہ الدولہ نے کہا کہ وحی مہبط کے دل سے

فراموش نہیں ہوتی اگر فی الواقع یہ وحی ہے تو ذرا دوبارہ پڑھ دو۔ جب باب نے اسے دوبارہ پڑھا تو الفاظ میں رد و بدل ہو گیا۔ حشمت الدولہ نے کہا کہ یہ تمہارے جھوٹ اور جعل کی بین دلیل ہے۔ 101۔ آخر اس کے قتل کا حکم صادر ہوا۔ اب یہ صلاح ٹھہری کہ اسے مجمع عام میں قتل کیا جائے کیونکہ اگر اسے علیحدگی میں ہلاک کیا تو عوام دھوکے میں پڑیں گے اور سمجھیں گے کہ خدا نے اسے آسمانوں پر اٹھالیا۔ 28 شعبان 1266ھ کا دن قتل کے لیے مقرر کیا گیا۔ باب کو چاہیے تھا کہ ارباب حکومت جس طرح چاہتے موت کے گھاٹ اتارتے لیکن وہ ثابت قدم رہتا۔ اور کسی ذلت و تصدیع کی پروا نہ کرتا۔ جب مرنا ہی ہے تو موت سے کیوں ڈرتا؟ مگر باب نے اپنے مریدوں کے ذریعہ سے خودکشی کا قصد کیا۔ مولف ”تھلہ الکاف“ لکھتا ہے کہ جس دن باب قتل کیا جانے والا تھا اس سے پہلی رات کو اپنے مریدوں سے کہنے لگا کہ میں صبح بصد ذلت و خواری شہید کیا جاؤں گا۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ تم میں سے کوئی میری شہادت میں اقدام کرے تاکہ میں اعداء باحقوں ذلت نہ سہوں۔ مجھے دوست کے ہاتھ سے مارا جانا اس سے کہیں زیادہ مرغوب ہے کہ دشمن کے ہاتھ سے جام مرگ نوش کروں۔ آقا محمد علی تہریزی تلوار اٹھا کر آمادہ قتل ہوا۔ تاکہ لامر فوق الارب پر عمل ہو جائے مگر دوسرے بابیوں نے مضطرب ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ آقا محمد علی نے کہا کہ میں تو آپ کا حکم ماننے کو تھا اور چاہتا تھا کہ آپ کو شہید کر کے خود کو ختم کر لوں لیکن انہوں نے روک دیا۔ باب نے مسکرا کر خوشنودی کا اظہار کیا۔ پھر باب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے قتل کر دو اور مجھ پر لعنت کر کے چ جاؤ۔ مگر کسی نے منظور نہ کیا۔ 102۔

واقعہ قتل

28 شعبان کی صبح کو سب سے پہلے آقا محمد علی کو اس غرض سے باندھا گیا کہ اس کو گولیوں کا نشانہ بنایا جائے۔ وہ ایسی جگہ باندھا جا رہا تھا جہاں اس کی پیٹھ باب کی طرف ہو گئی تھی۔ اس لیے حکام سے التجا کرنے لگا کہ مجھے ایسی جگہ باندھو جہاں میرا منہ اپنے محبوب (باب) کی طرف رہے۔ اس کی یہ التماس پوری کی گئی۔ اسے ہزار سمجھایا گیا کہ اگر جان عزیز ہے تو توبہ کر کے رہا ہو جاؤ لیکن اس نے توبہ نہ کی اور کہنے لگا عشق حق سے توبہ کرنا بڑا گناہ ہے۔ محمد علی کے اقرباء یہ کہہ کر حکام کی خوشامد کر رہے تھے کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے اور دیوانے کا قتل کسی طرح مناسب نہیں۔ وہ ہر مرتبہ اپنے اقارب سے نیان کی تردید کرتا تھا اور کہتا تھا نہیں نہیں میں جو ہر عقل سے آراستہ ہوں۔ میں حضرت حق کا دیوانہ ہوں مجھے قتل کرو۔ کیونکہ قتل ہی سے حیات لبدی کا مستحق ٹھہرتا ہوں۔ جب باڑھ مار کر ہلاک کیا جانے لگا تو باب نے اس سے خطاب کر کے کہا۔ انت فی الجنتہ معی 103۔ (تو جنت میں میرے ساتھ رہے گا) آقا محمد علی تہریزی اور باب دونوں ہمہ تھے۔ حمزہ مرزا گورنر

آذربائیجان نے ارمن سپاہیوں کو جو عیسوی اللذہب تھے حکم دیا کہ گولیاں ماریں۔ یہ لوگ بابیوں کے من گھڑت قصوں اور فسادات سے متاثر تھے۔ گولیاں ہوا میں چلا دیں۔ اتفاق سے ایک گولی محمد علی کے جاگلی۔ اس نے مرتے وقت باب سے کہا کہ کیا اب آپ مجھ سے راضی ہوئے؟ اور جان دے دی۔ باب حاضرین کو خطاب کر کے کہنے لگا کہ تم میری کرامات دیکھتے ہو کہ گولیوں کی بو چھاڑے۔ میرے کوئی گولی نہیں لگی۔ ایک گولی باب کی رسی پر لگی تھی جس سے وہ رسی کٹ گئی جس سے باب بدھاتھا۔ باب کھل کر بھاگا اور ایک سپاہی کی کوٹھڑی میں جا چھپا اور کہنے لگا لوگو! یہ میری کتنی بڑی کرامت ہے کہ ایک گولی بھی نہیں لگی بلکہ میں الٹا رہا ہو گیا۔ اس وقت سینکڑوں عورتیں اور مرد اس میدان میں غل چارہ تھے کہ باب پر گولیوں کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ یہ دیکھ کر سپاہیوں نے حاکم کے ایما سے باب کو پکڑا اور چند گھونے رسید کر کے گولی کا نشانہ بنادیا۔ 104۔

شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ

باب کے حادثہ قتل کے بعد بارہ بابیوں نے ناصر الدین شاہ والہی ایران سے باب کے قتل کا انتقام لینے کی سازش کی۔ جن میں سے نواختر وقت میں علیحدہ ہو گئے۔ باقی تین عازمین قتل تھے۔ ملا فتح اللہ قزوینی، صادق زنجانی اور باقر نجف آبادی۔ بتاریخ 30 ذیحدہ 1268ھ مطابق 15 ستمبر 1852ء شاہ شکار کے لیے سوار ہوا تو یہ تینوں شاہ کی طرف بڑھے۔ شاہ سمجھا کہ شاید مظلوم و ستم رسیدہ لوگ ہیں جو اپنی کوئی درخواست لے کر آئے ہیں۔ اس لیے ان کو نزدیک آنے کی اجازت دی۔ جب قریب پہنچے۔ تو صادق زنجانی نے جیب میں سے پستول نکال کر شاہ پر چلا دیا۔ شاہ زخمی ہوا۔ لیکن بدستور گھوڑے پر سوار رہا۔ یہ دیکھ کر فتح اللہ قزوینی نے اس نیت سے جھپٹ کر شاہ کو گھوڑے سے کھینچا کہ زمین پر گر کر گلا کاٹ دے۔ شاہ زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر شاہ کے ایک ملازم نے بڑھ کر فتح اللہ کے منہ پر زور سے ایک گھونسا سید کیا۔ وہ گھونسا کھا کر گر پڑا۔ اب ملازمین نے میان میں سے تلواریں نکالی اور صادق زنجانی کی گردن مار دی۔ اس اثناء میں شاہی دربار کا ایک منشی بھی پہنچ گیا اور اس نے اپنے آپ کو شاہ کے اوپر گر کر شاہ کے جسم کی ڈھال بن گیا۔ اتنے میں اور پیادے بھی پہنچ گئے اور انہوں نے زندہ حملہ آوروں کو گرفتار کر لیا۔ جب ان سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ تو انہوں نے اقبال جرم کیا اور بتایا کہ ہم نے اپنے قائم علیہ السلام (باب) کے قتل کا انتقام لیا ہے۔ صادق زنجانی، ملا شیخ علی بانی کانوکر تھا جسے بانی ”جناب عظیم“ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ صادق نے طنز اسی سے لیا تھا۔ شاہ کو گولی کا جو زخم لگا تھا وہ مملکت نہیں تھا۔ قاتلی شیرازی نے شاہ کے زندہ سلامت رہنے کی خوشی میں دو قصیدے لکھے جن میں سے ایک کے دو شعر یہ تھے۔

اس واقعہ حائلہ پر طہران کی پولیس نہایت مستعدی سے ان تمام مجرموں کی تلاش میں

سرگرم عمل ہوئی جو اس سازش سے تعلق رکھتے تھے۔ پولیس نے حاجی سلیمان خان بابی بن یحییٰ تبریزی کے مکان پر چھاپہ مار کر ایک درجن بابیوں کو گرفتار کر لیا۔ اسی طرح طہران میں جہاں کہیں بھی مشتبہ بابی مل سکے۔ ان کو زیر حراست کر لیا گیا۔ اس طرح گرفتاروں کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی۔ ان میں سے بعض بابی جو بالکل بے قصور ثابت ہوئے وہ رہا کر دیئے گئے۔ انجام کار اٹھائیس بابیوں پر فرد قرار داد جرم عائد ہوئی اور وہ قتل کئے گئے۔ یہ سب اس سازش میں شریک تھے یا شرکائے سازش کے معاون تھے۔ ”تاریخ التوارخ“ میں سب کے نام گنوائے ہیں۔ قرۃ العین بھی انہی مقتولین میں تھی۔ بعض بابی قتل کا حکم سن کر گاتے اور ناچتے تھے۔

فصل 3۔ باب کے دعاوی کی یہ قلمونی

علی محمد بحیثیت باب 'ذکر' قائم 'مہدی' نقطہ

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرح مرزا علی محمد باب کے بیانات اور دعاوی میں بھی سخت اختلاف واضطراب پایا جاتا ہے۔ پہلے سال اس نے بابیت کا دعویٰ کیا یعنی کہا کہ میں حضرت مہدی علیہ السلام تک پہنچنے کے لیے جن کی آمد کا انتظار ہے صرف دروازہ اور ذریعہ ہوں۔ اس وقت وہ اپنے تئیں اپنے نوشتوں میں "باب" اور "ذکر" اور "ذات حروف سبعہ" (جس کے نام میں سات حروف ہیں) لکھا کرتا تھا۔ دوسرے سال بابیت کا منصب اپنے ایک مرید ملا حسین غرویہ کو بخش کر خود مہدی موعود بن بیٹھا اور جب ملا حسین مارا گیا تو بابیت کا منصب اس کے بھائی ملا حسن غرویہ کو عطا ہوا۔ (نقطۃ الکاف، ص 181) لیکن یہ منصب علی محمد اور اس کے ان دواوات مندوں تک محدود نہ تھا بلکہ کتاب نقطۃ الکاف (صفحات 99، 100، 102، 132) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی کاظم رشتی، شیخ احمد احسانی اور علی خراسانی معروف بجناب عظیم بھی اس منصب پر فائز تھے۔ شاید انہی ایام میں علی محمد نے اپنے لیے قائمیت کا عمدہ بھی تجویز کر لیا لیکن تھوڑے دن کے بعد اپنے ایک خاص مرید ملا محمد علی بار فروشی کو بھی اس منصب میں شریک کر لیا جسے بانی "قدوس" کے لقب سے یاد کرتے ہیں چنانچہ "نقطۃ الکاف" میں لکھا ہے کہ جناب قدوس و جناب ذکر (علی محمد باب) دو قائم مستند دے ہر یک مظهر (سے) از اسماء اللہ می باشند و حسب قابلیت خلق اظہار می فرمایند۔ (صفحہ 207) علی محمد باب نقطہ ہونے کا بھی مدعی تھا۔ حاجی مرزا جانی کا شانی نے کتاب نقطۃ الکاف میں لکھا ہے۔ "حضرت نقطہ در ہر زمان یک نفر می باشد لیکن حاجی جانی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نقطہ در اصل ملا محمد علی بار فروشی تھا۔ اور علی محمد باب محض اس کا طفیلی تھا۔ چنانچہ حاجی جانی لکھتا ہے۔ داماد میں دورہ اصل نقطہ حضرت قدوس (ملا محمد علی بار فروشی) و دو دند و جناب ذکر علی محمد باب (باب ایشان) و بابیت سے دست بردار ہونے کے بعد علی محمد نے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ بانی کہتے تھے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کلیم (علیہ السلام) نے حضرت مسیح علیہ السلام کی اور جناب مسیح علیہ السلام نے حضرت محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کی بشارت دی تھی۔ اسی طرح جناب محمد (ﷺ) نے علی محمد باب کے ظہور کی بشارت دے رکھی تھی۔

من یظہرہ اللہ کی اعجوبہ روزگار موہوم شخصیت

جس طرح پرانے خیال کے بندوڑں نے اپنے لیے بٹن اندر مہادیو وغیرہ موہوم

دیوتے تجویز کر رکھے ہیں اسی طرح باب نے بھی ایک موبہوم شخصیت کو اپنے قالب خیال میں ڈھال کر اس کے ظہور کی پیشین گوئی کر دی تھی اور جس طرح ہمارے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے امام الزمان کے صفات کی تشریح میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے اسی طرح مرزا علی محمد باب نے من یظہرہ اللہ (جس کو اللہ ظاہر کرے گا) نام کی ایک شخصیت تجویز کر کے اس کے من گھڑت مفت کی تشریح میں اپنے مرکب قلم کی خوب جولانیاں دکھائیں۔ باب نے کتاب ”میان“ میں ”من یظہرہ اللہ“ کے یہ خصائص لکھے ہیں۔ یہ ”من یظہرہ اللہ ظاہر ہوتا ہے تو ان لوگوں کے سوا جو اس پر ایمان لے آتے ہیں ہر شخص کا ایمان سلب و منقطع ہو جاتا ہے۔ (میان باب 3؛ واحد 2) میان کی قیامت من یظہرہ اللہ کا ظہور ہے (باب 7) اس کے ظہور کا دن سب کا باعث سب کا حشر اور سب لوگوں کا قبر سے خروج ہے۔ (باب 9) اس کے ظہور کا وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (ز 10) وہ اللہ کی ذات سے قائم ہے اور دوسری تمام کائنات اس سے قائم ہے۔ (ج 13؛ 13) وہ جب اور جو کچھ کرے کبھی مسؤل نہیں ٹھہر سکتا۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حق میں کیوں اور کس طرح کے الفاظ استعمال کرے۔ (ج 1) وہ ظہور نقطہ کی طرح بختہ ظاہر ہوتا ہے۔ (د 9؛ 11) اگر کوئی شخص اس سے ایک آیت سن لے یا تلاوت کرے تو میان کی ہزار مرتبہ تلاوت کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ (85) تمام ظہور اور قائم آل محمد کا ظہور ”من یظہرہ اللہ“ ہی کی خاطر عالم وجود میں آئے۔ (د 12) ”من یظہرہ اللہ“ اسماء و صفات الہی کا مبداء ہے۔ (95) جو شخص اس کا نام سنے اس پر واجب ہوتا ہے کہ ازراہ احترام کھڑا ہو جائے۔ اور جو مجلس بھی منعقد ہو اس کے لیے ایک نفر کی جگہ خالی چھوڑ دی جائے۔ (ط 1) میان کی مندر □ ذیل تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ باب کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر باب کے ظہور تک عالم کائنات کی مدت بارہ ہزار دو سو دس سال گزری اور جس صورت میں کہ باب کے خیال میں دنیا کی عمر کا ہر ہزار سال ظہورات اور کمال کی جانب ان کے نمو کے ایک سال کے برابر ہے۔ ہمارے وہ آدم علیہ السلام کو (معاذ اللہ) نطفہ سے اور اپنے تئیں دوازدہ سالہ جوان سے اور من یظہرہ اللہ کو طفل چارہ سالہ سے تشبیہ دیتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ باب من یظہرہ اللہ کا زمانہ اپنے عہد سے دو ہزار سال پیچھے فرض کرتا ہے۔

دعویٰ اعجاز اور دوسری تعلیلات

علی محمد باب کا مقولہ ہے کہ میں اپنے شہونات علم میں امی ہوں اور اپنے علم کو چار زبانوں میں ظاہر کرتا ہوں۔ اول لسان آیات دوم لسان مناجات سوم لسان خطب چہارم لسان زیارات و انصاف آیات و احادیث آئمہ اطہار کیونکہ ان کی آیات کی زبان میرا ولی ہے۔ جو ظہور اللہ ہے اور اسے ایمان اللہ کہا جاتا ہے اور ان کی مناجات کی زبان عبودیت محبت اور فنا ہے اور وہ رسول اللہ (ﷺ) کی

طرف منسوب ہے۔ اس کا ظہور مرات عقل میں متصور ہے۔ دو خطبوں کی زبان رکن ولایت کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اس کا ظہور مرات نفس میں ہوتا ہے۔ لسان تقاسیر رتبہ بابیت ہے اور یہ جسم کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ لسان اول کو عالم لاہوت سے مد ملتی ہے جو قلم کا مقام ہے۔ اس کا حامل میکائیل ہے۔ جو حیثیت اشیاء کا ذکر نقطہ بیضاء میں فرماتا ہے۔ لسان ثانی کو عالم جبروت سے مد ملتی ہے۔ اس کا سلطان حضرت جبریل ہے کہ عقول کل شی کا رزق جنت صفراء میں دیتا ہے اور مقام لوح ہے لسان سوم کی امداد عالم ملکوت سے ہوتی ہے کہ جسے مقام کرسی کہتے ہیں۔ اس ملک کی سلطنت اسرائیل کے سپرد ہے وہی ارزق حیات کا حامل ہے۔ اس کا تاج ہمایوں زمرہ کا بیٹا ہے۔ لسان چہارم عالم ملک ہے جو عالم کثرت ہے اس ملک کا شریار حضرت عزرائیل ہے۔ عزرائیل یا قوت سرخ کے تخت پر متمکن ہے۔ باب کا دعویٰ ہے کہ میں ان چاروں زبانوں کے ساتھ ظاہر ہوا ہوں تاکہ خلق خدا کو معلوم ہو جائے کہ ان چاروں ملکوں میں میری بادشاہت ہے۔ چاروں جگہ میرا سکھ چلتا ہے تاکہ میں ہر ملک والوں کو ان کا رزق دوں۔ اس کے بعد لکھتا ہے کہ یہ کلمات فصاحت ظاہری و باطنی کے بھی مطابق ہیں۔ فصاحت ظاہری سے مراد عبارتوں کی حلاوت ہے اور فصاحت باطنی کا مطلب توحید کا بیان اور ظہور اسماء و صفات الہی کی معرفت ہے اور میری یہ حالت ہے کہ ان کے مقامات سری میں توجہ کرنے سے پانچ ساعت میں بدوں فکر و سکوت ہزار بیت لکھ دیتا ہوں تاکہ تمام اہل علم اور ارباب قلم کو معلوم ہو جائے کہ غیر اللہ کو اس قسم کی قدرت نہیں دی گئی ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ آیات منجانب اللہ ہیں۔ ان یا خلق اللہ فاتوا امثل هذا ان کنتم صدقین۔ اللہ کے بندو! اگر تم سچے ہو اور تم میں سے کسی شخص کی حالت یہ ہے کہ میری طرح اس کی آیت علم و عمل ہے میری طرح وہ بھی امی ہے اور میری طرح ان چار زبانوں میں متکلم ہوتا ہے۔ اور چھ ساعت میں بدوں فکر و سکون ہزار بیت کہہ لیتا ہے اور اپنے علم کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے وہ میرے جیسا کلام پیش کرے اور اگر اس کے اندر شرائط مذکورہ نہ پائے جائیں تو وہ ایمان نہیں نہ ہوگا۔ اور میری حجت ثابت ہو جائے گی۔ 106۔ لیکن میں باب کے مقابلہ میں قادیان کے ”مسح موعود“ صاحب کا نام نامی پیش کرتا ہوں۔ ان کو بھی دعویٰ اعجاز تھا اگر یہ دونوں اعجازی پہلو ان ایک زمانہ میں ہوتے تو ان کا دنگل نہایت پر لطف رہتا۔

منکرین سے خطاب

باب کا مقولہ ہے۔ میری ندا خاص اور عام کے کانوں میں پہنچی۔ میرے رد و قبول کے بارہ میں لوگ چند گرد ہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اول اہل طلب و انصاف ہیں۔ انہوں نے تنقص کیا اور دیکھا کہ آئیناب کا دعویٰ زمانہ کے مطابق ہے اور جو کچھ کہتا ہے منجانب اللہ کہتا ہوں۔ انہوں نے

مجھے قبول کیا یہ لوگ فیوض عبادات و مناجات اور جواہر معارف سے فائض ہوئے۔ دوسرا فرقہ علم و عمل میں مستور اور حب ریاست میں گرفتار رہا ان لوگوں نے گوش طلب کو نہ کھولا اور نظر انصاف سے نہ دیکھا بلکہ اس کے برعکس رد و اغراض کی زبان کھول دی۔ ان حرمان نصیبوں نے کہا جو کچھ سے کہہ اور کیا جو کچھ کہہ کیا۔ رہے عوام ان بھاروں میں سے بعض تو متحیر رہے اور بعض نے علماء کی تقلید کر کے میر تکذیب کی۔ مقدم الذکر گروہ نے نظر انصاف سے نہ دیکھا کہ وہ جس دلیل سے اپنے تئیں حجتہ الاسلام گمان کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ امام علیہ السلام کی طرف سے والی ہیں وہ سب علم و عمل ہے حالانکہ وہ لوگوں سے کہا کرتے ہیں کہ بامقلد بنو یا مجتہد اور جب کچھ بھی نہ ہو گا تو تم جہنم میں جاؤ گے گو تمہارے اعمال فی الواقع امر حق کے مطابق ہوں۔ یہ لوگ اتنا نہیں سوچتے کہ جب تم نے تقلید کی تو سب سے بڑے عالم کی تقلید کرو۔ کیونکہ غیر اعلم کی تقلید حرام ہے اور مجتہد علم و عرفان سے پہچانا جاتا ہے اور جب مجھے مجتہد اور اعلم العلماء یقین کرتے ہو تو میں حلال و حرام کے متعلق جو حکم کروں اسے حکم الہی یقین کرو اور اس سے انکار و اعراض نہ کرو۔ اور کتا تھا کہ تم لوگ یہود کی تقلید نہ کرو۔ جنہوں نے مسیح علیہ السلام کو صلیب چڑھایا اور نصاریٰ کی پیروی نہ کرو جو غار قلیط موعود (حضرت سرور کون و مکان ﷺ) کے منکر ہوئے اور اہل اسلام کی تقلید بھی نہ کرو۔ جو ہزار سال سے مہدی موعود کے انتظار میں سرپا شوق بنے رہے لیکن جب ظاہر ہوا تو اس کی توبہ کی اور زندان بلا میں ڈال دیا۔ 107۔ لیکن حضرت مخبر صادق ﷺ کی پیشین گوئی کے بموجب جو مہدی علیہ السلام کسی مستقبل زمانہ میں ظاہر ہوں گے ان کا اسم گرامی محمد بن عبد اللہ بتایا گیا ہے۔ ان کا ظہور مکہ معظمہ میں ہو گا۔ اور سید النساء حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد ہوں گے۔ ایسی حالت میں وہی شخص باب مرزائے قادیاں اور اس قماش کے دوسرے ملحدین و ہر کی پیروی اختیار کر سکتا ہے۔ جو حضرت مخبر صادق ﷺ کے ارشادات گرامی کی طرف سے اندھا اور بہر امن کر فاقد الایمان ہونے کا خواہشمند ہو۔

فصل 4۔ باب کی تعلیمات اور بائنی الحاد پسندیاں

باب نے میان نام ایک فارسی کتاب لکھی تھی جسے وہ الہامی اور آسمانی کتاب بتاتا تھا۔ بابیوں کا خیال ہے کہ جس طرح قرآن نے انجیل کو اور انجیل نے تورات کو منسوخ کیا تھا اسی طرح بیان نے قرآن کو منسوخ کر دیا لیکن پروفیسر براؤن نے بابیوں کے اس خیال کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ باب اپنی تحریروں میں مکرر و مکرر اس امر کو واضح کرتا ہے کہ وہ ظہورات مشیت اولیہ کا خاتم حلقہ سلسلہ نبوت کا آخری شخص نہیں ہے اور اس کی کتاب بھی کتب سلوی کی خاتم نہیں۔

پروفیسر براؤن دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ مشورہ یہ ہے کہ باب اپنے مذہب کو ناخ دین اسلام اور میان و ناخ قرآن سمجھتا تھا اور اس کی ایک تحریر سے جو فصل کے اخیر میں قیامت کی بانی تشریح میں آئے گی۔ بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے لیکن باب کے اس قسم کے دعوئے بد امر میں تھے۔ بعد میں اس نے اس خیال سے رجوع کر لیا کہ کم از کم اپنی غلطی پر تنبیہ ہو کر اس کی علی الاعلان اشاعت سے رک گیا۔

باب کے اصول تعلیم

باب کے اصول تعلیم جو اس کی تحریروں اور خاص کر ”میان“ سے ثابت ہوتے ہیں۔ بالا جمال یہ ہیں۔ خدا ہر چیز کا مدرک ہے لیکن خود چیز اور اک سے باہر ہے۔ ذات الہی کے سوا کوئی تنہا اس کی معرفت نہیں رکھتا۔ معرفت الہی سے مراد مظہر الہی کی معرفت ہے۔ لقاء اللہ سے لقاء مظہر اللہ اور پناہ خدا سے پناہ مظہر خدا مراد ہے کیونکہ عرض بذات اقدس ممکن نہیں اور اس کا لقاء متصور نہیں ہے اور کتب سماویہ میں جو لقاء اللہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ وہ ظاہر مظہر الہی کی لقا کا ذکر ہے۔ (ب 7) ملائکہ کے رجوع الی اللہ اور اس کے سامنے پیش کرنے کا مطلب من یظہرہ اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے کیونکہ ذات ازل کی طرف کسی شخص کو کوئی سبیل نہ کبھی تھی اور نہ اب ہے نہ بد میں نہ موعود میں (ب 10) جو کچھ مظاہر میں ظاہر ہوتا ہے وہ ”مشیت“ ہے۔ جو تمام اشیاء کی خالق ہے۔ اشیاء سے اس کی وہی نسبت ہے جو علت کو معلول سے اور بار کو حرارت سے ہے۔ یہ مشیت نقطہ ظہور ہے جو ہر کور میں اس کور کے اقتضاء کے بموجب ظاہر ہوتا ہے۔ (ب 13، ج 7، 8) مثلاً محمد نقطہ فرقان ہیں اور میرزا علی محمد نقطہ میان ہے۔ اور پھر دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ (آ 15، ج 2) آدم جو ”میان“ کے میان کے بموجب (ج 13) باب سے 2210 سال پہلے ہوئے ہیں تمام ظہورات کے ساتھ ایک ہے۔ (ز 2) اگر آفتاب کی طرح دوسرے بے تعدا و آفتاب طلوع ہوں تو بھی شمس ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ تمام آفتاب اسی ایک سورج کے بدولت قائم ہیں۔ (د 12، ز 15) من یظہرہ اللہ کے بعد دیگر ظہورات بھی بے حد و انتہا ہوں گے۔ (د 12، 13) بعد کا ہر ظہور ظہور قبل سے اشرف ہوتا ہے۔ (ج 13، د 12) ہر ظہور مابعد میں مشیت اولیہ ظہور قبل سے زیادہ قوی اور زیادہ کامل ہوتی ہے۔ مثلاً آدم نقطہ کے مقام پر تھے اور نقطہ میان دو اذہ سالہ جوانی کے مقام میں اور من یظہرہ اللہ چہارہ سالہ جوانی کے مقام میں ہے۔ (ج 13) ہر ظہور ممزولہ غرس شجر کے ہے۔ بعد کا ظہور اس درخت کے کمال اور حصول پھل کے وقت ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر وہ حد بلوغ کو نہیں پہنچتا۔ جب درخت درجہ کمال کو پہنچ گیا اور اس کا پھل کھانے کا وقت آیا۔ تو بغیر کسی لمحہ کی تاخیر کے بعد کا ظہور واقع ہو جائے گا۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت انجیل کا درخت لگایا گیا تھا۔ اس وقت اسے کمال نصیب نہ ہوا تھا البتہ اگر رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایک روز پہلے ہو جاتی۔ یعنی

27 رجب کے بجائے 26 رجب ہوتی تو بعثت کا دن وہی (یعنی 26 رجب) قرار پاتا۔ قرآن کا درخت تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لگا لیکن اس کا کمال (معاذ اللہ) 1270 ھ میں (علی محمد باب کے ظہور کے وقت) ہوا۔ (صح الاوالیٰ) بابی لوگ اس بیان کو کہ زمان و مکان کے اختلاف اور درجہ شرف و کمال کے تفاوت کے باوجود ظہورات متعددہ حقیقت میں سب ایک ہی کیوں ہوتے ہیں؟ معلم کی مثال سے سمجھایا کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ شاگردوں کے مختلف طبقے ہوتے ہیں ہر طالب علم سن و سال اور درجہ فہم میں متفاوت ہوتا ہے۔ معلم درس دیتا ہے۔ معلم ایک ہے اور اس کے علم و اطلاع کا اندازہ بھی ایک ہے۔ لیکن سامعین کے درجہ فہم و ادراک کے تفاوت کے لحاظ سے وہ مختلف تعبیرات اور اصطلاحیں استعمال کرتا ہے مثلاً اطفال [۱] و سال کو مخاطب کرتے ہوئے وہ منافع علم کو اس تشریح کے ساتھ چوں کے ذہن نشین کرے گا کہ علم مطلوب ہے کیونکہ وہ شکر کی طرح بیٹھا ہے۔ اس طرز تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ ان چوں کی قوت فہم اس درجہ پر نہیں کہ طالبان علم کی اہمیت کو کسی مادی و محسوس صورت میں سمجھائے بغیر سمجھ سکیں لیکن جب وہی معلم کسی اعلیٰ جماعت کے شاگردوں کو درس دے گا تو ضرورت علم کو اعلیٰ تعبیرات میں ثابت کرے گا۔ تفاوت ظہورات کو بھی کسی پر قیامت کرنا چاہیے۔ مثلاً جناب محمد ﷺ کے مخاطب وحشی اور بدوی لوگ تھے۔ اس لحاظ سے کہ وہ بعث و معاد جنت و نار وغیرہ امور کا صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کے مفہوم مادی صورتوں میں ان کے سامنے پیش کرتے تھے تاکہ وہ آسانی سے سمجھ سکیں لیکن دورہ میان میں مخاطب (فرنگیوں کی طرح) دانا اور متمدن لوگ یعنی ایرانی ہیں اس لیے الفاظ اور اصطلاحات مذکورہ کو دوسرے طرز (یعنی باطنی زیادہ رنگ) میں بیان کیا گیا اور ان الفاظ کے ایسے معنی مراد لئے گئے جو (شیطانی) عقل و فہم سے زیادہ قریب تھے۔ مثلاً قیامت سے مراد ہر زمانہ اور ہر نام میں شجر حقیقت کا ظہور ہے۔ یہ ظہور اپنے زمانہ عروب تک باقی رہتا ہے۔ مثلاً بعثت عیسوی کے دن سے لے کر ان کے یوم عروج تک موسیٰ علیہ السلام کی قیامت تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے یوم بعثت سے آپ کے یوم عروج تک کہ تینیس سال کی مدت تھی عیسیٰ علیہ السلام کی قیامت تھی۔ اور شجر میان کے ظہور سے لے کر اس کے غروب تک محمد رسول اللہ ﷺ کی قیامت ہے۔ (ب' 7 ج' 3)

د 3) شیعہ لوگ جو قیامت کو مادی معنوں پر محمول کرتے ہیں محض توہم ہے جس کی عند اللہ کوئی حقیقت نہیں (ب' 7) قیامت کے دن کوئی مردہ قبروں سے نہیں اٹھے گا۔ بلکہ بعثت یہی ہے کہ اس زمانہ کے پیدا ہونے والے زندہ ہو جاتے ہیں (ب' 11) قیامت کا دن بھی دوسرے دنوں کی مانند ہے۔ آفتاب حسب معمول طلوع و غروب ہوتا ہے جس سر زمین میں قیامت برپا ہوتی ہے۔ بسا اوقات وہاں کے باشندے اس سے مطلع نہیں ہوتے۔ (ج' 9) اسی طرح نقطہ ظہور کی تصدیق اور اس پر ایمان لانے کو جنت کہتے ہیں۔ (ب' 1' ب' 4' ب' 16) عالم حیات میں تو جنت کی یہ حقیقت ہے

لیکن جنت بعد از موت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (ب 18) دوزخ سے مراد نقطہ ظہور پر ایمان نہ لانا اور اس سے انکار کرنا ہے۔ (ب 1' 4) برزخ سے عام لوگ (صحیح العقیدہ مسلمان) تو معدوم نہیں کیا مراء لیتے ہیں لیکن برزخ حقیقت میں وہ مدت ہے جو دو ظہوروں کے مابین حد فاصل ہے۔ (ب 8) علی بذالقیاس موت 'قبر' قبر میں ملائکہ کا سوال میزان 'حساب کتاب' صراط وغیرہ میں سے ہر ایک کے خشکی معنی بیان کئے ہیں۔

بانی تحریف کاریاں

حضور مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ممدی علیہ السلام کے ظہور کی علامتیں بیان فرمائیں تو اس سے حضور کا یہ مقصد تھا کہ جموٹے ممدی اور جموٹے مسیح چوں کی مسند عالی پر قدم نہ رکھ سکیں اور امت مرحومہ ہر مدعی کے دعوؤں کو ارشادات نبویہ کی کسوٹی پر کس کر اس کے صدق یا کذب کا اجماع کر سکے۔ پس یہ پیشین گوئیاں امت کے حق میں امتداد □ کی شفقت و رحمت ہیں لیکن حرمان نصیبی اور ضلالت پسندی کا کمال دیکھو کہ جموٹے مدعیوں کے نادان پیر وہن ارشادات نبویہ کی مشعل ہدایت کو اپنے لیے دلیل راہ نہیں بناتے بلکہ الٹا ان کو اپنی خواہشات نفسانی کے قالب پر ڈھالنا شروع کر دیتے ہیں اور انتہائی ویدہ دلیری کے ساتھ کہنے لگتے ہیں کہ ان روایتوں کا وہ مطلب نہیں جو ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے بلکہ ان کا وہ باطنی مفہوم مراد ہے جو ہم سمجھتے ہیں۔ جس سے یہ علت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ احکام وحی بھی گویا موم کی نام ہے جسے جس وقت نور جس طرح چاہا پھیر الیڈ باب بھی ایک جموٹا ممدی تھا اور اس کی ذات میں ان علامات کا پایا جانا ناممکن تھا جو ممدی علیہ السلام کے ساتھ مختص ہیں اس لیے ضرور تھا کہ داوی خسران کے راہ نور و ارشادات نبویہ کو کھینچ جان کر اپنے مفید طلب ماننے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ مرزا جالبانی بانی کتاب "تھقلہ الکاف" میں کمال بے باکی کے ساتھ لکھتا ہے کہ امام معصوم کی مراد باطنی معنی ہوتے ہیں لیکن اہل ظاہر ظاہری کلمات کو دیکھتے ہیں اس لیے اس کے مصداق کو نہیں پاتے۔ یہ امر لابد ہے کہ ہر کلمہ کے معنی اس کے باطن میں ملاحظہ کئے جائیں اور باطن کو پالینا ہر بے سرد یا کا کام نہیں بلکہ یہ ایک منصب عالی ہے جو فرشتہ یا نبی یا مومن متحن کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن آج مومن متحن کہاں پایا جاتا ہے اور کس کی مجال ہے کہ باطنی معنی جان لینے کا دعویٰ کرے؟ چونکہ ان اکثر احادیث کا جو علامات ظہور ممدی علیہ السلام کے متعلق وارد ہیں باطنی مفہوم مراد ہے اور اہل زمان عموماً ظاہر بین ہیں اس لیے امام کے مقصود کو نہیں پاتے۔ 108۔ "آئمہ تلمیس" کے باب 17 میں باطنی فرقہ کی تحریفات قلم کی نظر سے گزری ہوں گی۔ لیکن عنوان سائن میں آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ تحریف کاری کے فن میں بانی بھی اتنی کے شاگرد رشید ہیں۔ گو اوپر بھی بانی باطنیت پر کافی

روشنی پڑ چکی ہے لیکن ذیل میں اس کے چند اور نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

الفاظ	بالی مفہوم
توحید ذات	ذات مقدس حضرت نقطہ وجود (باب) کی وحدانیت اور فردانیت کا اقرار
توحید صفات	حضرت حق کے جمیع اسماء و صفات کا مظہر حضرت نقطہ (باب) ہے۔ یعنی اس کی مشیت تمام مشیتوں سے بڑھ کر اور اس کا ارادہ عین اللہ کا ارادہ اس کی زبان اللہ کی زبان اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔
توحید افعال	آنجناب (علی محمد باب) کا فعل اللہ کا فعل ہے۔ کسی کے لیے اس بات کی منجائش نہیں کہ اس کے فعل میں چون و چرا کر سکے۔
توحید عبادت	اس سرور (باب) کی محبت و عبودیت۔
زکوٰۃ	یوم قیام میں خدائے مدترکی ملائیت کا اقرار کرنا۔
روزہ	ان امور سے احتراز کرنا جو آنحضرت کی مرضی کے خلاف ہوں۔
حج	خدائے مدترکی مشیت ارادہ قضا و قدر کے ارد گرد پھرنا
بیت اللہ	(1) جسم شریف حضرت نقطہ (باب) کے جسم شریف کا مقام مستقر اور
	(2) حضرت نقطہ (باب) کا دل
زحرم	رسول اللہ (ﷺ)
سفا	شاہ ولایت
مشر	حضرت فاطمہ زہراؑ
منی	حضرت امام حسن مجتبیٰؑ 109۔

علی محمد باب قیامت کا بھی منکر تھا۔ اس کے نزدیک جیسا کہ اس نے ”میان“ فارسی (باب 7 واحد 2) میں لکھا ہے کہ یوم قیامت سے مراد شجرہ حقیقت کا ظہور ہے اور حقیقت اس وقت تک مشاہدہ میں نہیں آسکتی جب تک کوئی شیعہ یوم قیامت کا مفہوم نہ سمجھ لے۔ بلکہ قیامت کے متعلق لوگوں نے جو کچھ سوچا سمجھا رکھا ہے عند اللہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ کے نزدیک یوم قیامت سے یہ مراد ہے کہ شجرہ حقیقت کے ظہور کے وقت سے لے کر ہر زمانہ اور ہر اسم میں اس کے غروب تک قیامت کا دن ہے۔ مثلاً عیسیٰ (علیہ السلام) کے یوم بعثت سے لے کر ان کے یوم عروج تک موسیٰ علیہ السلام کی قیامت تھی کیونکہ شجرہ حقیقت بیگل محمدیہ (علی صاحبہا التحیۃ و السلام) میں ظاہر ہوا تھا اور شجرہ بیان ظہور کے سے لے کر (معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ) کی قیامت ہے۔ جس کا قرآن میں خدائے قدوس نے وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا آغاز 5 جمادی الاول 1260ھ کی رات کو دو ساعت اور گیارہ دقیقہ کے بعد سے ہوا کہ 1270ھ (علی محمد باب کی) بعثت کا سال بنا

ہے۔ یہی قرآن کے یوم قیامت کا آغاز ہے اور شجرہ حقیقت کے غروب سے لے کر قرآن کی قیامت ہے کیونکہ جب تک کوئی چیز کمال تک نہ پہنچ جائے اس کی قیامت نہیں ہو سکتی اور دین اسلام کا کمال اول ظہور تک ختم ہو گیا اور من یظہرہ اللہ کے ظہور پر بیان کی قیامت آجائے گی کیونکہ اس وقت بیان کا کمال ختم ہو جائے گا۔ جس طرح مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ایک لغو پیشین گوئی کر رکھی ہے کہ تین سو سال کی مدت میں ساری دنیا کا مذہب (معاذ اللہ) مرزائی ہو جائے گا۔ اسی طرح باب بھی کہہ گیا ہے کہ معقریب سارے ایران کا مذہب بائی ہو جائے گا۔ لیکن یہ خواب نہ اب تک شرمندہ تعبیر ہوا ہے اور نہ یقیناً آئندہ ہوگا۔ اس لیے اس کو یادہ گوئی سمجھنا چاہیے۔

آیات قرآنی کو باب پر چسپاں کرنے کی کوشش

مرزا غلام احمد کی حق فراموش امت سخت طہانہ دیدہ دلیری کے ساتھ بعض آیات قرآن کی مرزا غلام احمد پر چسپاں کرنے کی کوشش کیا کرتی ہے۔ گو اس عیاری میں مرزائیوں کی حیثیت محض ناقلانہ و مقلدانہ ہے اور اس فن میں ان کے اصل گرد بائی لوگ ہیں لیکن یہ بھی ایک ایسی حرکت ہے جو ان کے ناقص الایمان ہونے مر توثیق ثبت کرتی ہے۔ بابیوں کی اس الحاد پسندی کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ آیتہ ولقد کتبناک الذبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادى الصالحون کا صحیح مفہوم تو یہ ہے کہ بلاشبہ ہم نے تورات اور بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ اس سر زمین کے مالک میرے صالح و شاکستہ بندے ہوں گے۔ یعنی اخیر مانہ میں نبی آخر الزمان پیدا ہوں گے اور ان کی امت اس زمین پر غالب آئے گی۔ لیکن حاجی میرزا جانی بائی اس کی تفسیر میں یوں گوہر افشانی کرتا ہے۔ ہم نے زبور میں لکھا تھا کہ ذکر یعنی علی محمد باب کے ظہور کے بعد میرے نیک بندے زمین کے مالک ہوں گے اور اگر ذکر سے مراد قرآن لیا جائے تو بھی ظاہر ہے کہ قرآن کے بعد کتاب بیان ہے جس کے حامل حضرت ذکر (علی محمد) ہیں۔ رہا سلطنت الہی کا ظہور سو عرض ہے کہ سلطنت الہی نے دلوں کی سر زمین میں تجلی فرمائی ہے اسی کائنات قلب روح میں ایسے ایسے پاکباز لوگ پیدا ہوئے ہیں کہ چشم روزگار نے اس سے چشمہ کبھی نہ دیکھے تھے اور ضرور ہے کہ سلطنت ظاہری بھی ان حضرات کو بہم پہنچے گی۔ گو ہزار سال کی مدت ہی کیوں نہ گذر جائے۔ پس اس آیت کا جزئی مصداق تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور کلی طور پر حضرت قائم (علی محمد باب) ہیں اور حق پوچھو تو حضرت قائم علیہ السلام کا ظہور بھی محمد علیہ السلام ہی کی رجعت ہے۔ عارف باللہ اور عہد منصف کے لیے سارا قرآن حضرت قائم کی عظمت شان کی باطنی تفسیر ہے۔

باب 63

ملا محمد علی بار فروشی

ملا محمد علی بار فروشی جسے ہالی لوگ قدوس کے لقب سے یاد کرتے ہیں علی محمد باب کا سب سے بڑا خلیفہ تھا۔ اس لیے بعض حالات باب سابق میں سپرد قلم ہو چکے ہیں۔ مقام قدوسیت اور رجعت رسول اللہ ﷺ کا مدعی تھا۔ رجعت رسول اللہ سے اس کی یہ مراد تھی کہ آنحضرت ﷺ از سر نو دنیا کے اندر تشریف لا کر (معاذ اللہ) بار فروشی کے پیکر میں ظاہر ہوئے ہیں اور میرا خیال ہے کہ مرزا غلام احمد نے بار فروشی ہی کے چپائے ہوئے لقمے کو اپنے خوان الحاد کی زینت بنالیا تھا۔ چنانچہ قادیانی صاحب نے 5 نومبر 1901ء کے اشتہار میں لکھا کہ ”میں بار ہاتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیتہ و آخرین منهم لما یلحقوا بہم بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں۔ اور خدا نے آج سے تیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ قل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں غلطی طور پر محمد ﷺ ہوں پس اس طور سے خاتم النبیین کی مر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔ 110۔ حاجی میرزا جانی کاشانی ”مکملہ الکاف“ میں لکھتا ہے کہ بار فروشی کے حق میں بہت سی حدیثیں آئمہ دین سے وارد ہیں۔ منجملہ ان کے وہ حدیث ہے کہ جب سیاہ جھنڈے خراسان کی طرف سے آتے دیکھو تو سمجھ لو کہ ان میں اللہ کا خلیفہ مندی ہے۔ ایک وہ حدیث ہے جس میں چار جھنڈوں کا ذکر ہے۔ راہت یمانی، حسینی، خراسانی، طالقانی۔ یہ چاروں جھنڈے حق ہیں اور سفیانی پرچم جو ان چاروں کے بالقابل ہے باطل ہے۔ حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ اس حدیث میں راہت یمانی سے مراد جناب ذکر (علی محمد باب) ہے اور راہت حسینی سے حضرت قدوس (ملا محمد علی بار فروشی) کا پرچم ہے۔ راہت خراسانی سے سید الشہداء علیہ السلام (ما حسین بقرہ) کا جھنڈا مقصود ہے جس نے خراسان

سے حرکت کی تھی اور طالقانی جھنڈا سے جناب طاہرہ (قرۃ العین) مراد ہے کہ جس کا باپ طالقانی تھا اور سفیانی جھنڈا ناصر الدین شاہ والئی ایران کا پرچم ہے۔ بابیوں نے قائمیت کا منصب دو شخصوں کو دے رکھا تھا ایک مرزا علی محمد باب کو دوسرا محمد علی بار فروشی کو لیکن بابیوں کی بعض تحریروں میں ملا بار فروشی کو علی محمد باب سے بھی فائق و برتر بتایا گیا ہے۔ چنانچہ حاجی میرزا جانی کا شانی لکھتا ہے کہ اس دورہ میں اصل نقطہ حضرت قدوس (ملا بار فروشی) تھے اور جناب ذکر (علی محمد) اس کے باب (وسیلہ) تھے لیکن چونکہ رجعت کا دورہ تھا اور ولایت ظہور میں نبوت پر سبقت لے گئی۔ اس لیے جناب ذکر (علی محمد) پہلے ظاہر ہو کر تین سال تک داعی الی الحق رہا۔ اس کے بعد چوتھے برس حضرت قدوس (ملا بار فروشی) ظاہر ہوئے۔ ۱۱۱۔

زریں تاج معروف بہ قرۃ العین

زریں تاج عرف ”قرۃ العین“ ایک عجوبہ روزگار عورت گذری ہے۔ اس کا باپ حاجی ملا صالح قزوین کا ایک مشہور شیعی عالم تھا۔ باپ نے اس کو گھر ہی میں اعلیٰ تعلیم دلائی۔ جب حدیث تفسیر اور فقہ کے علاوہ الہیات و فلسفہ میں کامل دستگاہ حاصل کر چکی تو اس کی شادی اس کے حقیقی چچا مجتہد العصر ملا محمد تقی کے فرزند ملا محمد کے ساتھ ہو گئی۔ جو جملہ علوم میں تبحر رکھنے کے ساتھ ایک جوان صالح تھا۔ جب زریں تاج نے علی محمد باب کے حالات سے تو خفیہ طور پر باب کو خط لکھا۔ باب نے اس کے جواب میں جو چٹھی لکھی اس کو پڑھ کر وہ بے دیکھے اس پر ایمان لے آئی۔ قرۃ العین نے چند روز تک اپنی بابیت کو مخفی رکھا اور پوشیدہ ہی پوشیدہ دونوں میں مراست رہی۔ آخر جب باب نے دیکھا کہ یہ حدث و مناظرہ میں طاق اور اپنی دھن میں یکی ہے تو اسے لکھ بھیجا کہ اب تم ملت بابیہ کی دعوت و تبلیغ شروع کر دو اور اس کے ساتھ ہی باب نے اسے قرۃ العین (آنکھ کی پتلی) کا خطاب مستطاب بھی عطا کیا۔ قرۃ العین بابیت میں ایسی راسخ العقیدہ نکلی کہ اس نے باب کی راہ محبت میں حب مال و عیال اور اسم و رسم کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں۔ حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ قرۃ العین بابی مسلک کے نشر و لبلاغ میں اور براہین و اولہ مذہب کے پیش کرنے میں اس درجہ پر پہنچی ہوئی تھی کہ باب کے بڑے بڑے پیرو بھی جن میں سے بعض تو صفوہ دہر اور سر آمد روزگار تھے۔ اس کے اور اک سے عاجز تھے۔ قرۃ العین نے پہلے گھر ہی میں تبلیغ کی طرح ڈالی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مہال بی بی میں عٹ چھڑ گئی۔ ملا محمد نے لاکھ سردار لیکن بی بی کے خیالات بدلے نہ جاسکے۔ آخر شوہر نے اپنے باپ اور خسر سے شکایت کی انہوں نے بھی قرۃ العین کو بہت سمجھایا۔ مگر وہ کسی طرح قائل نہ ہوئی۔ بلکہ باپ چچا اور شوہر کی مخالفت پر آمادہ ہوئی۔ قرۃ العین نے شوہر سے ملنا جلتا ہوا

چیت ترک کر دی۔ باپ نے بڑی کوشش کی کہ یہ کسی طرح اپنے میاں ملا محمد سے مصالحت کر لے لیکن قرۃ العین نے کسی طرح قبول نہ کیا۔ جب باپ کا اصرار بہت بڑھا تو کہنے لگی کہ میں طاہرہ ہوں۔ (باپ نے اس کو طاہرہ کا خطاب بھی دیا تھا) اور میرا شوہر امر حق کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے خبیث و مردود ہو گیا ہے۔ چونکہ ہمارے درمیان جنسیت نہیں رہی۔ اس لیے یہی باطنی عدم جنسیت طلاق و تفریق کا حکم رکھتی ہے۔ اس کے بعد اپنے باپ سے کہنے لگی کہ عمد رسالت میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ مکہ کی جو عورتیں حضرت رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں اور ان کے شوہر بدستور کافر رہے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے انہیں بے طلاق دوسروں کے عقد ازدواج میں دے دیا۔

پردے کی پابندی

قرۃ العین نے بغیر اس کے کہ شوہر اور خسر کی اجازت یا عدم اجازت کی کچھ پروا کرے اپنے گھر میں ملت بابیہ کی دعوت و تبلیغ کی محفلیں گرم کرنی شروع کر دیں۔ جن میں خلقت کثیر جمع ہو جاتی۔ جب شوہر اور خسر کی طرف سے اس کام میں مزاحمتیں شروع ہوئیں تو کربلا چلی گئی۔ وہاں اس نے ایک مجلس درس قائم کی۔ اس مجلس میں پردے کا بڑا اہتمام تھا۔ مرد پس پردہ اور عورتیں پردہ کے اندر بیٹھ کر استفادہ و عطا کرتی تھیں۔ اور خود بھی پس پردہ بیٹھ کر مصروف درس ہوتی تھیں۔ 112۔ مولوی عبدالحلیم شرر لکھنوی مرحوم نے رسالہ قرۃ العین میں اس کو ایک آزاد خیال عورت بتایا ہے جو ہر سر عام اپنے حسن کی نمائش کرتی تھی۔ چنانچہ شرر مرحوم لکھتے ہیں کہ قرۃ العین مزدک کی ہم آہنگ ہو کے کہتی تھی کہ عورتوں کے لیے جائز نہیں کہ کسی ایک ہی کی پابند کر دی جائیں اور دوسرے لوگ اس کے حسن و جمال کی لذت سے محروم کر دیئے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم اور علم و فضل نے اس میں آزادی پیدا کر دی تھی۔ یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہوتے ہی ترقی کرتا اور تبصر و تحقیق کے ساتھ بڑھتا گیا۔ اپنی تقریروں میں کہتی تھی کہ اس پردے کو پھاڑ کے پھینک دو۔ جو تمہارے اور تمہاری عورتوں کے درمیان حائل ہے اور انہیں خلوت سے جلوت میں لاؤ۔ عورتیں دنیوی زندگی کے باغ کے خوبصورت پھول ہیں اور پھول صرف اس لیے پیدا ہوئے ہیں کہ آغوش شوق میں رکھے اور سونگھے جائیں۔ وہ گلے لگانے اور لطف اٹھانے ہی کے لیے ہوتے ہیں اور کچھ ضرورت نہیں کہ سونگھنے اور لطف اٹھانے والوں کے لیے کیفیت و مقدار کی قیدیں لگائی جائیں۔ پھول کو جس کا جی چاہے لے اور سونگھے کسی کو روکنے کا حق نہیں۔ تبلیغی محفلوں میں وہ بے نقاب برآمد ہو کے سحر بیانیاں کرتی۔ بہت سے لوگ محض اس کے رخ زیبا دیکھنے اور آنکھیں سینکنے کے شوق میں چلے آتے۔ حسن و جمال اور دلفریبی کی یہ حالت تھی کہ جس نے ایک دفعہ صورت دیکھ لی فریفتہ ہو گیا اور اسی کا دم بھرنے لگا۔ بڑے بڑے لوگ رعب حسن سے ایسے مغلوب ہو جاتے کہ اس کے سامنے لب ہلانے کی جرات نہ ہوتی۔ مگر یہ بیان مبالغہ آویز ہے۔ بانی مذہب کی تمام کتابیں اس پر متفق اللفظ ہیں کہ نہ صرف وہ پردہ کی پابند تھی اور اس کے چہرے پر نقاب رہتی بلکہ وہ دوسری عورتوں کو بھی حجاب و تسحر کی تلقین کرتی تھی۔ پروفیسر براؤن لکھتے ہیں کہ میں نے صبح ازل سے پوچھا تھا کہ یہ جو مشہور ہے کہ قرۃ العین نے دائرہ بابیت میں داخل ہونے کے بعد برقعہ اتار دیا تھا۔ اس میں کچھ صداقت ہے یا نہیں؟ صبح ازل نے جواب دیا کہ غلط ہے کہ اس نے بے پردگی اختیار کر لی تھی۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ تقریروں میں فصاحت و خوش میانی کی داد دیتے وقت بعض

اوقات اپنے جذبات سے اس درجہ مغلوب ہو جاتی تھی کہ وہ چشم زدوں کے لیے چہرے سے نقاب الٹ دیتی تھی لیکن پھر معاہدہ ڈھانک لیتی تھی۔ 113- قرۃ العین نے کربلا میں جو درس قائم کر رکھا تھا گو وہ ہادی النظر میں مجلس درس و تدریس تھی لیکن فی الحقیقت وہ اس کی آڑ میں بابیت کی تبلیغ کرتی تھی۔ جب کربلا میں اس کی تبلیغی سرگرمیوں کا شرعہ ہوا اور کربلا کے ترک حاکم نے دیکھا کہ اس کے شرکائے درس بابیت میں داخل ہوتے جا رہے ہیں تو حاکم نے اس کے گرفتار کرنے کا قصد کیا کہنے لگی میں مقام علم کی مدعی ہوں۔ تم اپنے علماء کو جمع کرو تاکہ میں ان سے گفتگو کروں۔ آخر حاکم کربلا نے حکم دیا کہ جب تک اس کے متعلق بغداد سے حکم نہ آجائے کربلا سے باہر نہ جانے پائے لیکن وہ کسی ترکیب سے کربلا چھوڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہاں سے اس نے سید حلیہ وادکار رخ کیا۔

حاجی ملا تقی قزوینی کا قتل

بغداد پہنچ کر اس نے مفتی اعظم سے ملاقات کی اور نہایت قابلیت کے ساتھ باہلی تحریک پر ردِ شنی ذال کرباب کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ اس کے بعد مفتی اعظم سے درخواست کی کہ وہ انہیں تبلیغ بابیت کی اجازت دیں لیکن ظاہر ہے کہ اسلام کا مفتی بھلا اسے کیونکر اجازت دے سکتا تھا کہ وہ کلمے بدو مسلمائوں کے متاع ایمان پر ڈاکے ڈالتی رہے۔ مفتی اعظم سے ناامید ہو کر وہ گورنر سے ملی اور تبلیغ کی اجازت چاہی گورنر نے حکم دیا کہ تم ترکی عملداری سے نکل جاؤ۔ ناچار بغداد کو الوداع کہا لیکن بغداد سے نکلتے ہی اس نے بابیت کے ہنگامے برپا کر دیئے اور بغداد سے کرمان شاہ اور کرمان شاہ سے ہمدان جاتے جاتے اس نے بہت لوگوں کو دائرہ بابیت میں داخل کیا۔ ایک موقع پر اس نے حسب بیان حاجی میرزا کاشانی توحید کے بعض اسرار ایسے منطقی و مبہم الفاظ میں بیان کئے کہ رہنمائے سنیوں سے شیخ صالح عرب شیخ طاہر واعظ، ملا ابراہیم محلاتی اور آقا سید محمد گھیا بکائی ملقب بہ تلح کے سوا کوئی نہ سمجھ سکا۔ جو لوگ اس کے فہم و اور اک سے قاصر رہے انہوں نے زبان ردو وطن دراز کرتے ہوئے علی محمد باب کے نام شکوہ آمیز خطوط روانہ کئے۔ باب نے ان شکوؤں کے جواب میں قرۃ العین کو طاہرہ کے خطاب سے معذور کیا اور اس کے آثار توحید کو منتسب الی اللہ گردانا۔ یہ دیکھ کر تمام منکر باہلی اپنے کئے پر پشیمان ہو کر توبہ و استغفار کرنے لگے۔ قرۃ العین نے ہمدان سے طہران جا کر محمد شاہ والئی ایران کو وعظ و نصیحت کرنے کا قصد کیا۔ جب اس کے باپ حاجی ملا صالح کو اس کا علم ہوا تو وہ بھاگا ہوا آیا اور بیٹھی کو اس خیال سے باز رکھ کر قزوین لے گیا۔ قرۃ العین تھوڑے دن تو امن و سکون سے رہی لیکن اس نے پھر حسب معمول بابیت کی رٹ لگانی شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خسر اور شوہر میں پھر چپقلش شروع ہوئی۔ اب اس نے فتویٰ دیا کہ ملا تقی اور ملا محمد و نوں کافر اور واجب القتل ہیں کیونکہ جو کوئی تبلیغ حق میں مانع ہو اس کا خون حلال ہے۔ یہ فتوے

سن کر بابیوں میں بلا کا جوش پیدا ہوا اور ہر طرف ایک آگ سی لگ گئی۔ یہاں تک کہ ایک دن نماز فجر سے پہلے ہی چند سر بھٹ بھلی فدائی مسجد میں جا کر چھپ رہے اور جیسے ہی قرۃ العین کے خسر ملا محمد تقی محراب مسجد میں نماز پڑھا نہ کو کھڑے ہوئے بھلی کین گاہ سے نکلے اور نزعہ کر کے انہیں قتل کر ڈالا۔ اور صرف جاں ستانی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ناک کان اور تمام اعضاء و ارجاء جدا کر کے صورت کو بالکل مسخ کر دیا۔ اس خوفناک حادثہ پر شہر میں آگ سی لگ گئی۔ قرۃ العین کے خلاف ہر طرف طوفان غضب امنڈ آیا۔ لوگ ہتھیار لئے پھرتے تھے کہ قرۃ العین اور اس کے بھائی بیروؤں کو جہاں پائیں ٹھکانے لگا دیں۔ یہ رنگ دیکھ کر قرۃ العین نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ قزوین سے نکل بھاگے۔ چنانچہ جس قدر بھائی مل سکے انہیں ساتھ لیا۔ اور عام سڑکوں کو چھوڑ کر غیر معروف اور مجہول راستوں سے بھاگ کر اس مقام پر حدود خراسان میں داخل ہوئی جہاں ملا حسین بھروہ نے سلطنت کے خلاف ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔

عبرتناک موت

اس اثناء میں اس نے سنا کہ باب کا زبد دست داعی ملا محمد علی بار فروشی بھی اپنی جمعیت کے ساتھ اسی طرف آرہا ہے۔ جب بار فروشی وہاں پہنچا تو دونوں بڑی گرمجوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے اور باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کارروائی کریں بارہادوںوں میں تحلیل ہو اور زرین تاج کمال آزادی سے بار فروشی سے بے حجاب ملتی رہی۔ چنانچہ بابیوں کے اکثر مخالف واقعہ نگار اس کی اور بار فروشی کی تحلیل کی ملاقاتوں کو ناجائز اور فاسقانہ تعلقات پر محمول کرتے ہیں۔ اب زرین تاج اور ملا بار فروشی نے ایک ہی محل میں سوار ہو کر آگے کا سفر کیا۔ جب بدشت کے صحرائیں پہنچے تو رات کو قزاقوں نے لوٹ لیا۔ اور سب کو لنگوٹیاں بندھوا کے چھوڑ دیا۔ یہاں سے تمام بھلی حال تباہی منتشر ہو گئے۔ جس کا جدھر سینگ سلایا اس طرف کو چلا۔ اسی افرا تفری میں ملا بار فروشی اور زرین تاج کا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔ ملا محمد علی تو بار فروشی چلا گیا اور زرین تاج اوہر اوہر سرگردان پھرنے لگی۔ جب بابیوں کے لئے اور حالت تباہ منتشر و پر آئندہ ہونے کے خبر زندران پہنچی تو لوگ بہت خوش ہوئے۔ اب تو یہ حالت ہو گئی کہ بھلی جدھر کا رخ کرتے اور جس شہر میں جاتے سخت رسوائی کے ساتھ نکال دیئے جاتے۔ حاکم ساری کو تاج زرین کا حال معلوم ہوا تو پیادے بھیج کر ساری میں طلب کرنا چاہا لیکن وہ نور کو چلی گئی کچھ وقت نور میں رہی۔ آخر باشندگان نور نیانے اسے گرفتار کر کے حکام کے حوالے کر دیا۔ حکام نے اسے طہران بھیج دیا۔ یہاں وہ محمود خاں کلاں ترکی کی حراست میں رکھی گئی اور اگست 1852ء تک جبکہ وہ قتل ہوئی ہے اسی مکان پر رہی۔ گو محمود خاں کے مکان پر بظاہر نظر مد تھی لیکن وہ مختلف بابیوں کے ساتھ شہر کے مختلف حصوں میں بارہادیکھی گئی جہاں وہ

طرح طرح کے جیلے حوالے کر کے چلی جاتی تھی۔ دو ڈھائی سال اسی طرح گزر گئے۔ آخر جب ناصر الدین شاہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو یہ بھی ان اٹھائیس ماخوذین میں داخل تھی جو واجب القتل ٹھہرائے گئے تھے۔ تاریخ نگار اس میں باہم مختلف البیان ہیں کہ قرۃ العین کس طرح ہلاک کی گئی؟ بعض کہتے ہیں کہ اس کا گلا گھونٹ کر اس کی نعش جلادی گئی۔ بعض کا بیان ہے کہ باغ البغانی میں لے جا کر تانت سے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے باغ ”لالہ زار“ میں ہلاک کیا گیا۔ بعض بیان کرتے ہیں کہ اسے قصر شاہی کے ایک باغ میں جسے ”نگارستان“ کہتے تھے لے جا کر دھکیل دیا گیا اور کنوئیں کو پتھروں سے پاٹ دیا گیا۔ 114۔ ایک بیان یہ ہے کہ اس کی زلفیں چاروں طرف سے کاٹ ڈالی گئیں اور چندیا کے گرد اگر دسر موٹہ ڈالا گیا۔ پھر سر کے پیچ کے بال ایک ٹچر کی دم میں باندھے گئے اور لوگ اس طریقہ سے کھینچتے ہوئے اسے دارالقضا میں لائے۔ محکمہ قضاء نے حکم نافذ کیا کہ زندہ آگ میں جلادی جائے۔ لیکن قاتلوں نے گلا گھونٹ کے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا اور مرنے کے بعد اس کی لاش آگ میں پھونک دی گئی لیکن میرے نزدیک مؤخر الذکر روایت ناقابل اعتماد ہے۔ شرمر حوم نے یہ لکھنے میں غلطی کی ہے کہ قرۃ العین علی محمد باب کے مارے جانے سے دو سال پیشتر ہلاک کی گئی۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ باب بتاريخ 9 جولائی 1850ء قتل ہوا تھا۔ (ایپی سوڈ آف دی باب ص 45) اور قرۃ العین کو اگست 1852 میں خاک ہلاک پر ڈالا گیا۔ (ایضاً) (ص 313)

حضرت فاطمہؑ کے مظہر ہونے کا دعویٰ

قرۃ العین سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراہ سلام اللہ علیہا کے مظہر ہونے کی دعویٰ ار تھی اسے بابیت میں اتنا شغف اور غلو تھا کہ غیر بابیوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا۔ حاجی میرزا جانی کا شانی لکھتا ہے کہ راہ استدلال میں پہاڑ کی چٹان سے زیادہ مضبوط تھی اور اسی کا اثر تھا کہ لوگ اسے بانی مذہب کا رکن رابع یقین کرتے تھے۔ حسب بیان حاجی میرزا جانی قرۃ العین کو کسی امام معصوم کی ایک حدیث پہنچی تھی کہ جو کوئی ہمارے کامل شیعوں کو دشنام سے یاد کرے گا۔ وہ گویا ہم پر سب دشتم کرے گا۔ اور جو ہمیں دشنام دے گا گویا رسول اللہ (ﷺ) کو گالی دے گا اور ایسا شخص ناموسی کافر اور نجس ہوگا۔ اسی بنا پر وہ بابیوں کے سوا ہر شخص کو کافر اور ناپاک سمجھتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ بازار کی پکی ہوئی چیزیں حرام سمجھ کر نہ کھاتی تھی لیکن اس نے مزعومہ حرام و نجس چیزوں کے پاک کرنے کا ایک ڈھوکہ سدا بھی مارتا تھا چنانچہ کہتی تھی کہ میری آنکھ حضرت سیدۃ النساء (رضی اللہ عنہا) کے چشم مبارک کا حکم رکھتی ہے۔ میں جس نجس اور ناپاک چیز پر ایک نظر ڈال دوں وہ پاک و طاهر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مطہرات یعنی پاک کرنے والی چیزوں میں آل اللہ کی

نظر بھی داخل ہے۔ چنانچہ اپنے بانی معتقدین سے کہا کرتی تھی کہ جو چیز بازار سے خریدو وہ میرے پاس لے آؤ۔ تاکہ میں اس پر نظر ڈالوں اور وہ حلال طیب ہو جائے۔ 115۔

قرۃ العین بحیثیت قادر الکلام شاعرہ

قرۃ العین بحیثیت شاعرہ ایران میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔ پروفیسر براؤن وغیرہ کو باوجود نقص بسیار اس کے دو ہی قصیدے مل سکے۔ باب نے اس کو طاہرہ کا لقب دیا تھا۔ اس نے اسی کو تخلص قرار دے لیا تھا۔ یہ قصائد علی محمد باب کی حمد و ثناء اور اس کے اشتیاق ملاقات میں کہے گئے ہیں۔ ان اشعار میں جو فصاحت و بلاغت و بلند خیالی اور شوکت الفاظ ہے۔ یقین ہے کہ وہ قارئین سے خود خراج تحسین وصول کر لے گی۔

باب 65

شیخ بھیک اور شیخ محمد خراسانی

دو مسیحیان کاذب

بعض نادانف گمان کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد ہی وہ حضرت ہیں جنہوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے علم مسیحیت بلند کر کے غلط خدا کو گمراہ کیا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ ان سے پہلے بھی سرزمین ہند میں مسیحان کذاب گذر چکے ہیں۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سید محمد جو پوری نامی ایک صاحب نے ان کے پیرو میراں جی کہا کرتے تھے۔ 901ھ میں یعنی آج سے قریب ساڑھے چار سو سال پہلے ہندوستان میں مہدویت کا دعویٰ کیا تھا۔ ان کے پیرو مہدی کہلاتے تھے۔ احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہور مہدی علیہ السلام کے کچھ عرصہ بعد حضرت مسیح علیہ السلام نازل ہوں گے۔ جب سید محمد جو پوری کو دعویٰ مہدویت کئے کچھ عرصہ گذر چکا تو ان کے پیرو حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری کے لیے چشم براہ ہوئے لیکن ان کی خلاف توقع مسیح علیہ السلام نے قدم رنج نہ فرمایا کیونکہ ان کی تشریف آوری سچے مہدی علیہ السلام کے ظہور کے ساتھ وابستہ ہے۔ آخر سید جو پوری کے مریدوں میں سے ایک شخص شیخ بھیک نام مسیحیت کا مدعی بن بیٹھا لیکن ظاہر ہے کہ جب تک شیخ بھیک کو سید جو پوری کی بارگاہ سے مسیحیت کی سند صداقت نہ ملتی وہ مہدویت میں سچا مسیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جب شیخ بھیک میراں جی کی خدمت میں حاضر ہوا تو میراں جی نے فرمایا کہ تجھ کو بیسویں کس نے بنایا؟ اس نے کہا اسی نے جس نے آپ کو مہدی بنایا۔ میراں جی نے کہا تو جھوٹا مسیح ہے کیونکہ تیری ماں تو فلانی تھی۔ آنے والے عیسٰی تو مریم کے فرزند ہوں گی اور ڈانٹ کر کہا کہ اگر تو پھر مسیح مدعو ہوئے کا دعویٰ کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ شیخ بھیک پر اس وقت اس وعظ کا کچھ اثر نہ ہوا لیکن چند روز کے بعد خود ہی اس دعویٰ سے رجوع کر لیا۔ میراں جی نے کہا اب بالائے آسمان

سے کس طرح اتر آئے؟ پھر خود ہی کہہ دیا کہ ہاں یہ بھی ایک مقام تھا۔ 115۔ مددویہ میں سید محمد جوہنپوری کی رحلت کے بعد دواخانہ ساز مسیحان مد عود کا پتہ چلتا ہے۔ حسب بیان مولانا محمد زمان خاں شہید مددویہ کی ایک کتاب ”انصاف نامہ“ کے اٹھارویں باب میں لکھا ہے کہ سید محمد جوہنپوری کے ایک خلیفہ خوند میر کامیان ہے کہ ایک دفعہ میاں خوند میر نے فرمایا کہ میں آج رات مسیحیہ تمام بیٹھا تھا اور میرا جی کو چشم خود دیکھتا تھا۔ میں نے پوچھا میرا جی! مہتر عیسیٰ کس وقت آئیں گے؟ فرمایا نزدیک زمانہ میں نے پوچھا۔ آپ کے ساٹھ سال بعد آئیں گے؟ کہا نزدیک پھر پوچھا آپ کے پچاس برس بعد آئیں گے؟ فرمایا نزدیک میں نے دریافت کنا کہ تیس سال بعد آجائیں گے۔ فرمایا نزدیک۔ پوچھا اس سال کے بعد آجائیں گے؟ کہا نزدیک۔ پوچھا آپ سے چالیس برس کے بعد آئیں گے؟ کہا نزدیک۔ اس کے بعد ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ دیکھو مہتر عیسیٰ حاضر ہیں۔ خود ان سے پوچھ لو۔ میاں خوند میر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور بہت سی باتیں دریافت کیں لیکن یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ کب تشریف لائیں گے؟ اس مکاشفہ کے بیس سال بعد جوہنپوری کے ایک مرید شیخ محمد خراسانی نے سندھ میں مسیح مد عود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اسلامی حکومت تھی۔ اس قسم کی فتنہ پردازی ایک منٹ کے لیے برداشت نہیں کی جاسکتی تھی۔ خراسانی زیر حراست کر لیا گیا اور بادشاہ شریعت پناہ کے حکم سے اس کا سر قلم کیا گیا۔ 116۔ اسلامی سلطنت میں فتنہ پرداز سکوں اور خانہ ساز مدویوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اسی انجام کے پیش نظر مسیح قادیان نے نہ کبھی حج کے لیے مکہ معظمہ جانے کی جرات کی اور نہ امیر افغانستان کی دعوت پر سرزمین افغانستان کا رخ کیا۔

ایک اور مسیح دجال

اسی انصاف نامہ میں مذکور ہے کہ جوہنپوری کے مریدوں میں لبرائیم بزلہ نے بھی عیسویت کا دعویٰ کیا تھا اس سے بھی یہی کہا گیا کہ آئیوالے عیسیٰ علیہ السلام تو مریم کے فرزند ہیں اور تیرے ماں اور باپ فلاں ہیں۔ 117۔ معلوم نہیں کہ میاں بزلہ اس کے بعد تائب ہو گیا یا مرزا غلام احمد کی طرح اپنی ہٹ پر قائم رہ کر بدستور اغوائے خلق میں مصروف رہا؟

باب 66

مومن خاں اپچی

مومن خان اپچی جسے حاجی میرزا جانی کاشانی اور دوسرے بابیوں نے مومن ہندی کے نام سے یاد کیا ہے۔ سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ میں سے تھا۔ جو اچ میں کمبلین عرفاء میں سے گذرے ہیں۔ سات سال کی عمر میں چچک یا کسی دوسرے عارضہ سے اندھا ہو گیا تھا۔ اس کا رجحان طبع دین کے جائے دنیا کی طرف زیادہ تھا۔ اس لیے لواکل عمر میں دینی علوم کی بجائے دنیوی علوم کی تحصیل میں منہمک رہا۔ علم طب، نجوم، جفر اور صناعت میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ متعدد زبانیں جانتا تھا۔ بیس سال کی عمر میں حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ جب بمبئی پہنچا تو بد نصیبی سے وہاں کسی بالی سے ملاقات ہو گئی۔ اس بالی نے بتایا کہ ایران میں ایک جلیل القدر ہستی نے مقام بابیت کا دعویٰ کیا ہے۔ بالی نے اپنے مقتدا کے من گھڑت فضائل میں اتنا مبالغہ کیا کہ مومن دہام فریب میں آ گیا اور عن دیکھے اس کا والد و شید ا ہو گیا۔ خولی قسمت نے کہا کہ جس طرح تو آنکھوں کا اندھا ہے اسی طرح دل کا بھی اندھا کر کے چھوڑ دوں گی۔ سو اتفاق سے باب بھی اس سال مکہ معظمہ آیا ہوا تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں اس کو نقد ایمان دے بیٹھا۔ دوسرے لوگ بیت اللہ جا کر کسب سعادت کرتے اور اپنی مغفرت کے سامان میا کرتے ہیں لیکن اس بد نصیب نے وہاں جا کر شقاوت و ضلالت سے اپنے جیب و داماں بھر لئے۔ اس نے بابیت کی پاپی گویا اس کو کم گشتہ جواہر و لالی مل

گئے۔ مراجعت وطن کا خیال ترک کر کے ایران کا قصد کیا اور ہمیشہ کے لیے وہیں کا ہو رہا۔ جن ایام میں بابیوں نے مازندران میں لودھم مچا رکھا تھا۔ مومن ان دنوں وہاں پہنچا۔ ہر چند کوشش کی کہ قلعہ میں داخل ہو کر بابیوں میں شامل ہو جائے مگر کامیاب نہ ہوا۔ انہی دنوں میں ایک شخص مرزا مصطفیٰ کرہ مومن کے حلقہ ارادات میں داخل ہو گیا۔ مومن خاں نے اس کی رفاقت میں گیلان کا سفر کیا۔ اہل گیلان نے ان کی بڑی مخالفت کی۔ گیلان سے انزلی گئے مومن نے وہاں پہنچ کر بڑی سرگرمی سے بابیت کا نغمہ چھیڑ دیا۔ وہاں کے باشندوں کو اس درجہ ناگوار ہوا کہ خورد و نوش کے میا کرنے سے انکار کر دیا۔ جب اس پر بھی اندھا دہاں سے نہ ٹلا تو لوگوں نے آدھی رات کے وقت وہاں سے جبراً نکال دیا۔ یہاں سے قزوین اور قزوین سے طہران گیا۔ وہاں صبح ازل اور ہباء اللہ سے ملاقات ہوئی۔ ہباء اللہ نے یہ دیکھ کر کہ یہ باب کے طریقہ محبت میں صادق ہے بہت کچھ نوازشیں کیں۔ صبح ازل نے اسے برعکس نہند نام زدگی کا فور کے حسب مصداق بصر (بینا) کے نام سے موسوم کیا۔ کچھ دنوں کے بعد مومن ”رجعت حسنی“ کا دعویدار ہوا۔ اور اپنے اس دعویٰ کے متعلق صبح ازل اور ہباء اللہ کو اطلاع دی۔ صبح ازل نے اس دعویٰ کی تصدیق کی اور جواب خط میں ”اھمر الایھر“ (بیناؤں میں سب سے بڑا بینا) کا خطاب دیا۔ صبح ازل نے اندھے کے نام جو عربی خط لکھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے۔ یا حبیب انا قد اصطفیناک بین الناس (اے حبیب! ہم نے تمہیں لوگوں میں سے منتخب و برگزیدہ بنالیا ہے۔) اس دعویٰ کے بعد ارض قاف کا رخ کیا۔ وہاں بھی بہت سی مخلوق اس کی حرارت محبت میں جذب ہو کر گمراہ ہوئی۔

بابیوں کے پروردگار

بابیوں کی ایک نہایت شرمناک کجروی یہ تھی کہ وہ علی محمد باب کو بے تکلف پروردگار عالم اور رب اکبر کے خطاب سے مخاطب کیا کرتے تھے جس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ اسی کو اپنا خالق و رازق یقین کرتے ہیں۔ حاجی میرزا جانی لکھتا ہے۔ ”در زمانہ کہ حکم از حضرت رب الاعلیٰ یعنی جناب ذکر علیہ السلام (علی محمد باب) صادر شدہ بود کہ اصحاب جز اسان بروند“ 118۔ اسی طرح جب کور چشم و کور دل مومن ہندی ارض قاف سے چل کر چریق پہنچا تو اس نے باب کو دیکھتے ہی ہزار ملی (یہی میرا پروردگار ہے) کا نعرہ لگایا اور بے خود ہو گیا۔ اور حسب بیان حاجی میرزا جانی کاشانی گریہ و زاری کرتے ہوئے یہ کہن شروع کیا۔ انا القائم الذی ظہر (میں قائم ہوں جو ظاہر ہو گیا ہوں) مومن چریق سے سہاس آیا اور قائم ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ سینکڑوں ہزاروں خوش اعتقاد جان نثاری پر آمادہ نظر آئے۔ مومن نہایت نفیس لباس پہنتا تھا۔ حسب بیان حاجی میرزا جانی انے ایسی لطافت طبع بہم پہنچائی تھی کہ غذا تک نہ کھا سکتا تھا۔ اس کی تعقیل غذا کا یہ عالم تھا

کہ چالیس دن کے بعد گلاب اور قند تناول کرتا۔ خلاصہ یہ کہ ان حدود میں اس نے خوب پاکھنڈر چلایا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور اس کی کند خدرع میں پھنستے جاتے تھے۔ جب یہ خبر حاکم خوی کو ہوئی تو اس نے اندھے اور اس کے دو مشہور پیروؤں شیخ صالح عرب اور ملا حسین خراسانی کو بھلا بھیجا۔ اندھہ حاکم کے سامنے جا کر اکڑنے لگا۔ اور قاضیت کا دعویٰ کر کے بولا میں چنیں و چنال کر ڈالوں گا۔ حاکم نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ تینوں کو مید لگائے جائیں۔ چنانچہ حکم کی دیر تھی۔ مید پڑنے لگے۔ جب تک حواس قائم رہے تینوں مید کی ہر ضرب پر انی انا اللہ (بل اللہ شبہ میں خدا ہوں) پکارتے رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف باب ہی ان کا خدا نہ تھا بلکہ وہ ہیکار خود بھی (معاذ اللہ) خدا ہی سے پھرتے تھے۔ صالح عرب کی خدائی کا تو وہیں خاتمہ ہو گیا یعنی پٹنے پٹنے ڈھیر ہو گیا۔ باقی دونوں کو اپنے خدائی دعویٰ سے باز آنے کے لیے بار بار کہا گیا مگر وہ ہر دفعہ یہی جواب دیتے تھے کہ ہم منافق نہیں ہیں کہ مارے ڈر کر اپنے خیالات سے رجوع کر لیں ہم نے جام محبت پیا ہے۔ اس شراب کا نشہ کبھی نہیں اتر سکتا۔ آخر اندھے اور اس کے مرید ملا خراسانی کے سر منڈائے گئے (داڑھیاں شاید پہلے ہی چٹ ہوں گی) اور گدھوں پر سوار کر کے خوب تشویر کی گئی۔ غرض ان کی خدائی کی خوب سنی پلید ہوئی لیکن وہ کسی طرح باز نہ آئے۔ اندھے کو تو از ن الروم بھیج دیا گیا۔ دوسرے کا حال معلوم نہیں۔

دوبالی مذہبی پیشواؤں کا دلچسپ جھگڑا

جس طرح دوبادشاہ اپنی اپنی عظمت و اقتدار کے لیے لڑتے ہیں ہر ایک دوسرے سے یہ منوانا چاہتا ہے کہ تم جھوٹے اور ہم بڑے ہیں اسی طرح تقدس کے جھوٹے دعویداروں کی ساری کائنات چونکہ زبانی جمع فوج ہوتی ہے اس لیے وہ بھی باہم دست و گریبان رہتے ہیں اور دوسروں کی نفی کر کے خود بڑا جتنا چاہتے ہیں حالانکہ جس کسی کا دل معرفت الہی کے نور سے جگمگا رہا ہو وہ ہمیشہ خاکساری کا شیوہ اختیار کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو خدا کی تمام مخلوق سے ادنیٰ اور کمتر سمجھتا ہے۔ مومن ہندی اور علی عظیم خراسانی نام ایک باہلی میں بہت دن تک چپقلش جاری رہی۔ حاجی میرزا جانی نے اس اختلاف و نزاع کی تفصیل یہ لکھی ہے کہ علی عظیم کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ باب حضرتین حبیب ثمرہ الازلیہ اور سلطان منصور ہے اس لیے تمام مخلوق کا مطاع ہے۔ مومن ہندی کہتا تھا کہ تمہاری عزت کا سبب دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ تم آنحضرت (علی محمد باب) کی عبودیت اور قرب کے مدعی ہو۔ دوسرے تمہیں یہ دعویٰ ہے کہ تمہارے نفس کے آئینہ عبودیت میں آنجناب (علی محمد باب) کے عکس ربوبیت کے آثار حقہ ظاہر ہوتے ہیں۔ تمہارے دونوں دعویٰ حق ہیں اور تمہارے پاس ظاہری نص (علی محمد باب کا فرمان) بھی موجود ہے اور میں بھی ان دونوں باتوں کا مدعی ہوں اور یہ

میزان بھی حق ہے لیکن میرا گمان یہ ہے کہ چونکہ اس شمس عزت کے جلال کے پہلو میں میری عبودیت و فنا کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اس لیے آنحضرت کے آثار و بوہیت جو فطری آیات میں جاری ہوئے ہیں۔ اعظم آیات ہیں۔ چھ مہینے تک دونوں کا جھگڑا چلا رہا۔ آخر عظیم نے رواداری سے کام لے کر مومن کے دعاوی کو تسلیم کر لیا۔ 119۔

بابیوں کا عقیدہ تناخ

بالی لوگ قیامت کے منکر اور ہنود کی طرح منکر اور ہنود کی طرح تناخ ارواح کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ کتا بھوک رہا تھا۔ اندھا بے دین کہنے لگا کہ یہ کتا فلاں شخصیت کی رجعت ہے وہ شخص اس کے پیکر میں معذب ہو رہا ہے۔ حاجی میرزا جانی کا شانی لکھتا ہے کہ اس کے بعد مومن ہندی نے اس کے مکان کا پتہ نشان بنا کر کہا کہ اس کا مکان یہاں سے مترہ گھر چھوڑ کر واقع ہے۔ متونی کے اتنے پٹے ہیں اور میرے قول کے صدق کی یہ یہ نشانیاں ہیں۔ جب شخص کیا گیا تو سب باتیں بے کام و کاست صحیح ثابت ہوئیں۔ 120۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اندھا اور اس کا مداح جانی میاں جو چاہیں کہیں اور لکھیں کوئی کسی کی زبان اور قلم روک نہیں سکتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ آج تک کوئی شخص اس قسم کے مہمل اور بعید از قیاس و دعویٰ کر کے ان کا کوئی ثبوت کبھی پیش نہیں کر سکا۔ آئے دن لاہور کے ہندو جرائد اس قسم کے من گھڑت افسانے شائع کیا کرتے تھے کہ فلاں مقام پر ایک خورد سال ہندو لڑکی اپنے پچھلے جنم کے واقعات سناتی ہے۔ لیکن ان سے سوال یہ ہے کہ ہمیشہ ہندو لڑکیاں ہی ایسے مہمل قصے کیوں سناتی ہیں۔ مسلمان یا عیسائی یا یہودی لڑکیاں کیوں نہیں سناتیں؟ اور جب ایک بے تمیز خورد سال لڑکی اپنی گزشتہ زندگی کے حالات سن سکتی ہے تو تم باتمیز اور عاقل و بالغ ہو کر اپنی تاریخ کیوں نہیں پیش کر دیتے۔ اگر گاندھی جی یا مالوی جی یا منجی جی یا دوسرے ہنود کو اس قسم کا دعویٰ ہو تو وہی اپنی حیات ساہجہ کے حالات و واقعات شائع کر دیں۔ اصل یہ ہے کہ تولہ بھر کی زبان ہلا کر یاد و تین ماشہ کا قلم چلا کر بے پر کی بانک دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے لیکن دیانت داری اور راست بازی کے ساتھ کبھی کوئی شخص اپنی مز مومہ ساہجہ زندگی کا ہر گز دعویٰ نہ کر سکے گا۔ اندھے نے کتے کا ساہجہ جنم تو بھانپ لیا لیکن اس نے یہ کبھی نہ بتایا کہ خود پہلے کہاں کس پیکر میں اور کس حالت میں تھا؟ جس طرح اندھے نے کسی کتے کو بھونکتے دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ فلاں شخص ہے اور اس کے اتنے پٹے تھے۔ اسی طرح ہر شخص کسی کتے کو دیکھ کر ازراہ کذب و زور کہہ سکتا ہے کہ یہ فلاں متونی شخص ہے فلاں گھر میں جو بیوہ ہے وہ اسی کی منکوحہ تھی۔ فلاں گھر کے لڑکے اور لڑکیاں سب اسی کی اولاد ہیں۔ غرض یہ ایک مضحکہ خیز دعویٰ ہے جسے کوئی ذی عقل و خرد اصلاً قابل التفات نہیں سمجھتا۔

اندھے کی اندھی پیشین گوئیاں

حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ شجرۂ مبارکہ ازلہ کے ظہورات میں سے دوسرا ظہور آقا سید مومن کا تھا اس کی کوشش سے ترکستان میں بائبل مذہب کو بہت کچھ ترقی نصیب ہوئی۔ اس نے کچھ دعوے اور پیشین گوئیاں کیں ان کا ظہور ضرور ہوگا۔ لیکن اگر وہ باتیں اس دورہ میں مقدر نہیں تو پھر کسی دوسرے نیکل و رجعات میں جو امام کا مظہر ہوگا ظاہر ہوں گی۔ کیونکہ مومن نے جو کچھ دعوے کئے لسان حق سے کئے۔ حق ہی اس کے اندر بول رہا تھا۔ پس چونکہ لسان اللہ تھی۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد کے بموجب وہ خدائی وعدے کسی نہ کسی طرح ضرور پورے ہو کے رہیں گے۔ 121۔ لیکن یاد رہے کہ ہندی اندھے کے اسی طرح حق بول رہا تھا۔ جس طرح ہمارے مرزا غلام احمد صاحب کے اندر بولا کرتا تھا اس لیے میرے خیال میں مناسب ہے کہ پیشین گوئیوں کے غلط نکلنے پر حضرت ”مسح موعود“ کو بھی مومن ہندی کے ساتھ شامل کر دینا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ جو کچھ دعوے اور گوئیاں ان دونوں نے کیں ان کا ضرور ظہور ہوگا لیکن اگر وہ باتیں اس دور میں مقدر نہیں تو دس بیس ہزار سال ظاہر ہو جائیں گی۔ بابیوں اور مرزائیوں کو گھبرانا نہیں چاہیے۔

مرزا یحییٰ نوری معروف بہ صبح ازل

مرزا یحییٰ نوری معروف بہ صبح ازل علی محمد باب کا دوصی و جانشین تھا۔ موضع نور علاقہ مازندران میں پیدا ہوا اس کا باپ میرزا عباس جو شاہ ایران کی مجلس وزارت کا ایک رکن تھا۔ میرزا بزرگ نوری کے لقب سے مشہور تھا۔ میرزا بزرگ نوری کے دو بیٹے تھے جن کی مائیں الگ الگ تھیں۔ بڑے کا نام میرزا حسین علی ملقب بہ بہاء اللہ اور چھوٹے کا نام میرزا یحییٰ ملقب بہ صبح ازل تھا۔ ازل کی ماں اس کی طفولیت میں مرگئی۔ گو اس کے باپ نے اپنی دوسری بی بی کو تاکید کر رکھی تھی کہ ازل کو اپنے بچے کی طرح پرورش کرے مگر وہ اس سے سوتیلی ماؤں ہی کا سا سلوک کرتی رہی۔ حاجی میرزا کاشانی باہلی "تقطیع الکاف" میں لکھتا ہے کہ ایک رات اس نے خواب دیکھا کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ اور جناب امیر المومنین علیؑ اس کے گھر تشریف لائے۔ ازل کا منہ چومو اور فرمایا یہ طفل ہمارا چہ ہے۔ اس کی اس وقت تک اچھی حفاظت کرو جب تک وہ ہمارے قائم علیہ السلام (علی محمد باب) کے پاس نہ پہنچ جائے۔ اس روایہ کے بعد وہ اسے اپنی اولاد سے زیادہ چاہنے لگی۔ 122۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ قصہ بالکل من گھڑت اور کسی باہلی کا دماغی اختراع ہے۔ کیونکہ علی محمد باب اور اس کے تمام پیرواں ہر درجہ کے زندیق اور منائے دین کے منہدم کرنے والے تھے۔ اس لیے یہ قطعاً ناممکن تھا کہ حضور خیر الوری ﷺ اور امیر المومنین علیؑ رضی اللہ عنہ کسی رافضیہ کے خواب میں آکر کسی بے دین کی کفالت و خبر گیری کی تاکید فرماتے۔ گو حاجی میرزا جانی نے لکھا ہے کہ صبح ازل ہی من لظہرہ اللہ تھا۔ 123۔ لیکن معلوم نہیں کہ خود ازل بھی کبھی اس منصب کا مدعی ہوا تھا یا نہیں؟ باہلی لوگ مرزا یحییٰ کے صبح ازل سے ملقب ہونے کی یہ مضحکہ خیز اور من گھڑت وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے صبح ازل سے درخشندگی پائی تھی۔

باب کی جانشینی

صبح ازل نے اپنے باہی ہونے کا حال اس طرح لکھا ہے کہ جن دنوں علی محمد نے باب ہونے کا دعویٰ کیا۔ میرا آغاز بلوغ تھا۔ ان ایام میں میرے دل میں یہ خیال موج زن تھا کہ کسی عالم دین کی تقلید کروں۔ میں علماء کے حالات کی تحقیق کیا کرتا تھا۔ ان ایام میں باب کے ظہور کا بڑا غلطہ بلند ہوا۔ میرے بھائی (ہیاء اللہ) کو اس تحریک سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ باب کی تحریریں پڑھوایا کرتا اور میں بھی اکثر ان تحریروں کو سنا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آنحضرت (باب) کی ایک مناجات پڑھی گئی جس میں فآہ آہ یا الہی کے الفاظ بھڑت تھے۔ اس کلمہ روح نے مجھے اپنی طرف جذب کر لیا اور باب کی محبت دل میں راسخ ہو گئی۔ 124۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح ازل کو بھی مناجات کے الفاظ نے گھائل کر دیا اور اس بد نصیب نے اتنی زحمت گوارا نہ کی کہ باب کے دعویٰ کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آئمہ اہل بیت کی تصریحات کی روشنی میں دیکھ لیتا۔ جب علی محمد نے بابیوں کو خراسان جانے کا حکم دیا تو صبح ازل بھی ان کے ساتھ چل دیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف پندرہ برس کی تھی۔ اس کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ خراسان گیا۔ اثنائے راہ میں قرۃ العین سے ملاقات ہوئی۔ جن دنوں ملا محمد علی بار فروشی قلعہ میں تھا اس نے صبح ازل سے مدد چاہی تھی۔ صبح ازل اپنے بھائی اور چند دوسرے آدمیوں کے ساتھ عون و نصرت کی غرض سے عازم قلعہ ہوا لیکن اور نہ میں حاکم آہل نے گرفتار کر لیا۔ جب صبح ازل کو گرفتار کر کے آہل میں لائے تو مشتعل شہریوں نے بازاروں اور کوچوں میں اس کی بیوی فضیحت کی۔ لوگ لعنت کرتے پتھر برساتے اور منہ پر تھوکتے تھے۔ اس کے بعد تھوڑے دن تک قید رکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ صبح ازل طہران سے باب کے نام عرائض بھیجا رہا۔ باب نے اچھا قلم دان کا غنڈات پارچہ جات 'لباس' انگوٹھی اور بعض دوسری چیزیں صبح ازل کے لیے روانہ کیں۔ اور اپنی جانشینی کی وصیت کر کے حکم دیا کہ وہ "بیان" کے آٹھ واحد لکھ کر کتاب کی تکمیل مکروے اور اگر من یطہرہ اللہ عظمت و اقتدار کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو پھر "بیان" کو منسوخ سمجھے۔ حاجی میرزا جانی لکھتا ہے کہ "من یطہرہ اللہ" سے خود صبح ازل

کی ذات مراد تھی۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی شخص اس منصب کا اہل نہیں ہے۔ 125۔ باب کی ہلاکت کے بعد تمام باہلی بلا استثناء صبح ازل کو واجب الاطاعت اور اس کے احکام و اوامر کو مفروض الاقتال یقین کرتے تھے۔ صبح ازل ان ایام سے لے کر مذبح طمران کے واقعہ تک جب کہ ان علمائے بابیہ نے اس واقعہ میں شریعت مرگ نوش کیا۔ گرمی کا موسم شمیران میں جو حوالی طمران میں ایک سرد مقام ہے اور موسم زمستان مازندران میں مزار تاتھا۔ اور اپنے تمام اوقات باہلی پتھ کے نشر و ابلاغ میں صرف کرتا تھا۔

بغداد میں باہلی اجتماع

جب بابیوں نے شاہ ایران پر قاتلانہ حملہ کیا اور بابیوں کے خلاف دارو گیر کا سلسلہ شروع ہوا تو صبح ازل جو اس وقت نور میں تھا۔ فوراً بہ تبدیل ہیئت بغداد کو بھاگ گیا۔ حکومت ایران نے اس کی گرفتاری پر ہزار تومان انعام کا اعلان کیا۔ ایک سرکاری جاسوس سے اس کی ملاقات بھی ہوئی اور جاسوس نے پچھانے بغیر اس سے بہت دیر تک باتیں کیں تاہم صبح ازل درویشی کے لباس میں عصا و کنگول کے ساتھ حدود ایران سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن اس کا بھائی بہاء اللہ طمران میں قید ہو گیا۔ صبح ازل 1288ھ یا 1269ھ میں وارد بغداد ہوا۔ اس کے چار ماہ بعد بہاء اللہ بھی زندان طمران سے مخلصی پا کر صبح ازل کے پاس بغداد پہنچ گیا۔ اب دوسرے بابیوں نے بھی آہستہ آہستہ بغداد کا رخ کیا یہاں تک کہ بغداد میں ان کی جمعیت بہت بڑھ گئی۔ انہوں نے 1279ھ تک یعنی دس سال کی مدت عراق عرب میں ہجر کی اور جیسا کہ خود بہاء اللہ کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے۔ بہاء اللہ اس عرصہ میں صبح ازل کا تابع فرمان اور مطیع و منقاد رہا اور گو اس دوران میں چند بابیوں نے مختلف اوقات میں من بظہرہ اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تاہم جدید التاسیس باہلی مذہب کے پیرو صبح ازل کے جھنڈے تلے متفق الکفر اور متحد المقدور اور ان کے درمیان کسی تفرق و انقسام کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔

خلیفۃ الباب سے بہاء اللہ کی سرکشی

بقول مصنف ”ہشت بہشت“ 126۔ اقامت بغداد کے آخری ایام میں بہاء اللہ کے طرز عمل میں بہت کچھ تغیرات رونما ہوئے یہ حالت دیکھ کر بعض باہلی قدامتہا ملا محمد جعفر زاتی علی قاہر حاجی سید محمد اصفہانی، حاجی سید محمد جواد کر بلائی، حاجی میرزا احمد کاتب، حاجی میرزا محمد رضا وغیرہ سخت مضطرب ہوئے اور بہاء اللہ کو اس طرز عمل پر تنبیہ کی۔ ان لوگوں نے بہاء اللہ کو صبح ازل کا اطاعت شعار رہنے کی اتنی تاکید کی کہ وہ جگہ آ کر بغداد سے باہر چلا گیا اور دو سال تک سلیمانہ کے

اطراف میں پہاڑوں میں رہا۔ اس عرصہ میں بغداد میں بابیوں کو ہرگز معلوم نہ تھا کہ بھاء اللہ کہاں ہے۔ آخر جب پتہ چلا تو صبح ازل نے اس کو بغداد مراجعت کرنے کے لیے چٹھی لکھی۔ بھاء اللہ اتنا دل امر کر کے بغداد واپس گیا۔ انہی ایام میں میرزا اسد اللہ تہریزی بہ دیان نے کہ باب نے اس کو آیات صبح ازل کا کاتب مقرر کیا تھا اور عبرانی اور سریانی زبانوں میں ید طولی رکھتا تھا۔ ”من علیہ السلام اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ بھاء اللہ نے اس کے ساتھ بڑے مناظرے کئے آخر وہ بابیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ بابیوں نے اس کے پاؤں میں ایک وزنی پتھر باندھ کر اس کو شط العرب میں غرق کر دیا۔ اسی طرح میرزا عبد اللہ غوغا، حسین میلانی معروف بہ حسین جان، سید حسین ہندیانی اور میرزا محمد زرنندی معروف بہ فیمل میں سے ہر ایک باہی من علیہ السلام اللہ ہونے کا مدعی ہوا۔ آخر بابیوں کے بازار ہوا وہوس میں اس جنس کی اتنی ارزانی ہوئی اور ہول ”ہشت بہشت“ معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ ہر باہی جو صبح کے وقت بیدار ہوتا تھا تن کو اسی دعویٰ کے لباس کے ساتھ آراستہ کرنے لگتا تھا۔

بغداد اور اورنہ سے اخراج

اب بابیوں نے ایران کے ہر گوشہ سے بغداد کا رخ کیا۔ ان کی جمعیت دن بدن بڑھنے لگی۔ کربلا اور نجف کے شیعہ علماء یہ دیکھ کر کہ باہی لوگ مشاہد مشرق کے قریب آجھ ہوئے ہیں اور ان سے اور عامہ مسلمین سے ان کے جھگڑے قہیے رہتے ہیں۔ بابیوں کے قیام بغداد کی مخالفت کرنے لگے۔ دولت ایران نے بھی اپنے استنبولی سفیر میرزا حسین خاں مشیر الدولہ کو ہدایت کی کہ وہ دولت عثمانیہ سے درخواست کرے کہ بابیوں کو بغداد سے کسی دوسرے علاقے میں منتقل کر دے۔ ”باب عالی“ نے دولت ایران کی خواہش کی تکمیل اور بابیوں کو بغداد سے استنبول چلے آنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ چار مہینہ تک قسطنطنیہ میں رہے لیکن چونکہ ان کا قیام امن عامہ کے حق میں سخت مضرت ثابت ہوا۔ اس لیے تمام باہی رجب 1280ھ میں قسطنطنیہ سے اورنہ (اڈریانوپل) بھیج دیئے گئے۔ یہ لوگ 20 ربیع الثانی 1285ھ تک اورنہ میں رہے۔ اورنہ میں صبح ازل اور بھاء اللہ میں جھگڑے قہیے برپا رہتے تھے اور فریقین میں سے ہر ایک کی یہ کوشش تھی کہ اپنے حریف کو زک دے۔ جب باب عالی نے ان میں بیجان واضطراب کے آثار مشاہدہ کئے اور یقین ہوا کہ فریقین آمادہ پیکار ہیں تو دولت عثمانیہ نے اس قصہ میں پڑنے کے بغیر کہ فریقین میں سے ہر حق کون ہے اور خطا کون؟ 1285ھ میں تمام بابیوں کو اورنہ سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ بھاء اللہ اور اس کے پیروؤں کے لیے عمہ علاقہ شام میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ اور صبح ازل کو اس کے اجتاع سمیت جزیرہ قبرص میں جو اس وقت ترکی کی عملداری میں تھا قیام کرنے فرمان جاری ہوا۔ صبح ازل 5 ستمبر 1868ء کو جزیرہ قبرص پہنچا۔ ترکی حکومت کی طرف سے اسے ساڑھے اڑتیس پانسر و ظیفہ روزانہ ملتا تھا۔ 127۔

صبح ازل کے مزید حالات انشاء اللہ العزیز بہاء اللہ کے واقعات میں درج کئے جائیں گے۔ ”انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا“ میں مرقوم ہے کہ صبح ازل 1908ء تک جزیرہ قبرص میں زندہ سلامت موجود تھا۔

باب 68

بہاء اللہ نوری

مرزا حسین علی معروف بہ بہاء اللہ 1817ء میں موضع نور علاقہ مازندران میں پیدا ہوا۔ اپنے سوتیلے بھائی صبح ازل سے قریباً تیرہ سال بڑا تھا۔ اس کی ابتدا کی 35 سالہ زندگی بالکل پردہ خفا میں ہے۔ بہاء اللہ بھی ان چالیس بابیوں میں تھا جو ناصر الدین شاہ والئی ایران پر قاتلانہ حملہ ہونے کے بعد گرفتار ہوئے تھے۔ جب بابیوں نے شاہ کی جان لینے کی کوشش کی تو بہاء اللہ اس وقت موضع اچہ میں تھا جو طہران سے ایک منزل کے بعد پر ہے۔ جب اس حادثہ کی خبر مشہور ہوئی تو بہاء اللہ نیاوران کی طرف روانہ ہوا لیکن جھٹ گرفتار کر لیا گیا اور پولیس نے لا کر اسے طہران کی مجلس میں ڈال دیا۔ چار مہینہ کے بعد جب ثابت ہوا کہ اسے شاہ کی حملہ آور جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے تو قید خانہ سے مخلص نصیب ہوئی۔ رہائی کے بعد اپنے بھائی صبح ازل کے پاس بغداد چلا گیا۔ چونکہ باب صبح ازل کو اپنا جانشین مقرر کر چکا تھا اس لیے تمام بابی جو ایران سے بھاگ بھاگ کر بغداد میں جمع ہو رہے تھے۔ صبح ازل کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر بہاء اللہ کو بھی حصول رفعت کی طمع دامعیر ہوئی۔ اس کے بعد گو بہاء اللہ بہت دن تک حکم ضرورت صبح ازل کا فرمان بردار اور خدمت گزار رہا لیکن دل میں ہر وقت اپنی علیحدہ دکان آرائی کے منصوبے سوچتا رہتا اور آخر جب علی محمد باب کا ہر ممتاز پیرو منظر ہاں ملنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا تو بہاء اللہ نے بھی اس جام کو اپنی قامت پر راست کرنا چاہا۔ اتفاق سے بہاء اللہ کو اسی بابی جماعت میں ایک ایسا شخص ہاتھ آگیا جو

بہاء اللہ کے ہر قول پر آمنا صدقہ قائم کرنے پر پوری طرح آمادہ تھا۔ اس شخص کو میرزا آقا جان کا شانی کہتے تھے۔ آقا جان بہاء اللہ کو ”من یظہرہ اللہ“ کا دعویٰ کرنے کی ترغیب دینے لگا۔ چنانچہ بہاء اللہ کی طرف سے بھی اس دعویٰ کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ آخر ایک دن بر ملا کہنے لگا کہ میں ہی ”من یظہرہ اللہ“ اور قوموں کا موعود اور نجات دہندہ ہوں۔ رد ساء و قدمائے بابیوں نے بہاء اللہ کو بہتیرا سمجھایا کہ اس دعویٰ سے دستبردار ہو جائے لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ آخر خود صبح ازل نے بہاء اللہ سے کہا کہ باب نے میان میں وضاحت لکھ دیا ہے کہ میرا مذہب اطراف و اکناف ملک میں پھیل جائے گا اور میرے پیروکار صاحب حکومت ہوں گے۔ جب کہیں سال غیاث یا مستغاث میں ”من یظہرہ اللہ“ ظہور کرے گا۔ اور ابھی ان میں سے کوئی بات پوری نہیں ہوئی اس لیے تمہارا دعویٰ جھوٹا ہے۔ مگر بہاء اللہ پر عظمت و اقتدار کا بھوت سوار تھا۔ اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ اس اثناء میں تمام باہلی بغداد سے قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے اور چار مہینہ کے بعد انہیں موخر الذکر مقام سے اور نہ (اڈر نوپل) کو منتقل کر دیا گیا۔

خدا کا اوتار ہونے کا دعویٰ

اور نہ پہنچ کر اس نے اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں خطوط و اشتہارات بھیج بھیج کر اپنا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ وہ من یظہرہ اللہ ہونے کے دعویٰ کے ساتھ اس بات کا بھی مدعی تھا کہ خدا کی روح اس میں حلول کر گئی ہے۔ اس پروپیگنڈا کا یہ اثر ہوا کہ باہلی لوگ دھڑا دھڑا بہاء اللہ کے دائرہ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ اور صبح ازل کی طرح اس کی بھی ایک جماعت بن گئی۔ مثل مشہور ہے کہ ایک میان میں دو تلواریں اور ایک اقلیم میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ صبح ازل اور بہاء اللہ کے پیروؤں میں تصادم شروع ہوا اور دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہو گئیں لیکن ان میں سے بہائی بڑے تیز نکلے۔ انہوں نے اپنے دشمنوں کو نچا دکھانے کے لیے وہی طور طریقے اختیار کئے جو کسی زمانہ میں ان کے پیش رو باطنیوں نے اسلام کے خلاف استعمال کر رکھے تھے۔ ازلی معور خوں کے بیان کے بموجب صبح ازل کے تمام مشہور حامیوں کی فرست تیار کی گئی اور دنیا کو ان کے خاں وجود سے پاک کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بموجب بغداد میں ملاز جب علی قاہر حابی مرزا احمد حابی مرزا احمد رضا اور بہت سے دوسرے ازلی یکے بعد دیگرے بہائی خون آشامی کا شکار ہو گئے اور صرف یہی نہیں بلکہ ”ہشت بہشت“ کے مصنف نے مرزا حسین علی (بہاء اللہ) پر اس سے بھی زیادہ سنگین الزام لگایا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بہاء اللہ نے (کسی جیلہ سے) صبح ازل کو ایک ضیافت پر بلانے کا انتظام کیا۔ بہاء اللہ نے اپنے ازادان مصاحبوں کو سمجھا دیا کہ ہم دونوں ایک ساتھ

کھانا کھانے بیٹھیں گے۔ کھانے کی سینی میں ایک طرف مسوم کھانا رکھا دینا اور صبح ازل کو اس کے سامنے بٹھانا۔ جب سب لوگ کھانے کے لیے بیٹھ گئے تو صبح ازل نے اس مسوم سینی کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس پلاؤ میں پیاز کا بھجڑا ہے اور مجھے پیاز کی بو سے طبعی نفرت ہے۔ بھاء اللہ نے یہ سمجھ کر کہ صبح ازل اس کا منصوبہ تازہ کیا ہے۔ رفع اشباع کے لیے سینی کے اس حصہ میں سے بھی تھوڑا سا کھانا کھا لیا جو صبح ازل کی اگلی طرف تھا۔ کھانا کھاتے ہی اس کو قے آنے لگی اور زہر خوری کے دوسرے آثار ظاہر ہوئے لیکن بھاء اللہ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے النایہ کہنا شروع کیا کہ صبح ازل نے مجھے زہر دیا ہے۔

صبح ازل کے خلاف مزید بہائی سازشیں

ازلی تاریخ نگاروں کے بیان کے بموجب اس کے تھوڑا عرصہ بعد بھاء اللہ نے صبح ازل کی جان لینے کی سازش کی وہ یہ تھی کہ محمد علی حجام کو گانڈھ کر اسے اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ صبح ازل کے حلق کے بال مونڈتے وقت اس کا گلا کاٹ دے۔ حسن اتفاق سے صبح ازل پر یہ راز منکشف ہو گیا اور جب حجام اس کے پاس آیا تو اس نے دور ہی سے کہہ دیا کہ میرے پاس نہ آنا۔ اس کے بعد صبح ازل اپنے تمام پیروؤں کو ساتھ لے کر اور نہ کے کسی دوسرے محلے میں چلا گیا۔ اور بہائیوں سے منقطع ہو کر وہاں خود و باش اختیار کی۔ انہی ایام میں بہائیوں نے اور نہ کے حاکم سے جسے پاشا کہتے تھے اجازت لیے بغیر گھوڑے فروخت کرنے کا حیلہ کر کے قسطنطنیہ کا راستہ لیا۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہاں سے صبح ازل کی تردید کے لیے کتاب لائیں اور ازیلیوں کے خلاف ایک مذہبی اکھاڑہ قائم کریں۔ پاشا کو معلوم ہو گیا کہ وہ کس غرض کے لیے گئے ہیں؟ پاشا نے فوراً اس منزل پر جہاں سے وہ گزرنے والے تھے تاریخ بھیج کر حکم دیا کہ دونوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ وہ گرفتار کر کے اور نہ واپس لائے گئے۔ بہائیوں نے یہ یقین کر کے صبح ازل نے مجبری کی ہے اس کا انتقام لینے کی ٹھان لی۔ صبح ازل کا ایک ایرانی پیرو آقا جان بیگ قسطنطنیہ کے رسالہ میں ملازم تھا اور رسالہ کے افسروں یا سواروں میں سے کسی کو علم نہ تھا کہ وہ باہلی ہے۔ بہائیوں نے پاشا کے پاس مجبری کی کہ قسطنطنیہ کے رسالہ کا فلاں سوار باہلی ہے اور وہ نہایت رازداری کے ساتھ باہلی مذہب کی تبلیغ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں آقا جان بیگ کاشانی کی تلاشی ہوئی۔ اس کے پاس سے چند کتابیں برآمد ہوئیں۔ اصل میں یہ کتابیں اس کو بغداد بھیجنے کے لیے کسی نے دے رکھی تھیں۔ اور بہت دنوں سے اس کو کوئی ایسا شخص نہ مل سکا تھا جس کے ہاتھ کتابیں بغداد بھیج دیتا۔ اس لیے یہ خیال کر کے کہ کہیں حکام کو ان کتابوں کا پتہ نہ چل جائے ان کو تلف کر دینے کی فکر میں تھا۔ کبھی تو یہ سوچتا تھا کہ انہیں گڑھا کھود کر دفن کر

دوں۔ کبھی یہ ارادہ کرتا کہ ساحل بحر پر جا کر سمندر میں پھینک دوں۔ اسی سوچ چار میں تھا کہ اچانک اس کے قیام گاہ کی تلاشی ہونے لگی اور وہ گرفتار کر لیا گیا۔ آقا جان بیگ کو ترک حکام اور قسطنطنیہ کے ایرانی سفیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اقبال کیا کہ اور نہ کی جماعت سے میرا تعلق ہے اور میں باقی المذہب ہوں۔ آقا جان بیگ کو ساڑھے چار مہینے قید کی سزا ہوئی اور نوکری سے برطرف کر دیا گیا۔ آقا جان بیگ کو اس حادثہ کا اتنا صدمہ ہوا کہ اس کی داڑھی اور سر کے بال قید خانہ میں یک بیک سفید ہو گئے۔ جب قید سے رہا ہوا اور بابیوں کی دونوں حریف جماعتیں جزیرہ قبرص اور عجم بھیج گئیں تو آقا جان بیگ کا شافی بھی بہاء اللہ کے ساتھ عجم روانہ کیا گیا۔ لیکن وہاں پہنچتے ہی بہائیوں نے اسے موت کی سزا سنائی۔ 129۔

ایک اور بہائی کی سازش

اب بہاء اللہ نے صبح ازل کے خلاف ایک اور سازش کی۔ مرزا آقا جان مشہور قلم؟ عباس آفندی اور چند دوسرے بہائیوں نے ایک ایک چٹھی ترک عمائد سلطنت کے نام لکھی۔ ان چٹیوں کا مضمون یہ تھا کہ ہم قریباً تیس ہزار باقی شہر قسطنطنیہ اور اس کے مضافات میں بہ تبدیل ہیئت چھپے ہوئے ہیں۔ ہم تھوڑے عرصہ میں خروج کریں گے۔ سب سے پہلے ہم قسطنطنیہ پر عمل دخل کریں گے اگر سلطان عبدالعزیز اور ان کے وزراء نے باقی مذہب قبول نہ کیا۔ تو ہم سلطان اور ان کے اعیان دولت کو علیحدہ کر کے نظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ ہمارا بادشاہ مرزا یحییٰ صبح ازل ہے۔ یہ چٹیاں مختلف دستخطوں سے لکھ کر قصر سلطانی اور تمام بڑے بڑے ارکان دولت کے مکانات پر پہنچائی گئیں۔ ترکی حکومت نے بابیوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی تھی اور ان سے نہایت شفقت آمیز سلوک کیا جا رہا تھا۔ حکام ان چٹیوں کو پڑھ کر طول ہوئے۔ آخر یہ چٹیاں قسطنطنیہ کے ایرانی سفیر کے سامنے پیش کی گئیں اس کے بعد ترک حکام اور ایرانی سفیر کی مشاورت باہمی سے یہ طے پائی کہ تمام سرکردہ بابیوں کو دور دست مقامات پر بھیج کر نظر بند رکھا جائے۔ 129۔ اس اثنا میں ترکی حکام کو یہ بھی بتایا گیا کہ بابیوں کی دونوں جماعتوں میں بڑی طرح سر پھٹل ہو رہا ہے۔ اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر ”باب عالی“ نے فیصلہ کیا کہ مرزا یحییٰ صبح ازل اور مرزا حسین علی بہاء اللہ کو دو مختلف مقامات پر بھیج دیا جائے چنانچہ صبح ازل کے لیے حکم ہوا کہ وہ اپنے اہل و عیال سمیت جزیرہ قبرص کے شرماعوسا میں جو اس وقت دولت عثمانیہ کے زیر حکومت تھا جا کر اقامت گزریں ہو اور بہاء اللہ کے لیے یہ فرمان جاری ہوا کہ اسے اس کے اہل و عیال سمیت عجم (واقع ملک شام) میں بھیجا جائے۔ ”باب عالی“ نے یہ بھی

فیصلہ کیا کہ بہاء اللہ کے چار پیر و مشکین قلم خراسانی علی سیاح محمد باقر اصفہانی اور عبد الغفار تو صبح ازل کے ساتھ قبرص جائیں اور صبح ازل کے چار پیر وحاجی سید محمد اصفہانی، آقا جان بیگ کاشانی، میرزا رضا قلی تفرشی اور اس کا بھائی میرزا نصر اللہ تفرشی بہاء اللہ کے ہمراہ عہد کار رخ کریں۔ اس تدبیر کا مقصد یہ تھا کہ مخالف عناصر و دولت عثمانیہ کے لیے جاسوسی کی خدمات انجام دیں۔ اور جو کوئی صبح ازل یا بہاء اللہ سے مانگوں یا عہد میں ملاقات کرنے آئے یا مخالف لوگ اس کے ورود حرکات اور سکناات کے متعلق ”باب عالی“ کو اطلاع دیتے رہیں لیکن باہیبوں کی دونوں حریف جماعتوں نے ابھی اور نہ سے کوچ بھی نہیں کیا تھا کہ مرزا حسین علی (بہاء اللہ) نے مرزا نصر اللہ تفرشی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ صبح ازل کے باقی تین آدمی بہاء اللہ کے ساتھ عہد گئے اور انہوں نے چھاؤنی کے پاس ایک مکان لیا۔ لیکن وہ بھی بہت جلد بہائیوں کے ہاتھوں سے نذر اجل ہو گئے۔ بہائیوں نے صرف انہی چار ازیوں پر ہاتھ صاف نہ کیا۔ بلکہ وہ تمام قدماء و فضلاء باہیہ جو صبح ازل کی وفاداری اور پیروی میں ثابت قدم رہے اور جن میں سے بعض تو علی محمد باب کے رفیق خاص تھے۔ ایک ایک کر کے عدم کے تہ خانہ میں سلا دیئے گئے۔ آقا سید علی عرب تبریز میں مارا گیا۔ ملا جب علی کو کربلا میں ہلاک کیا گیا۔ آقا محمد علی اصفہانی اور حاجی ابراہیم اور حاجی میرزا احمد کاشانی بغداد میں اور حاجی میرزا محمد رضا حاجی جعفر تاجر حسین علی آقا ابو القاسم کاشانی میرزا ابزرگ کرمان شاہی وغیرہ مختلف مواضع میں بہائیوں کے خنجر میداؤں کی نذر ہو گئے۔ 130 - ازل و قائل نگاروں نے بہائیوں کی بے شمار اور بھی خون آشامیاں بیان کی ہیں جو صاحب ان کی تفصیل دیکھنا چاہیں وہ کتاب ایپی سوڈاؤف دی باب صفات (361، 364) کا مطالعہ کریں۔ لیکن اگر یہ بیانات واقعت پر مبنی ہیں تو حیرت ہے کہ ترکی حکومت نے بہاء اللہ اور اس کے خون آشام پیروؤں کو کیفر کردار تک کیوں نہ پہنچایا؟

صبح موعود ہونے کا دعویٰ

بہاء اللہ نے ”من یرہ اللہ“ ہونے کے ساتھ ہی صبح موعود ہونے کا بھی دعویٰ کر دیا یوں کہو کہ اس کے نزدیک من یرہ اللہ اور صبح موعود مترادف الفاظ تھے۔ بہاء اللہ نے لوح مبارک میں اپنی ایک وحی لکھی ہے۔ قل یا صلا الفرقان قدا تى الموعود الذی وعد تم فی الکتب اتقوا اللہ ولا تتبعو کل مشرک اثیم (کہہ دے کہ اے گروہ فرقان! بے شک وہ موعود آگیا جس کا تم سے کتاب (قرآن) میں وعدہ کیا گیا تھا۔ خدا سے ڈرو اور کسی مشرک گنہگار کی پیروی نہ کرو۔ صفحہ 7)

اس الہام میں بہاء اللہ نے ہر مسلمان کو اپنی مسیحیت کی دعوت دی ہے۔ اس دعوت کا جواب یہ ہے کہ کلام الہی اور احادیث رسول اللہ ﷺ میں مسلمانوں کو دین اسلام کی تائید کے

لیے جس ذات اقدس کے تشریف لانے کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ وہ مسیح نامصری حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو قرآن کے رو سے اب تک زندہ موجود ہیں۔ ان کے سوا ہم ہر مدعی مسیحیت کو دجال کذاب یقین کرتے ہیں۔ بہاء اللہ ہوا غلام احمد ہوا یا اس قماش کا کوئی دوسرا خاندان ساز موعود ہو۔ سب جھوٹے مسیح ہیں۔ سچے مسیح کے متعلق بہاء اللہ کے فرزند و جانشین عبدالبہا صاحب نے لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا تو نشانیاں اور فوق الفطرت معجزات شہادت دیں گے کہ سچا مسیح یہ ہے۔ مسیح نامعلوم شر (آسمان) سے آئے گا۔ وہ فولاد کی تلوار کے ساتھ آئے گا۔ (یعنی وہ منکروں کے خلاف غرور و جہاد کریں گے) اور لوہے کے عصا کے ساتھ حکومت کرے گا۔ (وہ کسی کی رعایانہ ہوں گے بلکہ خود رب و جلال کے ساتھ حکومت کریں گے) وہ انبیاء کی شریعت کو پورا کرے گا۔ وہ مشرق و مغرب کو فتح کرے گا۔ وہ اپنے ساتھ ایک ایسا امن کار لائے گا کہ شیر اور بھری ایک ہی چشمہ سے پانی پیئیں گے۔ اور خدا کی سب مخلوق امن و چین سے رہے گی۔

باب اور بہاء اللہ کو دوسرے ادیان سے نفرت

مگر میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ باہمی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ اتحاد مذہب کا ڈھونگ بہائیوں کی ایک منافقانہ چال ہے۔ عوام کے دل مٹھی میں لینے کی ایک عیاری ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے بانیان مذہب باب اور بہاء اللہ تو اس نفاق و فرقت داری کے سراسر خلاف لکھ گئے ہیں۔ چنانچہ علی محمد باب نے کتاب بیان کے باب 8 واحد 2 میں لکھا۔ ”اگر کسی باشد و داخل میران بیان نشود شرم نمی بخشد تقوائے اولوا (جو شخص کتاب بیان کی پیروی نہیں کرتا اس کا تقویٰ پرہیزگاری اس کو کچھ نفع نہ دے گی) اور کتاب بیان کے باب واحد 4 میں لکھا۔ من یتجنا وزن حد البیان فلا یحکم علیہ حکم الایمان سواء کان عالماً اور سلطاناً اور مملو کا او عبداً (جو شخص میری کتاب بیان کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا اس کے مومن ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ خواہ وہ عالم ہو یا بادشاہ، مملوک ہو یا غلام) بیان کے باب 11 واحد 8 میں لکھا۔ ”اگر در غیر ایمان بیان قبض روح شود اگر عمل ثقلین را نماید نفع باد نمی بخشد“ (جس شخص کی موت ایسی حالت میں واقع ہو کہ وہ باہمی مذہب کا پیرو نہ ہو تو دونوں جہان کے عمل بھی اسے کوئی نفع نہ بخشیں گے اور بہاء اللہ نے کتاب مبین کے (صفحہ 18) میں لکھا۔ ارتفع سماء البیان و ثبت ما نزل فیہ ان الذین انکروا اولئک فی غفلتہ و ضلال کتاب بیان کی عظمت بلند ہوئی اور جو کچھ اس میں اتارا گیا قاطعت ہو گیا اور جو لوگ اس کے منکر ہیں وہ غفلت اور گمراہی میں پڑے ہیں) اور کتاب مبین (کے صفحہ 283) میں لکھا۔ قد خسر الذین کذبوا باياتنا سوف تا کلہم النیران (اور جو لوگ ہماری آیتوں کی

مکذیب کرتے ہیں اور خسارہ میں پڑے ہیں عنقریب وہ جہنم کا پتہ ملے گا (اور یہاں سے) اور یہاں سے اللہ کتاب اقدس میں لکھتا ہے۔ والذی منع انہ من اهل الضلال ولویاتی بكل الاعمال (جس شخص نے مجھے قبول نہیں کیا وہ گمراہ ہے۔ اگرچہ وہ دنیا بھر کے حسنات ہی کیوں نہ جالائے۔

اتحاد مذہب کی اسلامی تعلیم

یہاں یوں کو اس پر بڑا ناز ہے کہ وہ اتحاد مذہب کے داعی و مناد ہیں حالانکہ اسلام اتحاد مذہب کی تعلیم بھاء اللہ سے تیرہ سو برس پہلے ہی دے چکا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمعياً (158:7) (اے نبی! آپ کہہ دیجئے اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔) اور فرمایا۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا (اللہ کے سلسلہ ہدایت کو مضبوط پکڑے رہو اور متفرق نہ ہو۔)

لیکن اتحاد مذہب کی جو صورت بھاء اللہ نے پیش کی کہ توحید و شرک، اسلام و کفر، ہدایت و ضلالت، نور و ظلمت میں امتیاز کئے بغیر مذہب ہی اتحاد ہو جائے یہ بالکل لغو اور بے ہودہ خیال ہے۔ اتحاد تین الملل کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد اس آسمانی نور کو فاعل ہدایت بنائے جو خالق ناس نے نبی آدم کی رہنمائی کے لیے برگزیدہ خلق سید الاولین و الاخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ جب تک ایسا نہ ہو حق و باطل میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں تمام اہل مذہب اپنے اپنے دین پر قائم رہ کر وقت ضرورت کسی سیاسی اور دینی مقصد پر متحد العمل ہو سکتے ہیں۔ میں نے ایک یہائی سے پوچھا تھا کہ ہر شخص اپنے سابقہ عقائد و امیال پر قائم رہ کر یہائی ہو سکتا ہے یا یہائی ہونے کے لیے یہائیوں کے مخصوص عقائد کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے؟ اس نے کہا کہ یہائی عقائد اختیار کرنا لاہد ہے۔ ورنہ کوئی شخص اپنے سابقہ عقائد پر قائم رہ کر یہائی کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اتحاد مذہب کا ڈھونگ محض ایک سنہری جال ہے جو چالاک یہائی شکاری نے سادہ لوح عوام کو پھانسنے کے لیے بچھا رکھا ہے۔

شاہ ایران کے نام بھاء اللہ کا مکتوب

بابیوں کی قیم فتنہ انگیزیوں نے ان کے دامن شہرت پر غداری کے جوہر نمایاں کر دیئے تھے۔ اگرچہ بھاء اللہ استاد زمانہ سے سبق لے کر ان کے دھونے کی کوشش نہ کرتا تو بابیوں کی کشتی ہستی گرداب میں غرق ہو گئی تھی۔ باقی مسلک سے دستبردار ہونے کے بعد بھاء اللہ نے ایک طویل مکتوب شاہ ایران کے نام لکھ کر بابیوں کے لیے مراجعت ایران کی اجازت طلب

کی۔ اس مکتوب میں بابیوں کے موجودہ سیاسی مسلک کی تشریح کی۔ اور اپنے خلوص اور حسن نیت کا یقین دلاتے ہوئے شاہ کے جذبات و رحم و کرم سے اپیل کی۔ یہ خط مرزا بدیع نام ایک بابی کے ہاتھ روانہ کیا۔ موکب شہریاری ان ایام میں طہران سے باہر مستقر تھا۔ اس لیے بدیع مذکور سر پرزدہ شہابی کے بالمقابل ایک پتھر پر جاتیٹھا اور تین شبانہ روز مرور رکاب شہریاری کا منتظر رہا۔ چوتھے دن ایسے وقت میں جبکہ شاہ دور بین میں اطراف و اکناف کی سیر دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر اس بابی پر پڑی ملازمان درگاہ کو تحقیق حال پر مامور کیا۔ جب بابی سے دریافت کیا گیا تو وہ چٹھی..... دکھا کر کہنے لگا کہ اس عریضہ کو حضور ہمایوں میں پیش کرنا ہے۔ ایک افسر جا کر شاہ کی خدمت میں عرض پیرا ہوا کہ وہ ایک بابی ہے جو جسارت عظیم کا مرتکب ہوا ہے کہ فریق مغضوب کا مکتوب بلا خوف و ہراس حضور بار شہابی میں لایا ہے۔ وزیر دربار نے عقومت کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ قید و سلاسل میں جکڑ کر بار حیات سے بکدوش کر دیا گیا۔ شاہ نے حکام کی بخلت پسندی پر تاسف کیا اور کہا کہ بھلا کسی نامہ بر سے بھی کبھی مواخذہ ہوا ہے کہ اسے ناحق قتل کر دیا؟ 131۔ معلوم نہیں کہ شاہ نے بیہاء اللہ کی عرضداشت پڑھی بھی یا نہیں لیکن اتنا معلوم ہے کہ بیہاء اللہ اپنی کوشش میں ناکام رہا اور کسی بابی کو مراجعت ایران نا اجازت نہ دی گئی۔ جو صاحب اس طویل مکتوب کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ کتاب ”مقالہ سیاح“ (صفحات 133، 71) کی طرف رجوع کریں۔

بیہاء اللہ سے پروفیسر براؤن کی ملاقات

مسٹر ایڈورڈ جی براؤن پروفیسر فارسی کیمبرج یونیورسٹی نے کتاب ”تھقلہ الکاف“ کے دیباچہ میں لکھا کہ مجھے بابی مذہب کے حالات معلوم کرنے کا مدت سے اشتیاق تھا۔ آخر صفر 1306ھ میں ایسے اسباب فراہم ہوئے کہ میں نے ایران کا سفر اختیار کیا اور قریباً ایک سال تک ”نہریز“ ”نہجیان“ ”طہران“ ”اصفہان“ ”شیراز“ ”یزد“ ”کرمان“ کی سیاحت میں مصروف رہا۔ اس اثناء میں شیعہ بابی اور زرتشتی فضلاء سے ملاقاتیں کر کے ان کے مذہب کے معلومات حاصل کئے۔ آخر پورے ایک سال کے بعد یعنی صفر 1306ھ میں انگلستان کو مراجعت کی۔ اس کے ایک سال بعد یعنی 1307ھ میں جزیرہ قبرص اور شہر عسکہ کا سفر کیا۔ اور دو رقبہ بھائیوں مرزا یحییٰ نوری معروف صبح ازل کو قبرص میں مرزا حسین علی نوری معروف بہ بیہاء اللہ کو عسکہ میں دیکھا۔ جزیرہ قبرص کے شہر ماغوسا میں پندرہ دن تک اقامت گزریں رہا۔ اس اثناء میں ہر روز صبح اول کی ملاقات کو جاتا رہا۔ میرا معمول تھا کہ ظہر سے غروب آفتاب تک معلومات حاصل کر کے مراجعت کرتا تھا۔ صبح ازل ہر موضوع پر نہایت بے باکی اور آزادی سے گفتگو کرتا تھا لیکن جب میں بابیوں کے شہرہ نامہ اور بیہاء اللہ اور بیہائوں کا تذکرہ پھیلے گا تو اس کی سبک گوئی مہذب مسکون ہو جاتی تھی۔ میں نے اس

حالت سے یہ استنباط کیا کہ اس قسم کے سوالات طبع پر شاق گذرتے ہیں۔ اس لیے حتی المقدور اس موضوع پر گفتگو سے اجتناب کیا۔ ان مجالس میں اکثر اوقات صبح ازل کے فرزند ان عبد العلیٰ رضوان علیٰ عبد الوحید اور تقی الدین بھی موجود ہوتے تھے۔ جزیرہ قبرص چند سال سے انگریزی عملداری میں آیا ہوا تھا۔ میں نے سرہندی بلور حاکم جزیرہ کی اجازت سے دفاتر حکومت پر نظر ڈالی تو اس سے معلوم ہوا کہ صبح ازل اور اس کے پیر و جزیرہ قبرص میں جلاوطن ہوئے ہیں۔ شرمناغوسا میں پندرہ تن تک قیام کرنے کے بعد میں نے عہد کا قصد کیا۔ لیکن پہلے بھائیوں کے پیشکار کی ملاقات کے لیے ہیروت گیا۔ کیونکہ معمول یہ تھا کہ جو کوئی بھاء اللہ سے ملاقات کرنا چاہتا اسے پہلے پورٹ سعید اسکندریہ یا ہیروت کے بھائی عمال میں سے کسی ایک کے پاس جا کر اس خواہش کا اظہار کرنا پڑتا تھا۔ اگر ان کی مرضی ہوتی تھی تو اجازت دے کر ملاقات کے قواعد و آداب سے مطلع کرتے تھے ورنہ انکار کر دیتے تھے۔ میں ہیروت پہنچا لیکن سوء اتفاق سے بھائی ایجنٹ اس وقت ہیروت میں موجود نہ تھا۔ بھاء اللہ کے پاس عہد گیا ہوا تھا۔ میں بہت افسردہ دل ہوا کیونکہ میرے پاس دو ہفتے سے زیادہ وقت باقی نہ تھا۔ اس کے بعد مجھے دار الفنون کیمبرج کو حتماً مراجعت کرنا تھا بہت کچھ دوڑ دھوپ کرنی پڑی اور عامل کو چشمی لکھی جس میں وہ سفارش نامہ بھی ملفوف کر دیا جو ایران کے بانی دوستوں نے عامل ہیروت کے نام دیا تھا۔ اس کے چند روز بعد میں نے جوابی تاریخ بھیج کر ملاقات کی اجازت چاہی۔ اگلے دن تار کا جواب آیا جس میں نام اور پتہ کے بعد صرف یہ دو عربی لفظ لکھے تھے۔ یتوجه المسافر میں تار پاتے ہی فوراً روانہ ہوا اور 22 شعبان 1307ھ کو وارد عہد ہوا۔ جب عہد کے قریب پہنچا تو دور سے نہایت خوشنما منظر دکھائی دیا۔ بڑے بڑے خوبصورت باغ تھے تاریکی اور طرح طرح کے دوسرے میوے عجب بہار دکھا رہے تھے۔ ان باغات نے جو حوالی عہد میں واقع ہیں۔ مجھے حیرت میں ڈال دیا کیونکہ ایک ایسے شہر میں کہ جس کو بھاء اللہ اپنے نوشتوں میں ہمیشہ ”اخر البلاد“ نام سے یاد کیا کرتا تھا۔ مجھے ایسی طرأت اور نصارت کے دیکھنے کی کبھی امید نہ ہو سکتی تھی۔ عہد میں دن کے وقت ایک مسکی تاجر کے ہاں فروکش ہوا لیکن رات ایک محترم بھائی کے ہاں گذاری۔ دوسرے دن بھاء اللہ کا بزرگ فرزند عباس آفندی جو آجکل عبدالمہمہ کے نام سے مشہور ہے آیا اور مجھے وہاں سے منتقل کر کے قصر بچہ میں کہ عہد سے باہر کوئی پندرہ منٹ کی راہ ہے لے جا کر ٹھہرایا۔ اس کے دوسرے دن بھاء اللہ کا ایک چھوٹا بیٹا میرے پاس پہنچا اور خواہش کی کہ میں اس کے ساتھ چلوں میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ بہت سے ایوانوں اور گزرگاہوں سے ہوتے ہوئے کہ جن کو نظر تعق سے دیکھنے کی فرصت نہ تھی ہم ایک وسیع ایوان میں جس کا فرش سنگ مرمر کا تھا اور اس پر نہایت خوشنما چٹائی کاری ہو رہی تھی پہنچے۔ میرا رہنما ایک پردہ کے سامنے تھوڑی دیر تک ٹھہرا رہا تاکہ میں اپنا جوڑہ اتار لوں۔ پردے کو اٹھا کر میں ایک وسیع تالار میں داخل ہوا۔ تالار ان چار

ستونوں کو کہتے ہیں جنہیں زمین میں گاڑ کر ان پر لکڑی کے تختے جڑ دیئے گئے ہوں۔ تالار کے ایک گوشہ میں گاؤنکیہ کے ساتھ ایک نہایت پر شکوہ اور محترم شخص بیٹھا تھا۔ سر پر درویشوں کے تاج کی مانند لیکن اس سے بہت بلند ٹوپی تھی جس کے گرد سفید کپڑے کا ایک چھوٹا سا عمامہ لپٹا ہوا تھا۔ اس شخص کی درخشاں آنکھیں لوگوں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ ابرو کشیدہ پیشانی چین دار بال سیاہ تھے۔ داڑھی بہت سیاہ مکھنی اور اس قدر لمبی تھی کہ قریب قریب کمر تک پہنچ رہی تھی۔ یہی شخص بہاء اللہ تھا۔ میں مراسم تعظیم چلا لیا۔ بہاء اللہ نے مجھے بہت کچھ تواضع کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا۔ بہاء اللہ میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ ”الحمد للہ کہ تم فائز ہوئے۔ تم اس غرض سے یہاں آئے ہو کہ اس سکون منفی سے ملاقات کرو۔ صلاح عالم اور فلاح اہل عالم کے سوا ہماری کوئی غرض و غایت نہیں لیکن حالت یہ ہے کہ ہمارے ساتھ ان مفسدین کا سا سلوک کرتے ہیں جو جس و طرہ کے مستوجب ہوں۔ تمام ادیان و ملل کو ایک مذہب ہو جانا چاہیے۔ ہماری یہ آرزو ہے کہ تمام لوگوں کو بھائی بھائی دیکھیں۔“ فی نوع انسان میں دوستی و اتحاد کا رابطہ مستحکم ہو۔ ان کا مذہبی اختلاف دور ہو۔ قومی نزاع مرتفع ہو۔ بھلا اس میں عیب کی کوئی بات ہے؟ اگر ہماری یہ خواہش بار آور ہو تو یہ پیکار رزم و پیکار اور فضول جھگڑے آج ختم ہو سکتے ہیں۔ کیا تم بھی یورپ میں اس امن و سکون کے محتاج ہو؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی مقصد عظیم کی تلقین نہیں کی؟ بجائے اس کے کہ تمہارے مال و خزانے اصلاح بلاد اور آسائش عباد میں صرف ہوں دنیا بھر کے حکمران ان خزانوں کو نوع بشر کی تخریب میں صرف کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ نزاعیں، یہ مصاف آرائیاں۔ یہ خونریزیاں اور اختلاف ختم ہو جائیں۔ تمام لوگ ایک خانوادہ کی طرح زندگی بسر کریں۔ کسی شخص کو اس بات پر فخر نہ کرنا چاہیے کہ وہ وطن دوست ہے بلکہ حقیقی فخر یہ ہے کہ وہ نوع بشر کو دوست رکھے۔ اس کے بعد میں پانچویں دن میں عہد قیام کر سکا۔ اس اثناء میں اپنے تمام اوقات قصر بچہ میں نہایت خوشی کے عالم میں گزارے۔ میرے ساتھ ہر طرح سے مہربانی کا سلوک کیا گیا۔ اس مدت میں مجھے چار مرتبہ بہاء اللہ کی خدمت میں لے گئے۔ ہر مجلس 20 دقیقہ سے نیم ساعت تک رہتی تھی۔ یہ تمام مجلسیں ظہر سے قبل منعقد ہوتی تھیں اور ان میں بہاء اللہ کا ایک نہ ایک پیمانہ ضرور موجود ہوتا تھا۔

بابیوں اور بہائیوں کے مختلف فرقے

پروفیسر براؤن نے ”مظاہر الکاف“ کے مقدمہ میں بابیوں کے متقدمین اور متاخرین کی تحریروں کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تاریخ میں شاید ہی کوئی مذہب ایسا نظر آئے گا جس کے اندر بانی مذہب کی طرح 69 سال (1260ھ-1329ھ) کی قلیل مدت میں اس قدر تبدیلیاں رونما

ہوئی ہوں۔ باقی لوگ دو فرقوں ازلٰی اور بھائی میں تو پہلے ہی تقسیم ہو چکے تھے۔ دوسرا اختلاف بھاء اللہ کی وفات (2 ذی القعدہ 1309ھ) کے بعد خود بھائیوں میں بھی رونما ہوا۔ بعض بھائیوں نے تو بھاء اللہ کے فرزند عباس آفندی یا عبد البھاء کے ہاتھ پر بیعت کی اور دوسروں نے بھاء اللہ کے دوسرے بیٹے میرزا محمد علی کا دامن پکڑا۔ ان اختلافات کی بدولت باقی آج کل چار گروہوں میں منقسم ہیں۔ اول وہ ہیں جو کل ششی کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو باب اور آنے والے من یطہرہ اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ انہیں اس قصہ سے کوئی سروکار نہیں کہ باب کا وحی کون ہے۔ یہ لوگ بہت قلیل التعداد ہیں۔ دوسرے ازلٰی جو میرزا یحییٰ نوری ملقب بہ صبح ازل کو باب کا وحی اور جانشین مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ من یطہرہ اللہ ہنوز ظاہر نہیں ہوا۔ یہ گروہ بھی قلیل التعداد ہے اور ان کی جمعیت دن بدن روز و ال ہے۔ سوم بھائی جو صبح ازل کے بھائی میرزا حسین علی نوری ملقب بہ بھاء اللہ کو من یطہرہ اللہ گمان کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بھاء اللہ کے بعد کم از کم ہزار سال تک کوئی نیا ظہور نہیں ہوگا۔ چوتھے وہ بھائی جن کا یہ عقیدہ ہے کہ فیض الہی کبھی معطل نہیں رہا اور نہ رہے گا۔ یہ لوگ عبد البھاء کے عباد کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کو مظہر وقت جانتے ہیں۔ بابیوں کی کثرت تعداد آج کل اسی آٹری فرقہ سے تعلق رکھتی ہے اور یہ بات سخت حیرت انگیز ہے کہ صبح ازل اور بھاء اللہ کی تاریخ نے میرزا محمد علی اور اس کے سوتیلے بھائی عباس آفندی کے بارہ میں اعادہ کیا ہے یعنی جس طرح صبح ازل اور بھاء اللہ دونوں بھائی باہم دست و گریبان تھے اسی طرح بھاء اللہ کے دونوں بیٹوں میں جنگ آزمائی ہو رہی ہے۔

بھائیوں کی خانہ جنگی

اس کے بعد پروفیسر براؤن لکھتا ہے۔ ”سچ یہ ہے کہ اس آٹری فرقہ اور حسد اور جنگ و جدال نے جو بھاء اللہ کے بعد بھائیوں میں رونما ہوا مجھے بھائی تحریک کی طرف سے کچھ بدظن کر دیا۔ میں اکثر سوچتا اور اپنے بھائی دوستوں سے پوچھا کرتا ہوں کہ وہ نفوذ اور قوت تصرف اور قاہریت جو ان کے عقیدہ میں کلمتہ اللہ کی اولین علامت اور اس کی لاینفک خصوصیت ہے کیا ہوئی؟ اور اسے کہاں تلاش کرنا چاہیے؟ بھاء اللہ کو حکم خداوندی تو یہ پہنچا تھا کہ عاشق و امع الدیان بالروح و الریحان (تمام مذاہب سے محبت اور رواداری کا سلوک کرو) اور بھاء اللہ کا مقولہ ہے کہ ہم سب ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی شاخ کے برگ و بار ہیں۔ لیکن خود بھاء اللہ کے جانشینوں کا عمل یہ ہے کہ اپنے ہی خانوادے کے اعضاء و جوارح کو کاٹ رہے ہیں اور ان کی باہم تلخی و عداوت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ کوئی شخص اغیار سے بھی ایسی درندگی کا سلوک نہ کرے گا۔ ان کے مقابلہ میں ایران کی اس وقت یہ حالت ہے کہ اہلسنت اور شیعہ بالاسری اور شیخی مسلمان اور

یہودی، عیسائی اور زرتشتی کے اختلافات مٹ رہے ہیں۔ لوگ وطن دوستی کے قدح میں سرشار ہیں۔ ہر طبقہ اور ہر جنس کے ایرانی ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ 132۔ اس سے ثابت ہوا کہ اتحاد مذہب کا بھائی دعویٰ محض زبانی جمع خراج اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ جس کی کوئی اصل نہیں۔ عبدالبہاء کا تحتہ حیات 1921ء میں کنارہ عدم کو جالگا۔ اس نے شوقی آفندی کو اپنا جانشین بنایا۔ میرزا محمد علی غالباب تک زندہ ہے۔ معلوم نہیں کہ مرزا محمد علی اور شوقی آفندی میں بھی جھگڑے قہیے چلے جاتے ہیں یا فریقین نے لڑتے لڑتے تھک کر خاموشی اختیار کر لی؟

مشرکانہ عقائد اور زندہ نواز شریعت

بھائی لوگ بہاء اللہ کو ”من لظہرہ اللہ اور مسیح موعود بلکہ کل ادیان کا موعود مانتے ہیں“ بہاء اللہ کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدائی کا بھی مدعی تھا۔ چنانچہ کتاب ”اقتدار“ (صفحہ 36) میں لکھتا ہے۔ (جب مخلوق کا قدیم مالک ظالموں کے ظلم سے اپنے بڑے قید خانے میں بڑا ہوا تھا تو قلم نے اسی طرح نطق فرمایا) اور اسی کتاب کے (صفحہ 114) میں لکھتا ہے۔ (جب کوئی شخص اس کو (بہاء اللہ) دیکھتا ہے تو اسے اہل طفیان کے ہاتھوں میں انسانی شکل میں پاتا ہے لیکن جب اس کے باطن پر غور کرتا ہے تو اسے آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کا تمکبان پاتا ہے) اور کتاب اقدس (صفحہ 225) میں لکھتا ہے۔ (جو بڑے قید خانے میں بول رہا ہے وہی کائنات کا خالق و موجد ہے وہ دنیا کو زندہ گی حتمی کے لیے بلاؤں اور مصیبتوں کا مجمع بن گیا ہو اسی اسم اعظم ہے۔ جو ازل سے مخفی تھا) اور کتاب مبین کے (صفحہ 286) میں لکھتا ہے۔ (مجھ بہاء اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو منفرد و یگانہ ہوں اور قید کیا گیا ہوں) معلوم ہوتا ہے کہ ان دعویٰ کی وجہ سے اس کے مرید بھی اس کو عموماً خدا ہی کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بھائی شاعر (دیوان نوش ص 93) لکھتا ہے۔

رخ سوئے تو آوردم اے مالک جان الہی

زال رو کہ تو در عالم معبودی و سلطانی

مرزا حیدر علی اصفہانی بھائی نے کتاب ”ہجۃ الصدور“ (صفحہ 82) میں تصریح کی ہے کہ بہاء اللہ (اپنے دعویٰ الوہیت کی وجہ سے) اپنے پیروؤں کا معبود بنا ہوا تھا۔ اور اسی کتاب (صفحہ 258) میں لکھا ہے کہ زائرین اس کی قبر کو سجدہ کرتے ہیں۔ بھائی کہتے ہیں کہ حدیث لؤکان الایمان معلنا بالشربا لئنا لہ رجل من ابفاء فلاس (اگر بالفرض ایمان شریا پر بھی چلا گیا ہو گا تو اہماء فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے بھی لے آئے گا) بہاء اللہ کے حق میں پیشین گوئی ہے۔ بھائی شریعت کے وضو میں صرف ہاتھ اور منہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے سر کے مسح اور پاؤں دھونے کا حکم نہیں۔ البتہ اسکی جگہ 95 مرتبہ اللہ العلی کا وظیفہ پڑھنا بتایا ہے۔ جازوں میں

تیسرے دن اور موسم گرما میں ہر روز ایک مرتبہ پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ اور ہر نماز کے لیے وضو کی ضرورت نہیں بلکہ دن بھر میں ایک مرتبہ کافی ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تھیم کی جگہ پانچ مرتبہ بسم اللہ الاطہر کہ لینا چاہیے۔ بھائی شریعت میں نماز کا قبلہ کعبہ معلیٰ نہیں بلکہ عکہ اور بھاء اللہ کی قبر ہے اور نمازوں میں قرآن وغیرہ نہیں پڑھا جاتا بلکہ بھاء اللہ کی کتابوں کی بعض عبارتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز چھگانہ کی جگہ تین تین رکعت کی تین نمازیں صبح، ظہر، مغرب فرض کی گئی ہیں اور نماز پڑھنے کا طریقہ بھی کچھ اور ہی مقرر کیا ہے۔ ان کے نزدیک نماز باجماعت حرام ہے۔ مریضوں اور بوڑھوں کو نماز بالکل معاف ہے۔ صیام رمضان کی جگہ موسم بیمار میں انیس روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ روزے میں صبح صادق کی جائے کھانے پینے کی ممانعت طلوع آفتاب سے رکھی ہے۔ عید الفطر کی جگہ عید نیروز مقرر کی ہے۔ اس کے علاوہ چار اور عیدیں ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ چالیسواں حصہ مقرر کی ہے لیکن بھاء اللہ نے سو مثقال سونے میں سے انیس مثقال یعنی پانچویں حصہ سے کسی قدر کم مقرر کی ہے۔ بھاء اللہ کے گھر میں دو بیویاں تھیں۔ اسی تعداد کے پیش نظر اس نے دو عورتوں تک سے شادی کرنے کی اجازت دی۔ زیادہ کو حرام کر دیا۔ بھاء اللہ نے کتاب الاقداس میں لکھا۔ قد حرمت علیکم ازواج اباء کم انا نستحبجا ان نذکر حکم الغلمان (تم پر تمہارے باپوں کی بیویاں حرام کی گئی ہیں اور لونڈوں کے احکام بیان کرنے سے ہمیں شرم محسوس ہوتی ہے۔) بھاء اللہ کا صرف باپ کی منکوحہ عورتوں کی حرمت بیان کرنا اور دوسرے محرمات کو چھوڑ دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے نزدیک بیٹی، بہن، خالہ و پھوپھی وغیرہ محرمات سے عقد کرنا جائز تھا اور حسب بیان میرزا امجدی حکیم (کتاب مفتاح الابواب) یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں بھاء اللہ کے دونوں بیٹوں عبدالبہاء اور میرزا محمد علی میں اختلاف رہا۔ میرزا محمد علی کے نزدیک بھاء اللہ کا یہی مشاقتا کہ باپ کی بیویوں کے سوا تمام عورتوں سے نکاح جائز ہے اور عبدالبہاء نے بھاء اللہ کے حکم میں ترمیم کر کے سخت غلطی کا ارتکاب کیا۔ کتاب بدائع الآثار (جلد اول ص 54) میں جو عبدالبہاء کا سفر نامہ ہے لکھا ہے کہ عبدالبہاء نے ایک تقریر میں کہہ کر بھائیوں کے لیے ہر مذہب و ملت کے مرد کو لڑکی دینا اور ہر مذہب کی عورت سے شادی کرنا جائز ہے۔ بھاء اللہ نے شہروں میں انیس مثقال سونا اور دیہات میں انیس مثقال چاندی مقرر کیا اور اس مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار شہریوں کے لیے 95 مثقال سونا اور دیہاتیوں کے لیے 95 مثقال چاندی مقرر کی۔ مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ بھاء اللہ نے مفقود الخیر شوہر کی بیوی کو نو مہینہ کے بعد شادی کر لینے کی اجازت دی۔ اس کے نزدیک مرد بیوی کو تین طلاقیں دے کر بھی بلا تکلف رجوع کر سکتا ہے۔ داڑھی اور لباس کے متعلق پوری آزادی دی۔ سر منڈانے کی ممانعت کی۔ سود لینا اور دینا دونوں جائز کر دیئے۔ گانے جانے کی بھی عام اجازت دی۔

بہاء اللہ کی طویل مدت دعویٰ

مرزائی لوگ عام طور پر مطالبہ کیا کرتے ہیں کہ کسی ایسے مجموعے مدعی کا نام بتاؤ جس نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور وہ مرزا غلام احمد کی طرح تیس سال کی طویل مدت تک اپنے دعویٰ پر قائم رہنے کے باوجود ہلاک نہ ہوا ہو۔ ہر چند کہ مرزائیوں کا یہ معیار صدق و کذب کتاب و سنت سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا تاہم مرزائیوں کی ضد پوری کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے کہ بہاء اللہ 23 سال سے زیادہ عرصہ تک اپنے دعویٰ پر قائم رہا اور ایک طویل عمر پا کر مرزا غلام احمد کی طرح طبعی موت مرا۔ اس میں اختلاف ہے کہ بہاء اللہ نے کس سال مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ حسب تحقیق یہاں اس نے 1863ء میں اس وقت دعویٰ کیا جبکہ وہ بنو یغلاو میں تھا۔ (دور بہائی صفحہ 14) لیکن پروفیسر براؤن کی تحقیق کے بموجب اس نے 1864ء میں اور نہ (اڈرینوبل) پہنچ کر دعویٰ کیا۔ (ایپی سوڈ آف دی باب ص 359) تاہم اگر 1864ء ہی کو دعویٰ کا صحیح سال قرار دیا جائے تو بھی 1892ء تک جبکہ اس کی کشتی عمر غرقاب فنا میں چلی گئی۔ اس کی مدت دعویٰ مرزا غلام احمد کے دعویٰ سے پانچ سال زیادہ یعنی اٹھائیس سال بنتی ہے۔ اور پھر بہاء اللہ کی مزید فوقیت و برتری یہ تھی کہ مرزا غلام احمد تو 23 سال تک انواع و اقسام کی جاں غسل ہمداریوں میں مبتلا رہ کر ہمیشہ ابتلاؤں کا آماجگاہ بنا رہا لیکن بہاء اللہ نے نہ صرف عہد میں اپنی 24 سالہ نظر بندی کی مدت نہایت عیش و عشرت اور شاہانہ ٹھاٹھ میں گزاری بلکہ ایران کو الوداع کہنے کے بعد وہ ہمیشہ عافیت اور آسوگی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اصل یہ ہے کہ خدائے روف و دانا مجموعے مدعیوں اور انبیاء کی تعلیمات سے روگردانی کرنے والے، دوسرے ضلالت پسندوں کو عموماً مہلت دیتا ہے تاکہ آج باز آجائیں۔ کل توبہ کر لیں اور اگر وہ جلد تائب نہیں ہوتے تو خدائے بے نیاز ان کی رسن انانیت کو اور زیادہ دراز کر دیتا ہے۔ ان کی خود سری کی پاداش میں توفیق الہی ان سے سلب کر لی جاتی ہے۔ انجام کار جب وہ اپنے شیطانی نیات کا سار اکار و بار پایہ تکمیل تک پہنچا لیتے ہیں۔ تو خدائے شدید العتاب اس شجر خبیث کو یکبارگی باغ عالم سے مستاصل کر دیتا ہے۔ امام فخر الدین رازی آیتہ (میں ان کو مہلت دیتا ہوں۔ میری یہ تدبیر نہایت نمدوست ہے) کی شرح میں لکھتے ہیں۔ (میں ان کو مہلت دیتا ہوں اور ان کی مدت عمر کو دراز کر دیتا ہوں۔ ان کی سزا میں جلدی نہیں کرتا تاکہ وہ سرکشی اور شوریدہ سری میں اپنے دل کے حوصلے نکال لیں۔)

باب 69

محمد احمد مہدی سوڈانی

محمد احمد 1848ء میں دریائے نیل کے تیسرے آبلے کے قریب موضع جنگ میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ بتایا جاتا ہے۔ عبداللہ کشتی سازی کا کام کرتا تھا۔ محمد احمد ابھی چوبیس تھا کہ والدین جزیرہ البکو جو خرطوم سے شمال کی جانب نیل ابیض پر واقع ہے نقل مکان کر گئے۔ محمد احمد نے بارہ برس کی عمر میں کلام الہی حفظ کر لیا اس کے بعد جزیرہ شنبہ میں اپنے چچا شریف الدین کے پاس کشتی سازی کا کام سیکھنے کے لیے بھیجا گیا۔ ایک دن چچانے اسے کسی بات پر چڑھا تو بھاگ کر شہر خرطوم چلا آیا جو سوڈان کا صدر مقام ہے اور عرصہ تک مدرسہ خوعلی میں علوم دین کی تحصیل کرتا رہا۔ یہاں سے برسر گیا اور ایک مدرسہ میں داخل ہو کر علوم دین کی تکمیل کی۔ یہاں سے ارداب پہنچ کر شیخ نور الدائم کا مرید ہوا۔ جو ایک مشہور پیر طریقت تھے۔ وہاں کچھ عرصہ تک علوم

حالی کی تحصیل میں معروف رہا۔ اس کے بعد پھر خرطوم آیا اور شیخ محمد شریف نام ایک پیر کے حلقہ میں داخل ہو کر طریقہ سامانیہ کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ ان دنوں ایک عجیب اتفاق پیش آیا۔ شیخ مذکور کے چوں کی خدمت ہوئی اور ان کے شاگردوں نے ایک جلسہ منعقد کر کے رسم خدمت کی تقریب منائی۔ اس مجلس میں کثرت سے لوگ شریک ہوئے اور قصہ و سرور سے دل بہلایا گیا۔ محمد احمد نے لوگوں کو اس خلاف شرع تفریح سے منع کیا اور کہا کہ شریعت حقہ ناجائز فعل کو جائز قرار نہیں

دے سکتی۔ اور شیخ شریعت کے کسی ممنوع فعل کو جائز نہیں کر سکتا۔ شیخ محمد شریف کو جب اس کی خبر پہنچی تو غضبناک ہو کر محمد احمد کو طلب کیا۔ محمد احمد محمد شریف کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی چاہی لیکن شیخ نے معاف نہ کیا اور زجر و توقع کے بعد اس کا نام ”طریقہ سانہ“ کی فہرست سے خارج کر کے اس کو خانقاہ سے نکال دیا لیکن محمد احمد کی حق گوئی اور جرات و دلیری نے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور اہل سوڈان کے دلوں میں اس کا وقار بہت بڑھ گیا۔ وہاں سے جزیرہ لبا کو مراجعت کی۔ کچھ دنوں کے بعد یہاں ایک غار میں داخل ہو کر ہر وقت ذکر الہی میں مصروف رہنے لگا۔ کہتے ہیں کہ غار میں خوشبو جلا کر کسی اسم کا ورد کرتا رہا۔ اس عرصہ میں اس کے زہد و انقاء کا غلغلہ اطراف و اکناف ملک میں بلند ہوا۔ ہزار ہا لوگ حلقہ مریدین میں داخل ہونے لگے۔ اس کی عظمت یہاں تک دلوں میں نقش ہوئی کہ بڑے بڑے اصحاب ثروت و اقتدار کی جبین نیاز اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوئی۔ یہاں تک کہ بغارا کے مغرور و سرفراز شیوخ نے جو اپنے برابر دنیا میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے بجمال منت اپنی لڑکیاں عقد ازدواج کے لیے پیش کیں۔ جب محمد احمد کے پیروؤں کی تعداد دن بدن بڑھنے لگی تو آخر کار اس مذہبی گروہ پر سیاسی رنگ چڑھنے لگا۔ اور اشاعت اسلام کے پردے میں ملک گیری کے ارادے نشوونما پانے لگے۔ محمد احمد نے جہاد فی سبیل اللہ کا وعظ شروع کیا۔ اس کا قول تھا کہ موت ہمیں اس سے بھی کہیں زیادہ مرغوب ہے جس قدر کہ دولہا کو عروس نو محبوب ہوتی ہے۔ محمد احمد کی دعوت میں کچھ ایسا برتی اثر تھا کہ سینکڑوں آدمی روزانہ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر شرکت جہاد پر آمادگی ظاہر کرنے لگے۔ چنانچہ اسلحہ جنگ کی فراہمی شروع ہوئی اور حرب و ضرب کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دعوائے مہدویت اور گورنر خرطوم کی پریشانی

مئی 1881ء میں محمد احمد نے سوڈان کے تمام ممتاز لوگوں کے نام اس مضمون کے مراسلات بھیجنے شروع کئے کہ جناب سرور عالم ﷺ نے جس مہدی کے آنے کی اطلاع دی تھی وہ میں ہوں۔ مجھے خداوند عالم کی طرف سے سفارت کبریٰ عطا ہوئی ہے تاکہ میں دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دوں اور ان تمام خرابیوں کی اصلاح کروں جو لوگوں نے دین متین میں پیدا کر دی ہیں۔

اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمام عالم میں ایک مذہب ایک شریعت اور ایک ہی بیت المال قائم کروں اور جو شخص میرے احکام کی تعمیل نہ کرے اسے سحر عدم میں غرق کر دوں۔ محمد احمد نے ماہ رمضان میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں سوڈان اور مصر کے طول و عرض میں اس

کی دعوت کا چرچہ ہونے لگا۔ ماہ جولائی میں رؤف پاشا کو جو خدیو مصر کی طرف سے سوڈان کا گورنر جنرل تھا۔ محمد احمد کے دعوائے مہدویت اور اس کے تبلیغی مراسلات کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے معتقد خاص ابوالسعود کو چار علماء کے ساتھ اس غرض سے محمد احمد کے پاس بھیجا کہ اسے خرطوم لا کر حاضر کریں۔ ابوالسعود جزیرہ بابا پنچالور کشتی سے ساحل پر اتر کر بلند آواز سے پکارا کہ مہدی کہاں ہیں؟ محمد احمد ساحل پر آیا اور ابوالسعود کے پاس پہنچ کر اس کی مسند پر بیٹھ گیا۔ ابوالسعود نے دریافت کیا کیا تم ہی نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ محمد احمد نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ ہاں میں ہی وہ مہدی ہوں جس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ ابوالسعود نے کہا۔ اس دعویٰ سے تمہاری کیا غرض ہے؟ محمد احمد نے جواب دیا کہ خدائے کردگار نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دوں۔ کفر کو سرنگوں اور دین حنیف کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کروں۔ خدا کی زمین پر خدائے لایزال کا قانون (قرآن) حکمران ہو۔ اور اسلام سر بلند دکھائی دے۔ ابوالسعود نے کہا کہ اس ملک کا حکمران بھی تمہاری طرح مسلمان ہے۔ محمد احمد نے جواب دیا کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ حکمران نے نصاریٰ کو سیاہ و سپید کا مالک بنا رکھا ہے اور وہ جا جا کر بے ہمتے اور مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ابوالسعود سمجھانے لگا کہ گورنمنٹ برطانیہ اور حکومت مصر کی مخالفت اچھی نہیں۔ بہتر ہے کہ بلا انحراف میرے ساتھ خرطوم چل کر رؤف پاشا کی ملاقات کر آؤ۔ محمد احمد نے کہا میں وہاں نہیں جاسکتا۔ ابوالسعود بولا۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ اس سے پہلے ہی اپنے تئیں گورنر خرطوم کے حوالے کر دو جبکہ سرکاری توپیں اور انگریزی جنگی ہتھیار گولہ باری کر کے جزیرہ بابا کو خاک سیاہ کر دیں۔ محمد احمد نے قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ کسی بد بخت کی کیا مجال ہے کہ میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے؟ اس کے بعد نہایت درشت لہجہ میں ابوالسعود سے کہا جاؤ۔ میں ہر گز تمہارے ساتھ نہ جاؤں گا۔ ابوالسعود محمد احمد کے بدلے ہوئے تہور دیکھ کر سہم گیا اور اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ وہاں سے چلتا ہے۔ آخر اپنے ساتھیوں کی معیت میں خرطوم پہنچ کر دم لیا اور رؤف پاشا کو صورت حال سے مطلع کر کے کہنے لگا کہ اگر پچاس مسلح آدمیوں کو میرے ساتھ کر دو تو میں اس منافع کو آپ کے پاس گرفتار کر لاتا ہوں۔ بے چارے ابوالسعود کو کیا معلوم تھا کہ یہ میرے بس کا روگ نہیں ہے بلکہ یہ شخص عنقریب تقویٰ کے آسمان پر مہر منیر بن کر جلوہ گر ہو گا اور تین سال کے اندر سوڈان کی فضا اس کے پرچم اقبال پر فخر کرے گی۔ رؤف پاشا نے پچاس سپاہی اس کے سپرد کر دیئے۔ وہ اس جمعیت کو لے کر بابا پنچالور خود کشتی میں رہا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ جزیرہ میں داخل ہو کر خانہ ساز مہدی کو گرفتار کر لاؤ۔ سپاہی ساحل سے بڑھے اور محمد احمد پر حملہ کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ جب محمد احمد کو ان کی آمد کا علم ہوا تو اس نے مریدوں کا ایک غول بھیج دیا۔ وہ ایک ایک ان

سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے اور آنا فانا سب کو قہر عدم میں پہنچا دیا۔ اس واقعہ سے مہدی کا اثر اور بڑھ گیا۔ اور اس کے دعوائے مہدیت کو بڑی تقویت پہنچی۔ جب رؤف پاشا کو اس واقعہ کا علم ہوا تو سخت پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ اب کیا تدبیر کی جائے؟

محمد احمد کے مقابلہ میں پہلی ناکام مہم

اب رؤف پاشا نے حکومت مہر کی منظوری سے مہدی کے مقابلہ کے لیے تین سو سپاہی اور دو عدد توپیں ایک جنگی جہاز کے ذریعہ سے روانہ کیں۔ یہ دستہ فوج ۱۱ اگست ۱۸۸۱ء کی صبح کو بہرہ کر دگی علی آفندی لبا سے تھوڑے فاصلہ پر اترا۔ علی آفندی نے دیکھا کہ ایک شخص جس کے ارد گرد بہت سے آدمی ہیں ان کی طرف آ رہا ہے۔ یہ سمجھ کر کہ یہی شخص مہدی ہے چاہا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دے چنانچہ نہایت تیزی سے اس شخص کے سر پر پہنچ کر کہنے لگا کہ تو نے ملک میں کیوں فساد ڈال رکھا ہے؟ اور جھٹ اس کے گولی مار دی۔ مگر مقتول مہدی نہ تھا کوئی دوسرا شخص تھا لیکن پھر مقتول کے ساتھی معاً علی آفندی پر حملہ آور ہوئے اور اس نے آنا فانا دارالقرار جاہد کو انتقال کیا۔ علی آفندی کو ٹھکانے لگانے کے بعد محمد احمد کے پیرو اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس اثناء میں جنگی جہاز کے افسر توپ خانہ کو حکم ہوا کہ وہ مہدیوں پر جو وہاں سے تھوڑے فاصلے پر نظر آ رہے تھے گولہ باری کرے۔ مگر گولہ انداز مہدی کی مقدس وضع دیکھ کر سہم گیا اور آستہازی میں لیت و لعل کرنے لگا۔ آخر جب سختی کی گئی تو اس نے ہوائی فائر شروع کر دیے۔ اتنے میں محمد احمد اور اس کے سوار وہاں سے دوسری جگہ کو چلے گئے۔ ابو السعود نے جو اس فوج کے ساتھ تھا راہ فرار اختیار کی اور شکست خوردہ خرطوم پہنچا۔ اس ہزیمت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہدی کے پیروؤں کی تعداد اور زیادہ بڑھنے لگی۔ ان جھڑپوں سے محمد احمد نے جو نتیجہ نکالا وہ دانشمندی پر مبنی تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ مرکز حکومت کے قریب رہنا خطرات سے لبریز ہے اس لیے اس نے جزیرہ لبا پر اپنے ایک مرید احمد مکاشف کو قائم مقام مقرر کیا۔ اور خود کوہ کردوفان جا کر اس کو اپنا مرکز و مستقر بنالیا۔ جزیرہ لبا کے شمال میں پچاس میل کے فاصلہ پر نیل ابیض کے قریب مقام کاوا پر ایک مصری فوج جس میں چودہ سو سپاہی تھے اور جس کا افسر اعلیٰ محمد سعید پاشا تھا پڑی تھی۔ جب محمد احمد کردوفان پہنچا تو اس لشکر نے محمد احمد کے خلاف جنبش کی۔ یہ دیکھ کر محمد احمد نے جنوبی کردوفان کا رخ کیا۔ مصری لشکر نے تعاقب کیا اور ایک مہینہ تک جنگوں اور پہاڑوں میں ٹکریں مارتا پھرا۔ لیکن محمد احمد کا پتہ نہ چل سکا۔ آخر ای تک دو میں بھوک پیاس کی

شدت سے ہلاک ہو گیا۔ مہدی کے مقابلہ میں دو مہیں اور بھی بھیجی گئیں۔ لیکن وہ بھی نہ صرف ناکام رہیں بلکہ تمام فوجیں صفحہ ہستی سے بالکل نابود ہو گئیں۔ اب رشید بے حاکم فشوہ ایک زبردست جمعیت کے ساتھ مہدی کے مقابلہ کو روانہ ہوا اور 8 ستمبر 1881ء کو لڑائی ہوئی۔ لیکن یہ لوگ بھی مہدویہ کے نیزوں سے چھد کر عالم آخرت کو چلے گئے اور بہت ساسانان جنگ مہدی کے ہاتھ آیا۔ رؤف پاشا قبل اس سے کہ کوئی اور تدبیر اس آفت کے نالنے کی سوچے۔ 1882ء کے آغاز میں عمدہ گورنری سے معزول کر دیا گیا۔ اور عبدالقادر پاشا سوڈان کا گورنر جنرل مقرر ہو کر آیا۔ اس اثناء میں مہدویہ نے مسلسل حملے کر کے تمام سرزمین سنار پر عمل و دخل کر لیا۔ اب شمالی پاشا نام ایک فوجی جرنیل نے مہدی کے خلاف ایک فوج مرتب کی جس کی تعداد چھ ہزار تھی۔ مئی 1882ء میں یہ فوج فشوہ میں داخل ہوئی وہاں سے خشکی کی راہ سے آگے بڑھی۔ آخر آہستہ آہستہ کوچ کرتی ہوئی 7 جون کو دشمن کے قریب پہنچ گئی۔ محمد احمد نے چاروں طرف سے یکبارگی حملہ کر کے اس فوج کو بالکل تباہ و برباد کر دیا۔ اور مال غنیمت سے خوب ہاتھ رکنے۔ اس حملہ میں سرکاری فوج کے بہت کم آدمی بچ سکے۔ اس فتح عظیم نے مہدی کے اقتدار کو اور زیادہ چکا دیا۔ اہل سوڈان یہ دیکھ کر کہ مہدی کی مٹھی بھر فوج نے کثیر التعداد سپاہ پر فتح پائی۔ محمد احمد کی مہدویت پر اور زیادہ راسخ الا اعتقاد ہو گئے۔ جب یہ خبر خرطوم پہنچی تو عبدالقادر پاشا پیش از پیش تیاریوں میں مصروف ہوا۔ محمد احمد نے اپنے پیروؤں کو درویش کا لقب دیا تھا۔ عبدالقادر پاشا نے اعلان کر دیا کہ جو شخص درویشوں کو قتل کرے گا حکومت کی جانب سے اسے معقول انعام دیا جائے گا۔ یعنی فی درویش دو پونڈ اور فی افسر اٹھارہ پونڈ معاوضہ ملے گا۔ اسی طرح اس مضمون کے اشتہار چھپوا کر محمد احمد کے لشکر میں بھیجکوا دیئے کہ جو درویش محمد احمد کی رفاقت ترک کر کے حکومت کی وفاداری کا عند کریں گے ان کو حکومت کی طرف سے بڑے بڑے انعام ملیں گے لیکن عبدالقادر پاشا کو اس کوشش میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

ابیض کا محاصرہ اور تسخیر

عبدالقادر فراہمی لشکر میں ہمہ تن مصروف رہا۔ تھوڑے عرصہ میں اس کے پاس بارہ ہزار فوج جمع ہو گئی۔ جس میں سے ایک ہزار اس نے کرد و فان کے صدر مقام ابیض کی حفاظت کے لیے بھیج دی۔ اتنے میں محمد احمد فوج لے کر ابیض کی طرف بڑھا۔ جہاں مصر کی طرف سے محمد سعید پاشا حکمران تھا۔ جب محمد سعید پاشا کو اس پیش قدمی کی اطلاع ہوئی تو اس نے تمام اطراف سے فوج جمع کی اور شہر پناہ کے دروازوں کو بند کر کے مقابلہ کے لیے مستعد ہوا۔ ستمبر 1882ء کے شروع میں مہدی درویشوں کی معقول جمعیت کے ساتھ ابیض کے قریب پہنچا اور محمد سعید پاشا کو لکھا کہ وہ شہر کو اس کے حوالے کر دے۔ محمد سعید پاشا نے ارکان و اعیان کو جمع کر کے مشورہ کیا سب نے

یہی رائے دینی کہ ممدی کے قاصد کو واپس کر دیا جاوے اور کوئی جواب نہ دیا جائے لیکن شہر کے وہ باشندے جو درپردہ ممدی کی دعوت کو قبول کر چکے تھے اور جن کی مخفی تحریک سے ممدی یہاں آیا تھا شہر سے نکل کر ممدی سے جا ملے۔ ان لوگوں میں ابیض کا سابق حاکم اور کردوفان کا مشہور تاجر الیاس پاشا بھی شامل تھا جو اپنے ساتھ محافظ سپاہ کے کچھ آدمیوں کو بھی لے گیا۔ اب ابیض میں محمد سعید پاشا اور اس کے چند معتمد لوگ تھے جو دس ہزار باشی بزدق لشکر کو شہر کے اندر لئے ہوئے حفظ و دفاع کے لیے سر بھٹ تھے۔ ممدی جو لشکر مقابلہ کے لیے لایا تھا اس میں ہمیں چھ ہزار صرف سنگین بردار سپاہی تھے جن کے پاس اعلیٰ قسم کی وہ مصری مدد قیں تھیں جو مختلف مواقع پر مصری لشکرت مال غنیمت میں حاصل کی گئی تھیں۔ اس وقت ممدی کی مجموعی قوت ساٹھ ہزار آدمیوں پر مشتمل تھی۔ 8 ستمبر 1882ء کو ممدی نے ابیض پر حملہ کیا۔ چونکہ شہر پناہ نہایت مضبوط اور مستحکم تھی۔ ممدی کی سپاہ کو سخت نقصان اٹھانا پڑا اور آخر اس کو شکست ہوئی۔ مصری سپاہ نے تیرہ جھنڈے جن میں ایک جھنڈا خاص ممدی کا تھا اور جس کا نام ”زایت حورائل“ تھا مال غنیمت میں حاصل کئے۔ اس حملہ میں ممدی کے ہزار ہا آدمی ضائع ہوئے۔ جن میں اس کا بھائی محمد اور عبداللہ التعلابی خلیفہ ممدی کا بھائی یوسف بھی تھا۔ مصری محافظ سپاہ کے صرف تین سو آدمی مقتول ہوئے۔ ممدی پر اس شکست کا بڑا اثر پڑا اور اسے محسوس ہوا کہ مستحکم و مضبوط فصیلوں اور شہر پناہوں پر حملہ کرنے میں کیا خطرات ہیں اور عہد کیا کہ وہ آئندہ مستحکم فصیلوں اور شہر پناہوں پر کبھی حملہ نہ کرے گا بلکہ محصورین کو بھوکوں مار کر حوالگی شہر پران کو مجبور کرے گا۔ اس اثناء میں ممدی کو کمک پہنچ گئی اور اس نے ابیض کا سختی کے ساتھ محاصرہ کر لیا۔ آخر ساڑھے چار مہینہ تک محصور رہنے کے بعد اہل بیض نے تنگ آکر اپنے آپ کو ممدی کے حوالے کر دیا۔ اب تمام کردوفان ممدی کے قبضہ میں تھا۔ ان حملوں اور محاصروں میں محمد احمد کو کثیر مال غنیمت حاصل ہوا۔ سامان جنگ اور اسلحہ بھرت ہاتھ آیا اور غلہ کی بھی بہت بڑی مقدار ملی۔ سعید پاشا حاکم ابیض اور سرکاری عملہ گرفتار کر لیا گیا۔

نظام حکومت اور فرمان شاہانہ

محمد احمد نے کردوفان پر قبضہ کر کے اس کے انتظام کی طرف توجہ کی۔ اس نے انتظامی صیغوں کو تین محکموں میں تقسیم کیا۔ (1) سپاہ (2) قضا (3) مال۔ سپاہ کا انتظام عبداللہ تعلابی کے سپرد کیا۔ محکمہ قضا احمد بن علی کے دست اختیار میں دیا۔ یہ شخص پہلے دارفور میں قاضی تھا۔ اس عہدہ کا نام قاضی الاسلام رکھا۔ مالی معاملات کے انصرام کے لیے ایک بیت المال بنایا جس میں ہر قسم کی آمدنی عشور، مال غنیمت، زکوٰۃ، فطرہ اور جرمانوں کی رقیس جمع ہوتی تھیں۔ جرمانے ان لوگوں سے وصول کئے جاتے تھے جو قانون شریعت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ محمد احمد نے محکمہ مال کا افسر اعلیٰ اپنے

ایک دوست احمد بن سلطان کو مقرر کیا۔ محمد احمد کے اس نظام حکومت پر رعایا بہت خوش ہوئی کیونکہ ہر شخص کو اس کی بدولت آسائش اور راحت و سکون نصیب ہوا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ کسی پر ظلم کر سکے یا اعمال حکومت کسی سے ناجائز طور پر ایک جہہ بھی وصول کر لیں۔ محمد احمد کا لباس خوراک طرز معاشرت ہر چیز سادہ تھی۔ اختار جہ کی زائدانہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اسے ہر وقت احکام شریعت کے اجراء کی دھن تھی۔ اس نے اپنی قلمرو میں وہ تمام حدیں جاری کر دی تھیں جو شریعت اسلام نے مقرر فرمائی ہیں۔ اس کے مواعظ کا خلاصہ ترک دنیا اور انقطاع الی اللہ تھا۔ ذیل میں اس کے ایک منشور (فرمان) کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں جو اس نے 1301ھ میں ابیض سے شائع کیا تھا۔ اس منشور سے اس کی پابندی مذہب اور زائدانہ خیالات کا اندازہ ہو سکے گا۔ حمد و صلوة کے بعد لکھتا ہے۔ اے بندگان خدا! اپنے رب بزرگ و برتر کی حمد کرو۔ اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو مخصوص نعمت سے سرفراز فرمایا۔ وہ نعمت کیا ہے؟ میرا (بحیثیت ممدی) ظاہر ہونا اور یہ تمہارے لیے دوسری امتوں پر شرف خاص ہے۔ میرے دوستو! میرا صحیح نظریہ ہے کہ تم کو راہ ہدایت دکھاؤں۔ خدا کے راستہ میں مہاجرۃ اختیار کرو جہاد فی سبیل اللہ کو اپنا نصب العین بناؤ۔ دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے منقطع ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ راحت و آسائش کا خیال ہی دل سے نکال دو۔ اگر دنیا کوئی اچھی چیز ہوتی تو خدا اس کو تمہارے لیے آراستہ کر دیتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ ان لوگوں کو دیکھو جن کو ہر قسم کی دنیوی آسائش حاصل تھیں لیکن ایک وقت آیا کہ ان کی تمام راحتیں مصائب سے بدل گئیں اور آسائش زعمی کی شراب تکلیفوں کا زہر بن گئی۔ اگر دنیا کی راحت میں کوئی بھلائی ہوتی تو ایسا کیوں ہوتا؟ اور اس پر میں نہیں بچہ آخرت کا دردناک عذاب ان کے لیے باقی ہے۔

تیسرے کیم یہ سب دیکھتے ہو اور پھر دنیوی راحت و آسائش کی تمنا اور دنیوی زندگی کی آرزو کرتے ہو۔ دنیا کی آسائشوں کو ٹھکرا دو۔ خدا سے ڈرو۔ اس کے سچے بندوں کی رفاقت اختیار کرو۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرو کہ سچی زندگی یہی ہے۔ خدا کی راہ میں ایک مسلمان کا تلوار کو حرکت میں لانا ثواب میں ستر برس کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔ جہاد میں صرف اتنی دیر کھڑے رہنے کا ثواب بھی ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہتے ہیں۔ عورتوں پر بھی خدا کی راہ میں جہاد فرض ہے پس جو عورتیں کہ میدان جہاد میں خدمات انجام دے سکتی ہیں اور شرعاً ان کے لیے گھر سے باہر نکلنے میں کوئی مضائقہ نہیں وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے جہاد کریں۔ جوان اور پردہ نشین عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ گھروں میں پاک زندگی بسر کریں اور اپنے نفس سے جہاد میں مصروف رہیں۔ گھر سے بلا ضرورت شرعی باہر نہ نکلیں۔ بلند آواز سے (کہ غیر مردان کی آواز سنیں) باتیں نہ کریں۔ نماز کو پابندی کے ساتھ وقت پر ادا کریں۔ اپنے شوہروں کی اطاعت فرض سمجھیں۔ اپنے جسموں کو پتھروں سے چھپائے رہیں۔ جو عورت کہ جسم کو نہ ڈھکے اس کو سزا دی جائے۔ اگر ایک لحظہ

بھی کوئی عورت سر کھول کر بیٹھے تو اس کو ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص گفتگو کرے اس کے اسی کوڑے لگائے جائیں۔ جو مرد اپنے بھائی (مسلمان) کو کتایا سو یا یہودی یا اسی قسم کے اور الفاظ سے یاد کرے اس کے اسی کوڑے لگائے جائیں اور سات روز کی قید کی جائے اور جو شخص (کسی مسلمان کو) فاجر یا چور یا زانی یا خائن یا ملعون کہے اس کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص (کسی مسلمان کو) کافر یا نصرانی یا لوطی کہے اس کو اسی کوڑوں اور سات دن قید کی سزا دی جائے۔ جو شخص کسی ایسی اجنبی عورت سے جس سے اس کا نہ تو کوئی شرعی تعلق ہو اور نہ شرعاً اس سے گفتگو کا جواز ہو باتیں کرتا ہو لپایا جائے اسے ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص کسی حرام فعل پر قسم کھائے اس کو تادیباً ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور جو شخص حقہ پہنے یا تمباکو کسی دوسری طرح کھانے اور پینے کے کام میں لائے تادیباً اسی کوڑوں کی سزا دی جائے اور جس قدر تمباکو اس کے پاس موجود ہو اس کو جلا دیا جائے۔ تمباکو منہ میں رکھنے 'ناک' میں چڑھانے اور کسی دوسرے طریقہ پر استعمال کرنے کی بھی یہی سزا ہے۔ جو شخص صرف خرید و فروخت کرتا ہو لپایا جائے اور وہ اس کو استعمال نہ کرتا ہو یا استعمال کا موقع نہ ملا ہو اس کو صرف ستائیس کوڑوں کی سزا دی جائے۔ شراب پینے والے کو خواہ وہ ایک قطرہ کا استعمال ہی کیوں نہ کرتا ہو اسی کوڑے لگائے جائیں۔ اگر شراب خوار کا ہمسایہ اس کو سزا دینے کی خود قدرت نہ رکھتا ہو تو امیر شہر کو اطلاع دے ورنہ اس کو اخفائے جرم میں اسی کوڑوں اور سات روز قید کی سزا دی جائے گی۔ تاکہ عبرت پذیر ہو۔ انسان کا اپنے نفس (سرکش) سے خدا کی خوشنودی و اطاعت کے لیے جہاد کرنا جہاد بالسیف سے بھی بہتر ہے۔ اس لیے کہ نفس (سرکش) کافر سے زیادہ سخت ہے۔ کافر تو صرف مقابلہ کرتا ہے اور جنگ کے بعد اس سے راحت مل جاتی ہے لیکن نفس ایک ایسا دشمن ہے جس کا مغلوب کرنا نہایت دشوار کام ہے۔ جو شخص قصد انماز کو چھوڑ دے گا وہ خدا اور اس کے رسول دونوں کا گنہگار ہو گا۔ بعض ائمہ مجتہدین نے فرمایا ہے کہ تارک نماز کافر ہے اور بعض نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ تارک نماز کا پڑوسی اگر اس کو سزا دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو امیر شہر کو آگاہ کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کو اسی کوڑوں اور سات روز قید کی سزا اخفائے جرم کی پاداش میں دی جائے گی۔ اگر کوئی لڑکی پانچ سال کی عمر کو پہنچ گئی اور اس کی ستر پوشی نہ کی گئی تو اس کے وارثوں کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ جو عورت کسی ایسے شخص کے ساتھ پائی جائے جس سے اس کی معنی ہو چکی ہو لیکن عقد نہ ہو ابھو تو اس مرد کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا مال غنیمت سمجھا جائے گا۔ میرے دوستو! تم مخلوق خدا پر شفقت کرو۔ اس کو زبرد و ترک دنیا کی رغبت دلاؤ اور آخرت کی محبت اس کے قلب میں مستحکم کر کے اسے طلب عقبی کا شائق و گرویدہ بنا دو۔ تمہارا یہ بھی فرض ہے کہ تم خدا کے بندوں کو عداوت نفس سرکش کی اہمیت جتلا کر اس سے محفوظ رہنے کے طریقے بتاؤ۔ تم سے انصاف طلب کیا جائے تو پوری طرح انصاف کرو۔ اور مشکلات پر صبر و استقامت کی

تعلیم دو۔ وہ معاملات جو 12 رجب 1300ھ سے پہلے کے ہیں سوائے معاملات امانت، قرض اور مال یتیم کے سب اٹھائے گئے اور اب ان کے متعلق کسی سے باز پرس نہ ہوگی۔ البتہ 12 رجب 1300ھ کے بعد اور فتح سے قبل کے معاملات میں دعاوی کی سماعت ہوگی۔ قتل نفس کے مقدمات میں مقتول کے وارث کو قصاص اور دیت کا اختیار دیا جائے گا اور فتح کے بعد کے معاملات میں صرف قصاص کے قضایا طے کئے جائیں گے پس میرے احکام کے مطابق ان کا فیصلہ کرو۔ اسی طرح مقدمات ظلع میں مرد و جو مال عورتوں سے دخول و تمتع کے بعد حاصل کرتے ہیں وہ ان کو نہ دیا جائے کہ یہ جائز نہیں ہے بلکہ ان کے مقدمات کا فیصلہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق کیا جائے۔ میرے دوستو! سمجھ لو کہ اتحاد و استقامت ضروری چیز ہے۔ احکام خداوندی کی مخالفت نہ کرے اور امر کی پابندی لاہد ہے۔ میرے احکام کو سنو اور اطاعت کرو۔ تبدیل و تحریف کا خیال بھی دل میں نہ آنے دو۔ خداوند تعالیٰ نے جو نعمت تم کو دی ہے اس کا شکر ادا کرو اور کفران نعمت سے باز رہو۔ عورتوں کے مہر بڑھا کر: باندھو۔ دولت مند عورت کا مہر دس ریال مجیدی بلکہ اس سے بھی کم رکھو۔ متوسط الحال اور غرب پاشی ریال مجیدی سے زیادہ مہر نہ رکھیں۔ بلکہ اس سے کم رکھیں جو شخص اس کے خلاف بڑے بڑے مہر باندھے اس کو تادیب کوڑوں اور قید کی سزا دی جائے کہ تائب ہو جائے یا قید میں مر جائے۔ ایسا شخص ہمارے زمرہ سے خارج ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔

جر نیل ھکس کا قتل، انگریزی اور مصری افواج کی بربادی

محمد احمد نے اپنے بعض معتمد افسروں کو اطراف سوڈان میں تبلیغ و دعوت کے لیے روانہ کیا۔ عثمان دغنه جو مہدی کا معتمد خاص تھا مشرقی سوڈان پہنچا اور وہاں مہدی کے معتقدین و قبیعیں کی ایک سپاہ تیار کر کے اطراف میں مہدی کے منشور شائع کئے اور وہاں کے قبائل کو اپنے اثر میں لانے کی جدوجہد شروع کی۔ ان ایام میں مہدی کی روز افزوں ترقی اور مہموں کی ناکامی سے سرکاری حلقوں میں خلفشار پھیل رہا تھا۔ یہاں تک کہ عبدالقادر پاشا گورنر جنرل سوڈان نے رپورٹ کی کہ جس قدر ملک میرے قبضہ میں ہے وہ نکلا جاتا ہے اور اگر فتنہ و فساد کے روک تھام کے لیے کوئی موثر کارروائی نہ کی گئی تو تمام ملک پر مہدی کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس رپورٹ کے بعد مصر و انگلستان میں ہر طرف افسردگی چھا گئی اور یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ مصر اور انگلستان کو کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے کہ جس سے ملک مہدی کی دستبرد سے محفوظ رہ سکے؟ مدت تک یہ سوال زیر بحث رہا۔ آخر یہ قرار پایا کہ مہدی کی گوثالی کے لیے ایک اور زیرک مہم بھیجی جائے۔ اس تجویز کے بموجب ایک زبردست لشکر ایک کارآزمودہ انگریز سپہ سالار جر نیل ھکس کے ماتحت روانہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ جر نیل ھکس نے علاوہ نو دوسرے جنگ آزمودہ یورپی افسر بھی تیار ہوئے۔ اس وقت عبدالقادر پاشا کی جگہ علاء الدین

پاشا خرطوم کا نور تھا۔ علاء الدین پاشا نے اس مہم کے لیے نیل ارض کے مشرق سے اونٹ حاصل کئے اور آخر اُس تک ہر قسم کی جنگی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ 8 ستمبر کو جرنیل ھکس نے فوج کا جائزہ لیا اور 9 ستمبر کو یہ سپاہ ام درمان کے مقام سے دوئم کی طرف روانہ ہوئی۔ اس سپاہ میں چار مصری دستے پانچ سو ڈانی دستے اور ایک دستہ توپچیوں اور سواروں کا تھا۔ مصری فوج سلیم بک عونی، سید بک عبد القادر اور انیم پاشا حیدر اور رجب بک صدیق پاشا کے ماتحت تھی۔ سپاہ کی کل تعداد گیارہ ہزار تھی جس میں سے سات ہزار مصری پیدل فوج تھی۔ ساڑھے پانچ ہزار اونٹ پانچ سو گھوڑے جرمن کارخانہ کرب کی چار توپیں دس پہاڑی توپیں اور دس دوسری قسم کی توپیں تھیں۔ تانمتر ڈیلی نوز اور لندن کے دوسرے ممتاز اخبارات کے نامہ نگار بھی اس مہم کے ساتھ تھے۔ 20 ستمبر کو یہ سپاہ دوئم کے مقام پر پہنچیں۔ علاء الدین پاشا کی فوج اس سے مل گئی جو پہلے سے وہاں موجود تھی۔ لیکن علاء الدین پاشا کی فوج کی تعداد معلوم نہیں۔ جرنیل ھکس نے مصری حکومت کو اطلاع دی کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ فوج کو دوئم سے ابیض کی طرف بڑھایا جائے۔ دوئم سے ابیض کا فاصلہ 126 میل ہے اس مسافت میں چند چوکیاں قائم کی جائیں گی جن پر فوج کی مناسب تعداد رکھی جائے گی تاکہ واپسی کے خطوط محفوظ رہیں اور معاملہ دگرگوں ہونے پر دشمن واپسی کے راستہ کو منقطع نہ کر سکے۔ بہر حال جرنیل ھکس آگے بڑھا۔ ابیض سے تیس میل کے فاصلہ پر مہدی سے ٹکرا بھیڑ ہوئی۔ محمد احمد نے بہت بڑا لشکر فراہم کر رکھا تھا۔ اس کی فوج سرکاری سپاہ پر اس طرح ٹوٹ پڑی جس طرح شیر شکار پر گرتا ہے۔ سرکاری فوج میں ایسی بدحواسی چھائی کہ اپنے پرانے کے تیز نہ رہی اور آپس ہی میں لڑنے لگنے لگے۔ انگریزی اور مصری افواج کی قواعد و پرہیز اور اس کی توپیں کسی کام نہ آئیں مہدی کے پیروؤں نے تھوڑی دیر میں تمام فوج کا صفایا کر دیا۔ جرنیل ھکس اور اس کی ساری فوج تمام یورپی افسر اور لندن کی جراند کے نمائندے سب میدان جان ستاں کی نذر ہوئے۔ البتہ تین سو آدمی جن میں سے اکثر ضعفاء تھے جان چانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان لوگوں نے درختوں کے پیچھے یا لاشوں کے نیچے چھپ چھپ کر جانیں بچائی تھیں۔ انہی لوگوں میں جرنیل ھکس کا خاندان محمد نور بارودی بھی تھا۔ اسی شخص کی زبانی ہر بیت و تباہی کے تمام واقعات مصر پہنچ سکے۔ محمد احمد نشہ فتح میں سرشار یہاں سے برکت کی طرف چلا گیا اور بعض امراء کو مال غنیمت جمع کرنے کے لیے وہیں چھوڑ گیا۔ اس لڑائی سے پہلے سوڈان کے اکثر قبیلے مترددو تھے کہ حکومت کا ساتھ دیں یا محمد احمد کا؟ آخر یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ جرنیل ھکس کی لڑائی کا انتظار کر لیا جائے۔ انجام کار جب قبائل کو معلوم ہوا کہ مہدی نے فتح پائی اور سرکاری فوجیں بالکل تھس تھس ہو گئیں تو انہوں نے اپنی قسمت محمد احمد سے وابستہ کر دی۔

جرنیل بیکر کی ہزیمت

جب ممدی کو ایسی شاندار فتح حاصل ہوئی اور وہ آنا فانا سارے کرفان پر قابض و ویشل ہو گیا تو مصری سپاہی اسے سچا ممدی سمجھ کر حصول سعادت کے لیے بھاگ بھاگ کر ممدی سوڈانی کی فوج میں شامل ہونے لگے اور افریقہ کے مسلمانوں میں یہ خیال پختہ ہونے لگا کہ صاحب الزمان ممدی علیہ السلام کہ جس کے نوائے سعادت کے نیچے کفار سے جنگ کر کے شہید ہونے والے قیامت کے روز شدائے احد و بدر کے ساتھ اٹھائیں جائیں گے یہی ہے اس اعتقاد و یقین کی تائید ان احادیث سے ہوتی تھی جن میں حضرت ممدی آخر الزمان کا اسم مبارک محمد والد کا نام عبد اللہ اور والدہ کا آمنہ مروی ہے۔ چونکہ ممدی سوڈانی کا نام اور اس کے والدین کے نام بھی یہی تھے۔ اس مطابقت اسی کی وجہ سے اور نیز ممدی کے غیر معمولی فتوحات کے باعث لوگ غلط فہمی میں پڑ گئے تھے لیکن چونکہ آئندہ چل کر بہت سے دوسرے امور اس کے خلاف ثابت ہوئے رفتہ رفتہ یہ خیال لوگوں کے دلوں سے محو ہو گیا۔ اور اصل یہ ہے کہ شروع ہی سے اس کی ذات میں ممدی کی بہت سی نشانیاں مفقود تھیں۔ مثلاً وہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی اولاد نہیں تھا۔ اس کا ظہور مکہ معظمہ میں نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلی بیعت رکن اور مقام کے درمیان نہیں ہوئی تھی۔ ان دانی خصوصیات کے علاوہ عالم اسلام کے سیاسی حالات بھی اس نفع پر رو نما نہیں تھے جو حضرت ممدی علیہ السلام کے زمن سعادت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جرنیل بیکس کی ہلاکت خیز شکست سے قاہرہ اور لندن میں سخت اداسی چھا گئی۔ ابھی اس تباہی کی مرثیہ خوانی ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک دوسری مصیبت کا سامنا ہوا یعنی علاقہ سواکن سے جو بحر قلزم پر واقع ہے مصری ہزیمت کی وحشت ناک خبریں آنے لگیں۔ وہاں عثمان دغنه ایک مددوی سپہ سالار نے سکاٹ اور توکر کی مصری فوجوں پر تاخت کر کے شکست فاش دی اور انہیں چاروں طرف سے گھیر کر بالکل نیست و نابود کر دیا۔ اس ہزیمت کا انتقام لینے کے لیے سواکن سے ایک اور مہم تیار کر کے محمد پاشا طاہر کی سرکردگی میں روانہ کی گئی۔ انگریزی سفیر یعنی ڈاک ماکرف بھی ساتھ تھا لیکن سواکن سے روانہ ہونے کے ایک ہی گھنٹہ بعد ساڑھے پانچ سو آدمی کی اس مہم پر عثمان دغنه نے صرف ایک سو پچاس آدمیوں سے حملہ کر دیا اور شکست فاش دی۔ مصری اکثر تو مارے گئے اور جو بچے انہوں نے بھاگ کر سواکن میں جام لیا۔ سواکن لوہ کر دنان کی ہزیمتوں نے انگریزوں اور مصریوں کو اور زیادہ مشوش کر دیا آخر جنرل ویلنٹائن دیکر کے زیر قیادت ایک لور زرد دست مہم بھجنے کی تجویز ہوئی۔ مصری فوجوں کے مسلمان افسر اور سپاہی جو جانے سے علانیہ انکار نہ کر سکتے تھے یہ سن کر انہیں ممدی کے مقابلہ میں سوڈان جانا ہو گا۔ زار زار روتے تھے۔ آخر مہم روانہ ہوئی اور ان میں سے جو لوگ محمد احمد کی مددویت سے زیادہ شغف و عقیدت رکھتے

تھے راہ ہی میں بھاگ کر مدوی فوج میں جاشامل ہوئے۔ اس مہم میں پیدل اور سوار ہر قسم کی مصری اور انگریزی فوج تھی جن کے سر عسکر علاوہ جرنیل دیکر کے نو اور تجربہ کار انگریز فوجی افسر تھے۔ جرنیل دیکر مع اپنی فوج کے سواکن کے جنوب میں جہازوں سے اتر کر 4 فروری 1884ء کو آگے روانہ ہوا۔ جس وقت فوج الطیب کے قریب پہنچی۔ عثمان دغنه نے صرف بارہ سو آدمیوں کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا۔ دیکر نے یہ دیکھ کر رسالہ کو پیچھے ہٹا لیا اور پیدل فوج سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر انگریزی اور مصری سپاہی جن کے دلوں پر پہلے ہی سے مددی کی ہیبت چھائی ہوئی تھی بالکل وارفتہ ہو گئے۔ فوج میں ابتری پھیل گئی اور پیر اکھڑ گئے چار کپ توپیں پانچ لاکھ کار توں اور تین ہزار ہندو قس عثمان دغنه کے ہاتھ لگیں۔ جرنیل دیکر کے سوا تمام انگریز افسر مارے گئے۔ جرنیل دیکر تھوڑی سی پسماندہ فوج کو لئے ہوئے حال تباہ سواکن لوٹ آیا۔

محمد احمد کے حدود مملکت

جرنیل دیکر کی شکست سے برطانیہ اور مصر میں اور بھی زیادہ تردد و انتشار پھیل گیا۔ اس کے درویشوں نے سواکن کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور وہاں کی حفاظت کے لیے بہت تھوڑی جمیعت رہ گئی تھی۔ کرفان اور دارفور (دارفر) ہاتھ سے نکل چکے تھے اور مددی کی حکومت خرطوم کے پاس سے چھ سو میل کے فاصلے تک پھیل گئی تھی۔ مشرق کی طرف حبشہ تک سناہ کا تمام علاقہ اس میں آگیا تھا۔ مغرب کی جانب علاقہ کردفان زان فریب اس میں شامل ہو گئے تھے۔ اور شمال مشرق کی طرف سواکن تک اس کی سرحد جا ملی تھی۔ تھوڑے دن میں مددی کا اثر علاقہ الفشیر تک پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر وہاں کا انگریز گورنر سر سلاٹن (جسے مغرب کر کے سلاٹن پاشا کہتے تھے) نہایت بدحواس ہوا خصوصاً اس لیے کہ اس کے افسروں میں بھی باغیانہ خیالات سرایت کر رہے تھے۔ وہ اس بات سے قطعاً یوس ہو چکا تھا کہ جنگ کر کے مددی سے عہدہ براہو سکے گا اس لیے یہ سوچ کر کہ درویشوں میں اس کا رسوخ بڑھ جائے گا اور ملک کی بد نظمی بھی دور ہو جائے گی۔ اس نے منافقانہ طریق پر دین اسلام اختیار کر لیا اور مددی سے اظہار عقیدت کر کے اپنا علاقہ اس کی حوالے کرنے کی درخواست کی۔ اس سے قبل اس نے ایک چٹھی مسٹر اوگل کے ہاتھ جزل بحس کے نام طلب اداو کے لیے بھیجی تھی لیکن جرنیل بحس کی ہزیمت اور ہلاکت نے سلاٹن کو ناامید کر دیا۔ اوگل نے وہاں سے واپس آکر سلاٹن کو صلاح دی کہ مددی کی اطاعت کر لے کیونکہ حالت اس درجہ یاس انگیز تھی کہ مقابلہ کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ غرض سلاٹن اور اوگل دونوں نے مددی کی اطاعت کر لی۔ مددی نے سلاٹن کا نام عبدالقادر رکھا اور حکم دیا کہ وہ العبید کو آجائے۔ جہاں اس وقت تک مددی قابض ہو چکا تھا۔ سلاٹن حسب الحکم العبید پہنچا اور وہاں سے مددی کے ساتھ خرطوم کی طرف

لوٹ آیا۔ مہدی کی رحلت کے بعد اس کے خلیفہ عبد اللہ نے اسے اپنے باڈی گارڈ میں متعین کر کے ام درمان میں رکھا۔ سلاطین پاشا کچھ مدت کے بعد وہاں سے چھپ کر بھاگ نکلا لیکن پھر گرفتار ہو گیا اور مدت تک درویشوں کی قید میں رہا۔ جب انگلستان اور مصر کو متواتر فوج کشی اور بے انتہا مصارف و نقصانات کے باوجود اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوئی تو جرنیل گارڈن کو خرطوم بھیجنے کی تجویز ہوئی تاکہ وہ سوڈان میں قیام امن کی عملی تدابیر اختیار کرے اور نظر غائر سے دیکھے کہ مہدی کی روز افزوں دولت و قوت کے مقابلے میں کیا تجویز مناسب ہے۔ جرنیل گارڈن اس سے قبل سوڈان میں گورنر جنرل کے عہدہ پر ممتاز رہ کر اپنی لیاقت و مستعدی کا ثبوت دے چکا تھا اور اس ملک سے اچھی طرح واقف تھا۔ جنرل گارڈن لندن سے 27 جنوری 1884ء کو روانہ ہوا اور اسے ہدایت کی گئی کہ جس طرح من پڑے وہ تمام سرکاری فوجوں کو جو سوڈان کے مختلف حصوں میں محصور ہیں نکال لائے گو یہ نہایت پر خطر اور سخت ذمہ داری کا کام تھا لیکن گارڈن نے نہایت دلیری اور استقلال سے اس اہم کام کا ذمہ لیا۔ جرنیل گارڈن برطانیہ کی طرف سے بحیثیت ہائی کمشنر سوڈان اور خدیو مصر کی طرف سے سوڈان کا گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا تھا۔ جنرل گارڈن نے برابر پہنچ کر آزادی سوڈان کے متعلق ایک اعلان جاری کیا اور تمام محصولات بقدر نصف کے معاف کر دیئے اور تمام باشندوں کی جرم عشی کی۔ یہاں تک کہ اہل سوڈان کو لونڈی غلام رکھنے اور ان کی بیع و شرا کی بھی اجازت دے دی اور اسی اعلان کے ذریعہ سے محمد احمد مہدی کو سلطان دارفور (دارفر) مقرر کیا۔ اور کچھ تحائف مہدی کی خدمت میں بھیجے مگر مہدی نے ان کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لکھا کہ میں کفار سے کسی عیش و عطا کار وادار نہیں۔ محمد احمد نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ اور سچے دین اسلام کے پیروں جاؤ جس سے تمہیں دنیا و عقبیٰ میں سرخروئی ہو اور تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی جان بچے ورنہ تم سب ناحق اپنی عزیز جانیں کھو بیٹھو گے۔ اس مراسلہ کا جواب جنرل گارڈن نے یہ دیا کہ اب میں تم سے مزید خط و کتابت نہیں کر سکتا۔

خرطوم کا محاصرہ

جب جنرل گارڈن خرطوم پہنچا تو انگریزی افواج میں مسرت کی ایک غیر معمولی لہر دوڑ گئی۔ سرکاری فوجیں اس وقت سخت ضغط کی حالت میں پڑی تھیں۔ نہ تو خرطوم خالی کر کے بھاگ جانے کا کوئی راستہ رہ گیا تھا ورنہ ان میں مہدی کے متوقع حملہ سے عہدہ برآہو نے کی طاقت تھی۔ جنرل گارڈن نے یہ پرخطر حالت دیکھ کر یقین کر لیا کہ مہدی بہت جلد خرطوم پر حملہ آور ہو کر اس کا محاصرہ کر لے گا۔ اس لیے احتیاطاً اپنے محصور ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس سے اس بات کا یقین تھا کہ اگر بروقت کمک پہنچ گئی تو محاصرے سے نکل کر غنیم کا آسانی سے مقابلہ کر سکیں گے۔

غرض گارڈن نے کئی مینیہ کا سامان جمع کر کے شہر کے مورچوں کو مضبوط کر لیا۔ یہاں بتا دینا ضرور ہے کہ شہر خرطوم کی جائے وقوع طبعی طور پر کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ وہ ایک نہایت مضبوط قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی دو طرفیں شمال اور مغرب دریا ئے نیل سے محیط ہیں۔ مشرق اور جنوب کی طرف نہایت مضبوط شہر پناہ ہے اور شہر پناہ کے باہر ایک نہایت عمیق خندق ہے۔ قاہرہ کو جو برقی سلسلہ جاتا تھا مہدی نے 1884ء میں اسے کاٹ ڈالا۔ اس لئے آئندہ جنرل گارڈن اور اس کی فوج کے حالات پردہ خفا میں پڑے رہے۔ چونکہ بہت دن تک جنرل گارڈن کی کوئی خبر قاہرہ نہ پہنچ سکی اس لیے انگریزی اور مصری حلقوں میں دن بدن انتشار پھیلتا گیا۔ جب ردو نیل میں طغیانی ہوئی تو جنرل گارڈن نے بذریعہ کشتیوں کے قاہرہ سے سلسلہ خط و کتابت جاری رکھنے کی کوشش کی۔ اس لیے کرنل ٹیمبل اسٹورٹ کے ہاتھ جو مسرپاؤر انگریزی سفیر اور موسیو ہرن فرانیسی سفیر کے ساتھ جہاز عباس پر سوار ہو کر روانہ ہوا تھا اپنی بد حالی کے متعلق ایک مفصل رپورٹ قاہرہ بھیجی مگر بد قسمتی سے جہاز ایک چٹان سے ٹکرا کر ڈوب گیا۔ کرنل اسٹورٹ اور اس کے ساتھی کشتیوں میں سوار ہو کر کنارہ پر لگے اور ایک موضع میں پہنچے جہاں پر گاؤں والوں نے انہیں ”فرنگی بے دین“ کا لقب دے کر قتل کر ڈالا اس طرح قاہرہ جا کر جنرل گارڈن کی داستان درد سنانے والا کوئی تنفس باقی نہ رہا۔ اس اثناء میں مہدی کا لشکر خرطوم تک پہنچ گیا اور شہر کا محاصرہ میں لے لیا۔ جب کرنل اسٹورٹ اور انگریزی سفیر کے مارے جانے کی خبر لندن پہنچی اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ جر نیل گارڈن اور سرکاری افواج محصور ہیں تو انگلستان میں سخت پریشانی اور بددلی پھیل گئی۔ یہ دیکھ کر مسر گھید سنون وزیر اعظم برطانیہ نے ایک اور مهم لارڈ ولزلی کے زیرِ کمان جنرل گارڈن کی کمک کے لیے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ حکومت برطانیہ نے لارڈ ولزلی کو حکم دیا کہ ایک دفعہ جنرل گارڈن اور سرکاری فوج کو کسی طرح خرطوم سے صحیح و سلامت نکال لیا جائے اور اس کے بعد مہدی سے کوئی تعرض نہ کیا جائے کیونکہ حکومت برطانیہ نے اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا کہ سوڈان کو خالی کر کے اس کی قسمت مہدی کے ہاتھ میں دے دی جائے اور مصر کی سرحد وادی حلفہ تک رہے۔ واقعی اس وقت یہی مناسب تھا کیونکہ مہدی کی قوت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ حکومت برطانیہ کے پاس تجلہ سوڈان کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ انگلستان نے گزشتہ تین سال کے عرصہ میں ہزاروں جانیں گنوانیں۔ روپیہ پانی کی طرح بہایا اور بے شمار انگریز افسر ہلاک کرائے پھر بھی جائے ترقی و اصلاح کے حالت بدلتا ہوا تھا۔

لارڈ ولزلی کی لندن سے روانگی

لارڈ ولزلی لندن سے روانہ ہو کر 9 ستمبر 1884ء کو اسکندریہ پہنچا اور وہاں سے قاہرہ آیا۔

جنرل اسٹیفن سن سپہ سالار افواج انگریزی مقیم مصر نے یہ تجویز پیش کی کہ لارڈ ولزلی کی مہم خیرہ قلعہ کی راہ سے ہندرگاہ فنرکیٹ پر اترے اور وہاں سے براہ سواکن دربر خرطوم جائے کیونکہ سواکن سے بربر تک براہ خشکی اور بربر سے خرطوم تک براہ درونیل صرف چار سو اسی میل کا فاصلہ تھا۔ اور قاہرہ سے دریائے نیل میں سے ہو کر خرطوم جانے میں ساڑھے بولہ سو میل کا سفر تھا۔ مگر جب لارڈ ولزلی اور جنرل اسٹیفن سن میں اختلاف رائے ہوا تو حکومت برطانیہ نے اس فیصلہ کا انحصار لارڈ ولزلی کی صواب دید پر رکھا۔ لارڈ ولزلی نے نیل کا راستہ پسند کیا لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ اس میں کون سے فائدے مضمر تھے۔ یہ مہم 3 نومبر کو ڈنگولہ پہنچی۔ لارڈ ولزلی نے محمد یادر حاکم ڈنگولہ کو جس نے مہدی کے حملہ کو کامیابی کے ساتھ روکا تھا کہ سی ایم جی کا خطاب اور تمغہ عطا کیا۔ محمد یادر نے تمغہ پہنچنے وقت گورنمنٹ برطانیہ کا شکریہ ادا کیا اور کہا یہ اعزاز میری حیثیت اور لیاقت سے فزول تر ہے۔ مگر جب خطائے خطاب کا جلسہ ختم ہوا تو محمد یادر نے غسل کیا اور تمام پیرے بدل ڈالے کیونکہ اس کے اعتقاد میں اس کا جسم عیسائی کا ہاتھ لگنے سے نجس ہو گیا تھا۔ یکم نومبر 1884ء کو جنرل گارڈن کا ایک خط قاہرہ میں سر ایونل بیرنگ کے پاس پہنچا جو 13 جولائی کا لکھا ہوا تھا۔ اس خط میں جنرل گارڈن نے لکھا تھا کہ ہم خیریت سے ہیں اور چار مہینہ تک خرطوم کو قبضہ میں رکھ سکتے ہیں۔ جس وقت یہ خط پہنچا چار مہینے گزر چکے تھے اس لیے اور بھی زیادہ فکر پیدا ہوئی۔ دسمبر کے اخیر میں انگریزی افواج مقام کورنی میں پہنچ گئیں مگر چونکہ خرطوم ابھی بہت مسافت پر تھا اس لیے لارڈ ولزلی نے حکومت کو لکھا۔ ”یہاں سے روانگی میں اس لیے توقف ہوا کہ کافی سامان رسد کے جمع ہونے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ کیونکہ خرطوم کو جو عرصہ سے محصور ہے اور جس میں رسد کی سخت قلت ہے اور گرد و نواح کا سارا ملک ویران ہو چکا ہے۔ بغیر کافی سامان کے جانا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ لارڈ ولزلی نے کورنی میں اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو کورنی سے براہ خشکی متہ جانے اور وہاں سے کشتیوں پر سوار ہو کر خرطوم پہنچنے کا حکم دیا اور دوسرا نیل کی راہ سے بربر ہو کر خرطوم جانے کے لیے تیار ہوا۔ اول الذکر دستہ فوج بمبجر جنرل سر بربرٹ اسٹوٹنٹ کے زیر احکام روانہ کیا گیا۔ اس کی فوج کا کچھ حصہ جس میں بارہ سو سپاہی اور دو ہزار اونٹ تھے۔ کورنی سے غد کل کو روانہ ہوا۔ اس اثناء میں لارڈ ولزلی کے پاس کاغذ کے ایک چھوٹے سے پرزے پر جنرل گارڈن کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ پیغام پہنچا کہ ”خرطوم میں بھمہ وجہ خیریت ہے۔“ (دستخط) سی جی گارڈن 14 دسمبر 1884ء) یہ تحریری پیغام محض مغالطہ دہی کے لیے تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر قاصد مہدوی لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے تو وہ سرکاری فوج کی کمزوری حالت کا احساس نہ کر سکے۔ اصل پیغام جو زبانی کہنے کے لیے قاصد کو دیا گیا تھا یہ تھا۔ ”ہماری فوج کو قلت خوراک کی وجہ سے انتہائی مشکلات کا سامنا ہے۔ ہمارا سامان خوراک قریب الاختتام ہے یعنی کسی قدر میدہ اور تھوڑے سے بسکت رہ

گئے ہیں۔ ہماری آرزو ہے کہ ہماری مدد کو جلد آؤ۔“ جنرل گارڈن نے اس رقعہ کے ساتھ اپنے ایک دوست کے پاس بھی ایک پیغام قاہرہ بھیجا تھا جس کے یہ الفاظ تھے۔ ”بھائی بس اب خاتمہ ہے۔ یقین ہے کہ ہفتہ عشرہ میں ہماری نئی مصیبتوں کا آغاز ہو گا۔ اگر اہل ملک ہماری مدد کرتے تو یہ نوبت نہ آتی۔“ (سی جی گارڈن)

میجر جنرل سر ہربرٹ کا مجروح ہونا

16 جنوری 1885ء کو کرمل بارڈن نے سر ہربرٹ اسٹورٹ کو اطلاع دی کہ بو کلیہ سے شمال مشرق کی جانب پہاڑیوں پر ممدی کے آدی دکھائی دیتے ہیں۔ اسی روز سرکاری فوج بو کلیہ سے روانہ ہو کر تین میل کے فاصلہ پر پہنچ گئی۔ ممدی کا کمپ وہاں سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔ 17 جنوری کی صبح کو انگریزی سپاہ ممدی کے لشکر سے معرکہ آرا ہوئی۔ جس میں سر اسٹورٹ ایک زخم کاری سے ہیکار ہو کر گر پڑا اور فوج کی کمان سر چارلس ولسن نے لی۔ اس لڑائی میں جانبین کا سخت نقصان ہوا۔ سر چارلس نے ارادہ کیا کہ اس مقام کو محفوظ کر کے تھوڑی سی فوج وہاں چھوڑ دی جائے اور باقی ماندہ فوج کے ساتھ نیل کی طرف پیش قدمی کی جائے مگر ممدیوں کی آتش باری سے تمام مورچے مسمار ہو گئے اس لیے اس ارادے کی تکمیل نہ ہو سکی۔ لندن کی اخبارات مارٹنک پوسٹ اور اسٹینڈرڈ کے وقائع نگار مسٹر کیمرن اور ہربرٹ بھی اس معرکہ میں کام آئے۔ 21 جنوری 1885ء کو چار مصری دخانی جہاز خرطوم کی طرف سے آتے دکھائی دیئے۔ قاہرہ کی انگریزی فوج نے انہیں دیکھتے ہی خوشی کے نعرے بلند کئے۔ جہازوں کے ایک افسر نے جنرل گارڈن کا رقعہ فوج میں پہنچایا جس میں لکھا تھا۔ ”ہم خرطوم میں بالکل امن و عافیت سے ہیں اور کئی سال تک محفوظ رہ سکتے ہیں۔“ (سی جی گارڈن مورخہ 29 دسمبر 1884ء) اس رقعہ سے بھی مثل سابق یہ غرض تھی کہ اگر ممدی لشکر کے ہاتھ لگ جائے تو اس سپاہ انگریزی کی قوت کا مغالطہ ہو اور خط محاصرہ سے آگے بڑھ کر ایک بیک خرطوم پر حملہ آور ہونے کا حوصلہ نہ کر سکے۔ اور حقیقی پیام جو فوج ملک کے افسر اعلیٰ کو بھیجا گیا تھا یہ تھا۔ میں نے خرطوم کو چھانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا لیکن اب ماننا پڑتا ہے کہ ہماری حالت بہت نازک ہو گئی ہے اور ہمیں چاروں طرف سے یاس و قنوط نے گھیر رکھا ہے۔ میں یہ بات گورنمنٹ سے ناراضی کی بنا پر نہیں کہتا بلکہ حقیقت حال سے منقطع کیا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر خرطوم پر دشمن متصرف ہو گیا تو ہم کسالا پر بھی قبضہ نہ رکھ سکیں گے۔“ عبد الحمید بے جہاز بورڈین کے مصری افسر نے سر چارلس ولسن سے بیان کیا کہ محصورین کی حالت بہت نازک ہے اور جنرل گارڈن کی فوج قطعاً مایوس ہو چکی ہے۔ جنرل مذکور نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر تم انگریزی فوج کو سوار کر کے دس روز کے اندر اندر واپس نہ آؤ گے تو پھر ملک بھجنا ہے سو دو ہو گا۔ 23 جنوری کو سارا دن

روانگی کی تیاریاں ہوتی رہیں اور 24 جنوری کو چند جہاز انگریزی فوج کو سوار کر کے خرطوم کی طرف روانہ ہوئے۔

خرطوم پر ممدی کا قبضہ اور جرنیل گارڈن کا قتل

جب محاصرے نے طول کھینچا اور خرطوم میں انگریزی فوج کی حالت زبونی کے انتہائی درجہ کو پہنچ گئی تو اہل شہر نے جو ممدی کی حمایت کا دم بھرتے تھے ممدی کو پیغام بھیجا کہ اب سپاہ انگریزی میں دم باقی نہیں اس لیے شہر پر بغیر مزید توقف کے حملہ کر دینا مناسب ہے۔ اہل خرطوم جو انگریزی فوج کے ساتھ محاصرہ میں تھے برسر بازار انگریزوں کو گالیاں دیتے تھے۔ جنرل گارڈن سب کچھ کانوں سے سنتا مگر ارتعاش بغاوت کے خوف سے کسی پر سختی کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ غرض ممدی نے خرطوم پر حملہ کر کے توپوں کے منہ کھول دیئے اور شہر آنا فانا ایک کر ڈال دیا گیا۔ خرطوم کے ایک عیسائی سوداگر ماروینی نام کا بیان ہے کہ جنرل گارڈن کو اس بات کا یقین تھا کہ کمک جلد آنے والی ہے اس لیے سپاہیوں سے آخری مرتبہ درخواست کی کہ استقلال کو ہاتھ سے نہ دیں۔ مگر افسوس کہ کمک آخر وقت تک نہ پہنچی جس شب کو ممدی نے خرطوم پر قبضہ کیا ہے اس شام کو میں نے جنرل گارڈن سے ملاقات کرنے کا قصد کیا۔ جس کی مجھے اجازت مل گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ دیوان خانہ میں بیٹھا ہے۔ جب میں اندر داخل ہوا تو مجھ سے کہنے لگا۔ ”اب میں زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ سپاہی میرا ہرگز اعتبار نہ کریں گے۔ میں نے انہیں بارہا یقین دلایا کہ مدد آنے والی ہے مگر افسوس نہ آئی اب وہ یہ سمجھ لیں گے کہ کمک کے تمام افسانے من گھڑت تھے۔ جاؤ اور جس قدر آدمی میسر ہوں انہیں ساتھ لے کر اچھی طرح مقابلہ کرو اور مجھے چرٹ پینے دو۔ جنرل گارڈن کے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سخت بدحواس ہے اس کا دل اس قدر بھر آیا تھا کہ منہ سے اچھی بات نہ نکلتی تھی۔ تفکرات کی وجہ سے اس کے تمام بال یک ہیک سفید ہو گئے تھے اور جنرل گارڈن کی بے بسی دیکھ کر میری بھی کمر ہمت ٹوٹ گئی تھی۔ غرض جنرل گارڈن نے اپنی شکست دل فوج کو ساتھ لے کر آخر مرتبہ مدافعت کی کوشش کی لیکن شکست کھائی اور دس جنوری 1885ء کی رات کو ممدی کی فوج نے خرطوم پر قبضہ کر لیا۔ 26 جنوری کی صبح کو جبکہ سر چارلس ولسن کے جہاز خرطوم کی طرف بڑھ رہے تھے خرطوم پر ممدی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ ممدی فوجیں رات ہی کو شہر میں داخل ہو چکی تھیں۔ اس صبح کو جنرل گارڈن نے دیکھا کہ ممدی کے جھنڈے گورنمنٹ ہاؤس (گورنر کی کوٹھی) کے ارد گرد بلند ہو رہے ہیں اور ہزاروں آدمیوں کا جھوم ہے لیکن کوٹھی کے اندر داخل ہونے کی کسی میں جرات نہ تھی۔ کیونکہ انہیں خوف تھا کہ کہیں کوٹھی میں سرنگ نہ لگ رہی ہو تھوڑی دیر میں چار آدمی جو نہایت قوی ٹیکل تھے کوٹھی میں گھس آئے اور بہت سے دوسرے آدمی بھی ان کے پیچھے

داخل ہوئے۔ جو اشخاص بعد میں داخل ہوئے وہ چھت پر چڑھ گئے اور سپرہ کے تمام سپاہیوں کو قتل کر ڈالا۔ چار آدمی جو پہلے داخل ہوئے تھے انہوں نے جنرل گارڈن کی طرف رخ کیا۔ قریب پہنچ کر ان میں سے ایک نے کہا۔ ملعون الیوم یومک (اے ملعون! آج تیری ہلاکت کا وقت آپہنچا) یہ کہہ کر جنرل گارڈن کے نیزہ مارا۔ گارڈن نے داہنے ہاتھ سے روکنا چاہا اور پیٹھ پھیر لی۔ اس نے دوسرا وار کیا جس سے ایک مملوک زخم آیا اور جنرل مذکور زمین پر گر پڑا۔ پھر اس کے ساتھیوں نے تلواروں سے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر سلا تین پاشا کو جاد کھایا جو ممدی کی قید میں تھا۔ سلا تین پاشا کا بیان ہے کہ 26 جنوری کی صبح کو میں نہایت بے چین تھا اور اس انتظار میں تھا۔ کہ دیکھوں پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ اس اثناء میں خوشی کے نعرے بلند ہوئے اور فتح کے شادیاں بجنے لگے میرے محافظوں میں سے ایک سپاہی خبر لانے کو دوڑا گیا جس نے چند منٹ میں واپس آکر بیان کیا کہ گذشتہ شب کو حضرت ممدی علیہ السلام نے خرطوم فتح کر لیا ہے۔ تھوڑی دیر میں تین سیاہ پوش سوڈانی میری طرف آئے۔ یہ سپاہی میرے خیے کے قریب آٹھرے اور میری طرف گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ ان کے پاس کپڑے میں کوئی چیز لپی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ انہوں نے پٹا اُٹھول دیا اور جنرل گارڈن کا سر مجھ کو دکھایا۔ یہ وحشت ناک منظر دیکھ کر میرا دماغ کھولنے اور کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ قریب تھا کہ میرے قلب کی حرکت بند ہو جائے مگر میں انتہائی ضبط و تحمل کے ساتھ چپ چاپ دیکھنے لگا۔ ایک سوڈانی نے گارڈن کا چہرہ میری طرف کر کے کہا کہ یہ تیرے بچا کا سر ہے جو حضرت ممدی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ میں نے جواب دیا کہ وہ بہادر جرنیل بہت خوش نصیب تھا جس کی موت کے ساتھ اس کے مصائب کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ سوڈانی کہنے لگا وہ خوب اب بھی تم اس ملعون کی تعریف کرتے ہو؟ تم بہت جلدی اپنی شکاوت کا خلیازہ بھگتو گے۔ یہ کہہ کر وہ گارڈن کا سر لئے ہوئے وہاں سے ممدی کے پاس چلے گئے۔ جنرل گارڈن کے قتل سے انگلستان کے سیاسی مطلع پر اداسی اور غم کا ہر چھا گیا۔ اور ہر شخص گورنمنٹ کو اس بات کا طرم قرار دیتا تھا کہ اس نے امدادی مہم کے سمجھنے میں لیت و لعل سے کام لیا۔ گورنمنٹ نے سر چارلس ولسن سے وجہ تاخیر کے متعلق جواب طلب کیا۔ سر چارلس نے جواب دیا کہ جب جہاز 21 جنوری کو غنات کے مقام پر پہنچے تو میری فوج متمہ میں غنیم کے ساتھ معروف پیکار خشی اور کثرت اموات کی وجہ سے فوج بہت کمزور ہو گئی تھی۔ علاوہ بریں یہ خبر پہنچی تھی کہ ممدی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ ام درمان سے آ رہا ہے۔ ایسی حالت میں اس بات کا اطمینان کئے بغیر روانہ نہ ہو سکا کہ انگریزی فوج مقابلہ کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں؟ مزید براں اگر میں 22 جنوری کو غنات سے روانہ ہو جاتا تو بھی 26 جنوری کی دوپہر سے پہلے ہر گز نہ پہنچ سکتا۔ اور اس سے پیشتر خرطوم پر ممدی کا قبضہ ہونے کے بعد جرنیل گارڈن قتل کیا جا چکا تھا۔

جرنیل ارل کی ہلاکت

امدادی مہم کا جو حصہ کورٹی سے براہ نیل خرطوم کو روانہ ہوا تھا اس سے کریمکان کے مقام پر ایک معرکہ ہوا جس میں جنرل ارل مارا گیا۔ جس وقت لارڈ ولزلی نے تسخیر خرطوم اور جنرل گارڈن اور جنرل ارل کے مارے جانے کی خبریں سنیں تو بعض انگریزی فوجوں کو واپسی کا حکم بھیج دیا اور بربر پہنچنے کے تمام تر ارادے فسخ کر دیئے اور حکومت انگلستان سے اس کے آئندہ ارادوں کے متعلق خط و کتابت شروع کی۔ آخر فیصلہ ہوا کہ مہدی کی مزید ترقی کو روکنے کے لیے بربر پر قبضہ کیا جائے۔ غرض اس مہم کے لیے تیرہ ہزار فوج جن میں چار ہندوستانی پلٹنیں ایک ہندوستانی رسالہ اور آسٹریلیا کی ایک پلٹن بھی شامل تھی مع کثیر التعداد اونٹوں کے تیار کئے گئے اور جنرل جبرلڈ گریہم کے زیرِ کمان یہ مہم روانہ ہوئی۔ ان میں سے ہندوستانی فوج جنرل ہڈسن کے ماتحت تھی۔ 12 مارچ 1885ء کو جنرل گریہم نے سواکن پہنچ کر اس انگریزی فوج کی کمان لی جو وہاں پڑی تھی۔ اس فوج میں پانچ سوانسر، سوا دس ہزار سپاہی، پونے سات ہزار گھوڑے، پونے تین ہزار اونٹ، آٹھ سو خیر اور پونے تین ہزار خدمت گار اور ٹھیکہ داروں کے آدمی تھے۔ جنرل گریہم کو ہدایت کی گئی تھی کہ سب سے مقدم اور اہم کام عثمان دغہ کا خاتمہ کر کے جنگل کو ریل کے لیے صاف اور بے خطر بنانا ہے۔ اس کے بعد نہایت مستعدی سے ریل کی لائن تیار کی جائے۔ 20 مارچ کو جنرل گریہم دس ہزار سپاہ کے ساتھ ہاشین کو روانہ ہوا جو سواکن کے قریب ہے یہاں مہدی کے لشکر سے ایک معرکہ ہوا۔ نتیجہ کے لحاظ سے یہ لڑائی بھی انگریزوں کے حق میں مضر ہوئی۔ اس محاربہ سے پیروان مہدی کی بہادری کا تازہ ثبوت ملتا تھا کیونکہ جس وقت ہندوستانی پلٹن بنگال لیسنر نے حملہ کیا مہدی کے پیدل آدمی بلا لحاظ اس امر کے کہ ان کے مقابل سوار ہیں اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح شیر شکار پر جھپٹتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے معرکہ میں مہدی کے صرف ڈیڑھ سو آدمیوں نے انگریزوں کے پورے بریڈ پر حملہ کر کے اس کو نہایت کامیابی کے ساتھ پسپا کر دیا۔ اب جنرل گریہم نے سر جان میک نیل کے ماتحت کچھ فوج سواکن اور تمامی کے مابین فوجی کیمپ تیار کرنے کے لیے بھیجی۔ کیمپ کی حفاظت کے لیے چاروں طرف لکڑیوں کا ایک احاطہ تیار کیا گیا۔ مگر ابھی احاطہ کا تھوڑا حصہ ہی تیار ہوا تھا کہ فوجی محافظوں نے یک یک یہ خبر دی کہ مہدی کا لشکر آ رہا ہے۔ یہ سن کر انگریزی لشکر میں سخت ابتری اور ہراسمعی پھیل گئی۔ انگریزی فوج کو سخت نقصان اٹھانا پڑا بلکہ جو آدمی میدان جنگ سے بھاگ کر سواکن پہنچے انہوں نے تو یہ مشہور کر دیا کہ انگریزی فوج بالکل تباہ ہو گئی ہے۔

سرجان میک نیل کی ہزیمت، سار اسوڈان مہدی کے علم اقبال میں

13 اپریل کو جنرل گریم اعلیٰ درجہ کی آٹھ ہزار انگریزی فوج لے کر تمانی کی طرف بڑھا مگر وہ عثمان وغنہ کا کیمپ جلائے کے سوا کچھ نہ کر سکا اور گوانتائی کوشش کی گئی اور فوج کی تعداد بڑھانے کی غرض سے باربر داری کی دقتیں بھی رفع کی گئیں اور سرجان میک نیل کو بھی سخت نقصان اٹھانا پڑا مگر نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ نکلا کہ انگریزی سپاہ ایک چھوٹے سے گاؤں کو جلا کر واپس آ گئی۔ کیونکہ قتل آب کی وجہ سے آگے بڑھ کر حملہ کرنا ناممکن تھا۔ غرض سرجان میک نیل کی ہزیمت اور جد کی ناکامیوں سے انگریز افسروں کے دل چھوٹ گئے اور مہم سواکن اور توسیع ریلوے کی داستان یسین پر ختم ہو گئی۔ عثمان وغنہ اس بلا کا آدمی تھا کہ اس پر قابو پانا کوئی خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ انگریز جتنی ریلوے لائن اور تار کے کھمبے تیار کرتے وہ تباہ کر جاتا۔ بالجلہ اس مہم کے افسر اعلیٰ جنرل گریم کو سوائے ندامت و شرمساری کے کچھ حاصل نہ ہوا چنانچہ اسی ناکامی کی وجہ سے لارڈ لٹل نے خود سواکن پہنچ کر مہم کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ لیکن اس اثنا میں حکومت برطانیہ نے مہم سواکن کی ناکامی سے سبق آموز ہو کر مجوزہ سواکن بربر ریلوے کی تیاری کا ارادہ فسخ کر دیا اور حکم دیا کہ ریلوے لائن کا سار اسمان انگلستان پہنچ دیا جائے اور فوج بھی سواکن سے واپس آجائے اس لیے ریلوے کا کام بند کر دیا گیا اور تمام فوج واپس بلائی گئی۔ جس وقت اس فوج کے سامان کی آخری گاڑی روانہ ہوئی عثمان وغنہ کے آدمیوں نے اس کا تعاقب کیا اور ازراہ تحقیر اس کے طرف چند فائر کر کے انگریزی مہم کو خیر باد کہا۔ اس نیرنگ ساز قدرت کی کرشمہ سازیاں دیکھو کہ وہ مغرور و پر شکوہ سلطنت برطانیہ جس کی فوجی طاقت اور جنگی حکمت عملیوں کا لوہا ساری دنیا مانتی ہے۔ اس قدر صرف اور نقصان کے پیدا ہو جو مہدی کے مقابلہ میں متواتر ہزیمتیں اٹھا کر کس طرح سوڈان خالی کرنے پر مجبور ہوئی؟ حالانکہ مہدی کے پیروؤں کو نہ تو کافی سامان جنگ اور اسلحہ میسر تھے اور نہ ان کے پاس توپیں تھیں مگر محض محاربات میں انہوں نے ہندو قیس بھی استعمال کیے لیکن وہ عموماً تلواروں اور نیزوں ہی سے لڑتے رہے اور انہی سے انگلستان، مصر، ہندوستان اور آسٹریلیا کی بہترین قواعد دان اور تربیت یافتہ فوجوں کے چٹکے چمڑا دیئے اور ہزیمت یافتہ وہ فوجیں تھیں جن کے پاس اعلیٰ درجہ کا سامان حرب تھا اور انہیں یورپ کے ماہر ترین جرنیل لڑا رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک طرف تمام دنیا کا مادی سامان جمع تھا تو دوسری طرف محض توکل علی اللہ اور جوش ایمانی کے ہتھیار تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ اگر قائد ازل رہنمائی کرے اور خلوص نیت کا ساز ہو تو مادیت روحانیت پر کبھی غالب نہیں آسکتی مہدی کی سلطنت چار سو میل تک بحر قزقم کے کنارے پر پھیلی ہوئی تھی اور اندروں ملک میں بھی اس کا علاقہ ایک طرف تو سرحد حبشہ (ابی سینیا) تک پہنچ گیا تھا اور مغرب کی جانب میدان صحرا احد

افاصل تھا پس یوں سمجھنا چاہیے کہ واوی نیل ایک ہزار میل سے زیادہ حکومت مصر سے آزاد ہو گئی اور انگلستان اور مصر کی متحدہ حربی جدوجہد بے نوا فقراء کے مقابلہ میں ناکام ثابت ہوئی۔ جب سوڈان کے صدر مقام خرطوم پر عمل و دخل ہو جانے کے بعد سوڈان کی ساری مملکت محمد احمد کے زیرِ تسلیم ہو گئی تو اس کی عظمت و سطوت کا ڈنک چار دانگ عالم میں بجنے لگا۔ اب محمد احمد واریہ نشین محمد احمد نہ تھا۔ جو جزیرہ لباً میں شب و روز ذکر الہی میں مصروف رہتا تھا اور ہزار با مخلوق اس کا وعظ سننے آیا کرتی تھی اور فقر و فاقہ میں گزر بسر کرتا تھا بلکہ اب فقر کے ساتھ بادشاہت بھی جمع ہو گئی تھی۔ اب ممدی پر وہ زمانہ نہ تھا کہ حکومت مصر یا گورنمنٹ برطانیہ اسے باغی کا خطاب دے سکتی بلکہ اب وہ برطانیہ کی ملکہ و کٹوریہ کا ہمسر و قریب خیال کیا جاتا تھا اور دولِ یورپ اسے نہایت قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتی تھیں۔

تعلیمات

محمد احمد تختِ سلطنت حاصل کرنے کے بعد بھی شعائرِ الہی کا ویسا ہی پاس و لحاظ کرتا تھا جیسا کہ وہ اپنے آغازِ گوشہ نشینی میں کرتا تھا۔ احکامِ خداوندی کی پابندی میں بڑا سخت گیر تھا۔ شراب خوار کو درے لگواتا، چوروں کے ہاتھ کٹواتا اور زانی پر بھی حد شرع جاری کرتا۔ رمضان المبارک کا اتنا احترام کرتا تھا کہ بے عذر روزہ نہ رکھنے کی سزا اس نے موت مقرر کر رکھی تھی۔ ان تعزیرات کی برکت سے چند ہی روز کے اندر ہر قسم کے فسق و فجور بد معاشی و بدیانتی کا قلع قمع ہو گیا۔ اس کے انصاف کا ایسا ڈنکہ جاک کہ کوئی شخص بیدا، غصب و بدیانتی میں مبادرت نہ کر سکتا تھا۔ مسجدیں مصلیوں سے معمور تھیں ہر طرف قال اللہ و قال الرسول کے چرچے تھے۔ جب محمد احمد کہیں جاتا تو لوگ اس کی زیارت کے لیے دیوانہ وار اٹھ دوڑتے تھے۔ بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے ممدی کو سینکڑوں مرتبہ پہلے دیکھا ہو گا لیکن ان کا اعتقاد و اشتیاق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ ممدی کا رخ زیبا دیکھنے سے کبھی سیر نہ ہوتے تھے اور عموماً اس محرابِ مسجد کے قریب پہنچنے کے لیے آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے جس میں وہ نماز پڑھتا تھا۔ ہزار ہا انسانوں کا شور ظاہر کر دیتا تھا کہ اب ممدی کے مسجد میں آنے کا وقت قریب ہے۔ محمد احمد کے مذہبی احکام و تعلیمات کا بیشتر حصہ نظامِ حکومت اور فرمانِ شاہانہ کے زیرِ عنوان اوپر درج ہو چکا ہے۔ مزید تعلیمات و رجحانات ملاحظہ ہوں۔

خلاصہ تعلیمات

محمد احمد کے مسلک کا ایک بڑا حصہ اس کے منشور میں آچکا ہے۔ اس کی تعلیمات کا لب

لباب ترک دنیا اور لذات دنیوی سے اجتناب تھا۔ اس نے ہر قسم کے القاب بر طرف کر دیئے۔ مالدار اور غریب کو مساوی کر دیا اور حکم دیا کہ میرے تمام پیرو لباس میں یک رنگی اختیار کریں تاکہ دوسروں سے امتیاز کرنے میں سہولت رہے اس کا مرید خواہ امیر ہو یا غریب ایسا جبہ پہنتا تھا جس میں پونہ لگے ہوتے تھے۔ اس نے چاروں مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کو جمع کر دیا۔ فردعی اختلافات کی صورت میں تطبیق کی کوشش کی جاتی تھی اور قدر مشترک کو لے لیا جاتا تھا نماز صبح اور عصر کے بعد ہر روز قرآن کی چند مخصوص آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں۔ اس عمل کو ”راتب“ کہتے تھے۔ وضو میں کسی قدر سہولت و تحفیف کر دی۔ میہ شادی کی تقریب میں رات اور ہر قسم کے اجتماع کی ممانعت کی اور حکم دیا کہ شادی کے موقع پر لوگوں کو کھانے کی دعوت نہ دی جائے۔ مہر کی مقدار بھی مقرر کر دی۔ باکرہ کا مہر دس ریاں یا اس کا بدل مقرر کیا۔ شیبہ کا اس سے نصف ٹھہرایا حکم کی خلاف ورزی کرنے والا سزا کا مستحق تھا ولیمہ کا کھانا پکانے کی بھی ممانعت کی۔ اور جو کوئی اس کا مرتکب ہوتا اس کے کوڑے لگائے جاتے تھے اور اس کا مال و متاع ضبط کر لیا جاتا تھا۔ حج کعبہ کی ممانعت کر دی اور یہ ممانعت اس بنا پر تھی ہو کہ مبادا سوڈان کے باہر کے لوگوں سے اس کے پیروؤں کا غلاما اس کی تعلیمات اور اس کے مسلک پر اثر انداز ہو۔ جو کوئی اس کے مہدی موعود ہونے کا انکار کرتا یا شک و شبہ کا اظہار کرتا اس کا واہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جاتا۔ فرد جرم عائد کرنے کے لیے دو گواہوں کی شہادت کافی تھی اور بعض دفعہ مہدی کا یہ کہہ دینا ہی کافی تھا کہ مجھے یہ بات بذریعہ وحی معلوم ہو چکی ہے۔ محمد احمد نے ان تمام کتب کو نذر آتش کر دیا جو اس کی تعلیمات کے مخالف خیال کی گئیں۔ اس سے معلوم ہو گا کہ جہاں اس کی ذات اور اس کی تعلیمات میں بیسیوں خوبیاں تھیں وہیں مصائب و بدعات بھی موجود تھے۔ خصوصاً حج بیت اللہ سے روکنا بہت بڑی گمراہی تھی اگر یہ اتنا عجب کے انکار پر مبنی تھا تو محمد احمد اپنی امت سمیت دائرہ اسلام سے خارج تھا۔

حرمین اور بیت المقدس پر عمل و دخل کرنے کا خواب پریشان

جب خرطوم فتح ہو گیا اور انگریزی فوجیں سوڈان خالی کر کے مصر چلی آئیں تو ان لوگوں کو بھی محمد احمد کے مہدی موعود ہونے کا یقین ہو گیا جو اب تک مذہب تھے کیونکہ محمد احمد کے مذہبی شغف کے ساتھ یہ حقیقت بھی ان کے پیش نظر تھی کہ اس نے کسی ایسے میدان جنگ میں شرکت نہیں کی جس میں وہ غالب نہ رہا ہو اور کسی ایسے شہر کا محاصرہ نہیں کیا جسے فتح نہ کیا ہو۔ جرجی زیدان

نے لکھا ہے کہ جب وہ سوڈان کا ملازم امت حکمران ہو گیا تو وہ یمنیس مارنے لگا۔ کہ میں جو کچھ کرتا ہوں وحی الہی کے حکم سے کرتا ہوں اور کتا تھا کہ عنقریب مشرق و مغرب میں میری حکومت و سطوت پھیل جائے گی اور روئے زمین کے ملک و سلاطین میرے سامنے اظہارِ بجز و نیاز مندی کریں گے۔ اس نے یہ بھی کہہ رکھا تھا کہ میں عنقریب مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور بیت المقدس کو فتح کروں گا۔ پھر کوفہ جاؤں گا۔ اس وقت میرا پانچاںہ حیات لبریز ہو جائے گا اور کوفہ میرا مدفن بنے گا۔ لیکن اس کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔ فتح خرطوم کے چند ہی ماہ بعد وہ بخاریا چپک میں مبتلا ہوا اور 21 جون 1885ء کو ملک عدم کی رواجی کے لیے اس کے پاس اجل کا حکم آپنچا۔ اس وقت اس کی عمر حکم 37 سال کی تھی۔ وفات کے وقت اس کے تینوں خلفاء اور تمام اعیان دولت موجود تھے۔ جب محمد احمد کو یقین ہوا کہ اب دنیا سے کوچ ہے تو حاضرین کو پست آواز میں کہنے لگا کہ پیغمبر خدا ﷺ نے امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور میں عبد اللہ کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ جس طرح میری اطاعت کی تھی اسی طرح تمام لوگ عبد اللہ کی اطاعت کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے جان شیریں جہان آفرین کے سپرد کر دی۔ اس واقعہ سے شہر میں کھرام مچ گیا اور لوگ چیخنے چلانے لگے۔ عبد اللہ نے لوگوں کو نالہ و ہکا سے منع کیا۔ اور کہا شریعت مطہرہ نے میت پر رونے کی ممانعت فرمائی ہے اور رونے کی درحقیقت کوئی بات بھی نہیں کیونکہ حضرت مہدی علیہ السلام تو اپنی مرضی اور خوشی سے اپنے مولیٰ کی دید کے لیے دار دنیا سے چلے گئے ہیں۔ ہزار ہا آدمی تجہیز و تکفین کے لیے جمع ہو گئے۔ محمد احمد کے ایک قراحت دار احمد بن سلیمان نے اسی پلنگ کے نیچے قبر کھدوائی جس پر اس نے اپنی عزیز جان ملک الموت کے سپرد کی تھی۔ مہدی کا مقبرہ ام درمان کی بہترین سنگین عمارت ہے مگر انگریزی گولہ باری سے بہت کچھ شکستہ اور بد نما ہو گیا ہے۔ اس کا سنگ بنیاد خلیفہ عبد اللہ کے ہاتھ سے رکھا گیا تھا۔ پھر خرطوم سے لا کر دریائے نیل کے کنارے جمع کئے گئے تھے اس موقع پر قریباً تیس ہزار آدمی کی بھیڑ بھاڑ تھی خلیفہ اس انبوه کثیر کے ساتھ نیل کے کنارے گیا جہاں پتھروں کے ڈھیر لگے تھے۔ پہلے خلیفہ ایک پتھر مونڈھے پر اٹھا کر قبر کے پاس لایا اس مثال کی پیروی کرتے ہوئے ہر شخص تہہ کا ایک ایک پتھر اٹھالانے کے لیے اٹھ دوڑا۔ اس افراتفری میں بہت لوگ زخمی ہوئے لیکن بجز و حین نے اس تقریب میں صدمہ برداشت کرنے کو اپنی سعادت سمجھا۔ مہدی نے اپنے خلیفہ کو وصیت کی تھی کہ جس طرح جن پڑے انگریزوں کو مصر سے نکال دینا۔ چنانچہ خلیفہ اپنے مخدوم و مطاع کے حکم کے بموجب دوسرے تہہ مصر پر حملہ آور ہوا لیکن دونوں مرتبہ ناکام واپس جانا پڑا۔ مہدی کی وفات کے چودہ سال بعد یعنی 1899ء تک انگریزی مصری افواج سے خلیفہ کی کئی لڑائیاں ہوئیں۔ جن کا نتیجہ خلیفہ کے حق میں نہایت نقصان دہ ثابت ہوا۔ ان محاربات کی وجہ سے اس کی قوت دن بدن روز و بال ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ انجام کار لارڈ کچر نے سوڈان کو دوبارہ فتح کر کے وہاں انگریزی مصری پرچم بلند کر دیا

محمد احمد کی مہدویت کے انکار کی سزا

محمد احمد کی زندگی میں اس کی خانہ ساز مہدویت کے انکار کی سزا ایسی سنگین نہیں تھی جتنی کہ خلیفہ عبد اللہ کے عہد سلطنت میں ہو گئی۔ عبد اللہ کی عملداری میں مہدویت کا انکار اور قتلِ عمد دونوں مساوی جرم تھے۔ بلکہ مہدویت کا انکار ایک حیثیت سے قتلِ عمد سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ کیونکہ اگر قاتل مقتول کے ورثاء کو خونِ بھادے کر راضی کر لیتا تھا تو قاتل کی جان بخشی کر دی جاتی تھی لیکن محمد احمد کی مہدویت کا انکار بالکل ناقابلِ عفو جرم خیال کیا جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مسلمان ملاح نے دار الخلافہ ام درمان میں کسی درویش کے سامنے کہہ دیا کہ محمد احمد سچا مہدی نہیں تھا کیونکہ سچے مہدی علیہ السلام کے جو علامات و خصائص احادیثِ نبویہ میں مروی ہیں وہ اس میں نہیں پائے جاتے تھے۔ درویش نے خلیفہ کے پاس جا کر اس کی شکایت کر دی۔ ملزم جھٹ گرتا کر کے زندانِ بلا میں ڈال دیا گیا۔ لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ واقعہ کا گواہ صرف ایک تھا جس کے بیان پر سزا نہیں دی جاسکتی تھی۔ خلیفہ عبد اللہ نے قاضی کو بلا کر واقعہ بیان کیا اور پوچھنے لگا کہ شاید نہ ہونے کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ قاضی نے کہا۔ میں شہادت کا انتظام کر لیتا ہوں۔ چنانچہ قاضی نے دو آدمی سکھا پڑھا کر قید خانہ میں بھیج دیئے وہ جا کر ملزم سے کہنے لگے کہ تمہارے انکار کے گواہ موجود ہیں اور تم کسی طرح سزا سے نہیں بچ سکتے۔ ہاں اس صورت سے مخلصی پا سکتے ہو کہ ہمارے سامنے صاف لفظوں میں اپنے جرم کا اقرار کر لو۔ اور اپنی حرکتِ شیعہ پر اظہارِ افسوس کرو۔ وہ بچارہ نہیں جانتا تھا کہ یہ محض اس کے چھانسنے کا جال ہے اس نے ان کے سامنے اقبالِ جرم کر لیا اور پھر بعینت کہنے لگا کہ جا کر میرے لیے خلیفہ سے معافی مانگو اور جرمِ خشعی کرادو۔ جب شہادت مکمل ہو گئی تو خلیفہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ خلیفہ نے ملزم سے کہا کہ اگر تم نے میری توجہن کی ہوتی تو میں معاف کر دیتا مگر تم نے حضرت مہدی علیہ السلام کو جھوٹا خیال کیا اس لیے تمہیں کسی طرف معاف نہیں کیا جاسکتا۔ اب ٹہل جئے لگا اور اعلان کیا گیا کہ سب لوگ میدان میں آکر منکر مہدی کا عبرت ناک انجام دیکھ لیں۔ تمام اہل شہر میدان میں امنڈ آئے۔ اس کے بعد بھیڑ کی کھال زمین پر چھائی گئی۔ عبد اللہ اس پر بیٹھ گیا۔ قاضی بھی آگئے۔ اب ملزم کو لا کر عبد اللہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے تھے لیکن ملزم بالکل مطمئن تھا اور اس سے خوف و ہراس کی کوئی ادنیٰ علامت بھی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ آخر اسے خلیفہ کے سامنے سے ہٹا کر سو قدم کے فاصلہ پر لے گئے اور احمد والیہ نام جلاد نے اس کی گردن مار دی۔ 133ھ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ خدا شہید مظلوم پر اپنی رحمت کا یمنہ برسائے۔ آمین

لاش سے انتقام جوئی

بیان کیا جاتا ہے کہ لارڈ کچر فاتح سوڈان نے تسخیرِ ام درمان کے بعد مہدی کی قبر اور لاش

سے اور مہدی کے مجروح پیروؤں سے نہایت وحشیانہ انتقام لیا۔ محمد احمد کا مقبرہ جو ایک نہایت قیمتی سنگین عمارت تھی اور تمام براعظم افریقہ میں اعلیٰ درجہ کی عمارتوں میں شمار ہوتی تھی توپوں سے اڑایا گیا۔ اس کے مرتفع گنبد پر گولہ باری کی گئی۔ چار دیواری آتش باری کی نذر کی گئی۔ قبر کھدوا کر مہدی کی نعش سے جزل گارڈن کے خون کا انتقام لیا گیا اور سر کاٹ کر جزل گارڈن کے بچے کو دیا گیا جو اس وقت انگریزی فوج میں افسر تھا۔ اور مہدی کی نعش ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریائے نیل میں پھینک دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر لارڈ کچر کی جگہ دنیا کا کوئی اور بیمار اور بیمار کا قدر شناس سپہ سالار ہوتا تو وہ مہدی جیسے متہور و شجاع آدمی کی قبر پر جو خاک مذلت سے اٹھ کر آنا فانا سارے ملک کا فرمانروائی کیا تھا زرد و جواہر نچھاور کر تا اور اس کے سامنے ادب و تعظیم سے جھک جاتا لیکن برطانیہ کے سب سے ممتاز قائد نے اپنی شجاعت و جوانمردی کا یہ ثبوت پیش کیا کہ جس شخص کی زندگی میں اس پر کوئی بس نہ چلا تھا اس کی وفات کے بعد اس کی لاش سے انتقام لے کر کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جرم ناآشنا باشندگان ام درمان سے قرآن مقدس اور تمام دوسری کتابیں چھین لی گئیں اور متواتر تین دن تک شہر میں قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ مہدی کا دفیہ جو وامن کوہ میں تھا اور اس میں قریباً تیس لاکھ روپیہ نقد جمع تھا نکال لیا گیا اور کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو غریب سوڈانیوں پر توڑا نہ گیا ہو۔ اس طرح ”کنٹمپوری ریویو“ کے فوجی نامہ نگار مسٹر ای این بیینیٹ کے بیان کے بموجب سینکڑوں ہزاروں زخمی میدان جنگ میں پڑے رہے اور مرہم پٹی کر کے ان کی جان بچانے کی کوشش نہ کی گئی اور نہ صرف یہ بلکہ ایک سو بیس لیسرز پلٹن کی ایک کمپنی کو حکم دیا گیا کہ تمام مہدوی زخمی جو رستہ میں ملیں موت کے گھاٹ اتار دیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور ان تمام مجروح درویشوں کو جو زمین پر پڑے کر اہر ہے تھے بر چھوں، ٹکڑوں اور دوسرے ہتھیاروں سے باز زندگی سے سبکدوش کیا گیا۔ 134۔ لیکن اگر درندگی و بربریت کے یہ الزام صحیح ہیں تو میرے نزدیک یہ لارڈ کچر کا ذاتی فعل تھا۔ برطانوی حکومت اور انگریزی قوم اس کی کسی طرح جواب دہ نہیں ٹھہر سکتی۔ چنانچہ لارڈ کچر کی مراجعت لندن کے بعد خود انگریزی قوم کے حساس افراد نے لارڈ کچر پر نہایت سختی سے اعتراض کئے تھے اور کچر نے ان کے جواب دے کر اپنی براءت کی کوشش کی تھی چنانچہ سر جارج آر تھر کتاب ”لائف آف لارڈ کچر“ میں لکھتے ہیں کہ انگلستان میں نام نہاد ”ہمدردان بنی نوع“ نے لارڈ کچر پر الزام لگائے کہ اس نے سواکن اور ام درمان میں لوگوں پر ظلم توڑے اور سخت گیری کی۔ بڑے بڑے الزامات یہ تھے کہ اس نے اختتام جنگ کے بعد زخمی درویشوں کو قتل کر لیا۔ مہدی کی قبر کو مسمار کیا اور اس کی ہڈیوں کو نکال لیا۔ لارڈ کچر نے ان الزامات کے جواب میں ایک اعلان شائع کیا جس میں لکھا کہ مجھ پر یہ الزام عائد کئے گئے ہیں۔

(1) میرے زیر فرمان برطانوی، مصری اور سوڈانی فوجوں نے زخمی درویشوں کو قتل کیا اور

ایسے وقت میں غیر مسلح درویشوں کی جان لی جب کہ ان کو نقصان پہنچانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

(2) ام درمان پر قبضہ ہو جانے کے بعد وہاں تین دن تک لوٹ مار جاری رکھی گئی۔

(3) جب فوجیں حیزی کے ساتھ ام درمان کی طرف بڑھ رہی تھیں تو جنگی جہازوں نے بازاروں کے پناہ گیر مجنحوں پر آتشباری کی۔

(4) مہدی کی لاش اکھیری گئی۔

لیکن یہ تمام الزامات غلط ہیں۔ اس کے بعد کچھ نے لارڈ سالسبری کو لکھ بھیجا کہ جنگ ام درمان کے بعد میں نے سیاسی مصالح کی بنا پر یہی مناسب خیال کیا کہ مہدی کا مقبرہ جو زیارت اور مجنوناںہ جذبات کا مرکز ہے تباہ کر دیا جائے۔ خود گولہ باری کی وجہ سے مقبرہ اس خطرناک حالت میں تھا کہ اگر اسے اسی حالت میں چھوڑ دیا جاتا تو اس سے نقصان جان کا اندیشہ تھا۔ ان وجوہ کی بناء پر ام درمان سے فساد جاتے وقت مقبرہ کو تباہ کر دینے کا حکم دیا گیا۔ یہ کام میری غیبت میں انجام پذیر ہوا۔ مہدی کی ہڈیاں دریائے نیل میں پھینک دی گئیں۔ البتہ انہوں نے کھوپڑی کو محفوظ رکھ چھوڑا جو میری مراجعت پر میرے سامنے پیش کی گئی۔ اس کے بعد لارڈ کچھ نے لکھا کہ تسخیر ام درمان کے بعد مجھے مصری افواج کے مسلمان افسروں نے مشورہ دیا تھا کہ مہدی کی لاش کو قتل کر دینا مناسب ہے کیونکہ ایسا نہ کیا گیا تو سوڈانی جلاء سمجھیں گے کہ مہدی کے تقدس نے ہمیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس کے بعد لارڈ کچھ نے لکھا۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان جو اس ملک (انگلستان) میں رہتا ہے اس اقدام سے غیر مطمئن نہ ہوگا کہ ہم نے مہدی کی ساری طاقت کچلنے کے ساتھ اس کے مذہب کو بھی بے وزن سے اکھاڑ دیا۔ 135۔ لارڈ کچھ کا یہ فعل محمود تھایانہ موم مگر خدائے قاہر کی قدرت قبرمان نے بہر حال اس کا خوب انتقام لیا۔ مہدی سوڈانی تو چودہ سال تک ایک گنبد عالی کے نیچے دفن رہنے کے بعد سپرد نیل ہوا تھا لیکن کچھ کو ایک منٹ کے لیے بھی مادر گور کی آغوش میں استراحت کرنا نصیب نہ ہوا۔ اگر محمد احمد کی ہڈیاں دریائے نیل میں جس کا پانی شیریں و خوشگوار ہے ڈالی گئیں تو کچھ کی لاش تلخ پانی کی نذر ہوئی۔ 136۔ کچھ کی غرقابی کے وقت مہدی سوڈانی کی روح نے کچھ سے جو خطاب کیا اس کو علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی زبان سے سنئے۔ ”جاوید نامہ“ میں لکھتے ہیں۔

گفت اے کچھ اگر داری نظر

انتقام خاک درویشے مگر

آسمان خاک ترا گورے نہ داد

مرقدے جز دریم شورے نہ داد

مرزا غلام احمد قادیانی

مرزا غلام احمد بن حکیم غلام مرتضیٰ موضع قادیاں تحصیل بنالہ ضلع گورداسپور (پنجاب) کا رہنے والا تھا۔ مغل خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ 1839ء یا 1840ء میں پیدا ہوا۔ میں پیشتر ”رئیس قادیاں“ کے نام سے ایک مبسوط کتاب مرزا غلام احمد کے سوانح حیات میں لکھ چکا ہوں اس لیے یہاں ایجاز و اختصار سے کام لیکر اجمالی تذکرہ پر اکتفا کروں گا۔

اس شخص کے دعوؤں کی کثرت و تنوع کا یہ عالم ہے کہ ان کا استقصاء اگر دوسروں کے لیے نہیں تو کم از کم میرے لیے بالکل محال ہے تاہم سطحی نظر سے قادیانی کے جو دعوئے اس کی کتابوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی تعداد چھپاسی تک پہنچتی ہے۔ میں نے دو ایک دعوئے جو سب سے زیادہ دلچسپ تھے۔ اس خیال سے قلم انداز کر دیئے کہ مبادا خلیفہ المسیح میاں محمود احمد صاحب کی خاطر اطہر پرگراں گزریں۔ باقی چوراسی دعوئے ہدیہ ناظرین ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ”میں محدث ہوں، امام الزمان ہوں مجدد ہوں مثیل مسیح“ ہوں، مریم ہوں، مسیح، موعود ہوں، ملہم ہوں۔ خاتم الاولیاء ہوں۔ حامل وحی ہوں۔ مہدی ہوں۔ حارث موعود ہوں۔ رحل فارسی ہوں۔ سلمان ہوں۔ چینی الاصل موعود ہوں۔ خاتم الانبیاء ہوں۔ خاتم الخلفاء ہوں۔ حسین سے بہتر ہوں۔ حسین سے افضل ہوں۔ مسیح، ابن مریم سے بہتر ہوں۔ یسوع کا بیٹا ہوں۔ رسول ہوں، منظر خدا ہوں۔ خدا ہوں، مانند خدا ہوں، خالق ہوں، نطفہ خدا ہوں۔ خدا کا بیٹا ہوں، خدا کا باپ ہوں۔ خدا مجھ سے ظاہر ہوا اور میں خدا سے ظاہر ہوا ہوں۔ تشریفی نبی ہوں۔ آدم ہوں، شیث ہوں، نوح ہوں، ابراہیم ہوں، اسحاق ہوں، اسماعیل ہوں، یعقوب ہوں، یوسف ہوں، موسیٰ ہوں، داؤد ہوں، عیسیٰ ہوں۔ آنحضرت ﷺ کا منظر اتم ہوں۔ منجی ہوں، ظلی طور پر محمد (ﷺ) اور احمد ہوں۔ موتی ہوں، حجر اسود ہوں۔ تمام انبیاء سے افضل ہوں، ذوالقرنین ہوں، احمد مختار ہوں، بشارت اسمہ احمد (ﷺ) کا مصداق ہوں۔ میکائیل ہوں۔ بیت اللہ ہوں۔ ردر گوپال یعنی آریوں کا بادشاہ ہوں۔ کلہی اوتار ہوں، شیر ہوں۔ شمس ہوں، قمر ہوں، مہی ہوں، ممیت ہوں۔ صاحب اختیارات کن فیکون ہوں۔ کاسر الصلیب ہوں، امن کا شاہزادہ ہوں۔ جری اللہ ہوں۔ برہمن اوتار ہوں، رسل ہوں، الشیخ الناس ہوں۔ معجون مرکب ہوں۔ داعی الی اللہ ہوں۔ سراج منیر ہوں۔ متوکل ہوں۔ آسمان اور زمین میرے ساتھ ہیں۔ وجہ حضرت باری ہوں۔ زائد المجہ ہوں، محی الدین ہوں، مقیم الشریعہ ہوں۔ منصور ہوں، مراد اللہ ہوں، اللہ کا محمود ہوں (یعنی اللہ میری تعریف کرتا ہے) نور اللہ ہوں۔ رحمتہ للعالمین ہوں۔ نذیر ہوں۔ منتخب کائنات ہوں۔ میں وہ ہوں جس کا تخت سب سے

لو پر بچھایا گیا۔ میں وہ ہوں جس سے خدا نے بیعت کی۔“ غرض دنیا جہان میں جو کچھ تھا مرزا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ

یوں تو مہدی بھی ہو عیسیٰ بھی ہو مسلمان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بناؤ تو مسلمان بھی ہو؟

ادھوری تعلیم اور اس کا انجام

مرزا غلام احمد کے ایام طفولیت میں اس کے والد حکیم غلام مرتضیٰ صاحب قصبہ ہٹالہ میں مطب کرتے تھے اور غلام احمد بھی باپ ہی کے پاس ہٹالہ میں رہتا تھا۔ اس نے چھ سات سال کی عمر میں قرآن پڑھنا شروع کیا۔ قرآن مجید کے بعد چند فارسی کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ابھی تیرہ چودہ سال ہی کی عمر تھی کہ باپ نے شادی کے بعد ہنوں میں جکڑ دیا۔ یہ پہلی بیوی قادیانی کے حقیقی ماموں کی بیٹی تھی۔ یہ وہی محترمہ حرمت ملی فی خان بہادر مرزا سلطان احمد کی والدہ تھیں جنہیں قادیانی نے معلقہ کر رکھا تھا۔ نہ کبھی نان و نفقہ دیا اور نہ طلاق دے کر ہی بچاری کی گلو خلاصی کی۔ ابھی سولہ سال ہی کی عمر تھی کہ غلام احمد کے گھر میں مرزا سلطان احمد متولد ہوئے۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں والد نے غلام احمد کو گل علی شاہ ہٹالوی نام ایک مدرس کے سپرد کر دیا جو شیعہ الذہب تھے۔ ان کی شاگردی میں منطق اور فلسفہ کی چند کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بس یہی قادیانی کی ساری علمی بساط تھی۔ تفسیر حدیث فقہ اور دوسرے دینی علوم سے قطعاً محروم رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ”نیم ملا خطرہ ایمان“ کے درجہ سے ترقی نہ کر سکا۔ ورنہ اگر صحاح ستہ نہیں تو کم از کم مشکوٰۃ شریف ہی باقاعدہ کسی استاد سے پڑھ لی ہوتی تو اس کے دین میں شاید اتنا فور نہ پیدا ہو سکتا۔ جس قدر کہ بعد میں مشاہدہ میں آیا۔ منطق و فلسفہ کی چند کتابوں کے تعلیم کے بعد والد نے طب کی چند کتابیں پڑھائیں۔ مگر چونکہ علم طب کی بھی تحصیل نہ کی اس فن میں بھی ”نیم حکیم خطرہ جان“ ہی کی حیثیت اختیار کر سکا۔ ورنہ اگر اسی فن میں اچھی دستگاہ حاصل کر لی ہوتی تو ایک معقول ذریعہ معاش ہاتھ آجاتا اور آئندہ نقد کی دکان کھول کر خلق خدا کو گمراہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ ان ایام میں قادیاں کے مغل خاندان کو حکومت کی طرف سے سائٹ سو روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ایک مرتبہ مرزا غلام احمد اپنے عم زاد بھائی مرزا الام الدین کے ساتھ پنشن لینے کے لیے گورداسپور گیا۔ سات سو روپیہ وصول کرنے کے بعد یہ صلاح ٹھہری کہ ذرا لاہور اور امرتسر کی سیر کر آئیں۔ دونوں بھائی امرتسر اور لاہور آکر سیر و تفریح میں مصروف رہے۔ باوجود دیکہ بڑا ارزانی کا زمانہ تھا سات سو روپیہ کی رقم خلیفہ چند روز میں اڑادی۔ حالانکہ متعدد گھرانوں کی معیشت کا مدد اسی پنشن پر تھا۔ رقم تلف کرنے کے بعد غلام احمد نے سوچا کہ قادیاں جا کر والدین کو کیا منہ دکھاؤں گا یہاں سے

بھاگ کر سیالکوٹ کا رخ کیا۔

سیالکوٹ کی ملازمت مختاری کا امتحان

سیالکوٹ میں اس کا ایک ہندو دوست لالہ بھیم سین جو مثالہ میں ہم سبق رہ چکا تھا موجود تھا۔ مرزا کو لالہ بھیم سین کی سعی و سفارش سے سیالکوٹ کی ضلع پکھری میں دس پندرہ روپیہ ماہانہ کی نوکری مل گئی۔ چند سال فشی گری کی ملازمت میں بسر کئے۔ آخر ایک دفعہ معلوم ہوا کہ اس کا دوست لالہ بھیم سین مختاری کے امتحان کی تیاری کر رہا ہے اس نے بھی مختاری کا امتحان دینے کا قصد کیا۔ چنانچہ اسی دن سے تیاری شروع کر دی۔ لیکن جب امتحان ہوا تو لالہ بھیم سین کامیاب اور مرزا غلام احمد ناکام رہا۔ اس ناکامی کے بعد شاید خود بخود فشی گری کی نوکری چھوڑ کر قادیان کو مراجعت کی۔ چونکہ قانون کا مطالعہ کیا تھا۔ باپ نے اہل پاکر اسے مقدمہ بازی میں لگا دیا۔ آٹھ سال تک مقدموں کی پیروی میں پکھریوں کی خاک چھانتا پھرا۔ بزرگوں کے دیہات خاندان کے قبضہ سے نکل چکے تھے اور مقدمہ بازی کے باوجود واپس نہ ملے تھے۔ اس لیے حزن و ملال رنج و اضطراب ہر وقت مرزا غلام مرتضیٰ کے رفیق زندگی بنے ہوئے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر مرزا غلام احمد رات دن اسی خیال میں غلطان و پیچان رہتا تھا کہ خاندانی زوال کا مداوا کیا ہو سکتا ہے اور ترقی و عروج کی راہیں کیونکر کھل سکتی ہیں؟ ملازمت سے وہ سیر ہو چکا تھا۔ مختاری کے ایوان میں باریانی نہ ہو سکی تھی۔ فوج یا پولیس کی نوکری سے بھی بوجہ قلت مشاہرہ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ تجارتی کاروبار سے بھی قاصر تھا کیونکہ اس کو چھ سے نابلدہ ہونے کے علاوہ سرمایہ بھی موجود نہ تھا۔ اب لے دے کے نقدی کی دکان آرائی ہی ایک ایسا کاروبار رہ گیا تھا جسے غلام احمد زر طلبی کا وسیلہ بنا سکتا تھا اور یہی ایک ایسا مشغلہ تھا جس کی زربا شیاں حصول عز و جاہ کی کفیل ہو سکتی تھیں۔ اس دکان آرائی کا بڑا محرک یہ تھا کہ ان دنوں میں قادیان کے گرد و نواح میں چند بزرگ ہستیوں کی طرف بڑا رجوع خلافت تھا۔ مثلاً قصبہ مثالہ میں سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشائخ پیر سید ظہور الحسن اور پیر سید ظہور الحسین صاحبان افتاء خلق میں مصروف تھے۔ موضع رتر چھتر میں پیر سید امام علی شاہ صاحب نقشبندی مسند آرا تھے۔ اسی طرح موضع مسائیاں میں بھی ایک بڑی گلدی تھی۔ ان حضرات کو مرجع انام دیکھ کر مرزا غلام احمد کے منہ سے بھی رال فک رہی تھی کہ جس طرح ان پڑے مشیت اور پیری مریدی کا کاروبار جاری کرنا چاہیے۔

لاہور میں مذہبی چھیڑ چھاڑ

غلام احمد ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اتنے میں خبر آئی کہ اس کے چچن کے رفیق وہم

مکتب مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب ہالوی جو دہلی میں مولانا نظیر حسین صاحب (معروف بہ میاں صاحب) سے حدیث پڑھ کر چند روز پیشتر لاہور اقامت گزین ہوئے تھے۔ ہالہ آئے ہیں۔ غلام احمد نے ہالہ آکر ان سے ملاقات کی اور کہا میری خواہش ہے کہ قادیان چھوڑ کر کسی شہر میں قسمت آزمائی کروں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر لاہور کا قیام پسند ہو تو وہاں میں ہر طرح سے تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ قادیانی نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ غیر اسلامی ادیان کے رد میں ایک کتاب لکھوں۔ مولوی محمد حسین نے کہا۔ ہاں یہ مبارک خیال ہے لیکن بڑی دقت یہ ہے کہ غیر معروف مصنف کی کتاب مشکل سے فروخت ہوتی ہے۔ مرزا نے کہا کہ حصول شہرت کون سا مشکل کام ہے؟ اصل مشکل یہ ہے کہ تالیف و اشاعت کا کام سرمایہ کا محتاج ہے اور اپنے پاس روپیہ نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم لاہور چل کر کام شروع کرو اور اس مقصد کو مشتر کرو میں بھی کوشش کروں گا۔ حق تعالیٰ مسبب الاسباب ہے لیکن یہ کام قادیان میں رہ کر نہیں ہو سکتا۔ غرض لاہور آنے کا مصمم ارادہ ہو گیا۔ مرزا غلام احمد نے لاہور پہنچ کر مولوی محمد حسین کی صولہید کے بموجب اپنے مستقل کا جو لائحہ عمل تجویز کیا اس کی پہلی کڑی غیر مسلموں سے الجھ کر شہرت و نمود کی دنیا میں قدم رکھنا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پنڈت دیانند سرسوتی نے اپنی ہنگامہ خیزیوں سے ملک کی مذہبی فضا میں سخت تموج و تکدر برپا کر رکھا تھا اور پادری لوگ بھی اسلام کے خلاف ملک کے طول و عرض میں بہت کچھ زہر اگل رہے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب ہالوی اس وقت ”اہل حدیث“ کی مسجد چیمپیاں لاہور میں خطیب تھے۔ مرزا نے لاہور آکر انہی کے پاس مسجد چیمپیاں میں قیام کیا اور شب و روز تھتہ الند، تھتہ السنود، غلعت السنود اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے مناظروں کی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہنے لگا۔ جب ان کتابوں کے مضامین اچھی طرح ذہن نشین ہو گئے تو پہلے آریوں سے چھیڑ خانی شروع کی اور پھر عیسائیوں کے مقابلہ میں اہل من مبارز (کوئی مقابلہ کریگا؟) کا نعرہ لگایا۔ ان ایام میں آریوں کا کوئی نہ کوئی پرچارک اور عیسائیوں کا ایک آدھ مشنری لوہادی دروازہ کے باہر باغ میں آجاتا تھا اور آتے ہی قادیانی سے ان کی ٹکریں ہونے لگتی تھیں غرض اسلام کا یہ پہلوان ہر وقت کشتی کے لیے جوڑ کی تلاش میں رہتا تھا اور اسے مجمع کو اپنے گرد جمع کر کے پہلوانی کمال دکھانے کی دھن لگی رہتی تھی۔ قادیانی اپنے مجادلوں اور اشتہار بازیوں میں اپنے تئیں خادم دین اور نمائندہ اسلام ظاہر کرتا تھا اور نہ تو انہی تک کوئی جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور نہ الحاد و زندقہ کے کوچہ میں قدم رکھا تھا۔ اس لیے ہر خیال و عقیدہ کا مسلمان اس کا حامی و ناصر تھا۔ چند ماہ تک مجادلانہ ہنگامے برپا رکھنے کے بعد مرزا غلام احمد قادیان چلا گیا اور وہیں سے آریوں کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کر کے مقابلہ و مناظرہ کے نمائشی چیلنج دینے شروع کئے۔ چونکہ عہد مباحثہ مقصود نہیں تھا۔ بلکہ حقیقی غرض نام و نمود و شہرت طلبی تھی اس لیے آریہ لوگوں کے شرائط کے مقابلہ میں بالکل

چکنے گھڑے کا مصداق بنا ہوا تھا۔ ان کی ہر شرط اور مطالبہ کو بطلانف الخیل نال جاتا تھا اور اپنی طرف سے ایسی ناقابل قبول شرطیں پیش کر دیتا تھا کہ مناظرہ کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ اگر میرے بیان کی تصدیق چاہو تو مرزا کے مجموعہ اشتہارات موسومہ ”پہ تبلیغ رسالت“ کی جلد اول کے ابتدائی اوراق کا مطالعہ کر جاؤ۔

الہام بازی کا آغاز

اب مرزا نے ان بھگڑوں قضیوں کو چھوڑ کر الہام بازی کی دنیا میں قدم رکھا اور اپنے ملہم و مستجاب الدعوات ہونے کا پروپیگنڈا شروع کیا۔ شہرت تو پہلے ہی ہو چکی تھی اہل حاجات کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ مرزا جس بالا خانہ میں بیٹھ کر یالیٹ کر الہام سوچا کرتا تھا اس کو بیت الفکر (سوچنے کی جگہ) سے موسوم کیا تھا۔ ان دنوں الہام کی آمد بہت تھی اور ان کا یاد رکھنا دشوار تھا۔ اس لیے اپنے الہام ساتھ ہی ساتھ ایک پاکٹ میں نوٹ کر لیتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک بڑے حجم کی کاپی بنائی اور ایک دو ازودہ سالہ ہندو لڑکے شام لال کو الہام نویسی کے لیے نوکر رکھ لیا۔ قادیانی الہام لکھو اگر اس پر شام لال کے دستخط کر لیتا تھا۔ تاکہ وہ بوقت ضرورت الہام نازل ہونے کا گواہ رہے۔ یہ لڑکا نہایت سادہ لوح تھا۔ مسلمانوں کو چھوڑ کر ایک سادہ لوح نابالغ ہندو لڑکے کو شاید اس لیے انتخاب کیا کہ موم کی ہاک بن کر رہے اور اس سے ہر قسم کی شہادت و لائی جاسکے۔ ان دنوں میں لالہ شرمچت رائے اور لالہ ملاو اہل نام قادیان کے دو ہندو مرزا کے مرید خاص اور رات دن کے حاشیہ نشین تھے۔ اب معتقدین کا بھی جمعہ ہونا لگا۔ خوشامدی، مفت خورے ہاں میں ہاں ملانے والے بھی ہر طرف سے امنڈ آئے۔ لنگر جاری کر دیا گیا۔ تاکہ ہر شخص الہامی کے مطبخ سے کھانا کھا کر جائے اور شہرت و نمود کا باعث ہو چونکہ مستجاب الدعوات ہونے کے اشتہاروں نے اور اس سے پیشتر لاہور کے مناظروں اور اشتہار بازی نے پہلے سے بام شہرت پر پنچار کھا تھا۔ نذر و نیاز اور چڑھاؤں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ رجوعات و فتوحات کا فخل آرزو بار آور ہوا اور تماشوں کی کشت زار لہلہاتی نظر آئی۔ اب لوگوں نے بیعت کی درخواستیں کیں۔ قادیان کا الہامی ہر ایک کو یہی جواب دیتا تھا کہ ابھی ہم کو کسی سے بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا۔ اس وقت تک صبر کرو جب کہ اس بارے میں حکم خداوندی آجیے۔

براہین احمدیہ کی تدوین و اشاعت

مرزا کا سب سے بڑا علمی کارنامہ جس پر مرزائیوں کو بڑا ناز ہے کتاب ”براہین احمدیہ“ ہے۔ یہ 562 صفحات کی کتاب ہے جس کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس ضخامت اور اس

موضوع کی کتاب چھ سات مہینہ میں مہسولت لکھی جاسکتی ہے لیکن مولف علام پہلے تو کئی سال تک اس کا مواد جمع کرنے میں مصروف رہے۔ اس کے بعد 1879ء سے کرکئی سال کی مزید مدت اس کی تالیف و تدوین کی نذر کر دی۔ 1880ء میں پہلے دو حصے شائع کئے۔ 1882ء میں تیسرا حصہ طبع ہوا۔ اور 1884ء میں چوتھا حصہ۔ اس طرح کتاب کے چار حصوں پر جو 562 صفحات پر مشتمل ہے چھ سال سے زیادہ عرصہ لگا۔ 136۔ حالانکہ ان صفحات پر جنہیں حصہ اول سے تعبیر کیا گیا کوئی علمی مضمون نہیں بلکہ صرف دس ہزار روپیہ کا انعام اشتہار۔ نہایت جلی حروف میں پھیلا کر لکھوا دیا اور اسی کو صفحات اور حصص کی تعداد بڑھانے کے لیے پہلا حصہ قرار دے لیا اور پھر جہاں تک خاکسار راقم الحروف کی تحقیق کو دخل ہے۔ مرزا غلام احمد نے اس کتاب میں اپنی کاوش طبع سے ایک حرف بھی نہ لکھا بلکہ جو کچھ زیب رقم فرمایا وہ تو علمائے سلف کی کتابوں سے اخذ کیا یا علمائے معاصرین کے سامنے کا منہ گداہی پھر اگر ان کی علمی تحقیقات حاصل کر لیں۔ اور قادیان کے ”سلطان القلم“ نے انہی کو بے حوالہ زینت قرطاس بنالیا۔ 137۔ ابھی یہ کتاب زیر تالیف تھی کہ مرزا نے اس کی طباعت میں امداد دیئے جانے کے لیے بے پناہ پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ مرزا نے اپنے اشتہارات میں وعدہ کیا تھا کہ غیر مسلم اقوام میں سے جو کوئی اس کتاب کا جواب لکھے گا اس کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اسلامی روایات میں جوئے کا یہ پہلا واقعہ تھا جو یورپ کی تقلید سے مذہب کے نام پر کھیلا گیا۔ البتہ اتنی ہوشیاری کی کہ شرطی جوئے کو انعام کے نام سے موسوم کر کے بے خبروں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ دس ہزار روپیہ انعام کا وعدہ پڑھ کر مسلمانوں نے یقین کیا کہ واقعی اسلام کی تائید میں یہ کوئی بہت بڑا تو پینانہ ہو گا جو اغیار کے مذہبی قلعوں کو پاش کر دے گا نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے روپیہ کی بارش شروع ہو گئی اور مرزا کا دل اپنی انکسیرم کی کامیابی پر کنول کے پھول کی طرح کھل گیا۔ حریص تاجروں کا جذبہ حرص و آرزو قلیل نفع سے تسکین نہیں پاتا لیکن ہمارا امر زاہد تاجر تھا جو کثیر نفع پر بھی مطمئن نہ ہوا۔ کتاب کی قیمت پہلے پانچ روپے رکھی تھی جب دھڑا دھڑا روپیہ آنا شروع ہوا تو قیمت پانچ کی جگہ دس روپے کر دی اور صرف یہی نہیں کہ لوگوں سے پیشگی قیمت وصول کی گئی بلکہ والیان ریاست اور اغیاء سے فی سبیل اللہ امداد کرنے کی بھی درخواستیں کیں۔ چنانچہ نواب شاہجہان تنگ صاحب والیہ بھوپال، نواب صاحب لوہارو، وزیر اعظم پٹیالہ، وزیر اعظم بہاولپور، وزیر ریاست نالہ گڑھ، نواب کرم الدولہ رکن حیدر آباد دکن اور بہت سے رؤسا نے ہر طرح سے امداد کے وعدے فرمائے۔ جب کتاب کے پہلے دو حصے چھپ چکے تو جذبہ زر اندوزی میں اور زیادہ تشغی پیدا ہوئی اور اب اس کی قیمت مرفہ الحال لوگوں کے لیے دس کی بجائے پچیس روپے سے لے کر سو روپیہ تک کر دی۔ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے دو ڈھنگ اختیار کئے۔ پہلے تو یہ کوشش کی کہ کوئی شخص قیمت کا لفظ ہی زبان پر نہ لائے بلکہ اندھا دھند

اپنے اندوختہ عمری کا بیشتر حصہ خیرات کے طور پر قادیان بھیج دے۔ اگر کوئی شخص اس طرح قابو میں نہیں آتا تھا تو بچیس روپیہ سے بھی کم قیمت دینا چاہتا تھا یا ہو شیار وکاندار کی طرح اس سے کہا جاتا تھا کہ تم ایک پائی نہ دو بلکہ مفت ہے لے لو۔ کیونکہ ہم غریبوں کو مفت ہی دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا کون بے حیا مستطیع ہو گا جو غریب بن کر مفت مانگتا یا بچیس روپیہ سے کم قیمت پر کتاب مانگنے کی جرات کرتا۔ ناچار یہ لوگ بڑی بڑی رقیس بھیجتے رہے اور اس اثناء میں بعض حضرات نے یہ کہہ کر صاف گوئی کا حق ادا کیا کہ جس کتاب کے لیے اتنا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اس کی اشاعت ہی غیر ضروری ہے۔ مرزا نے اشتہاروں میں ان لوگوں کی خوب خبر لی اور فرمایا کہ یہ لوگ منافقانہ باتیں کر کے ہمارے کام میں خلل انداز ہوتے ہیں اور ناحق نیش زنی کرتے ہیں۔ یہاں یہ جتنا دینا ضرور ہے کہ مرزا نے جس کتاب کی قیمت پہلے پانچ پھر دس اور پھر مستطیع لوگوں کے لیے بچیس لے کر سو روپیہ تک مقرر کر کے پیشگی رقیس وصول کیں اس کے متعلق وعدہ یہ کیا تھا کہ تین سو جزو یعنی چار ہزار آٹھ سو صفحات کی کتاب ہوگی لیکن کتاب کے 562 صفحے شائع ہو چکے تو مرزا نے اعلان کر دیا کہ آئندہ کے لیے خود رب العالمین اس کتاب کا متولی و مستم ہو گیا ہے۔ اس تولیت و اہتمام خداوندی کا یہ مطلب تھا کہ اب میں باقی ماندہ 4238 صفحات کی طبع و اشاعت کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ چونکہ ہزار ہا روپیہ پیشگی وصول ہو جانے کے بعد خریداروں سے کسی مزید رقم کے ملنے کی توقع نہ تھی اس لیے مرزا نے ”براہین احمدیہ“ کو نظر انداز کر کے اس کی جگہ دوسری کتابیں مثلاً ”سرمہ چشم آریہ“ اور ”رسالہ سراج منیر“ وغیرہ کی طرف توجہ پھیر دی اور ستمبر 1886ء میں اپنی نئی کتاب ”سرمہ چشم آریہ“ کے ناشل پیچ پر اعلان کر دیا کہ ”الہامات الہیہ“ کی بنا پر کتاب براہین کے تین سو جزو کے وعدے پورے نہیں کئے جاسکتے۔ اس کے بعد مرزا نے حقوق العباد سے سبکدوش ہونے کے متعلق جو عملی نمونہ پیش کیا اس کی دلچسپ تفصیل کے لیے کتاب ”رئیس قادیان“ کی طرف رجوع فرمائیے۔ کتاب براہین کا لب و لہجہ ایسا خراب ہے کہ ممکن نہیں کہ کوئی ہندو یا عیسائی پڑھے اور مشتعل نہ ہو۔ وہی باتیں جو بارحانہ الفاظ اور مبارزانہ انداز میں لکھی تھیں نرم لہجہ اور دلکش الفاظ میں بھی لکھی جاسکتی تھیں۔ اس کتاب نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف آریوں اور عیسائیوں کے دلوں میں عناد و منافرت کی مستقل ختم ریزی کر دی۔ پنڈت لیکھرام نے ”براہین احمدیہ“ کا جواب ”مکذیب براہین احمدیہ“ کے نام سے شائع کیا۔ لیکن یہ جواب کیا تھا دشنام دہی اور بدگوئی کا شرمناک موقع تھا۔ اور یقین ہے کہ جب سے ”نی نوع انسان عالم وجود میں آیا کسی بد نماند عوئے حق نے خدا کے برگزیدہ انبیاء و رسل اور دوسرے مقرران بارگاہ احمدیت کو اتنی گالیاں نہ دی ہوں گی جتنی کہ پنڈت لیکھرام نے اس کتاب میں دیں۔ اس تمام دشنام گوئی کی ذمہ داری مرزا پر عائد ہوتی تھی۔ اسلام کے اس نادان دوست نے ہندوؤں اور ان کے بزرگوں پر لعن طعن کر کے انبیاء کرام کو گالیاں

شام بخار در رمت

دلائل۔ براہین احمدیہ میں مرزائی الہامات کی بھی بھرمار تھی اور یہی وہ الہامات تھے جو آئندہ دعوؤں کے لیے عموماً سنگ بنیاد کا حکم رکھتے تھے۔ گو براہین کی طباعت کے بعد بھی بعض علماء حسن ظن کے سنہری جال میں پھنسے رہے لیکن اکثر علماء ایسے تھے جن کی فراست ایمانی نے اس حقیقت کو بھانپ لیا کہ یہ شخص کسی نہ کسی دن ضرور دعوائے نبوت کرے گا۔

دعوائے مجددیت اور حکیم نور الدین سے ملاقات

ان دنوں میں حکیم محمد شریف کلانوری نے جو مرزا کا یادگار تھا۔ امرتسر میں مطب کھول رکھا تھا۔ مرزا جب کبھی قادیاں سے امرتسر آتا تو اسی کے پاس ٹھہر کر تاہر اپن کی اشاعت کے بعد حکیم مذکور نے مرزا کو مشورہ دیا کہ تم مجدد ہونے کا دعویٰ کر دو کیونکہ اس زمانے کے لیے کسی بھی مجدد کی ضرورت ہے چنانچہ مرزا نے اپنی مجددیت کا ڈھنڈورہ پیشنا شروع کیا۔ قادیاں پہنچ کر سیر دنی لوگوں کے پتے منگوائے اور ان کے نام خطوط بھیجنے شروع کئے۔ دول یورپ امریکہ و افریقہ کے تمام تاجداران اور ان کے وزراء اعمال حکومت 'دنیا کے مدبروں' مصنفوں 'نویسوں' راجاؤں اور دنیا کے تمام مذہبی پیشواؤں کے پاس حسب ضرورت انگریزی یا اردو اشتہار بھجوائے۔ ان اشتہاروں میں اپنے دعوئے مجددیت کے بعد مکتوب الہم کو دعوت اسلام دی گئی تھی لیکن مرزائی تجدید کے جذبہ اثر کا کمال دیکھو کہ تیس ہزار دعویٰ اشتہارات کی ترسیل کے باوجود ایک غیر مسلم بھی حلقہ اسلام میں داخل نہ ہوا۔ ان ایام میں حکیم نور الدین بھیر دی ریاست جموں و کشمیر میں ریاستی طبیبوں کے زمرہ میں ملازم تھا۔ یہ حکیم نور الدین ایک لاندہ بھٹ شخص تھا اور اگر کسی مذہب سے کوئی لگاؤ تھا تو وہ انجری مذہب تھا۔ (دیکھو سیرۃ الہدی جلد 2 صفحہ 57) ان ایام میں سر سید احمد خاں سے حکیم نور الدین کی کچھ خط و کتابت ہوئی۔ جب مرزا غلام احمد کو اس خط و کتابت کا علم ہوا تو اسے یقین ہوا کہ اس شخص کی رفاقت ہر طرح سے بام مقصد تک پہنچا سکتی ہے چنانچہ جموں جا کر حکیم سے ملاقات کی اور یہ معلوم کر کے مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ حکیم بالکل اسی کا ہم مذاق واقع ہوا ہے۔ ان ایام میں حکیم نور الدین شیخ فتح محمد رئیس جموں کا کرایہ دار تھا۔ یہاں دس بارہ روز تک مختلف مسائل پر گفتگو رہی آخر آئندہ کا لائحہ عمل تیار کیا گیا اور مرزا نے قادیاں کو مراجعت کی۔ ان واقعات کی تفصیل کتاب "رئیس قادیاں" میں ملے گی۔ کچھ دنوں کے بعد مرزا لدھیانہ گیا اور اپنی مجددیت کا اعلان کیا۔ چنانچہ بہت سے سادہ لوح آدمی حلقہ میریدیں میں داخل ہوئے۔ مولوی محمد 'مولوی عبداللہ اور مولوی اسماعیل صاحبان جو تینوں حقیقی بھائی تھے اور علماء لدھیانہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ کہیں سے کتاب "براہین احمدیہ" حاصل کر کے اس کا مطالعہ شروع کیا۔ اس میں الحاد و زندقہ کے طومار نظر آئے۔ انہوں نے شہر میں اعلان کر دیا کہ یہ شخص مجدد نہیں بلکہ طح و زندیق ہے۔ اس کے بعد علماء

لہ حیاء نے مرزا کی تکفیر کا فتویٰ دیا اور اشتہارات چھپوا کر تقسیم کرائے۔ تھوڑے دن کے بعد علمائے حرمین کی طرف سے بھی مرزا کے کفر کے فتوے ہندوستان پہنچ گئے۔ 1884ء میں براہین احمدیہ کا چوتھا حصہ شائع کیا۔ انہی ایام میں مرزا نے دہلی جا کر نصرت و محکم نام ایک نوکتہ الزامی سے شادی کی۔ پہلی بیوی تو پہلے ہی سے اپنے میکے میں اجڑی بیٹھی تھی۔ دوسری بیوی کی آمد پر پہلی کے آباد ہونے کی رہی سہی امید بھی منقطع ہو گئی۔ جب مرزا نے دیکھا کہ علمائے حرمین کا فتویٰ تکفیر راہ ترقی میں حائل ہو رہا ہے تو 1885ء کے اواسٹ میں اس مضمون کے آٹھ ہزار انگریزی اور شاید ہزار ہا اردو اشتہارات طبع کرا کر تقسیم کرائے کہ جو شخص قادیاں آکر صبر و استقامت اور حسن نیت کے ساتھ ایک سال تک میری صحبت میں رہے گا اسے معجزے دکھائے جائیں گے۔ اعجاز نمائی کے وعدوں کے اشتہار یورپی پادریوں کو سب سے زیادہ بچھ گئے تھے اور مرزا کو یقین تھا کہ کثیر التعداد پادری قادیاں آئیں گے۔ اس لیے ان موہوم مہمانوں کے قیام کے لیے اپنے مکان سے ملحق بڑی بجٹ سے ایک گول کمرہ تعمیر کرایا لیکن افسوس کہ کسی یورپی پادری کو قادیاں آنے اور اس گول کمرے میں قیام کرنے کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔ البتہ پنڈت لیکھرام نے معجزہ دیکھنے کے اشتیاق میں قادیاں کے ایک سالہ قیام و انتظام پر آمادگی ظاہر کی۔ مرزا نے اس کے متعلق خط و کلمات شروع کی لیکن پانچ چھ مہینہ کی خط و کلمات کے باوجود کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ انجام کار پنڈت بذات خود قادیاں پہنچ کر مرزا کے گلے کا ہار ہو گیا۔ آخر مرزا بے ہزار مشکل اس ”جن“ سے پیچھا چھوڑا۔ پنڈت لیکھرام کی دلچسپ خط و کلمات کے لیے کتاب ”رہنمائی قادیاں“ کی طرف رجوع فرمائیے۔ اسی طرح رسالہ ”سراج منیر“ دوسرے رسالوں کی اشاعت کے سبز باغ دکھا کر مرزا نے مسلمانوں سے جو پیشگی رقیں وصول کیں اور پھر خواب بے اعتنائی میں سو گیا اس کی دلچسپ تفصیل بھی ”رہنمائی قادیاں“ کے پینتیسویں باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

ہوشیار پور میں چلہ کشی اور پسر موعود کی پیش گوئی

مرزا غلام احمد نے کسی پیر طریقت کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک حاصل نہ کیا تھا۔ ہاں ایک مرتبہ چلہ کشی کا ضرور قصد کیا۔ وہ بے چارہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ کسی شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر اس کوچہ میں قدم رکھنا کس درجہ خطرناک ہے؟ بہر حال اس غرض کے لیے تین مریدوں کو ساتھ لے کر ہوشیار پور کو روانہ ہوا۔ اور شیخ مرعلی کے طویلہ میں قیام کیا۔ چونکہ مجدد وقت کا کوئی کام نام و نمود اور شہرت طلبی کے جذبات سے خالی نہ تھا اس لیے چلہ کشی کی نمائش بھی ضروری تھی۔ مرزا نے دستی اشتہارات چھپوا کر اپنے چلے کا اعلان کر دیا اور حکم دیا کہ چالیس دن تک کوئی شخص ملنے کو نہ آئے۔ چلہ گزر جانے کے بعد پچیس دن تک ہوشیار پور میں قیام رہے گا اس وقت

ہر شخص ملاقات کر سکے گا۔ صوفیہ کرام چلوں میں سدر متی سے زیادہ غذا نہیں کھاتے۔ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں لیکن مجدد وقت اپنے نام نہاد چلے میں بھی بدستور کھاتا پیتا رہا۔ معلوم نہیں اس چلہ کی غرض و غایت کیا تھی؟ بظاہر تو شیاطین کو مسخر اور تابع فرمان بنانا مقصود تھا۔ اگر واقعی یہی تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کوشش میں مرزا کو ضرور کامیابی ہوئی کیونکہ کوئی نورانی ہستی اگر مرزا سے باتیں کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ مرزا نے ایک دفعہ عبداللہ سنوری سے جو مرزا کو بالائے خانہ پر کھانا پہنچانے جایا کرتے تھا کہا کہ خدا تعالیٰ بعض اوقات دیر دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ اقبال مندیچنے کے متعلق اسی چلہ میں الہامات ہوئے تھے۔ ان ایام میں نصرت نعم صاحبہ حاملہ تھیں۔ مرزا نے یہ سمجھ کر کہ پسر موعود کے الہام کرنے والا رب العالمین ہے قادیان پہنچتے ہی دھڑلے سے پسر موعود کی پیش گوئی کر دی مگر پیشین گوئی جھوٹی نکلی اور مرزا کو بہت خفت اٹھانی پڑی اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دیر دیر تک باتیں کرنے والی کون ذات شریف تھی؟ مرزا کو اس کے پسر موعود کا نام عنمو انیل بتایا گیا تھا۔ 20 فروری 1886ء کو عنمو انیل کی موعودہ آمدہ کا اعلان کیا۔ اس اعلان میں اپنا یہ الہام درج کیا۔ ”مجھے بھارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا اس کا نام عنمو انیل اور بشیر بھی ہے۔ مبارک ہے وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ وہ صاحب شکوہ اور صاحب عظمت و دولت ہو گا۔ وہ اپنے مسکینی نفس اور روح الحق کی برکت سے لوگوں کو یماریوں سے صاف کرے گا۔ علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔ وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا۔ فرزند دلہندہ کرامی ارجمند مظہر الاول والاخر مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو گا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ ایک پادری نے اس پیشین گوئی کا مذاق اڑایا تو مرزا نے 22 مارچ 1886ء کو ایک اور اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ یہ صرف پیشین گوئی ہی نہیں بلکہ عظیم الشان آسمانی نشان ہے جس کو خدائے کریم جل شانہ نے ہمارے نبی کریم روف رحیم علیہ السلام کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لیے ظاہر فرمایا ہے اور درحقیقت یہ نشان ایک مردہ کے زندہ کرنے سے صد بار درجہ اعلیٰ واولیٰ واکمل وافضل ہے۔ خدا نے ایسی بابرکت روح کے بھیجے کا وعدہ فرمایا ہے جس کی ظاہری و باطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی۔ یہاں لڑکا موجب وعدہ الہی نورس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہو گا۔ اس کے بعد ایک اشتہار میں لکھا کہ آج 8 اپریل 1886ء کو اللہ جل شانہ کی طرف سے اس عاجز پر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب دونے والا ہے۔ ان ایام میں مرزا کے مزید بھی دعائیں مانگ رہے تھے کہ پسر موعود جلد پیدا ہو۔ مرض ہزار بار انتظار کے بعد وضع حمل کا وقت آیا لیکن پسر موعود کی جگہ لڑکی پیدا ہوئی۔ لوگوں نے مرزا کا خوب مذاق اڑایا اور اعتراضات کی آندھیاں افق قادیان پر ہر طرف سے امڈ آئیں۔ لڑکی کی پیدائش پر استہزاء و خیریت کی جو گرم بازاری ہوئی اس نے قادیان پر بہت کچھ افسردگی طاری کر دی

اس لیے مرزا ہر وقت دست بدعا تھا کہ کسی طرح بیوی مکرر حاملہ ہو کر لڑکا بنے اور وہ لوگوں کو عنموائیل کی پیدائش کا مژدہ سنا کر سرخرو ہو سکے۔ آخر خدا خدا کر کے گوہر شاہوار صدف رحم میں منعقد ہوا۔ اور نصرتِ محکم صاحب نے نو مہینہ کے بعد اپنی کوکھ سے عنموائیل برآمد کر کے مرزا کی گود میں ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر مرزا کی باجھیں کھل گئیں اور زمین و آسمان مسرت کے گوارے بن گئے۔ 7 اگست 1887ء کو عنموائیل پیدا ہوا اور مرزا نے اسی دن ”خوشخبری“ کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا۔ ”اے ناظرین! میں آپ کو بھارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لیے میں نے 8 اپریل 1886ء کے اشتہار میں پیشین گوئی کی تھی وہ آج 12 بجے رات کو پیدا ہو گیا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ اب دیکھنا چاہیے کہ یہ کس قدر بزرگ پیشین گوئی ہے جو ظہور میں آئی۔ عنموائیل قریباً سو سال تک زندہ رہا۔ اس کے بعد 4 نومبر 1888ء کو لقمہ اجل ہو گیا۔ اس کے مرنے پر طعن و تمسخر کے طوفان ہر طرف سے اٹھے لیکن مرزا کے لیے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چونکہ اعتراضات کی آندھیاں برابر چلتی رہتی تھیں اس لیے قریباً سو تین سال کے بعد یعنی جنوری 1892ء کو ایک اشتہار زیر عنوان ”مصنفین کے غور کے لائق“ شائع کیا۔ جس میں لکھا کہ میں نے غلطی سے اس لڑکے کو پسر موعود خیان کر لیا تھا اس میں الہام الہی کا کوئی قصور نہیں ہے۔“ اس معذرت خواہی کے ساڑھے سات سال بعد یعنی 14 جون 1899ء کو جب مرزا کے گھر میں ایک اور لڑکا ”مبارک احمد“ پیدا ہوا تو مرزا نے اسی کو عنموائیل قرار دینے کی کوشش کی۔ (دیکھو مرزا کی کتاب ”تزیین القلوب“ طبع اول صفحہ 70) حالانکہ مبارک احمد نو سال کی مدت معصودہ کے سوا چار سال بعد پیدا ہوا تھا۔ مگر مرزا کی بد نصیبی سے یہ لڑکا بھی عالم طفولیت ہی میں داغ مفارقت دے گیا۔ اور اس طرح فرزند موعود کی اقبال مند یوں کے سارے افسانے طاق اہمال پر رکھے گئے۔ آج کل مرزا کی لوگ خلیفہ السج مرزا محمود احمد کے سر پر عنموائیلیت کا تاج رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ان کی یہ کوشش بے سود ہے کیونکہ خود مرزا نے میاں محمود احمد کو کبھی عنموائیل موعود نہ بتایا۔ مرزا محمود احمد کی پیدائش 1889ء میں ہوئی تھی اس کے بعد مرزا غلام احمد نے از سر نو عنموائیل کی پیدائش کی پیشین گوئی 1891ء میں اس وقت کی جب میاں محمود احمد کی عمر پونے دو سال کی تھی چنانچہ کتاب ازالہ الوہام میں جو 1891ء میں شائع ہوئی مرزا نے لکھا۔ ”خدا نے ایک قطعی اور یقینی پیش گوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی زریعہ سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی۔ وہ اسیروں کو رستگاری بخشنے گا اور ان کو جو شہادت کے زنجیروں میں مقید ہیں رہائی دے گا۔ فرزند ولدند گرامی ار جند مظہر الحق والاعلا کان اللہ نزل من السماء (معاذ اللہ) ظاہر ہے کہ اگر میاں محمود احمد عنموائیل موعود ہوتا تو اس پیشین گوئی کا اعادہ ایک لغو حرکت تھی۔ غرض عنموائیل کی پیشین گوئی پر مرزا کی بڑی کرکری ہوئی۔ مولوی محمد بالوی اور بعض دوسرے مولوی

صاحبان نے جو اس وقت تک مرزا کا حق رفاقت ادا کر رہے تھے کمال دلسوزی سے مرزا کو مشورہ دیا کہ آئندہ اس قسم کی بعید از کار پیشین گوئیاں کر کے خواہ مخواہ ذلت و رسوائی کو دعوت نہ دیا کرو۔ لیکن بجائے اس کے کہ مرزا اس خیر خواہانہ مشورہ سے نصیحت آموز ہوتا۔ التا اصلاح اندیش ماسعین کو ڈانٹنے اور چشم نمائی کرنے لگا اور ان کی نسبت لکھا کہ غفلت اور حب دنیا کا کیز افرست ایمانی کو بالکل چٹ کر گیا ہے۔

مسح بننے کے لیے مصحک خیر سخن سازی

مرزا نے اوائل میں بہت دن تک دعوائے مجددیت ہی پر اتکا کیا تھا مگر چونکہ ہر راج العلم قاصد بدعات عالم دین مجدد ہو سکتا ہے اس لیے بظاہر اس منصب کو کچھ غیر واقعہ سمجھ کر ترقی و اقدام کی ہوس دامعیر ہوئی اور کوئی عظیم القدر ٹھوس دعوائے کر کے اپنی عظمت کو ثریا سے ہمدوش کرنے کا قصد کیا۔ آخر طبیعت نے فیصلہ کیا کہ مسیحیت کا تاج زیب سر کرنا چاہیے لیکن کمال ہوشیاری اور معاملہ فہمی سے کام لے کر یک ایک مسیح نہ مابلکہ تدریج کو ملحوظ رکھا۔ سب سے پہلے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات اور آپ کی آمد ثانی سے انکار کیا۔ حالانکہ کتاب ”براین احمدیہ“ (صفحہ 498) میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی حیات اور آمد ثانی کا اقرار کر چکا تھا اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی طرح یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے تھے۔ (نزول المسیح متوفیہ مرزا ص 18) اس کے بعد یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ میں شیل مسیح ہوں۔ جب مرید اس دعویٰ کے متحمل ہو گئے تو کچھ عرصہ کے بعد یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا کہ احادیث نبوی میں جس مسیح کے آنے کی پیشین گوئی تھی وہ میں ہوں۔ ”جب اس سے کہا گیا کہ حدیثوں میں تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہی کے تشریف لانے کی پیشین گوئی ہے اور تم غلام احمد بن غلام مرتضیٰ ہو تو جو ہدایا کہ میں ہی مسیح بن مریم بنادیا گیا ہوں۔ پوچھا گیا کہ ایک شخص دوسری شخصیت میں کیونکر تبدیل ہو سکتا ہے؟ تو کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ کی بعض روحانی صفات طبع عادت اور اخلاق وغیرہ خدا تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھی ہیں اور دوسرے کئی امور میں میری زندگی کو مسیح بن مریم کی زندگی سے اشد مشابہت ہے اس بنا پر میں مسیح ہوں۔ (ازالہ اوہام طبع پنجم ص 78) لیکن جب کہا گیا کہ جناب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض روحانی صفات طبع اور عادت اور اخلاق وغیرہ تو خدا نے ہر تربہت سے اہل اللہ کی فطرت میں بھی ودیعت فرما دیتا ہے اور ان کی زندگی کو حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی زندگی سے اشد مناسبت ہوتی ہے تو پھر وہ سب حضرات بھی مسیح موعود ہونے چاہئیں۔ اس میں تمہاری کوئی خصوصیت ہے؟ کوئی وجہ نہیں کہ تم تو کسی من گھڑت مناسبت کی بنا پر مسیح بن مریم بن جاؤ اور عارفین الہی حقیقی اشتراک صفات کے باوجود ”مسیح موعود“ نہ سمجھے جاسکیں۔

بات معقول تھی مرزا سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ آخر گیارہ سال کی سخت دماغی کدو کاوش کے بعد کشتی نوح میں جسے 5 اکتوبر 1902ء کو شائع کیا تھا۔ اپنے مسیح بن مریم بن جانے کا یہ ذکوسلہ پیش کیا۔ گو خدا نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں میراث نام مریم رکھا۔ پھر دوسری تک صفت مریمیت میں میں نے پرورش پائی اور پردہ میں نشوونما پاتا رہا۔ پھر جب اس پر دوسرا گزر گئے تو جیسا کہ ”براہین احمدیہ“ کے حصہ چہارم صفحہ 496 میں درج ہے۔ مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں لٹکی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینہ کے بعد جو دن مینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین کے صفحہ 556 میں درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔ (کشتی نوح صفحہ 46-47) جب مرزا ایک جنبش قلم ایک خیالی حمل کے ذریعہ سے مسیح بن مریم بن چکا تو ہر طرف سے مطالبہ ہونے لگا کہ اگر تم سچے مسیح ہو تو تم بھی حضرت روح اللہ کی طرح کوئی مسیحائی دکھاؤ زیادہ نہیں تو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انہی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھاؤ جو قرآن پاک میں دو جگہ مذکور ہیں۔ یہ مطالبہ نہایت معقول تھا لیکن مرزا کے پاس سخن سازی کے سوار کھائی کیا تھا؟ سوچنے لگا کہ اب کیا بات بناؤں؟ آخر اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام کے وجود ہی سے انکار کر دے۔ واقعی کسی چیز کی ذمہ داری سے بچنے کا یہ نہایت آسان علاج ہے کہ اس چیز کے وجود ہی سے انکار کر دیا جائے۔ مرزا نے معجزات مسیح علیہ السلام کا صرف انکار ہی نہ کیا بلکہ اپنی بد نصیبی سے النان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ حالانکہ یہ معجزات مسیح علیہ السلام کا مذاق نہیں تھا بلکہ فی الحقیقت کلام الہی کا مذاق اور انکار و استحقاق تھا۔ انہی ایام میں مولوی محمد حسین منالوی سے مرزا کی سخت کشیدگی ہو گئی۔ وجوہ خصامت کتاب ”رئیس قادیاں“ میں لکھ دیئے گئے ہیں۔

لاہور، لدھیانہ اور دہلی کے مناظرے

مرزائیت کا اسلام سے پہلا تصادم شاید وہ مناظرہ تھا جو لاہور میں ہوا۔ منشی عبدالحق اکاؤنٹ لاہور، منشی الہی بخش اکاؤنٹ لاہور اور حافظ محمد یوسف ضلعدار محکمہ نہر تینوں ”ابجدیٹ جنٹلمین“ تھے جو کچھ دنوں سے مرزائی ہو گئے تھے۔ یہ تینوں حضرات مرزائیت کا پتہ لہنے سے پہلے نہایت سرگرم قومی کارکن تھے اور لاہور کی اسلامی تحریکیں میں سب سے پیش پیش رہتے تھے۔ اس لیے مولوی محمد حسین مرحوم منالوی کو ان کے مرزائی ہو جانے کا برا اعلق تھا۔ گو چند سال کے بعد تینوں حضرات مرزائیت سے تائب ہو کر از سر نو اسلامی برادری میں داخل ہو گئے لیکن اوائل میں یہ سخت غالی مرزائی تھے۔ مولوی محمد حسین نے شروع میں ان کو بہتر سمجھایا لیکن یہ کسی طرح مرزائیت سے منقطع نہ ہوئے بلکہ ان تینوں کی یہ بڑی آرزو تھی کہ موقع ملے تو مولوی محمد حسین کو

حکیم نور الدین سے جسے مرزائی لوگ امام فخر الدین رازیؒ سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے تھے۔ (خدا نخواستہ) ذلیل کر انہیں۔ چنانچہ اسی کوشش میں ایک مرتبہ حافظ محمد یوسف ضلعدار اور منشی عبدالحق اکاونٹن□ نے لاہور سے جموں گئے اور حکیم نور الدین کو مولوی محمد حسین سے مناظرہ کرنے کی تحریک کی لیکن حکیم نے انہیں بظانف الخیل ٹال دیا۔ کچھ دنوں کے بعد حکیم نور الدین مہاراجہ جموں کے ساتھ لاہور آیا اور ان تینوں نے سے مولوی محمد حسین سے بھر ادیا۔ مناظرہ مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر ہوا۔ مولوی صاحب نے حکیم نور الدین کو بری طرح رگیدا۔ جب مولوی صاحب نے دور ان مباحثہ میں حکیم کے سفر کار است بالکل مسدود کر دیا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ آئندہ سوال پر چاروں شانے چت گرا کر چھاتی پر سوار ہو جائیں گے تو حکیم نور الدین کوئی حیلہ تراش کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ان ایام میں مرزا اپنے دہلوی خسر کے پاس لدھیانہ میں اقامت گزین تھا۔ حکیم نور الدین نے مرزا غلام احمد کے پاس لدھیانہ میں جادم لیا۔ 15 اپریل 1891ء کو مولوی صاحب نے مرزا کو تار دیا کہ تمہارا حواری مناظرہ سے بھاگ گیا یا تو اس کو مقابلہ پر آمادہ کرو یا خود مناظرہ کے لیے آؤ۔ اس کے جواب میں خود مرزا نے مناظرہ پر آمادگی ظاہر کی مگر یہ شرطیں پیش کیں کہ مناظرہ تحریری ہو۔ تم چار ورق کاغذ پر جو چاہو لکھ کر پیش کرو۔ اس کے بعد میں چار ورقوں میں اس کا جواب لکھوں پس ان دو پرچوں پر مناظرہ ختم ہو جائے غرض مرزا نے مولوی صاحب کو مرزائی دلائل کا بطلان ثابت کرنے کے لیے جواب الجواب کی اجازت نہ دی۔ اس لیے مولوی صاحب نے ایسے مناظرہ کو بے سود سمجھ کر انکار کر دیا۔ 3 مئی 1891ء کو مرزا نے علمائے لدھیانہ کو تحریری چیلنج دیا کہ تم لوگ مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر مناظرہ کر لو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے 1301ھ میں فتویٰ دیا تھا کہ مرزا غلام احمد مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ہمارا قطعی اور حتمی فیصلہ ہے کہ جو لوگ مرزا غلام احمد کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں وہ شرعاً کافر ہیں۔ پس تمہیں لازم ہے کہ پہلے ہم سے اس مسئلہ پر مناظرہ کرو کہ تم دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو۔ اگر تم نے اپنا اسلام ثابت کر دکھایا تو پھر حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو ہوگی۔ جب علماء لدھیانہ کی طرف سے اس مضمون کا اشتہار شائع ہوا۔ تو مرزا کے ہوش اڑ گئے کیونکہ اس کے لیے اپنا مسلمان ثابت کرنا ناممکن تھا۔ اس لیے حکیم نور الدین کو لاہور سے مشورہ کے لیے طلب کیا۔ حکیم نور الدین نے لدھیانہ پہنچ کر وہ اشتہار پڑھا جو علمائے لدھیانہ نے شائع کیا تھا اور مرزا غلام احمد سے کہا کہ جب ثالث کی موجودگی میں آپ کے ایمان و کفر پر مباحثہ ہو گا اور مخالف لوگ علمائے حرمین کا فتویٰ تکفیر پیش کریں گے تو ثالث لا محالہ ہماری جماعت پر کفر و ارتداد کا حکم لگا کر فریق ثانی کے حق میں فیصلہ کر دے گا اس کے بعد ہم سے مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بھی کوئی شخص گفتگو نہ کرے گا۔ کیونکہ کسی بے ایمان شخص کا مسیح ہونا دائرہ امکان سے خارج ہے البتہ ان مولویوں سے گفتگو کرنے

میں کوئی مضائقہ نہیں جو ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں کیونکہ ہم ان سے بلا تکلف مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بحث کر سکتے ہیں اور بہترین صورت یہ ہے کہ آپ خفی مولویوں کو چھوڑ کر مولوی محمد حسین سے مناظرہ کریں کیونکہ وہ آپ کے اسلام کا اقرار کر چکا ہے۔ مرزا نے علماے لدھیانہ سے چھیڑ خانی کرتے وقت مناظرہ کا جو چیلنج دیا تھا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر تم لوگ مناظرہ نہ کرنا چاہو تو اپنی طرف سے مولوی محمد حسین کو کھڑا کر لو۔ جب مولوی محمد حسین کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ لدھیانہ پہنچ گئے اور مولوی محمد حسن لدھیانوی کو بھیج کر مناظرہ کی دعوت دی اور موضوع بحث یہ پیش کیا کہ کیا وہ مسیح جس کے قدم کی احادیث نبویہ میں بشارت دی گئی ہے وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے؟ اس کے جواب میں مرزا نے کہا کہ میں اپنی مسیحیت پر گفتگو کرنے کو تیار نہیں ہوں بلکہ صرف مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو کروں گا۔ کیونکہ میرا دعویٰ اسی بنا پر ہے جب بناوٹ جائے گی تو دعویٰ بھی باطل ٹھہرے گا۔ اس کے جواب میں مولوی محمد حسین نے لکھوا بھیجا کہ آپ کے اشتہار میں دونوں دعویٰ موجود ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی رحلت کا دعویٰ اور اپنے مسیح ہونے کا دعویٰ۔ ان دونوں دعویٰ میں ایسا تلازم نہیں ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرا دعویٰ ثابت ہو جائے لہذا پہلے تمہارے مسیح موعود ہونے پر گفتگو ہونی چاہیے اس کے بعد مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام زیر بحث آئے۔ اور حکم اصول مناظرہ ہم کو اختیار ہے کہ آپ کے جس دعویٰ پر چاہیں پہلے بحث کریں۔ ہاں اگر آپ اپنے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ سے دستبردار ہو جائیں تو پھر مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ مرزا نے اس کا جو جواب لکھ بھیجا اس سے ہر شخص نے یقین کر لیا کہ مرزا مباحثہ سے گریزاں ہے۔ جب مرزا کے پٹیلوی مریدوں کو اپنے مقتدا کی گریز و فرار کا علم ہوا تو انہوں نے لدھیانہ آکر مرزا کو مباحثہ پر مجبور کیا۔ آخر مباحثہ ہوا مولوی محمد حسین نے یہ سوال پیش کیا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام حدیثیں تمہارے نزدیک صحیح ہیں یا نہیں؟ مرزا نے ٹال مٹول اور حیلے حوالے شروع کئے اور بارہ دن تک غیر متعلق باتوں میں جواب کو ٹالتا رہا کیونکہ اس نے تمبیہ کر رکھی تھی کہ اصل سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ آخر جب ہر جگہ مشہور ہوا کہ قادیانی اتنے دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت و لعل کر رہا ہے تو مرزا اور مرزائیوں کا ہر جگہ مذاق اڑایا جانے لگا اور بدنامی اور رسوائی ان پر ہر طرف سے مسلط ہوئی۔ جب امر تسر اور انداز کے مرزائیوں کو معلوم ہوا کہ ان کا مسیح بارہ دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت و لعل کر رہا ہے تو اس کے ایک حواری حافظ محمد یوسف خلعدار نے مرزا کو پیغام بھیجا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ان سوالات و جوابات میں تو آپ ذلیل ہو رہے ہیں اور فریق ثانی آپ کی آبرو مٹی میں ملا رہا ہے۔ ان سوالات و جوابات سے مولوی محمد حسین کا یہی مقصد ہے کہ آپ کو ذلیل کرے اس لیے مناسب ہے کہ بحث کو جلد ختم کر دیجئے ورنہ اور زیادہ ذلت ہوگی۔ غرض حافظ محمد یوسف کے انتباہ کا یہ اثر ہوا کہ

مرزا نے بارہویں دن کی تحریر کے ساتھ موقوفی بحث کی درخواست پیش کر کے اپنی جان چھڑالی۔ لدھیانہ میں ناکامی و ہزیمت کا جو دھبہ مرزا کے دامن عزت پر لگا۔ مرزا ہر وقت اس کے دھونے کی فکر میں تھا۔ اس لیے خیال آیا کہ دہلی چل کر قسمت آزمائی کریں وہاں مولوی محمد حسین بٹالوی کے استاد مولانا سید نظیر حسین محدث دہلوی کو دعوت مناظرہ دی جائے۔ وہ اپنی بزرگی و دور مرزا کی تاہلی کے پیش نظر اپنا مخاطب بنانا گوارا نہ کریں گے اور مفت کی شہرت و ناموری حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ مرزا ستمبر 1891ء میں دہلی جا رہا اور مولانا نظیر حسین صاحب کو مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر بحث کرنے کا چیلنج دیا۔ اس چیلنج کا جو دلچسپ انجام مرزا کی شاندار ہزیمت و پستی کی شکل میں ظاہر ہوا وہ کتاب ”رئیس قادیان“ میں ملاحظہ کریں۔ قلت گنجائش کی وجہ سے ان دلچسپ مباحث کو یہاں ترک کرنا پڑا مولانا نظیر حسین کے مقابلہ سے بھاگ کر مرزا نے ان کے نامور شاگرد مولوی محمد بشیر سہسوانی سے مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام پر تحریری مناظرہ شروع کیا لیکن جب چھٹے شمارے کے تین تین پرچے ہو چکے تو مرزا پہلی ہی بحث کو نام تمام چھوڑ کر مناظرہ سے ستمبر دار ہو گیا اور کہنے لگا کہ میرے خسر صاحب علیل ہیں۔ اس لیے میرا جلد مراجعت کرنا ضروری ہے۔ ان دلچسپ واقعات کی تفصیل بھی کتاب ”رئیس قادیان“ میں ملے گی۔

آسمانی منکوحہ کے حصول میں ناکامی

مرزا غلام احمد کے ایک چچا کا نام غلام محی الدین تھا۔ مرزا امام الدین نظام الدین اور کمال الدین اسی چچا کے بیٹے تھے۔ غلام محی الدین کی دختر عمر النساء مرزا احمد بیگ ہو شیار پوری سے بیاہی ہوئی تھی اور غلام احمد کی حقیقی بہن کی شادی احمد بیگ ہو شیار پوری کے حقیقی بھائی محمد بیگ سے ہوئی تھی۔ ان قرابتوں کے علاوہ احمد بیگ کی حقیقی بہن مرزا غلام احمد کے ایک چچا زاد بھائی غلام حسین سے بیاہی ہوئی تھی جو قریباً پچیس سال سے مفقود الخیر تھا۔ مرزا احمد بیگ جو محکمہ پولیس میں ملازم تھا۔ زیادہ تر ہو شیار پور سے باہر ملازمت ہی پر رہتا تھا اس لیے عمر النساء عموماً قادیان ہی میں رہتی تھی۔ اس کا معمول تھا کہ جب کبھی مرزا احمد بیگ چھٹی لے کر ہو شیار پور آتا تھا تو یہ قادیان سے ہو شیار پور چلی جاتی اور جب وہ ہو شیار پور سے اپنی نوکری پر چلا جاتا تو یہ اپنی بیٹی محمدی بیگم اور دوسری اولاد کو لے کر قادیان آ جاتی۔ محمدی بیگم نہایت خوش جمال لڑکی تھی چونکہ اس کا نشوونما قادیان ہی میں ہوا اس لیے یہ ہمیشہ کی دیکھی بھالی تھی۔ غلام حسین مذکور کی زمین سرکاری کاغذات میں اس کی منکوحہ یعنی احمد بیگ کی بمشیر کے نام درج ہو گئی تھی اور چونکہ وہ اپنے شوہر غلام حسین کی مراجعت کی طرف سے بالکل ناامید ہو چکی تھی اس لیے اس نے ارادہ کیا کہ اپنے مفقود الخیر شوہر کی زمین اپنے بچے (مرزا احمد بیگ کے بیٹے) کے نام بہرہ کر دے چونکہ مرزا غلام احمد بھی مفقود کا عم زاد بھائی تھا۔ اس

لیے جب بیہ نامہ لکھا گیا تو احمد بیگ اس بیہ نامہ پر دستخط کرانے کے لیے مرزا غلام احمد کے پاس لے گیا کیونکہ سرکاری قانون کے بموجب اس کی رضامندی کے بغیر بیہ نامہ جائز نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ ہر چند کہ حقوق قرأت اشرف نفس شرف و مجد انسانی اور احسان و ایثار اسلامی کا مقتضاء یہ تھا کہ مرزا غلام احمد بلا معاوضہ دستخط کرویتا لیکن اس نے احمد بیگ سے اس سلوک و مروت کا صلہ اس کی لڑکی محمدی بیگم بیاہ دینے کی شکل میں طلب کیا۔ احمد بیگ نے اس مطالبہ کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ مرزا غلام احمد نے ہزار جتن کئے لیکن وہ کسی طرح رضامند نہ ہوا۔ آخر مرزا نے اسے اپنے من گھڑت الہاموں سے مرعوب کرنا چاہا۔ اس سلسلہ میں ایک الہام شائع کیا۔ اس قادر مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص (احمد بیگ) کی دختر نکاح (محمدی بیگم) کے لیے سلسلہ جنابی کر اور ان سے کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط پر کیا جائے گا اور یہ نکاح تمہارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہو گا لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہو گا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے ڈھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا (احمد بیگ) تین سال تک فوت ہو جائے گا۔ اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ خدا نے مقرر کر رکھا ہے۔ کہ وہ احمد بیگ کی دختر نکاح کو ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ لیکن مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد ساکن پٹی ضلع لاہور جس سے محمدی بیگم منسوب تھی اور احمد بیگ کے گھر والے ان الہامی گیڈر بھیکیوں سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے۔ مرزا غلام احمد نے سلطان محمد ساکن پٹی کی معیار حیات یوم شادی سے ڈھائی سال تک بتائی تھی اسے محمدی بیگم کی شادی 7 اپریل 1892ء کو ہوئی۔ اس حساب سے مرزا سلطان محمد کی زندگی کا آخری دن 7 اکتوبر 1894ء تھا لیکن قادیانی اعجاز کا کمال دیکھو کہ آج 19 جون 1936ء تک وہ زندہ سلامت موجود ہے یعنی اپنی مدت حیات کے بعد بیالیس سال سے زبردستی گلشن دنیا کی سیر کر رہا ہے۔ جب محمدی بیگم کو مرزا سلطان محمد کے گھر میں آباد ہوئے قریباً ڈھائی سال کی مدت گزر چکی تو مرزا نے زوجہ سلطان محمد سے شادی کرنے کی از سر نو پیشین گوئی کر کے اس فتنہ خواہ کو کیدار کرنا چاہا۔ چنانچہ 6 ستمبر 1894ء کو ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں اپنا ایک الہام لکھا کہ ”حق تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے نشانوں کی تکذیب کی اور ان سے ٹھٹھکیا سو خدا انہیں یہ نشان دکھلائے گا کہ احمد بیگ کی بڑی لڑکی ایک جگہ بیاہی جائے گی اور خدا اس کو پھر تیری طرف واپس لائے گا۔ یعنی آقا ﷺ وہ تیرے نکاح میں آئے گی اور خدا سب روکیں ورمیان سے اٹھا دے گا۔ خدا کی باتیں ٹل نہیں سکتیں۔ اس لڑکی کا اس عاجز کے نکاح میں آنا تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے لیے الہام الہی میں یہ فقرہ بھی موجود ہے کہ لا تبدیل لخلق اللہ یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو

خدا کا کلام باطل ہوتا ہے میری تقدیر کبھی نہیں بدلے گی۔ میں سب روکوں کو انھادوں گا۔ خدا تعالیٰ کے غیر متبدل وعدے پورے ہو جائیں گے کیا کوئی زمین پر ہے جو ان کو روک سکے؟ اے بد فطر تو! لعنتیں بھیج لو۔ ٹھنھے کر لو۔ لیکن عنقریب دیکھو گے کہ کیا ہوتا ہے؟ مرزا نے اسی سال 27 اکتوبر کے ایک اشتہار میں لکھا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اے خدائے قادر و علیم! اگر احمدیہ کی دختر کلاں کا آخر اس عاجز کے نکاح میں یہ پیش گوئی تیری طرف سے ہے تو اس کو ظاہر فرما کر کور باطن حاسدوں کا منہ بند کر دے اور اگر تیری طرف سے نہیں تو مجھے نامرادی اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر۔ اس دعائے غیر مستجاب کے قریباً سوادو سال بعد یعنی 22 جنوری 1897ء کو مرزا نے کتاب ”انجام آقہم“ شائع کی اس میں لکھا کہ محمدی تنگم سے میرا نکاح خدائے بزرگ کی تقدیر مبرم ہے اور عنقریب اس کے ظہور کا وقت آجائے گا۔ اور میں اس کو اپنے صدق یا کذب کا معیار ٹھہراتا ہوں۔ میں نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدائے مجھے اس کی خبر دی ہے۔ 1900ء میں مرزا غلام احمد کو الہام ہوا۔ ویر دھا الیک (خدا تعالیٰ محمدی تنگم کو تمہارے پاس واپس لائے گا) مرزا نے 29 ستمبر 1900ء کو رسالہ اربعین میں اس الہام کی شرح کرتے ہوئے لکھا کہ یہ پیشین گوئی اس نکاح کی نسبت ہے جس پر نادان مخالف جہالت اور تعصب سے اعتراض کرتے ہیں۔ اس کے بعد مرزا غلام احمد نے اگست 1901ء میں گور واپسپور کی عدالت میں حلفا مایان کیا کہ احمدیہ کی دختر جس کی نسبت پیش گوئی ہے مرزا غلام الدین کی بھانجی ہے سچ ہے وہ عورت میرے ساتھ نہیں بیابی گئی مگر میرے ساتھ اس کا بیاہ ضرور ہو گا۔ غرض مرزا غلام احمد اسی طرح محمدی تنگم کی شادی کے بعد دس سال تک برابر بچے جھاڑ کر اس غیفہ کے پیچھے پڑا رہا اور اس بچہ کی فضیلت و رسوائی کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ آخر ملا محمد خش ایڈیٹر ”جعفر زلمی“ نے ایک ایسی تدبیر نکالی جس نے مرزا غلام احمد کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اس کے بعد مرزا غلام احمد محمدی تنگم سے شادی کرنے کے سارے افسانے بھول گیا اور اس کا نام کبھی بھول کر بھی زبان قلم پر نہ لایا۔ ان دلچسپ واقعات کی تفصیل آپ کو کتاب ”رہنمائی“ میں ملے گی۔

حکیم نور الدین کا جموں سے اخراج

حکیم نور الدین مہاراجہ جموں و کشمیر کا خاص طبیب تھا۔ وہ ریاست سے کیوں خارج کیا گیا؟ اس کی دلچسپ تفصیل آپ کو کتاب ”رہنمائی“ میں ملے گی۔ مختصر یہ ہے کہ وہ ریاست کشمیر کے علاقہ کشتواڑ میں (جیسا کہ میرے پاس روایتیں پہنچی ہیں) ایک مرزائی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے اسباب مہیا کئے جا رہے تھے۔ حکیم نور الدین کی کوششوں سے مرزائیت کو ریاست جموں و کشمیر میں جتنا فروغ نصیب ہوا اس سے کہیں زیادہ اس کا پنجاب میں نشوونما ہو رہا تھا

اور جوں جوں یہ جماعت ترقی کرتی جاتی تھی۔ حکام کا سوء ظن بھی بڑھتا جاتا تھا کیونکہ انہیں یہ خوف تھا کہ مبادا مرزا غلام احمد بھی احمد سوڈانی کی طرح زور پکڑ کر مشکلات کا موجب بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ گو مرزا نے تقدس کی دکان ابتدا میں محض شکم پری کے لیے کھولی تھی۔ لیکن ترقی کر کے سلطنت پر فائز ہونے کا لائحہ عمل بھی شروع سے اس کے پیش نظر تھا۔ آخر کیوں نہ ہوتا مغل اعظم سلطان عالمگیر اورنگ زیب غازی کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر افسوس کہ حکیم نور الدین کے اخراج سے مرزائی سلطنت کے بنے بنائے نقش بگڑ گئے۔ اور متوقع سلطنت کی جگہ حکومت کی دشمنی خرید لی۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر حکیم نور الدین کو ریاست سے خارج نہ کیا جاتا تو بھی وہ اور مرزا غلام احمد قیام سلطنت میں کامیاب نہ ہو سکتے کیونکہ جب مرزا غلام احمد مدت العمر قادیاں کی ان مسجدوں کو بھی آزاد نہ کر سکا۔ جنہوں سکھوں نے اب تک دھرم سالہ بنا رکھا ہے۔ (دیکھو ازالہ اوہام طبع پنجم صفحہ 57) تو پھر سلطنت کا قیام ایک موبہوم چیز تھی لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں کیونکہ اگر وہ لوگ کسی طرح قیام سلطنت میں کامیاب ہو جاتے تو قادیاں کی مسجدیں خود ہی آزاد ہو جاتیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ حکیم نور الدین کے اخراج کے بعد حکومت وقت حکیم نور الدین اور مرزا غلام احمد پر بغاوت کا مقدمہ چلانا چاہتی تھی۔ لیکن انہوں نے کچھ قول و قرار کئے۔ جس کی بنا پر کسی تشدد کی ضرورت نہ رہی۔ عجب نہیں کہ یہ بیان صحیح ہو کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان واقعات کے بعد مرزا غلام احمد کے رویہ میں یک بیک تبدیلی پیدا ہو گئی اور قیام سلطنت کی توقعات کو تین سو سال تک موخر کر کے انگریز کی خوشامد اور مدح و توصیف کا نغمہ چھیڑ دیا۔ اور پھر خوشامد میں اعتدال و میانہ روی ملحوظ رہتی تو بھی ایک بات تھی لیکن مرزا نے اپنی افتاد طبیعت سے مجبور ہو کر تعلق و خوشامد کا خوفناک طوفان برپا کر دیا۔ یہاں تک کہ خوشامد ہی اس کا اوڑھنا بھونٹا بن گئی۔ اس خوشامد شعاری کی چند باتیاں ملاحظہ ہوں۔ لکھتا ہے۔ ”پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد اور حفظ امن اور جہادی خیالات کے روکنے کے لیے برابر سترہ سال تک پورے جوش سے پوری استقامت سے کام لیا۔ کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے مخالف ہیں کوئی نظیر ہے؟ یہ سلسلہ ایک دو دن کا نہیں بلکہ برابر سترہ سال کا ہے (کتاب البرہہ صفحہ 7) سول ملٹری گزٹ لاہور میں میری نسبت ایک غلط اور خاف و افتد رائے شائع کی گئی ہے کہ گویا میں گورنمنٹ انگریزی کا بدخواہ اور مخالفانہ ارادے رکھتا ہوں لیکن یہ خیال سراسر باطل اور دور از انصاف ہے۔ میرے والد نے 1857ء کے غدر میں پچاس گھوڑے [تاید کر لور پچاس سوار بہم پہنچا کر گورنمنٹ کی نذر کئے۔ (تبلغ رسالت جلد 3 ص 192) میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید و حمایت میں گذرا ہے۔ میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارہ میں اس قدر کہیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رساں اور کتابیں لکھیں گی جاسیں تو

پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتبوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور ممدی خوئیں اور مسیح خوئیں کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں (تربیۃ القلوب) انگریزوں کا اس ملک میں آنا مسلمانوں کے لیے درحقیقت ایک نہایت بزرگ نعمت الہی ہے تو پھر جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بے عزتی کی نظر سے دیکھے وہ بلاشبہ بد ذات اور بد کردار ہے۔ (ایام الصلح) میں جانتا ہوں کہ بعض جاہل مولوی میری ان تحریرات سے ناراض ہیں اور مجھے علاوہ اور وجوہ کے اس وجہ سے بھی کافر قرار دیتے ہیں لیکن مجھے ان کی ناراضگی کی پروا نہ ہے۔

دعوائے ممدویت

اس وقت تک مرزا سمیت ہی کا مدعی تھا۔ ممدی نہیں بنا تھا۔ احادیث نبویہ کے رد سے حضرت مسیح علیہ السلام اور جناب ممدی علیہ السلام ایک ہی زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔ 1892ء میں ایک عالم ربانی نے مرزا سے پوچھا کہ تم مسیح ہو تو حضرت ممدی علیہ السلام کہاں ہیں؟ جو ان کے عمد سعادت میں ظاہر ہونے والے تھے؟ مرزا نے کہا۔ ”وہ بھی میں ہی ہوں۔“ لیکن اس کے بعد دعوائے ممدویت میں مرزا کی ہمیشہ گوگو حالت رہی۔ کبھی تو ممدویت کا مدعی بن بیٹھتا تھا اور کبھی حکومت کے خوف سے کانوں پر ہاتھ رکھنے لگتا تھا۔ مسئلہ ظہور ممدی علیہ السلام اور اپنی ممدویت کے متعلق مرزا نے جو رنگ بدلے ان کی تشریح ”رئیس قادیاں“ میں دیکھئے۔ چونکہ مرزا کو تاخیر ربانی حاصل نہ تھی اور باوجود بڑی بڑی لن ترانیوں اور خود ستائیوں کے قلم اور زبان کی دنیا سے باہر نکل کر اپنے دعوؤں کی تائید میں کوئی بیرونی شہادت پیش نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس کی دکانداری کا سارا مدار سخن سازی پر تھا۔ ایک مرتبہ اسے شوق چرایا کہ اپنے ممدی ہونے کی کوئی بیرونی شہادت پیش کرے۔ اس کوشش میں اس نے 26 مئی 1892ء کو ”نشان آسانی“ کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں اپنے ممدی آخر الزمان ہونے کے ثبوت میں شاہ نعمت اللہ کرمانی کا قصیدہ پیش کیا۔ لیکن قصیدہ کا صحیح مصداق بننے کی کوشش میں اس پر تحریف و تبدیل کے کچھ ایسے کند ہتھیار چلائے کہ اس کا حلیہ ہی بگڑ گیا۔ مرزا نے نہ صرف قصیدہ کے اشعار کی ترتیب حسب مراد بدل ڈالی اور بعض الفاظ و تراکیب کو مقدم و موخر کر دیا۔ بلکہ حضرت ممدی علیہ السلام کے اسم گرامی میں بھی تحریف کر دی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت ممدی علیہ السلام کا نام مبارک محمد بن عبد اللہ ہو گا۔ شاہ نعمت اللہ کے قصیدہ میں بھی احادیث نبویہ کے بموجب حضرت ممدی علیہ السلام کا نام نامی محمد بن عبد اللہ مذکور ہے چنانچہ پروفیسر براؤن نے ”تاریخ ادبیات ایران“ میں جہاں یہ قصیدہ نقل کیا ہے وہاں یہ شعر یوں

۱۱ بجایا ہے۔

میم حامیم دال می خوانیم

نام او نامدار می بینم

لیکن مرزا نے اپنے آپ کو اس عبارت کا مصداق ثابت کرنے کے لیے شعر کو یوں بدل دیا۔

اح م و دال می خوانم

نام او نامدار می بینم

مرزائیوں کے ”سلطان القلم“ نے شعر میں تصرف تو کیا لیکن تصرف و تحریف کے لیے بھی سلیقہ درکار ہے۔ مرزا اس رد و بدل کے وقت اتنا بھی احساس نہ کر سکا کہ اس سے شعر کا وزن درست نہ رہے گا۔ اس نے اپنی کم سواد می سے میم اور الف کو ہموزن سمجھ لیا۔ مفصل بحث کے لیے ”ریکس قادیان“ کا مطالعہ فرمائیے۔

آہٹھم سے مناظرہ

پادریوں کی تبلیغی سرگرمیوں کے جواب میں قصبہ جنڈیالہ تحصیل امرتسر کے بعض مسلمان دین مسیحیت کی کمزوریاں دکھا دیکھا کر پادریوں کے دانت کھنکھاتے رہتے تھے۔ پادریوں نے تنگ آکر مسلمانان جنڈیالہ کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ مرزا غلام احمد اپنی صلیب شکنی کا ہمیشہ ڈھنڈو اپنا کرتا تھا۔ اس لیے اکثر عوام کے دلوں پر اس کے علمی کمالات کی دھاک بٹھتی ہوئی تھی۔ اس بنا پر مسلمانان جنڈیالہ نے مرزا کو اسلامی مناظرہ کی حیثیت سے کھڑا کرنے کا فیصلہ کیا۔ کسی شخص نے مرزا کی الحاد پسندیوں پر اعتراض کیا تو کہنے لگے کہ مرزا اپنی ذات سے کافر و ملحد ہی کیوں نہ ہو مگر امید ہے کہ پادریوں کے مقابلہ میں اسلام کی عزت رکھ لے گا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کو معلوم ہوا تو انہوں نے مسلمانان جنڈیالہ کو ان کی خود رائی پر ملامت کی اور بتایا کہ مرزا میں اتنی استعداد نہیں ہے کہ وہ نصاریٰ کے مقابلہ سے عمدہ برآ ہو سکے۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ اچھا تم ہی بتاؤ کہ قادیانی نے آج تک کس مخالف اسلام سے مباحثہ کر کے اس پر فتح حاصل کی۔ اس کی علمی قابلیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ کتاب ”براہین احمدیہ“ میں حقیقت اسلام کے تین سو دلائل پیش کروں گا مگر ایک دلیل کی بھی تکمیل نہ کر سکا۔ ہوشیار پور میں ایک آریہ سے مباحثہ کر کے بحث کو دو پرچوں میں محدود کر دیا اور نہ تو فریق مقابل کو باقی ماندہ دلائل پیش کرنے اور اپنی طرف سے ان کی تردید کرنے کا موقع دیا اور نہ اپنی طرف سے آریوں کے عقلی دلائل پیش کر کے ان کی تردید کی۔ اسی رسالہ میں تنازع کی بحث کو چھیڑا مگر اس کو بھی لو حور اچھوڑ دیا۔ مسلمانان جنڈیالہ نے کہا کہ اگر قادیانی مناظرہ کا اہل نہیں ہے تو پھر وہ سر اکوٹ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک نہیں بلکہ

۱۔ ہور امر تسر اور دوسرے بلاد پنجاب میں بہت سے علماء ایسے موجود ہیں جو پہلے سے تقریر اور تحریر پادریوں سے مناظرے کر رہے ہیں ان میں سے کسی ایک کو انتخاب کر لو۔ دور کیوں جاؤ میں خود اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ انشاء اللہ دیکھ لو گے کہ کس طرح پادریوں کا ناٹھ بند ہوتا ہے لیکن قادیانی پروپیگنڈے سے اثر پذیر ہونے کی وجہ سے حقیقت ناشناس مسلمانان جنڈیالہ پر مرزا کا جادو چل چکا تھا۔ انہوں نے مولوی صاحب کی ایک نہ سنی اور مرزائی کو مناظر اسلام کی حیثیت سے پادریوں کے مقابلہ میں کھڑا کرنا چاہا۔ موضوع بحث پانچ مسائل قرار پائے۔

(1) حضرت مسیح علیہ السلام اور جناب محمد مصطفیٰ ﷺ میں کون سانبی اپنی کتاب اور نیز دوسرے دلائل سے معصوم ہے؟

(2) ان دونوں میں سے کس بزرگ ہستی کو زندہ رسول کہہ سکتے ہیں جو الٰہی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے؟

(3) ان میں سے کس کو شفیع کہہ سکتے ہیں؟

(4) مسیحیت اور اسلام میں سے زندہ مذہب کونسا ہے؟

(5) انجیل اور قرآن کی تعلیمات میں سے کس کی تعلیم اعلیٰ و برتر ہے؟

مناظرہ تحریری قرار پایا۔ عیسائیوں کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم پنشنر جو پہلے مسلمان تھا اور پھر کئی سال سے مرتد ہو گیا تھا مناظر قرار پایا۔ پندرہ دن تک مناظرہ ہوتا رہا لیکن کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ کیونکہ فریقین اپنی اپنی فتح کا ڈنکا جانے لگے۔ مولوی تاج الدین احمد صاحب پلیڈر لاہوری نے اس مناظرہ کے متعلق یہ رائے ظاہر کی کہ مرزا غلام احمد نے مسلمانوں کی اس عزت کو سخت چرکا لگایا ہے جو حافظ ولی اللہ مرحوم کے وقت سے پادریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو حاصل تھی۔ حافظ ولی اللہ نے ان کو بالکل عاجز و لا جواب کر رکھا تھا اور وہ اسلام کی طرف سے سخت مرعوب تھے لیکن مرزا غلام احمد نے اس مرعوب کو دور کر دیا ہے۔ اس مناظرہ کی ناکامی پر نہ صرف مسلمانان جنڈیالہ کو شرمسار ہونا پڑا بلکہ خود مرزا غلام احمد بھی نہایت خفیف ہوا کیونکہ وہ باوجود لمبے چوڑے و عموں کے ایک معمولی پادری کو بھی نیچا نہ دکھا سکا۔ اس لیے اس نے رفع خفت کے لیے 5 جون 1893ء کو یعنی مناظرہ کے آخری دن بوقت اختتام جلسہ اپنے حریف مقابل مسٹر آتھم کے متعلق یہ پیشین گوئی بھرے جلسے میں باوازد بلند سنائی۔ ”آج رات جو مجھ پر کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم نے تضرع اور استہمال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں۔ تیرے فیصلے کے سوا کچھ ہمیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بھارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہادیہ میں گرایا جائے گا

اور اس کو ذلت پہنچے گی بھر طیکہ حق کی طرف رجوع کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتر ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی۔ اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سو جا کھ کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔ میں حیران تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا۔ معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لیے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے ہزرائے موت ہادیہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک مزا کے اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔ رو سیاہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جاوے۔ مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں۔ اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا ضرور کرے گا۔ زمین آسمان مل جائیں پر اس کی باتیں نہ ملیں گی۔ (جنگ مقدس) خدا خدا کر کے سو اسال کی طویل مدت گزری اور لوگ یہ دیکھنے کے قابل ہو سکے کہ مرزا کی پیشین گوئی سچی نکلتی ہے یہ جھوٹی۔ معلوم ہوا ہے کہ جس تاریخ کو پندرہ مہینے کی معیاد ختم ہونے والی تھی اس رات قادیان میں کوئی مرزائی نہ سویا۔ مرزا اور مرزائی رات بھر سر بسجود رہے کہ الہی! طلوع آفتاب سے پہلے آتھم کا کام تمام کر دے مگر خدائے غیور خانہ ساز مقدسین کی دعائیں قبول نہیں کرتا بلکہ انہیں عبرت روزگار ملنے کے لیے ذلت و رسوائی کی چادر اوڑھ دیتا ہے۔ سو اسال کی مقررہ معیاد گزر گئی مگر آتھم مذکور نہ مرا۔ اور پیشین گوئی جھوٹی ثابت ہوئی۔ مرزا کا بری طرح مذاق اڑایا گیا۔ اور مرزائیوں کی بڑی رسوائی ہوئی۔ تفصیل کے لیے کتاب ”رئیس قادیان“ کا مطالعہ فرمائیے۔ جب یہ پیشین گوئی پوری نہ ہوئی تو مرزائی حلقوں میں اضطراب و خلفشار کی لہر دوڑ گئی۔ جو مرزائی بڑھ بڑھ کر باتیں بنایا کرتے تھے وہ شرم کے مارے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ سردار محمد علی مالیر کو ٹلوی جسے مرزائی شاید اس بنا پر کہ آئندہ چل کر مرزا انعام احمد نے اپنی آٹھ نو سالہ بیٹی مبارکہ دیکھ کر اس کے جہالہ ازدواج میں دے کر داماد بنایا تھا۔ نواب محمد علی خاں کہا کرتے ہیں سب سے زیادہ پریشان اور حواس باختہ دکھائی دیتا تھا۔ اس نے اس موقع پر اضطراب آفرین لیکن نہایت دلچسپ چٹھی مرزا انعام احمد کے نام لکھی۔ وہ کتاب ”رئیس قادیان“ میں آپ کی نظر سے گزرے گی۔ مرزا نے اس چٹھی کے جواب میں سردار محمد علی کو جو خط لکھا اس میں مرقوم تھا۔ ”آتھم کے زندہ رہنے کے بارے میں میرے دوستوں کے بہت خط آئے لیکن یہ پہلا خط ہے جو تہذیب اور تردد اور شک اور سوء ظن سے بھر ا ہوا تھا۔ بعض لوگوں نے اس موقع پر نئے سرے سے بیعت کی ہے بہر حال آپ کا خط پڑھنے سے آپ کے ان الفاظ سے بہت ہی رنج ہوا جن کے استعمال کی ہرگز امید نہ تھی۔ (مکتوبات احمدیہ) آتھم کے مناظرہ کے بعد مرزا نے مولوی عبدالحق غزنوی سے امر تسرنیں جہلہ کیا۔ اس کی کیفیت اور انجام معلوم کرنا ہو تو کتاب

”رئیس قادیان“ کی طرف رجوع فرمائیے۔ مولوی غلام دیکھیر صاحب قصوری کے مناظرہ سے مرزا نے جو شاندار پسپائی اختیار کی اس کی کیفیت بھی آپ کو اسی کتاب میں ملے گی۔

پنڈت لیکھرام کا قتل

اقدس کے دکاندار اپنی پیشین گوئیوں میں قرائن حالیہ سے بہت کام لیتے ہیں۔ اگر قرینہ حسب توقع انجام پذیر ہوا تو اپنی صداقت کا ذکر لکھا جانے لگتے ہیں اور اگر خلاف مدعا ظاہر ہوا تو تاویل کاریوں اور خن سازیوں کا دروازہ تو ان کے لیے ہر وقت کھلا ہے۔ ہمہ کپنیوں کے ایجنٹوں کو آپ دیکھتے ہوں گے کہ وہ زندگی کا ہمہ کرانے والے کا ذکر اکر ہی معائنہ کرتے ہیں اور اس کی جسمانی حالت اور عمر کا لحاظ کر کے تخمینہ سے کہہ دیتے ہیں کہ تم اتنی مدت کے اندر نہیں مرؤ گے۔ اور اگر مر جاؤ تو ہم اتنے ہزار روپیہ تمہارے درہاء کی نذر کریں گے۔ پھر جتنی رقم اور مدت کا ہمہ ہوتا ہے اس سے اتنے سال تک کچھ معین رقم سالانہ یا ماہانہ وصول کرتے رہتے ہیں اس طرح ہمہ کپنیاں قرائن و غلبہ و خارجہ کا لحاظ کر کے عموماً کامیاب ہوتی ہیں اور کروڑوں روپیہ اسی ترکیب سے کماتی ہیں۔ مرزا بھی قرائن حالیہ کو دیکھ کر پیشین گوئیاں کر دیتا تھا۔ اگر وہ قرینہ صحیح کرتا تو اپنی عظمت و کبریائی کا فقرہ جانے لگتا اور نہ تاویل کاری اور خن سازی کا مرزائی میدان توانا وسیع تھا کہ شاید عالم خیال کے جواں گاہ کو بھی اتنی وسعت نصیب نہ ہوگی۔ ان ایام میں برگشتہ سخت لیکھرام کے بھکی جذبات کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر سر عام پا کوں کے سردار سیدنا احمد مختار رحمۃ اللہ علیہ کی شان اقدس میں دریدہ دہنی کر رہا تھا اور کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جو اس المیہ سانہ حرکت پر ریش نہ ہو۔ جس طرح 1927ء میں پنجاب کے ہر مسلمان کو یقین تھا کہ راجپال جلد یا بدیر ضرور قتل ہوگا۔ اسی طرح 1892ء کے اوائل اور 1893ء کے اوائل میں ہر شخص دیکھ رہا تھا کہ کسی نہ کسی باحمیت اور غیرت مند مومن کی چھری لیکھرام کو ضرور پیام ہلاکت سنائے گی۔ یہ حالت دیکھ کر مرزا غلام احمد نے 20 فروری 1893ء کو پیشین گوئی کر دی کہ لیکھرام آریہ چھ برس کے اندر اندر اپنی بد زبانوں کی سزا میں یعنی ان بے ادیبیوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی جن عذاب شدید میں مبتلا ہو جائے گا۔ (ضمیمہ کمالات) جب یہ پیشین گوئی شائع ہوئی تو لیکھرام نے کہا کہ یہ پیشین گوئی میرے قتل کرانے یا زہر دانے کا منصوبہ ہے۔ اس کے بعد پنڈت نے مرزا غلام احمد کو لکھا کہ میں قتل وغیرہ کی گیند بھبھکیوں سے نہیں ڈرتا۔ اگرچہ سچ تمہارے اندر کوئی جوہر ہے تو اس قسم کا کوئی معجزہ دکھا کر مجھے قائل کرو مثلاً ایک ماہ تک اپنے الہائی خدا سے منکرت کی تعلیم حاصل کر کے پتھر اور وعظ کرنا سیکھو اور آریہ سماج کے مشہور پنڈتوں دیودت اور شام کرشن کے ساتھ شاسترا تھ کر کے فتح حاصل کرو یا اس قسم کا کوئی اور معجزہ دکھا دو۔ اگر کوئی معجزہ دکھا سکو تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ ورنہ میں کسی

حالت میں تمہاری چالوں میں نہیں آسکتا۔ اس کے جواب میں لیکھرام کو ایک سرخ چٹھی موصول ہوئی۔ جس میں لکھا تھا۔ ”بخدمت پیشوائے مگرہاں افتخار بنوداں پنڈت لیکھرام ہادام فی النار والسرور۔ غضب اللہ مثل کلب ناپاک بجدام اسلحہ شمار خواہند کشت۔ پس بہ نہایت مذلت بنوداں شمار بہ چنہ۔ چوب برداشتہ کہ اول درجہ علامت غضب الہی است در آتش دنیا خواہند سوخت۔ پنڈتا! شنیدہ باشد کہ شخصے شیر علی گور نر جنرل صاحب بہادر را بہ جرم کشتہ بود۔ پس شاہچہ منصب ولایت دارید کہ ہشما آنچنان پے در پے نخواہند کشت (آریہ مسافر لاہور) الغرض مرزائی پیشین گوئی کے چار سال بعد یعنی 6 مارچ 1897ء کو پنڈت لیکھرام کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مرزائے لیکھرام کے قتل کی مدت بڑی لمبی چوڑی رکھی تھی۔ اور قتل ہوتے ہوتے بھی اس نے چار سال لگا دیئے لیکن دھرم پال کی بلاکت کے متعلق بیسیسویں مسلمانوں نے مدت قلیل کی پیشین گوئیاں کر رکھی تھیں جو حرف عرف پوری ہوئیں۔ مرزائی لوگ قتل لیکھرام کی مرزائی پیشین گوئی پر بہت اترا لیا کرتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ اس پیشین گوئی میں کوئی جدت نہیں تھی۔ قرآن عالیہ کو دیکھ کر تو زید عمرو ہر شخص پیشین گوئی کر سکتا ہے اس سے قطع نظر آریوں نے بو ثوق اعلان کیا تھا کہ مرزا غلام احمد ہی نے پنڈت لیکھرام کو قتل کر لیا ہے اور وہ بھی اس کی جان کے لاگو ہو گئے۔ چنانچہ وہ ہر ملا سکتے تھے کہ ہم مرزائے اس کا انتقام لیں گے۔ اخبار آفتاب ہند کے ایک نامہ نگار نے لکھا مرزا قادیانی خبردار۔ مرزا قادیانی بھی امروز فردا کا مہمان ہے۔ بحرے کی ماں کب تک خیر مناسکتی ہے۔ جب اس قسم کے مضامین کی بنا پر مرزا کو اپنی جان کا خطرہ ہوا تو اس نے حکومت پنجاب کے لئے ایک درخواست بھیج کر اس سے حفاظت جان کی درخواست کی۔ (دیکھو تبلیغ رسالت یعنی مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد جلد 3 صفحہ 64) پنڈت لیکھرام کے واقعہ قتل اور نتائج مابعد کی نہایت دلچسپ تفصیلات کے لیے کتاب ”رئیس قادیاں“ کی طرف رجوع کیجئے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ کو دعوت مبارزت

مرزائیت کی تردید میں آج تک جو ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں ان میں شاید سب سے پہلی کتاب ”شمس الہدایہ“ تھی جو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے جو علم حدیث میں مولانا احمد علی صاحب محدث سارنپوری مرحوم کے شاگرد ہیں۔ آج سے قریباً چالیس سال پہلے زیب رقم فرمائی۔ اس کتاب میں مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام کو اس طرح منقح کیا گیا ہے کہ اس کے بعد کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو مرزائی حلقوں میں کمر اٹھ گیا۔ پتہ عرصہ کے بعد مرزائے اپنے حواری خاص مولوی محمد احسن امرودی سے اس کا جواب بنام ”شمس بازغہ“ لکھوا کر شائع کیا۔ حضرت پیر صاحب نے ”شمس بازغہ“ کی تردید میں کتاب ”سیف چشتیانی“

لکھی۔ یہ کتاب آج تک کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ لیکن گزشتہ 38 سال کی طویل مدت میں امت مرزا نے کو اس کا جواب لکھنے کا حوصلہ نہیں ہوا جب کتاب ”سیف چشتیائی“ نے مرزائیت کے سارے غلطیوں اور مرزائیت کا جنازہ ذلت و رسوائی کے بحر ظلمات میں ڈوبا نظر آیا تو مرزا غلام احمد نے اس تن مردہ میں از سر نو زندگی کی روح پھونک دی چنانچہ اس کوشش میں 20 جولائی 1900ء کو ایک مطبوعہ اعلان میں حضرت پیر مر علی شاہ صاحب اور ہندوستان بھر کے دوسرے چھپاسی علمائے کرام و صوفیائے عظام کو لاہور آکر مناظرہ کرنے کی دعوت دی۔ اور لکھا کہ ”مر علی شاہ صاحب اپنے رسمی شخصیت کے غرور سے اس خیال میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اس سلسلہ آسمانی کو منادیں۔ اس غرض سے انہوں نے دو کتابیں بھی لکھی ہیں جو اس بات پر کافی دلیل ہیں کہ وہ علم قرآن اور حدیث سے کیسے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ وہ اپنی کتاب کے ذخیرہ لغویات میں ایک بھی ایسی بات پیش نہیں کر سکتے جس کے اندر کچھ روشنی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف اس دھوکا میں پڑے ہوئے ہیں کہ بعض حدیثوں میں لکھا ہے کہ مسیح موعود آسمان سے نازل ہو گا حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی اور کسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم غصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے اور تاق نزول کے لفظ کے الٹے معنی کرتے ہیں۔ اگر مر علی شاہ صاحب اپنی ضد سے باز نہیں آتے تو میں فیصلہ کے لیے ایک سہل طریق پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ پیر صاحب میرے مقابل سات گھنٹہ تک زانو بٹھ کر چالیس آیات قرآنی کی عربی میں تفسیر لکھیں جو نقطہ کا کاں کے پس ورق سے کم نہ ہو۔ پھر دونوں تفسیریں تین عالموں کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پیر مر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہو گا سنائی جائیں۔ جس کی تفسیر کو وہ حلقہ پسند کریں وہ موبد من اللہ سمجھا جائے۔ مجھے منظور ہے کہ پیر مر علی شاہ صاحب اس شہادت کے لیے مولوی محمد حسین مٹاوی اور مولوی عبد الجبار غزنوی امر تسری اور مولوی عبد اللہ پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کر لیں جو ان کے مرید اور پیرو نہ ہوں۔ اگر پیر صاحب کی تفسیر بہتر ثابت ہوئی تو میں اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اپنے دعوؤں کے متعلق ہیں جلا دوں گا اور اپنے تئیں مخذول اور مردود سمجھ لوں گا اور اگر وہ مقابلہ میں مغلوب ہو گئے یا انہوں نے مباحثہ سے انکار کر دیا تو ان پر واجب ہو گا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں۔ میں مکرر لکھتا ہوں کہ پیر صاحب مباحثہ میں بالکل ناکام رہیں گے بلکہ مباحثہ کے لیے لاہور ہی نہیں آئیں گے اور میرا غالب رہنا اسی صورت میں متصور ہو گا جبکہ پیر مر علی شاہ صاحب جو ایک ذلیل اور قابل شرم اور ریک عبارت اور افغو تحریر کے کچھ بھی نہ لکھ سکیں اور ایسی تحریر کریں جس پر اہل علم تھوکیں اور نفرت کریں کیونکہ میں نے خدا سے یہی دعا کی ہے کہ وہ ایسا ہی کرے۔ اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ اور اگر پیر مر علی شاہ صاحب اپنے تئیں مومن مستجاب الدعوات جانتے ہیں تو وہ بھی ایسی ہی دعا کریں اور

یاد رہے کہ خدا تعالیٰ ان کی دعا ہرگز قبول نہیں کرے گا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے مامور مرسل کے دشمن ہیں۔ اس لیے آسمان پر ان کی عزت نہیں۔ یاد رہے کہ مقام حث جز لاہور کے جو مرکز پنجاب ہے اور کوئی نہ ہوگا۔ اگر میں حاضر نہ ہوا تو اس صورت میں بھی میں کاذب سمجھا جاؤں گا۔ انتظام مکان جلسہ پیر صاحب کے اختیار میں ہوگا۔ اگر ضرورت ہوگی تو بعض پولیس کے افسر بلا لیے جائیں گے اور لعنت ہو اس پر جو حلف یا انکار کرے۔ مرزا کو پورا اطمینان تھا کہ پیر صاحب جو نہایت معمر الاداقت اور عزالت گزین بزرگ ہیں اور ذرا الٹی ان کا دن رات کا مشغلہ ہے۔ مناظرہ کے لیے ہرگز نہیں آئیں گے اور مریدوں کے سامنے یہ شیخی بھڑانے کا موقع مل جائے گا کہ پیر صاحب گولڑی جیسا فاضل اجل جس کے لاکھوں مرید ہیں میرے مقابلہ کی جرات نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ دیکھ کر مرزا کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ پیر صاحب نے سچ بچ اس چیلنج کو منظور کر لیا اور 25 جولائی 1900ء کو لکھ بھجاکہ ”مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اشتہار آج 20 جولائی 1900ء کو نیاز مندی نظر سے گذرا۔ خاکسار کو دعوت حاضری جلسہ لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا صاحب منظور ہے لیکن درخواست یہ ہے کہ میری بھی ایک گذارش کو شرائط مجوزہ کے سلک میں منسلک فرمایا جائے اور وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب اجلاس میں پہلے اپنی مسیحیت و مہدویت کے دلائل پیش کریں اور میں مرزا صاحب کے دلائل کا جواب دوں۔ اگر مرزا صاحب کے تجویز کردہ تینوں حکم اس بات کو تسلیم کر لیں کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو پایہ ثبوت تک نہیں پہنچا سکے تو وہ میرے ہاتھ پر توبہ کریں۔ میں اپنی طرف سے تاریخ مناظرہ 25 اگست 1900ء بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں۔ ازراہ کرم آپ تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچ جائیے۔ لاہور امرتسر اور بعض دوسرے مقامات کے علماء کو ہم خود جمع کر لیں گے۔ دوسرے علماء کے جمع کرنے کا ہم ذمہ نہیں لے سکتے۔ الغرض جب تمام مراحل طے ہو گئے تو حضرت پیر صاحب بروز جمعہ 24 اگست 1900ء کو علماء کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں سے اکثر کے نام مرزا کی فرست میں درج تھے لاہور تشریف لے آئے۔ مناظرہ لاہور کی شاہی مسجد میں قرار پایا۔ ہر شخص کو یقین تھا کہ قادیانی بھی وقت معمودہ پر پہنچ جائے گا مگر اسے حق کے رعب نے مقابلہ پر آنے کی اجازت نہ دی البتہ اس کی جگہ ایک مطبوعہ اشتہار لاہور میں تقسیم کرادیا کہ پیر صاحب مقابلہ سے بھاگ گئے۔ واقعی یہ بھی مسیح قادیان کا ایک معجزہ تھا کہ قادیان سے قدم باہر رکھنے کی تو خود جرات نہ ہوئی اور مقابلہ سے راہ فرار پیر صاحب نے اختیار کی اور صرف یہی نہیں کہ پیر صاحب کی ہزیمت و فرار کے اشتہار ان کی مراجعت کے بعد شائع کئے گئے ہوں بلکہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں کہ جب یوم مباحثہ کی صبح کو پیر صاحب اور دوسرے لوگ شاہی مسجد کی طرف جا رہے تھے تو راستہ میں ہر جگہ نہایت چوب قلم اشتہارات لاہور کی ڈیواروں پر چسپاں پائے گئے۔ جن کا یہ عنوان تھا۔ ”پیر مر علی کا فرار“ جو لوگ پیر صاحب کو چشم خود لاہور میں دیکھ رہے تھے وہ زبان

حال کہہ رہے تھے۔

این چہ می بینم بہ ہمداری ست یارب یا خواب ؟

آخر جب پیر صاحب 29 اگست کے روز بعد انتظار بسیار لاہور سے مراجعت ہوئے تو مرزا کا ایک زرد رنگہ اشتہار جو بزبان حال مرزائی ہزیمت اور زرد روئی کی شہادت دے رہا تھا تاریخ نکلا جس میں لکھا تھا کہ پیر صاحب نے ہمارا طریق فیصلہ کو قبول نہ کیا اور چال بازی کی اس کے بعد ایک اور اعلان بھی شائع کیا جس کا عنوان ”آخری حیلہ“ تھا۔ گو اس اشتہار پر تاریخ طبع درج تھی لیکن یہ لاہور میں پیر صاحب کی مراجعت کے کئی دن بعد تقسیم ہوا۔ اس میں لکھا تھا۔ ”اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ لاہور کے گلی کوچوں میں پیر صاحب کے مرید اور ہم مشرب شہرت دے رہے ہیں کہ پیر صاحب تو بالمقابل تفسیر لکھنے کے لیے لاہور میں پہنچ گئے تھے مگر مرزا بھاگ گیا حالانکہ یہ تمام باتیں خلاف واقعہ ہیں بلکہ خود پیر صاحب بھاگ گئے ہیں۔ میں بہر حال لاہور پہنچ جاتا مگر میں نے سنا ہے کہ اکثر پشاور کے جاہل سرحدی پٹھان پیر صاحب کے ساتھ ہیں اور ایسا ہی لاہور کے اکثر سفلہ اور کینہہ طبع لوگ گلی کوچوں میں مستوں کی طرح گالیاں دیتے پھرتے ہیں اور نیز مخالف مولوی بڑے جوش و غلظت سے وعظ کر رہے ہیں کہ یہ شخص واجب القتل ہے تو اس صورت میں لاہور جانا بغیر کسی احسن انتظام کے کس طرح مناسب ہے۔ اس فتنہ اور اشتعال کے وقت میں بجز شر کی و تیسو کی پوری طرح کی ذمہ داری کے لاہور میں قدم رکھنا گویا آگ میں قدم رکھنا ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد 10 ص 139-142) اس اعلان کے متعلق منشی الہی بخش صاحب اکائونٹنٹ لاہور نے جو سالہا سال تک مرزائی رہنے کے بعد مرزائیت سے تائب ہوئے تھے کتاب ”عصائے موسیٰ“ میں لکھا۔ جب مرزا صاحب لاہور آنے سے ایسے ہراساں و ترساں تھے تو ازل خود ہی اشتہار دے کر اپنی جان کو خطرے میں کیوں ڈالا؟ مرزا صاحب نے خود ہی تو تمام دنیا کو مقابلہ کے لیے بلایا اور اشتہار پر اشتہار شائع کئے اور جب آپ کے حکم کی تعمیل میں حضرت پیر صاحب اور دوسرے حضرات جمع ہوئے تو فرمانے لگے کہ ایسے مجمع میں جانا تو گویا آگ میں کود پڑنا ہے۔ ذرا غور کرو کہ اللہ کے مرسل تو جج و کہتی ہوئی آگ میں ڈال دیئے گئے لیکن حافظ حقیقی نے انہیں ہر طرح سے محفوظ رکھا لیکن آپ محض خیالی اور مجازی آگ میں قدم رکھنے سے بھی ڈر گئے جو خود بدولت ہی کی سلگائی ہوئی تھی۔ سچا مومن تو خیر الحانظین کے حفظ دامن اور اس کی نصرت بخششیوں کا بھر دسہ کر کے ہر خطرے کا مقابلہ کرتا ہے۔ لیکن منافق لوگ اس طرف قدم رکھتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

بے خطر کو دہڑا آتش نمرود میں عشق

کفر ہے محو تماثائے لب بام ابھی

گو مرزا صاحب کو لاہور آنے کی جرات نہ ہوئی لیکن ہر کس و ناکس کو مرزا صاحب کے

اس قول کی تصدیق ہو گئی کہ اگر میں حاضر نہ ہوا تب بھی کاذب سمجھا جاتا گا۔ (عصائے موسیٰ صفحہ 421) کے نمبر 4 میں شکوہ کیا کہ پیر صاحب نے اپنے جوبلی اشتہار میں تحریری مقابلہ سے پہلے نصوص قرآن وحدیث کے رو سے مباحثہ کئے جانے کی کیوں خواہش کی؟ افسوس مرزا نے یہ شکایت کرتے وقت اتنا انصاف نہ کیا کہ انہوں نے خود ہی تو پیر صاحب کو علم قرآن وحدیث سے بے بہرہ بتایا تھا اور ان کی کتاب ”شمس الہدایہ“ کو جو مرزائیت شکنی میں بہترین کتاب ہے۔ ذخیرہ لغویات قرار دیتے ہوئے ان سے رفع ونزول مسیح علیہ السلام کے دلائل پیش کرنے کا مطالبہ کیا تھا حالانکہ پیر صاحب شمس الہدایہ میں اس کے بیسیوں دلائل پیش کر چکے تھے۔ پس اگر پیر صاحب نے تفسیر نویسی کے مقابلہ سے پہلے مرزائی کجروی اور رفع ونزول مسیح علیہ السلام کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کے لیے تھوڑے سے زبانی مناظرہ کی بھی خواہش کی تو کیا بے جا کیا؟ اور پھر کہ جب مرزا جی نے حضرت پیر صاحب کے مطالبہ کو شرف قبول نہ عطا تو پیر صاحب نے بھی اس پر کچھ اصرار نہ فرمایا تھا بلکہ مرزا کی دس شرطوں کو ہی قبول فرما کر مقابلہ تفسیر نویسی کے لیے لاہور تشریف لے آئے تھے اور پیر صاحب کے اشتہار مورخہ 21 اگست 1900ء میں مرزا کے تمام شرائط منظور ہو کر 25 اگست 1900ء کو جانین کالاہور پہنچ جانا قرار پا چکا تھا جس کے لیے مرزا کے پاس بشرط انصاف و دیانت کسی عذر خواہی اور حیلہ گری کی گنجائش نہ تھی۔ (عصائے موسیٰ) بہر حال مرزا کی اس شاندار پسپائی نے قادیاں کے خلاف شکوہ ملامت کے بہت سے پتے کھول دیے اور مرزائیوں کے لیے گھروں سے باہر نکلنا مشکل ہو گیا۔ 28 اگست کے اشتہار میں تو مرزا نے لکھا تھا کہ میں نے سرحدی پٹھانوں کے خوف سے لاہور کا رخ نہیں کیا لیکن کچھ دنوں کے بعد رسالہ اربعین میں یہ لکھ مارا کہ اگر پیر مر علی شاہ صاحب منقولی مناظرہ اور اپنی بیعت کی شرط پیش نہ کرتے تو اگر لاہور اور قادیاں میں برف کے پہاڑ بھی ہوتے اور جاڑے کے دن ہوتے تو میں تب بھی لاہور پہنچتا اور ان کو دکھاتا کہ میں آسمانی نشان اس کو کہتے ہیں۔ (اربعین نمبر 4، صفحہ 21) اس کے بعد 15 دسمبر 1900ء کو مرزائیوں شکوہ سنج ہوا کہ بلا وصف اس کے کہ اس معاملہ کو دو مہینے سے زیادہ عرصہ گزر گیا مگر اب تک پیر مر علی شاہ کے متعلقین سب دھم سے باز نہیں آتے اور ہر ہفتہ میں کوئی نہ کوئی ایسا اشتہار پہنچ جاتا ہے جس میں پیر مر علی شاہ کو آسمان پر چڑھایا ہوتا ہے اور مجھے گالیاں دی ہوتی ہیں۔ اور میری نسبت کہتے ہیں کہ دیکھو اس شخص نے کس قدر ظلم کیا کہ پیر مر علی شاہ صاحب جیسے مقدس انسان بالمقابل تفسیر لکھنے کے لیے صعوبت سفر اٹھا کر لاہور میں پہنچے مگر یہ شخص اس بات پر اطلاع پا کر کہ درحقیقت وہ بزرگ تابغہ زمان اور حجاب دور ان اور علم معارف قرآن میں لاثانی روزگار ہیں۔ اپنے گھر کی کسی کو ٹھری میں چھپ گیا اور نہ حضرت پیر صاحب کی طرف سے معارف قرآنی کے بیان کرنے اور زبان عربی کی بلاغت دکھانے میں بڑا نشان ظاہر ہوتا۔ (ضمینہ اربعین نمبر 3، ص 4، 15) بہر حال مرزا نے مقابلہ

سے فرار کرنے کے متعلق اپنی طرف سے دو گونہ معافیایں پیش کیں جو اوپر درج کی گئی ہیں لیکن عجب نہیں کہ اس کی ایک تیسری وجہ بھی ہو۔ اور شاید وہی حقیقی وجہ ہو جو خود تقدس مآب مرزا غلام احمدؒ نے ”ضمیمہ تحفہ گولڑیہ“ (طبع سوم کے صفحہ 13) میں لکھی ہے کہ ”میدان میں ٹکنا کسی محنت کا کام نہیں۔“ مگر یاد رہے کہ میں مرزا کو خدا خواستہ محنت بر شغال نہیں کرتا۔ بلکہ ”شیر“ سمجھتا ہوں جو اپنے ”شکار“ پیر صاحب پر حملہ کرنے کے لیے ڈکارتا ہوا قادیان سے لاہور آچکا تھا۔ چنانچہ خود ”قادیان“ لکھتا ہے۔ ”اس وقت مہر علی شاہ کہاں ہے جس نے گولڑہ کو بدنام کیا؟ کیا وہ مردہ ہے جو باہر نہیں نکلے گا؟ اور شیر تو ضرور نعرہ مارتا ہے۔“ (اعجاز احمدی مؤلفہ مرزا غلام احمد صفحہ 49) بعض لوگ تقدس مآب مرزا غلام احمد کے شیر ہونے سے انکار کرتے ہوئے اسے شیر قالین قرار دیں گے لیکن میں ایسے لوگوں سے متفق نہیں ہوں۔ اگر وہ حقیقی شیر غراں نہی تھا تو کم از کم چیلنج دینے کا تو شیر تھا۔ اس لیے وہ شیر کا شیر رہا۔ شیر قالین نہ ہوا۔ اصل یہ ہے کہ مرزا غلام احمد ذرہ بے قدر اور موربے مایہ ہونے کے باوجود پہاڑ سے ٹکرانے لگتا تھا اور جب لہو لہان اور بد حال ہو کر گر پڑتا تو دل میں عہد کرتا کہ اب کسی بڑے پہلوان سے مبارزت خواہ نہ ہوں گا۔ لیکن جب اپنا وحشی رساں ”ٹپٹی ٹپٹی“ آکر ایک مجبور نما جلوہ دکھاتا تو مقابلہ کی از سر نو تحریک ہوتی اور خم ٹھوٹک کر دوبارہ آمو جو رہتا۔

شب زمے توجہ کم از نیم ناز شاہداں

بامد اوں روئے ساقی باز در کار آورد

حضرت پیر صاحب کے مقابلہ میں مرزا کو جو زخم آئے ان کو دو مہینہ تک سینکتا رہا۔ آخر جب زخم اچھے ہو گئے تو پیر صاحب سے از سر نو مقابلہ کی خواہش کا اظہار کرنے لگا اور لکھا کہ اگر کشتی دو پہلو انوں کی مشتبہ ہو جائے تو دوسری مرتبہ کرائی جاتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک فریق تو دوبارہ کشتی کے لیے (قادیان کے کونے میں دہکا) کھڑا ہے اور دوسرا جو جیتا ہے وہ مقابلہ پر نہیں آتا (ضمیمہ اربعین نمبر 3'4' ص 14) لیکن اگر وہ پچارہ کسی حقیقی پہلوان ہی سے پوچھ لیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ غالب اپنے مغلوب پہلوان سے دوبارہ کشتی نہیں لڑا کرتا۔ اور مغلوب بھی وہ جس کا چیلنج محض نمائشی ہو۔ اگر کبھی کوئی چچ سانسے آمو جو ہو تو گھر کے دروازے بند کر کے کسی کو نے میں جا چھے۔

افسوس کہ میں قلت گنجائش کی وجہ سے بیسیوں اہم واقعات قلم انداز کرنے پر مجبور ہوں جو صاحب مسیح قادیان کی انجوبہ روزگار شخصیت کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھنا چاہیں وہ خاکسار راقم الحروف کی کتاب ”رئیس قادیان“ کی طرف رجوع فرمائیں۔

مسیح قادیان کی عربی دانی

مرزا غلام احمد کو عربی ادب و شعر گوئی کا پر نونپنے میں بڑا کمال تھا۔ بلکہ یہ کمال اعجازی

درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔ مرزا کی عربی زبان اس قدر لچر ہے کہ اس کے پڑھنے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ علماء اس کی عربی تحریروں میں ہمیشہ غلطیاں نکالتے رہے مگر نصف صدی کا طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود یہ سلسلہ ہنوز منقطع نہیں ہوا اور اس پر طرہ یہ کہ مرزائیوں نے اپنے منہ کو الٹا ”سلطان القلم“ کا لقب دے کر علم و ادب کا منہ چڑایا ہے۔ مولوی محمد حسین مٹالوی شاید سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے مرزا کی عربی تحریروں پر تنقیدی نگاہ ڈالی۔ انہوں نے سب سے پہلے مرزائی کتاب ”دافع و سادس“ کا مطالعہ کیا اور اس میں چھپا سٹھ غلطیاں نکال کر شائع کیں۔ مرزا نے ان اغلاط کو صحیح ثابت کرنے کے بجائے حسب عادت گالیاں دے کر کلیجہ ٹھنڈا کر لیا۔ جو صاحب اس فرست اغلاط کے دیکھنے کے شائق ہوں وہ رسالہ اشاعت السنہ (جلد 15، ص 316-328) کا مطالعہ فرمائیں۔ مولوی محمد حسین تو ایک بڑے فاضل تھے وہ اس کی عربی تحریروں میں سینکڑوں ہزاروں غلطیاں نکال سکتے تھے مگر بعض غیر علماء بھی اس فرض کی انجام دہی سے قاصر نہ تھے چنانچہ رسالہ ”کرامات الصادقین“ کے متعلق مرزا نے اعلان کیا کہ جو شخص اس میں سے کوئی غلطی نکالے گا اسے فی غلطی پانچ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ بلا احمد الدین کلرک محکمہ انکم ٹیکس سیالکوٹ جنہوں نے محض ایف اے یا بی اے کلاس کی عربی تعلیم حاصل کی تھی اس خدمت پر کمر بستہ ہوئے اور رسالہ کے چند ابتدائی صفحات کو سرسری نظر سے دیکھ کر جھٹ گیارہ غلطیاں نکالیں اور بذریعہ چٹھی بھیج کر پچیس روپے انعام کا مطالبہ کیا لیکن مرزا نے نہ صرف وعدہ انعام کو ایفانہ کیا بلکہ ایسی چپ سادھی کہ گویا اس قسم کا کوئی اعلان ہی نہیں کیا تھا۔ (اہل حدیث امرتسر 25 اگست 1916ء) بلا احمد الدین نے وہ غلطیاں اخبار ”وزیر ہند“ سیالکوٹ مورخہ 8 اگست 1894ء میں چھپوا دیں۔ اس پر مرزا غلام احمد اور اس کے پیروؤں کو بہت خفت اٹھانی پڑی۔ (اشاعت السنہ جلد 16، ص 53) اسی طرح مولوی عبدالعزیز صاحب پروفیسر مشن کالج پشاور نے بڑے طمطراق سے رسالہ ”کرامات الصادقین“ کی غلطیاں نکالیں مگر مرزا نے ان کو بھی کچھ انعام نہ دیا۔ جو حضرات ان اغلاط کے دیکھنے کے خواہشمند ہوں وہ جریدہ ”اہل حدیث“ کی 21 جولائی 1916ء اور 28 جولائی 1916ء کی اشاعتوں کا مطالعہ فرمائیں۔ مرزا نے 22 فروری 1901ء کو رسالہ ”اعجاز المسح“ جس میں سخت طعنہ انداز میں سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھی تھی شائع کیا اور اسے قرآن پاک کی طرح معجزہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ مرزائیوں نے اس کی اشاعت پر بڑا اودھم مچایا اور کہا کہ قرآن کے بعد اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ ”علمائے امت نے فرمایا کہ ”و دعویٰ اعجاز تو چھوٹا منہ بڑی بات ہے اس کی عبارت تک درست نہیں۔“ حضرت پیر مر علی شاہ گولڑدی نے کتاب ”سیف چشتیائی“ میں نہ صرف ”اعجاز المسح“ کی غلطیوں کے انبار لگا کر مرزائیوں کی حماقت ظاہر کی بلکہ یہ بھی دکھادیا کہ ”سلطان القلم“ صاحب نے کس کس کتاب سے کیا کیا عبارتیں چرائی ہیں؟ جو صاحب ان اغلاط و مسروقات کو دیکھنا چاہیں وہ

کتاب ”سیف چشتیائی“ (صفحات 70-80) کی طرف رجوع فرمائیں۔ حضرت پیر صاحب کو اس تنقید کے ”انعام“ میں ہارگاہ قادیاں سے یہ ”اعزاز“ بخشے گئے۔ ”نادان‘ چور‘ کذاب‘ نجاست خور وغیرہ۔“ (نزول المسیح موقوفہ مرزا غلام احمد ص 70) جاہل ’بے حیا‘ مسروقہ کا الزام دینا تو گویا کھانا ہے۔ (نزول المسیح ص 63) اے جاہل ’بے حیا! اول عربی بلیغ فصیح میں کسی سورہ کی تفسیر شائع کر پھر حق حاصل ہو گا کہ میری کتاب کی غلطیاں نکالے یا مسروقہ قرار دے۔ (نزول المسیح ص 63) غرض مرزا نے ”نزول المسیح“ کے تیس صفحے (62-81) صرف حضرت پیر صاحب کے خلاف دریدہ دہبئی کرنے کے لیے وقف کر دیئے ہیں۔ یاد رہے کہ مولوی محمد حسین صاحب فیضی نے جو موضع مہمن ضلع جہلم کے رہنے والے تھے رسالہ ”اعجاز المسیح“ کے مقابلہ میں اس سے ہزار درجہ بہتر اور فصیح و بلیغ کتاب تصنیف فرمائی تھی۔ مرزائیت کی پامالی میں جو شاندار کارنامے فیضی صاحب سے عرصہ ظہور میں آئے انہیں ”رئیس قادیاں“ میں ملاحظہ فرمائیے 3029 توہر 1902ء کو موضع سد ضلع امرتسر میں مرزائیوں سے اہل حق کا ایک مناظرہ ہوا جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مرزائیت کو ایسی بری طرح پامال کیا کہ مرزائی لوگ اس کی تنقیح آج تک محسوس کر رہے ہیں۔ مرزائی مناظرے نے جس کا نام مرزور شاہ تھا کتاب ”اعجاز المسیح“ کو مرزائی معجزہ کی حیثیت سے پیش کیا لیکن مولوی ثناء اللہ نے یہ کر کے اس کا ناطقہ بند کر دیا کہ اس میں بے شمار اغلاط و مسروقات ہیں تاہم اعجاز چہ رسد۔ جب شکست خوردہ مرزائی مناظر نے قادیاں پہنچ کر اپنی دردناک داستان ہزیمت مرزا کو سنائی تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور بزعیم خود مولوی کے دانت کھنے کرنے کے لیے ایک رسالہ بنام ”اعجاز احمدی“ جس میں کچھ اردو نثر اور کچھ عربی نظم تھی لکھا اور مولوی ثناء اللہ کو چیلنج دیا کہ اگر اسی شکست کا ایک رسالہ پانچ دن میں لکھ دیکھاؤ تو تم کو دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اس رسالہ سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ جس طرح پیغمبر خدا ﷺ کو قرآن کا معجزہ دیا گیا تھا اسی طرح رسالہ ”اعجاز احمدی“ میرا معجزہ ہے حالانکہ اگر اس میں کوئی اعجازی شان پائی جاتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ جواب کے لیے وقت کی تحدید کی جاتی اور قرآن کی طرح صلا لے عام نہ دیا جاتا کہ قیامت تک جو شخص بھی چاہے اس کی مثل پیش کرے۔ اس چیلنج کے جواب میں مولوی ثناء اللہ نے 21 نومبر 1902ء کو ایک اشتہار میں مرزا سے مطالبہ کیا کہ پہلے تم ایک مجلس منعقد کرو جس میں میں اس تنقید کے صریحی نحوی عروضی اولی غلطیاں پیش کروں گا اگر تم ان غلطیوں کا جواب دے سکتے تو پھر میں زانو بہ زانو بیٹھ کر تم سے عربی نگاری کا مقابلہ کروں گا۔ یہ کیا مضحکہ خیز حرکت ہے خود تو کسی بڑی مدت میں کوئی مضمون لکھو اور اپنے مخاطب کو کسی محدود وقت کا پابند نہ آؤ۔ اگر تم متوہب من اللہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ میرے مقابلہ میں برسر میدان طبع آزمائی نہ کرو۔“ مگر مرزا نے اس مطالبہ کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور ایسی چپ سادھی کہ گویا سانپ سو گتھ گیا۔ بہر حال یہ رسالہ بھی رسالہ ”اعجاز المسیح“ کی طرح اغلاط سے مملو

ہے ہاں اگر اس کو اس لحاظ سے معجوبے مثل کہیں کہ مہمل نگاری میں دنیا کے اندر اس کی کوئی مثل نہیں تو اس کے اعجاز سے کسی کو انکار نہ ہوگا۔ جو حضرات ”اعجاز احمدی“ کے اغلاط دیکھنا چاہیں وہ کتاب ”الہامات مرزا“ (صفحات 98-102) کا مطالعہ فرمائیں۔ بلاوجودیکہ وہ قرۃ العین بھی مرزا کی طرح باطل کی پیروی تھی مگر جہاں مرزا کا ”قصیدہ اعجازیہ“ پڑھنے سے دل میں سخت تکدر اور انقباض پیدا ہوتا ہے وہاں قرۃ العین کا قصیدہ پڑھتے وقت ایک رومی لذت محسوس ہوتی ہے۔ ”قصیدہ اعجازیہ“ میں بھی دوسری مرزائی تالیفات کی طرح گالیوں کی بھرمار ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو بھڑیا کتا، کمینہ، جھوٹا، کڑوم وغیرہ القاب سے یاد کیا ہے اس نام نہاد قصیدہ کے مقابلہ میں قاضی ظفر الدین صاحب مرحوم سائق پروفیسر اور نیشنل کالج لاہور جو ہمارے ضلع کو جرنالہ کے رہنے والے تھے ایک قصیدہ بنام ”قصیدہ راسیہ“ شائع کیا جس کے 62 اشعار نمونہ ”کتاب الہامات مرزا“ (ص 103-105) میں نقل کئے گئے ہیں۔ ”اعجاز احمدی“ کے جواب میں مولانا غنیمت حسین صاحب مونگیری نے بھی ایک کتاب ”ابطال اعجاز مرزا“ دو حصوں میں لکھی۔ پہلے حصہ میں مرزائی نظم کے اغلاط ظاہر کئے اور دوسرے حصہ میں سواچھ سواشعار کا نہایت فصیح و بلیغ عربی قصیدہ لکھا۔ یہ رسالہ چھپ چھکا ہے اور پنجاب میں بعض حضرات کے پاس موجود ہے۔ مولانا اصغر علی صاحب رومی سائق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے بھی ”اعجاز احمدی“ کے جواب میں ایک قصیدہ شائع کیا۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ تھا۔

تسیر الی ربع الحبيب الزوامل فیالک شوقاً ہیجته المنازل
اونٹیاں منزل حبیب کی طرف جا رہی ہیں اللہ رے وہ شوق جس کو منازل نے اٹھا رہا ہے
اسی طرح ایک قصیدہ مولوی محمد حسن فیضی مرحوم متوطن موضع بہمن ضلع جہلم نے بصنعت غیر منقوط شائع کیا۔ یعنی اس قصیدہ کے کسی لفظ میں کوئی نقطہ وار حرف نہیں تھا۔ جو صاحب اس قصیدہ کا نمونہ دیکھنا چاہیں وہ رسالہ ”تازیانہ عبرت“ (ص 47-48) کی طرف رجوع فرمائیں۔ فیضی صاحب کا قصیدہ انجمن نعمانیہ لاہور کے ماہوار رسالہ میں شائع ہوا تھا لیکن مرزا کی مجال نہیں تھی کہ اس کے مقابلہ میں ایک غیر منقوط فصیح و بلیغ شعر لکھ کر ہی دکھا دیتا۔ یہاں یہ بتا دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سید رشید رضا ایڈیٹر المنار قاہرہ نے مرزا کی عربیت کا مذاق اڑایا تھا۔ مرزا نے اس کا جس شکل میں انتقام لیا وہ مرزائی تمذیب کا روشن ترین مرقع ہے۔ اس مرزائی عنوانت نگاری کی دلچسپ تفصیل کتاب ”رئیس قادیاں“ میں آپ کی نظر سے گزرے گی۔ ایک مرتبہ مولانا اصغر علی صاحب رومی نے مرزا کی بعض عربی کتابوں میں سے شرمناک قسم کی غلطیاں نکال کر مرزا کو لکھ بھیجی تھیں۔ مرزا نے اخبار الحکم قادیاں میں یہ لکھ کر مولوی صاحب سے پچھا چھڑایا کہ نہ میں عربی کا عالم ہوں اور نہ شاعر ہوں (اخبار الحکم قادیاں مورخہ 17 اکتوبر 1903ء، صفحہ 5) ایک مرتبہ

مولانا صفر علی صاحب رومی نے مرزا کے رسالہ ”حماۃ البشریٰ“ کی غلطیاں نکال کر مرزا کے حواری خواجہ کمال الدین کو خفا کر دیا تھا۔ یہ دلچسپ واقعہ بھی کتاب ”زمین قادیاں“ میں ملاحظہ فرمائیے۔

مرزائیت کے ماخذ اور اصول مذہب

مرزا غلام احمد نے اپنا جو پتہ جاری کیا وہ مختلف ادیان و مذاہب سے ماخوذ تھا۔ اس نے اسلام، آریہ دھرم، یودیت، نصرانیت، باطنیت، مہدویت، بابیت اور بہائیت کے تھوڑے تھوڑے اصول لے کر ان کو اپنایا۔ اور ایک معجون مرکب تیار کر کے اس کا نام احمدیت رکھ دیا۔ ذیل میں آپ کو معلوم ہو گا کہ مسیح قادیان نے کون کون سا عقیدہ کہاں کہاں سے اڑایا؟ اس نے جو اصول و عقائد اسلام سے اخذ کئے وہ تو ہر ایک کو معلوم ہیں۔ اس لیے ان کا اندراج غیر ضروری ہے البتہ اس نے غیر اسلامی مذاہب کے سامنے مشکوک مدائی پھرا کر جو لقمے حاصل کئے ان پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

یسود کی پیروی اور ہمنوائی

قادیان کے خانہ ساز مسیح نے جن مسائل میں اسلام کی صراط مستقیم کو چھوڑ کر یسود کی تقلید کی ان میں سے چند امور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔ یسود حضرت مریم بنتول (علیہا السلام) کو (معاذ اللہ) زانیہ اور حضرت مسیح علیہ السلام کو (خاکم بدہن) ناجائز تعلقات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ مرزا نے بھی ان کی تقلید میں حضرت مریم بنتول سلام اللہ علیہا کی شان پاک میں وہی گندگی اچھالی۔ چنانچہ ”ایام الصلح“ میں لکھا کہ ”یسود کی طرح افغانوں میں بھی رواج ہے کہ اگر ان کی لڑکیاں نکاح سے پہلے اپنے منسوب سے میل ملاقات رکھیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے مثلاً مریم صدیقہ کا اپنے منسوب یوسف کے ساتھ اختلاط اور اس کے ساتھ گھر سے باہر چکر لگانا اس رسم کی شہادت دیتا ہے اور بعض پہاڑی خوانین کی لڑکیاں اپنے منسوبوں سے حاملہ بھی ہو جاتی ہیں۔ اس میں کچھ تنگ و عار نہیں سمجھا جاتا۔ (ترجمہ از ایام الصلح مولفہ مرزا غلام صفحہ 65 حاشیہ) اور ”کشتی نوح“ میں لکھا ”مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم تورات میں کیوں نکاح کیا گیا۔ اور بنتول ہونے کے عہد کو کیوں ناحق توڑا اور تعدد ازدواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی یعنی بلوجودیکہ یوسف خوار کے گھر میں پہلی بیوی موجود تھی پھر مریم کیوں راضی ہوئی کہ یوسف خوار کے نکاح میں آوے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریات تھیں۔

(کشتی نوح صفحہ 16) اور ”چشمہ مسیحی“ میں لکھا کہ جب چھ سات مہینہ کا حمل نمایاں ہو گیا تب حمل کی حالت میں ہی قوم کے بزرگوں نے مریم کا یوسف نام ایک عذار سے نکاح کر دیا۔ اور اس کے گھر جاتے ہی ایک دو ماہ کے بعد مریم کے بیٹا پیدا ہوا۔ وہی عیسیٰ یا یسوع کے نام سے موسوم ہوا۔ (چشمہ مسیحی صفحہ 18) ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ خدا کے ایک برگزیدہ رسول کو غیر ظاہر قرار دینے میں مرزا نے کس طمطراق کے ساتھ یہود کی ناپاک سنت کی تجدید کی؟ جس طرح یہود حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا انکار کرتے ہیں اسی طرح مرزا نے بھی انکار کیا چنانچہ لکھا کہ عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص 706) جس طرح یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو گالیاں دیتے ہیں اسی طرح قادیانی نے بھی دیں۔ چنانچہ لکھا کہ ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلا مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔ (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 9) مرزا نے حضرت مسیح علیہ السلام کو جو جو گالیاں دیں۔ ان کو مرزا کی کتابوں ضمیمہ انجام آتھم اور ”دافع البلاء“ میں دیکھئے۔ خدا کے برگزیدہ رسول حضرت مسیح علیہ السلام کی دشمنی میں مرزا کی شدت انہماک کا یہ عالم تھا کہ اس نے آپ کو خاص وہ گالیاں دینے کے لیے جو تیرہ نعت یہود دیتے ہیں۔ یہود کی کتابیں منگوا کر ترجمہ کرائیں۔ (دیکھو مکتوبات احمدیہ 5 حصہ اول، صفحہ 5) جس طرح یہود تورۃ میں تحریف کرتے رہتے تھے چنانچہ ارشاد ربانی۔ **وینحر فون الکلم عن مواضعہ** (کلام الہی میں تحریف تبدیل کرتے تھے) اس پر گواہ ہے۔ اسی طرح مرزا نے قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں سینکڑوں تحریفیں کیں۔ مرزا غلام احمد کی تحریفات کے نمونے آئندہ صفحات پر حوالہ قلم ہوں گے۔ حکیم نور الدین کی تحریفات کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ 10 دسمبر 1912ء کو سورہ صف کے درس میں کسی سامع نے حکیم نور الدین سے درخواست کی کہ اس آیت کی تشریح فرما دیجئے۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھارت دی کہ میرے بعد ایک رسول مبعوث ہوں گے جن کا اسم گرامی احمد عجلتہ اللہ تعالیٰ فرجه ہو گا لیکن جب آپ معجزاتِ بابرہ کے ساتھ تشریف لے آئے تو کفار کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے) حکیم نور الدین نے سائل سے کہا کہ تم بڑے نادان ہو۔ سنو جس احمد کی بھارت اس آیت میں دی گئی ہے وہ شیل مسیح (مرزا غلام احمد) ہے۔ اس کے بعد کہا میں اپنی ذاتی باتیں بہت کم بیان کرتا ہوں۔ تم تو صرف احمد کے متعلق تشریح چاہتے ہو۔ یہاں تو خدا نے احمد کے بعد نور کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ اس کے آگے دین کا لفظ بھی ہے اور اس نور کو نہ ماننے کے متعلق بھی یہ وعید فرمائی ہے۔ ولو کرہ الکفرون (القول الفصل، صفحہ 33) حکیم نور الدین کا نور اور دین کا اشارہ اس آیت کی طرف تھا۔ **یریدون لیطفوا نور اللہ بافواہم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون** ۵ **هو الذی ارسل رسول بالہدی و دین الحق**

لیظمہ علی الدین کلہولو کرہ المشرکون۔ ان تحریقات سے آپ کو معلوم ہوگا کہ مرزائی بد نصیبوں نے یسود کی مانند کس طرح کلام الہی احادیث رسول ﷺ اور آثار سلف کو اپنی نفسانی خواہشوں کا آلہ کار بنا رکھا ہے۔

نصاری کی خوان شرک سے زلہ ربانی

مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے تھے چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔ (نہ یسود نے مسیح کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو اشتباہ ہو گیا) اس کے خلاف نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ یسود نے آنحضرت کو صلیب پر چڑھایا اور لطف یہ ہے کہ باوجود ادعائے صلیب شکنی۔ مرزا بھی اس مسئلہ میں نصاریٰ ہی کا پیرو تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ حضرت مسیح بروز جمعہ یوقت عصر صلیب پر چڑھائے گئے۔ جب وہ چند گھنٹہ کیلوں کی تکلیف اٹھا کر بے ہوش ہو گئے اور خیال کیا گیا کہ مر گئے تو ایک دفعہ سخت آندھی اٹھی (نزل اسح صفحہ 18) جب مرزا نے مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے عقیدہ میں اہل صلیب کی ہمنوائی اختیار کی تو لاہور کے مسیحی رسالہ تجلی نے لکھا کہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا بلکہ وہ مسلمانوں کو اپنے سنہری جال میں پھانس کر ہمیشہ ”خانہ دو ستال بردب دور دشمنان مکوب“ کے اصول پر کار بند رہے۔ ہاں عیسائیوں کو ان کی ذات سے بہت فائدہ پہنچا کہ انہوں نے مسیح کے مصلوب ہونے کو قرآن سے ثابت کر دکھایا۔ پس عیسائیوں پر جو نجات کے لیے مسیح کی صلیب کو ضروری خیال کرتے ہیں واجب ہے کہ مرزاجی کی اس صلیبی خدمت پر ان کے مرہون احسان ہوں کیونکہ مرزا صاحب حقیقی معنی میں صلیب کے زبردست حامی تھے اور انہوں نے عیسائیوں کے خلاف جو کچھ لکھا وہ محض دہریوں کے خیالات کو اپنی طرف سے پیش کر دیا تھا جس طرح نصاریٰ حضرت مسیح بن مریم علیہا السلام کے ائین اللہ ہونے کے قائل ہیں اسی طرح مرزا بھی (معاذ اللہ) اپنے تئیں خدائے برتر کی اولاد بتایا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے الہام ملاحظہ ہوں۔ انت منی بمبزلتہ اولادی (تو بمنزلہ میری اولاد کے ہے) الحکم 10 دسمبر 1906ء انت منی بمبزلتہ ولدی (تو میرے بیٹے کی جگہ ہے) حقیقتہ الوحی صفحہ 86 اسمع یا ولدی (اے میرے بیٹے سن) البشری جلد اول صفحہ 49۔ ان الہاموں میں مرزا نے ظاہر کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اسے پنا کہہ کر مخاطب کیا۔ ایک اور الہام انت من مائنا وهم من فئشل (تو میرے پانی یعنی نطفہ سے ہے اور دوسرے لوگ مٹی سے بنے ہیں) اربعین نمبر 3 میں مرزا نے اپنے آپ کو معاذ اللہ نطفہ خدا بتایا ہے۔ ان کے علاوہ لکھتا ہے کہ مسیح کا اور میرا مقام ایسا ہے جسے استعارہ کے طور پر ابنیت سے علاقہ ہے (توضیح مرام صفحہ 12) حالانکہ ولد اور ابن وغیرہ وہ الفاظ ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے

قرآن پاک میں شرک قرار دیا ہے اور ان کی پرزور مذمت فرمائی ہے۔ مرزا نے اسلام کی پاک توحید کے مقابلہ میں نصاریٰ کی تقلید میں اپنی ایک پاک تثلیث بھی پیش کی تھی۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ ان دو محبتوں کے کمال سے جو خالق اور مخلوق میں پیدا ہو کر زو مادہ کا حکم رکھتی ہے اور محبت الہی کی آگ سے ایک تیسری چیز مینا ہوتی ہے جس کا نام روح القدس ہے۔ اس کا نام پاک تثلیث ہے اس لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان کے لیے بطور امن اللہ کے ہے (ازالہ اوہام) ڈاکٹر ایچ ڈی گرس وولڈ سلیمن پر لپل فور من کر سچن کالج لاہور نے لکھا تھا کہ مرزا غلام احمد اور پنڈت دیانند سرستی بانی آریہ سماج میں دو امر یکساں قابل توجہ اور دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں صاحب ذو معنی باتیں کرتے ہیں چنانچہ مرزائی قادیان اپنے مطلب کے مقام پر اول درجہ کے لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں اور جب لفظی معنی سے مطلب بر آری ہوتی دکھائی نہیں دیتی تو پھر کوئی عبارت ایسی نہیں جس کی وہ حسب مطلب کوئی نئی تاویل و تشریح نہ کر لیتے ہوں۔ اسی طرح وہ استعارات اور تشبیہات کو کام میں لا کر بعض لواقات یہاں تک پہنچتے ہیں کہ تثلیث کی تعلیم میں بھی سچائی اور حقیقت کے کسی حد تک معتقد بن بیٹھتے ہیں چنانچہ مرزا صاحب کے نزدیک الہی محبت اور انسانی محبت تثلیث کے دو اقسام ہیں اور وہ جذبات یا جوش جو ان دو کی مخالفت کا نتیجہ ہے ان کے نزدیک اقوام ثالث ہے۔ اسی طرح پنڈت دیانند نے ویدوں کی جو تفسیر کی ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی مرزا صاحب کی طرح ذو معنی تفاسیر کے حامی اور غیر محقق آدمی تھے۔ (مرزا غلام احمد، صفحہ 37) خواجہ کمال الدین مرزائی ایک ملحد آدمی تھا وہ عیسائی ہونے والا ہی تھا کہ اس اثناء میں مرزا غلام احمد نے اپنی مسیحیت کی ذہنی جانثاروں کی چونکہ خواجہ کمال الدین کو مرزائیت مسیحیت کا نعم البدل نظر آئی اس لیے اس نے عیسائی ہونے کا خیال ترک کر کے مرزائیت قبول کر لی چنانچہ جریدہ الفضل قادیان نے 18 نومبر 1916ء کی اشاعت میں لکھا کہ ”خواجہ کمال الدین صاحب کہا کرتے تھے کہ اگر حضرت مسیح موعود کا وجود دنیا میں جلوہ افروز نہ ہوا ہوتا تو میں زمانہ دراز سے عیسائی ہو چکا ہوتا۔“ ڈاکٹر ایچ ڈی گرس وولڈ کا خیال ہے کہ ”مرزائیت اسلام اور مسیحیت کے بین بین ہے۔ (مرزا غلام احمد، مولفہ ڈاکٹر گرس وولڈ، صفحہ 46) لیکن ان اور اق کا پڑھنے والا یقین کرے گا کہ مرزائیت کی معجون بے شمار دوسرے اجزاء سے بھی مرکب ہے۔

آریوں سے ہمرنگی

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے آریہ دھرم کا صرف ایک اصول بنے پنہ میں داخل

کیا۔ مگر اس لحاظ سے کہ وہی ایک عقیدہ جس کے لیے مرزائیت آریہ دھرم کی ممنون احسان ہے۔ آریہ مت کی جان اور اس کا جیادی اصول ہے اس لیے اس کو سمندر کثیر کے سمجھنا چاہیے۔ قدیم وہ ہے جوازی ہو یعنی اس کی کوئی ابتدا نہ ہو۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ خالق کون و مکان عزاسمہ کے سوا کوئی چیز قدیم نہیں۔ آریہ لوگ خالق کردگار کی طرح روح اور مادہ کو بھی قدیم اور ازلی مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک سلسلہ کائنات قدیم بالوہ ہے اور خالق کے ساتھ مخلوق کا بھی کوئی نہ کوئی سلسلہ ازل سے برابر چلا آ رہا ہے۔ مرزا بھی اسی عقیدہ کا پیرو تھا چنانچہ ”چشمہ معرفت“ میں لکھتا ہے ”چونکہ خدا تعالیٰ کی صفات کبھی معطل نہیں رہتیں اس لیے خدا تعالیٰ کی مخلوق میں قدامت نوعی پائی جاتی ہے۔ یعنی مخلوق کی انواع میں سے کوئی نہ کوئی نوع قدیم سے موجود چلی آئی ہے مگر شخص قدامت باطل ہے۔ (چشمہ معرفت، صفحہ 268) ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ الحاد میں فلاسفہ سے بھی بڑھا ہوا ہے کیونکہ وہ صرف آسمان کو قدیم بالوہ خیال کرتے تھے لیکن مرزائے آریوں کی طرح اس کی تعمیم کر کے تمام مخلوقات کو قدیم بالوہ بتا دیا۔ ڈاکٹر گرس وولڈ نے مرزائی جماعت اور آریہ سماج میں ایک عجیب مشابہت و مطابقت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آریہ اور مرزائی دونوں فرقے پنجابی ہیں۔ مرزائی تو صوبہ پنجاب ہی کے باشندے ہیں اور آریہ سماج گو ابتدا بمبئی میں قائم ہوئی تھی تاہم یہ بھی ایک طرح سے پنجابی جماعت ہے کیونکہ اس کا زیادہ زور و شور پنجاب ہی میں پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ فرقے علی گڑھ والوں (نیچریوں) اور برہمنوں سے متعلق ہیں۔ کیونکہ ان کی پیدائش اور نشوونما کا مقام علی الترتیب صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ اور بنگال ہے۔ جس طرح اسلام سے علی گڑھ والے (نیچری) اور مرزائی نکلے اسی طرح ہندو دھرم سے بھی دو نئے فرقے یعنی آریہ سماج اور برہمن سماج پیدا ہوئے جس طرح نیچری آزاد خیال ہیں اور قادیانی محافظ دین ہونے کے مدعی ہیں۔ اسی طرح ہندو میں سے برہمن سماج کا رویہ آزادانہ ہے اور آریہ سماج دھارمک کتوں کی حامی و حافظ ہونے کی مدعی ہے (مرزا غلام احمد، صفحہ 44-45) مرزائیت نے جنم لے کر اسلام کو فائدہ پہنچایا آریہ دھرم کو؟ اس کا فیصلہ خود ایک آریہ اخبار کے بیان سے ہو سکتا ہے۔ آریہ دیر نے 14-22 مارچ 1933ء کی اشاعت میں لکھا کہ اسلامی عقائد کو متزلزل کرنے میں احمدیت نے آریہ سماج کو ایسی امداد دی ہے کہ جو کام آریہ سماج صدیوں میں انجام دینے کے قابل ہو تا وہ احمدی جماعت کی جدوجہد نے برسوں میں کر دکھایا ہے۔ بہر حال آریہ سماج کو مرزا صاحب اور ان کے مقلد و مرید مرزائیوں کا مشکور ہونا چاہیے۔ (قادیانی ہدیان، صفحہ 38)

مشبہ فلاسفہ اور اہل نجوم کے نقش قدم پر

سچ قادیان نے اپنی عمر کا ایک حصہ علوم نظری کی تو نذر کیا تھا چنانچہ لکھتا ہے کہ میں نے

کل شاہ نالوی سے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم حاصل کئے۔ (کتاب البریہ، صفحہ 150) لیکن دینی تعلیم کسی سے حاصل نہ کی۔ (اربعین نمبر 2، ص 11-10) اگر منطق اور حکمت کے ساتھ دینی علوم کی بھی تحصیل کی ہوتی تو بڑی امید تھی کہ الحاد و زندقہ کی وادیوں میں سرگرداں ہونے کے بجائے اسے فلاح و ہدایت کا راستہ مل جاتا۔

اے کہ خواندی حکمت یونانیان
حکمت ایمانیان راہم نجوان

دینی تعلیم سے بے بہرہ رہنے کا یہ اثر ہوا کہ جس غیر اسلامی مذہب کا جو عقیدہ بھی من کو بھایا اسی پر رچھ گیا اور اس کی پروانہ کی کہ غیر اسلامی عقائد کا شغف اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دے گا۔ آپ نے پڑھا کہ اس نے کس طرح یہود، نصاریٰ اور آریوں کے عقیدے اختیار کر لئے لیکن یہ معاملہ ابھی یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ آگے چل کر آپ کو یہ حقیقت اور بھی زیادہ عریاں نظر آئے گی کہ اس کے دل و دماغ کو کس قرار نہ تھا۔ اس کے قوائے ذہنی باطل قوتوں کے سامنے اسی طرح بے بس تھے جس طرح مردہ غسل کے ہاتھ میں بے بس ہوتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق اس نے مجسمہ سے بھی کہیں بدبودہ اور مضحکہ خیز عقیدہ اختیار کر لیا تھا چنانچہ لکھتا ہے۔ ”قیوم العلمین ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بے شمار ہاتھ، پیشمار پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لا انتاعرض و طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔ یہ وہی اعضاء ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں نام عالم ہے (توضیح مرام، صفحہ 35) اور انوار الاسلام (صفحہ 33) توضیح مرام کے صفحہ (30-37) مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فلاسفہ کی طرح ملائکہ کا بھی منکر تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جبرئیل کا تعلق آفتاب سے ہے۔ وہ بذات خود اور حقیقی معنی میں زمین پر نازل نہیں ہو تا بلکہ اس کے نزول سے جو شرع میں وارد ہے اس کی تاثیر کا نزول مراد ہے اور جبرئیل اور دوسرے ملائکہ کی جو شکل و صورت انبیاء علیہم السلام و طمھض جبریل وغیرہ کی عکس تصویر تھی۔ ملک الموت بذات خود زمین پر آکر قبض ارواح نہیں کر تا بلکہ اس کی تاثیر سے روحیں قبض ہوتی ہیں۔ ملائکہ ستاروں کے ارواح میں وہ سیاروں کے لیے جاں کا حکم رکھتے ہیں اس لیے نہ تو کبھی ان سے جدا ہوتے ہیں اور نہ ذرہ بھر آگے پیچھے حرکت کر سکتے ہیں اس کے خلاف اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ آفتاب، مانتاب ستارے افلاک اور طبائع خالق ارض و سماء کے مطیع فرمان ہیں۔ ان میں بذاتہ کوئی فعل و تاثیر موجود نہیں ہے لیکن طبیعیوں اور اہل نجوم کا خیال ہے کہ سب سیارہ میں سے ہر ایک سیارہ مستقل بالذات ہے۔ تمام موجودات میں انہی کی حرکت موثر ہے۔ وہی نفع و ضرر پہنچاتی ہے۔ وہی انسانی زندگی اور انسانی تہذیب و تمدن پر اثر انداز ہے۔ بعینہ یہی عقیدہ مرزا غلام احمد کا تھا۔ چنانچہ

لکھتا ہے کہ ستاروں میں تاثیرات ہیں اور اس انسان سے زیادہ ترکوئی دنیا میں جاہل نہیں جو ستاروں کی تاثیرات کا منکر ہے۔ یہ لوگ جو سرپا جہالت میں غرق ہیں اس علمی سلسلہ کو شرک میں داخل کرتے ہیں۔ ان چیزوں کے اندر خاص وہ تاثیرات ہیں جو انسانی زندگی اور انسانی تمدن پر اپنا اثر ڈالتی ہیں جیسا کہ حکمائے متقدمین نے لکھا ہے (تحفہ گوژویہ صفحہ 182 حاشیہ) امام محمد غزالی اس مشرکانہ خیال کی تردید میں لکھتے ہیں کہ فلاسفہ اور ان کے پیروؤں کی مثال اس چوٹی کی سی ہے جو کاغذ پر چل رہی ہو اور دیکھے کہ کاغذ سیاہ ہو رہا ہے اور نقش ہٹتے جاتے ہیں۔ وہ نگاہ اٹھا کر سر قلم کو دیکھے اور خوش ہو کر کہے کہ میں نے اس فعل کی حقیقت معلوم کر لی کہ یہ نقوش قلم کو کر رہا ہے۔ یہ مثال طبعی کی ہے جو آخری درجہ کے محرک کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا پھر ایک اور چوٹی جس کی بصارت و نگاہ پہلی سے زیادہ تیز ہو اس کے پاس آکر کہے کہ تجھے غلط فہمی ہوئی۔ میں تو اس قلم کو کسی کا مسخرہ دیکھتی ہوں اور محسوس کرتی ہوں کہ اس قلم کے سوا کوئی اور چیز ہے جو نقاشی کر رہی ہے یہ جتلا کر دوسری چوٹی نہایت خوش ہو کر کہے کہ میں نے اس کام کا راز پا لیا کہ ہاتھ نقاشی کرتے ہیں نہ کہ قلم۔ کیونکہ قلم ہاتھ کا مسخرہ ہے یہ مثال نجومی کی ہے کہ اس کی نظر طبعی سے کسی قدر آگے تک پہنچی اور دیکھا کہ یہ طبائع ستاروں کے تابع فرمان ہیں لیکن وہ ان درجوں پر جو اس سے اوپر ہیں نہ پہنچ سکا۔ پھر ایک تیسری چوٹی جو قریب ہی موجود ہو ان کی گفتگو سن کر پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم دونوں غلطی پر ہو۔ ذرا نظر اٹھا کر اوپر کو دیکھو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ قلم اور ہاتھ کو حرکت دینے والی کوئی اور ہی ہستی موجود ہے کہ ہاتھ اور قلم جس کے ارادہ سے حرکت کر رہے ہیں یہ مثال اہل اسلام کی ہے جو جملہ امور کا فاعل حقیقی اور متصرف بالذات خالق کردگار کو مانتے ہیں۔ ان کی نظر محسوسات و ممکنات تک محدود نہیں بلکہ وہ سب سے وراء الورد اور بزرگ ترین ہستی کو ایجاد و تکوین کا باعث یقین کرتے ہیں کہ آفتاب، مابتاب اور ستارے جس کے حکم پر چل رہے ہیں۔ والشمس والقمر والنجوم مسخرت بامرہ (سورج چاند اور ستارے اسی کے حکم کے موافق کام پر لگے ہیں)

مرزا غلام احمد اور اس کے اعداؤں پر نیچریت کا رنگ

جس طرح مرزا غلام احمد مہدویت اور بابیت کی باتوں سے سیراب ہوتا رہا تھا اسی طرح اس نے نیچریت کے گھاٹ سے بھی دہریت کی پیاسا چھائی تھی۔ نیچری مذہب کے بانی سر سید احمد خاں علی گڑھی تھے۔ یہ مذہب آج کل ہندوستان میں بالکل ناپید ہے۔ اس کے اکثر پیرو تو مرزائیت میں مدغم ہو گئے اور جو 13-512ھ کی جنگ بلقان کے بعد از سر نو اسلامی برادری میں داخل ہو گئے۔ نیچری مذہب بالکل دہریت سے ہمکنار تھا۔ مغیبات کا انکار اس مذہب کا اولین اصول تھا۔ وہ عقائد جو اہل اسلام کو مشرکین سے ممتاز کرتے ہیں اور جن میں یسود و نصاریٰ بھی مسلمانوں سے متفق ہیں۔ مثلاً وحی، ملائکہ، نبوت، جنت و نار، حشر و نشر معجزات وغیرہم نیچریوں کو قطعاً تسلیم نہ تھے۔ سر سید احمد خاں نے تفسیر القرآن کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں اسلامی تعلیمات کو موڑ توڑ کر یہ کوشش کی تھی کہ اسلام کے ہر عقیدہ و اصول کو الحاد و دہریت کی قامت پر راست لایا جائے۔ سید احمد خاں نے نبوت اور وحی کو ایک ملکہ قرار دیا۔ چنانچہ لکھا کہ ”لوہار بھی اپنے فن کا پیغمبر ہے۔ شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ ایک طبیب بھی فن طب کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے اور جس شخص میں اخلاق انسانی کی تعلیم و تقویت کا ملکہ بمقتضا اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے۔ خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ کے جس کو زبان شرع میں جبریل کہتے ہیں اور کوئی ایسی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ اس کا دل ہی وہ ایلیٹی ہوتا ہے جو خدا کے پاس پیغام لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے خود اسی کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اُختی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے۔“ (تفسیر احمدی جلد اول، صفحہ 24) جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے (ایضاً صفحہ 42) نبوت بطور ایک ایسے منصب کے نہیں ہے جیسے کہ کوئی بادشاہ کسی کو کوئی منصب دے دیتا ہے بلکہ نبوت ایک فطری امر ہے اور جس کی فطرت میں خدا نے ملکہ نبوت رکھا ہے وہی نبی ہوتا ہے۔ (ایضاً جلد 3، ص 49) مرزا غلام احمد بھی سر سید احمد خاں سے استفادہ کرتا رہتا تھا اور میرا خیال ہے کہ ان کے باہم خط و کتابت بھی جاری تھی۔ میاں بشیر احمد ایم اے بن مرزا غلام

احمد قادیانیؒ نے لکھا ہے کہ مراد بیگ جالندھری نے مرزا صاحب سے بیان کیا کہ سر سید احمد خاں نے تورۃ و انجیل کی تفسیر لکھی ہے آپ ان سے خط و کتابت کریں۔ آپ پادریوں سے مباحثہ کرنا بہت پسند کرتے ہیں اس معاملہ میں آپ کو ان سے بہت مدد ملے گی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سر سید کو عربی میں خط لکھا (سیرۃ الہدی جلد اول، ص 138) مرزا غلام احمد نے مرزائیت کا ڈھونگ رچانے کے بعد بجز ان عقاید کے جن کے بغیر تقدس کی دکانداری کسی طرح چل نہیں سکتی تھی تمام عجری اصول کو بحال رکھا۔ میاں محمد علی امیر جماعت مرزائیہ لاہور نے مرزائیت کو نیچریت سے ممتاز کرنے کی کوشش کی ہے وہ لکھتے ہیں۔ ”عیسائی مسور نصین نے احمدیت کو اسلام پر یورپین خیالات کے اثر کا نتیجہ قرار دیا ہے مگر ہندوستان کی تاریخ حاضرہ میں ہم کو دو الگ الگ تحریکات نظر آتی ہیں۔ یعنی ایک وہ تحریک جس کا تعلق سر سید احمد خاں سے ہے اور دوسری وہ تحریک جس کا تعلق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے ہے۔ جہاں تک سر سید کے مذہبی خیالات کا سوال ہے اور جن کو تحقیر کے رنگ میں نیچریت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان دونوں تحریکوں میں ایک بین فرق نظر آتا ہے۔ سر سید نے بھی اسلام کے مسائل کو معقولی (یعنی عقلی) رنگ میں حل کرنے کی کوشش کی اور حضرت مرزا صاحب نے بھی ان مسائل کا معقولی رنگ ہی پیش کیا ہے۔ مگر سر سید کی مذہبی تحریک نے یورپین خیالات کی غلامی کا رنگ اختیار کر لیا اور حضرت مرزا صاحب کی تحریک یورپ کو اسلام کے ماتحت لانے کے لیے تھی۔ (تحریک احمدیت صفحہ 211) مگر مرزا کی تحریک یورپ کو اسلام کے ماتحت کہاں تک لے آئی؟ اس کی تائید ان پچاس الماریوں سے ہو سکتی ہے جو مرزا نے اپنے یورپی حکام کی خوشامد میں تالیف کیں۔ میر عباس علی لدھیانوی نے جو مرزائیت کے سب سے پہلے حاشیہ بردار تھے۔ مرزائیت اور نیچریت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا تھا۔ اس وقت جو فیصلہ میری طبیعت نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب صاف اور قطعی طور پر نیچری ہیں۔ معجزات انبیاء و کرامات اولیاء سے مطلق انکار رکھتے ہیں۔ معجزات اور کرامات کو مسریم، قیافہ قواعد طب یا دستکاری پر مبنی جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک خرق عادت جس کو سب اہل اسلام خصوصاً اہل تصوف نے مانا ہے۔ کوئی چیز نہیں۔ سید احمد خاں اور مرزا غلام احمد صاحب کی نیچریت میں بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ وہ بلباس جاکٹ و پتلون ہیں اور یہ بلباس جبہ و دستار (اشاعت السنہ) چونکہ سر سید نے اپنے الحاد و زندقہ

کی دکان کو خوب آراستہ کر رکھا تھا۔ اس لیے نہ صرف خود مرزا کا بلکہ اس کے پیروؤں کا بھی یہ معمول تھا کہ ان لمحدانہ عقائد کی تشریحات کو جو مرزا نے سرسید سے لیے تھے۔ سرسید کی کتابوں سے نقل کر کے اپنا لیا کرتے تھے اور اس خوف سے کہ لوگ نیچریت سے مطعون نہ کریں ان مضامین کو سرسید کی طرف منسوب کرنے کی جرات نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ لاہور کے ماہوار رسالہ ”تجلی“ نے لکھا تھا کہ اس وقت دو قادیانی رسالے ہمارے سامنے ہیں۔ ”تسخیذ الاذہان“ ماہ دسمبر 1907ء اور ”ریویو آف ریلجنز“ ماہ فروری 1908ء جن میں بلا اعتراف اور بلا حوالہ وہ ساری بحث سر قہ کر لی گئی جو معجزات مسیح پر سرسید نے اپنی تفسیر میں کی تھی۔ وہی دلائل ہیں، وہی اقتباسات، وہی آیات، وہی تاویلات، وہی نتائج ہیں۔ بالبد تمیزی وہ بے شعوری جو اس طائفہ کا خاصہ ہے مزید برآں ہے۔ سرسید کی آزاد خیالیوں نے مرزا کے لیے اس کا مجوزہ راستہ بہت آسان کر دیا تھا۔ سرسید نے واقعہ صلیب کا جو نقشہ اپنی تفسیر (جلد دوم ص 38) میں پیش کیا۔ مرزا نے اسی پر وحی الہی کا رنگ چڑھا کر اس پر بڑی بڑی خیالی عمارتیں تعمیر کرنی شروع کر دیں۔ جب تک مرزا نے یہ تحریریں نہیں پڑھی تھیں۔ براہین کے حصہ چہارم تک برابر حیات مسیح علیہ السلام کا قائل رہا۔ لیکن جب نیچریت کا رنگ چڑھنا شروع ہوا یا یوں کہو کہ نیچریت کا یہ مسئلہ مفید مطلب نظر آیا تو نہ صرف اپنے سابقہ الہامات کے گلے پر چھری چلائی شروع کر دی۔ بلکہ عقیدہ حیات مسیح علیہ السلام کو (معاذ اللہ) شرک بتانے لگا۔ جس کے یہ معنی تھے کہ وہ پچاس سال کی عمر تک باوجود صاحب وحی ہونے کے مشرک ہی چلا آتا تھا۔

قادیان کے برساتی نبی

جب امت مرزائیہ نے دیکھا کہ ان کے پیرومرشد نے نبوت کا دعویٰ کر کے ختم نبوت کی سد اسکندری میں رخنہ ڈال دیا ہے تو ہر حوصلہ مند مرزائی کو طمع ہوئی کہ موقع ملنے پر اپنی اولوالعزمی کے جوہر دکھائے اور کچھ بن کر ”مسیح موعود“ صاحب کی طرح نفع عاجل حاصل کر لے۔ چنانچہ قضا و قدر کے ہاتھوں ”قادیانی نبوت“ عظمیٰ کی بساط کے اٹے جانے کی دیر تھی کہ بہت سے مرزائی یا جوج ماجوج کی طرح دعویٰ نبوت کے ساتھ ہر طرف سے اُمڈ آئے۔ اور اپنے اپنے تقدس کی ذلفی جانی شروع کر دی جس طرح برکھارت میں بارش کا پہلا چھیننا پڑنے کے ساتھ ہی ہر طرف برساتی کیڑے مکوڑے ریگلتے دکھائی دیتے ہیں اسی طرح ان خود ساختہ انبیاء کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ ان پر برساتی انبیاء کا اطلاق بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے بہر حال ان برساتی نبیوں کے کچھ مختصر سے حالات ہدیہ قارئین کے جاری ہیں۔

چراغ الدین متوطن جموں

چراغ الدین نام جموں کا ایک نہایت پیاک مرزائی تھا۔ اس کی شوخ چشتی کا کمال دیکھو کہ اپنی دکان آرائی کے لیے اپنے مقتدا کی موت کا بھی انتظار نہ کیا بلکہ نہایت بے صبری کے ساتھ مرزا غلام احمد کی زندگی ہی میں نبوت و رسالت کا دعویٰ کر دیا۔ چونکہ اس دعویٰ سے خود حضرت ”مسح موعود“ کے کاروبار پر اثر پڑنے کا احتمال تھا اس لیے یہ جرم کچھ ایسا خفیف نہیں تھا کہ قابلِ غصہ و درگزر سمجھا جاتا۔ مرزا نے اس کو جماعت سے خارج کر دیا۔ میں اس اقدام میں مرزا کو بدسر حق سمجھتا ہوں کیونکہ مرید کو اس درجہ شوریدہ سری کسی طرح زیب نہیں دیتی کہ وہ پیر کے مقابلہ میں کاروبار شروع کر دے اور رقیبانہ چشمک کے سامان پیدا کرے۔ حضرت ”مسح موعود“ صاحب نے اس باغی مرید کے متعلق اپنی کتاب ”دافع البلاء“ میں جو 23 اپریل 1902ء کو شائع ہوئی لکھا کہ چراغ الدین کا جو مضمون رات کو پڑھا گیا وہ بڑا خطرناک اور زہریلا اور اسلام کے لیے مضرب اور سر سے پیر تک لغو اور باطل باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے کہ میں رسول ہوں اور رسول بھی الٰہ العزم اور اپنا کام یہ لکھا ہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں صلح کرا دے اور قرآن اور انجیل کا تفرقہ باہمی دور کر دے اور ابن مریم کا ایک حواری بن کر یہ خدمت کرے اور رسول کہلاوے۔ یہ کیسی ناپاک رسالت ہے جس کا چراغ الدین نے دعویٰ کیا ہے جائے غیرت ہے کہ ایک شخص میرا مرید کہلا کر یہ ناپاک کلمات منہ پر لاوے۔ لعنتہ اللہ علی الکافرین پھر باوجود نا تمام عقل اور نا تمام فہم اور نا تمام پاکیزگی کے یہ کہنا کہ میں رسول اللہ ہوں یہ کس قدر خدا کے پاک سلسلہ کی جنگ عزت ہے گویا رسالت اور نبوت بازیچہ اطفال ہے۔ میں تو جانتا ہوں کہ نفسِ لمارہ کی غلطی نے اس کو خود ستائی پر آمادہ کیا ہے پس آج کی تاریخ سے وہ ہماری جماعت سے منقطع ہے جب تک کہ مفصل طور پر اپنا توبہ نامہ شائع نہ کرے اور اس ناپاک رسالت کے دعویٰ سے ہمیشہ کے لیے مستعفی نہ ہو جائے۔ افسوس کہ اس نے بے وجہ اپنی تعلیٰ سے ہمارے سچے انصار کی جنگ کی۔ ہماری جماعت کو چاہیے کہ ایسے انسان سے قطعاً پرہیز کرے۔

منشی ظہیر الدین اروپی

یہ شخص موضوعِ اروپ ضلع گوجرانوالہ کا رہنے والا ہے۔ اسی کے نزدیک مرزا ایک صاحبِ شریعت نبی تھا اس کا خیال ہے کہ قادیان کی مسجد نبی بیت اللہ شریف ہے۔ اور وہی خدا کے نبی کی جائے ولادت ہے۔ اس لیے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہیے۔ لاہوری پارٹی کے

جریدہ پیغام صلح کا مدیر بھی رہ چکا ہے۔ اس نے قادیانی جماعت کے بعض سربراہ اور وہ افراد کی ہلاکت کی پیش گوئی کی تھی لیکن پوری نہ ہوئی۔ یوسف ہونے کا دعویٰ تھا لیکن اس دعویٰ پر ثابت قدم نہ رہا۔ اور لاہوری مرزائیوں کے رسالہ السہدی نمبر (1) میں لکھا کہ گو مجھے الہام ہوا تھا اور خدا نے مجھے یوسف قرار دیا تھا لیکن ساتھ ہی تمنیٰ کا بھی اندیشہ لگا رہتا ہے۔ شیطان درغلالتا ہے اور جو الہامات مجھے ہوئے ان پر عملدرآمد بھی مشکل ہے اس لیے جس قدر طاقت تھی میں نے کام کر دیا۔ اب طاقت نہیں رہی اس لیے اپنے دعویٰ پر زور نہیں دے سکتا۔ یہ سخت ناکامی ہے اور غالباً اب تک زندہ ہے۔ اس نے اپنے ایک مضمون میں جو لاہوری مرزائیوں کے رسالہ ”السہدی“ میں شائع ہوا لکھا تھا کہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں میں بہت تضاد و تخالف ہے۔

محمد بخش قادیانی

اس شخص کو مدت العمر قادیاں میں الہام ہوتے رہے مگر مرزائیت قبول نہ کی لیکن جب قوی زیادہ مضحل ہو گئے اور قوت فکر جواب دے بیٹھی تو مرزائیت کا ہتسمہ لے لیا جس طرح حضرت ”مسیح موعود“ کا ایک دلچسپ الہام غٹم غٹم غٹم ہے اسی نمونہ کا ایک مضحکہ خیز الہام محمد بخش کا بھی ہے یعنی آئی ایم وٹ وٹ (میں وٹ وٹ ہوں)

مسٹر یار محمد پلیڈر

مسٹر یار محمد وکیل ہوشیار پور کا بیان ہے کہ محمدی پیغم جس کے ساتھ ”مسیح موعود“ کا آسمان پر نکاح ہوا تھا وہ درحقیقت میں یوں اور نکاح سے یہ مراد ہے کہ میں ان کی بیعت میں داخل ہوں گا۔ اسی نے مرزا صاحب کا ایک کشف بیان کیا تھا کہ گویا رب العالمین (معاذ اللہ) ایک مرد کی طرح مرزا صاحب سے فعل مخصوص کر رہا ہے۔ یہ مرزا کے حقیقی جانشین اور خلیفہ برحق ہونے کا مدعی تھا۔ اور انان کیا تھا کہ مرزا صاحب کی گدی کا اصل استحقاق مجھے حاصل ہے کیونکہ مرزا صاحب نے جو الوعیت میں پیشین گوئی کی تھی کہ تمہارے لیے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہ ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن جب میں جاؤں گا تو پھر اس دوسری قدرت کو تمہارے لیے بھیج دے گا۔“ اس کا صحیح مصداق میں ہوں کیونکہ حضرت مسیح موعود نے یہ بھی کہا تھا کہ قدرت ثانیہ کا مظہر وہ ہوگا جو میری خواب پر ہوگا۔ سو یہ علامت میری ذات میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ مسٹر یار محمد نے بہت کوشش کی کہ مرزا محمود احمد ان کے لیے مسند خلافت خالی کر دیں مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ سنا جاتا ہے کہ یار محمد میاں محمود احمد کے خلاف چالیس پچاس رسالے

شائع کر چکا ہے۔

عبداللہ تیماپوری

یہ شخص تیماپور واقع قلمرو حیدر آباد دکن کا رہنے والا ہے۔ پہلے روح القدس کے نزول کا مدعی بنا پھر منظر قدرت ثانیہ کا دعویٰ کیا۔ کہتے ہیں کہ اسے اپنے بازو کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ اس شخص نے ”انجیل قدسی“ نام ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں مرزا غلام احمد کے ان خطوط کو جو محترمہ محمدی بیگم سے عقد کرنے کے سلسلہ مساعی میں لکھے تھے پسندیدہ خیال نہیں کیا اور لکھا ہے کہ ان خطوط کے پڑھنے سے دل میں نفرت و کراہت پیدا ہوتی ہے۔ اس بے دین نے ”انجیل قدسی“ کے بعض مندرجات میں سخت جاہلانہ گندہ دہنی کا ثبوت دیا ہے مثلاً ایک جگہ یسفسک الدما کے یہ معنی لکھے ہیں کہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام نے حکم خداوندی کے خلاف (معاذ اللہ) اپنی زوجہ محترمہ حواء سے خلاف وضع فطرت انسانی فعل کا ارتکاب کیا۔ اس شخص نے پیشین گوئی کی تھی کہ مرزا محمود احمد بہت جلد میری بیعت میں داخل ہو جائے گا۔ لیکن پیشینگوئی پوری نہ ہو سکی۔ اس کو سب سے پہلے یہ وحی ہوئی تھی۔ یا ایہا النبی تیماپور میں رہو۔ کتاب محاکمہ آسمانی میں لکھتا ہے کہ مرزا صاحب کو صرف مقام شہودی حاصل تھا۔ اور وہ مقام وجودی سے بالکل عاری تھے لیکن مجھے یہ دونوں مقام حاصل ہیں۔ اس لیے میں غل محمد بھی ہوں اور غل احمد بھی۔ درجہ رسالت میں میں اور مرزا صاحب دونوں بھائی ہیں اور مساوی حیثیت رکھتے ہیں جو فرق کرے وہ کافر ہے۔ مامور من اللہ کو میں یا چالیس مردوں کی قوت و رجولیت حاصل ہوتی ہے اور بلا اجازت فراغت نہیں ہوتی۔ اسی صاحب کا یہ میں لکھتے ہیں کہ اس شخص نے اپنی کتاب قدسی فیصلہ میں اعلان کیا کہ میں نے خدا کے دربار میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی۔ اَلّٰہی مسلمان مطلق ہو رہے ہیں اس لیے سود خواری کی ممانعت دور فرمائی جائے۔ جواب ملا کہ ساڑھے بارہ روپے سینکڑہ سود کی اجازت دیتا ہوں۔ اسی طرح حکم ملا کہ رمضان کے تین روزے کافی ہیں۔ عورتیں بے حجاب رہ سکتی ہیں۔ چونکہ میں بروز محمد ہوں اس لیے مجھے شریعت محمدی میں نسخ و تبدیل کا اختیار ہے۔ سنا جاتا ہے کہ پشاور اور کیمل پور کے بہت سے مرزائی اس کے مرید ہیں۔

سید عابد علی

سید عابد علی نام ایک پرانا مرزائی ملہم قصبہ بدولتی ضلع سیالکوٹ میں رہتا تھا۔ اسے ایک مرتبہ ایسا دلچسپ الہام ہوا تھا جس سے مرزا غلام احمد کا قصر نبوت بالکل پوند خاک ہو جاتا تھا لیکن توفیق ایزدی رہنمائانہ ہوئی اس لیے باطل سے منہ موڑ کر اسلام کے سوا اعظم کی پیروی نہ کر سکا۔

قادیانی صاحب کی خانہ زاد شریعت میں کسی مرزائی کے لیے جائز نہیں کہ مسلمان کو لڑکی دے۔ لیکن سید عابد علی نے اپنے ایک الہام کے بموجب اس حکم پر خط تبلیغ کھینچ دیا اور مرزائی قیود سے آزاد ہو کر اپنی لڑکی ایک مسلمان سے بیاہ دی۔

عبداللطیف گناچوری

یہ بھی ایک مشہور مرزائی ہے۔ مدعی نبوت تھا۔ اس نے اپنے دعویٰ کی تائید میں ایک ضخیم کتاب ”چشمہ نبوت“ شائع کی۔ اس میں لکھتا ہے کہ مرزا صاحب کا نام زمین پر غلام احمد اور آملن پر مسیح ابن مریم تھا۔ اس طرح خدا نے زمین پر میرا نام عبداللطیف اور آسمانوں میں محمد بن عبداللہ موعود رکھا ہے جس طرح مرزا صاحب روحانی اولاد بن کر سید ہاشمی بن گئے تھے۔ اسی طرح میں بھی آل رسول میں داخل ہوں۔ نعمت اللہ ولی کی پیشین گوئی کا مصداق میں ہوں۔ احادیث میں جو مہدی کے آنے کا ذکر ہے وہ میں ہوں۔ دانیال نبی نے میرا ہی زمانہ 1335ھ سے 1340ھ تک بتایا ہے ہم کسی مسلمان کو محض اس بنا پر کافر نہیں کہتے کہ اس نے ہم سے بیعت کیوں نہیں کی کیونکہ اس قسم کی باتیں فروعات میں داخل ہیں۔ احمدیوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مسیح اور مہدی دونوں کی ایک ہی شخصیت ہے کیونکہ مرزا صاحب فرما چکے ہیں کہ مجھ سے پہلے بھی مہدی آچکے ہیں اور بعد میں بھی آئیں گے۔ ان کے زمانے میں کوئی مہدی نہ تھا۔ اس لیے میں مہدی آخر الزمان ہوں۔ مرزا صاحب کو اٹھارہ سال تک اپنی رسالت کا یقین نہ تھا۔ آخر جب زور سے وحی آنے لگی تو یقین ہوا۔ میرے نوے معجزے ہیں۔ میری پیشین گوئیاں مرزا صاحب سے بھی بڑھ کر سچی نکلی ہیں چنانچہ ہندوستان میں دبا کیں زلزلے اور سیاسی انقلابات میری پیشین گوئیوں کے مطابق آئے لیکن مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں درست نہ نکلیں۔ اس نے اپنے لقب قمر الانبیاء رکھا ہوا تھا۔

ڈاکٹر محمد صدیق بہاری

مولوی محمد عالم صاحب آسی (امر تسر) نے اپنی کتاب الکادیہ کے چودہ پندرہ صفحے اسی شخص کے حالات کی نذر کر دیئے ہیں۔ میں اس کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ یہ شخص صوبہ بہار کے علاقہ گدک نار بنے والا مرزائیوں کی لاہوری پارٹی سے متعلق ہے۔ اس نے اپنی کتاب ”ظہور بشویسور“ میں لکھا ہے کہ مسیح قادیانی و شنواو تار تھا۔ خلیفہ محمود ابن غلام احمد دیر بسنت ہے اور میں ”چن بشویسور“ ہوں۔ میرے ظہور کے بعد سات سال کے اندر مرزا محمود مر جائے گا۔ لیکن یہ پیشین گوئی پوری نہیں ہوئی۔ مولوی محمد عالم صاحب لکھتے ہیں کہ شاید اس سے اخلاقی موت مراد ہو۔ ڈاکٹر موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ صوبہ بہار کے ہنود کی مذہبی کتابوں میں دو موعود

مذکور ہیں۔ اور ہندو لوگ ان کا سخت بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔ کتب ہندو کے علامات مجھ پر صادق آتے ہیں۔ میں برہمچاری بن کر علاقہ کرناٹک کو گیا اور آٹھ سال کی غیبت کے بعد ظاہر ہوا۔ پیٹھ پر سانپ کے منہ کا نشان بھی موجود ہے ہاتھ میں سنگھ میل چکر وغیرہ نشانات بھی مجھ میں پائے جاتے ہیں۔ حضرت سرور دو جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے بعد صرف مجھے صدیق کا درجہ ملا ہے اور صدیق کا درجہ ممدی اور مسیح سے بھی فائق ہے۔ 8 اپریل 1886ء کو مرزا صاحب نے جس پسر موعود کی پیشین گوئی کی تھی وہ میں ہی یوسف موعود ہوں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اہل قادیاں کی اصلاح کروں۔ قادیاں سے آواز اٹھ رہی ہے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبوت جاری ہے۔ اسلام میں سرور دو جہاں رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی پر اس سے بڑھ کر اور کوئی حملہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی کلمہ اکیا جائے اور جس کروڑ مسلمانوں کو مرزا صاحب کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے خارج از اسلام تصور کیا جائے۔ میں اسی توین آمیز عقیدہ کے مٹانے کی غرض سے مبعوث ہوا ہوں۔ محمودیوں اور پیغامیوں (قادیانی مرزائیوں اور لاہوری مرزائیوں) میں جھگڑا تھا اس لیے میں حکم بن کر آیا ہوں۔ میرے نشانات کئی ہزار ہیں صرف اخلاقی نشان چون نہیں۔ یہ نعمت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فنا ہونے اور قادیاں کا خلاف کرنے سے ملی۔ غیرت الہی نے میرے لیے مرزا صاحب کے نشانات سے بڑھ کر نشانات ظاہر کئے میری بعثت کے بغیر قادیان کی اصلاح ناممکن تھی۔ میں نے تلاش حق میں مرزا محمود کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی لیکن عقائد پسند نہ آنے پر بیعت فسخ کر دی اور قادیاں سے نکالا گیا۔ اب میں مسلسل بارہ سال سے محمودی عقائد کی تردید کر رہا ہوں۔

احمد سعید سمبھریالی

سمبھریال ضلع یالکوٹ کے احمد سعید مرزائی سابق اسٹنٹ انسپکٹر مدارس نے بھی قدرت ثانیہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنا لقب ”یوسف موعود“ رکھا۔ مولوی محمد عالم صاحب آسی لکھتے ہیں کہ اس شخص نے اپنے الہام ”ہیراہن یوسفی“ نام ایک کتاب میں جمع کئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ میں نہایت غمزہ درود رہا تھا۔ اس اثناء میں حضرت مریم علیہا السلام تشریف لائیں۔ اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا چہ مت روؤ۔ ایک مرتبہ احمد سعید نے اپنا یہ الہام چوک فرید امرتسر میں بیان کیا تو مسلمانوں نے چاروں طرف سے خشت باری شروع کر دی۔ بے اوسان بھاگا۔ بچوں نے پتھر رونہ پتھر رونہ۔ کہہ کر اسے چھیڑنا اور ستانا شروع کیا یہ بد بخت حسب بیان آسی صاحب اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ رشتہ داریاں سب ناجائز ہیں اور (معاذ اللہ) کولہ الزنا ہیں۔ آئندہ کے لیے میں حکم دیتا ہوں کہ غیر قوموں سے رشتے ناطے کریں اگر معاذ اللہ تمام

مسلمان ایسے ہیں تو معلوم نہیں کہ یہ مانجھار ولد الحلال کیسے ہو گیا؟ اس کے گلے میں ایک گٹھی ہے جسے وہ مہر نبوت سے تعبیر کرتا ہے۔

احمد نور کالی

قادیان کا سرمہ فروش احمد نور کالی مرزا غلام احمد کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا۔ مولوی محمد عالم صاحب آسی لکھتے ہیں کہ کی ناک پر پھوڑا تھا۔ جب کسی طرح اچھا نہ ہوا تو عمل جراحی کرایا۔ جب ناک کافی گئی تو درجہ نبوت پر فائز ہو گیا۔ اس نے ایک ٹریکٹ زیر عنوان لکھل امقہ اجل شائع کیا ہے جس میں لکھتا ہے۔ اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں۔ دین اسلام میری ہی متابعت میں دائر و سائر ہے۔ مجھے نہ ماننا دین سے خارج ہوتا ہے۔ میں روحانی سورج ہوں میں رحمت للعالمین ہوں میرا نام محمد رسول اللہ ہے۔ میں سفید مینار سے نازل ہوا۔ جملہ انبیاء کا منظر ہوں۔ قرآن کو ستاروں سے لایا ہوں۔ خدا نے مجھے الہام کیا تھا۔ اس الہام میں خدا نے مجھے فرمایا تھا کہ تجھے خلیفہ محمود کے عہد خلافت میں قادیان میں مبعوث کیا جائے گا۔ خدا نے آیت هو الذی بعث فی الامین رسول میں فرمایا ہے کہ خدا نے افغانوں میں ایک رسول بھیجا ہے۔ میں شرعی رسول ہوں۔ اب خدا نے قرآن مجھ پر نازل کیا ہے۔ مجھے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ احمد نور رسول اللہ دیا گیا ہے۔ خدا نے میرے ساتھ بھرت کلام کیا ہے۔ میری وحی کی تعداد سب ہزار تک پہنچتی ہے جو شخص میرا انکار کرے گا وہ لعنت کی موت مرے گا۔ وغیرہ ذالک من الخرافات۔

نبی بخش مرزائی

یہ شخص موضع معراج کے تحصیل پرورد ضلع سیالکوٹ کا ایک پرائمرزائی تھا۔ اس نے 1921ء میں ایک اعلان شائع کیا۔ جس میں لکھا۔ اے ہر مذہب و ملت کے دوستو! آپ پر واضح ہو کہ اس عاجز پر ستائیس سال سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کا سلسلہ جاری ہے اس عرصہ میں اس عاجز کی بے شمار پیشین گوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ مجھے ایک روشن نور اپنی طرف کھینچ کر مقام محمود کی طرف لے جا رہا ہے۔ مجھے سلطان العارفین کا درجہ دیا گیا ہے۔ مجھے چار سال سے تبلیغ کا حکم ہو رہا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ الٰہی میں امی ہوں۔ حکم ہوا جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ تبلیغ کرتے تھے تو بھی تبلیغ کر۔ اس کے بعد یہ عاجزان الفاظ سے مخاطب کیا گیا۔ یا ایہا الصدیق یوسف انہی معک اسی طرح بار بار حکم ہوتا رہا۔ یہ عاجز فکر مند تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں اس قابل نہیں ہوں لیکن مجھے سمجھایا گیا کہ نبوت کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ تم دنیا کے طعنوں سے نہ ڈرو۔ نبوت کا

تاج تمہارے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ وقت قریب آرہا ہے کہ تجھ سے حما قہیل کرائیں گے۔ نبوت کا تاج تیرے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ دعوائے نبوت کے واسطے تیار ہو جا۔ مدعی نبوت کا فرض ہے میدان میں نکل پڑے۔ میں تیری مدد کے لیے فرشتوں کی فوج تیار رکھوں گا۔ ہر وقت تجھے مدد دیتا رہوں گا۔ موسیٰ مرسل کی طرح میدان میں ہوشیار رہنا۔ بڑے بڑے فرعون تیرے سامنے آئیں گے مگر سب منہ کی کھائیں گے۔ تیرے خاندان کے لوگ اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ مگر کسی کی پروا نہ کرنا۔ آنے والی تسلیں افسوس کریں گی کہ لوگ تجھ پر ایمان نہ لائے۔ حالات سن سن کر رویا کریں گے۔ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ تو ابد ایسی نسل ہے تو خاندان نبوت سے ہے۔

عبداللہ پیواری

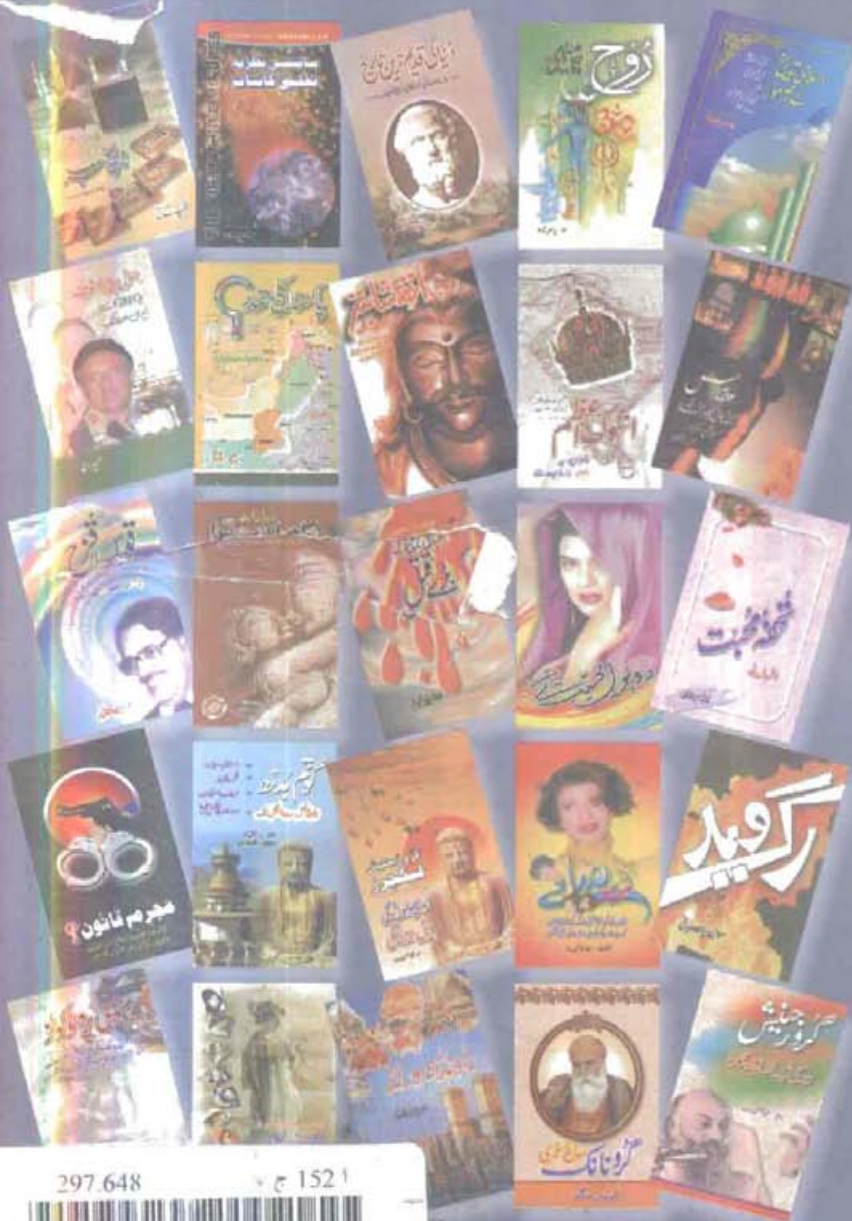
چچا وطنی ضلع منٹگمری میں عبداللہ نام ایک مرزائی پیواری رہتا تھا۔ قادیان کے چشمہ الحاد سے دجالی کا فیض پانے کے بعد کفریات و شطیحات بننے میں اپنے پیرو مرشد کا ہمسرہ تھا۔ اس نے اپنا لقب راجل سیعی احمد رسول رکھا تھا۔ اپنے اعلان میں لکھتا ہے۔ میں رسول اللہ بھیجا گیا طرف تمہارے رب تمہارے سے۔ مدے بنو اسلام کے پیروں مرشدوں مولویوں کی خود ساختہ شریعت کے پیچھے نہ جاؤ۔ وہ سب احکام بلاوحی ہیں۔ جن کا ثبوت نہ کتاب سے دیتے ہیں۔ یعنی کلمہ درود و سنت نفل، نعت، غزل، مولود، نماز تراویح، نماز عیدین، نماز جنازہ اور عرس مردہ اولیاء پر کھانا کھانا وغیرہ۔ لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کہنا شرک ہے۔ کتاب ”ہدایۃ للعالمین“ میں لکھتا ہے کہ الرسول یدعوکم اور اطیعوا الرسول میں میری طرف اشارہ ہے اور لکھتا ہے کہ میں نے خواب میں اپنی والدہ مرحومہ کو دیکھا اور کہا کہ خدا نے مجھے مسیح ابن مریم بنا کر بھیجا ہے۔ یہ سن کر والدہ حیران رہ گئیں اور کہنے لگیں کہ بیٹا کل تو تو یہ کہتا تھا کہ مسیح آئے گا اور آج خود مسیح بن بیٹھا ہے۔ جب بیدار ہوا تو یقین ہو گیا کہ کسی بدروح نے مجھ سے مسیح ہونے کا دعویٰ کر لیا تھا۔ اسی ضیث روح نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے بھی مسیحیت کا دعویٰ کر لیا تھا حالانکہ وہ اس سے پیشتر خود لکھ چکے تھے کہ حضرت مسیح آسمان سے نازل ہوں گے۔ مجھے الہام ہوا کہ مرزا صاحب ابن مریم نہیں ہیں اور ان کی آمد کا کوئی حکم نہیں ہے۔ مرزا صاحب جیسے فرضی مریم نے اسی طرح ابن مریم بھی بنے۔ جو ماں ہے وہ بیٹا نہیں ہو سکتی اور جو بیٹا ہے وہ ماں نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ اور مرزا محمود احمد لکھتا ہے کہ مرزا صاحب ہی احمد رسول ہیں۔ یہ دونوں باتیں لغو ہیں۔

فضل احمد چنگا بھگیاں

فضل احمد مرزائی موضع چنگا بھگیاں ضلع راولپنڈی کا ایک مشہور مرزائی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ میں مرزا صاحب کا ظہور ہوں۔ کہتا ہے کہ مرزا صاحب کی عمر اسی سال کی تھی لیکن جب وہ اپنی عمر کے ساٹھ سال گزر چکے تو باقی ماندہ ہست سالہ عمر مجھے تفویض فرما کر وادی آخرت کو چل دیئے۔ اب میں ہی حقیقی مرزا صاحب ہوں۔ اس شخص کا ایک مضحکہ خیز مضمون جو سراسر تعلیوں لن ٹرائیوں اور لحدانہ خیالات سے مملو تھا۔ 1934ء کے اواخر میں جریدہ ”زمیندار“ میں شائع ہوا تھا۔

غلام محمد مصلح موعود و قدرت ثانی

یہ وہی شخص ہے جس نے ڈیڑھ دو سال پیشتر لاہوری مرزائیوں کے خلاف اودھم مچا رکھا تھا اور مسٹر محمد علی امیر جماعت لاہور کے اسرار و خفایا کو الم نشرح کر کے لاہوری مرزائیوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص قادیانی مرزائیوں کا ایجنٹ ہے جو مسٹر محمد علی کی تحریک کے درپے رہتا ہے۔ اس نے اپنے مصلح موعود اور قدرت ثانی ہونے کے متعلق متعدد کتابیں شائع کی ہیں۔ یہ شخص شروع میں مسلم ہائی سکول لاہور میں میٹرک کا امتحان پاس کر کے لاہوری مرزائیوں کے اخبار ”پیغام مصلح“ کی ملازمت میں منسلک ہو گیا تھا مگر اس کے بعد مرزائی ہوا کارخ پہچان کر اسے ارتقاء منازل کی سو جھی چنانچہ معالہامی تالاب میں غوطے کھانے لگا۔



297.648

152 ج



* 2 2 1 7 8 - E U - 6 4 *

میاں نجار شاہ، بی افس 1854 لاہور، پاکستان

فون: 0092-42-6305241, 6362412

فیکس: 0092-42-6312968

E-mail: nigarshat@yahoo.com

